

تبیان القرآن

دار غلام رسول حیدری
فیض الاسلام پبلیشرز

فریدکے قلم سے
۱۳۸۱ھ

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

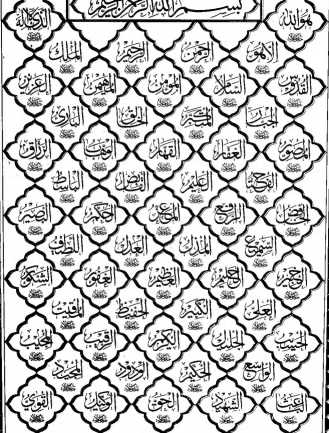
[https://archive.org/details/](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

[@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زohaib حسن عطاری

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ و تفسیر
عربی و فارسی
مکتبہ دارالعلوم دیوبند

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

فرید کتب

۳۸ اردو بازار لاہور

Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کا پی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، حصہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



صحیح محمد فیاض احمد رضوی

کیوزنگ : NRehan Ali

مطبع : روی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور

الطبع الاول : رجب ۱۴۲۶ھ / اگست ۲۰۰۵ء

Farid Book Stall®

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No. 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک اسٹال لاہور

فون نمبر : ۰۹۲.۴۲.۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵

۰۹۲.۴۲.۷۲۲۴۸۹۹ فیکس نمبر

ای میل : info@faridbookstall.com

www.faridbookstall.com

marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست مضامین

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ
۳۶	فرعون کو سکون دالے کہنے کی وجہ تیسرے	۲۹	سورۃ ص	
۱۸	سابقہ احادیث کے مذاہب کو بیان کر کے اہل حد کو	۲۹	سورۃ کا نام اور وجہ تیسرے	۱
۳۷	نزول مذاہب سے اذان	۲۹	ص ص کا زمانہ نزول	۲
۳۷	وما یبطلہ ہولاء (۱۵۰۲۶)	۳۰	ص ص کے اغراض و مقاصد	۳
۳۰	لقد فسرنا فی کافعی اس کا مکمل اور اس کے متعلق	۳۱	ص ص کے مضامین اور مشمولات	۴
۳۸	حدیث	۳۲	حقائق یہ ہے کہ امام ہدای نے ہی تفسیر کو مکمل کیا ہے	۵
۵۰	چچ اور چچا کے تین مکمل	۳۵	ص ص واللہ ان ذی الذکر (۱-۱۳)	۶
۵۱	لفظ کا معنی	۳۶	ص ص کے معانی اور محال	۷
۵۱	موت کی تمنا کی ممانعت کے متعلق احادیث	۳۶	اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کیا فرمایا؟	۸
۲۳	اللہ سے ملاقات اور شہادت کے حصول کے لیے	۳۷	ولات حنین ص ص کی تفسیر	۹
۵۲	موت کی تمنا کا جواز	۳۸	کفار کا گھبراہٹ اور ان کی مخالفت کس وجہ سے تھی؟	۱۰
۵۲	حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ	۲۵	کفار کی ابوطالب سے شکایت اور نبی صلی اللہ علیہ	۱۱
۵۳	حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی دس وجوہ	۳۹	و سلم کا جواب	
۲۷	چاشت اور اشراق پڑھنے کی فضیلت میں	۴۰	کفار کا اپنے جنوں کی عبادت پر صبر کرنے کا مکمل	۱۲
۵۵	احادیث	۴۰	خلق مطلق اور اختلاق کے معانی	۱۳
۵۶	اشراق کی نماز کا وقت	۴۸	کفار کے اس اعتراف کا جواب کہ محمد تو ذات اور	۱۴
۵۷	نماز چاشت کی رکعات کی تعداد اور اس کا وقت	۴۹	صفات میں ہماری مثل ہیں پھر ان کو وحی رسالت	
۴۰	پہاڑوں اور پرندوں کا حضرت داؤد کی شیع کے	۴۱	کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟	
۵۸	ساتھ شیع کرنا		سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے متعلق	۱۵
۵۹	حضرت داؤد علیہ السلام کی حبیبیت	۴۱	کفار کے شکوک و شبہات کا ازالہ	
۴۲	حضرت داؤد کا مخالفانہ ان کا لشکر تھا اور ہمارے نبی کا	۴۲	سابقہ احادیث پر ان کی تکذیب کی وجہ سے مذاہب کا	۱۶
۵۹	محافظہ اللہ تعالیٰ تھا	۴۶	نازل ہوتا	

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۳۳	عسکرت کی تحریفات	۶۰	۵۰	جن میں مفسرین نے اس اسرائیلی روایت کو مسترد کر دیا	۴۳
۳۴	فصل خطاب کی تفسیر میں متعدد اقوال	۶۲			
۳۵	مشکل الفاظ کے معانی	۶۳	۵۱	حضرت داؤد علیہ السلام کے استفقار کی توجیہات اور محال	۴۴
۳۶	حضرت داؤد علیہ السلام کے مجروح کی دیوار پھاڑ کر آنے والے یا انسان تھے یا فرشتے؟	۶۳	۵۲	خلیفہ کا معنی اور اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی مصمت پر استدلال	۴۶
۳۷	آنے والوں کے فرشتے ہونے پر علامہ ابوبکر بن العربی کے دلائل	۶۴	۵۳	انسانی معاشرہ میں خلیفہ کی ضرورت	۴۷
۳۸	آنے والوں کے انسان ہونے پر امام رازی کے دلائل	۶۴	۵۴	انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصاً خلیفہ اللہ ہونا	۴۸
۳۹	آنے والوں کے فرشتے ہونے کی توجیہ	۶۵	۵۵	خلیفہ کا خواہش کی اجراع کرنا کیوں عذاب شدید کا موجب ہے؟	۴۹
۴۰	مذکور توجیہ کا امام رازی کی طرف سے جواب	۶۵	۵۶	خلافت علی منہاج النبوت کی تحقیق	۸۰
۴۱	مذکور توجیہ کا مصنف کی طرف سے جواب	۶۶	۵۷	آیت اختلاف کی تحقیق	۸۰
۴۲	آنے والوں کے انسان ہونے پر علامہ ابو ایمنان اندلسی کے دلائل	۶۶	۵۸	خلافت کی تفریق	۸۱
۴۳	حضرت داؤد علیہ السلام نے صرف ایک فریق کے بیان پر کیوں فیصلہ کیا؟	۶۶	۵۹	خلافت کی شرائط	۸۲
۴۴	حضرت داؤد علیہ السلام کے استفقار کی توجیہات	۶۷	۶۰	خلافت منقطع کرنے کے طریقے	۸۳
۴۵	سورہ حق کے مجروح کے وجوب میں اختلاف فقہاء	۶۷	۶۱	خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے شرائط	۸۵
۴۶	سورہ حق کے مجروح حالات کے متعلق احادیث اور آثار	۶۸	۶۲	موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کا فرق	۸۵
۴۷	لما زلور خارج از نماز رکوع سے مجروح حالات کا ادا ہونا	۶۹	۶۳	وما خلقنا السماء والارض (۴۰-۴۷)	۸۶
۴۸	حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے جس فعل پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی تھی اس کے متعلق تورات کا بیان	۷۰	۶۴	حشر دشمن کے ثبوت پر دلائل	۸۷
۴۹	بعض قدیم مفسرین کا تورات کی بحرف روایت کو نقل کر کے اس سے استدلال کرنا	۷۳	۶۵	تذکرہ ائمہ کا معنی	۸۸
			۶۶	قرآن مجید کے معانی پر غور و فکر نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حکام کی نافرمانی کرنا ہے	۸۸
			۶۷	قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب	۸۹
			۶۸	حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ	۹۰
			۶۹	مشکل الفاظ کے معانی	۹۰
			۷۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کی تعیبار کے متعلق مختلف اقوال	۹۰

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۱۰۸	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل بارسل ہوتا ہواؤں اور جنات پر تعریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے	۸۷	حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی توجیہ
۱۰۸	حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو ہوائیں سحر کی جتنی قسمیں ہر دم و طام تھیں یا تند و تیز؟	۹۱	جہود منسیرین کی بیان کی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت
۱۱۰	جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سحر کے گئے تھے ان کے مختلف انواع و اقسام	۹۲	جہود منسیرین کی بیان کی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت پر لام ہارزی کا
۱۱۰	جن جنات کو زنجیروں سے جکڑا دیا ان کی جسامت پر ایک عورت ارض کا جواب	۹۳	حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی صحیح توجیہ
۱۱۱	حضرت سلیمان علیہ السلام کا دنیاوی و آخروی قرب	۹۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کا آ زمانہ میں جتنا ہوتا
۱۱۲	واذا ذکر عبدنا ایوب (۶۳-۶۴)	۹۵	حضرت سلیمان علیہ السلام کی آ زمانہ کے متعلق اسرائیلی روایات
۱۱۳	حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ	۹۶	اسرائیلی روایات کا رد و علامہ بخاری سے
۱۱۳	حضرت ایوب علیہ السلام کا آ زمانہ میں جتنا آیا جانا	۹۷	اسرائیلی روایات کا رد و علامہ ہارزی سے
۱۱۳	حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی تحقیق	۱۰۰	اسرائیلی روایات کا رد و علامہ ایوبیان اندلسی سے
۱۱۳	بعض منسیرین کا حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کو شیطان کی تاثیر قرار دینا	۱۰۱	اسرائیلی روایات کا رد و علامہ اسماعیل حق سے
۱۱۶	محققین کے نزدیک شیطان کو کسی انسان کے جسم پر تسلط اور تعریف حاصل نہیں ہے	۱۰۲	اسرائیلی روایات کا رد و علامہ آلوسی سے
۱۱۷	حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کو شیطان کی طرف جو منسوب کیا تھا اس کی توجیہات	۱۰۳	حضرت سلیمان علیہ السلام کی توجیہ کا عمل
۱۱۷	حضرت ایوب علیہ السلام کے نقصانات کی صفائی کرنا	۱۰۴	ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر حجاب اور آپ کی توجیہ اور استغفار کا عمل
۱۱۹	حضرت ایوب علیہ السلام کی زہد کے لیے قسم پوری کرنے میں تخفیف اور رعایت	۱۰۵	ایک دن میں ایک سو بار توجیہ کرنے کی توجیہ اور توجیہ کی اقسام
۱۲۰	حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کے لطیف نکات	۱۰۶	دعا میں آخری مطالب کو دنیاوی مطالب پر مقدم رکھنا
		۱۰۶	حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ دعا کرنا کہ ان کو ایسی سہولت دی جائے جو دوسروں کو نہ ملے آئیے قول خدا کو مستلزم ہے؟

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۰۳	مشکل حالات میں انبیاء علیہم السلام کی استقامت	۱۲۳	۱۳۰	بہت بڑی خبر کے صدائق میں متعدد احتمالات	۱۳۰
	یاد دلا کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین	۱۲۳	۱۳۱	الصلاء الاعلیٰ سے مراد وہ فرشتے ہیں جن سے	۱۳۱
	فرماتا	۱۲۰	۱۳۲	تحقیق آدم کے متعلق مشورہ کیا گیا	۱۳۲
۱۰۴	انبیاء علیہم السلام کا خالص دار آخرت کے ساتھ	۱۲۵	۱۳۳	الصلاء الاعلیٰ کی دوسری تفسیر کہ اس سے مراد	۱۳۳
	مشغول ہوتا	۱۲۱	۱۳۴	وہ فرشتے ہیں جو گناہوں کے کفار سے میں بحث کر	۱۳۴
۱۰۵	عصمت انبیاء پر دلیل	۱۲۲	۱۳۵	رہے تھے	۱۳۵
۱۰۶	مکر وہ تہذیبیں اور خلاف انبی کا گناہ نہ ہوتا	۱۲۲	۱۳۶	اللہ تعالیٰ کی صورت اور اس کے ہاتھوں کی تفسیر	۱۳۶
۱۰۷	عصمت کی تعریف اور معصوم اور محفوظ کا فرق	۱۲۳	۱۳۷	میں حقد میں اور حقد خیرین کے نظریات	۱۳۷
۱۰۸	حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اپنے والد اور	۱۲۷	۱۳۸	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام	۱۳۸
	بھائی سے متفصل کرنے کی توجہ	۱۲۶	۱۳۹	چیزوں کا علم دیا جاتا	۱۳۹
۱۰۹	جنت عدن کے متعلق احادیث اور آثار	۱۲۷	۱۴۰	مکرمین عموم علم رسالت کا آپ کے علم کلی پر اعتراض	۱۴۰
۱۱۰	جنت کے دروازے کھلے کھلے کے سر اور نکات	۱۲۸	۱۴۱	اعتراض مذکور کے جوابات	۱۴۱
۱۱۱	متقین کے لیے جنت کی نعمتیں	۱۲۹	۱۴۲	اگر آپ کو علم کلی دے دیا گیا تھا تو پھر بعد میں	۱۴۲
۱۱۲	اس پر دلائل کہ طغاسین سے مراد کفار ہیں نہ کہ	۱۳۰	۱۴۳	قرآن مجید کیوں نازل ہوتا رہا؟	۱۴۳
	اصحاب کفار	۱۳۱	۱۴۴	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر امت کے علم	۱۴۴
۱۱۳	غساق کی تفسیر میں حدیث اور آثار	۱۳۱	۱۴۵	کے عموم سے معارضہ اور اس کا جواب	۱۴۵
۱۱۴	من شکک الذواج کا معنی	۱۳۱	۱۴۶	بشر کا معنی اور اس کی تحقیق کا مادہ	۱۴۶
۱۱۵	دوزخ میں کافروں کے سرداروں اور بی و کاروں	۱۳۳	۱۴۷	روح کا معنی 'روح پھونکنے کا حمل اور ہماری	۱۴۷
	کا منہ غرہ	۱۳۱	۱۴۸	شریعت میں تجدید و تقسیم کا عدم جواز	۱۴۸
۱۱۶	قل انصافا منسلو (۸۸-۹۵)	۱۳۳	۱۴۹	انجیس کا معنی اور اس کا جنت میں سے ہونا	۱۴۹
۱۱۷	آیات سابقہ سے احتیاج	۱۳۵	۱۵۰	حضرت آدم کو دونوں ہاتھوں سے بنانے کی توجہ	۱۵۰
۱۱۸	اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے سے اس کی توحید پر	۱۳۶	۱۵۱	مٹی کا آگ سے افضل ہونا	۱۵۱
	استدلال	۱۳۵	۱۵۲	انجیس کے اس زعم کا بطلان کہ وہ حضرت آدم سے	۱۵۲
۱۱۹	اللہ تعالیٰ کے عفو ہونے کے متعلق احادیث	۱۳۶	۱۵۳	افضل ہے	۱۵۳
۱۲۰	پارہ گناہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا بخش دینا	۱۳۷	۱۵۴	تکبر کی مذمت میں احادیث	۱۵۴
۱۲۱	تاب کے لیے بُری جگہ اور بُرے لوگوں کو چھوڑ	۱۳۹	۱۵۵	امام رازی کے اس پر دلائل کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا	۱۵۵
	دینے کا احتیاج	۱۳۹	۱۵۶	ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے ہو رہا	۱۵۶
۱۲۲	اولیاء کرام کی وجاہت	۱۳۹	۱۵۷	ہے	۱۵۷

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۱۵۷	اسلام رازی کے دلائل کے جہات اور بحث و نظر	۱۵۸	تلف اور متکلمین کا معنی	۱۵۹	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت اٹھا کر جو
۱۶۰	تلف اور متکلمین کا معنی	۱۶۱	پیغام پہنچا یا اس کی تفصیل	۱۶۲	تلف اور قلعہ کرنے کی مذمت میں احادیث
۱۶۱	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت اٹھا کر جو	۱۶۲	قرآن مجید کا جن اور انس کے لیے فصاحت ہونا	۱۶۳	سورۃ ص کا اختتام
۱۶۲	پیغام پہنچا یا اس کی تفصیل	۱۶۳	سورۃ النحر	۱۶۴	سورۃ النحر
۱۶۳	تلف اور قلعہ کرنے کی مذمت میں احادیث	۱۶۴	سورۃ النحر	۱۶۵	سورۃ النحر
۱۶۴	قرآن مجید کا جن اور انس کے لیے فصاحت ہونا	۱۶۵	سورۃ النحر	۱۶۶	سورۃ النحر
۱۶۵	سورۃ ص کا اختتام	۱۶۶	سورۃ النحر	۱۶۷	سورۃ النحر
۱۶۶	سورۃ النحر	۱۶۷	سورۃ النحر	۱۶۸	سورۃ النحر
۱۶۷	سورۃ النحر	۱۶۸	سورۃ النحر	۱۶۹	سورۃ النحر
۱۶۸	سورۃ النحر	۱۶۹	سورۃ النحر	۱۷۰	سورۃ النحر
۱۶۹	سورۃ النحر	۱۷۰	سورۃ النحر	۱۷۱	سورۃ النحر
۱۷۰	سورۃ النحر	۱۷۱	سورۃ النحر	۱۷۲	سورۃ النحر
۱۷۱	سورۃ النحر	۱۷۲	سورۃ النحر	۱۷۳	سورۃ النحر
۱۷۲	سورۃ النحر	۱۷۳	سورۃ النحر	۱۷۴	سورۃ النحر
۱۷۳	سورۃ النحر	۱۷۴	سورۃ النحر	۱۷۵	سورۃ النحر
۱۷۴	سورۃ النحر	۱۷۵	سورۃ النحر	۱۷۶	سورۃ النحر
۱۷۵	سورۃ النحر	۱۷۶	سورۃ النحر	۱۷۷	سورۃ النحر
۱۷۶	سورۃ النحر	۱۷۷	سورۃ النحر	۱۷۸	سورۃ النحر
۱۷۷	سورۃ النحر	۱۷۸	سورۃ النحر	۱۷۹	سورۃ النحر
۱۷۸	سورۃ النحر	۱۷۹	سورۃ النحر	۱۸۰	سورۃ النحر
۱۷۹	سورۃ النحر	۱۸۰	سورۃ النحر	۱۸۱	سورۃ النحر
۱۸۰	سورۃ النحر	۱۸۱	سورۃ النحر	۱۸۲	سورۃ النحر
۱۸۱	سورۃ النحر	۱۸۲	سورۃ النحر	۱۸۳	سورۃ النحر
۱۸۲	سورۃ النحر	۱۸۳	سورۃ النحر	۱۸۴	سورۃ النحر
۱۸۳	سورۃ النحر	۱۸۴	سورۃ النحر	۱۸۵	سورۃ النحر
۱۸۴	سورۃ النحر	۱۸۵	سورۃ النحر	۱۸۶	سورۃ النحر
۱۸۵	سورۃ النحر	۱۸۶	سورۃ النحر	۱۸۷	سورۃ النحر
۱۸۶	سورۃ النحر	۱۸۷	سورۃ النحر	۱۸۸	سورۃ النحر
۱۸۷	سورۃ النحر	۱۸۸	سورۃ النحر	۱۸۹	سورۃ النحر
۱۸۸	سورۃ النحر	۱۸۹	سورۃ النحر	۱۹۰	سورۃ النحر
۱۸۹	سورۃ النحر	۱۹۰	سورۃ النحر	۱۹۱	سورۃ النحر
۱۹۰	سورۃ النحر	۱۹۱	سورۃ النحر	۱۹۲	سورۃ النحر
۱۹۱	سورۃ النحر	۱۹۲	سورۃ النحر	۱۹۳	سورۃ النحر
۱۹۲	سورۃ النحر	۱۹۳	سورۃ النحر	۱۹۴	سورۃ النحر
۱۹۳	سورۃ النحر	۱۹۴	سورۃ النحر	۱۹۵	سورۃ النحر
۱۹۴	سورۃ النحر	۱۹۵	سورۃ النحر	۱۹۶	سورۃ النحر
۱۹۵	سورۃ النحر	۱۹۶	سورۃ النحر	۱۹۷	سورۃ النحر
۱۹۶	سورۃ النحر	۱۹۷	سورۃ النحر	۱۹۸	سورۃ النحر
۱۹۷	سورۃ النحر	۱۹۸	سورۃ النحر	۱۹۹	سورۃ النحر
۱۹۸	سورۃ النحر	۱۹۹	سورۃ النحر	۲۰۰	سورۃ النحر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۷	میر کا بے حساب اجر عطا فرمانے کی وجہ	۲۰۱	۵۵	دل کی سختی کے اسباب	۲۱۸
۳۸	میر کی جزاء کے متعلق احادیث اور آثار	۲۰۱	۵۶	قرآن مجید میں کرجن کے خوف خدا سے روکنے	
۳۹	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اسلام لانے			کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے لیے بشارتیں	۲۱۹
	کے حکم کی توجیہ	۲۰۳	۵۷	قرآن مجید میں کرجن کے اظہار و جد کرنے والوں کے	
۴۰	کفار کے نقصان زدہ ہونے کے متعلق احادیث			حقوق صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کی آراء	۲۱۹
	اور آیات میں باہم ظاہری تعارض کا جواب	۲۰۳	۵۸	قرآن مجید سننے سے رقت خاری ہونے کی	
۴۱	کفار کے نقصان زدہ ہونے کی عقلی وجہ	۲۰۵		فضیلت اور مترجم آواز اور سازوں کے ساتھ	
۴۲	آگ کے اوپر تلے حصوں کو آگ کے ساتھ			اشعار میں کرجن اور جد کرنے کی مذمت	۲۲۰
	کینے کی توجیہ	۲۰۶	۵۹	عذاب کی چہرے کے ساتھ خصوصیت کی توجیہ	۲۲۱
۴۳	اے میرے بندو! آیا اس کے مخاطب مومن ہیں یا		۶۰	قرآن مجید کے معنی اوصاف	۲۲۲
	کافر؟	۲۰۶	۶۱	اللہ تعالیٰ کی توحید پر آسان سادہ اور عام فہم دلیل	۲۲۳
۴۴	طاغوت کا معنی اور مصداق	۲۰۷	۶۲	ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور	
۴۵	اس کا بیان کہ بشارت کس وقت کی ہے 'کون	۲۰۸	۶۳	کفار کی موت کا فرق	۲۲۳
	بشارت دے گا کب دے گا اور کس کو دے گا؟			نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے متعلق دیگر	
۴۶	باب عقائد میں باطل نظریات کو ترک کر کے برحق			مفسرین کی تقاریر	۲۲۴
	نظریات کو اپنانا	۲۰۹	۶۴	اس پر دلائل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت	
۴۷	معاہلات اور عہدات میں صحیح افعال اور احسن			آئی ہے یعنی قبل وقت کے لیے	۲۲۵
	افعال	۲۱۰	۶۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ثبوت	
۴۸	گناہ کبیرہ کے مرتکبین کی شفاعت پر ایک اعتراض			میں احادیث	۲۲۷
	کا جواب	۲۱۲	۶۶	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے متعلق مستند علماء	
۴۹	جنت کے پانچ خانے	۲۱۳		کی تصریحات اور مزید احادیث	۲۲۹
۵۰	دعا اور عید کا فرق	۲۱۴	۶۷	سلام کے وقت آپ کی روح کو لوٹانے کی حدیث	
۵۱	مشکل الفاظ کے معانی	۲۱۴		کے اشکال کے جوابات	۲۳۱
۵۲	انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے حال کو زمین کی پیداوار		۶۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ	
	کے حال پر قیاس کرے	۲۱۵		کی حیات کے مظاہر	۲۳۳
۵۳	الحسن شرح اللہ صدوہ للاصلاح (۳۱-۳۲)	۲۱۵	۶۹	اجسام مثالیہ کا تصور	۲۳۵
۵۴	انسان کے دل میں اللہ کے نور کا معیار اور اس کی		۷۰	انبیاء اور اولیاء کا آن و آمد میں متعدد جگہ موجود	
	علامتیں	۲۱۷			۲۳۶

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	موضوع
۷۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیت	۸۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام حق سنانے میں کمال جانفشانی کی
۷۲	عام مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیت	۹۰	اللہ جل جلالہ (۴۲-۵۲)
۷۳	نماز جنازہ کے بعد بعض توذکر دعا کرنے کا جواز اور اقسام	۹۱	نفس کے معنی کی تحقیق
۷۴	نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے ثبوت میں خصوصی احادیث اور آثار	۹۲	نفس اور روح کے ایک ہونے پر دلائل
۷۵	نماز جنازہ کے بعد دعا سے ممانعت کے دلائل اور ان کے جوابات	۹۳	نفس اور روح کے مفارقت ہونے پر دلائل
۷۶	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے والوں کے مصداق	۹۴	نفس اور روح کے اتحاد اور تقارب میں حفاظت الٰہی
۷۷	لعن اظلم معن کذب (۳۱-۳۲)	۹۵	عبداللہ بن جحش
۷۸	اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کے متعدد مصداق	۹۶	نفس اور روح کے متعلق امام رازی کی تحقیق
۷۹	سچے دین کو لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے کے مصداق میں متعدد اقوال	۹۷	نفس اور روح کے متعلق مصنف کی تحقیق
۸۰	ان اقوال میں رائج قول کا بیان	۹۸	بہن کی شفاعت کرنے کا رد و رابطہ
۸۱	اہل جنت کے دلوں کا کینہ اور حسد سے پاک ہونا	۹۹	آخرت میں عار سے خطاب کی تفصیل
۸۲	کفارہ کا معنی اور زیادہ نیک کاموں کی تفسیر	۱۰۰	راحت اور مصیبت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے رابطہ رکھنا
۸۳	الزمر: ۳۵ میں علامہ قرطبی کی "اسوا" کی تفسیر پر بحث و نظر	۱۰۱	قل یمہادی الذین اسرفوا (۶۳-۵۳)
۸۴	الزمر: ۳۵ میں علامہ زحری اور علامہ آلوسی کی "اسوا" کی تفسیر پر بحث و نظر	۱۰۲	الزمر: ۵۳ کے شان نزول میں متعدد روایات
۸۵	الزمر: ۳۵ میں علامہ رازی کی سوالی تفسیر پر بحث و نظر	۱۰۳	حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا اسلام آنا
۸۶	الزمر: ۳۵ میں بعض اردو تفسیر پر تبصرہ	۱۰۴	قنوط کا معنی اور قنوط اور مغفرت کا فرق
۸۷	کفار کی دھمکیوں سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مرعوب نہیں ہونا چاہیے	۱۰۵	اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے مایوسی کی ممانعت کے متعلق آیات احادیث اور آثار
۸۸	موتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا کافی ہونا	۱۰۶	اس کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا تو پھر توبہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
		۱۰۷	دخسن نازل شدہ چیز کی متعدد تفسیریں
		۱۰۸	قیامت کے دن فساق کی اپنی بد اعمالیوں پر ندامت اور اظہار اسوس
		۱۰۹	تکبر کی تعریف اور تکبر پر کاہنہ
		۱۱۰	اللہ تعالیٰ کو بندوں اور خیر و بری کا خالق کہنا ممنوع ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۳۱۲	المومن کی انہماج سے مناسبت	۳	یہ کہنا کفر ہے کہ میری آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی	۱۱۰
۳۱۲	سورۃ المومن کے مشمولات	۴	میں اور دیگر کفر یہ مجاہدے	۱۱۱
۳۱۴	حکم تنزیل الکتاب من اللہ (۱-۹)	۵	مقالید کا معنی اور اس کی تفسیر میں درج حدیث کی	۱۱۲
۳۱۵	حکم کا معنی	۶	تحقیق	۱۱۳
۳۱۶	راوی اور احاطہ کا معنی	۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خزانوں کا مالک ہونا	۱۱۴
	عساکر الشیخ 'قابل الثوب اور شہید	۸	قل الفیور اللہ تبارک و تعالیٰ (۶۳-۷۰)	۱۱۵
۳۱۶	العقاب کے معانی	۹	انہماج: ۶۵ کی توجہ جس میں فرمایا ہے: اگر آپ	۱۱۶
۳۱۷	جدال کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور جدال کی اقسام	۱۰	نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں	۱۱۷
۳۱۸	ربط آیات	۱۱	گے	۱۱۸
۳۱۹	حالیین عرش کی صورت اور ان کی تعداد	۱۲	اس اعتراض کا جواب کہ قرآن اور حدیث میں اللہ	۱۱۹
	امام رازی کی طرف سے نبیوں کے اوپر فرشتوں کی	۱۳	کے جسمانی اعضاء کا ثبوت ہے	۱۲۰
۳۲۰	فضیلت کی ایک دلیل	۱۴	صور پھونکنے کی تحقیق	۱۲۱
۳۲۰	امام رازی کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب	۱۵	قیامت کے دن جو امور سب سے پہلے وقوع پذیر	۱۲۲
	آیا فرشتوں کی شفاعت سے صرف ثواب میں	۱۶	ہوں گے	۱۲۳
	اضافہ ہوتا ہے یا بغیر توبہ کے گناہ بھی معاف ہوتے	۱۷	رب کے نور سے کیا مراد ہے نور عقل یا نور حسی؟	۱۲۴
۳۲۲	ہیں؟	۱۸	رب کے نور کی تفسیر میں امام رازی سے اختلاف	۱۲۵
۳۲۳	حالیین عرش کی دعا کے نکات	۱۹	بر لیس کے مکمل حساب کی وضاحت	۱۲۶
	ان السالین کفروا ینادون لعنت اللہ اکبر	۲۰	وسبق الذین کفروا الی جہنم (۷۵-۷۷)	۱۲۷
۳۲۳	من مقکم انفسکم (۲۰-۱۰)	۲۱	قیامت کے دن کفار کے عذاب کی کیفیت	۱۲۸
۳۲۶	قیامت کے دن کفار کے اپنے اوپر فضیلت و جہد	۲۲	قیامت کے دن مومنوں کے ثواب کی کیفیت	۱۲۹
۳۲۷	المومن: ۱۰ کے بعض تراجم	۲۳	سورۃ الزمر کا اختتام	۱۳۰
	دو مومنوں اور دو حیوانوں کی تفسیر میں حقیقت میں کے	۲۴	مصنف کی والدہ کی وفات	۱۳۱
۳۲۸	اقوال	۲۵	قرآن وحدیث سے ماں کا مقام	۱۳۲
۳۲۹	دو مومنوں اور دو حیوانوں پر امتزاجات کے جوابات	۲۶	جن احادیث سے امی کی مغفرت متوقع ہے	۱۳۳
	المومن: ۱۱ کی تفسیر میں امام رازی کا سدی کی تفسیر کو	۲۷	جن واقعات سے امی کے مقرب ہونے کا بیان چلا ہے	۱۳۴
۳۲۹	اختیار کرنا	۲۸	سورۃ المؤمن	۱۳۵
	دیگر مفسرین کا حضرت ابن عباس کی طرف منسوب	۲۹	سورت کا نام اور یہ تفسیر	۱۳۶
۳۳۰	تفسیر کو اختیار کرنا	۳۰	المومن اور دیگر الحوامیم کے متعلق احادیث	۱۳۷

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
۲۳	ذکرہ مضرین کے حجاب کا صحیح نہ ہونا	۳۳	ہدی نبوت کو قتل نہ کرنے پر ایک اعتراض اور اس کا جواب	۳۵۰
۲۴	حضرت علیؓ کے پاس کی طرف منسوب ہندی اور ان کی زندگی کی تفسیر کا صحیح نہ ہونا	۳۴	رازی کی طرف سے اس اعتراض کا جواب	۳۵۰
۲۵	المومن: ۱۱ کی تفسیر میں مصنف کا موقف	۳۵	اعتراض ذکرہ کا مصنف کی طرف سے جواب	۳۵۰
۲۶	خوارج کی تعریف اور ان کا مصداق	۳۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے بعض حصے کے پورا نہ ہونے پر اعتراض کا جواب	۳۵۲
۲۷	خوارج کے متعلق احادیث	۳۷	اس مرد مومن کی حضرت موسیٰ کو چاہنے کی ایک اور کوشش	۳۵۳
۲۸	آفاق اور انفس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں	۳۸	مرد مومن کا قوم فرعون کو پار نہ نصیحت کرنا	۳۵۳
۲۹	اللہ تعالیٰ خود بلند ہے اور مخلوق کے درجات بلند کرنے والا ہے	۳۹	حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے زمانہ کے کاروں میں مماثلت	۳۵۴
۳۰	روح کوئی سے تعبیر کرنے کی وجہ	۴۰	جہاد اور حلیہ کا معنی اور ان کے متعلق احادیث	۳۵۵
۳۱	قیامت کے دن لوگوں کی مستور چیزوں کا ظاہر ہونا	۴۱	فرعون نے خدا کو دیکھنے کے لیے جو ہندو مت بنوئی تھی اس کی توجیہ	۳۵۶
۳۲	قیامت کے دن صرف اللہ کی بادشاہی ہوگی	۴۲	وقال الذی امن با قوم العن (۳۸-۵۰)	۳۵۷
۳۳	علم کی انعام اور اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے علم کی نفی	۴۳	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۰
۳۴	الافہ اور کاظمین کا معنی	۴۴	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱
۳۵	مرتب کبیرہ کی شفاعت پر معجزہ کے اعتراض کا جواب	۴۵	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱
۳۶	آنکھوں کی خیانت اور دل کی چمپی ہوئی باتیں	۴۶	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱
۳۷	اولم یسیروا فی الارض فیکفروا (۲۱-۲۷)	۴۷	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱
۳۸	کفار کو دینا کے عذاب سے ڈرانا	۴۸	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱
۳۹	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کا قصص بیان فرمانا	۴۹	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱
۴۰	فرعون کی قوم فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے کیوں باز رکھنا چاہتی تھی؟	۵۰	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱
۴۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے امر اور سوز	۵۱	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱
۴۲	وقال وحل مومن من آل فرعون (۳۷-۳۸)	۵۲	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱
۴۳	قوم فرعون کے مرد مومن کا تعارف اور اس کی فضیلت اور اس کے ضمن میں حضرت ابو بکر کی فضیلت	۵۳	آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو قہید اور دینا سے بے خبری کی نصیحتیں	۳۶۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۴	عذاب قبر کے خلاف عقلی ثبوتات کے جوابات	۳۷۴	۸۳	دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور دعا کی شرائط اور اوقات کے حلق علمامہ و فقہاء کے اقوال	۳۰۱
۶۵	عذاب قبر کی مزید وضاحت	۳۷۶		بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کے متعلق امام رازی کی توضیح	۳۰۲
۶۶	دوزخ میں کافروں کا سہاوش	۳۷۷	۸۴	امام رازی کے جواب پر مصنف کی نقد و نظر	۳۰۲
۶۷	آخرت میں کفار کی دعاؤں کو قبول نہ فرماتا آیا اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم ہونے کے متناقی ہے یا نہیں؟	۳۷۸	۸۵	اللہ الذی جعل لکم الیل لئلا تسکونوا	۳۷۹
۶۸	اما لننصر وعلینا والذین امنوا (۵۱-۶۰)	۳۷۹	۸۶	رسولوں اور مومنوں کی نصرت کے محال	۳۸۱
۶۹	رسولوں اور مومنوں کی نصرت کے محال	۳۸۱	۸۷	کفار اور مشرکین کے اعذار کا ناقابل قبول ہونا	۳۸۲
۷۰	کفار اور مشرکین کے اعذار کا ناقابل قبول ہونا	۳۸۲	۸۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی دنیا میں نصرت	۳۸۲
۷۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی دنیا میں نصرت	۳۸۲	۸۹	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت	۳۸۳
۷۲	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت	۳۸۳	۹۰	ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کے حکم کی مفسرین کے نزدیک توجیہات	۳۸۳
۷۳	ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کے حکم کی مفسرین کے نزدیک توجیہات	۳۸۳	۹۱	ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کے حکم کی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نزدیک توجیہات	۳۸۵
۷۴	ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کے حکم کی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے نزدیک توجیہات	۳۸۵	۹۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر روزِ کئی بار استغفار کرتے تھے اور آپ کے استغفار کا مکمل	۳۸۹
۷۵	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر روزِ کئی بار استغفار کرتے تھے اور آپ کے استغفار کا مکمل	۳۸۹	۹۳	ایک اعمال کا مشکلات سے بچانا اور عذاب سے چھڑانا	۳۹۰
۷۶	ایک اعمال کا مشکلات سے بچانا اور عذاب سے چھڑانا	۳۹۰	۹۴	نفس باز لوگوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا	۳۹۲
۷۷	نفس باز لوگوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا	۳۹۲	۹۵	حشر و خسر و بخل	۳۹۳
۷۸	حشر و خسر و بخل	۳۹۳	۹۶	ایمان کا مکمل کامیاب	۳۹۳
۷۹	ایمان کا مکمل کامیاب	۳۹۳	۹۷	المومن: ۶۹ میں مجاہدین سے مراد مشرکین ہیں یا مشرکین کے فرمائشی ہجرات عطا نہ کرنے کی وجہ	۳۹۷
۸۰	المومن: ۶۹ میں دعا کا معروف معنی مراد ہے یا دعا سے عبادت کرنے کا معنی مراد ہے؟	۳۹۷	۹۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم ہاکان و ما	۳۹۷
۸۱	دعا کی ترغیب اور فضیلت میں احادیث	۳۹۷	۹۹	کیوں پر ایک اعتراض کا جواب	۳۹۷
۸۲	دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور قبولیت دعا کی شرائط	۳۹۷	۱۰۰	نبیوں و رسولوں کے کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق جن نبیوں کا قرآن مجید میں صراحتاً نام ہے اور جن کا اشارہ نام ہے	۳۹۷

صفحہ	صفحہ	صفحہ	صفحہ
۱۰۱	اللہ اللہ جمل لکم الامام (۷۸۵)	۱۸	کفار کے آسمانی عذاب سے ڈرانے کی توجیہ
۱۰۲	اللہ تعالیٰ کے بندوں پر انعامات اور احسانات	۱۹	امام ہادی کی توجیہ اور اس پر مصنف کا تبصرہ
۱۰۳	توحید اور رسالت پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں	۲۰	اس امت سے صرف آسمانی عذاب اٹھایا گیا ہے
۱۰۴	کفار کے کبر و عت و حاصل کرنے کی نصیحت	۲۱	سبح اور روح کا عذاب نہیں اٹھایا گیا
۱۰۵	سوت کے فرش یا آجر عذاب کو دیکھ کر توبہ قبول نہ ہونے کی تحقیق	۲۲	قوم عادی طرف متعدد رسول آنے کے محال
۱۰۶	سورۃ المؤمن کا مآثر	۲۳	قوم عادی کا تکبر
	سورۃ خیم السجدۃ	۲۴	رجع صبر کا معنی
۱	سورۃ کا نام اور وجہ تسمیہ	۲۵	قوم عادی پر آنحضرت کا عذاب پہنچنے سے متعلق احادیث
۲	خیم السجدۃ کا زمانہ نزول	۲۶	اطلاقات قرآن میں رجع اور ریاء کا معنوی فرق اور اس پر بحث و تلخیص
۳	خیم السجدۃ کے مشمولات	۲۷	اہل بیت کے تفسیر میں مسرین کے اقوال
۴	حکم ۱۸۸ من الرحمان الرحمن (۱۸۸)	۲۸	بعض ایام کے نخوس ہونے کے ثبوت میں احادیث
۵	خیم کے معانی	۲۹	بعض ایام کے مبارک ہونے کے ثبوت میں احادیث
۶	قرآن مجید کی دس صفات	۳۰	بعض ایام کی نعمت کے ثبوت میں قرآن مجید کی معنی احادیث کی تحقیق
۷	کفار کے دلوں پر پردوں اور کانوں میں ڈانٹ کا سبب	۳۱	بعض روایوں کے نخوس ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق
۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تحقیق	۳۲	نخوس کا معنی
۹	استقامت کا معنی اور اس کی اہمیت	۳۳	نحوت اور بدشگونی کے دو میں قرآن مجید کی آیات
۱۰	استقامت کو استغفار پر مقدم کرنے کی توجیہ	۳۴	نحوت اور بدشگونی کے دو میں مکان میں نحوت کی روایت کے جزایات
۱۱	زکوٰۃ نہ دینے پر مشرکین کی مذمت کی توجیہ	۳۵	نحوت اور بدشگونی کے دو میں مکان میں نحوت کی روایت کے جزایات
۱۲	آیا کفار فروغ کے مخاطب ہیں یا نہیں؟	۳۶	نحوت اور بدشگونی کے دو میں مکان میں نحوت کی روایت کے جزایات
۱۳	مومن کی محنت کے ایام کے نیک اعمال کا سلسلہ	۳۷	نحوت اور بدشگونی کے دو میں مکان میں نحوت کی روایت کے جزایات
۱۴	مرض اور مرض میں بھی متعلق نہیں ہوتا	۳۸	نحوت اور بدشگونی کے دو میں مکان میں نحوت کی روایت کے جزایات
۱۵	قل انکم لتکفرون باللہ (۹۱۸)	۳۹	نحوت اور بدشگونی کے دو میں مکان میں نحوت کی روایت کے جزایات
۱۶	مشرکین کے کفر کی تفصیل	۴۰	نحوت اور بدشگونی کے دو میں مکان میں نحوت کی روایت کے جزایات
۱۷	زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کی تفصیل	۴۱	نحوت اور بدشگونی کے دو میں مکان میں نحوت کی روایت کے جزایات
۱۸	زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کے متعلق احادیث اور آجر	۴۲	نحوت اور بدشگونی کے دو میں مکان میں نحوت کی روایت کے جزایات

نمبر	صفحہ	موضوع	نمبر	صفحہ	موضوع
۳۶	۵۶	اس سوال کا جواب کہ قوم مشرود ہدایت پانے کے بعد کیسے گمراہ ہوگئی	۳۶۲	۵۷	عباد صالحین پر اللہ تعالیٰ کے انعامات
۳۷	۵۷	ساعت کا معنی	۳۶۳	۵۷	فرشتوں کا مؤمنین کے لئے معاون اور مددگار ہونا
۳۸	۵۸	ویوم بحشر اعداء اللہ الی النار (۱۹-۲۵)	۳۶۵	۵۸	فرشتے موت کے وقت مؤمنین کو جن انعامات کی بشارت دیتے ہیں
۳۹	۵۹	انسان کے اعضاء کے نقص کے ثبوت میں احادیث	۳۶۷	۵۹	ومن احسن قولا معن دعا الی اللہ
۴۰	۶۰	انسان کے اعضاء کے نقص کی کیفیت میں اقوال مفسرین	۳۶۸	۶۰	سابقہ آیات سے مناسبت
۴۱	۶۱	کان آکھ اور کھال کی خصوصیت کی توجیہ	۳۶۸	۶۱	واعلم اور مطلع کے لیے ضروری ہے کہ اپنے وعظ پر خود بھی عمل کرے
۴۲	۶۲	اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس گمان کی مذمت کہ اس کو بندوں کے اعمال کا علم نہیں ہوگا	۳۶۹	۶۲	"میں انشاء اللہ مومن ہوں" یا "میں بائقین مومن ہوں" کہنے کی تحقیق
۴۳	۶۳	اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کے متعلق احادیث	۳۶۹	۶۳	قرآن اور سنت سے انبیاء اور مرسلین کی دعوت کا ثبوت
۴۴	۶۴	عقاب کا معنی اور دوزخ میں کفار کے عذاب کا لزوم	۳۷۰	۶۴	قرآن اور سنت سے علماء دین کی دعوت کا ثبوت
۴۵	۶۵	قبض کا معنی	۳۷۱	۶۵	علماء دین کی اقسام
۴۶	۶۶	چہ و پائمنس اور چہ و اکبر کے متعلق احادیث	۳۷۱	۶۶	قرآن اور سنت سے امراء اور حکام کی دعوت کا ثبوت
۴۷	۶۷	مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو قول ثابت ہے اس کا بیان	۳۷۲	۶۷	قرآن اور سنت سے مؤمنین کی دعوت کا ثبوت
۴۸	۶۸	اللہ تعالیٰ کے گناہ کا ارادہ کرنے کے متعلق امام رازی اور ابوہل جہانی کی محرکات ربانی	۳۷۳	۶۸	اذان کی افضلیت میں احادیث
۴۹	۶۹	امام رازی اور ابوہل جہانی کے درمیان مصنف کا محاکمہ اور اللہ تعالیٰ کی تخریب اور تعظیم	۳۷۳	۶۹	اذان میں الشہد ان محمدا و رسول اللہ کر
۵۰	۷۰	وفاط الطہین کفروا لا تسمعو (۳۲-۳۶)	۳۷۳	۷۰	انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا
۵۱	۷۱	کفار کے جرائم اور ان کی سزا	۳۷۳	۷۱	مسجد میں اذان دینے کا شرعی حکم
۵۲	۷۲	استقامت کا معنی اور شرعی معنی	۳۷۶	۷۲	قرآن اور سنت سے عام مؤمنین کی دعوت کا ثبوت
۵۳	۷۳	نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استقامت کی تفسیر	۳۷۶	۷۳	نیک اور بدی کے متعلق مفسرین کے اقوال
۵۴	۷۴	صحابہ کرام اور نقبہ تابعین سے استقامت کی تفسیر	۳۷۹	۷۴	حسن اخلاق کے متعلق احادیث
۵۵	۷۵	استقامت کے حصول کا دوسرا ہوتا	۳۸۰	۷۵	لوگوں کی زیادتی پر صبر کرنا اور انہیں جواب نہ دینا
			۳۸۱	۷۵	اولوالعزم لوگوں کا طریقہ ہے

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۷۵	نہی صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان کے دوسوں سے محفوظ رہنا	۵۰۶	۹۵	اللہ تعالیٰ کا علم غیب قطعی اور ذاتی ہے اور مخلوق کو بالواسطہ غیب کا علم ہو سکتا ہے	۵۲۱
۷۶	حصہ نہ کرنے اور معاف کر دینے کی فضیلت میں قرآن اور سنت کی تصریحات	۵۰۷	۹۶	انسان کی تپاسی اور نہ شہابی	۵۲۲
۷۷	حصہ کرنے کے کوئی اور نیاوی نقصانات	۵۰۸	۹۷	قرآن پر ایمان لانے کی کامل و نصحت	۵۲۳
۷۸	اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر دلیل	۵۰۹	۹۸	انسان کے اپنے غصوں میں اور اس کے نات میں اللہ کی قدرت کی نشانی	۵۲۴
۷۹	سورج گہن کے وقت نماز پڑھنا	۵۱۰	۹۹	قرآن عقیدہ اور شواہد کے خلاف شہادت کا غیر معتبر ہونا	۵۲۵
۸۰	سورج گہن کی نماز کے طریقہ میں مذاہب ائمہ	۵۱۱	۱۰۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں سے نہی ہونا	۵۲۶
۸۱	فقہاء احناف کے نزدیک سورج گہن کی نماز کا طریقہ	۵۱۲	۱۰۱	قرآن عقیدہ اور شواہد کے خلاف شہادت کا غیر معتبر ہونے کے متعلق فقہاء اسلام میں تفرقات	۵۲۷
۸۲	آیت مجیدہ	۵۱۳	۱۰۲	آفاق اور انفس کی نشانیوں کا تجزیہ	۵۲۸
۸۳	فرشتوں کی دائمی تسبیح پر ایک اشکال کا جواب	۵۱۴	۱۰۳	تہجد و کائنات	۵۲۹
۸۴	بشر اور فرشتوں میں باہمی الفضلیت کی تحقیق اور امام رازی کی تفسیر پر بحث و نظر	۵۱۵	۱۰۴	سورۃ الشوری	۵۳۰
۸۵	حشر بکھر کے امکان پر ایک دلیل	۵۱۶	۱	سورت کا نام اور ہجرت	۵۳۱
۸۶	الحاکم حنفی اور اس کا مصداق	۵۱۷	۲	اشوری کی زمانہ نزول	۵۳۲
۸۷	جملی بیروں اور بنادنی صوفیوں کا الحاد	۵۱۸	۳	اشوری کے مفسر اور مباحث	۵۳۳
۸۸	قرآن مجید کے سامنے اور پیچھے سے پائل نہ آنے کے محال	۵۱۹	۴	حم ○ غسقی (۱-۹)	۵۳۴
۸۹	کفار کی دل آزار باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم دینا	۵۲۰	۵	حم ○ غسقی کی آیات	۵۳۵
۹۰	قرآن مجید کو غور سے نہ سننے کی وجہ سے کفار کو قرآن کی ہدایت سے محروم ہونا	۵۲۱	۶	وقی کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۵۳۶
۹۱	ولقد انبانا موسیٰ الکتاب (۳۶-۳۷)	۵۲۲	۷	وقی کے متعلق احادیث	۵۳۷
۹۲	اہل مکہ کی دل آزار باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم دینا	۵۲۳	۸	اللہ تعالیٰ علی الاطلاق حکیم اور بلند ہے	۵۳۸
۹۳	ظلم کی مذمت میں احادیث	۵۲۴	۹	فرشتوں کی تسبیح اور حمد کرنا	۵۳۹
۹۴	الہ برد علم الساعة (۵۳-۵۴)	۵۲۵	۱۰	فرشتے صرف مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں یا تمام روئے زمین والوں کے لیے؟	۵۴۰
		۵۲۶	۱۱	اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مستقل مددگار بنانے کا گمراہی ہے	۵۴۱

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۶۳	مہذب اور سالک کی تقریبات	۵۳۳	۳۶	۱۲	مکہ کو ام القریٰ فرمانے کی توجیہ
۵۶۳	۳۲	۵۳۳	۳۲	۱۳	قرآن مجید اور احادیث مجھ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عہد
۵۶۳	۳۳	۵۳۴	۳۳	۱۴	ایک فریق کے جنتی اور دوسرے فریق کے دوزخی ہونے کے ثبوت میں احادیث
۵۶۶	۳۴	۵۳۵	۳۴	۱۵	جن کو ولی اور کارساز بنانے کی مذمت
۵۶۶	۳۵	۵۳۵	۳۵	۱۶	وما اعتلقتہم فیہ من شیء فحکمہ الی اللہ
۵۶۹	۳۶	۵۳۸	۳۶	۱۷	نزدائی اور اختلافی امور کو اللہ پر چھوڑ دینے کی مستعد و تفسیریں
۵۶۹	۳۷	۵۵۰	۳۷	۱۸	قیاس کی لٹی پر امام رازی کے نقل کردہ دلائل
۵۷۱	۳۸	۵۵۱	۳۸	۱۹	لٹی قیاس کی امام رازی کی دلیل پر مصنف کا تبصرہ
۵۷۲	۳۹	۵۵۲	۳۹	۲۰	قیاس کی مشروعت پر دلائل
۵۷۲	۴۰	۵۵۳	۴۰	۲۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوہا آپ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنے کی حقیقت
۵۷۳	۴۱	۵۵۳	۴۱	۲۲	عہد رسالت میں اجتہاد کے ثبوت پر دلائل
۵۷۳	۴۲	۵۵۴	۴۲	۲۳	صریح حدیث پر عمل کرنے سے حضرت عمر کے منع کرنے کی توجیہات
۵۷۳	۴۳	۵۵۶	۴۳	۲۴	عہد رسالت میں اجتہاد کرنے کے ثبوت میں مزید احادیث
۵۷۵	۴۴	۵۵۸	۴۴	۲۵	اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے مماثلت کی لٹی
۵۷۷	۴۵	۵۶۰	۴۵	۲۶	آسمانوں اور زمینوں کی چابیوں کے کمال اور رزق کی اقسام
۵۷۸	۴۶	۵۶۱	۴۶	۲۷	تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہونا اور شریعتوں کا متعدد ہونا
۵۷۸	۴۷	۵۶۱	۴۷	۲۸	دین اور شریعت کا لغوی اور اصطلاحی معنی
۵۷۹	۴۸	۵۶۲	۴۸	۲۹	مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ
۵۸۰	۴۹	۵۶۳	۴۹	۳۰	اجتہاد کا معنی
۵۸۱	۵۰				
۵۸۲	۵۱				

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۵۹۹	مال کی زیادتی کی خرابیاں	۶۹	اعتراض مذکور کا یہ جواب کہ اس سے مراد رم	۵۱
	بعض لوگوں کو اسیر اور بعض لوگوں کو فقیر بنانے کی	۷۰	کی قربت ہے اور اس کی تائید میں مستند	
۶۰۰	مصلحتیں	۵۸۳	احادیث	
۶۰۱	کشادگی رزق کی وجہ سے سرکشی کی وجوہات	۷۱	اعتراض مذکور کا یہ جواب کہ اس سے مراد اہل بیت	۵۲
۶۰۱	ہیبت اور قہر کا معنی	۷۲	کی محبت ہے اور فضائل اہل بیت میں احادیث	
	پارش ہونے اور پارش نہ ہونے کی وجوہ کے متعلق	۷۳	محمّد	۵۳
۶۰۱	احادیث	۵۸۳	فضائل اہل بیت میں سابقین کی نقل کردہ موضوع	
۶۰۳	”وَلَوْ كُنْتُمْ حَمِيمًا لَحَدَّثْتُمْ“ کا معنی	۷۴	احادیث	
۶۰۳	مشکل الفاظ کے معانی	۷۵	اس اعتراض کا یہ جواب کہ قربانی سے مراد اللہ تعالیٰ	۵۴
۶۰۳	اشوری ۲۹ کے اسرار	۷۶	کا قرب ہے	
	وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا تُسَبِّحُونَهَا	۷۷	محبت اہل بیت اور تعظیم صحابہ کا عقیدہ صرف اہل	۵۵
۶۰۳ (۳۰-۳۳)	مؤمنوں کے مصائب کا ان کے لیے کفار کا ذنوب	۷۸	سنت و جماعت کی خصوصیت ہے	
	نہ ہونے پر اہم راز کی کھینچ کر وہ دلائل اور ان	۵۸۸	محبت اہل بیت اور تعظیم صحابہ کے متعلق احادیث	۵۶
	کے جوابات	۵۸۹	اعتراف اور شکر کا معنی	۵۷
۶۰۵	مؤمنوں کے مصائب کا ان کے لیے کفار کا ذنوب	۷۹	سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک اعتراض	۵۸
۶۰۷	ہونے کے ثبوت میں احادیث اور آثار	۵۹۰	کا جواب	
۶۰۸	غلامہ بحث	۵۹۱	توبہ کا لغوی اور عرفی معنی	۵۹
	سمندر میں رواں دواں کشتیوں میں اللہ تعالیٰ کی	۵۹۱	توبہ کے متعلق احادیث	۶۰
۶۱۰	صفات کی نشانیاں	۵۹۲	مسلمانوں کی بعض دعائیں قبول نہ فرمانے کی سختیں	۶۱
۶۱۰	اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل	۵۹۳	اشوری: ۲۷ کا شان نزول	۶۲
۶۱۱	دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا فرق	۵۹۴	آیا ایک سے زائد لباس رکھنا سرکشی اور بجاوت	۶۳
۶۱۱	اہم کبیرہ اور جہش کا معنی	۵۹۴	ہے؟	
۶۱۲	چند کہاؤں کا بیان	۵۹۵	ایک سے زائد لباس رکھنے کے ثبوت میں احادیث	۶۴
۶۱۵	حالت غضب میں معاف کرنے کی فضیلت	۵۹۶	زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق	۶۵
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب	۵۹۷	اسراف اور اتقار کا مکمل	۶۶
۶۱۶	مطلق ہیں	۵۹۷	اللہ تعالیٰ سائنس کے لیے بل خرچ کرتا صرف نہیں	۶۷
۶۱۶	نماز نہ پڑھنے پر وعید	۵۹۸	ہے	
			مال و دولت کی تقسیم میں مساوات کی خرابیاں	۶۸

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۸۹	شوری کا معنی	۶۱۷	۱۰۶	انسان کے کفر کا سبب	۶۳۳
۹۰	مشورہ کرنے کے متعلق احادیث	۶۱۷	۱۰۷	مذکر اور مؤنث کی پیداہش کی علامات	۶۳۳
۹۱	الشوری: ۳۸ کا شان نزول	۶۱۸	۱۰۸	انبیاء علیہم السلام کو اولا دعا فرمانے کی تفصیل	۶۳۳
۹۲	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا باہمی	۶۱۹	۱۰۹	نبی کے ذکر کو کہنے کے ذکر پر مقدمہ کرنے کی وجوہ	۶۳۳
۹۳	مشاورت سے اہم کاموں کو انجام دینا	۶۱۸	۱۱۰	اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں	۶۳۵
۹۴	بدلہ لینے اور بدلہ نہ لینے کی آیتوں میں یہ ظاہر	۶۱۹	۱۱۱	وہی کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۶۳۶
۹۵	تعارض کا جواب	۶۱۹	۱۱۲	ضرورت وہی اور ثبوت وہی	۶۳۷
۹۶	قرض خواہ اپنا حق مقرض کی لاطمی میں بھی لے	۶۲۰	۱۱۳	وہی کی اقسام	۶۳۹
۹۷	بدلہ لینے کے جواز میں احادیث	۶۲۱	۱۱۴	اللہ تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ اس سے ہم کلام	۶۴۱
۹۸	بدلہ لینے اور معاف کر دینے کے متعلق احادیث	۶۲۲	۱۱۵	ہونے کے متعلق شارحین حدیث کی تحقیق	۶۴۱
۹۹	ہم مسلمان اپنے اوپر زیادتی کرنے والے کو خود	۶۲۳	۱۱۶	ہونے کے متعلق مفسرین کی تحقیق	۶۴۶
۱۰۰	مزا دے سکتا ہے یا نہیں؟	۶۲۳	۱۱۷	نزول قرآن سے پہلے آپ کو ایمانی طور پر قرآن	۶۴۷
۱۰۱	علم اور حق سرکشی کرنے والوں کے مصادیق	۶۲۵	۱۱۸	عطا کیا جاتا	۶۴۷
۱۰۲	اکرم نکس اور دیگر نکسوں کی تحقیق	۶۲۵	۱۱۹	اس افکار کے جوابات کہ نزول قرآن سے پہلے	۶۴۷
۱۰۳	اپنے مال کے حق اور عزت کے حق کو معاف	۶۲۶	۱۲۰	آپ کو کتاب کا پتا تھا ایمان کا	۶۴۷
۱۰۴	کرنے کے سلسلہ میں علماء کے نظریات	۶۲۸	۱۲۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اور ایمان کے علم کی	۶۴۷
۱۰۵	عزم عزیمت اور رخصت کا معنی	۶۲۸	۱۲۲	نہی کی دیگر مفسرین کی طرف سے توجیہات	۶۴۷
۱۰۶	او من یضلل اللہ فما لہ من ولی من بعدہ	۶۲۹	۱۲۳	افکار مذکور کی مصنف کی طرف سے توجیہات	۶۴۸
۱۰۷	(۵۳-۵۴)	۶۲۹	۱۲۴	سورۃ الشوریٰ کا اختتام	۶۴۹
۱۰۸	اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت دینے کی نسبت کرنی	۶۳۱	۱۲۵	سورۃ الزخرف	۶۵۱
۱۰۹	چاہیے اور گمراہ کرنے کی نسبت شیطان کی طرف	۶۳۱	۱۲۶	سورۃ کا نام	۶۵۱
۱۱۰	کرنی چاہیے	۶۳۱	۱۲۷	سورۃ کے مقاصد	۶۵۱
۱۱۱	اس سوال کا جواب کہ قرآن مجید کی ایک آیت	۶۳۲	۱۲۸	حم والکعب العین (۱-۱۵)	۶۵۳
۱۱۲	میں قیامت کے دن کفار کے چٹا ہونے کا ذکر	۶۳۲	۱۲۹	حم والکعب العین کی تفسیریں	۶۵۳
۱۱۳	ہے اور دوسری آیت میں چٹا ہونے کا ذکر ہے	۶۳۲	۱۳۰	کتاب کو قرآن عربی فرمانے کی وجوہ	۶۵۵
۱۱۴	اعداد اور عدید بنانے کے بعد انسان کو اللہ پر ایمان	۶۳۳	۱۳۱	لوح محفوظ میں قرآن مجید اور مخلوق کے اعمال کا	۶۵۵
۱۱۵	انسان کی دعوت	۶۳۳	۱۳۲	خاتم ہوتا	۶۵۵

صفحہ	جلد	صفحہ	موضوع
۷	۱۵۶	۲۸	کفار کی کفارہ اور مانعہ اور ساقی
۸	۱۵۷	۲۹	انسان کا علم اور اللہ تعالیٰ کا کرم
۹	۱۵۸	۳۰	انسان کی غفلت میں اللہ کی معرفت کا ہونا
۱۰	۱۵۸	۳۱	زمین کے پیدا کرنے میں بندوں کے لیے نصیب
۱۱	۱۵۸	۳۲	پیش قدمی کرنے سے مرنے کے بعد وہ بدھ بنے پر
۱۲	۱۵۹	۳۳	استدلال
۱۳	۱۶۰	۳۴	ازواج کی تخلیق سے توحید پر استدلال
۱۴	۱۶۰	۳۵	چوپایوں اور کشتیوں کی تخلیق سے توحید پر
۱۵	۱۶۱	۳۶	استدلال
۱۶	۱۶۲	۳۷	سفر پر روانہ ہونے کے وقت سواری پر بیٹھنے کے بعد کی دعا
۱۷	۱۶۲	۳۸	سفر سے واپسی کی دعا
۱۸	۱۶۳	۳۹	جہاں کا معنی اور موسیٰ کا جہاں
۱۹	۱۶۳	۴۰	مکرموں کا جہاں اور اونٹوں کے مقاصد اور
۲۰	۱۶۵	۴۱	وفا کف غفلت
۲۱	۱۶۶	۴۲	چاندروں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایت
۲۲	۱۶۷	۴۳	ام المؤمنین معاہدہ بنی ہاشم (۱۶-۲۵)
۲۳	۱۶۷	۴۴	اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کا ہونا کمال ہے
۲۴	۱۶۸	۴۵	موتوں کے ناقص ہونے کی وجہ
۲۵	۱۶۹	۴۶	کفار کے اس قول کا رد کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں
۲۶	۱۶۹	۴۷	کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ اگر اللہ چاہتا تو
۲۷	۱۷۰	۴۸	ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے
۲۸	۱۷۱	۴۹	منقر کا جبر یہ پر اعتراض اور امام رازی کا جبر یہ کی
۲۹	۱۷۱	۵۰	طرف سے جواب
۳۰	۱۷۱	۵۱	جبر یہ کی حمایت میں سورۃ الانعام کی تفسیر
۳۱	۱۷۱	۵۲	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل
۳۲	۱۷۱	۵۳	انسانوں کے لیے عقیدہ کے ثبوت میں مصنف کی
۳۳	۱۷۱	۵۴	تفسیر
۳۴	۱۷۱	۵۵	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۳۵	۱۷۱	۵۶	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۳۶	۱۷۱	۵۷	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۳۷	۱۷۱	۵۸	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۳۸	۱۷۱	۵۹	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۳۹	۱۷۱	۶۰	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۰	۱۷۱	۶۱	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۱	۱۷۱	۶۲	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۲	۱۷۱	۶۳	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۳	۱۷۱	۶۴	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۴	۱۷۱	۶۵	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۵	۱۷۱	۶۶	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۶	۱۷۱	۶۷	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۷	۱۷۱	۶۸	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۸	۱۷۱	۶۹	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۴۹	۱۷۱	۷۰	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۰	۱۷۱	۷۱	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۱	۱۷۱	۷۲	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۲	۱۷۱	۷۳	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۳	۱۷۱	۷۴	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۴	۱۷۱	۷۵	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۵	۱۷۱	۷۶	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۶	۱۷۱	۷۷	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۷	۱۷۱	۷۸	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۸	۱۷۱	۷۹	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۵۹	۱۷۱	۸۰	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۰	۱۷۱	۸۱	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۱	۱۷۱	۸۲	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۲	۱۷۱	۸۳	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۳	۱۷۱	۸۴	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۴	۱۷۱	۸۵	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۵	۱۷۱	۸۶	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۶	۱۷۱	۸۷	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۷	۱۷۱	۸۸	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۸	۱۷۱	۸۹	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۶۹	۱۷۱	۹۰	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۰	۱۷۱	۹۱	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۱	۱۷۱	۹۲	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۲	۱۷۱	۹۳	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۳	۱۷۱	۹۴	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۴	۱۷۱	۹۵	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۵	۱۷۱	۹۶	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۶	۱۷۱	۹۷	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۷	۱۷۱	۹۸	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۸	۱۷۱	۹۹	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے
۷۹	۱۷۱	۱۰۰	جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	موضوع
۴۷	گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کی توجیہات	۶۸۸	۲۵ "انسی متوفیک ووالعک الی" پر مرزائیہ کے اعتراض کا جواب
۴۸	ولقد ارسلنا موسیٰ بایضاً (۵۶-۳۶)	۶۹۰	۴۰۸ "وَمَكْرُوهَا مَكْرُوهٌ" سے حضرت یحییٰ کے نزول پر استدلال
۴۹	حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ کو یہاں ذکر کرنے کے مقاصد اور فوائد	۶۹۱	۴۰۸ ۵۰ ولما ضرب ابن مرییم مثلاً (۶۷-۵۷)
۵۰	۵۱	۶۹۵	۴۰۸ ۵۱
۵۱	۵۲	۶۹۶	۴۰۸ ۵۱
۵۲	۵۳	۶۹۷	۴۰۸ ۵۱
۵۳	۵۴	۶۹۸	۴۰۸ ۵۱
۵۴	۵۵	۶۹۹	۴۰۸ ۵۱
۵۵	۵۶	۷۰۰	۴۰۸ ۵۱
۵۶	۵۷	۷۰۱	۴۰۸ ۵۱
۵۷	۵۸	۷۰۲	۴۰۸ ۵۱
۵۸	۵۹	۷۰۳	۴۰۸ ۵۱
۵۹	۶۰	۷۰۴	۴۰۸ ۵۱
۶۰	۶۱	۷۰۵	۴۰۸ ۵۱
۶۱	۶۲	۷۰۶	۴۰۸ ۵۱
۶۲	۶۳	۷۰۷	۴۰۸ ۵۱
۶۳	۶۴	۷۰۸	۴۰۸ ۵۱
۶۴	۶۵	۷۰۹	۴۰۸ ۵۱
۶۵	۶۶	۷۱۰	۴۰۸ ۵۱
۶۶	۶۷	۷۱۱	۴۰۸ ۵۱
۶۷	۶۸	۷۱۲	۴۰۸ ۵۱
۶۸	۶۹	۷۱۳	۴۰۸ ۵۱
۶۹	۷۰	۷۱۴	۴۰۸ ۵۱
۷۰	۷۱	۷۱۵	۴۰۸ ۵۱
۷۱	۷۲	۷۱۶	۴۰۸ ۵۱
۷۲	۷۳	۷۱۷	۴۰۸ ۵۱
۷۳	۷۴	۷۱۸	۴۰۸ ۵۱
۷۴	۷۵	۷۱۹	۴۰۸ ۵۱
۷۵	۷۶	۷۲۰	۴۰۸ ۵۱
۷۶	۷۷	۷۲۱	۴۰۸ ۵۱
۷۷	۷۸	۷۲۲	۴۰۸ ۵۱
۷۸	۷۹	۷۲۳	۴۰۸ ۵۱
۷۹	۸۰	۷۲۴	۴۰۸ ۵۱
۸۰	۸۱	۷۲۵	۴۰۸ ۵۱
۸۱	۸۲	۷۲۶	۴۰۸ ۵۱
۸۲	۸۳	۷۲۷	۴۰۸ ۵۱
۸۳	۸۴	۷۲۸	۴۰۸ ۵۱
۸۴	۸۵	۷۲۹	۴۰۸ ۵۱
۸۵	۸۶	۷۳۰	۴۰۸ ۵۱
۸۶	۸۷	۷۳۱	۴۰۸ ۵۱
۸۷	۸۸	۷۳۲	۴۰۸ ۵۱
۸۸	۸۹	۷۳۳	۴۰۸ ۵۱
۸۹	۹۰	۷۳۴	۴۰۸ ۵۱
۹۰	۹۱	۷۳۵	۴۰۸ ۵۱
۹۱	۹۲	۷۳۶	۴۰۸ ۵۱
۹۲	۹۳	۷۳۷	۴۰۸ ۵۱
۹۳	۹۴	۷۳۸	۴۰۸ ۵۱
۹۴	۹۵	۷۳۹	۴۰۸ ۵۱
۹۵	۹۶	۷۴۰	۴۰۸ ۵۱
۹۶	۹۷	۷۴۱	۴۰۸ ۵۱
۹۷	۹۸	۷۴۲	۴۰۸ ۵۱
۹۸	۹۹	۷۴۳	۴۰۸ ۵۱
۹۹	۱۰۰	۷۴۴	۴۰۸ ۵۱

صفحہ	صفحہ	صفحہ	صفحہ
۸۳	۷۳۳	۹	نصف شعبان کی شب میں کثرت مغفرت سے
۸۴	۷۳۵	۱۰	حطلق صحاح کی احادیث
۸۵	۷۳۶	۱۱	نصف شعبان کی شب میں کثرت مغفرت سے
۸۶	۷۳۷	۱۲	حطلق امام بیہقی کی احادیث
۸۷	۷۳۸	۱۳	نصف شعبان کی شب کے فضائل میں حافظ سیوطی کی روایات
۸۸	۷۳۹	۱۴	کثرت مغفرت کے حطلق قرآن مجید کی آیات
۸۹	۷۴۰	۱۵	کثرت مغفرت کے حطلق احادیث مجید
۹۰	۷۴۱	۱۶	توبہ اور استغفار کے حطلق احادیث مجید
۹۱	۷۴۲	۱۷	والدین اور اعزاء کے لیے استغفار کے حطلق احادیث مجید
۹۲	۷۴۳	۱۸	توبہ پر اصرار کرنے اور استغفار کو لازم رکھنے کے حطلق احادیث مجید
۹۳	۷۴۴	۱۹	دعا قبول نہ ہونے سے نہ اکتانے نہ مایوس ہو جانے مسلسل دعا کرتا رہے
۹۴	۷۴۵	۲۰	شرک زنا اور قتل ناحق کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا
۹۵	۷۴۶	۲۱	کینہ اور بغض کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا
۹۶	۷۴۷	۲۲	والدین کی نافرمانی کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا
۱	۷۴۸	۲۳	دعا کی قبولیت سے محروم ہونا
۲	۷۴۹	۲۴	قطع رحم کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا
۳	۷۵۰	۲۵	عادی شرابی کا شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا
۴	۷۵۱	۲۶	چغلی کھانے کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا
۵	۷۵۲	۲۷	تصویریں بنانے کی وجہ سے شب برأت میں دعا
۶	۷۵۳	۲۸	سورۃ الدخان
۷	۷۵۴	۲۹	سورۃ الدخان کی فضیلت میں احادیث
۸	۷۵۵	۳۰	سورۃ الدخان کے مقاصد اور مسائل
۹	۷۵۶	۳۱	حکم O والکعب المبین (۱-۲۹)
۱۰	۷۵۷	۳۲	حاجیم کا مٹی
۱۱	۷۵۸	۳۳	"لیلۃ مبارکۃ" سے لیلۃ القدر مراد ہونے کے ثبوت میں آثار
۱۲	۷۵۹	۳۴	"لیلۃ مبارکۃ" سے لیلۃ القدر مراد ہونے پر دلائل
۱۳	۷۶۰	۳۵	لیلۃ مبارکۃ سے نصف شعبان کی شب مراد ہونے کے حطلق روایات

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۲۵	کی قبولیت سے محروم ہونا	۷۵۸	۳۵	آخرت میں متعین کے اجر و ثواب کی بشارت	۷۷۷
۲۶	شب برأت میں شب بیداری کرنا اور مخصوص عبادات کرنا	۷۵۹	۳۶	امام رازی کا قاضی کو جنت کی بشارت میں داخل کرنا اور مصنف کا اس سے اختلاف	۷۷۸
۲۷	شب برأت میں صلوة الصبح اور دیگر نوافل کو پابجا مت پڑھنا	۷۵۹	۳۷	اہل جنت کے درمیان تقاض اور کینہ کا نہ ہونا	۷۷۸
۲۸	فرائض کی تعداد کو نوافل کی ادائیگی پر مقدم کرنا	۷۶۰	۳۸	حور کا معنی اور جنت میں حوروں سے عقد کا محل	۷۷۹
۲۸	کنہہ کا اللہ کو خالق ماننا محض ان کا مشفقہ اور دل لگی ہے	۷۶۰	۳۹	دنیاوی حور تیں افضل ہیں یا حوریں؟	۷۸۰
۲۹	آسمان کے دھواں لانے سے مراد ہے قرب قیامت میں دھوئیں کا ظاہر ہونا	۷۶۱	۵۰	اہل جنت کی دائمی نعمتیں	۷۸۱
۳۰	دوسری روایت میں ہے: آسمان کے دھواں لانے سے مراد ہے کفار کی بھوک کی کیفیت	۷۶۲	۵۱	اس کی تحقیق کہ موت وجودی ہے یا عادی	۷۸۲
۳۱	آسمان کو دھوئیں سے تعبیر کرنے کی توجیہ	۷۶۳	۵۲	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقام اور کفار تک کے انتقام کے الگ الگ محل	۷۸۲
۳۲	دونوں روایات میں اصح روایت کا بیان	۷۶۳	۵۳	قرآن مجید کے آسمان ہونے پر ایک اعتراض کا جواب	۷۸۳
۳۳	دھوئیں کی دو تعبیروں کے محال	۷۶۳	۵۴	سورۃ الدخان کا خلاصہ	۷۸۳
۳۴	ختم گرفت کے ساتھ بکڑنے کی تفسیریں	۷۶۵	۱	سورۃ النازعات کا نام اور ہجرت تسمیہ وغیرہ	۷۸۳
۳۵	قوم مفرغون کو آ زماش میں ڈالنے کی توجیہ	۷۶۵	۲	سورۃ النازعات کے مشمولات	۷۸۳
۳۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم مفرغون کا ماجرا	۷۶۵	۳	حکم تنزیل الکعب من اللہ العزیز (۱۱۱)	۷۸۶
۳۷	تیک آدمی کی موت پر آسمان اور زمین کا رونا	۷۶۸	۴	حدیث "کتبت کتبنا مصلحین" کی تحقیق	۷۸۷
۳۸	ولقد نعجنا بنی اسرائیل (۵۹-۳۰)	۷۶۸	۵	تنزیل قرآن کے مقاصد	۷۸۸
۳۹	بنی اسرائیل کی فضیلت اور ان کی آ زماش	۷۷۱	۶	اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر آسمانوں اور زمینوں کی تحققت سے استدلال	۷۸۸
۴۰	کفار کے مطالبہ پر ان کے سرے ہوئے باپ دادا کو کیوں نہیں زندہ کیا گیا؟ اللہ باری اور انقضی کا جواب	۷۷۲	۷	اللہ تعالیٰ کی توحید پر آسمانوں، زمینوں اور درختوں سے استدلال	۷۸۹
۴۱	اعتراض مذکورہ کا جواب مصنف کی جانب سے	۷۷۲	۸	اللہ تعالیٰ کی توحید پر رات اور دن کے اختلاف، بارش سے روئیدگی اور ہواؤں سے استدلال	۷۸۹
۴۲	شیخ اور اس کی قوم کا بیان	۷۷۳	۹	یوسفون اور یعقوبون فرمانے کی توجیہ	۷۹۰
۴۳	روز قیامت کو فیصلہ کن فرمانے کی توجیہات	۷۷۵	۱۰	مصلح کی تعریف، مصلح کی اقسام اور مصلح کے متعلق احادیث	۷۹۰
۴۴	آخرت میں کفار کے عذاب کی وعید	۷۷۶			

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع	نمبر
۸۰۵	قرآن مجید کا ہدایت اور رحمت ہونا	۲۹	ان لوگوں کی خدمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۱
۸۰۶	توحید کے سراج	۳۰	کی زبان سے قرآن سننے کے باوجود ایمان نہیں	
۸۰۷	جرح اور اجرح کا معنی	۳۱	لائے اور ان لوگوں کی مدح جو آپ سے قرآن	
	کفار کی زندگی اور موت کا سلسلہ کے برابر ہے	۳۲	سنے بغیر ایمان لے آئے	۱۲
۹۰۷	ہونا	۳۳	ان لوگوں کی مدح میں احادیث جو آپ کو ہیں	
	وخلق الله السموات والارض والحق	۳۴	دیکھے آپ پر ایمان لے آئے	۱۳
۹۰۸ (۲۲-۲۶)		۳۵	دلیل کا معنی	
	اللہ سبحانہ کا کفار اور کفار کو مذہب دینا اس کا حکم	۳۶	امرا کا معنی	۱۴
۹۱۰	نہیں بدل ہے	۳۷	آیات مذکورہ کے اشارات	۱۵
	اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنی خواہشوں پر	۳۸	الفسه الذي سحر لکم البحر للحری	۱۶
۹۱۱	عمل کرنے اپنی خواہشوں کی محنت کرتا ہے	۳۹	الفلک (۱۲-۱۶)	
	بعض بندوں کو رسول اللہ کے اور بعض کو اللہ نے	۴۰	بحری جہازوں کا سمندر میں چلنا اللہ تعالیٰ کی کن	۱۷
۹۱۱	نی تو ہے	۴۱	نفتوں پر موقوف ہے؟	
	کفار کے کان اور دل پر مہر لگنے اور ان کی	۴۲	آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمت	۱۸
۹۱۲	آنکھوں پر پردہ ڈالنے کی توجیہ	۴۳	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی صفات میں غور و فکر	۱۹
	سورۃ البقرہ اور سورۃ الجاثیہ دونوں میں کانوں اور	۴۴	کے متعلق احادیث	۲۰
۹۱۳	دونوں پر مہر لگنے کے اگلی اگلی محفل	۴۵	الکافر کے شان نزول کی تحقیق	
	جو اللہ رسول اور اللہ کو باہمی نہیں مانے گا وہ	۴۶	نور ظاہر اور نور باطن	۲۱
۸۱۳	شیطان کا قبیح ہوگا	۴۷	بخا اسرائیل کو دی گئی نعمتیں	۲۲
۸۱۴	کفار کے نقل و حرکت پر ایک اعتراض کا جواب	۴۸	بعض وعدہ کی بناء پر بخا اسرائیل کا حق سے انکار	۲۳
۸۱۵	دیر کا لغوی اور عرفی معنی	۴۹	کرنا	
۸۱۵	دیر کے متعلق احادیث	۵۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا امتداد اور منقطع ہونا	۲۴
۸۱۶	کلمات حدیث کی تشریح	۵۱	آپ کی شریعت کے بعد کسی اور شریعت کی طرف	۲۵
	کفار اور دہریہ بلا دلیل اللہ سبحانہ کا انکار کرتے	۵۲	انکسار کرتے جا رہے ہیں	
۸۱۶	ہیں	۵۳	آپ کو چاہوں کی اجازت سے منع کرنے کا محفل	۲۶
۸۱۶	مشرک و کفر کے انکار پر کفار کی ہمت کا جواب	۵۴	بعض مفسرین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی	۲۷
	اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی توحید اقامت اور مشرک	۵۵	محبت اور آپ سے محروم تھے	
۸۱۷	مشرک و کفر	۵۶	بصیرت کے معنی کی تحقیق	۲۸

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۴۷	وللہ ملک السموات والارض	۸۱۷ (۳۷-۳۸)			
۴۸	کفار کا شمار	۸۱۹			
۴۹	آیا قیامت کے دن سب گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے یا صرف کفار؟	۸۱۹			
۵۰	جائیدگی کی ضروریات	۸۲۰			
۵۱	لوگوں کو ان کے صحائف اعمال کی طرف بلانا	۸۲۱			
۵۲	مومنوں اور کافروں کی جزاء کے متعلق احادیث	۸۲۱			
۵۳	اللہ کے لکھنے اور فرشتوں کے لکھنے میں تعارض کا جواب	۸۲۲			
۵۴	حقیقی کامیابی کا مصداق	۸۲۳			
۵۵	جو لوگ دور دراز کے علاقے میں رہتے ہوں اور ان کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو آیا وہ مکلف ہیں یا نہیں؟	۸۲۳			
۵۶	قیامت کے متعلق کفار کے دو گروہ	۸۲۳			
۵۷	بڑے کاموں کی آخرت میں بُری اور ڈراؤنی صورتیں	۸۲۵			
۵۸	اللہ تعالیٰ کے ہمراہین کی توجیہ	۸۲۵			
۵۹	آخرت سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرنا	۸۲۵			
۶۰	سورۃ النبیؐ کا اختتام	۸۲۶			
۶۱	آخذہ وراج	۸۲۷			



سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ الْبُحْرَانُ الْخَافِرُ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حمدك عن الحامدين وانزل القرآن تبليغاً لكل شيء عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلاة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليانا انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدي بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجنان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قد لايب والمرسلين امام الاولين والاخرين شفيح الصالحين والمذنبين واختص بتخصيص المغفرة له في كتاب مبين وعلى آله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وزوجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء الله وعلماؤه اجمعين - اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا محمداً عبده ورسوله - اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالي من يهده الله فلا مضل له ومن يضله فلا هادي له اللهم ارني الحق حقاً وارزقني تبليغه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه - اللهم جمني في تبليان القرآن على صراط مستقيم وثبتني فيه على منهج قويم وحصني عن الغفط والزلل في تحريمه واحفظني من شر الحاسدين وزبيغ المعاندين في تقريبك اللهم الحق في قلبى اسرار القرآن وشرح صدرى لمعاني الفرقان ومتعني بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدني لتبيان القرآن - رب زدني علماً رب ادخلني مدخل صدق واخرجني مخرج صدق واجعل لي من لدنك سلطاناً نصيراً - اللهم اجعله خالصاً لوجهك ومقبولاً عندك وعند رسولك واجعله شائعاً ومستفيضاً ومفيضاً ومرغوباً في اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لي ذريعة للمغفرة ووسيلة للخلاص وصدقة تجارية الى يوم القيامة وارزقني زيارة النبي صلى الله عليه وسلم في الدنيا وشفاعته في الآخرة واحيني على الاسلام بالسلامة وامتنعني على الايمان بالكرامة - اللهم انت ربي لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لي فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يا رب العالمين -

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا نہایت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا پہنچ کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عظیم اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل ان کے کامل اور پوری اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نازل ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ذرا واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے گھس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق و واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "قیام القرآن" کی تصنیف میں صراطِ مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا لقاہ کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "قیام القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور مقبول محبوب اور اثر آفرین بنا دے اس کو میری مغفرت کا ذریعہ میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر مجھے سلاحتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر عزت کی موت عطا فرما اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ ص

(۳۸)

سُورَةُ الزُّمَرِ

(۳۹)

گزشتہ بات ہے۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۶۳۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۹ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۷ مسند ابی یوسف ج ۱ ص ۲۵۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۸۶ المسند ج ۱ ص ۲۳۲ سنن کبریٰ للبخاری ج ۱ ص ۱۸۸ جامع المسانید والنسب ج ۱ ص ۱۸۱ رقم الحدیث: ۸۳۰)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے:

زہری کے بھتیجے محمد بن عبد اللہ بن ثعلبہ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش نے یہ دیکھا کہ اسلام غلبہ پا رہا ہے اور مسلمان کعبہ کے گرد بیٹھنے لگے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے وہ اکٹھے ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا: آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سے افضل ہیں اور آپ نے دیکھا ہے کہ ان بے وقوف نوجوانوں نے آپ کے بھتیجے کے کہنے میں آکر ہمارے معبودوں کی عبادت چھوڑ دی ہے اور ہم پر طعن و تشنیع شروع کر دی ہے وہ اپنے ساتھ ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو لے کر آئے تھے انہوں نے کہا: ہم آپ کے پاس قریش کا سب سے حسین و جمیل اور سب سے عمدہ نسب کا لڑکا لے کر آئے ہیں ہم اس کو آپ کے حوالے کرتے ہیں یہ آپ کی مدد کرے گا اور آپ کا وارث ہو گا اس کے بدلہ آپ اپنا بیٹا ہمارے حوالے کر دیں پھر ہم اس کو قتل کر دیں گے اس فیصلے سے تمام قبائل مطمئن ہو جائیں گے۔ یہ سن کر ابوطالب نے کہا: اللہ کی قسم! تم نے انصاف نہیں کیا! تم مجھے اپنا بیٹا دے رہے ہو تاکہ میں کھلا جا کر اس کی پرورش کروں اور اس کے بدلہ میں تم کو اپنا بیٹا دے دوں تاکہ تم اس کو قتل کر دو یہ کوئی انصاف تو نہیں ہے انہوں نے کہا: تم اپنے بھتیجے کو بلاؤ ہم اس سے انصاف کی بات کہتے ہیں ابوطالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگئے تو ابوطالب نے آپ سے کہا: اے بھتیجے! یہ لوگ آپ کی قوم کے سردار اور بزرگ لوگ ہیں اور یہ آپ سے کوئی انصاف کی بات کرنا چاہتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کہیں سن رہا ہوں انہوں نے کہا: آپ ہمارے خداؤں کو نہ ان کہیں! ہم آپ کے خدا کو نہ انہیں کہیں گے۔ ابوطالب نے کہا: آپ کی قوم نے بہت انصاف کی بات کہی ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارے سامنے ایک کھڑپیش کرتا ہوں اگر تم اس کھڑپیش کو پڑھ لیتے ہو تو تمام عرب تمہارے زیر تسلط ہو جائے گا اور تم تمہارے سامنے سرنگوں ہو جائے گا ابو جہل نے کہا: یہ کھڑپیش بہت نفع آور ہے ہاں! آپ کے باپ کی قسم! ہم اس کھڑپیش کو ضرور پڑھیں گے بلکہ دس بار پڑھیں گے آپ نے فرمایا: تم پڑھو: "لا الہ الا اللہ" اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ سب بھر گئے غصہ اور غضب سے تھلکانے لگے اور دشمنوں کی طرح وہاں سے بھاگنے لگے عقبہ بن ابی معیط نے کہا: اپنے خداؤں پر صبر کرو اور ہم دوبارہ ان کے پاس نہیں آئیں گے اس کے بعد ان کافروں نے آپ کے خلاف سازش کی اور دھوکے سے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ناکام اور تاروا کر دیا۔

(الملاحات لکھنؤ ج ۱ ص ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ طبع جدید)

ان احادیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ سورہ حق ابوطالب کی حیات کے آخری حصہ میں نازل ہوئی ہے جب ابوطالب مرض الموت میں مبتلا تھے لہذا یہ سورت ہجرت سے تین سال پہلے نازل ہوئی ہے۔
حق کے اغراض و مقاصد

(۱) مشرکین کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپ کی مخالفت کرتے تھے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت اور زجر و تنبیہ کی ہے۔

لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

اس تعارف کے آخر میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض اکابر نقل علم نے یہ لکھا ہے کہ امام رازی کی تفسیر کو علامہ قزوینی نے مکمل کیا ہے ہر چند کہ ان اکابر علماء کے نام بہت بڑے بڑے ہیں اور میں ان کے مقابلہ میں ذرہ ناچنے سے بھی کم ہوں تاہم حقیقت یہ ہے کہ مکمل تفسیر کبیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ امام رازی نے ہی تفسیر کبیر کو مکمل کیا ہے

علامہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ (وفات ۱۲۸۱ء) ح ۳۹ (حاشیہ خلیفہ) کشف المصنوع ح ۱۷۵۶ (حافظ محسن الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ) تاریخ الاسلام ح ۲۱۳ (علامہ تاج الدین نسکی متوفی ۷۷۱ھ) طبقات الشافعیہ بکھری ح ۱۶ (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۴ھ) الدرر النکاح ح ۳۰۳ (نکاح) نے لکھا ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر مکمل نہیں فرمائی بلکہ اس کو علامہ نجم الدین قزوینی متوفی ۷۷۲ھ نے مکمل کیا ہے۔

میں سورۃ الانبیاء کے بعد بھی مسلسل تفسیر کبیر کا مطالعہ کرتا رہا ہوں اور اس دوران مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ تفسیر کبیر امام رازی نے ہی مکمل فرمائی ہے کیونکہ سورۃ الانبیاء کے بعد کی سورتوں میں بھی امام رازی کا وہی انداز ہے اور جن چیزوں کی وہ پہلے تفسیر اور تحقیق کر چکے ہیں جب بعد کی آیتوں میں ان کا ذکر آئے تو فرماتے ہیں: ہم اس سے پہلے قلاں سورت میں اس کی تحقیق کر چکے ہیں مثلاً وہ جس ۳۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہم چلوں کی لذت اور قطع امدادی کے متعلق سورۃ الانعام میں لکھ چکے ہیں۔

(تفسیر کبیر ح ۳ ص ۲۷۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

افشلت: یہی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہم "مادر" کی تفسیر ابو: ۱۰۱ میں لکھ چکے ہیں۔

(تفسیر کبیر ح ۳ ص ۳۶۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

افشلت: ۱۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہم "داعیون" کی تفسیر اہل: ۲۸ کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔

(تفسیر کبیر ح ۳ ص ۳۷۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

اگر علامہ قزوینی نے الانبیاء کے بعد تفسیر کبیر لکھی ہوتی تو وہ اس طرح نہ لکھتے بلکہ لکھتے کہ امام اس کی تفسیر قلاں سورت میں لکھ چکے ہیں۔ ہم نے تین آیتوں کی مثالیں دی ہیں ایسی اور بھی بہت مثالیں ہیں۔

دوسری بہت واضح دلیل یہ ہے کہ امام رازی نے بعض سورتوں کے آخر میں وہ تاریخ بھی لکھی ہے جس تاریخ کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی ہے ہم امام رازی کی لکھی ہوئی تمام اختتامی تاریخوں کو یہاں نقل کر رہے ہیں۔

سورۃ آل عمران کے آخر میں لکھتے ہیں: اللہ کے فضل اور احسان سے کچھ پہنچے الٹانی ۵۹۵ھ پر روز جمعرات اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ (تفسیر کبیر ح ۳ ص ۲۷۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

سورۃ النساء کے آخر میں لکھتے ہیں: ۱۲ جمادی الثانیہ ۵۹۵ھ پر روز منگل میں اس سورت کی تفسیر سے فارغ ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ح ۳ ص ۲۷۵)

سورۃ الانفال کے آخر میں لکھتے ہیں: للہ الحمد والشکر کچھ رمضان پر روز اتوار ۶۰۱ھ میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ (تفسیر کبیر ح ۳ ص ۵۴۰)

سورۃ التوبہ کے آخر میں لکھتے ہیں: ۱۳ رمضان ۶۰۱ھ پر روز جمعہ میں اس کی تفسیر سے فارغ ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ح ۳ ص ۱۸۰)

سورۃ یونس کے آخر میں لکھتے ہیں: میں اس سورت کی تفسیر سے رجب ۶۰۱ھ پر روز ہفتہ فارغ ہو گیا تھا اور میں ان دنوں

- (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل دی ہے کہ آپ ان کی تکذیب اور مخالفت سے نہ گھبرائیں آپ سے پہلے حضرت داؤد اور حضرت ایوب اور دیگر رسولوں کی بھی تکذیب اور مخالفت ہوتی رہی ہے۔
- (۳) لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے کے لیے قیامت اور دہرے آخرت کا پرکار ضروری ہے۔
- (۴) سب سے پہلی گمراہی دو قسمی جو شیطان کے انکارِ نبوت کی وجہ سے وجود میں آئی۔
- میں کے مضامین اور مشمولات**

- (۱) اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ کفار کو صرف تکبر کی وجہ سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کر رہے ہیں ان کو صرف یہ بات ناگوار گذری ہے کہ ان ہی میں سے اور ان کی ہی نوع سے ایک شخص کو منصب رسالت پر فائز کر دیا گیا اور جن بتوں کی وہ اور ان کے آباء و اجداد ایک ہی عرصہ سے عبادت کر رہے تھے ان میں سب بتوں کی خدائی کو باطل قرار دے دیا سو وہ آپ کو ساحر اور کذاب کہتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ منصب رسالت ہو یا کوئی اور یہی نعمت ہو اس نعمت کے مستحق وہ ہیں اور وہ اس خبا میں جتنا تھے کہ انہوں نے اپنی کوئی کتاب نازل فرمائی ہوئی تو ان جیسے کسی ایسے و کبیر اور سردار پر اپنی کتاب نازل کرتا نہ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی کوئی غلامی شان و شوکت نہ تھی نہ خدو اور مصلحتی نہ تھا۔
- (۲) گزشتہ بعض سرکش اور منکر ہمتوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ اسی طرح کا تعجب کیا اور ہاتھ پیرا کر انہیں ملیا میٹ ہو گئیں۔
- (۳) اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ یہ دنیا محض مٹ اور فضول نہیں ہے اس دنیا میں انسان نیک یا بد جو بھی کام کرے اس کو آخرت میں اس کی سزا یا جزا ملتی ہے اور اسی لیے قیامت کا آنا ضروری ہے۔
- (۴) حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہادی خطا کا ذکر فرمایا اور اس پر ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرما کر جو ان کو معاف فرمایا اس کا ذکر فرمایا تاکہ لوگ نہ کہنے کے بعد اللہ کی رحمت سے عاجز نہ ہوں اور اس سے استغفار کرتے رہیں۔
- (۵) حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کی وسعت اور ان کی دولت اور حشمت کا ذکر فرمایا اور ان نعمتوں پر ان کی شکرگزاری کو بیان فرمایا تاکہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔
- (۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل فرامی کہ اگر مشرکین مکہ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں تو آپ قہر اور غم نہ کریں کہ ہمیشہ اولوالعزم انبیاء کی مخالفت کی جاتی رہی ہے اور وہ اس پر صبر کرتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو ہمیشہ ناکام اور ناسرور کیا اور اپنے نبیوں کو دارین میں سرخ روئی عطا فرمائی۔
- (۷) آخر میں یہ بتایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور جو لوگ آپ کے پیغامِ توحید کی تکذیب کر رہے ہیں اور تکبر کی بناء پر آپ پر ایمان نہیں لارہے ہیں وہ انہیں کی ہی دی کر رہے ہیں اور ان کا وہی انجام ہوگا جو انہیں اور اس کے پیروکاروں کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔
- حق کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت سے حق کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہے ہیں ان اعلیٰین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق و صواب پر قائم رکھنا اور وہی بات لکھنا جو حق اور صواب ہو اور جو باتیں ظالموں ان کی تلمیذوں اور ناصواب ہونے پر مطلع فرماتا اور ان کا رد کرنے کی ہمت اور توفیق دینا۔ و اعصر دعواتنا ان الحمد

اپنے نیک بیچے محمد کی وفات سے بہت کم زدو ہوں اور کارکنین سے اس کی معفرت کی درخواست ہے۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۳۸)
 سورہ یوسف کے آخر میں لکھتے ہیں: میں سات شعبان ۶۰۱ھ پر روز جمعہ اس سورت کی تفسیر سے فارغ ہو گیا آج کل میں
 اپنے نیک بیچے محمد کی وفات سے بہت غم کین ہوں اس کی معفرت کی دعا کریں اور میرے لیے سورہ فاتحہ پڑھ کر دعا کریں اور
 جو میرے لیے پڑھا کرے گا میں بھی اس کے لیے بہت دعا کروں گا اور مجھ وصلوۃ پجہی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۲۴)
 سورہ مد کے آخر میں لکھتے ہیں: آج ۱۸ شعبان ۶۰۱ھ پر روز اتوار کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی جسے نبی کی وفات کا غم تازہ
 ہے اس کی دعا کے لیے درخواست کرتے ہیں۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۵۵)

سورہ ابراہیم کے آخر میں فرماتے ہیں: اور آخر شعبان ۶۰۱ھ پر روز جمعہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۱۱۵)
 سورہ الکہف کے آخر میں فرماتے ہیں: ستر و صفر ۶۰۲ھ پر روز منگل شب خمین میں اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔

(تفسیر کبرج ۶ ص ۱۵۰)
 سورہ الفصحت کے آخر میں لکھتے ہیں: ستر و القعد ۶۰۳ھ میں پر روز جمعہ پراقت چاشت اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔

(تفسیر کبرج ۶ ص ۳۰۶)
 امام رازی نے الزمر کے آخر میں ایک سوال سے متعدد جواب ذکر کیے ہیں۔ جن کے تیسرے جواب میں لکھا ہے: یہ جواب
 میرے والد شیخ ضیاء الدین محمد نے دیا ہے۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۳۶۹) یہ عبارت اس بات پر واضح قرینہ ہے کہ سورہ انبیاء کے آٹھ بھی تفسیر
 امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ نیز سورہ زمر کے آخر میں امام رازی نے لکھا ہے کہ اس کی تفسیر ۱۰ ذوالقعد ۶۰۳ھ میں ختم ہوئی۔

"وفیات الامامین" اور "کشف الظنون" وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ امام رازی نے سورہ انبیاء تک تفسیر لکھی ہے۔ الانبیاء کا
 نمبر ۲۱ ہے اور الزمر کا نمبر ۳۹ ہے گویا کہ الانبیاء کے بعد ۱۸ سورتوں کی تفسیر بھی امام رازی نے لکھی ہے اور یہ سورت ۶۰۳ھ میں
 لکھی گئی ہے اور ۶۰۶ھ میں امام رازی کی وفات ہوئی ہے گویا اس کے تین سال بعد تک امام رازی تفسیر ختم نہیں کرے اور
 آخری سورتوں کی تفسیر امام رازی نے بہت سرعت کے ساتھ لکھی ہے جیسا کہ بعد کی تاریخوں سے اندازہ ہوتا ہے۔

سورہ ص کے آخر میں فرماتے ہیں: ۳ ذوالقعد ۶۰۳ھ پر روز منگل اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۳۱۷)

سورہ الزمر کے آخر میں فرماتے ہیں: آخر ذوالقعد ۶۰۳ھ پر روز منگل اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۳۶۷)

سورہ المؤمن کے آخر میں فرماتے ہیں: ۳ ذوالحجہ ۶۰۳ھ پر روز ہفتہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۵۳۶)

سورہ آل عمران کے آخر میں فرماتے ہیں: ۳ ذوالحجہ ۶۰۳ھ کو ظہر کے وقت اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۵۷۵)

سورہ الشوری کے آخر میں فرماتے ہیں: آخر ذوالحجہ ۶۰۳ھ پر روز جمعہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۶۱۵)

سورہ الزخرف کے آخر میں فرماتے ہیں: ۱۱ ذوالحجہ ۶۰۳ھ پر روز اتوار اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔

(تفسیر کبرج ۶ ص ۶۵۰)
 غالباً ان دونوں سورتوں کی تفسیر میں ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور سورہ الدخان اور المائدہ کی تفسیر بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

سورہ الدخان کے آخر میں لکھتے ہیں: بارہ ذوالحجہ ۶۰۳ھ پر روز منگل اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۶۶۷)

سورہ المائدہ کے آخر میں لکھتے ہیں: پندرہ ذوالحجہ ۶۰۳ھ پر روز جمعہ اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۶۸۳)

سورہ الانعام کے آخر میں لکھتے ہیں: ۲۰ ذوالحجہ ۶۰۳ھ کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۷۳۱)

سورہ النحل کے آخر میں لکھتے ہیں: ۱۷ ذوالحجہ ۶۰۳ھ پر روز جمعرات کو اس سورت کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر کبرج ۶ ص ۷۹۰)

وَمَا يَنْبَغِي مَا قَلِيلٌ تَقْتَرُونَ فِي الْأَسْبَابِ ۝ جُنْدٌ قَاهُتَالِك مَهْرُومٌ

تو ان کو چاہیے کہ رسیاں ہانڈھ کر آسان پر چڑھ جائیں ۝ یہ اسی جگہ کفار کا فکرت خوردہ

قِنِ الْأَحْزَابِ ۝ كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ

حقیر نظر ہے ۝ ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور فرعون کی قوم

ذُو الْأَوْتَادِ ۝ وَتَشُوْدُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَاصْحَابُ نُيْنِكَةَ طُولِكَ

تکذیب کر چکی ہے ۝ اور شمود اور لوط کی قوم اور اصحاب ایکہ یہ کفار کے

الْأَحْزَابِ ۝ إِنَّ كُلَّ إِلَّا كَذَبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابُ ۝

گروہ ہیں ۝ ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو چیلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'میں' اس نصیحت والے قرآن کی قسم ۱! بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں ۲! ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں انہوں نے بہت فریاد کی مگر وہ وقت نہات کا نہ تھا (ص ۱۳۰) میں کے معافی اور محال

اس سورت کو بھی حرف جہی میں کے ساتھ شروع کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اور بھی کئی سورتوں کو حرف جہی کے ساتھ شروع کیا گیا ہے اور اس میں اس چیز پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور وحی الہی ہے کسی انسان کا کلام نہیں ہے اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو جن حروف جہی سے یہ کلام مرکب ہے تم ان ہی حروف سے کلام بناتے ہو سو تم بھی ان حروف سے ایسا کلام بنالو اور اگر تم ایسا مجوز کلام نہ بنا سکو اور اس سے عاجز ہو جاؤ تو پھر مان لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ حرف صاد کو ابتداء لانے میں حسب ذیل امور کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے:

(۱) میں سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ اسماء ہیں جو حرف صاد سے شروع ہوتے ہیں جیسے صادق الودع صانع المخلوقات اور صمد۔

(۲) اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر خبر پہنچانے میں صادق ہیں۔

(۳) سعید بن جبیر نے کہا: میں سے مراد وہ خبر ہے جس سے اللہ تعالیٰ دو صورتوں کے درمیانی وقفہ میں مردوں کو زندہ فرمائے گا۔

ضحاک نے کہا: میں سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے فساد سے مروی ہے کہ یہ قرآن کا اسم

ہے ایک قول یہ ہے کہ اس کا طعم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ (المباح ۱۰، کام القرآن ۱۵، ۱۶، دارالکتاب ۱۵، ۱۶)

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر کیا فرمایا؟

ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نصیحت والے قرآن کی قسم کھائی ہے اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر

کیا فرمایا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو اب قسم یہاں پر مذکور نہیں ہے لیکن مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ کلام مجز ہے۔ اس کی

تفصیل یہ ہے کہ میں اس نصیحت والے قرآن کی قسم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجز ہے

اور ان کا یہ دعویٰ حق ہے یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تخلیخ رسالت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچانے میں صادق ہیں

وَمِنْ قَوْلِهِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمِنْ قَوْلِهِ

سنا میں کہے (شعری کلام سے) (شعرا کہ جس کا یہ لفظ ہے) (ہم نے) (اس کی) (نہی) (آیت) (ہو) (کہ) (میں)

مَنْ وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۚ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَ

میں اس نصیحت والے قرآن کی تم! O بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں ہوتے

شِقَاقٍ ۝ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَ ذَاوَالْأَسْبَاطِ

ہوئے ہیں O ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں انہوں نے بہت فریاد کی اور وہ وقت

مَنَاصِبٍ ۝ وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ

نجات کا نہ تھا O اور کافروں کو اس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک شخص عذاب سے ڈرانے والا آیا اور کافروں

هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝ أَجَعَلَ الْإِلَهَ الْهَآؤَ أَحَدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ

نے کہا: یہ جھوٹا جادوگر ہے O کیا اس نے بہت سے معبودوں کو معبود واحد بنا دیا ہے؟ بے شک یہ بہت عجیب

عَجَابٌ ۝ وَأَنطَلَقَ الْمَلَكُ مِنْهُمْ إِنَّ امْسُؤَافَاصِدْرُوعَ عَلَى إِلَهَيْكُمْ

بات ہے O کافروں کے سردار (اس رسول کے پاس سے) پہلے (اور کہا:) چلو اب اپنے خداؤں پر صبر کر لو

إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ

ہے شک اس بات کا بھی کوئی معنی ہے O ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی یہ صرف

هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ ۝ أَنزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا تَبْلُغْ فِي

ان کی مخالفت ہوئی (جہول) بات ہے O کیا ہم میں سے صرف ان پر ہی نصیحت نازل کی گئی ہے بلکہ یہ کفار میری نازل کی ہوئی

شَيْءٍ قِنْ ذِكْرِي بَلْ تَمَآيِدُوا وَقُوْا عَذَابَ ۝ أَمْ عِنْدَكُمْ نَزْرٌ

وہی کے متعلق شک میں چلا ہیں بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب چکھا ہی نہیں ہے O یا ان کے پاس آپ کے

رَحْمَةً رَّبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝ أَمْ لَكُمْ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

غالب اور فیاض رب کے خزانے ہیں O یا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی ملکیت میں ہے

نہیں ہو سکتی تھی۔

اس آیت کی تفسیر حسب ذیل آیات ہیں:

فَلَمَّا دَاوَبَ لَسْنَا قَالُوا اَعْمَا يَا لَهِوْ وَحَدَاكَ وَلَكِنْ تَا
يَمَّا كُنَّا بِهٖ مُّطْرِكِيْنَ ۝ قُلْ لَّيْكَ يَنْفَعُهُمْ اِنْ تَرْكُهُمْ
تَتَرَا اَوْ اَنْتَا سَلْتَ لَهِوْ الْبَرِّ قَدْ عَلِمْتَ فِيْ مَعْبُوْثٍ وَنَسِيْرٍ
هٰذَا لَيْكَ الْكَافِرُوْنَ ۝ (البقرہ: ۸۵-۸۴)

حَتّٰى لَآ اَخَذْنَا مَقَرًا مِّنْهُمْ بِاَلْعَذَابِ لَآ اَنْفَعُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝
لَا يَنْفَعُوْهُمُ الْيُّسُوْرُ اَلَمْ يَكُنْ لَّآ تَعْمُرُوْنَ ۝

(البقرہ: ۶۵-۶۴)

حَتّٰى لَآ اَذْرٰهُمُ الْفَقْرُ ۚ قَالَ اَمُنتُ اَنْتَ لَا اِلٰهَ اِلَّا
اَنْتَ اَمُنتُ بِهٖ بَنُوْا اَسْرَآءَ بَنِيْ اَدْنٰمَ مِنَ التَّسْلِيْمِيْنَ ۝ اَتَلٰنْ
وَقَدْ عَصٰيْتَ قَبْلَ وَتَلَمَّتْ مِنْ التَّسْلِيْمِيْنَ ۝

(یونس: ۹۱-۹۰)

میں جب بھی کافر ہمارا عذاب دیکھتے تو کہتے کہ ہم اللہ کے
واحد ہونے پر ایمان لے آئے اور جن جن کو ہم نے اس کا شریک
بنایا تھا ہم ان کا کفر اور انکار کرتے ہیں ۝ جب وہ ہمارا عذاب
دیکھ گئے تو پھر ان کا ایمان ان کو نفع دینے والا نہ تھا یہ اللہ کا طریقہ
مسخرہ ہے جو اس نے پہلی قوموں میں جاری کیا ہوا ہے اور کفار
ایسے وقت میں (بیش) خراب و غوار ہوئے ۝

حتیٰ کہ جب ہم نے کافروں کے پیش پرست لوگوں کو
عذاب میں گرفتار کر لیا تو گئے وہ فریاد کرنے اور بلانے ۝ آج تم
فریاد نہ کرو آج ہماری طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی ۝

فرعون جب ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں اس پر ایمان لایا
جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق
نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ۝ (فریاد: ۱) اب (ایمان لایا
ہے) حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے
والوں میں سے تھا ۝

سو اس وقت فرعون کی توبہ قبول نہیں کی گئی اور اس کو غرق کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کو اس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک شخص عذاب سے ڈرانے والا آ گیا اور
کافروں نے کہا: یہ جھوٹا چادو گر ہے ۝ کیا اس نے بہت سے معبودوں کو معبود واحد بنا دیا ہے بے شک یہ بہت عجیب بات
ہے ۝ کافروں کے سردار (اس رسول کے پاس سے) چلے (اور کہا: چلو اب اپنے خداؤں پر صبر کرو بے شک اس بات کا بھی
کوئی معنی ہے ۝ ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی یہ صرف ان کی بتائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے ۝ (ص: ۴۰)
کفار کا تکبر اور ان کی مخالفت کس سبب سے تھی؟

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بے شک کفار تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ
یہ بت رہا ہے کہ وہ کس وجہ سے تکبر اور مخالفت کرتے تھے ان کے تکبر اور ان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ان ہی میں سے ایک شخص کو
رسول بنا دیا گیا اور وہ ان کو عذاب سے ڈرانے کے لیے آ گیا۔

کفار یہ کہتے ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ظاہری صورت اور باطنی قوتوں میں ہماری مثل ہیں ان کی شکل و
صورت ہماری طرح ہے ان کی پیدائش بھی ہماری طرح ہوئی ہے پھر یہ کس طرح معقول ہو گا کہ ہم میں سے صرف ان کو
منصب رسالت پر فائز کر دیا جائے اور ان کو اسے عقیم انسان مرتبہ کے لیے چن لیا جائے اور یہ کفار کی جہالت تھی کیونکہ ان
کے پاس ایک ایسا شخص آیا جو ان کو یہ دعوت دے رہا تھا کہ وہ اللہ کو واحد مانیں اور کسی کو اس کا شریک نہ قرار دیں اور فرشتوں کی
تعمیم کریں ان کو موت نہ کہیں دنیا کی فانی لذتوں سے کنارہ کش ہوں اور آخرت کی دائمی نعمتوں سے وابستہ ہوں۔ جھوٹے اور

اور کفار جو آپ کے رسول ہونے کا انکار کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا آپ کی رسالت کا اور قرآن مجید کے وحی الہی ہونے کا انکار اور کفر کر رہے ہیں تو ان کا یہ انکار محض تکبر اور عداوت کی وجہ سے ہے ان کا گمان یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول بناتا تو اس شخص کو بنانا جو بہت امیر و کبیر ہوتا جس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی اس کے بہت نوکر چاکر ہوتے اور اس کا بہت بڑا ہتھیار ہوتا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ ظاہری جاہ و چشم اور بہت سرمایہ نہیں تھا جب کہ دوسرا یہ دار اور سردار تھے اس لیے وہ اپنے زعم فاسد میں آپ کو کفر اور حقیر سمجھتے تھے اور آپ پر ایمان لاتا اور آپ کا کلمہ پڑھتا اور آپ کی اطاعت کرتا اپنی بڑائی اور اپنی امارت و ریاست کے خلاف سمجھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بعد جن لوگوں نے گمراہی و تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔

”ولات حنین مناص“ کی تفسیر

اس کے بعد فرمایا: ”ہم ان سے پہلے بھی بہت سی قوموں کو جلاک کر چکے ہیں انہوں نے بہت فحش و فساد و فحشاء کی اور وقت نہ تھا۔“

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ کافر قوموں پر دنیا میں عذاب نازل فرمایا تو وہ اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے پیچھے چلائے اور انہوں نے بلند آواز سے ساتھ نہاد فی انہوں نے عداوت میں یہ کہہ یہ ان آیت میں نہیں بیان فرمایا مفسرین نے اس کے حسب ذیل محال ذکر کیے ہیں انہوں نے نہاد کرتے ہوئے کہا۔

- (۱) انہوں نے فریاد کی کہ ان سے یہ عذاب دور کر دیا جائے۔
- (۲) جب انہوں نے عذاب دیکھا تو انہوں نے یہ آواز بلند اپنے گمراہوں اور پیغمبر سے تو یہ کرنی اور ایمان نہ لائے۔
- (۳) وہ اپنے فہم اور اندو کو ظاہر کرنے کے لیے اور درد اور بے چینی کی وجہ سے محض چیخ و پکار کرتے تھے جیسے کہ اور اور بے چینی میں جتنا شخص اس طرح کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ولات حنین مناص“ یعنی یہ وقت عذاب سے فرار اور نجات کا نہ تھا۔ ظلیل اور سیوہ نے کہا: اس آیت میں ”لات“ لا العشیۃ بلیس ہے اور اس میں تا زائد وہ ہے اور اس تا کو زیادہ کرنے کی وجہ سے اس میں دو خصوصیتیں آگئے ایک یہ کہ لات صرف ان اسماء پر داخل ہوگا جن میں ایمان اور اوقات کا معنی ہو جیسے مناص کا معنی یہ ہے کہ نجات کا وقت ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایسے تو لا العشیۃ بلیس دو جزووں یعنی اسم اور خبر پر داخل ہوتا ہے لیکن لات صرف ایک جز پر داخل ہوگا صرف اسم پر یا صرف خبر پر جیسا کہ آیت میں ہے۔

الافش نے کہا: لات میں لاتی جنس کا ہے اور اس پر تا کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ لاتی ایمان اور اوقات کی لٹی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس آیت کا معنی ہے ”اور یہ ان کی نجات کا وقت نہ تھا“ اور مناص کا معنی ہے نجات اور عداوت کی جہد۔

(تفسیر تکوین ج ۹ ص ۳۶۶-۳۶۷، التقریب القرآنیہ ج ۱ ص ۱۵۵)

حسن بھری نے کہا: انہوں نے تو یہ کہ ساتھ نہاد کی اور یہ وقت تو یہ کہے کہ انہوں نے نہاد کیونکہ عذاب آنے کے بعد عمل نفع نہیں دیتا۔

القشیری نے کہا: جس چیز کی وہ نہاد کر رہے تھے وہ وقت اس کی نہاد کا نہ تھا ہر چند کہ انسان اسی وقت چیخ و پکار اور فریاد کرتا ہے جب اس پر مصیبت آتی ہے لیکن یہ وقت اس مصیبت سے نجات کا نہ تھا۔

ابن جریر جانی اور الطبرانی نے کہا: انہوں نے ایسے وقت میں عذاب سے فرار اور نجات کو طلب کیا جب عذاب سے ان کی نجات

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر کبریٰ ج ۹ ص ۳۶۶ الجامع لا حکام القرآن ج ۵ ص ۱۳۹)

امام ابوالحسن علی بن محمد المادوری المتوفی ۳۵۰ھ نے مقال سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔

(الفتح والفتح ج ۵ ص ۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۳ھ نے سدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش سے کہا: اگر تم میرے ہاتھ میں سورج لا کر رکھ دو پھر بھی میں تم سے یہی مطالبہ کروں گا کہ تم لا الہ الا اللہ پڑھو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

اس کے بعد فرمایا: ”کافروں کے سردار (اس رسول کے پاس سے) چلے (اور کہا): چلو اب اپنے خداؤں پر صبر کر لو اس بات کا بھی کوئی معنی ہے۔“ (ص ۶۰)

کفار کا اپنے بتوں کی عبادت پر صبر کرنے کا محمل

عقبہ بن ابی معیط نے کہا تھا: چلو! یعنی تم اپنے طریقہ پر عمل کرتے رہو اور اس مجلس سے نکل چلو کیونکہ یہاں اب خضر نے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور اس نے کہا: اب اپنے خداؤں پر صبر کر لو یعنی اب تم اپنے بتوں کی عبادت پر ثابت قدم رہو اور ان کی عبادت کو جو یہ بُرا اور گناہ کہتے ہیں اس کو برداشت کرتے رہو۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا: جب کفار اپنے بتوں کی عبادت کرنے پر صبر سے راضی ہو گئے حالانکہ بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے تو مسلمان اس کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ صبر کے ساتھ خدا کے ساتھ عبادت کرتے رہیں اور اس راہ میں کسی طاقت یا کسی ظن یا کسی بھی مصیبت کی پرواہ نہ کریں۔

انہوں نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ہم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کو واحد مانو اور ہمارے بتوں کی خدائی کی نفی کر رہے ہیں وہ ضرور اس حکم کو نافذ کرنے والے ہیں یہ محض ان کی زبانی بات نہیں ہے وہ کسی کی سفارش کرنے سے اور کسی کے سمجھانے سے اپنے اس عزم سے ہار نہیں آئیں گے۔ اس لیے تم یہ طمع نہ رکھو کہ ابو طالب کے کہنے سننے سے اور ان کے سفارش کرنے سے وہ اپنے موقف کو ترک کر دیں گے۔ پس تمہارے لیے یہ قیمت ہے کہ تم اپنے بتوں کی عبادت کر رہے ہو اور اس پر کوئی بندش عائد نہیں ہے سو تم ان کی باتیں برداشت کرتے ہوئے صبر و سکون سے اپنے بتوں کی عبادت کرتے رہو اور اپنے طریقہ پر سختی سے قائم رہو۔

اس کے بعد فرمایا: ”(اور کافروں نے کہا): ہم نے یہ بات اس سے پہلے دین میں نہیں سنی یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جہول) بات ہے۔“ (ص ۷۰)

خلق، خلق اور اختلاق کے معانی

اس بات سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اور انہوں نے کہا: ”اور ہم نے اس سے پہلے دین میں توحید کی دعوت کو نہیں سنا“ یعنی ہمارے آباؤ اجداد جس دین کے پیروکار تھے اس میں توحید کا عقیدہ نہ تھا اس آیت میں دین کے لیے طے کا لفظ ہے احکام شرعیہ جب اس لحاظ سے ہوں کہ ان کی اطاعت کی جائے تو ان احکام شرعیہ کو دین کہا جاتا ہے اور جب احکام شرعیہ اس لحاظ سے ہوں کہ ان کو کچھ محفوظ کیا جائے اور وہ مشیطہ اور مدون ہوں تو ان کو طے کہا جاتا ہے اور توسعاً دین اور طے کا ایک

سے حیاتی کے کام نہ کریں، رشتہ داروں سے نیک سلوک کریں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں اور وہ شخص ان کا پس منظر پر نظر کرے گا کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت دور ہے یہ تمام صفات ایسی ہیں جو اس شخص کے وجود کی تصدیق کو واجب کرتی ہیں، لیکن یہ کفار اپنی حماقت کی وجہ سے اس شخص کے دعویٰ رسالت پر قیام کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ان کی قوم اور ان کے قبیلہ کے ایک فرد ہیں۔ دنیاوی اسباب کے اعتبار سے ان کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اس لیے وہ ان کی اطاعت میں داخل ہونے اور ان کا سختی کہلانے میں اپنی سبکی محسوس کرتے تھے اور اس پر قیام کرتے تھے کہ کسی دنیاوی فضیلت اور بڑائی کے بغیر ان کو کیسے پیغام الہی پہنچانے کے لیے جن لیا گیا اور ان کا یہ قیام کرتا شخص ان کے حسد کی وجہ سے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور کافروں نے کہا: یہ جھوٹا جادوگر ہے۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ کہنے والے کافر تھے، کیونکہ جو اللہ کے رسول کو جھوٹا کہے اور جادوگر کہے وہ کافر ہے، ان کا یہ کہنا خود بدعت جھوٹ تھا، کیونکہ جادوگر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع کرتا ہے اور شیطان کی اطاعت اور اس کی عبادت کی ترغیب دیتا ہے۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور شیطان کی اطاعت اور اس کی عبادت سے منع کرتے تھے اسی طرح ان کا آپ کو جھوٹا کہنا بھی بے جا تھا، خود جھوٹ تھا، کیونکہ جھوٹا شخص وہ ہوتا ہے جو واقع کے خلاف خبر دے اور آپ نے یہ خبر دی کہ یہ جہاں یونہی خود بہ خود وجود میں نہیں آ گیا اس کا کوئی بنانے والا اور پیدا کرنے والا ہے اور وہ واحد ہے کیونکہ اس تمام جہاں کا نظام طرز واحد اور نظم واحد پر چل رہا ہے اور اس کا نظم واحد پر چلنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا نظم بھی واحد ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس قول کو نقل فرمایا: "کیا اس نے بہت سے معبودوں کو معبود واحد بنا دیا ہے۔" (ص ۷۵)

کفار کی ابو طالب سے شکایت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ بیان کرتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو قریش پر یہ واقعہ بہت دشوار گزارا اور مسلمان اس سے بہت خوش ہوئے، ولید بن مغیرہ نے قریش کی ایک جماعت سے کہا: جن میں ان کے مناد یہ اور اشراف موجود تھے، ابو طالب کے پاس چلو، پھر انہوں نے ابو طالب سے کہا: آپ ہمارے شیخ اور بزرگ ہیں اور آپ کو معصوم ہے کہ ان نادان لڑکوں نے کیا کیا ہے، ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے اور اپنے پیچھے کے درمیان کوئی مقتول راہ نکال دیں، ابو طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور آپ کے آنے کے بعد آپ سے کہا: اسے پیچھے اپنے جہاد کی قوم سے یہ نہ چاہتی ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی قابل قتل فیصلہ ہو جائے اور تم اپنی قوم سے ذرہ برابر بھی زیادتی نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ کفار قریش نے کہا: آپ ہمیں اور ہمارے معبودوں کے ذکر کو چھوڑ دیں، ہم آپ کو اور آپ کے معبود کو چھوڑ دیں گے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک کلمہ نہ کہو کہ مان لو، تمام عرب تمہارے زیر نگیں ہو جائے گا اور ہم بھی تمہارے ماتحت ہو جائے گا۔ ابو جہل نے کہا: اللہ تمہارا بھلا کرے، ایسا کلمہ تو ہم دس بار پڑھنے پر بھی تیار ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پڑھو لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) یہ بات سن کر وہ حوٹل ہوئے اور اس مجلس سے اللہ کے اور کہنے لگے: یہ تمام معبودوں کو ٹھاکر ایک معبود قرار دے رہے ہیں، تمام لوگ یہ بات کہیں مان لیں گے کہ ان کا معبود صرف ایک معبود ہے، تب اللہ تعالیٰ نے سورت صٰحٰہ کی یہ آیات نازل فرمائیں۔

(اسباب النزول ص ۳۸۱ دار الکتب احیاء بیروت)

اور کفار مکہ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق اسی طرح کا اعتراض کیا تھا:

وَقَالُوا لَا تَزِلَّ كُنُوزَنَا هَٰذَا الْغُرَافَاتِ عَلَىٰ رُءُوسِنَا ۖ يَقْنَطُونَ (الزمر: ۳۱)
اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی
عظیم آدمی پر کیوں نہیں ہازل کیا گیا؟

ان کے اس اعتراض کی مکمل تقریر اس طرح ہے کہ نبوت اور رسالت سب سے عظیم مرتبہ ہے اس لیے یہ مرتبہ سب سے
عظیم اور شرف انسان کو ملنا چاہیے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے عظیم اور شرف انسان نہیں ہیں کیونکہ ان کے
پاس مال و دولت کی کثرت ہے نہ جاہ و حشم ہے نہ ان کے ماتحت کوئی تھا ہے نہ یہ کسی قبیلہ کے سردار ہیں اس لیے نبوت اور
رسالت کا منصب ان کو نہیں ملنا چاہیے اور نہ یہ اس کے لائق ہیں۔ کفار کا یہ کہنا تو صحیح تھا کہ نبوت بلند تر اور بالاتر مرتبہ ہے اور یہ
مرتبہ اس شخص کو ملنا چاہیے جو مرتبہ میں سب سے بلند اور بالا ہو لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب
سے بلند اور بالا نہیں ہیں۔ کیونکہ سعادت، شرافت اور سیادت کی تین قسمیں ہیں اعلیٰ درجہ کی سیادت سعادت نفسانیہ ہے یعنی
اس شخص کا نفس اور قلب سب سے پاکیزہ ہو اور نفس کی طہارت اور پاکیزگی اللہ پر ایمان اور تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے آپ
ایمان باللہ پر پیدا ہوئے اور کفار آپ کی چالیس سالہ گزاری ہوئی حیات میں دیکھ چکے تھے آپ سب سے زیادہ عفت و تاب
عبادت گزار و عہدہ اخلاق کے مالک اور تمام لوگوں میں صادق اور امین مشہور تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَقَدْ كَسَبَتْ فَنِيْلَكُمْ عُمْرًا مِّنْ قَبْلِهِمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱﴾
میں اس سے پہلے عمر کا ایک بہت بڑا حصہ تم میں گزار چکا
(نہیں ۱۲) ہوں کیا پس تم عقل نہیں رکھتے ﴿۱﴾

سیادت اور سعادت کا دوسرا مرتبہ جسمانی اور بدنی ہے اور آپ قبائل عرب میں سب سے افضل قبیلہ قریش اور اس کی
سب سے افضل شاخ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے اور آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب تمام اہل مکہ میں بزرگ اور برتر مانے جاتے
تھے اور آپ کا جسمانی حسن و جمال اور آپ کی وجاہت سب پر فائق تھی سونفانی اور جسمانی شرف کے لحاظ سے آپ ہی سب
سے افضل اور برتر تھے اور باسیادت کا تیسرا مرتبہ خارجی اور اضافی وجہ سے ہے یعنی مال و دولت اور دنیاوی شان و شوکت
کے اعتبار سے کسی کا زائد ہونا اور یہ اضافی فضیلت ہے حقیقی فضیلت نہیں ہے ایک وقت تھا کہ آپ کے پاس زیادہ مال و
دولت نہیں تھا پھر اسلامی فتوحات کی کثرت ہوئی اور یہ کثرت مال قیمت اور مال نے آپ کے پاس آگیا حتیٰ کہ آپ
ازواج مطہرات کو ایک سال کا خلع فراہم کر دیا کرتے تھے۔ سوشرکین مکہ کا آپ پر یہ اعتراض بالکل بے جا غلط اور جھوٹا تھا کہ
آپ عرب کے افضل اور برتر انسان نہیں ہیں تو آپ کو نبوت اور رسالت کے لیے جن لینا کس طرح صحیح ہوگا۔

شرکین مکہ نے جو یہ کہا تھا کہ آپ مکمل وصورت میں ہماری طرح ہیں اور انہوں نے آپ کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا تو ان
کا یہ قیاس بالکل فاسد تھا کہاں آپ اور کہاں وہ آپ اقول خلافتی اصل موجودات اور روح الارواح ہیں ہر کمال کی آپ اصل
ہیں بلکہ حسن اور کمال وہی ہے جس کو آپ کے ساتھ نسبت ہو اور جس چیز کی آپ کے ساتھ کوئی نسبت نہیں وہ کمال سے محروم
ہے اور رہا یہ کہ آپ کی اور ان کی صورت ایک نوع اور ایک طرح کی ہے تو یہ نوع میں مماثلت حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد
ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ آپ کے شخص کریم اور ان کے اشخاص میں کوئی مماثلت نہیں ہے اگر کوئی کہے کہ ان کی بھی دو
آنکھیں اور آپ کی بھی دو آنکھیں تھیں تو ہم کہیں گے کہ جنہیں ان آنکھوں سے کیا نظر آتا ہے؟ آپ تو اپنی آنکھوں سے
سامنے پش پش دیکھیں یا پس لوہے نیچے دیکھیں تھے زمین پر کھڑے ہوتے تو زمین کے نیچے قبر و انور کو اور ان کے
احوال کو دیکھتے تھے آسمانوں کے پار جنت کو دیکھتے تھے شاہد اور غائب کو دیکھتے تھے جنات اور فرشتوں کو دیکھتے تھے حتیٰ کہ آپ

دوسرے پر اطلاق کر دیا جاتا ہے اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ان کافروں کے دل و دماغ پر اندھی تحدید نامہ بھی انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر عمل کرنے کو صحیح جانا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انہیں توحید کی دعوت دی تھی اس کو منہ جانا۔

انہوں نے کہا: ”یہ صرف ان کی بنائی ہوئی (جھوٹی) بات ہے“ اس آیت میں اس کے لیے اختلافی کا لفظ ہے۔ اس نے اپنے پاس سے بنا کر جو جھوٹی بات کہتا ہے اس کو خلق اور اختلاق کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے کہ کفار نے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت اور ان کے پیغام کو سن کر کہا:

إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُحْسِنِينَ ﴿۲﴾
(الشعراء ۱۳۹-۱۴۰)

اور اس آیت میں فرمایا:
مَا تَجْعَلُونَاهُمْ إِلَّا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْأَخَرُونَ ﴿۱﴾ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲﴾
(ممتحنین ۷۱)

خلق مخلوق کو بھی کہتے ہیں اور خلق (خ) یا زبر اور خلق (خ) یا عجل (کی اصل واحد ہے۔ لیکن خلق کا لفظ ان جہات افعال اور صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن کا ہم سے اور ان کا ہے اور خلق کا لفظ ان قوتوں اور خصوصیتوں کے ساتھ ان میں ہے جن کا ہم سے اور ان کا ہے یا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
إِنَّا أَنْشَأْنَاهُ خُلُقًا مَّخْلُوقًا ﴿۱﴾ (احقار ۲)

جب تک آپ بہت جلد خلق یا زبر یا عجل کی بات کریں گے۔
(احقار ۲ میں ۱۰۰ جہات، اسعفی مدظلہ ۲۰۹ ج ۱)
انہوں نے کہا: ”کافروں نے کہا: ”یہ ہم میں سے صرف ان پر ہی نصبت ہوا ہے ان کی ہے جہاں یہ خداوندی ذات کی ہوئی وہی کے متعلق شک میں جتنا ہیں ○ جہاں بھی تک انہوں نے یہ اعتراض پیش نہیں ہے ○ یہ ان کے پاس آپ کے غالب اور فیوض رب کے خزانے ہیں ○ یا آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی سمیت میں ہے تو ان کو چاہیے کہ رساں ہاتھ کر آسمان پر چڑھ جائیں ○ (ممتحنین ۷۱)۔

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ محمد تو ذات اور صفات میں ہماری مثل ہیں پھر ان کو وحی رسالت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اوپر یہ کفار کا تیسرا شبہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ محمد ذات اور صفات اور جسمانی بناوٹ میں دوسرے لوگوں کے برابر ہیں اسی طرح آپ کی ذاتی قوتیں بھی دوسروں کے برابر ہیں پھر یہ کیسے معقول ہو سکتا ہے کہ آپ کو نبوت اور رسالت کا وہ درجہ عالیہ اور عظیم مرتبہ دیا جائے جو آپ جیسی ذات اور صفات رکھنے والے دوسرے لوگوں کو نہیں دیا گیا۔

قوم مشرکوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق اسی طرح کا اعتراض کیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ:
فَقَالُوا إِنَّمَا أَهْلُوا وَإِمَامًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ يُبْعَثُونَ ﴿۱﴾ وَإِنَّا لَنَرَاهُ فِئْتَنًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ يُبْعَثُونَ ﴿۲﴾
(احقار ۲۵-۲۶)

اور (کافروں نے) کہا کیا ہم انہوں میں سے ہی ایک شخص کی وحی دینی کریں یہے شک پھر تو ہم ضرور مکرر ہی اور راجی میں ہوں گے ○ کیا ہم سب میں سے صرف اسی شخص پر وحی نازل کی گئی ہے۔ (نہیں) بلکہ وہ بہت بھونکا اور جھٹی بھارنے والا ہے ○

صرف نظر کرتے ہیں جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے حق ہونے تک پہنچاتے ہیں اور خود ان کو اس پر احماد نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ جھوٹے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ دیوانے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے پر جو دلائل قائم کیے اگر یہ کشادہ آنکھوں اور کھلے ذہنوں کے ساتھ ان دلائل کو دیکھ لیتے تو آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آتے اور آپ کی رسالت کے متعلق ان کے جتنے شبہات تھے وہ سب زائل ہو جاتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا عذاب دیکھا ہی نہیں ہے۔“

یعنی کفار مکہ اس خطرہ میں ہیں کہ ان پر میرا عذاب آ جائے اور اگر انہوں نے وہ عذاب دیکھ لیا تو پھر ان کو حقیقت حال معلوم ہو جائے گی اور اس میں یہ تبدیلی اور وعید ہے کہ عقرب آ خرت میں ان پر میرا عذاب آئے گا اور پھر وہ مجبور ہو کر مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت ان کا ایمان لاتا ان کے لیے مفید نہیں ہوگا اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ میرا عذاب دیکھ لیتے اور اس کے درد کا ادراک کر لیتے تو میری وحی کے انکار کی جرأت نہ کرتے۔

علامہ الجہول النونی ۱۱۶۲ھ نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: تمام لوگ خواب میں ہیں جب وہ مر جائیں گے تو بیدار ہوں گے۔ (كشف الغم، ج ۳ ص ۳۱۲ رقم الحديث: ۲۷۹۵ مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جس قدر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے وہ اسی قدر اپنے کفر اور تکبر پر اصرار کرتے تھے پھر وہ اپنے کفر پر مسلسل اصرار کرتے رہے اور ان پر عذاب نہیں آیا اور یہ چیز آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے میں ان کے زیادہ شک کا باعث بن گئی اور انہوں نے کہا:

وَإِنْ قَالُوا اتَّبَعْنَا لِمَ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا
يَعْنِيكَ قَالُوا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا
يَعْنِيكَ قَالُوا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا
يَعْنِيكَ قَالُوا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا
يَعْنِيكَ قَالُوا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا
يَعْنِيكَ قَالُوا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا
يَعْنِيكَ قَالُوا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا
يَعْنِيكَ قَالُوا هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا

وے

اور ان کے شہ گوزاں کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مزید یہ فرمایا:

”یا ان کے پاس آپ کے غالب اور فیاض رب کے خزانے ہیں“ (ص ۹)

اس جواب کی تفسیر یہ ہے کہ نبوت کا منصب بہت عظیم منصب ہے اور بہت بلند درجہ ہے اور اس منصب کو عطا کرنے پر وحی قادر ہوگا جو بہت غالب ہو اور بہت فیاض اور بڑا ہو اور وہ جب کسی کو عطا فرماتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ جس کو وہ عطا کر رہا ہے وہ غنی ہے یا فقیر ہے اور نہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کو عطا کرنا اس کے دشمنوں کو پسند ہوگا یا پسند ہوگا۔

اس جواب کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے ان کافروں کے پاس ہیں؟ وہ جس طرح چاہیں اس کے خزانوں میں تصرف کرتے ہیں، جس کو وہ چاہتے ہیں اس کو دیتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اس کو نہیں دیتے اور اپنی رائے کے مطابق اس کے خزانوں میں حکم نافذ کرتے ہیں اور اپنے منادیاں اور سرداروں کو نبوت عطا کرتے ہیں، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ نبوت تو محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا انعام ہے نہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے یہ انعام کرتا ہے اس کو دینے اور نازنے سے کوئی روکنے والا اور منع کرنے والا نہیں ہے۔

نے اپنی مٹی آنکھوں سے بھاری میں اپنے رب عزوجل کو دکھا اور اس طرح دکھا کر دکھائی دینے والے نے بھی داودی اور کہا: **تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ** (انہم: ۷۱) نہ آپ کی (نکاحی) نہ سے بڑی۔

سوئی زہوش رفت سے یک ہلو صفات تو میں ذات سے مگری دور تھی

اسی طرح تمہارے بھی کان ہیں اور آپ کے بھی کان ہیں لیکن تم دور کی بات نہیں سن سکتے آپ دور و نزدیک کی باتیں یکساں سنتے تھے۔ تم پہ مشکل انسانوں کی باتیں سنتے ہو آپ انسانوں کی باتوں کی شجر و جگر کی جنات کی فرشتوں کی حتی کہ رب کائنات کی باتیں سنتے تھے۔ تمہاری بھی زبان ہے محترم صرف انسانوں سے بات کر سکتے ہو آپ انسانوں سے باتوں سے فخر و جبر سے جنات سے فرشتوں سے حتی کہ خدا نے لم یزل سے کلام فرماتے تھے۔ باوجود تمہارے بھی ہیں لیکن تمہارے ہاتھوں کی پہنچ کہاں تک ہے؟ تم کہاں تک تصرف کر سکتے ہو؟ آپ کے تصرفات کی زد میں پوری کائنات تھی چاند و سورج سورج کو لوٹا دینا درختوں کو پلایا انگلیوں سے پانی کے خشے جاری کر دینے بتاؤ کس چیز میں ہمارے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری مشق ہیں تم کیا چیز ہو؟ تمہاری ہستی کیا ہے؟ تم کس شمار و قطار میں ہو؟ ان کی مثال تو نبیوں اور رسولوں میں بھی نہیں ہے حضرت جبریل نے کہا:

قلبت الارض مشارقها ومغربها فلم اجد رجلا افضل من محمد۔
میں نے زمین سے تمام مشارق اور مغرب کا حال ڈالے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی شخص نہیں پایا۔

(المقام الاول: رقم القلم ۱۶۷) اور رقم القلم ۱۶۷: جبریل نے کہا: "میں نے تمام الارض کو چھان دیکھا اور نہ ہی میں نے کسی کو پایا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو۔" (المقام الاول: رقم القلم ۱۶۷)
جبریل سے کہنے لگے ایک روز یہ شاہ ام تم نے تو دیکھے ہیں جہاں بتاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامین کہنے لگے اسے مد جہیں تیری قسم آفاق باگردیدہ ام مہربان و رزیدہ ام
بسیار خواں دیدہ ام لیکن تو چچ سے دیکھتی

ہمیں دوری صورت کفار کے اس قول کی کیا حیثیت ہے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذات اور صفات میں ہماری ہی مشق ہیں تو پھر ان کو بی رسالت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا۔

اس آیت میں ہمارے زمانہ کے اکثر علماء کے حال کی طرف اشارہ ہے جب وہ کسی عالم کے قول کے دلائل سے آنکھیں چمالیتے ہیں یا اس کے کلام کی گہرائی تک نہیں پہنچ پاتے تو اس کے قول اور اس کے دلائل کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کوئی ہم سے بڑا عالم تو نہیں ہے کہ اس پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہے اور ہماری نظروں سے یہ بات اوچھل رہی اس کا رد کے ساتھ اس کے معاصرین اور مترسین کا بھی معاملہ ہے۔ اللہ رب العالین وہ اس فقیر کی کسی دلیل کا آج تک جواب نہیں دے سکے فیتہ و فتنہ میں آ کر فراتے تو بہت ہیں لیکن فقیر کے دلائل کی ہڈی ان کے گلے میں اسی طرح پھنسی ہوئی ہے کہ ان کی لاکھ کوشش کے باوجود نکلی نہیں ہے۔ اچھلتے ہیں پھلتاتے ہیں لیکن اپنے مطوم سے اس ہڈی کو نکال نہیں پاتے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے متعلق کفار کے کھوکھوتے شبہات کا ازالہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بلکہ یہ کفار میری نازل کی ہوئی وحی کے متعلق شک میں مبتلا ہیں بلکہ ابھی تک انہوں نے میرا مذاپ چکھایا نہیں ہے۔" (سن: ۸۰)

اس آیت میں "ذکر سوری" یعنی میرا ذکر فرمایا ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے یا وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں اور ان دلائل سے

سابقہ امتوں پر ان کی تکذیب کی وجہ سے عذاب کا نازل ہونا

اس کے بعد فرمایا: ”ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور مینوں والے فرعون کی قوم تکذیب کر چکی ہے“ (۱۳: ۱۷)۔
اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے شہ کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور فکر سے کام نہیں لیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر جو تجزوات تھے ان کو کھلی آنکھوں اور کھلے دل و دماغ سے نہیں پرکھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر عذاب نازل نہیں کیا گیا تھا۔ اب ان آیات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اہم انبیاء سابقین کی قوموں کا یہی حال رہا ہے وہ اپنے نبیوں کی نبوت کا کفر اور انکار کرتے رہے اور ان کے پیغام کا انکار کرتے رہے تا آنکہ ان پر عذاب نازل ہو گیا اور اس سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کو ڈرانا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے پیغام کا مسلسل انکار کر رہے تھے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے جو کافر قوموں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنے نبیوں کی نبوت کا انکار کیا تھا ان میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا جب انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پیغام کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج کر ان کو غرق کر دیا اور دوسری حضرت ہود علیہ السلام کی قوم حاجی جب انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آندھیاں کا عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا اور تیسری فرعون کی قوم تھی جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا اور چوتھی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم خود تھی جب اس نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک دہشت ناک جحیٰ بھیج کر اس قوم کو ہلاک کر دیا اور پانچویں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی جب اس نے حضرت لوط کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے اوپر اس کی زمین کو پلٹ دیا اور جمعی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جس کو اصحاب ایک فرمایا ہے۔ ایک کا معنی ہے گناہ جگن۔ یہ قوم کئے جگن میں رہتی تھی جب اس نے تکذیب کی تو اس پر وہیں بادلوں سے عذاب نازل کر دیا گیا۔ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی گئی اس کے بعد بادلوں کا سایہ آیا اور وہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے نہجے کے لیے اس کے سائے تلے جمع ہو گئے لیکن چند لمبے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسا شروع ہو گئے زمین زلزلہ سے لرزنے لگی اور ایک سخت چٹھانڈے انہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔ یہ عذاب ان پر اس دن آیا تھا جب ان پر بادل سایہ لگن تھا اس لیے اس کو ”یوم الظلہ“ کا عذاب فرمایا ہے یعنی سایہ لگانے والے دن کا عذاب۔

فرعون کو مینوں والے کہنے کی وجہ تسمیہ

- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ مینوں والا تھا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔
- (۱) جب کسی چیز میں کلیں شوک دے جاتی ہیں تو وہ چیز پلٹ اور مضبوط ہو جاتی ہے فرعون نے بھی اپنی سلطنت کو مضبوط اسلحہ اور بہت بڑے لشکر سے بہت مضبوط بنا دیا اور متحکم بنایا ہوا تھا اس لیے اس کو مینوں والا فرمایا۔
 - (۲) اس نے فضا میں چار لکڑیاں نصب کر دیں تھیں اس نے جب کسی مجرم کو سزا دینی ہوتی تو اس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو کیڑوں سے ان چار لکڑیوں میں شوک کر اس مجرم کو فضا میں معلق کر دیتا پھر اس کو یوں ہی چھوڑ دیتا جی کہ وہ مر جاتا۔
 - (۳) جس کو اس نے سزا دینی ہوتی اس کو زمین میں لٹا کر اس کے ہاتھوں اور پیروں میں کلیں شوک دیتا پھر اس کے اوپر سانپ بچھو اور حشرات الارض چھوڑ دیتا۔

اس کے بعد فرمایا: ”ایساں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز ان کی ملکیت میں ہے تو ان کو چاہیے کہ دریاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں“ (ص ۱۰)

مکمل آیت میں مطلقاً خزانوں کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں بالخصوص زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا ذکر فرمایا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی خزانہ نہیں ہے عام نہ خاص تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہر خزانے کی تقسیم سے عاجز ہیں اور اس کے کسی خزانے پر ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ پھر ان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دینے اور اس کے ملنے فرمانے پر اعتراض کریں، وہ مالک اور بخار ہے وہ جس کو چاہے اپنی نبوت اور رسالت عطا فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا: اگر بالعرض آسمان اور زمین کی چیزیں ان کی ملکیت میں تو ان کو چاہیے کہ وہ دریاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ یعنی وہ آسمان پر چڑھ کر پھر عرش پر پہنچ جائیں اور عرش پر پہنچ کر نظام عالم کی تدبیر کریں اور اللہ کی سطوت میں تصرف کریں پھر جس کو وہ چاہیں اس پر وہی نازل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اسی جگہ کفار کا شکست خوردہ واقعہ نظر ہے اللہ ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود والے اقوام کی قوم تکذیب کر چکی ہے اللہ اور خود اور لوگوں کی قوم اور اصحاب ایک یہ کفار کے گروہ ہیں اللہ ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا (ص ۱۱-۱۲)

ص ۱۱ میں ”جند“ کا لفظ ہے جند اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی سے جنگ سے لیے تیار ہوتی ہے اس سے ”جندھا“ کا لفظ ہے یہ حقیر اور تھکیل کے لیے ہے یعنی یہ بہت چھوٹی اور حقیر جماعت تھی اس سے ”جندھا“ کا لفظ ہے اس سے اس جنگ کرنے والی حقیر جماعت کی جگہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے ”جندھا“ کا لفظ ہے جو ”مہزوم“ کا معنی ہے کسی چیز کو توڑنا، ہزوم العدو کا معنی ہے دشمن کو شکست دینا اور مہزوم کا معنی ہے شکست خوردہ اور حزب کا معنی ہے بڑی بھاری جماعت۔ اس آیت کا معنی ہے کہ جس جگہ کفار کی یہ جماعتیں مل کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر زبان طعن دراز کر رہی تھیں اسی جگہ ان کی لڑنے والی ایک قلیل اور حقیر جماعت شکست کھا گئی۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ اگر بالعرض یہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کے مالک ہیں تو پھر یہ دریاں باندھ کر آسمانوں پر چڑھ جائیں اور عرش پر قبضہ کر کے دنیا کے نظم و نقش کو چلائیں پھر جس کو چاہیں اپنی مرضی سے بنیادیں اور اس پر وہی نازل کریں اب اس آیت میں حقیقت حال بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ آسمانوں اور زمینوں کے کیا مالک ہوں گے یہ تو ایک کم تعداد کی حقیر جماعت ہے جو مغرب اسی جگہ شکست کھا جائے گی جس جگہ یہ ہمارے نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت پر اعتراض کر رہی ہے اور یہ لوگ کہہ گئے آپ کی نبوت پر اعتراض کر رہے تھے تو فتح کے کہے دن معمولی سی جنگ کے بعد کفار کی تمام جماعتیں شکست کھا گئیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی نبوت پر اعتراض کرنے والی جماعت سابقہ رسولوں کی نبوت پر اعتراض کرنے والی جماعتوں کی طرح ہے سو آپ ان کے اعتراضات کی پرواہ نہ کریں اور ان کے طعن اور ملامت سے افسردہ اور شکست مند ہوں سابقہ زمانوں میں کافروں کی وہ جماعتیں بھی شکست کھا چکی تھیں سو کافروں کی یہ جماعت بھی ایک دن اسی جگہ آپ سے مقابلہ میں شکست کھا جائے گی اور فتح کے دن اسی طرح ہوا اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ یہ کفار بھی عاجز ہیں اور ان کے خود ساختہ معبود بھی عاجز ہیں۔ ان کے پاس اپنے معبودوں کے حق ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ان کے معبود ان سے کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کسی فتن کو پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں۔

عَجَلْنَا قَطَنًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝۱۷ اَصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ

ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی جلد دے دے O آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے طاقت ور

عِبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَلْيَدِ اِنَّكَ اَوَّابٌ ۝۱۸ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ

بندے داؤد کو یاد کیجئے بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے O ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ

يُسَبِّحُنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝۱۹ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهِ

شام کو اور دن چڑھے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں O اور صبح شدہ پرندے بھی سب ان کی طرف رجوع کرنے

اَوَّابٌ ۝۲۰ وَتَشَدُّ دَنَانِمُلْكُهُ وَاتَيْنَهُ الْحِكْمَةُ وَفُصِّلَ الْخُطَابُ ۝۲۱

والے تھے O اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے ان کو حکمت اور قول فیصل عطا فرمایا O

وَهَلْ اَسْتَكَ نَبِيُّ الْاَخْصَمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْبُحْرَابَ ۝۲۲ اِذْ دَخَلُوا

اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی؟ جب وہ دیوار بچا کر بحراب میں آ گئے O جب وہ داؤد کے پاس

عَلَى دَاوُدَ فَفَزَعَهُ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمُكَ بَغِي بَعْضُنَا

پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا: آپ نہ گھبراہیں! ہم دو لڑنے والے فریق ہیں ہم میں سے ایک نے

عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ

دوسرے پر زیادتی کی ہے! آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہمیں

الصِّرَاطِ ۝۲۳ اِنَّ هَذَا اَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَجَةً وَّلِي نَجَةٍ

سیدگی راہ بتائیں O بے شک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنیاویاں ہیں اور میرے پاس ایک دنیا

وَاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفَلْنِيْهَا وَعَزَّنِي فِي الْخُطَابِ ۝۲۴ قَالَ لَقَدْ

ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ (ایک دنیا بھی) مجھے دے دے اور مجھ پر بات میں داؤد ازال رہا ہے O داؤد نے کہا: اس نے تجھ

ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَجَّتِكَ اِلَى نِعَاجِهِ وَاِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ

سے دنیا کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا تاکہ اس کو اپنی دنیاویوں کے ساتھ ملائے اور بے شک اکثر شرکا و ایک دوسرے پر ضرور

(۴) اس کے لشکر کی بہت بڑی تعداد تھی اور اس کی فوجیں بڑی تعداد میں غیے نصب کرتی تھیں جن کو کیلوں سے ٹھونکا جاتا تھا۔
 (۵) اس کے کاندے اس کے احکام پر اس قدر بھلی اور مضبوطی سے عمل کرتے تھے جس طرح کسی چنچ کو کیلوں سے ٹھونک کر مضبوط کیا جاتا ہے۔

ساتھ ساتھ ان کے عذاب کو بیان کر کے اہل مکہ کو نزول عذاب سے ڈرانا

اس کے بعد فرمایا: "اور تم لو اور لوط کی قوم اور اصحاب اکہ یہ کفار کے گروہ ہیں O ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O" (ص ۱۳-۱۴)
 تم لو اور لوط اور اصحاب اکہ کے عذاب کی تفصیل اس سے پہلے عنوان کے تحت ذکر کی جا چکی ہے ص ۱۳ کے آخر میں فرمایا ہے: "اولئک الاحزاب" اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) ہم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے خلاف محاذ بنایا تھا ہم ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کر چکے ہیں سو اسی طرح اہل مکہ آپ کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہ اس خطرے میں ہیں کہ ان پر عذاب نازل کر دیا جائے اور چونکہ آپ کے رفقاء مطمئن ہونے کی وجہ سے ان پر آپ آسانی عذاب نہیں آئے گا تاہم کسی جنگ میں ان پر شکست مسلما کر کے ان کو ضرور عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جیسے جنگ بدر میں جنگ خندق میں اور باآخر فتح مکہ کے موقع پر ان کی کمر باندھ کر لے دی گئی۔

(۲) "اولئک الاحزاب" کا معنی ہے: یہ بہت بڑی اور بہت کثیر جماعتیں ہیں اور جب سابقہ زمانہ میں اتنی بڑی بڑی اور اتنی کثیر جماعتیں عذاب سے ہلاک کر دی گئیں تو اہل مکہ تو ان کے مقابلے میں بہت کمزور اور مستحق ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سامنے کب ٹھہر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں مثلاً حضرت نوحؑ حضرت ہود اور حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں کو عذاب سے ہلاک کرنے کی خبر دی ہے اگر فکر کہ اس خبر کی تصدیق کرتے ہیں تو یہ ان کو نصیحت اور جزو توبہ کرنے کے لیے کافی ہے اور اگر وہ اس خبر کی تصدیق نہیں کرتے پھر بھی اس خبر کے ساتھ ان کو ڈرانا اور نصیحت کرنا صحیح ہے کیونکہ ان قوموں پر نزول عذاب کے آثار اب بھی موجود ہیں اور جب کفار مکہ کے سامنے طرف سڑ کرتے ہیں تو ان وادوں کے پاس سے ان کا گزر ہوتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا جن کو کے ارد گرد پھاڑوں میں ان کے بنائے ہوئے گھروں کے ٹکڑے آج بھی موجود ہیں اور دیکھنے والوں کے لیے عبرت کا نشان بنے ہوئے ہیں۔

اس لیے فرمایا: "ان میں سے ہر گروہ نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا O" (ص ۱۴)
 انبیاء علیہم السلام جب انہیں عذاب سے ڈراتے تھے یا ثواب کی ترغیب دیتے تھے تو یہ ان کی تکذیب کرتے تھے تو پھر ضروری ہو گیا کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے ہر چند کہ ان کو کافی دلیل دی گئی اور ان کو ایمان لانے کے لیے کافی وقت دیا گیا لیکن جب بالآخر یہ ایمان نہیں لائے تو پھر ان پر عذاب نازل کر دیا گیا اور اس سے مقصود سننے والوں کو ڈرانا اور حکما ہے کہ اگر انہوں نے بھی سابقہ قوموں کی روش قائم رکھی تو ان پر بھی عذاب کا نزول ناگزیر ہو جائے گا۔

وَمَا يَنْظُرُهُمْ إِلَّا الْأَیْمَةُ ۚ وَآحَدَةٌ قَالَهُمِ فَوَاقٍ ۝۱۵ وَقَالُوا رَبَّنَا

اور یہ (کفار) صرف ایک سخت چکماڑا کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی O اور انہوں نے کہا: اے

دھکیل دیا جائے گا ہر چند کہ کفار واقع میں مورد پھونکے جانے کا انتقاد نہیں کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت کا ہرہ کے اعتبار سے استہزاء فرمایا اور یہ بتایا کہ جب وہ مورد پھونک دیا جائے گا تو پھر ان کے لئے نزل عذاب کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ اس آیت میں "فَوَاقٍ" کا لفظ ہے فَوَاقٍ اسم فعل واحد ہے اس کی جمع فَوَاقٍ اور اللہ ہے اس کا معنی ہے درمیان وقفہ دوم مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اس کو فَوَاقٍ کہتے ہیں دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ دودھ دوہ چکا ہے پھر بچے کے پینے کے لیے دوبارہ چھوڑ دیتا ہے بچے کے پینے سے جانور کے حشون میں دوبارہ دودھ اتر آتا ہے دودھ دوہنے والا بچہ کو ہٹا کر خود دوبارہ دودھ دوہ دیتا ہے اس درمیان وقفہ کا نام اصل لغت میں فَوَاقٍ ہے۔ (المغرب ج ۳ ص ۵۰۲ کتبہ زیر مصطفیٰ کو کرنا ۱۸ ص ۱۸)

لفظ فَوَاقٍ کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص پہاڑوں کی گھاٹیوں میں سے گزرا جن میں بیٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا اس پانی کی لذت کی وجہ سے اس کو وہ چشمہ اچھا لگا اس نے دل میں کہا: کاش! میں لوگوں کے درمیان سے نکل جاؤں اور اسی گھاٹی میں رہوں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کیے بغیر ہرگز ایسا نہیں کروں گا پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو کیونکہ تم میں سے کسی ایک شخص کا اللہ کی راہ میں ٹھہرنا اپنے گھر میں ستر سال نمازیں پڑھنے سے افضل ہے۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے اللہ کی راہ میں جہاد کرو جس شخص نے اونٹنی کے فَوَاقٍ (دودھ دوہنے کے وقت) کے برابر بھی اللہ کی راہ میں قتال کیا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۵۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۶ مسند احمد رقم الحدیث: ۹۴۲۴ مسند مسند ارسطو الحدیث لابی العاصم رقم الحدیث: ۱۶۵۰)

مسند ابوالمرثد رقم الحدیث: ۱۶۵۰ المسند رقم الحدیث: ۶۸ سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۶۰ اس حدیث کی سند حسن ہے)

جج اور چنگھاڑ کے تین محمل

اس آیت میں جس جج اور چنگھاڑ کا ذکر ہے اس کے تین محمل ہیں ایک یہ ہے کہ اس جج اور چنگھاڑ کی صورت میں ان پر فوراً عذاب آ جائے گا اور عذاب آنے سے پہلے ان کو اتنی مہلت بھی نہیں ملے گی جتنا دودھ دوہنے کے درمیان وقفہ ہوتا ہے۔ اس جج اور چنگھاڑ سے مراد پہلی بار مورد پھونکنے کی آواز ہے اس مورد کے پھونکنے ہی قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا اور مورد پھونکنے کے بعد ان کو اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا جتنا وقفہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ اس جج اور چنگھاڑ سے دوسری بار مورد پھونکا جاتا مراد ہے اس کے فوراً بعد کافروں کو دوزخ کی طرف دھکیل دیا جائے گا اور مورد کی اس آواز اور چنگھاڑ کے بعد ان کو اتنے وقفہ کی بھی مہلت نہیں ملے گی جتنی دودھ دوہنے کے درمیان مہلت ہوتی ہے۔

ان دونوں آیتوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو تسلی دینا مراد ہے تاکہ کفار کی تکذیب سے آپ کا دل تنگ نہ ہو اور ان کے کفر سے آپ مطمئن نہ ہوں کیونکہ کفار سچے راستہ استحقاق نے اپنے رسولوں کی اس طرح تکذیب کی تھی جس طرح اہل مکہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اور ان کافروں کی بھی بھاری اکثریت تھی اور اس کے مقابلہ میں ان رسولوں اور ان کے پیروکاروں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ کفار اپنے کفر اور تکذیب کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کے عذاب کا شکار ہو گئے اور ان کی جمعیت اور ان کی کثرت اور ان کی جسمانی قوت اور مال و اسباب کی کثرت ان کے کسی کام نہ آ سکی سو یہی حال کفار مکہ کا بھی ہو گا اور ان کا اخروی عذاب کا انتقاد کرنا اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کی دوزخ کے عذاب کے آ جا رہے ہیں۔

لِيَسْمِيَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

زیادہ کرتے ہیں سو ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے یہ کلمات

وَقَلِيلٌ تَأْمُرُهُمْ وَطَنَ دَاوُدَ أَنْتَ مَا فَتَنَهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَزَرَ

کہا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے سو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور عہدہ میں گھر گئے اور اللہ کی

رَأَكُمَا وَأَنْتَابُ ۖ فَغَفَرَ نَالَهُ ذَلِكَ وَإِنْ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ

طرف رجوع کیا تو ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا اور یہ کہ ان سے لیے تھوڑی دیر میں غلام

وَحُسْنٌ مَّا يَ ۖ يَدَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ

تغریب ہے اور بھرتی کر لیا ہے ۝ اسے داؤد اپنے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے سو آپ لوگوں کے درمیان

بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ

حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا

اللَّهُ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ

دے گی ' بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے

بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

کیونکہ وہ روز حساب کو بھول جاتے ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یہ (کفار) صرف ایک سخت جگہ کا انکار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی ۝

اور انہوں نے کہا: اسے اللہ سے رب! انکار تو ہمیں روز حساب سے پہلے ہی جلد دے دے ۝ (سج ۱۶، ۱۷)

لفظ "فَوَاقٍ" کا معنی "اس کا عمل اور اس کے متعلق حدیث

اس آیت میں کفار کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تکذیب کر رہے ہیں اور عذاب کے لیے صرف قیامت کے خطر ہیں وہ اس کے سختی تھے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر دنیا میں ہی فوراً عذاب آجاتا لیکن اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۖ

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ان کو عذاب دے جس وقت

(الانفال ۳۳) آپ ان میں موجود ہوں۔

اس لیے اب ان پر عذاب اسی وقت ہوگا جب دوسرا صور پھونکا جائے گا اور سب کافروں کو زندہ کر کے دوزخ کی طرف

تمنا نہ کرے اگر وہ نیک شخص ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر بدکار ہے تو ہو سکتا ہے وہ تو بہ کر لے۔

(حجۃ الہیاء رقم الحدیث: ۶۶۵۰ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۸۱۸)

اللہ سے ملاقات اور شہادت کے حصول کے لیے موت کی تمنا کا جواز

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے اشتیاق اور حصول شہادت کے لیے موت کی تمنا کے جواز میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ سے ملاقات کرنے کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ آپ کی کسی اور زوجہ نے کہا: بے شک ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ بات نہیں ہے، لیکن جب مومن کے پاس موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی رضا اور اس کی کرامت کی بشارت دی جاتی ہے پھر مومن کو موت کے بعد مٹنے والے انعامات سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی، سو وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور کافر کے پاس جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے اور اس کو موت کے بعد عیش آنے والے امور سے زیادہ اور کوئی چیز ناپسند اور ناگوار نہیں ہوتی، وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(حجۃ الہیاء رقم الحدیث: ۶۵۰۰، مسند سلیمان رقم الحدیث: ۶۸۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۰۶۶، سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۸۳۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۰۴۲، مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۸۳، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۵۰۹، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۴۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مومنوں کو یہ پسند نہیں ہے کہ وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں اور یہ بات نہ ہوتی کہ میں ان کے لیے سوار پاؤں سپاہی نہیں کر سکتا تو میں کسی ایسے لشکر کے پیچھے بیٹھا نہ رہتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے مجھے یہ محبوب ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

(حجۃ الہیاء رقم الحدیث: ۶۵۹۰، سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۵۰۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۵۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۷۶)

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کی: اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں میری موت مقدر کر دے۔ (حجۃ الہیاء رقم الحدیث: ۱۸۹۰)

نفوس خبیثہ مطفیہ ہوتی اور انزال چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہیں، دنیا میں ان کا کسب نظر شہوات حیوانیہ اور مرغوبات نفسانیہ ہیں اور آخرت میں ان کا ٹھکانا دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ ہے اور بلند مرتبہ اور اعلیٰ العزیم لوگ اعلیٰ اور اعلیٰ چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہیں، دنیا میں ان کا کسب نظر عبادات کی لذتیں اور اطمینان کی حلاوتیں ہوتی ہیں اور آخرت میں ان کے لیے اعلیٰ علیین کے درجات اور جنات کے مقامات ہوتے ہیں اور ارواح قدسیہ اللہ عزوجل کے جلال اور جمال کی تجلیات کے مشاہدہ اور اس کی صفات کے مطالعہ میں مشغول اور متہلک رہتی ہیں اور ان میں سے ہر فریق اپنے مطلوب کی طرف اس طرح ہے اختیار مصلحت اور مجذوب رہتا ہے جس طرح کو ہاتھ نہیں کی طرف ہے اختیار نکمچا ہوا اور چپکا ہوا رہتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے طاقت ور بندے داؤد کو یاد کیجئے، بے شک وہ بہت رجوع

”قسط“ کا معنی

اس کے بعد فرمایا: ”اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی جہد دے دے۔“

(ص ۱۶)

اس قول کے کمالِ بصر بنی الحارث بن مالک بن کنانہ الخزامی اور اس کے موافقین تھے انہی لوگوں نے یہ بھی کہا تھا:

وَلِذَٰلِكَ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِن
عِزِّكَ فَإِنَّا نَحْمَدُكَ عَلَىٰ مَا جَعَلْنَا مِن الشَّمَاكِ وَأَوَّلَيْتَنَا
بِحَذِّ آبَائِنَا (الراخل ۳۲)

ہم پر مبنی اور درجہ نالِ حذاب نازل کر دے۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو واحد اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجے والا نہیں مانتے تھے اس نے باوجود انہوں نے اس دعا کے شروع میں کہا: اے ہمارے رب! اس سے وہ یہ خواہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ صدقِ دل اور حضورِ قلب اور انجہی دل سوزی سے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی جہد دے دے۔

اس آیت میں ”قسطاً“ کا لفظ ہے القسط کا معنی ہے کسی چیز کو کاٹنے سے بعد اس کا حاصل شدہ ٹکڑا اور اس سے مراد ان کا حصہ اور مقسوم ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہم پر جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں اس عذاب میں سے جو حصہ ہمارے لیے مقدر ہے وہ حصہ ہمیں دینا میں اور اس کو روزِ حساب تک مؤخر نہ کریں۔ اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ اعمالِ نیک ہمارے ہاتھوں میں دینے چاہیں گے تو ہمارے اعمالِ نیک کا جو حصہ اور کاف کا ٹکڑا ہے وہ ہم کو روزِ حساب سے پہلے دینا میں ہی دے دیں تاکہ ہم دیکھیں کہ اس میں کیا نقص ہوا ہے۔

سحل بن عبد اللہ سحری نے کہا: موت کی تمنا صرف تین شخص کرتے ہیں: ایک وہ شخص جو موت کے بعد جہنم آئے والا عواقب سے چاہی ہو دوسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے منکر ہو اور تیسرا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو اور اس سے ملاقات کے اشتیاق میں موت کی تمنا کرنے اسی طرح جو شخص مرتبہ شہادت کے حصول کی تمنا کرنے والا ہو وہ بھی شہادت کی صورت میں موت کی تمنا کرتا ہے۔

موت کی تمنا کی ممانعت کے متعلق احادیث

موت کی تمنا کرنے کی ممانعت میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اس نے ضرور دعا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندہ رہی بھڑھو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بھڑھو تو مجھے موت عطا کر۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۶۸۵ صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۶۹۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۳۶۸۸ سنن الترمذی رقم الحدیث ۱۰۱۸ سنن ابی ماجہ رقم الحدیث ۱۶۶۵ سنن احمد رقم الحدیث ۱۰۱۸۱ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث ۶۶۸۸ جامع المسانید و المسنن سند انس بن مالک رقم الحدیث ۱۸۸۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت آنے سے پہلے اس کی دعا کرے جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کا قلم منقطع ہو جاتا ہے اور زندگی مومن کی صرف نیکوں کو زندہ کرتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۶۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے تھے وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی وہ نصف شب تک سوتے پھر تہائی شب قیام کرتے پھر رات کے (بقیہ) چھتے حصہ میں سوتے (فرض کیجئے کہ چھ گھنٹے کی رات ہے تو وہ پہلے تین گھنٹے سوتے پھر دو گھنٹے نماز پڑھتے اور آخری ایک گھنٹہ میں پھر سو جاتے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۶ جامع المسانید والنسب سنن عبد اللہ بن عمرو رقم الحدیث: ۶۵۳)

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اس آیت میں "اللہ اواب" فرمایا یعنی وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے وہ اپنی تمام حاجات میں تمام مہمت میں اور تمام کاموں میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

(۵) نیز حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھنے ان کے ساتھ تسبیح کریں پہاڑوں کے تسبیح کرنے کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں حیات، عقل، قدرت اور لطف کو پیدا کر دیا تھا اور اس وقت وہ پہاڑ اس طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے تھے جس طرح زندہ اور عقل والی مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ پہاڑ میں حیات کی دلیل اس آیت میں ہے:

وَلَبَّيْكَ يَا مُؤْمِنِي لَبَّيْكَ يَا وَكَلِيَّةَ رَبِّكَ قَالَ رَبِّ
أَرِنِي أَتُحِبُّ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تُحِبَّنِي وَلَكِنْ أَتُحِبُّ إِلَى
الْجَبَلِ فَإِنْ اسْتَفْزَزَ مَكَانَهُ فَسُوفَ تَرَانِي
(البقرہ: ۱۱۳)

اور جب سوئی ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کام فرمایا تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھائے میں اس کو ایک نظر دیکھوں گا فرمایا: تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس پہاڑ میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی ہوئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا تھا یہ اور بات ہے کہ وہ دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اور دیکھنے ہی ریزہ ریزہ ہو گیا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِنْ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ غَشْيَةٍ لَّا تَلْوُ
(البقرہ: ۷۴)

سو پہاڑوں میں دیکھنے کی صفت اور صلاحیت بھی ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو غیر معمولی جسامت اور حسن عطا فرمایا تھا اور بہت شیریں آواز عطا فرمائی تھی ان کے حسن اور ان کی آواز سے متاثر ہو کر تمام پہاڑ اور تمام پرندے ان کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح کرتے تھے اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت کا اثر بھی رکھا ہے اور لطف اور تسبیح کرنے کی صلاحیت بھی رکھی ہے پہاڑوں میں محبت کی کیفیت رکھی ہے اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احد جبل يحبنا ونحبه.
احد ایک پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(الحديث ۱۰۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی دو رکعت نماز کی حفاظت کی اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا خواہ اس کے گناہ مستور کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۷۶۶، معصف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۸۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۱۲۸۲، کمال ابن عدی ج ۵ ص ۵۲۳، معجم ترمذی المجلد الخامس ج ۶ ص ۲۰۹، رقم الحديث: ۱۳۳۹۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ ہم کہتے تھے کہ آپ اس نماز کو ترک نہیں کریں گے اور آپ اس نماز کو ترک کر دیتے تھے حتیٰ کہ ہم کہتے تھے کہ آپ اس نماز کو نہیں پڑھیں گے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحديث: ۲۷۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۱، شرح ابن کثیر رقم الحديث: ۱۰۰۲، جامع المسانید واسنن ج ۳ ص ۳۳۳، رقم الحديث: ۲۷۶۷، المجلد الخامس ج ۶ ص ۲۰۹، رقم الحديث: ۱۳۳۹۱)

القسم الثانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: ان لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ چاشت کی نماز کو اس وقت کے غیر میں پڑھنا افضل ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لو ائین (رجوع کرنے والوں) کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹ کے بچوں کے جسم کی کھال اور ان کے پیر گرم ریت کی شدت کی وجہ سے جھٹکتے ہیں۔" (صحیح مسلم رقم الحديث: ۲۸۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۶، صحیح ابن حبان رقم الحديث: ۲۵۳۹، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۹، صحیح ابن خریزہ رقم الحديث: ۱۲۸۷، مسند ابی حنظلہ ج ۳ ص ۱۶۰، التلخیص الاوسط رقم الحديث: ۳۰۰۰، التلخیص الصغیر رقم الحديث: ۵۵۰، مسند الاسن وفتحہ رقم الحديث: ۵۵۸۷، معصف عبدالرزاق رقم الحديث: ۲۸۲۲)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ صلوٰۃ الفجر (چاشت کی نماز) اس وقت پڑھنی چاہیے جب ریت خوب گرم ہو کر چٹنے لگتی ہے اور اونٹ کے پاؤں ریت کی گرمی کی شدت سے جھٹکتے ہیں اونٹ کے بچوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ ان کے جسم اور ان کے پاؤں کی کھال نازک ہوتی ہے اور گرمی توڑی سی بھی زیادہ ہوتی ان کے پاؤں جھٹکتے ہیں ہمارے اعتبار سے یہ وقت دن کے دس اور گیارہ بجے کے درمیان ہوتا ہے سو اس وقت چاشت کی نماز پڑھنی چاہیے۔ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ جس وقت گرمی کی شدت ہوتی ہے تو اس وقت لوگوں کا دل آرام اور استراحت کو چاہتا ہے اور جو لوگ اوائین یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں وہ اس وقت آرام اور استراحت کے بجائے چاشت کی نماز پڑھتے ہیں اور ان کو صرف اس چیز میں اطمینان اور سکون ملتا ہے کہ وہ ہر مطلوب اور مرغوب چیز سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جائیں۔

اشراق کی نماز کا وقت

اشراق کا معنی ہے سورج کا طلوع ہونا اور اس کا چمکنا اور نماز اشراق کا ازل وقت وہ ہے جب سورج ایک تیزہ کی مقدار بلند ہو جاتا ہے اور طلوع آفتاب کے بعد میں منٹ گزر جاتے ہیں اور نماز اشراق کا آخر وقت وہ ہوتا ہے جب چاشت کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے اس لیے چاشت کی نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب سورج خوب گرم اور سفید ہو جاتا ہے اور اس کا نور خوب روشن ہو جاتا ہے۔

حضرت ام ہانیہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آئے آپ نے وضو کیا اور پھر صلوٰۃ الفجر (چاشت کی نماز) پڑھی پھر فرمایا: اے ام ہانیہ! یہ اشراق کی نماز ہے۔

(مجتبىٰ قطارى رحمہ اللہ ج ۶ ص ۶۸۲ بحکم مسلم رحمہ اللہ ج ۱۲ سنن ابوداؤد رحمہ اللہ ج ۳ ص ۷۷۹)

اور پہاڑ کے تسبیح کرنے کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا، ہم مکہ کے کسی راستہ میں جا رہے تھے آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ آتا یا درخت آتا وہ یہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(سنن الترمذی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۶۲۶، دارمی رحمہ اللہ ج ۲۱، ابوداؤد الطیالسی ج ۸ ص ۱۵۳، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ ج ۱۰ ص ۳۰۰)

المسند والسنن منہ علی بن ابی طالب رحمہ اللہ ج ۲ ص ۳۹۹)

امام فخر الدین رازی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے مسکن قرار دیا تھا جہاں حضرت داؤد علیہ السلام جاتے تھے پہاڑ بھی ان کے ساتھ جاتے تھے اور پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ چلنا ان کی تسبیح قرار دیا گیا کیونکہ پہاڑوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ چلنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت پر دلالت کرتا ہے۔

(۶) اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی چھٹی فضیلت یہ ہے کہ پہاڑ آپ کے ساتھ العشی یعنی شام کے وقت اور الاضواء یعنی صبح کے وقت تسبیح کرتے تھے۔

چاشت اور اشراق پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے فجر کی نماز میں عت کے ساتھ پڑھی پھر وہ طلوع آفتاب تک بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہا پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کو حج اور عمرہ کا پورا پورا اجر ہوگا۔ (سنن الترمذی رحمہ اللہ ج ۵ ص ۵۸۶ جامع المسند والسنن ج ۳ ص ۶۹۸، جامع المسند والسنن ج ۱ ص ۳۳۹، ابوداؤد الطیالسی ج ۱ ص ۱۵۷، مسند جامع ج ۱ ص ۶۰۲، رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۱۷، جامع المسند والسنن ج ۳ ص ۶۹۸، ابوداؤد الطیالسی ج ۱ ص ۱۵۷، مسند جامع ج ۱ ص ۶۰۲، رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۱۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی نماز کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بنا دے گا۔ (سنن الترمذی رحمہ اللہ ج ۵ ص ۶۰۳، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۸۸، السنن الاوسط رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۹۷، السنن الصغیر رحمہ اللہ ج ۵ ص ۵۰۶، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰، جامع المسند والسنن ج ۱ ص ۶۱۷، رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۰۲، دارالمنکر والبرہات ج ۱ ص ۱۲۰، السنن الاوسط رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۹۸، رحمہ اللہ ج ۱ ص ۵۶۰)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اس وقت آپ غسل کر رہے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو پردہ سے چھپایا ہوا تھا۔ حضرت ام ہانی نے کہا: میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں ہوں ام ہانی، بنت ابی طالب آپ نے فرمایا: ام ہانی کو خوش آمدید ہو، غسل سے فارغ ہو کر آپ نے آٹھ رکعات نماز پڑھیں۔ امام مسلم کی روایت میں ہے: یہ چاشت کی نماز تھی۔

(مجتبىٰ قطارى رحمہ اللہ ج ۲ ص ۷۵۷ بحکم مسلم رحمہ اللہ ج ۲ ص ۶۲۶، سنن الترمذی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۶۲۶، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۳۰۰، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۳۰۰)

السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۹۹)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! میرے لیے دن کے شروع میں چار رکعات نماز پڑھو میں دن کے آخر میں تمہارے لیے کافی ہوں گا۔ (سنن الترمذی رحمہ اللہ ج ۵ ص ۷۵۵، مسند احمد ج ۱ ص ۶۳۹، جامع المسند والسنن ج ۳ ص ۶۹۸، السنن الاوسط رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰، السنن الاوسط رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۹۸، رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۰۲، دارالمنکر والبرہات ج ۱ ص ۱۲۰، السنن الاوسط رحمہ اللہ ج ۱ ص ۶۹۸، رحمہ اللہ ج ۱ ص ۵۶۰)

نیز علامہ ابراہیم طبری سنہ ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

صلوٰۃ النہی (چاشت کی نماز) کا وقت سورج کے بلند ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے اور اس کا مستحب وقت وہ ہے جب دن کا چوتھا حصہ گزر جائے کیونکہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ادا بین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب گرم ریت کی شدت سے اونٹ کے بچے کے پاؤں جلنے لگیں۔

(نہجۃ المستقل ص ۳۹۹-۳۸۹، مکتبۃ المدینہ لاہور ۱۴۱۲ھ)

مثلاً آج ۳۰ مئی ۲۰۰۳ء کو طلوع آفتاب ۵:۴۱ پر ہے اور غروب ۷:۳۶ پر ہے اس طرح دن تیرہ گھنٹے کا ہے اور اس کا چوتھا حصہ سوا تین گھنٹے ہے اور زوال کا وقت ۱۱:۳۶ ہے اس نماز چاشت کا وقت آج صبح چھ بجے سے گیارہ بج کر ۳۶ منٹ تک ہے اور اس کو پڑھنے کا مستحب وقت سوا نو بجے ہے۔

پہاڑوں اور پرندوں کا حضرت داؤد کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرنا

(۷) حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ یعنی پہاڑ اور پرندے سب حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور اس سے پہلے جو فرمایا تھا ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع کر دیا تھا کہ وہ شام کو اور دن چڑھنے ان کے ساتھ تسبیح پڑھیں اور صبح شدہ پرندے بھی پہلے جلنے میں اور اس جیسے میں فرق یہ ہے کہ پہلے جلنے سے معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں لیکن اس جیلے سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ تسبیح پڑھتے ہیں اور جب جملہ اسمیہ کے ساتھ فرمایا: ”سبح لہ او اب“ سب ان کی طرف رجوع کرنے والے تھے تو معلوم ہوا کہ پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ ہمیشہ تسبیح کرتے تھے۔

مذکورہ الصدر تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ ”سبح لہ“ میں ضمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہو اور اگر یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا: حضرت داؤد علیہ السلام پہاڑ اور پرندے سب اللہ کی طرف لوٹنے والے اور اس کی تسبیح کرنے والے تھے۔

امام ابن عساکر سنہ ۵۷۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ حسین آواز دی گئی تھی۔ (تاریخ دمشق المجلد ۱۹ ص ۲۸۷، جامع الترمذی، ابن جریر ۱۳۴۲ھ)

بس جب حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز پہاڑوں تک پہنچتی تو وہ ان کی آواز کی لذت سے جھومنے لگتے اور جب پرندے ان کی آواز سنتے تو وہ بھی ان کے ساتھ سر سے سر ملانے لگتے۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ اس لیے تسبیح کرتے تھے تاکہ ان کی تسبیحات کا اجر و ثواب بھی حضرت داؤد علیہ السلام کو مل جائے حضرت داؤد علیہ السلام جب حمد اور تسبیح کے معنی میں بہت غور کرتے تھے تو وہ حمد اور تسبیح آپ کے اعضاء میں سرایت کر جاتی تھی کیونکہ یہ اعضاء آپ کی روح کے مظاہر تھے پھر آپ کے اعضاء سے حمد اور تسبیح کی صورت پہاڑوں اور پرندوں میں سرایت کر جاتی تھی اس وجہ سے پہاڑ اور پرندے بھی آپ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اس وجہ سے ان کی تسبیح کا فائدہ بھی آپ کی طرف لوٹنا تھا شام کے وقت اور دن چڑھنے کے وقت اس تسبیح کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انوار اور اس کی برکت کے آثار بہت عظیم ہوتے ہیں کیونکہ جو مقربین اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں مستغرق اور محو ہوتے ہیں وہ اس وقت اپنے استغرق اور شمار سے باہر آ جاتے ہیں اور شام

(الحکم الفقہ ج ۳ ص ۳۰۵ رقم الحدیث ۳۲۵۸)

اس حدیث میں آپ نے چاشت کی نماز پر اشراف کا اطلاق فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اشراف کا آخر وقت ہے اور ازل وقت کے اعتبار سے یہ چاشت کی نماز ہے۔

نماز چاشت کی رکعات کی تعداد اور اس کا وقت

علامہ ابوالہجیم احمی التتوی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

چاشت کی نماز کی تفصیل میں بہت احادیث ہیں اور اس کی رکعات دو سے لے کر بارہ تک ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل احادیث میں ہے:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص صبح کو اٹھتا ہے تو اس کے ہر جواز پر صدقہ واجب ہوتا ہے پس ہر تسبیح کو پڑھنا صدقہ ہے اور ہر رکعت کو پڑھنا صدقہ ہے اور ہر نماز کی دو رکعت نماز پڑھنے سے یہ صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۰۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۰۹۵ سنن ابی نعیم رقم الحدیث ۹۰۹۰ سنن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۳۱۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی چار رکعات پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ چاہتا آپ اتنی رکعات زیادہ کر دیتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۵۰۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۰۹۵ سنن ابی نعیم رقم الحدیث ۹۰۹۰ سنن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۳۱۹)

چاشت کی آٹھ رکعات پڑھنے کے متعلق حضرت ام ہانی کی حدیث نیز رجس ہے صحیح ابی نعیم رقم الحدیث ۳۵۷ صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۳۶ سنن الترمذی رقم الحدیث ۳۷۳۰ وغیرہ۔

چاشت کی بارہ رکعات کے متعلق حضرت انس بن مالک کی حدیث نیز رجس ہے سنن ابی نعیم رقم الحدیث ۳۷۳۰ سنن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۳۸۰ الحکم الاوسط رقم الحدیث ۳۹۶۷ وغیرہ۔

امام الحنفی بن راہویہ نے کتاب "عدد رکعات السنۃ" میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن چاشت کی نماز دو رکعت پڑھی اور ایک دن چار رکعات پڑھیں اور ایک دن چھ رکعات پڑھیں اور ایک دن آٹھ رکعات پڑھیں تاکہ امت پر وسعت اور آسانی ہو۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے آپ نے فرمایا: جب تم دو رکعت چاشت کی نماز پڑھو گے تو تم غافلین میں نہیں ٹکے جاؤ گے اور جب تم چار رکعات پڑھو گے تو تم عابدین میں ٹکے جاؤ گے اور جب تم چھ رکعات پڑھو گے تو اس دن کوئی گناہ تمہارا پیچھا نہیں کرے گا اور جب تم آٹھ رکعات پڑھو گے تو تمہیں ماضعین میں لکھا جائے گا اور جب تم دس رکعات پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا جنت میں گھر بنا دے گا۔ (سنن ابی نعیم رقم الحدیث ۳۳۵۹)

امام ترمذی نے سند ضعیف سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چاشت کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا گھر بنا دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۷۳۳ جامع المسانید، السنن رقم الحدیث ۶۰۹)

ہر چند کہ یہ حدیث ضعیف السند ہے مگر فضائل میں حدیث ضعیف السند پر عمل کرنا جائز ہے۔

(علامہ شامی حنفی رقم الحدیث ۱۸۵۲ نے لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ کے مطابق چاشت کی زیادہ سے زیادہ رکعات آٹھ ہیں اور جو بارہ رکعات کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف السند حدیث پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۵ رد المحتار، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۴۹)

وَاللّٰهُ يَعْزِمُكَ مِنَ النَّاسِ)۔ (المائدہ: ۶۷) اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔
حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی جاتی تھی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی
”اور اللہ لوگوں (کے شر) سے آپ کی حفاظت فرمائے گا“۔ (المائدہ: ۶۷) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ سے اپنا سہارا باہر
نکال کر فرمایا: اے لوگو! واپس جاؤ! بے شک اللہ نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵۷ المسند رک ج ۳ ص ۳۱۳)
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ
ان مسلمانوں میں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی: ”اور اللہ لوگوں (کے
شر) سے آپ کی حفاظت فرمائے گا“ (المائدہ: ۶۷) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حفاظت کے انتظام کو ترک فرمادیا۔
(المجموع بحیر رقم الحدیث: ۱۳۱۸ المجموع لا وسط رقم الحدیث: ۳۵۳۳)

اللہ تعالیٰ کی حفاظت فرمانے کی ایک مثال یہ ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک فردوس میں
گئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو وہ آپ کے ساتھ واپس آئے۔ ایک وادی جس میں خاردار درخت
بہت زیادہ تھے اس میں دو پہر کے وقت انہوں نے قیام کیا۔ مسلمان منتشر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ٹیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور آپ نے اس میں تھکا ہوا کادوی حضرت جابر نے کہا: ہم لوگ سو گئے
اپنا تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا ہم آپ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: میں سو یا ہوا تھا اس شخص نے میری تھوڑی سی بات میں بیدار ہوا تو وہ کوار اس کے ہاتھ میں سوئی ہوئی تھی وہ مجھ
سے کہنے لگا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ! وہ وہ یہ بیٹھا ہوا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی
سزا نہیں دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۳۳۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۳۷۸ عالم الکتاب جامع المسانید والسنن مسند جابر
عبد اللہ رقم الحدیث: ۵۹۳)

(۹) حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت کی نویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا فرمائی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
”وَاتَّيٰهَآهُ الْحِكْمَةَ“ ہم نے ان کو حکمت عطا فرمائی۔

حکمت کی تعریفات

علامہ حسین بن محمد رافع اصفہانی متوفی ۵۰۴ھ لکھتے ہیں:

حکمت کا معنی ہے: علم اور عقل کے ذریعہ حق بات تک رسائی حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا معنی یہ ہے: اشیاء کی
معرفت اور ان کو نہایت مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر انہیں انسان کی حکمت کا معنی یہ ہے: موجودات کی معرفت اور نیک اور اچھے
کاموں کا کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بعض اشعار میں ضرور حکمت ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۵) یعنی
ان اشعار کا مضمون صحیح اور صادق ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۶۹۸ کتبہ دار مصطفیٰ) (مذکرہ: ۱۳۱۹)

علامہ سید سید شریف علی بن محمد الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

فلسفین نے حکمت کی تعریف اس طرح کی ہے: موجودات خارجہ کے احوال کا واقع کے مطابق طاقت بشریہ کے اعتبار
سے علم اس کو حکمت کہتے ہیں یہ علم نظری ہے اور یہ علم کسی دوسرے علم کا آلہ نہیں ہے۔
حکمت کی دوسری تعریف یہ ہے: یہ وہ قوت عقلیہ علمیہ ہے جو غریبہ اور بلاوات کے درمیان متوسط ہوتی ہے غریبہ وہ اس

کے وقت میں نماز پڑھنے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عبادت پیش کرتے ہیں اور اس سے مناجات کرتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی حیات

(۸) حضرت داؤد علیہ السلام کی شخصیت کی آہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَجَعَلْنَاهُ مَلِكًا" اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا۔ ان کی سلطنت کو مضبوط کرنے کا ایک عمل یہ ہے کہ چار بار آدھریوں کا لشکر دن رات ان کی سلطنت کی حفاظت کرتا تھا اور اس کا دوسرا عمل یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بنی مقدبات کا فیصلہ کرتے تھے ان کی سب سے تمام لوگوں پر ان کی حیات چھاؤنی تھی۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اسرائیل نے ایک شخص سے ان سے ایک پڑاؤنی پر وانی کی "پھر دو دنوں حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے جس نے زیادتی کی تھی اس نے اپنے فوجی مخالف سے متعلق کہا: اس شخص نے میری ایک گائے قصب کر لی ہے حضرت داؤد نے اس سے پوچھا تو اس نے اس بات کا انکار کیا پھر آپ نے مدی سے کہا: تم گواہ پیش کرو اس کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا پھر حضرت داؤد نے ان دونوں سے انہی فریبتے ہوئے تھے تمہارے معاملہ میں غور کروں گا دو دنوں پہلے گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام واللہ تعالیٰ نے خواب میں یہ دیکھی کہ جس شخص کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے آپ اس کو قتل کر دیں۔ حضرت داؤد نے سوچا: یہ تو خواب ہے میں اس معاملہ میں جلدی نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کو خواب میں دیکھی کہ اس شخص کو قتل کر دیں پھر اللہ تعالیٰ نے تیسری بار ان کو خواب میں خبر دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہو گا پھر حضرت داؤد نے اس شخص کو جو آفریقا کے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی کی ہے کہ میں تجھ کو قتل کر دوں۔ اس شخص نے کہا: آپ مجھے بغیر گواہی کے اور بغیر کسی ثبوت کے قتل کر دیں گے حضرت داؤد نے فرمایا: ہاں! میں تم میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کروں گا جب اس شخص کو یہ یقین ہو گیا کہ حضرت داؤد اس کو قتل کر دیں گے تب اس شخص نے کہا: آپ جگت نہ کریں حتیٰ کہ میں آپ کو اصل واقعہ کی خبر دے دوں یہ جب اللہ کی قسم! میں نے اس معاملہ میں کوئی جرم نہیں کیا اور نہ اس وجہ سے میں گرفت میں آیا ہوں بلکہ میں نے اس شخص کے والد کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا اس وجہ سے مجھے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم سے اس کو قتل کر دیا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر ہے: "وَجَعَلْنَاهُ مَلِكًا" (جامع البیان رقم الحدیث ۷۴۹۹)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے داؤد کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور یہ قیدی نہیں لگائی کہ ان کی سلطنت کو لشکر سے مضبوط کیا ہے اور نہ یہ قیدی لگائی ہے کہ نبی اسرائیل پر ان کی حیات طاری کر کے ان کے لشکر کو مضبوط کیا ہے اس لیے اونی یہ ہے کہ ان کی سلطنت کی مضبوطی کو کسی خاص قسم کے ساتھ مقید نہ کیا جائے اور اس کو اپنے عوم پر رکھا جائے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۳۳ و ۱۶۵ اور التفسیر ص ۱۳۵)

حضرت داؤد کا محافظ ان کا لشکر تھا اور ہمارے نبی کا محافظ اللہ تعالیٰ تھا

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے جامع البیان کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی حفاظت چار ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کرتا تھا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت کے لیے کسی لشکر کی ضرورت نہ تھی آپ کی حفاظت خود خدائے لم یزل کرتا تھا قرآن مجید میں ہے:

اسی طرح جو مسلمان مرتکب کبیرہ ہے اور اپنے گناہوں پر توبہ نہیں کرتا، ان کو دوزخ میں ڈالنا آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں ہے اسی طرح پہلی حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جتنا رحم ماں اپنے بچوں پر کرتی ہے تو وہ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا، کافر اور مشرک اپنے آپ کو بتوں کا بندہ کہلاتے ہیں یا حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کا بندہ کہلاتے ہیں یا سورج کا یا آگ کا یا کسی درخت کا یا کسی دیوی یا دیتا کا بندہ کہلاتے ہیں اور فساق اور فجار اپنی خواہشات کی بندگی کرتے ہیں سو جو اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ قرار دیتا ہو اور اس کے علاوہ اور کسی کی بندگی نہ کرتا ہو اللہ تعالیٰ اس پر اس سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جتنا ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے اور وہ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا، لیکن انہوں اس پر ہے کہ لوگ اپنے آپ کو صرف اس کا بندہ نہیں کہلاتے اور اگر اس کا بندہ کہلائیں بھی کسی تو اس کی بندگی نہیں کرتے اپنے نفس کی بندگی کرتے ہیں۔

فصل خطاب کی تفسیر میں متعدد اقوال

(۱۰) حضرت داؤد علیہ السلام کی دسویں فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فصل خطاب عطا فرمایا۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں: فصل الخطاب کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری نے کہا کہ فصل خطاب سے مراد ہے عدل اور انصاف سے فیصلہ کرنا۔

(۲) قاضی شریح اور قتادہ نے کہا اس سے مراد ہے مدنی کو گواہ پیش کرنے کا مکلف کرنا اور مدعی علیہ پر قسم لازم کرنا۔

(۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری اور شعبی نے کہا اس سے مراد ہے خطبہ کے بعد ادا بعد کہا تو سب سے پہلے ادا بعد کے کلمات حضرت داؤد نے کہے تھے۔

(۴) اس سے مراد ہے بر غرض مقصود میں کافی بیان پیش کرنا۔

(۵) کلام سابق اور کلام لاحق کے درمیان فصل کرنا۔ (نقد داعی بن ج ۵ ص ۸۳ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ سید محمود آلوی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حکمت سے مراد ہے نبوت اور کمال علم اور پختہ عمل ایک قول ہے: اس سے مراد زبور ہے اور علم الشرائع اور ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو حکمت کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔

اور فصل خطاب سے مراد ہے دو فریقوں کے درمیان حق کو باطل سے تمیز اور ممتاز کر دینا یا اس سے مراد وہ کلام ہے جو صحیح اور فاسد کے درمیان فارق اور فیصلہ کن ہو اور یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا وہ کلام ہے جو وہ مقامات کے فیصلوں اور سطحت کی تدبیروں اور مشوروں کے متعلق کرتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فصل خطاب سے مراد ایسا کلام ہو جو متوسط ہو نہ اس قدر مختصر ہو کہ اس سے اصل مراد واضح نہ ہو اور نہ اس قدر طویل ہو جس سے مخاطب اکتا جائے اور طویل خاطر ہو۔

امام ابن ابی تم اور دیلمی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ادا بعد کے کلمات ہیں اور سب سے پہلے حضرت داؤد نے یہ کلمات کہے تھے ادا بعد کے کلمات محمد اور صلوات اللہ علیہ و آلہ و سلم کے ذکر کے بعد کہے جاتے ہیں اور ان کا معنی یہ ہوتا ہے کہ محمد اور صلوات کے بعد یہ معلوم ہوتا چاہے یا محمد اور صلوات کے بعد یہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور ادا بعد سے مراد یہ مخصوص کلمات نہیں ہیں، کیونکہ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام خود عرب تھے نہ عربوں کے نبی تھے اور نہ وہ عربی زبان میں کلام کرتے تھے۔

بلکہ اس سے مراد ان کی زبان کے وہ کلمات ہیں جو ادا بعد کا مفہوم ادا کرتے ہوں اور میرے نزدیک رائج یہ ہے کہ

توت کا اظہار ہے اور بلاوت اس توت کی تقریباً ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن کی حکمت ہے: حلال اور حرام کو جاننا۔
ایک تعریف یہ کی گئی ہے کہ علوم شریعت اور طریقت کو حکمت کہتے ہیں۔

نیر حکمت کی تعریف میں حسب ذیل اقوال ہیں:

- (۱) حکمت میں حکمت کا معنی ہے: علم کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جائے۔
- (۲) انسان اپنی طاقت کے مطابق اس چیز کو حاصل کرے جو نفس اور واقع میں یہ حق ہو۔
- (۳) بروہ کلام جو حق کے موافق ہو وہ حکمت ہے۔
- (۴) بروہ کلام جو مقول ہو اور فضولیات سے خالی ہو وہ حکمت ہے۔
- (۵) ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا حکمت ہے۔
- (۶) جس چیز کا انجام قابل تعریف ہو وہ حکمت ہے۔

(۷) الحکمة الالہیہ جس علم میں ان موجودات خارجیہ کے احوال سے بحث کی جائے جو مدت محدود اور نامرئی قدرت اور اختیار میں نہ ہوں۔

(۸) حقائق اشیاء جس طرح ہیں ان کا اسی طرح حمد و ہوا رحمتے مطابق عمل ہو۔

(۹) جس حکمت سے سکوت کیا گیا ہے یہ حقیقت ہے اور اس میں جن پر کی حمد اور خواہ مخواہ مطلق نہیں ہوتے چاہے وہ ان کو ضرر پہنچائیں یا ان کو ہلاک کر دیں جیسا کہ روایت ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیدی باندیوں کے پاس گئے تو ایک قیدی عورت اپنا پستان نچوڑ کر ایک بچے کو دودھ پلا رہی تھی پھر اس نے اپنے بچے کو قیدیوں میں دیکھا تو اس کو اٹھایا اور اپنے پیٹ سے ساتھ چھپایا اور اس کو دودھ پلایا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا نہیں یہ شہید کو آگ میں نہ ڈالے پر قدرت ہو۔ آپ نے فرمایا اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم فرمائے گا اب یہ بتا یہ بچہ کون ہے؟ ہم نے کہا یہ بچہ ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۹۹۹۹ صحیح مسلم، رقم الحدیث ۵۵۷۰ جامع الترمذی، سنن متعین، ج ۱، ص ۱۸۸)۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے مقابل معنی یہ حدیث بھی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ زور رہے تھے ان کے راستہ میں ایک بچہ پڑا ہوا تھا جب اس کی ماں نے ان لوگوں کو آتے ہوئے دیکھا تو اس کو یہ فطروہ دیا کہ اس کا بچہ تمہارے پاؤں تلے روندنا جائے گا وہ دوڑتی ہوئی آئی اور کہہ دی تھی: میرا بیٹا میرا بیٹا اور اس نے دوڑ کر اپنے بیٹے کو اٹھایا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ اپنے بیٹے کو آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چپ کر کے ہوئے فرمایا، اور انہی قسم اللہ اپنے حبیب (دوست) کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۳، مجمع تہذیب سنن احمد، رقم الحدیث ۳۸۱۸، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۴۱۸۸، مسند ابی داؤد، رقم الحدیث ۴۱۸۸، مسند ابی داؤد، رقم الحدیث ۴۱۸۸، مسند ابی داؤد، رقم الحدیث ۴۱۸۸)

(مسند احمد، رقم الحدیث ۳۸۱۸، جامع الترمذی، سنن متعین، ج ۱، ص ۱۸۸)

اس حدیث میں آپ نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا" اور کافر اللہ تعالیٰ کا حبیب نہیں ہے

المارودی التوتی ۳۵۰ھ علامہ ابو الحسن علی بن احمد الواحیدی التوتی ۳۶۸ھ امام الحسین بن مسعود البغوی التوتی ۵۱۶ھ علامہ محمود بن عمر البزجری التوتی ۵۳۷ھ علامہ عبد الرحمن بن علی ابن الجوزی التوتی ۵۹۹ھ علامہ عبد اللہ بن عمر البیہاوی التوتی ۶۸۵ھ علامہ علی بن محمد القازن التوتی ۷۲۵ھ علامہ جلال الدین سیوطی توتی ۹۱۱ھ قاضی ابوسعود محمد بن محمد التوتی ۹۸۲ھ علامہ احمد بن محمد بن خلیفہ توتی ۱۰۶۹ھ اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے تحت یہ تصریح کی ہے کہ یہ فرشتے تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳ ص ۶۸) المکتب والبیان ج ۸ ص ۱۸۸ المکتب والبیان ج ۵ ص ۱۶۶ البیہاوی ج ۳ ص ۵۲۷ ساحل المشرق ج ۱ ص ۶۰ المکتب والبیان ج ۸ ص ۱۱۸ انوار المشرق ج ۵ ص ۱۸۹ الباب الاول ج ۳ ص ۲۳۹ المشرق ج ۵ ص ۱۳۹ التفسیر البیہاوی ج ۵ ص ۳۵۵ حاشیہ المکتب والبیان ج ۸ ص ۱۳۹) آنے والوں کے فرشتے ہونے پر علامہ ابو بکر بن العربی کے دلائل

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی ماکی توتی ۵۳۳ھ نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس رات کو دیار چھانڈ کر آنے والے فرشتے تھے انسان نہ تھے۔ وہ نکلتے ہیں:

نفس نے کہا: یہ دونوں شخص انسان تھا اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ آنے والے فرشتے تھے اور انہوں نے یہ بھی معین کر دیا ہے کہ وہ دونوں حضرت جبریل اور میکائیل تھے اور اس کی تفصیل کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے والا ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب (بالا خانہ) بہت بلند تھی اور کسی آدمی کی قدرت میں یہ نہیں تھا کہ وہ اسباب اور وسائل کے بغیر اس بلند محراب تک پہنچ سکے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ دروازہ سے محراب تک پہنچ گئے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ اس واقعہ کی خبر دیتے ہوئے یہ نہ فرماتا: ”جب وہ دیار چھانڈ کر محراب میں آ گئے“ اور اگر کہا جائے کہ انہوں نے سیر می لگائی اور اس کے ذریعہ چڑھ کر محراب میں داخل ہو گئے تو یہ جواز ہوگا اور اگر یہ کہا جائے گا کہ وہ گھڑی یا روشن دان کے ذریعہ محراب میں داخل ہو گئے تو پھر لازماً اور قطعاً یہ نہ ہوگا کہ وہ آنے والے فرشتے تھے۔ (ادب المشرق ج ۳ ص ۲۷ مطبوعہ دار المکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

آنے والوں کے انسان ہونے پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی توتی ۶۰۶ھ کا یہ نظریہ ہے کہ جو دیار چھانڈ کر آنے والے انسان تھے فرشتے نہ تھے۔ وہ نکلتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ دو فرشتے تھے جو آسمان سے نازل ہوئے تھے اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس پر تنبیہ کریں کہ جب ان کے عقد میں پہلے ہی ننانوے بیویاں موجود ہیں تو پھر ان کا اور بیو سے یہ کہنا نامناسب ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ میں ان سے عقد کر لوں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دونوں انسان تھے اور وہ دونوں نہی نیت سے حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب میں گئے تھے اور ان کا ارادہ حضرت داؤد علیہ السلام کو قتل کرنے کا تھا ان کا گمان یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام تنہا ہوں گے اور وہ آسانی سے حضرت داؤد علیہ السلام کو قتل کر سکیں گے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لوگوں کی جماعت چمچی ہوئی ہے تو انہوں نے چاہ لیا کہ اب وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے پس انہوں نے جان چھڑانے کے لیے فی الفور یہ بات گھڑ لی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے فریق مخالف ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے ہیں اور یہ کہہ کر ان میں سے ایک کے پاس ننانوے بیویاں ہیں اور دوسرے کے پاس صرف ایک بیوی ہے اس کے باوجود ننانوے بیویوں والا دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ تمہارے پاس جو ایک بیوی ہے وہ بھی مجھے دے دو۔

جو مفسرین اس کے قائل ہیں کہ وہ آنے والے فرشتے نہ تھے بلکہ انسان تھے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ دونوں فرشتے تھے

کھل خطاب سے مراد ایسا خطاب ہے جو کسی مقدمہ کے فریقین کے درمیان حق کو باطل سے اور صواب کو خطا سے واضح کر دینے کے لیے کیا جاتا ہے۔

(روان الصفا ج ۳ ص ۳۹۱-۳۹۰ اور سیاحت العرب علی بن ابی طالب ص ۱۰۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کیا آپ کے پاس جھوٹے دلائل کی خبر آتی؟ جب دو دیوار پر چڑھ کر خطاب میں آئے ○ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا: آپ نہ گھبراہٹیں انہیں دوڑنے والے فریق ہیں انہیں ہم سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیے اور آپ نے انہیں سیدھی بات میں ○ بے شک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس خانوے و دنیاوی چیزیں اور مجھے سے اس ایک دینی ہے ○ (ایک ایسی جگہ) مجھے دے دے اور مجھ پر بات میں دباؤ ڈال رہا ہے ○ داؤد نے کہا اس نے تجھ سے دینی کا سوال کر لیا تھا یہ تجھ پر ظلم ہے ○ اس کو اپنی دنیاویوں کے ساتھ ملائے اور بے شک آگ شہداء ایک دوسرے پر پڑے اور پانی آگ سے جوش میں آ گیا ○ انہوں نے ایک اعمال کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے یہ صبر کیا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں لایا ہے انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور کج رویوں میں گم ہو گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا ○ تو ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں خاص تہنیت ہے اور بہت کم تہنیتیں ○ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۲)

مشکل الفاظ کے معانی

صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۲ میں ”نبوء“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے خبر اس سے بعد ”الحصہ“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے جھوٹے دلائل اس کا استعمال واحد ”مثنیٰ جمع“ مذکر مؤنث سب کے لیے ہوتا ہے اس سے بعد ”تسوروا“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے انہوں نے دیوار کو چڑھ کر تسور کیا معنی ہے دیوار پر چڑھنا اور بلندی سے نکلنا اس سے بعد ”محروبا“ کا لفظ ہے محراب کا معنی ہے گھبراہٹ کا مصدر مقام سب سے بلند اور مقدم جگہ۔ محراب کا معنی ہے جنگ کرنا محراب کا معنی ہے جنگ کرنا کی جگہ مسجد اور عبادت کی جگہ کو محراب کہتے ہیں کیونکہ وہاں انسان اپنے نفس اور شیطان سے جنگ کرتا ہے یا اس سے کہ وہ انسان دنیا کے مشاغل اور افکار پریشان سے منقطع ہو کر یکسوئی کے ساتھ یا د الہی میں بیٹھتا ہے یا خداوند اور چہرہ دیکھ کر محراب کہتے ہیں۔ محراب کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے سہ ۱۳۰۱ ہجری القرآن ج ۹ ص ۱۱۰ میں کی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے حجرو کی دیوار پھانڈ کر آنے والے آیا انسان تھے یا فرشتے؟

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جس حجرے میں عبادت کرتے تھے اس کے نام اور معرفت راستہ کے بجائے دیوار کو پھانڈ کر آنے والے کون تھے؟ بعض مفسرین نے کہا: وہ وہ انسان تھے جو ایک معاملہ میں ایک دوسرے کے مخالف تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ وہ فرشتے تھے جو ایک فرضی مناقشہ بیان کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی اس اجتہادی خطایا لغزش پر متنب کر رہے تھے کہ جب ان کے عقد میں پہلے سے خانوے میں جو دیواریں تھیں تو پھر انہوں نے اور یا سے یہ کیوں کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ میں اس سے نکاح کروں پھر ان کے عقد میں جو دیواریں ہو جائیں گی اور جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی اجتہادی خطایا لغزش پر متنب ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کریں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے گا اور ان کو اپنا قرب خاص اور بلند درجہ عطا فرمائے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم انطلی متوفی ۳۳۲ھ علامہ ابو الحسن علی بن محمد

مجھ معنی ہو سکتا ہے تو پھر جائز پر محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۸۳ دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)
مذکور توجیہ کا مصنف کی طرف سے جواب

مصنف کے نزدیک علامہ دہلوی اور ان کے موافقین کی تاویل اس لیے درست نہیں ہے کہ ان نے داؤد علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ کہا تھا: ”ہم دوڑنے والے فریق ہیں ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور بے انصافی نہ کریں۔“ اس کلام سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام سے کوئی مسئلہ دریافت کر رہے ہیں یا کسی فرضی صورت کا جواب معلوم کر رہے ہیں بلکہ وہ خود اپنے جھگڑے کا فیصلہ کر رہے ہیں اور اس کو یہ مطلب پہنانا کہ وہ کسی فرضی صورت کا جواب معلوم کر رہے ہیں ان آیات میں زبردستی خود ساختہ معنی کو ٹھونسنا ہے۔
آنے والوں کے انسان ہونے پر ابوالمہدیان اندکی کے دلائل

علامہ ابوالمہدیان محمد بن یوسف اندکی متوفی ۵۵۳ھ کا بھی یہ مختار ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اپنے مقدمہ کا تصدیق کرانے کے لیے آنے والے فرشتے نہیں تھے دو انسان تھے۔ وہ لکھتے ہیں:
قرآن مجید کی ظاہر آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب میں غیر معروف طریقہ سے داخل ہونے والے دو انسان تھے اور یہ ان کی محراب میں اس وقت داخل ہوئے جو ان کے فیصلہ کرنے کے اوقات نہیں تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان کو دیکھ کر اس لیے گھبرا گئے کہ وہ عام معروف راستہ سے نہیں آئے تھے اور اس وقت آپ عبادت میں مصروف تھے انہیں دیکھ کر آپ کو یہ خیال آیا کہ وہ آپ کو ضرور پہنچانے کے ارادے سے آئے ہیں کیونکہ آپ اس وقت بالکل اکیلے تھے اور عبادت میں مصروف تھے اور جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ آپ کو ضرور پہنچانے کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے ہیں تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اس پر غصہ ہوا اور عداوت ہوئی کہ انہوں نے ان دو انسانوں کے متعلق یہ گمان کیا کہ وہ کسی شر اور بدی کے ارادے سے آئے ہیں لہذا انہوں نے اپنے اس گمان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گمان پر معافی چاہی سو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔

(المعجم الجید ج ۴ ص ۱۵۱ دارالمنیر بیروت ۱۳۷۳ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام نے صرف ایک فریق کے بیان پر کیوں فیصلہ کیا؟

ص ۳۳۰ میں فرمایا: ”داؤد نے کہا اس نے تجھ سے دینی کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کیا ہے تاکہ اس کو اپنی دنیاویوں سے ملے۔“ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ محض ایک فریق کا بیان اور التزام سن کر حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے یہ کس طرح جائز ہو گیا کہ انہوں نے دوسرے فریق کو قصور وار اور ظالم قرار دیا اس کے حسب ذیل جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) امام محمد بن اسحاق نے کہا جب فریق اول اپنے دعویٰ اور التزام سے قانع ہو گیا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فریق ثانی کی طرف دیکھا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہتا ہے اور جب وہ بالکل غامض رہا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے جان لیا کہ فریق اول کا دعویٰ اور التزام برحق ہے اور فریق ثانی واقعی ظالم ہے۔

(۲) علامہ ابن الاثیر نے کہا: جب فریق اول نے فریق ثانی کے خلاف دعویٰ کیا تو فریق ثانی نے اعتراف کر لیا کہ واقعی اس نے ظلم کیا ہے اور اس کے اعتراف کی بناء پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو ظالم قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے اعتراف کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ کلام کے سابقہ و سابق سے اس کا اعتراف بالکل ظاہر ہے۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے کلام کی توجیہ یہ ہے کہ اگر واقعی فریق ثانی نے فریق اول سے اس کی دینی کا مطالبہ کیا ہے تو

تو ان کا یہ قول مجہول ہو گا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے معصم ہیں کیونکہ فرشتوں کی آپس میں عصمت نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان دونوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے اگر وہ فرشتے تھے تو ان کا یہ قول بھی مجہول تھا کیونکہ فرشتے کسی پر زیادتی نہیں کرتے نہ کسی کے خلاف جہاد کرتے ہیں اسی طرح انہوں نے کہا "بے شک یہ یہ ایمانی ہے اس کے پاس خانوے وغیرہ نہیں ہیں اور میرے پاس ایک دینی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ (ایک دینی بھی) مجھے دے دے اور مجھ پر بات میں وہاں ڈال رہا ہے" اگر وہ فرشتے تھے تو ان کا یہ قول بھی مجہول ہے کیونکہ کسی فرشتے کے پاس دنیاوی نہیں تھیں اور نہ خانوے وغیرہ والا ایک دینی والے سے اس کی دینی مانگ رہا تھا سو اگر حضرت داؤد کی خراب چوٹ نہ کر آئے والے فرشتے تھے تو لازم آئے گا کہ انہوں نے تمہیں مجھونی باتیں کہیں اور فرشتے جھوٹ نہیں بول سکتے کیونکہ جھوٹ بولنا اللہ تعالیٰ کی معصیت ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی معصیت نہیں کرتے قرآن مجید میں ہے:

يَعْلَمُ تَسْمُكُهُ فَيَلَاظُهُ وَكَذَلِكَ يَتَّبِعُونَ اٰلِهَةً مَّا تَمُرُّوْهُ وَيَقْتُلُوْنَ مَا يَنْزِلُ مَرْوُوْنَ (الفرہ ۶)

اور ان کے پیروکاروں کو فرشتے مقرر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) نہیں کرتے اور دینی سے مراد ہے اس میں انہیں ضرر و یا فائدہ نہیں ہوتا ہے

نیز فرمایا:

وَيَقْتُلُوْنَ مَنْ يَّمُرُّ مِنْ خَلْقِهِ وَيَقْتُلُوْنَ مَا يَنْزِلُ مَرْوُوْنَ (الفرہ ۵۰)

اور اپنے رب سے نافرمانی کرتے ہیں جو ان کے اپنے ہے اور دینی سے مراد ہے جس کا انہیں ضرر و یا فائدہ نہیں ہوتا ہے

لَا يَسْجُدُوْنَ لِشَيْءٍ سِوَا اللّٰهِ وَهُمْ بِاٰمُرِهِ يَتَسَلَّمُوْنَ (الانبیاء ۲۱)

وہ کسی بات میں اللہ سے تباہ و تاراج نہیں کرتے اور اس سے سحر و جادو نہیں کرتے

(الانبیاء ۲۱)

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۳ تا ۳۶۴، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۴ تا ۳۶۵)

آنے والوں کے فرشتے ہونے کی توجیہ

علامہ محمود بن عمر القسری الحنفی ۵۳۸ھ نے ملائکہ کے قائلین کی طرف سے یہ جواب لکھا ہے

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ملائکہ علیہم السلام نے ایسی بات کیوں کہی جو واقعہ کے خلاف تھی اور جو کام انہوں نے نہیں کیے تھے اس کی کیوں خبر دی اور یہ ان کی شان کے لائق نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کے وقوع کو فرض کر لیا اور انہوں نے اپنے اوپر اس صورت کی تصویر کشی کی اور وہ حضرت داؤد کے پاس انسانوں کی صورت میں آئے تھے جیسے قرآنی مسئلہ کی مثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہو کہ زید کی چالیس بکریاں ہیں اور عمرو کی بھی چالیس بکریاں ہیں اور ان دونوں نے اپنی بکریوں کو غلط ملط کر دیا اور ان کے اوپر ایک سال گزر چکا ہے اب ان پر کتنی ذکوۃ واجب ہوگی؟ یا تم اس طرح صورت بنا کر سوال کرو کہ میری چالیس بکریاں ہیں اور تمہاری بھی چالیس بکریاں ہیں اور ہم نے ان بکریوں کو غلط ملط کیا ہے ان پر سال گزر چکا ہے اب ہم پر کتنی ذکوۃ واجب ہوگی؟ (الکشاف ج ۱ ص ۵۷۸، امداد القراءات العربیہ ج ۱ ص ۱۶۷)

نہ کہ توجیہ کا امام رازی کی طرف سے جواب

امام محمد بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس جواب کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قرآن مجید کی ان آیات کو اس معنی پر محمول کرنا کہ فرشتوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ایک فرضی صورت پیش کر کے صورت مسئلہ کا جواب جاننا چاہا تھا یہ ان آیات کو بجا ہر محمول کرنا ہے اور جب ان آیات کو حقیقت پر محمول کر کے ان کا

علامہ ابو الیمان اندلسی نے کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان دو انسانوں کے حلق جو شر کا گمان کیا تھا انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔

سورۃ صٰت کے مجہد کے وجوب میں اختلاف فقہاء

صٰت میں ہے: ”اور (داؤد) مجہد میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔“ اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: ”اور داؤد گر گئے رکوع کرتے ہوئے اور انہوں نے رجوع کیا۔“ مفسرین اور فقہاء نے کہا ہے کہ اس آیت میں رکوع بہ معنی مجہد ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک یہ دو اس مجہد تلاوت ہے۔

علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی لکھی التتویٰ ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

سورۃ صٰت کا مجہد ہمارے نزدیک مجہد تلاوت ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ مجہد شکر ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۃ صٰت پڑھی اور مجہد تلاوت کیا اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ مجہد تلاوت کیا صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ یہ مجہد ہوا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا اگر یہ مجہد واجب نہ ہوتا تو اس کو نماز میں داخل کرنا جائز نہ ہوتا۔ نیز روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سورۃ صٰت کھڑے ہوں جب میں مجہد کی جگہ پر پہنچا تو دوات اور قلم نے مجہد کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم دوات اور قلم کی بہ نسبت مجہد کرنے کے زیادہ حق دار ہیں پھر آپ نے اس مجہد میں سورۃ صٰت کو پڑھنے کا حکم دیا پھر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس آیت پر مجہد کیا اس حدیث کو امام ترمذی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں دوات اور قلم کی جگہ درشت کا ذکر ہے اور اس میں درشت کی اس دعا کا ذکر ہے: اے اللہ! مجھ سے اس مجہد کو اس طرح قبول فرما جس طرح تو نے اس مجہد کو اپنے بندہ داؤد سے قبول کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۷۹۰ المسد رک ج ۳ ص ۲۳۰-۲۱۹) علامہ محمود بن احمد بن عبد المعز البخاری لکھی التتویٰ ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

سورۃ صٰت کا مجہد مجہد تلاوت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ مجہد شکر ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں سورۃ صٰت کی تلاوت کی تو لوگ مجہد کرنے کے لیے تیار ہو گئے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کیوں مجہد کے لیے تیار ہو گئے یہ تو ایک نبی کی توبہ ہے۔ (المسد رک ج ۳ ص ۲۳۲ سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۸۸ اسنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵۱) اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجہد صٰت کے حلق فرمایا: حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام نے توبہ کرنے کے لیے یہ مجہد کیا اور زمین پر گر گئے اور ہم شکر کرنے کے لیے یہ مجہد کرتے ہیں۔ (اسنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۳۲ سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۵۱)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کہ میں سورۃ صٰت کھڑے ہوں جب میں مجہد کی جگہ پر پہنچا تو دوات اور قلم نے مجہد کیا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم دوات اور قلم کی بہ نسبت مجہد کرنے کے زیادہ حق دار ہیں حتیٰ کہ آپ کی مجلس میں اس کی تلاوت کی گئی اور آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ اس پر مجہد کیا۔ (المسد رک ج ۳ ص ۲۳۲ اسنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵۲) اور وہ جو اس سے پہلے المسد رک اور سنن دارقطنی کی روایت سے گزرا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں سورۃ صٰت کی تلاوت کی اور اس پر مجہد نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے بیان کرنا چاہتے تھے کہ مجہد تلاوت کرنا فوراً واجب نہیں ہوتا اور اس کو تاخیر سے ادا کرنا جائز ہے کیونکہ یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ سورۃ صٰت کی خطبہ میں تلاوت کی اور اس پر مجہد کیا (یہ روایت مفقوع آ رہی ہے) اور یہ مجہد تلاوت کے وجوب کی دلیل ہے کیونکہ آپ نے خطبہ کو منقطع کر کے مجہد کیا۔ (الحیاء البرہانی فی فہم الصحابی ج ۳ ص ۱۰۳ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ ص ۲۰۳)۔

مکرر دہیہ کا نام ہے۔

اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: "اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں۔"
اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ زیادتی کرنے میں شرکاء کی کیا تخصیص ہے؟ غیر شرکاء بھی ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شرکت کے معاملہ میں زیادتی اور عدوان کا داعیہ بہت زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ایک انسان اپنے شریک کے پاس عمدہ اور نیکس چیزیں دیکھتا ہے اور شریک ہونے کی وجہ سے اس کو اپنے شریک کے مال میں تصرف کرنے سے بھی موقع حاصل ہوتے ہیں اس وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ شرکاء کے متعلق فرمایا: "اور بے شک اکثر شرکاء ایک دوسرے پر ضرور زیادتی کرتے ہیں۔" پھر مومنین صالحین کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ فرمایا اور کہا: "سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں" یہ اس طرف سے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا
اور پھر اور ان کے واسطے یہ بندہ بہت مہین۔

وَقِيلَ لِمَنْ يَحْتَضِرُكَ ۝ (سورہ ۱۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی توجیہات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور داؤد نے یہ گمان کیا کہ ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ہے سو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور مجدد میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا ۝ تو ہم نے ان کی اس بات کو معاف کر دیا اور بے شک ان کے لیے ہماری بارگاہ میں تقریب سے اور بہترین تمکنا ہے ۝ (ص ۲۵، ۲۴)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جو استغفار کیا تھا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں

(۱) دو انسان دعوہ دار چاند کر آپ کے حجرے میں آپ کو قتل کرنے کے قصد سے داخل ہوئے آپ بہت قوی بادشاہ تھے اور ان دونوں کو سزا دینے پر پوری طرح قادر تھے اس کے باوجود آپ نے درگزر فرمایا تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل میں اپنی اس نیکی پر غلبہ اور غرور کا احساس پیدا ہوا جتنا تو آپ نے اس کیفیت سے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور یہ اعتراض کیا کہ ان کو یہ نیکی محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوئی ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کے دل میں جو خیال آیا تھا اس سے درگزر فرمایا۔

(۲) ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ ان آنے والے انسانوں کو سخت سزا دیں پھر خیال آیا کہ ان کے سامنے کوئی ایسی قلعہ دلیل قائم نہیں ہوئی جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے یا کسی اور شر کے ارادہ سے آئے تھے تو آپ نے ان کو معاف کر دیا اور ان کو بلا دلیل جرمزادینے کا خیال آیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں انسانوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی ہو اور حضرت داؤد علیہ السلام سے یہ درخواست کی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی مغفرت کے لیے شفاعت کریں پس حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کیا اور گڑگڑا کر دعا کی پس اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی شفاعت کی وجہ سے ان کو معاف فرمادیا۔

امام غزالی نے محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں: یہ تمام وجوہ یہاں مراد ہو سکتی ہیں اور قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں اور جب ان آیات کو صحیح معانی پر محمول کیا جاسکتا ہے اور ان اسرائیلی روایات کے حق میں کوئی دلیل قائم نہیں ہے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اور یا کو قتل کرانے اور اس کی بیوی کے ساتھ آپ کے زنا کی نسبت کی گئی ہے تو بلا دلیل ایسی قسوس اور منکر روایات کی اللہ کے برگزیدہ نبی کی طرف نسبت کرنا اور یہ کہنا کہ آپ نے ان قسوس کا سونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تھا کب جائز اور درست ہو سکتا ہے۔ (تفسیر کبریا، ص ۲۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

دونوں کا مجدد خلاوت رکوع کرنے سے ادا ہو جاتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا مجدد مقرر تھا اور کلام مجدد خلاوت میں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہم حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل سے استدلال نہیں کر رہے بلکہ ہم اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے اس رکوع کو مجدد سے کفایت کرنے والا قرار دیا ہے۔

اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ مجدد خلاوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معروف یہ ہے کہ آپ مجدد خلاوت ادا کرنے کے لیے مجدد کرتے تھے اور کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے مجدد خلاوت ادا کرنے کے لیے مجدد کے بجائے رکوع کر لیا ہو خواہ ایک مرتبہ ہی کیا ہو اسی طرح آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے بھی کبھی مجدد خلاوت ادا کرنے کے لیے رکوع نہیں کیا اور استدلال میں جو قیاس ذکر کیا گیا ہے وہ اتنا قوی نہیں ہے اس لیے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ مجدد خلاوت کو مجدد سے ہی ادا کیا جائے جیسا کہ احادیث میں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک ایسا فعل صادر ہو گیا تھا جو خلاف اولیٰ تھا اور ان کی شان کے لائق نہ تھا انہوں نے اس پر توبہ کی اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہم اس قبول توبہ کے شکر میں مجدد کرتے ہیں۔

(روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۶۰-۲۶۱ اور مقررہ روایت ۱۳۱ھ)

علامہ محمد بن علی بن محمد الجسکسی النحوی ۱۰۸۸ھ اور علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالحزیز ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مجدد خلاوت نماز کے رکوع اور مجدد کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے (علامہ شامی فرماتے ہیں: مجدد خلاوت کے ادا کرنے میں اصل مجدد کرنا ہے اور وہی افضل ہے اگر اس نے آیت مجدد پڑھنے کے بعد علی الفور رکوع کر لیا تو رکوع میں مجدد ادا ہو جائے گا ورنہ نہیں اور اگر اس نے علی الفور رکوع نہیں کیا تو پھر خصوصیت کے ساتھ مجدد ادا کرنا ہوگا) اسی طرح اگر اس نے نماز کے باہر آیت مجدد عبادت کی ہے تب بھی رکوع کرنے سے مجدد خلاوت ادا ہو جائے گا۔ (بزازیہ) (علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے یہ قیاساً صحیح ہے نہ احتساباً)۔

(الدر المختار و رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۵۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۹ھ)

صدر الشریعہ علامہ احمد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

نماز کا مجدد خلاوت مجدد سے بھی ادا ہو جاتا ہے اور رکوع سے بھی مگر رکوع سے جب ادا ہوگا کہ فوراً کرے فوراً نہ کیا تو مجدد کرنا ضروری ہے اور جس رکوع سے مجدد خلاوت ادا کیا خواہ وہ رکوع رکوع نماز ہو یا اس کے علاوہ اگر رکوع نماز ہے تو اس میں اداہ مجدد کی نیت کرے اور اگر خاص مجدد ہی کے لیے یہ رکوع کیا تو اس رکوع سے اٹھنے کے بعد مستحب یہ ہے کہ دو تہین آیتیں یا زیادہ پڑھ کر رکوع نماز کرے فوراً نہ کرے اور اگر آیت مجدد پر سورت ختم ہے اور مجدد کے لیے رکوع کیا تو دوسری سورت کی آیتیں پڑھ کر رکوع کرے۔ (غنیہ عالمگیری رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۵۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۹ھ)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے جس فعل پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی بھی اس کے متعلق

تورات کا بیان

ص ۲۵-۲۴ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار اور توبہ کرنے کا ذکر ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو گیا تھا جس پر انہیں توبہ کرنے کی ضرورت پیش آئی ان کے اس فعل کا بیان تورات میں بھی

فائدہ: الحکمہ البرہانی ۱۳۳۳ھ میں دنیا میں پہلی بار طبع ہوئی ہے اس سے پہلے ہم نے حدود کتب فقہ میں اس کے حوالہ جات جمع کیے تھے جو اس کے مخطوطات سے فراہم کیے گئے تھے ۳۱ مئی ۲۰۰۳ء کو کتب خانہ سے میرے پاس فون آیا کہ گیارہ جلدوں پر مشتمل یہ کتاب آگئی ہے اور اس کی قیمت ۹ ہزار روپے ہے میں نے اسی وقت رقم بھیج کر یہ کتاب منگوائی اور ۳ جون ۲۰۰۳ء کو اس کا حوالہ بھی درج کر دیا فائدہ اللہ علی ذالک۔

سورہ ص کے مجدد تلاوت کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ص کا مجدد دیا تھا۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۰۹ رقم حدیث ۱۱۰۹۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا آپ نے سورہ ص کی تلاوت کی جب آپ آیت مجددہ پر پہنچے تو آپ نے منبر پر سے اتر کر مجددہ کیا اور ہم نے بھی آپ سے ساتھ مجددہ کیا پھر آپ نے ایک مرتبہ اور اس کی تلاوت کی جب آپ آیت مجددہ پر پہنچے تو ہم مجددہ کرنے کے لیے تیار ہوئے جب آپ نے ہم کو دیکھا تو فرمایا: یہ ایک نبی کی توبہ ہے لیکن میں نے دیکھا کہ تم مجددہ کے لیے تیار ہوئے پھر آپ منبر سے اترے پس آپ نے مجددہ کیا اور ہم نے بھی مجددہ کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم حدیث ۱۰۱۰۱ سنن ابن جریر رقم حدیث ۱۰۹۹۹ سنن ابی نعیم رقم حدیث ۱۰۹۳۵ سنن دارقطنی رقم حدیث ۱۱۰۹۳ جامع الترمذی سنن ابی سعید الخدری رقم حدیث ۱۹۵۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر سورہ ص کی تلاوت کی پھر انہوں نے منبر سے اتر کر مجددہ کیا اور پھر منبر پر چڑھ گئے۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۰۹ رقم حدیث ۱۱۰۹۴ کتاب الصلوۃ ج ۱ ص ۱۰۷)

سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر پر سورہ ص کی تلاوت کی پھر منبر سے نیچے اتر کر مجددہ تلاوت ادا کیا۔ (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۰۹ رقم حدیث ۱۱۰۹۳)

ان احادیث اور آثار میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے خطبہ منقطع کر کے سورہ ص کا مجدد کیا اور یہ اس مجددہ تلاوت کے وجوب کی دلیل ہے۔

نماز اور خارج از نماز رکوع سے مجددہ تلاوت کا ادا ہونا

ص ۲۳ میں ہے: "اور داؤد رکوع کرتے ہوئے گر گئے۔" اس آیت میں مجددہ کو رکوع سے تعبیر فرمایا ہے اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ سمجھ لیا ہے کہ رکوع کرنے سے بھی مجددہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں رکوع کرنا مجددہ تلاوت کے قائم مقام ہو جاتا ہے جب کہ نیت کی جائے۔"

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں نماز اکمیدہ پر رکوع کا اطلاق کیا گیا کیونکہ رکوع کا معنی ہے جھکنا اور جھکنا مجددہ کا سبب ہے یا یہ نماز بلا استعارہ ہے کیونکہ مجددہ میں خضوع اور خشوع ہوتا ہے اور جھکنا بھی خضوع اور خشوع کے مشابہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ مجددہ تلاوت میں رکوع مجددہ کے قائم مقام ہے اور قنوی بزاز ہی میں لکھا ہوا ہے کہ اس میں نماز اور غیر نماز میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی نماز میں آیت مجددہ پڑھی ہو یا غیر نماز میں

قاصد سے کہا کہ تو یہاں آج سے یوں کہتا کہ تجھے اس بات سے ناخوشی نہ ہو اس لیے کہ تلواریں جیسا ایک کوڑا آتی ہے وہ یہاں دوسرے کو۔ سو تو شہر سے اور سخت جنگ کر کے اسے اڑھا دے اور تو اسے دم دلا سا دیتا

جب اور یہاں کی بیوی نے سنا کہ اس کا شوہر اور یہاں مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لیے ماتم کرنے لگی O اور جب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اسے بلوا کر اس کو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اس کی بیوی ہو گئی اور اس سے اس کا ایک لڑکا ہوا پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہوا

باب ۱۲: اور خداوند نے ناتن کو داؤد کے پاس بھیجا۔ اس نے اس کے پاس آ کر اس سے کہا: کسی شہر میں دو شخص تھے۔ ایک امیر دوسرا غریب O اس امیر کے پاس بہت سے دیوڑ اور گئے تھے O پر اس غریب کے پاس بھیڑ کی ایک ہڈیا کے سوا کچھ نہ تھا جسے اس نے خرید کر پالا تھا اور وہ اس کے اور اس کے بال بچوں کے ساتھ بڑھی تھی۔ وہ اسی کے نوالہ میں سے کھاتی اور اس کے پیالہ سے پیتی اور اس کی گود میں سوئی تھی اور اس کے لیے بلور بنی تھی O اور اس امیر کے ہاں کوئی مسافر آیا۔ سو اس نے اس مسافر کے لیے جو اس کے ہاں آیا تھا پکانے کو اپنے دیوڑ اور گدے میں سے کچھ نہ لیا بلکہ اس غریب کی بھیڑ لے لی اور اس شخص کے لیے جو اس کے ہاں آیا تھا پکانی O تب داؤد کا غضب اس شخص پر عداوت بھڑکا اور اس نے ناتن سے کہا کہ خداوند کی حیات کی قسم کہ وہ شخص جس نے یہ کام کیا واجب اٹکل ہے O سو اس شخص کو اس بھیڑ کا چرنا بھرنا پڑے گا کیونکہ اس نے ایسا کام کیا اور اسے ترس نہ آیا

تب ناتن نے داؤد سے کہا کہ وہ شخص تو یہی ہے۔ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے مسح کر کے اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور میں نے تجھے ساؤل کے ہاتھ سے جھڑپایا O اور میں نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا اور تیرے آقا کی بیویاں تیری گود میں کر دیں اور اسرائیل اور یہوداہ کا گھر انا تجھ کو دیا اور اگر یہ سب کچھ توڑا تھا تو میں تجھ کو اور اور چیزیں بھی دیتا O سو تو نے کیوں خداوند کی بات کی تحقیر کر کے اس کے حضور بدی کی؟ تو نے خبی اور یہاں کو تلواریں سے مارا اور اس کی بیوی لے لی تاکہ وہ تیری بیوی بنے اور اس کو بنی تھون کی تلواریں سے قتل کر دیا O سو اب تیرے گھر سے تلواریں الگ نہ ہو گی کیونکہ تو نے مجھے حقیر جانا اور خبی اور یہاں کی بیوی لے لی تاکہ وہ تیری بیوی ہو O سو خداوند یوں فرماتا ہے کہ کچھ میں شر کو تیرے ہی گھر سے تیرے خلاف اٹھاؤں گا اور میں تیری بیویوں کو لے کر تیری آنکھوں کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دوں گا اور وہ دن دہاڑے تیری بیویوں سے صحبت کرے گا O کیونکہ تو نے تو چھپ کر یہ کیا پر میں سارے اسرائیل کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دوں گا اور وہ دن دہاڑے تیری بیویوں سے ناتن سے کہا: میں نے خداوند کا گناہ کیا۔ ناتن نے داؤد سے کہا کہ خداوند نے بھی تیرا گناہ بخشا تو میرے گناہیں O تو بھی چونکے تو نے اس کام سے خداوند کے دشمنوں کو کٹر کینے کا برا موقع دیا ہے اس لیے وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہو گا مر جائے گا O پھر ناتن اپنے گھر چلا گیا اور خداوند نے اس لڑکے کو جو اور یہاں کی بیوی کے داؤد سے پیدا ہوا تھا مارا اور وہ بہت بیمار ہو گیا O اس لیے داؤد نے اس لڑکے کی خاطر خدا سے منت کی اور داؤد نے روزہ رکھا اور اندر جا کر ساری رات زمین پر پڑا رہا O اور اس کے گھرانے کے بزرگ اٹھ کر اس کے پاس آئے کہ اسے زمین پر سے اٹھائیں پر وہ نہ اٹھا اور نہ اس نے ان کے ساتھ کھانا کھایا O اور ساتویں دن وہ لڑکا مر گیا اور داؤد کے ملازم اسے ڈر کے مارے یہ نہ بتا سکے کہ لڑکا مر گیا کیونکہ انہوں نے کہا کہ جب وہ لڑکا بنوڑ زندہ تھا اور ہم نے اس سے گفتگو کی تو اس نے ہماری بات نہ مانی ہمیں اگر ہم اسے بتائیں کہ لڑکا مر گیا تو وہ بہت ہی کڑے سے O گا پر جب داؤد نے اپنے ملازموں کو آپس میں پچھچھساتے دیکھا تو داؤد سمجھ گیا کہ لڑکا مر گیا۔ سو داؤد نے اپنے ملازموں سے پوچھا: کیا لڑکا مر گیا؟ انہوں نے جواب دیا: مر گیا O تب داؤد زمین پر سے اٹھا اور غسل کر کے اس نے تیل لگایا اور پوشاک

ہے اور بعض قدیم مسخرین کی مہارات میں بھی ہے اور بعض مختلط مسخرین کی مہارات میں بھی اور بعض محققین کی مہارات میں بھی ہے ہم ترجیح داران سب کی مہارات پیش کریں گے پہلے ہم قورات کی مہارت پیش کر رہے ہیں:

”باب ۱۱: اور ایسا ہوا کہ دوسرے سال جس وقت بادشاہ جنگ کے لیے نکلے جس داؤد نے جو آپ اور اس کے ساتھ اپنے خادموں اور سب اسرائیلیوں کو بھیجا اور انہوں نے بنی حنون کو قتل کیا اور رہ کر جا کھیرا یہ داؤد پر وہ ظلمتی عی میں رہا۔

اور شام کے وقت داؤد اپنے جنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر نکلے گا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہاری تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے ٹوٹ بیچ کر اسے بلالیا۔ وہ اس سے پاس آئی اور کیا وہ انعام کی بیٹی بت سکا نہیں جو تھی اور یہ کہ بیٹی ہے۔ اور داؤد نے ٹوٹ بیچ کر اسے بلالیا۔ وہ اس سے پاس آئی اور اس نے اس سے محبت کی (کیونکہ وہ اپنی تپا کی سے پاک ہو چکی تھی)۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حامد ہوئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حامد ہوں۔ اور داؤد نے جو آپ کو کھانا بھیجا کہ کھجی اور یاد کو میرے پاس بھیج دے۔ سو جو آپ نے اور یاد کو داؤد کے پاس بھیج دیا اور جب اور یاد آیا تو داؤد نے جو چھاکر جو آپ کیسا ہے اور تو کون کا کیا حال ہے اور جنگ کیسی ہو رہی ہے۔ اور پھر داؤد نے اور یاد سے کہا کہ اپنے گھر جا اور اپنے پاؤں دھو اور اور یاد بادشاہ کے محل سے نکل اور بادشاہ کی طرف سے اس کے پیچھے پیچھے ایک خزانہ بھیجا گیا۔ اور یاد بادشاہ کے گھر کے آستانہ پر اپنے مالک کے اور سب خادموں کے ساتھ سو یا اور اپنے گھر نہ گیا اور جب انہوں نے داؤد کو یہ بتایا کہ اور یاد اپنے گھر نہیں گیا تو داؤد نے اور یاد سے کہا: کیا تو سطر سے نہیں آیا؟ پاس تو اپنے گھر کیوں نہ گیا۔ اور یاد نے داؤد سے کہا کہ صندوق اور اسرائیل اور یہود اور جمہور یڑیوں میں رہتے ہیں اور میرا مالک جو آپ اور میرے مالک کے خدام کھلے میدان میں ذبح سے ڈالے ہوئے ہیں تو کیا میں اپنے گھر جاؤں اور کھاؤں بیوں اور اپنی بیوی کے ساتھ سوؤں؟ تیری حیات اور تیری جان کی قسم! مجھ سے یہ بات نہ ہوئی۔ اور پھر داؤد نے اور یاد سے کہا کہ آج بھی تو ستریں رہ جا۔ کل میں تجھے روانہ کر دوں گا۔ سو اور یاد اس دن اور دوسرے دن بھی میرا خیمہ میں رہا۔ اور جب داؤد نے اسے بلایا تو اس نے اس کے حضور کھایا پینا اور اس نے اسے پلا کر متوالیا اور شام کو وہ باہر جا کر اپنے مالک کے اور خادموں کے ساتھ اپنے بستر پر سو رہا۔ اور اپنے گھر کو نہ گیا۔ صبح کو داؤد نے جو آپ سے لیے ایک خط لکھا اور اسے اور یاد کے ہاتھ بھیجا۔ اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اور یاد کو تمہارا میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے بہت جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو۔ اور یوں ہوا کہ جب جو آپ نے اس شیر کا ملاحہ کر لیا تو اس نے اور یاد کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جاتا تھا کہ بہادر مرد ہیں۔ اور اس شیر کے ٹوٹ نکلے اور جو آپ سے لڑا سے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور جیسی اور یاد بھی مر گیا۔ تب جو آپ نے آدلی بھیج کر جنگ کا سب حال داؤد کو بتایا۔ اور اس نے قاصد کو تاکید کر دی کہ جب تو بادشاہ سے جنگ کا سب حال عرض کرے۔ تب اگر ایسا ہو کہ بادشاہ کو غصہ آ جائے اور وہ تجھ سے کہنے لگے کہ تم لانے کو شیر کے ایسے نزدیک کیوں چلے گئے؟ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ دیوار پر سے تیر ماریں گے۔ اور نہ بستی کے بیٹے ان ملک کو کس نے مارا؟ کیا ایک عورت نے جیگی کا پٹ دیوار پر سے اس کے اوپر ایسا نہیں پھینکا کہ وہ تجھ میں مر گیا؟ سو تم شیر کی دیوار کے نزدیک کیوں گئے؟ تو پھر تو کہا کہ تیرا خدام جیسی اور یاد بھی مر گیا ہے۔ سو وہ قاصد چلا اور آ کر جس کام کے لیے جو آپ نے اسے بھیجا تھا وہ سب داؤد کو بتایا۔ اور اس قاصد نے داؤد سے کہا کہ وہ لوگ ہم پر غالب ہوئے اور نکل کر میدان میں ہمارے پاس آ گئے۔ پھر ہم ان کو روک دیتے ہوئے پھاٹک کے مدخل تک چلے گئے۔ تب تیرا خداموں نے دیوار پر سے تیرے خادموں پر تیر چھوڑے۔ سو بادشاہ کے تھوڑے سے خدام بھی مرے اور تیرا خدام جیسی اور یاد بھی مر گیا۔ تب داؤد نے

جن محتاط مفسرین نے اس اسرائیلی روایت کو مسترد کر دیا

اکثر محتاط مفسرین نے اس روایت کو رد کر دیا اور کہا: یہ روایت انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے متافی ہے اور انہوں نے سورہ ص کی ان آیات کا یہ عمل بیان کیا کہ انہوں نے جی اور یاہ سے یہ کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تاکہ حضرت داؤد علیہ السلام اس سے نکاح کر لیں اور یہ چیز ان کی شریعت میں معروف اور مروج تھی۔ امام الحسین بن مسعود ابوہی التوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس شخص سے یہ کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو ان کے لیے چھوڑ دے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ یہ ان کی شریعت میں مباح تھا لیکن اللہ تعالیٰ ان کی اس بات سے راضی نہیں ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جتنی عورتیں ان کے نکاح میں دیں تھیں اس کی وجہ سے ان کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

(مسلم بخاری ج ۳ ص ۵۹ دارالمعارف اعلیٰ بیروت ۱۴۲۸ھ)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس اسرائیلی روایت کو رد کر کے سورہ ص کی ان آیات کا یہی عمل لکھا ہے۔

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ علامہ محمود بن عمر زحیری حنفی ۵۳۸ھ علامہ محمد بن عبد اللہ ابن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ھ علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد المالکی القرطبی متوفی ۶۶۸ھ قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ علامہ ابو امیہان محمد بن یوسف متوفی ۵۴۳ھ علامہ شہاب الدین احمد خفایا متوفی ۱۰۶۹ھ علامہ محمد بن مصطفیٰ فوجی متوفی ۹۵۱ھ علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی التوفی ۸۶۰ھ علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر الباقی التوفی ۸۸۵ھ علامہ ابو السعد محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ شیخ صدیق بن حسن بن علی البخاری التوفی ۱۳۰۷ھ۔

ان تمام مفسرین نے ص: ۲۵-۲۴ کی تفسیر میں اس بات کو ذکر کیا ہے منقول حوالہ جات درج ذیل ہیں:

(احکام القرآن للجباص ج ۳ ص ۳۷۹ کشف ج ۳ ص ۸۳ احکام القرآن لابن العربی ج ۳ ص ۵۳-۵۴ زاد المسیر ج ۷ ص ۱۱۶-۱۱۵ تفسیر البیضاوی مع الخفایا ج ۸ ص ۱۳۳-۱۳۲ البحر المحیط ج ۹ ص ۱۵۱ شیخ زاد علی البیضاوی ج ۷ ص ۱۹۳-۱۹۴ الکازرونی علی البیضاوی ج ۵ ص ۳۳۳ مدارک المتخیل علی ہاشم المازن ج ۳ ص ۳۳ کتاب التذیل للمازنی ج ۳ ص ۳۷-۳۳ غرائب القرآن ورفاعہ الفرقان ج ۵ ص ۵۹۰ لعم الدردرج ج ۶ ص ۳۷۶-۳۷۵ تفسیر ابو السعد ج ۵ ص ۳۵۷-۳۵۸ روح البیان ج ۸ ص ۲۹-۲۸ فتح القدر ج ۳ ص ۶۲۲ روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۲۳ شیخ البیان ج ۲ ص ۱۹)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی کوئی وجہ ذکر نہیں کی البتہ انہوں نے اس اسرائیلی روایت کا بہت سختی کے ساتھ رد کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۳ مدارک المتخیل ج ۹ ص ۱۵۱)

مفسرین کرام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی جو توجیہات اور محال بیان کیے ہیں اب ہم ان کو اختصار اور تنقیص کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے استغفار کی توجیہات اور محال

علامہ محمود بن عمر زحیری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

بھی ہیں تو انہوں نے یہ بہانہ کیا کہ وہ آپ کے پاس فیصلہ کرانے آئے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ان کی اصل غرض کیا تھی آپ نے ان سے انتقام لینے کا ارادہ کیا پھر انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے کہ آیا وہ اپنے نفس کی وجہ سے غضب میں آتے ہیں یا نہیں تب انہوں نے اپنے رب سے استغفار کیا کہ انہوں نے اپنے نفس کے لیے انتقام لینے کا ارادہ کیا تھا جب کہ ان کے لائق حدود و مقررہ تھا جس سے انہوں نے عدول کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو وہ آدمی آپ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آئے تھے آپ نے ان کے لیے اپنے رب سے استغفار کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے یہی شایان شان ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۷۷۳ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

موجودہ عرف تو رات میں حضرت داؤد علیہ السلام کے کردار کو بہت بدنام کر رہی ہیں گویا یہ مجھے عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ میں اس موضوع کی چھان چھان کروں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت کے خلاف جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے بطلان کو واضح کروں فالحمد للہ رب العالمین اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش پوری کی اور مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کے دامن عصمت سے غافلین کی گرد جھانسنے کی توفیق بہت اور سعادت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنادیا ہے سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روز حساب کو بھول جاتے ہیں ۵
خلیفہ کا معنی اور اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت پر استدلال

خلیفہ کا لغوی معنی ہے جانشین نائب قائم مقام۔ علامہ رافع الصفہائی اس کا عرفی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: خلافت کا معنی ہے دوسرے شخص کی نیابت کرنا یا اس وجہ سے کہ اصل شخص کہیں چلا گیا تو یہ غیر موجودگی میں اس کا نائب ہے اور یا اس وجہ سے کہ اصل شخص فوت ہو گیا ہے اور اب یہ اس کے قائم مقام ہے اور یا اس وجہ سے کہ اصل شخص اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے عاجز ہے تو یہ اس کی ذمہ داریوں کو پورا کر رہا ہے اور یا اس وجہ سے کہ جس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اس کو ان لوگوں پر عزت فضیلت اور شرف عطا کرتا ہے جن پر اس کو خلیفہ بنایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے جو انبیاء علیہم السلام کو اور اپنے نیک بندوں کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے اس کی یہی چوٹی وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نائب ہونے سے نفوت ہونے سے اور عاجز ہونے سے پاک ہے سو اللہ تعالیٰ نے جن کو لوگوں کا خلیفہ بنایا ہے وہ ان کو دوسرے لوگوں پر عزت اور شرف عطا فرمانے کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ خَلِيفَةً فِي أَرْضِهِ.

(طہ: ۲۹)

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ.

(ص: ۲۶) ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۷۰۰ کتبہ ذر مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں بھی یہودیوں کی وضع کی ہوئی اس روایت کا رد ہے اور ان لوگوں کا بھی رد ہے جنہوں نے ص: ۲۵-۲۱ سے یہ سمجھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور یاہ کی بیوی سے نکاح کرنے کی خاطر اس کو جنگ میں بھیج کر قتل کروا دیا اگر ان آیات کا یہ مطلب ہوتا تو اس سے حاصل آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت داؤد کو عزت اور وجاہت عطا فرمانے کا

اس امر اعلیٰ روایت میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) اور یاہو کو قتل کر لیا اور پھر اس کی بیوی سے صلاح کر لیا اور یہ ایسا فعل ہے جس کو عام نیک مسلمان کے حلق بھی سخت محبہ باعث مذمت اور گناہ کبیرہ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس فعل کو اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم نبی کے ساتھ منسوب کیا جائے۔

سید بن سینہ اور حادثہ انور روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے حضرت داؤد کے حلق اس روایت کو بیان کیا میں اس کو ایک سو ساٹھ کوزے ماروں گا اور انبیاء علیہم السلام پر جہنم لگانے والے کی بھی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالمطلب کے سامنے ایک شخص نے کہا: یہ جھوٹی روایت ہے۔ قرآن مجید میں اس قصہ کے متعلق جو بیان کیا گیا ہے اس کے خلاف بیان کرتا جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالمطلب نے کہا: اس شخص کی بات سننا میرے نزدیک ان تمام چیزوں سے زیادہ جیسی ہے جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

(الکتاب فی جہۃ ۸۳، ۸۴، اراحدارائے آخر فی وجوہ حاشیہ)

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی التوفی ۷۵۹ھ تکتے ہیں:

یہ اسراٹکل روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے اور معنی کے اعتبار سے جائز نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام ایسے فعل سے معذور ہیں حضرت داؤد علیہ السلام پر جس وجہ سے کتاب کیا گیا تھا اس کے بارے میں:

- (۱) حضرت داؤد علیہ السلام نے اور یاہ سے کہا: تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو اور اس کو میرے سپرد کر دو۔
(۲) حضرت داؤد علیہ السلام نے اس عورت کو دیکھ کر کہا: تم کی بیوی تھی: کاش! وہ میری بیوی ہوتی! پھر اتفاق سے اس کا خاوند چہرہ میں گیا اور ہلاک ہو گیا! اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کسی کارروائی کا دخل نہیں تھا۔ جب آپ کو اس کی موت کی خبر پہنچی تو آپ کو اس کی موت پر اتنا غصہ نہیں ہوا جتنا دوسرے سپاہیوں کی موت پر غصہ ہوتا تھا! پھر آپ نے اس کی بیوی سے عقد کر لیا۔

(۳) اس کی بیوی پر آپ کی نظر اتنا ٹانگا پڑی پھر آپ نے نظر نہیں بنائی اور اس کو دیکھتے رہے۔

(۴) انور یار نے اس صورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا اس کے علم کے باوجود حضرت داؤد نے اس کو نکاح کا پیغام دیا اس سے انور یار کو رنج ہوا۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۱۶۶، مکتب اسلامیہ چریت، ص ۴۳۵)

امام غفر اللہ عنہ محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اسرائیل روایت کا رد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عقاب کے چار محل ذکر کیے ہیں تین محل وہ ہیں جن کو علامہ ابن جوزی نے نمبر ۱۳ نمبر چار میں بیان کیا ہے اور چوتھا محل یہ بیان کیا ہے کہ اور چار یاہ کی بھئی کی وجہ سے آپ پر عقاب نہیں ہوا بلکہ اس وجہ سے آپ پر عقاب ہوا کہ آپ نے ایک فریق کی بات سے بغیر دوسرے فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۸۱-۳۸۲ دارالحدیث لاہور ص ۱۳۷۵)

علامہ ابو امیّان محمد بن یوسف اندلسی حنفی ۵۳ھ نے لکھا ہے کہ آنے والے دو آدمیوں کے حعلق آپ نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ آپ کو خوررجی پہنچانے آئے ہیں لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو آپ نے ان کے حعلق قلعہ گمان پر اشدّ تعاقب سے استغفار کیا۔
(المحرر الکبیر ج ۵ ص ۵۵۱ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوی متوفی ۱۳۷۰ھ نے لکھا ہے:

جود و آدمی آئے تھے وہ آپ کو قتل کرنے یا ایذا پہنچانے آئے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ آپ کے پاس اور لوگ

انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصاً خلیفۃ اللہ ہونا

اب یہ سوال ہے کہ یہ قانون کس کا بنایا ہوا ہو؟ اگر انسان اس قانون کو بنائے گا تو اڈل تو وہ ناقص ہوگا، کامل اور جامع نہیں ہوگا اور زندگی کے تمام شعبوں پر محیط اور حاوی نہیں ہوگا، تائیداً جو انسان بھی اس قانون کو بنائے گا وہ اس قانون میں اپنی رعایت اور اپنے حقوق کا دروازہ رکھے گا، اس میں تمام انسانوں کے لیے مساوات اور یکسانیت کے اصول نہیں ہوں گے اس لیے ضروری ہے کہ اس قانون کی خالق کوئی انسانوں سے باوراء ذات ہو جس کے پیش نظر اپنا کوئی ذاتی مفاد نہ ہو اور اس کی نظر انسانیت کے تمام شعبوں پر ہو اور قیامت تک کے بدلنے ہوئے حالات اس کے علم میں ہوں اور ایسے کامل علم والی اور بے غرض ذات صرف ایک ہی ہے اور وہ اللہ عزوجل کی ذات ہے جو انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور اس کی تمام ضروریات کو انسانیت کے تمام شعبوں کو اور قیامت تک کے بدلنے ہوئے حالات کو جاننے والا ہے اسی کا بنایا ہوا قانون تمام انسانوں کے لیے یکساں قابل عمل ہے اور قیامت تک کے تمام اداری کی ضرورتوں اور تقاضوں کا مستعمل ہے اور اس قانون کو اللہ تعالیٰ ہر دور میں وحی کے ذریعہ اپنے نبیوں اور رسولوں پر نازل فرماتا رہا ہے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو نبی اور رسول بھیجے جاتے تھے وہ ایک مخصوص علاقے، مخصوص زمانے اور مخصوص قوم کے رسول ہوتے تھے تو ان پر ان کی عبادات اور معاملات کے لیے جو احکام نازل کیے جاتے تھے وہ احکام بھی ایک مخصوص وقت تک کے لیے ہوتے تھے ان کی تہذیب و تمدن اور ان کی ثقافت اور ان کے زمانہ کے مخصوص حالات کے تقاضوں کے اعتبار سے وہ احکام نازل کیے جاتے تھے اور وہ احکام وقتی اور عارضی ہوتے تھے اور جب کوئی دوسرا نبی آتا اور حالات بدل جاتے تو وہ سابقہ احکام منسوخ کر کے نئے احکام نازل کر دیے جاتے اور یہ سلسلہ میں ہی چلتا رہا تا آنکہ ہمارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے اور آپ کو رنگ و نسل، علاقہ اور زمانہ کی تمیز اور تخصیص کیے بغیر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا قَلِيلًا مِّنَ النَّبِيِّينَ لِيُبَيِّنَ لَكُمُ الْآيَاتِ وَالْيُسْرَىٰ (سہارہ)

ثُمَّ لَآتِيَنَاكَ الْبُرْجَانِ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان: ۱)

ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام انسانوں کے لیے ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ وہ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے محرم بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی، تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہو۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (نہا: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قیامت تک قائم اور نازد رہنے والے احکام دے کر بھیجا اور جو احکام تمام انسانوں کے لیے قیامت تک نافذ العمل ہیں ان کا نام اس نے اسلام رکھا اور فرمایا:

أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُم دِينَكُمْ وَانْتَشَرْتُ عَلَيْكُمْ بُرْجَانِ وَرَحْمَةً لِّكُلِّ أُمَّةٍ وَدِينًا (المدثر: ۳)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمہارے لیے اپنی رحمت کو مکمل کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند کر لیا۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو

کیوں ذکر فرماتا۔

امام رازی فرماتے ہیں: خلیفہ کا معنی ہے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرتا ہے اور اس سے متصل پہلی آیتوں کا معنی یہ ہوتا کہ حضرت داؤد نے اور یسا کی بیوی پر قبضہ کرنے کے لیے اس کو سردار دیا تو اس کے متصل بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا کیوں ذکر فرماتا کیونکہ خلیفہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زمین سے جتنے فساد اور خونریزی کو دور کرنے کے لیے اس شخص کو خلیفہ بنایا جاتا ہے جو اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے کسی کو جان قتل کرے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۶، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۷)

انسانی معاشرہ میں خلیفہ کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت اور طبیعت کو اس طرح بنایا ہے کہ وہ مل جل کر زندگی گزارتا ہے۔ یہ ایک ایسا انسان تھا اپنی تمام ضروریات کا تکفل نہیں ہو سکتا اس کو زندہ رہنے کے لیے قدرتی فطرت سے اور خدا کا وحی و نصرت اور زمین کی بیہودہ نعمتیں ہوتی ہیں زمین کی پیداوار میں گندم جو پتہ اور چاول ہیں اور زمین اور سرسبز جگہوں میں پیدا ہونے والی مختلف قسم کی پھل جیسے اسی طرح متعدد اقسام کے پھل ہیں جو سال کے مختلف موسموں اور ایام میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح جانور کا گوشت مختلف جانوروں سے حاصل ہوتا ہے انسان کو اپنی نشو و نما اور جانی تکلیف اٹھانے کی، اپنی چال و چلن اور بچوں کی فطرت، وراثت ہوتی ہے۔ ایک انسان تھا ان تمام ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا پھر انسان کو اپنے ساتھ وحشیانہ فطرت سے لے کر لباس کی فطرت ہوتی ہے اس روٹی کو کات کر کپڑا بننے سے حاصل ہوتا ہے اور اب پتہ انہیوں سے بھی بنتا ہے جو پتہ دیکھ کر حاصل ہوتا ہے اور ان کی بھی انہی قسم کے اقسام ہیں اور کھانا پکانے اور روٹی اور پتہ سے پتہ اٹھانے کے لیے مشینوں کی فطرت ہوتی ہے جو وہ اپنے ہاتھوں سے مختلف احوال سے حاصل ہوتی ہے اور یہ ان اقسام کی مشینیں اور ان کے کارخانے ہیں پھر انسان کو سردی، گرمی اور برسات سے محفوظ رہنے کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور اب مکان سینٹ، بکری، چتر، مٹی، گوتے اور لکڑی سے بنتے ہیں ان کو بنانے کے لیے ایک الگ نوع کے کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے اور انسان کو اپنی نسل کو بڑھانے کے لیے نکاح کی ضرورت ہوتی ہے اور انسان بچہ پر بھی پڑ جاتا ہے تو اس کے لیے مہمان اور معالجہ کی فطرت ہوتی ہے۔ اس کے لیے صحر طب کی ضرورت ہوتی ہے اور جن اجناس سے دوائیں بنتی ہیں ان اجناس کو تلاش کرنا ان سے دوائیں بنانا اور سر جری سے آلات بنانا ان کے لیے کارخانے بنانے اور چلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم کے حصول اور تحصیل کے لیے کتابیں سمیٹنے اور چھاپنے کی ضرورت ہے درس گاہیں بنانے کی ضرورت ہے پھر جب انسان مر جائے تو اس کو غسل دینے، کفن پینے، اس کی نماز جنازہ پڑھنے، اس کی قبر کھودنے اور اس کو دفن کرنے کے لیے ایک الگ نوع کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے غرض یہ کہ ایک انسان تھا اپنی تمام ضروریات کا تکفل نہیں ہو سکتا، اکیلا زندگی نہیں گزار سکتا اس کو پیدا ہونے، سمیٹنے اور مرنے میں دوسرے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اہل عالم انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر زندگی گزارتی ہے۔

پھر ایک انسان اپنی ضرورت کی چیزیں دوسرے انسان سے حاصل کرتا ہے اگر ان چیزوں کے حصول کے لیے کوئی اصول اور قانون نہ ہوتا ہرزور آور قبر اور جبر کے ذریعہ اپنی ضرورت کی چیزیں دوسرے انسان سے حاصل کر لے گا۔ لہذا نظم کا دور دورہ ہوگا پھر مظلوم کا بے کو عالم کے لیے اس کی ضرورت کی چیزیں فراہم کرتا رہے گا اور جوں جوں علم اور برہنیت کے باوجود عالم جہنم سے زندگی بسر کرے گا نہ مظلوم اور غم اور جبر کی وجہ سے انسانوں کا معاشرہ عملاً جانوروں کا جھانسا بن جائے گا جس طرح جنگل میں بھیلوں کا یوگا بھیلوں کے کچے پر چلنے کے ذریعہ گزارتا ہے۔

میں خواہش کی اتباع کرنے پر عذاب کی وعید سنائی ہے تو تم اس وعید کے زیادہ مستحق ہو! اللہ کا نام تو پہلے ہی خواہش کی اتباع سے بہت دور ہوتا ہے اور اس کے دل میں ہے پناہ اللہ کا اور خوف ہوتا ہے سو اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خطاب ہے اور مردان کی امت اور بعد کے لوگوں کو تقریش کرتا ہے۔

خلافت علی منہاج النبوت کی تحقیق

عن جابر بن سمرقہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشر خلیفۃ (الی قولہ) کلہم من قریش (صحیح البخاری رقم الحدیث ۲۴۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۲۱) سے ہوں گے۔

حضرت جابر بن سمرقہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہمارے خلیفہ پورے ہونے تک اسلام کو غلبہ رہے گا اور فرمایا: وہ سب خلفاء قریش سے ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں ایک حیثیت سے آپ مہمہ دہی الہی تھے اس حیثیت سے آپ احکام الہی کی تبلیغ کرتے اور فرائض رسالت بجالاتے اور دوسری حیثیت سے آپ مسلمانوں کے امیر قائم اور رہنما تھے اس حیثیت سے آپ اسلامی ریاست کے خارجی اور داخلی امور کی تدبیر فرماتے تبلیغ اسلام کے لیے جہاد فرماتے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھواتے اور اندرون ملک احکام الہیہ کو عملی طور پر نافذ فرماتے آپ کے وصال کے بعد آپ کی پہلی حیثیت کا سلسلہ بطور نبوت تو منقطع ہو گیا لیکن آپ کی دوسری حیثیت خلفاء کے روپ میں قائم و دائم رہی اور آپ کی اسی حیثیت کی جانشینی کا نام خلافت ہے۔

آیت استخلاف کی تحقیق

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَعَاذَ اللَّهِ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِبُوا إِلَيْكُمْ وَعِلْمُ الْغُيُوبِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُ فِي الْآرْضِ نَحْنُ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِبُوا إِلَيْكُمْ وَيَكْتُمُوا كَلِمَتَنَا فَإِن تَوَلَّوْا لَيَكُونَنَّ مِنكُم مَخْلُوفُونَ وَإِن تَوَلَّوْا لَيَكُونَنَّ مِنكُم مَخْلُوفُونَ وَإِن تَوَلَّوْا لَيَكُونَنَّ مِنكُم مَخْلُوفُونَ

(النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان میں سے بعض کے ساتھ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور اللہ تعالیٰ ان کے اس دین کو بھی غالب کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو ضرور امن اور یقین سے بدل دے گا۔

خلافت کے موضوع پر اس آیت کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے ہم خلافت کی تحقیق میں اس آیت کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے ہر بر مسلمان سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے یا بعض مسلمانوں سے؟ ہر بر مسلمان سے اس وعدہ کا ہونا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ واقع میں ہر بر مسلمان کو روئے زمین کا خلیفہ نہیں بنایا گیا۔ مثلاً جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو خلیفہ بنایا گیا یا جس طرح فرعون کے بعد بنی اسرائیل کو زمین پر نصب دیا گیا اس طرح ہر مسلمان کو زمین کا خلیفہ نہیں بنایا گیا یا جس طرح مسلمانوں کا ہر ہر فرد زمین پر خلیفہ اور صاحب اقتدار ہونا چاہیے یہ عقیدہ بھی باطل ہے کیونکہ جب ہر شخص خلیفہ صاحب اقتدار اور حاکم ہو تو پھر حکومت کون ہوگا؟ بلکہ اس سے ہر شخص کا حکم اور حقوق ہونا لازم آئے گا اور یہ بدیہہ باطل ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں خلافت سے اقتدار مراد نہیں ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے تصرف کرنا مراد ہے تو اس معنی میں مسلمانوں اور نیک کاروں کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ

(آل عمران ۸۵) اس سے ہرگز اس وجہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے اب قیامت تک صرف اسلام کے احکام ہی قابل عمل ہیں اور وہی صحیح حاکم ہوگا جو اسلام کے احکام نافذ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھی زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور نیک مسلمانوں کو بھی زمین میں خلیفہ بنایا ہے انبیاء علیہم السلام کے حلق فرمایا:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ كَفَرْنَا أَنَّا قَاتِلُهُمْ قَاتِلُوهُمْ فَلَا تُخَفُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (البقرہ: ۱۹۰)

اور جب آپ سے رب نے فرشتوں سے فرمایا ہے کہ تم زمین میں خلیفہ بنانا ہے؟ ہوں۔

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا جَعَلْنَاكُم خُلَفَاءَ فِي الْأَرْضِ (النساء: ۵۹)

اور نیک مسلمانوں کو زمین میں خلیفہ بنانے کے حلق فرمایا:

وَمَا كُنْزِي بِمَعْلُومٍ خَلَفْتُ الْأَرْضَ (النساء: ۶۵)

اور نیک مسلمانوں کو انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے خلیفہ اللہ قرار دیا جاتا ہے۔

خلیفہ کا خواہش کی اتباع کرنا کیوں عذاب شدید کا موجب ہے؟

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور جب بہت سے لوگ ایک جگہ مل کر رہتے ہیں تو ان کے درمیان اختلافات اور تنازعات بھی پیدا ہوتے ہیں اس وقت کسی ایسے صاحب اقتدار انسان کا ہونا ضروری ہے جو ان کے تنازعات کے درمیان فیصلہ کرے اور یہ ضروری ہے کہ وہ انسان اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے فیصلہ میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جو دوسرا فریق اس کے پاس مقدمہ لے کر آئے ہوں ان میں سے ایک اس حاکم کا عزیز یا رشتہ دار ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی“ بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روز حساب کو بھول جاتے ہیں (مت: ۲۴)

خواہش کی اتباع کرنا انسان کو لذات جسمانیہ میں متہمک رکھتا ہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے سے غافل ہو جاتا ہے اور وہ جس کے مرغوبات کو حاصل کرنے میں مصیبت کی دلدل میں ڈوبنے لگتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ ہم حساب کو بھول جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک امر آخرت کے عذاب شدید کا موجب ہے۔ اس آیت میں ہر چند کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب کیا گیا اور ان کو خواہش کی اتباع کرنے پر آخرت کے عذاب کی وعید سنائی ہے لیکن اس خطاب میں ان کی امت اور بعد کے مسلمانوں کو اس پر متنبہ کرنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی مقدمات کے فیصلے

ہی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة
الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان
الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب
الجيش والغرض للمقاتلة واعطائهم من الفنى
والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم
والامر بالمعروف والنهي عن المنكر نهاية عن
النبي صلى الله عليه وسلم.

(ازلہ الخلاء ج ۳ ص ۲۶ مطبوعہ سبیل الایضیٰ لاہور ۱۳۹۶ھ)

پھر ریاست عامہ کی تفصیل کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور سنت کی تعلیم دیتے تھے اور وقت و نصیحت کرتے تھے جمعہ عید اور پانچوں نمازوں کی جماعت
کراتے تھے ہر محلہ میں نماز کا امام مقرر کرتے تھے مال و داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین پر خرچ کرتے تھے ہلال رمضان
اور ہلال عید کی شہادت قبول کرتے اور اس کے مطابق رمضان اور عید کا اعلان فرماتے تھے حج کو قائم کرتے تو ہجری میں حضرت
ابو بکر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا اور مسلمانوں کے حج کا انتظام فرمایا جہاد کا اہتمام فرماتے اور لشکر تیار کرتے اس کا امیر مقرر
فرماتے لوگوں کے مقدمات میں فیصلہ فرماتے اسلامی شہروں میں قاضی مقرر کر کے بھیجتے حدود قائم فرماتے جنگی کا حکم دیتے
اور برائی سے روکتے اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے تب بھی دین کو اسی تفصیل کے ساتھ قائم
کرنا واجب ہے اور دین کو اس تفصیل کے ساتھ قائم کرنا اس پر موقوف ہے کہ ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو ان احکام کو نافذ
کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے نائبین کو دیگر شہروں میں بھیجے اور ان کی کارگزاری سے باخبر رہے اور وہ نائبین اس کے احکام
سے تہاؤ نہ کریں اور اس کی ہدایات کے مطابق کام کریں اور ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور آپ کا نائب مطلق
ہوگا اور ہم نے جو خلافت کی تعریف میں کہا ہے کہ خلیفہ کو اقامت دین کے لیے ریاست عامہ حاصل ہو اس سے ہماری سبکی مراد
ہے نیز ہم نے خلافت کی تعریف میں جو یہ کہا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو کر ریاست عامہ کا حامل ہو اس قید سے
ہم نے نبوت سے احتراز کیا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام استقلالاً ریاست عامہ کے حامل ہوتے ہیں نیابت نہیں ہوتے ہر چند
کہ قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ فرمایا ہے لیکن اس سے خلافت الہیہ مراد ہے کیونکہ اللہ کا خلیفہ نبی ہوتا ہے اور
ہماری بحث خلافت نبوت میں ہے اسی لیے حضرت ابو بکر فرماتے تھے: مجھے اللہ کا خلیفہ نہ کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
خلیفہ ہوں۔ (ازلہ الخلاء ج ۳ ص ۲۶ مطبوعہ سبیل الایضیٰ لاہور ۱۳۹۶ھ)

علامہ سید محمد شریف جرجانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو خلافت کی تعریف کی ہے وہ امامت کبریٰ اور ریاست عامہ ہے
جس میں امام اور خلیفہ دوئے زمین کے تمام مسلمانوں کا فرمانروا اور تمام ممالک اسلامیہ کا امیر ہوتا ہے اور تمام امت مسلمہ پر
اس کی اتباع واجب ہوتی ہے خیال رہے کہ ممالک اسلامیہ میں سے ہر ملک کا سربراہ خلیفہ نہیں ہوتا اور نہ وہ امامت کبریٰ اور
ریاست عامہ کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ ہم مقرر کیا اللہ جان کریں گے۔

خلافت کی شرائط

علامہ ابو الحسن علی دہلوی مدنی ۶۱۷ھ لکھتے ہیں:

اس مہی میں تمام اولاد آدم اللہ کی خلیفہ ہے۔ چنانچہ اس آیت میں "مَنْ" سمجھیں گے کہ کون کون حسن ابتدائی چاہیے یا زائد یہاں حضور نہیں ہے اور یہ اس بات کی واضح نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بعض صالح مسلمانوں سے فرمایا ہے نہ کہ سب مسلمانوں سے اور اس آیت کے بلا واسطہ مخاطب حضرات صحابہ کرام تھے اور جس وقت سورہ نور نازل ہوئی اس وقت مسلمانوں پر حالت خوف طاری تھی کیونکہ اس وقت تک سر زمین حجاز میں اسلام کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں اس کے کچھ عرصہ بعد یہ وعدہ پورا ہوا جب نہ صرف یہ کہ اسلام سر زمین حجاز میں پھیلا بلکہ خطِ عرب سے لے کر براعظم ایشیا اور براعظم یورپ میں انیس تک اڑائیں گونجے لگیں اور اسلام کا یہ عظیم الشان غلبہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں حاصل ہوا۔ اس لیے آیت اشکاف کے اولین صدیق خلفاء ثلاث ہیں کیونکہ انہیں کے دور میں اسلام کو فتوحات حاصل ہوئیں حضرت علیؓ کا دور خلافت مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال میں گزر رہا اور ان کے دور میں اسلام کو فتوحات زیرِ غلبہ حاصل نہیں ہو سکا۔

اگر "مَنْ" سمجھیں گے صرف نعرہ کر لی جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امت مسلمہ کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے تو یہ تو بالکل غلط ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد اقتدار اعلیٰ کا حامل نہیں ہو سکتا اس لیے اب یہ معنی مراد ہو گا کہ ہر مسلمان اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہر شخص فرداً اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سَوِّقْتُمْ مِنْ سَبْعِ مَفْضَلٍ حَامٍ" اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوئی "مرد اپنے اہل خانہ کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پرسش ہوئی اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں پرسش ہوئی اور تو اپنے مالک سے مال میں حاکم ہے اور اس سے اس کے بارے میں پرسش ہوئی" "سَوِّقْتُمْ مِنْ سَبْعِ مَفْضَلٍ حَامٍ" اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۵۹۳ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۸۶۰ سنن ترمذی رقم الحدیث ۱۰۰۵) اس معنی کے لحاظ سے اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلامی حکومت میں تمام مسلمان اقتدار میں شریک ہوتے ہیں اور مسلمانوں کا امیر صرف انتظامی سربراہ ہوتا ہے ریاست کا یا مسلمانوں کا مالک نہیں ہوتا اور یہ کہ ریاست کا ہر باشندہ خلافت اور حکومت میں برابر کا شریک ہوتا ہے ریاست میں نسلی یا طبقاتی امتیازات کا کوئی تصور نہیں ہوتا اس لیے ریاست کے تمام باشندے ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے اور جس شخص میں ترقی کی جس قدر صلاحیت اور قابلیت ہوگی وہ اس قدر آگے بڑھ سکے گا۔

خلافت کی تعریف

علامہ میر شریف لکھتے ہیں:

قال قوم من اصحابنا الامامة رياسة عامة
فی امور الدین والدنيا ونقض هذا التعريف
بالنبوة والاولی ان يقال هی خلافة الرسول فی
الامامة الدین وحفظ حوزة الملة بحيث تنبأه
على کافة الامة.

(شرح مرائف ص ۷۷ طبع مکتبۃ دار الفکر دہلی)

اتباع واجب ہو۔

شاہ ولی اللہ دہلوی خلافت عامہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

کر کے اس کی بیعت کر لیں جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اس کے لیے ان لوگوں کا بیعت کرنا ضروری ہے جو اس وقت میسر ہوں اور تمام ممالک اسلامیہ کے ارباب مل و عقد کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ عاقلہ محال ہے اور ایک دو آدمیوں کا بیعت کرنا کافی نہیں ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس طریقہ سے بیعت کی گئی تھی۔

(۲) خلیفہ وقت کسی ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر دے جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اور لوگوں کو جمع کر کے اس کو خلیفہ بنانے کی تصریح کر دے اور لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کر دے اور قوم پر اس شخص کو خلیفہ بنانا لازم ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

(۳) تیسرا طریقہ شورشی کا ہے یعنی خلیفہ چند اہل لوگوں کی ایک جماعت کو منتخب کرے اور یہ کہے کہ اس جماعت میں سے جس فرد کو بھی منتخب کر لیا جائے وہ خلیفہ ہو گا۔ یعنی خلیفہ وقت کی موت کے بعد لوگ مشورہ کریں اور کسی ایک کو خلافت کے لیے معین کریں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی طرح ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلافت کے لیے چھ افراد کا اعلان کر دیا تھا اور ان چھ افراد نے یہ معاملہ حضرت عبدالرحمان بن عوف کے سپرد کر دیا تھا اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا۔

(۴) چوتھا طریقہ طلبہ کا ہے یعنی ایک شخص بغیر بیعت کے اور بغیر کسی کے خلیفہ بنانے کے از خود خلافت پر قابض ہو جائے اور تمام لوگوں کو تالیف قلوب یا جبر اور طاقت کے ذریعے اپنا تابع کرنے اس طرح بھی خلافت منفق ہو جاتی ہے اور لوگوں پر اس کے احکام کی اطاعت لازم ہوتی ہے بشرطیکہ وہ احکام خلاف شرع نہ ہوں اور اس کی (یعنی حلقہ کی) پھر دو قسمیں ہیں:

(۱) حلقہ ایسا شخص ہو جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اور وہ صلح اور حسن تدبیر سے اپنے مخالفین کو تابع کرے اور اس کے لیے کسی امر حرام کا ارتکاب نہ کرے خلافت کی یہ قسم جائز ہے اور اس میں رخصت ہے۔ حضرت علی کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت اسی قسم کی تھی۔

(ب) حلقہ شرائط خلافت کے مطابق نہ ہو اور عمرات کا ارتکاب کرے اور بزور جنگ لوگوں کو تابع کرے۔ خلافت کی یہ قسم جائز نہیں ہے اور اس کا مرتکب گنہگار ہے لیکن اگر اس کے احکام شریعت کے مطابق ہوں تو ان کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر مال دار لوگ اس کے کارندوں کو ذکوۃ دیں تو ان سے ذکوۃ ساقط ہو جائے گی اور اس کے مقرر کردہ قاضیوں کے فیصلے نافذ ہوں گے اور اس کی معیت میں جہاد کرنا جائز ہو گا اس خلافت کو منفق قرار دینا ضرورت کی بناء پر ہے کیونکہ اس کے معزول کرنے کو اگر ضروری قرار دیا جائے تو اس سے قتل و غارت اور خونریزی ہوگی اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ بسا اوقات غارت کے بعد اگر اس کو معزول کر بھی دیا جائے تو دوسرا حلقہ شرائط خلافت کا اہل ہو گا بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرا حلقہ پہلے حلقہ سے زیادہ بڑا ہو اس لیے اس کو معزول کرنے میں تذبذب اور سدا بقیہتی ہے اور خیر اور اصلاح کا حصول موبہوم ہے عبدالملک بن مروان اور عطاء عباسیہ میں سے اوائل کی خلافت اسی قسم کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا چند اشخاص کی جماعت اپنے زمانہ میں خلافت کی شرائط کے حامل ہوں یا ایک شخص سب سے افضل ہو جب بھی اس کی خلافت اس وقت تک منفق نہیں ہوگی جب تک اس کی بیعت نہ کر لی جائے یا وہ طلبہ سے حکومت حاصل نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اہل کی طرف منتقل ہونے کے بعد صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور فقہان کے افضل ہونے پر اکتفاء نہیں کی۔ اہل علم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ حضرت علی کی

امامت کی اہلیت کے لیے سات شرطیں مستحکم ہیں۔

(۱) عدالت اپنی جامع شرائط کے ساتھ موجود ہو (یعنی وہ شخص مسلمان ہو اور فرائض اور واجبات پر اہم عمل کرتا ہو اسلئے اور مستحکمات پر بکثرت عمل کرتا ہو اور عمر بات اور عروہات قویہ سے اس کا انتخاب کرتا ہو اور عروہات خالیہ سے بھڑکتا ہو۔ سعیدی غفرلہ)۔

(۲) اس کو اس قدر علم حاصل ہو جس سے وہ پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے سے لیے اہلیت اور صلاح ہو۔

(۳) اس کے حواس سلامت ہوں یعنی سماعت بصرات اور کوئی چوری طرح کا عورتی ہو۔

(۴) اس کے اعضاء صحیح اور سلامت ہوں تاکہ وہ کوئی کام نہ کرے۔

(۵) وہ صاحب رائے ہو جس سے وہ ملک کے داخلی اور خارجی مسائل کی ذمہ داریاں سنبھالے۔

(۶) وہ شجاع اور بہادر ہو تاکہ ملت بیضہ کی حفاظت اور دشمنوں سے جہاد میں مدد دے سکے۔

(۷) وہ شخص نسبتاً قریش ہو کیونکہ بکثرت احادیث میں اس کی تائید ہے اور مسلمانوں کا اس پر ایمان ہے۔

(۸) وہ مسلمان ہو اور اسلام قبول کرنے والا ہو۔

علامہ تھکنازانی متوفی ۱۱۷۷ھ نے ان شرطوں کے علاوہ پانچویں شرطیں بھی بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) وہ شخص آزاد ہو کیونکہ غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور انہوں کی نگاہوں میں حق ہوتا ہے۔

(۲) وہ شخص مرد ہو کیونکہ (حدیث صحیح کے مطابق) عورتیں ناقصات عقل و فہم ہیں۔

(۳) وہ شخص عاقل اور بالغ ہو کیونکہ بچہ اور مجنون ملک اور جماعت کی تعلیمات اور ان میں تدبیر کرنے سے قاصر ہے۔

(۴) غنیف کے لیے مخصوص ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ غنیف راشدین موصوم نہیں تھے۔

(۵) غنیف کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام دلوں سے افضل ہو کیونکہ خلافت عمر کے انتخاب غنیف کے لیے چھ

شخص مقرر کیے تھے اور ان میں بعض بعض سے افضل تھے۔

علامہ تھکنازانی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ غنیف فقیہ و فہم کے انتخاب سے معذور ہونے کا مستحق نہیں ہوتا کیونکہ غنیف

راشدین کے بعد انہ (غنیف) اور حکام سے حکم اور فقیہ غلام ہوا اور صحابہ اور اخیار تابعین ان کی اطاعت کرتے تھے اور ان کی

اجازت سے جمعہ اور عید کی نمازوں کو قائل کرتے تھے اور ان کے خلاف خروج (بغوت) کرنے کو نہ پڑا کرتے تھے۔

(۶) غنیف کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہو اور اسلام قبول کرنے والا ہو۔

واضح رہے کہ یہ امام اور غنیف کی شرائط ہیں جو تمام ملکی اسلامیہ اور تمام عالم اسلام کا براہِ نبوت ہے کسی ایک ملک کے

سربراہ کے تقرر کے لیے یہ شرائط نہیں ہیں نہ اس زمانے میں بعض مقلد علماء نے بھی اس معاملہ میں دھوکا کھایا اور خلافت جہاں کی

شرائط کو ایک ملک کی سربراہی پر محمول کیا اور مملکت پاکستان کی سربراہی کے لیے بھی قریشی ہونے کو لازمی شرط قرار دیا۔

قریشی ہونا تمام عالم اسلام کی سربراہی کے لیے شرط ہے کسی ایک ملک کی سربراہی کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔

خلافت منعقد کرنے کے طریقے

شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

خلافت کا انعقاد چار طریقوں سے ہوتا ہے:

(۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ علماء فقہاء امراء اور دیگر قابل ذکر لوگوں میں جو لوگ عل و مقدر کے دہل ہوں وہ کسی ایسے شخص کو منتخب

کوئی شخص منتخب ہو کر عمران بن جاثا ہے تو اس کی حکومت صحیح ہوگی جس طرح حلقہ کی حکومت صحیح ہوتی ہے اور اس کے جو احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں ان میں اس کی اطاعت لازم ہوگی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے جس

كَفَرُوا أَفَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ النَّارَ ۖ أَمْ يُجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا

کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے ۝ کیا ہم ایمان والوں کو جہنم نے نیک اعمال کیے ہیں

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ أَمْ يُجْعَلُ الْمُتَّقِينَ

زمین میں فساد کرنے والوں کی مثل بنا دیں گے یا ہم پر پیڑھا گاروں کو بدکاروں کی مثل بنا دیں

كَالْفَجَّارِ ۖ كَتَبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ

۝ یہ (قرآن) برکت والی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ (لوگ) اس کی آیتوں میں

أُولَ الْأَكْبَابِ ۖ وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ ۖ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۖ

غور و فکر کریں اور صہبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں ۝ اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا فرمایا وہ کیسا اچھا

إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعِشِيِّ الصُّفْنَتُ الْيُحْيَادُ ۖ فَقَالَ إِنِّي

بندہ ہے جب وہ بہت رجوع کرنے والا ہے ۝ جب اس کے سامنے پچھلے پہر سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے ۝

أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۖ حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۖ

تو اس نے کہہ دیے شک میں نے نیک مال کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے ہو کر

رُدُّوَهَا عَلَيَّ فُطِفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ۖ وَلَقَدْ فَتَنَّا

ہو گئے ۝ تو اس نے غم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دو ہاتھ میرے سامنے لادنا پھر وہ ان کی پندلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے ۝ اور ہم

سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ۖ قَالَ رَبِّ

نے سلیمان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈالا دیا پھر انہوں نے (میری طرف) رجوع کیا ۝ انہوں نے دعا کی

خلافت ابن طریقوں میں سے کس طریقہ سے مستند ہوئی ہے؟ اکثر علماء کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں جو مہاجرین اور انصار موجود تھے انہوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ حضرت علی شوریٰ کے فیصلہ کے نتیجہ میں خلیفہ منتخب ہوئے کیونکہ شوریٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ خلیفہ کا حضانہ ہوں گے یا علی اور جب حضرت حسان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی خلافت کے لیے متعین ہو گئے لیکن یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔ (ازلہ الغماص ج ۶ ص ۱۵۵)

خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے شرائط

علامہ ابوالحسن باوردی نے خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے بھی تین شرطیں مقرر کی ہیں:

- (۱) انتخاب کرنے والے عادل ہوں (یعنی فرائض وغیرہ پر داعی عمل کرنے والے اور عورات سے دھانچنے والے۔ سعیدی مغرل)
- (۲) ان کو اس قدر علم ہو کہ استحقاق خلافت کی کیا شرائط ہیں اور کون شخص منصب کا اہل ہے اور کون نہیں۔
- (۳) وہ صحیح رائے اور حسن تدبیر کے حامل ہوں تاکہ وہ صحیح تر اور سوزوں تر شخص کو منتخب کر سکیں۔

(۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰)

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کا فرق

- موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کے درمیان کئی وجہ سے فرق ہے جس کو ہم یہاں اختصار سے بیان کر رہے ہیں:
- (۱) مغربی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہے جب کہ اسلام میں اقتدار اور حاکمیت صرف اللہ کی ہے سربراہ مملکت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نافذ کرنے کا مجاز ہے۔
 - (۲) مغربی جمہوریت میں قانون وضع کرنے کی اقتداری اور معیار "اکثریت" ہے اور اسلام میں معیار "حق" ہے جس کا فیصلہ امام اور مستند علماء کتاب سنت اجماع اور اقوال مجتہدین کی روشنی میں کریں گے۔
 - (۳) مغربی جمہوریت میں مدت انتخاب چوری ہونے کے بعد یا اس سے پہلے اکثریت کے فیصلہ کی بناء پر سربراہ مملکت کو معزول کیا جاسکتا ہے اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت اس وقت تک اپنے عہدے پر قائم رہے گا جب تک وہ اسلام پر قائم ہے۔
 - (۴) جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ دار کو منتخب کرنے کے لیے کوئی معیار نہیں اور ہر کس و نا کس کو ووٹ دینے کا حق ہے جب کہ اسلام میں یہ حق صرف ارباب علم و عقد کا حاصل ہے۔
 - (۵) جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ کے امیدوار کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ تقابلی اہلیت اور صالحیت کی کوئی شرط نہیں ہے جس کے نتیجہ میں عورت ہو یا مرد پڑھا لکھا ہو یا جاہل نیک ہو یا بدعاش پیسے اور اور ذروں کے زور پر اس کی سبلی پہنچی کر قانون ساز اقتداری کا ممبر بن جاتا ہے اسی طرح وزارت عظمیٰ کے امیدوار کے لیے بھی کوئی معیار نہیں ہے اور قومی اسمبلی میں جتنے والا ہر ممبر وزارت عظمیٰ کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے دفتر میں ٹھکر بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کا معیار ہے اور ملک کے استے بڑے عہدے کے لیے کوئی معیار نہیں رکھا گیا اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت کے لیے شرائط مقرر کی گئی ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔
 - (۶) مغربی جمہوریت کے طریقہ انتخاب میں امیدوار اپنے آپ کو منصب کے لیے پیش کرتا ہے اور اس کے لیے کوئی ٹیک کرتا ہے جب کہ اسلام میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے اس کی تفصیل ابن شاذانفہ و ابن کثیر و ابواب میں آئے گی۔

ہرچند کہ مغربی جمہوریت اور اس کا طریقہ انتخاب متحدہ وجود سے اسلامی احکام کے خلاف ہے لیکن اگر اس طریقہ سے

ہے نہ نقصان پہنچانے کے لیے۔ دوسری صورت باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نقصان پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ رحیم اور کریم ہے اور یہ چیز اس کی رحمت کے ثبوتی ہے اور تیسری صورت بھی باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نہ نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا نہ نقصان پہنچانے کے لیے کیونکہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نہ نقصان پہنچایا تھا نہ نفع اگر پیدا کرنے کے بعد بھی مخلوق اسی صفت پر ہو تو مخلوق کو پیدا کرنا اور نہ کرنا دونوں حال برابر ہوں گے اور پھر مخلوق کو پیدا کرنا مہم ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا کوئی کام مہم نہیں ہوتا اس لیے اب تیسری صورت متعین ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو یہ نفع اس دنیا میں پہنچانے کا یا آخرت میں اس دنیا میں نفع پہنچانا تو مراد ہو نہیں سکتا کیونکہ اس دنیا میں منافع کم ہیں اور ضرر و سزاں چیزیں بہت ہیں اور تھوڑے نفع کے لیے زیادہ نقصان برداشت کرنا حکمت کے خلاف ہے پس متعین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ نفع آخرت میں پہنچانے کا اس لیے قیامت کا آنا اور حشر و نشر کا ہونا اور جنت اور دوزخ کا ہونا ضروری ہے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مخلوق میں تو کفار بھی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کون سا نفع پہنچایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دائمی نفع پہنچانے کے لیے بنایا تھا لیکن انہوں نے دائمی نفع کے اوپر دائمی نقصان کو اختیار کر لیا۔

میں ۲۸: میں یہ بتایا ہے کہ مومن اور کافر اور صالح اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے اس آیت میں بھی حشر اور نشر کے ثبوت پر دلیل ہے کیونکہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ آخر اور فائدہ میں جھکا رہتے ہیں اور طرح طرح کے مصائب اور آلام میں گرفتار رہتے ہیں اور کفار اور فاسق بہت بیش اور آرام میں رہتے ہیں اور قابل رشک زندگی گزارتے ہیں اس طرح نیک آدمی کی زندگی بد آدمی کے مقابلہ میں بہت تکلیف سے گزرتی ہے پس اگر قیامت اور حشر و نشر اور حساب و کتاب نہ ہو تو نہ لوگوں کو نیک لوگوں پر ترجیح دینا لازم آئے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے رحم کے خلاف ہے اور وہ حکیم اور رحیم ہے اس لیے وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس سے واضح ہو گیا کہ قیامت اور حشر و نشر ثابت ہے۔

تدبر اور تدبر کا معنی

میں ۲۹: میں قرآن مجید میں غور و فکر کرنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کی ترفیہ دی ہے۔ اس آیت میں تدبر اور تدبر کے الفاظ ہیں تدبر کا معنی ہے قرآن مجید کی آیات میں غور و فکر کیا جائے اور اگر ان آیات کے ظاہری معنی پر کوئی اشکال ہو تو اس کی مناسب تاویل تلاش کی جائے اور اس آیت سے عقائد اور احکام شریعہ کی جو ہدایت حاصل ہو اس پر عمل کیا جائے۔ تدبر کا معنی ہے: کسی چیز کے نتیجہ اور انجام پر نظر رکھنا اور فکر کا معنی ہے: الفاظ کے مطلوبہ معانی کی تلاش میں ذہن کو متوجہ کرنا۔

تدبر کا معنی ہے: نصیحت حاصل کرنا اس کو صاحبان عقل کے ساتھ مخصوص کیا ہے کیونکہ تدبر کا تعلق عقل کے ساتھ ہے اور کسی چیز سے نصیحت اس وقت حاصل کی جاتی ہے جب دل میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے اور یہ چیز صاحبان عقل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اکابر علماء کے ساتھ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب دل پر نصیحت کے تجاہات ہوں اس وقت تلکری ضرورت ہوتی ہے اور جب یہ تجاہات اٹھ جائیں اس وقت تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن مجید کے معانی پر غور و فکر نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے کلام کی ناقدری کرنا ہے آج کل لوگ قرآن مجید کی تلاوت بہت کرتے ہیں لیکن اس کے معانی میں غور و فکر نہیں کرتے اور جب معانی میں غور و فکر نہیں کریں گے تو اس سے نصیحت کیسے حاصل کریں گے ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے پاس اگر عربی زبان میں کسی کتبھی سے کوئی خط آ

اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۚ إِنَّكَ

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو بے شک تو ہی بہت بخشنے والا

أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۲۷﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِيْ بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَتَّىٰ

ہے ۲۷ تم نے ان کے لیے ہوا کو سخڑ کر دیا وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے سامنے جوں جوں جاتی سے چلتی

أَصَابَ ۙ وَالشَّيْطَانُ كُلٌّ مِّنْ بَنَاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿۲۸﴾ وَآخِرِينَ لَقَرَيْنِ

تھی ۲۸ اور تو ہی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا یہ معمار اور غوطہ خور ۲۹ اور ہر سے جنات کو بھی جو زمین میں گھبراتے ہوئے رہتے

فِي الْأَصْفَادِ ﴿۲۹﴾ هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۰﴾

تھے ۲۹ یہ ہمارا عطیہ ہے آپ (جس کو چاہیں) بخور یا مسک (جس سے چاہیں) بابت میں آپ سے کوئی حساب نہیں ۳۰

وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ﴿۳۱﴾

اور بے شک ان کے لیے نہ اور زبردستی ہے اور بہترین جگہ ہے ۳۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ دیا انہیں یہ تو کافروں کا گمان ہے کہ ان کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے ۳۰ کیا ہم ایمان والوں کو جنہوں نے ٹیپ اٹھائی ہے جہنم میں فرس کرنے والوں کی مثل بنادیں گے یا ہم پر یہ بڑے گدوں کو بگاڑوں کی مثل بنادیں گے ۳۱ یہ (قرآن) اہل کتاب کی کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ (یہ لوگ) اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاف جان لیں کہ اس سے نصیحت حاصل کریں ۳۱ (مت ۲۹: ۲۷)

حشر و نشر کے ثبوت پر دلائل

مت ۲۷: ۱ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے وہ غلطی سے اور غلطی سے اور بے مقصد نہیں پیدا فرمایا اس نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے اس میں بے شمار حکمتیں ہیں خواہ وہ دیکھیں یا نہ دیکھیں ہمیں سمجھ آئیں یا نہ آئیں اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیات میں بھی بیان فرمایا ہے:

مَرَجَعَنَا مَا خَلَقْنَا هَٰذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَانَكَ وَجْهَنَا

عَدَابُ النَّارِ ﴿۱﴾ (آل عمران ۱۱)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ

(آجر ۸۵) ہے صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

ان آیتوں میں حشر و نشر اور قیامت کے ثبوت پر بھی دلیل ہے اور اس دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جو پیدا کیا ہے تو یا اس کو نقص پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے یا نقصان پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے یا نقصان پہنچانے کے لیے پیدا کیا ہے

کرے اور اس کا عمل اس کے علم کے موافق ہو اور مقررہ ایسے لوگ آئیں گے جو علم کو حاصل کریں گے اور علم ان کے گھروں سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کی خلوت ان کی جلوت کے خلاف ہوگی اور ان کا عمل ان کے علم کے خلاف ہوگا۔ وہ مختلف مخلوق میں بنیائیں گے اور ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے ساتھی پر اس لیے غضب ناک ہوگا کہ وہ دوسرے شخص کے پاس کیوں بیٹھا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال ان کی مجالس سے اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچیں گے۔

(کنز العمال ج ۱۰ ص ۷۷۲ رقم اللہ ص ۲۸۱۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کا ایک گروہ دوزخ میں جھانک کر دوزخیوں کے ایک گروہ کو دیکھ کر کہے گا: تم دوزخ میں کیسے داخل ہو گئے ہم تو تمہاری تعلیم کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم لوگوں کو (نیک کا) علم دیتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۷۷۲ رقم اللہ ص ۲۸۲۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے کہ وہ قرآن مجید کے صحیح عمل کے خلاف تاویل کریں گے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۷۷۲ رقم اللہ ص ۲۸۲۱)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے داؤد کو سلیمان (نام کا بیٹا) عطا فرمایا وہ کیسا چمکاندہ ہے بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا ہے۔ جب اس کے سامنے پچھلے پیر سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا: بے شک میں نے نیک مال کی محبت اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کی ہے حتیٰ کہ وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اس نے حکم دیا کہ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ پھر وہ ان کی پٹریوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ (مت ۳۳-۳۴)

مشکل الفاظ کے معانی

مت ۳۰ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ "آؤاب" ہیں اس سے پہلے مت ۱۷ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ "آؤاب" ہیں نیک بیٹا اپنے نیک باپ کے مشابہ ہوتا ہے "آؤاب" کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا اور بہت شجاعت کرنے والا۔

مت ۳۱ میں "العشی" کا لفظ ہے۔ زوال آفتاب کے بعد سے لے کر دن کے آخر وقت تک کو العشی کہتے ہیں۔ اس آیت میں "الصفات" کا لفظ ہے یہ صافہ کی جمع ہے اور اس کا مادہ صفون ہے اور اس کا معنی ہے: قیام کرنا اور کھڑا ہونا اور اس کا دوسرا معنی ہے: گھوڑے کا انگا ایک بیڑا تھا کہ پچھلے تین بیڑوں پر کھڑا ہونا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ سدھے ہوئے گھوڑے تھے چپ چاپ کھڑے رہتے تھے۔ بلاوجہ اچھل کود نہیں کرتے تھے اور جہاد کا معنی ہے تیز رفتار گھوڑے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال

مقال نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے ایک ہزار گھوڑوں کے وارث ہوئے تھے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تو کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے اس کا جواب یہ ہے کہ وراثت سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک ہزار گھوڑوں کے انتظام کے متولی تھے۔

حسن بصری "شماک" ذہن زید اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پڑوں والے ایک سو گھوڑے تھے۔ (المجامع ۱۵، مکام القرآن ج ۲ ص ۱۷۴)

جائے تو ہم صرف اس کے الفاظ کی عداوت کرنے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ کسی عربی زبان جاننے والے کو تلاش کرتے ہیں اور جب تک ہمیں اس کا معنی نہ معلوم ہو جائے اس وقت تک ہم محض اس سے نہیں جینچتے تو ہم قرآن مجید کے صرف الفاظ کی عداوت کر کے اس کا معنی اور مطلب سمجھے بغیر کیوں مطمئن ہو جاتے ہیں؟ کیا ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے پیغام کی اتنی بھی قدر و منزلت نہیں ہے جتنی قدر و منزلت کسی کچنی سے آئے ہوئے کھوب کی ہوتی ہے یا کسی مزے کے پیسے ہوئے ٹکلی گرام کی ہوتی ہے؟ اسی طرح جب ہم بیمار پڑ جاتے ہیں اور کسی ماہر ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور وہ ہمیں چند دوائیں لکھ کر دیتا ہے مثلاً Vibramycin 1+1 اور Panadol 1+1 تو کیا ہم صرف اس نسخہ کی عداوت کرتے ہیں یا ڈاکٹر کی لکھی ہوئی دواؤں کو خرید کر کھاتے ہیں اور اس کی ہدایت کے مطابق پریز کرتے اور دن میں جتنی بار دوا کھانے کی ہدایت لکھی ہوتی ہے اس ہدایت کے مطابق دوا کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہم صرف اس نسخہ کی عداوت کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس نسخہ کا مطلب سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں سو جس طرح جسمانی بیماری کے لیے ہم دوا یا ڈاکٹر کے نسخہ کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں تو ہم سمجھتے ہوئے جاتے ہیں اسی طرح خالق کائنات اور خیم مطلق نے ہماری روحانی بیماریوں اور دوائی فوز و فلاح کے لیے ہمیں قرآن مجید کی صورت میں ایک نسخہ لکھ کر بھیجا ہے تو ہم اس کے معانی اور مطالب میں غور کر کے اس نسخہ پر عمل کیوں نہیں کرتے اور صرف اس کی عداوت پر قناعت کیوں کر لیتے ہیں؟ کیا ہمارے دلوں میں اس خیم مطلق اور شافی حقیقی کی اتنی قدر بھی نہیں ہے جتنی ہمارے دلوں میں M.B.S ڈاکٹر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پوٹٹی تو نہیں فرمایا تھا:

مَا كُنْتُمْ دُعَاؤَ اللَّهِ حَقًّا قَدْ يَكَا (انعام ۱۱)

تمہوں نے اللہ کی اس طرف قدر نہیں کی جس طرف قدر

کرتے تھے۔

قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب

قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: قرآن پر عمل کرو اس کے حلال کو حلال کرو اور اس کے حرام کو حرام کرو اور اس کی اشد اہم کرو اور اس کی کسی چیز کا انکار نہ کرو اور اس کی جو چیز تم پر مشابہ ہو اس کو اللہ کی طرف لوٹا دو یا میرے بعد جو صاحبان علم ہیں ان کی طرف لوٹا دو جو جس طرح تم کو اس کی خبر دیتے ہوں اور توہرات انجیل اور زبور پر ایمان لاؤ اور انبیاء کو جو تمہارے رب کی طرف سے دیا گیا ہے اس پر ایمان لاؤ تاکہ قرآن تم کو شفا دے اور اس کا بیان تم کو شفا دے کیونکہ قرآن شفاعت کرنے والا ہے اور اس کی شفاعت قبول کی ہوئی ہے اور وہ تصدیق کرنے والا وکیل ہے اور اس کی ہر آیت قیامت تک کا نور ہے۔ اللہ ہی

(مسند رک ج ۲۸ ص ۵۶۸ سنن ابی نعیم ج ۱ ص ۱۰۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۹ مجمع البیرونی ج ۱ ص ۳۳۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن مجید کو پڑھا اور رات میں اور دن کی نمازوں کے قیام میں قرآن مجید کو پڑھا اور اس کے حلال کو حلال کیا اور اس کے حرام کو حرام کہا تو اللہ تعالیٰ اس کے گوشت اور خون کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا اور کرنا کاتبین کو اس کا مشق بنا دے گا حتیٰ کہ قیامت کے دن قرآن اس کے حق میں حجت ہو جائے گا۔ (المجمیع ص ۱۳۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۰)

علامہ کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ ان کو جس قدر علم ہے جب وہ اس پر عمل نہیں کرتے تو پھر حرج علم کے لیے حاصل کرتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے صالحین قرآن! قرآن پر عمل کرو کیونکہ عالم وہ ہے جو علم کے تقاضوں پر عمل

پھر آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور آپ کا ان کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنا ان کے اکرام کے لیے تھے۔ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی بڑا اور باوقار آدمی گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرے تو یہ کام اس کے مقام اور وقار کے خلاف نہیں ہے۔ (الطایع لا حکام القرآن ۵: ۵۵۵ء دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۰)

جمہور مفسرین کی بیان کی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت

زیادہ تر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ کی نماز قضاء ہو گئی پھر اس کے غم اور غصہ میں آپ نے ان گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو کاٹ ڈالا۔ امام عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑے دکھائے جاتے رہے اور وہ ان کے معائنہ میں اس قدر منہمک ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز قضاء ہو گئی اور ان کی لوگوں پر اس قدر رحمت تھی کہ کوئی شخص یہ جرأت نہ کر سکا کہ ان کو عصر کی نماز یاد دلانا پس حضرت سلیمان علیہ السلام بھول گئے اور جب سورج غروب ہو گیا تو ان کو یاد آیا کہ انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی اور اس وقت انہوں نے یہ کہا: بے شک میں نے نیک مال (یعنی گھوڑوں) کی محبت کو اپنے رب کے ذکر پر ترجیح دینی تھی کہ جب سورج ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو دوبارہ ان کے سامنے لاؤ پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلواریں سے ہاتھ مارنے لگے۔

مذکورہ القصہ تفسیر سعید بن جبیر "ضحاک" قتادہ ذہاب اور سدی سے مروی ہے، مفسرین نے کہا ہے کہ اپنے رب کے ذکر سے ان کی مراد عصر کی نماز ہے، حضرت علیؓ حضرت ابن مسعود اور قتادہ وغیرہم کا یہی قول ہے ذہاب نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ عصر کی نماز ان پر فرض تھی یا نہیں مگر یہ کہ جس وقت ان پر گھوڑے پیش کیے گئے تھے اس وقت وہ اپنے رب کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اور قرآن مجید میں جو مذکور ہے "حتى نلوات بالحجاب" اس سے مراد ہے کہ سورج ان کی نظروں سے چھپ گیا، ہر چند کہ اس سے پہلے آیت میں سورج کا ذکر نہیں تھی کہ اس کی طرف "نسلوات" کی ضمیر مقتر لوٹائی جائے مگر سورج کے ذکر پر اس آیت میں قرینہ ہے کیونکہ ص: ۳۱ میں ہے:

لَا تُخِصُّ عَلَيْهِمْ بِالْعِصْيِ إِلَّا ذُرِّيَّتُكَ الْفَاسِقُونَ

جب اس کے سامنے دن ڈھلے مدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے (ص: ۳۱)

زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک کے وقت کو العشی کہا جاتا ہے اس کا معنی ہے: غروب آفتاب تک ان گھوڑے دکھائے جاتے رہے اس کے بعد جس کے حلق فرمایا ہے: "وہ چھپ گیا" تو ظاہر ہے وہ سورج ہی ہو سکتا ہے، پس سورج کا ذکر اس سے پہلے العشی کے ضمن میں موجود ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا: "ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ"۔ مفسرین نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی نماز قضاء ہو گئی اور انہوں نے وقت گزارنے کے بعد نماز پڑھی اس پر غم اور غصہ کی وجہ سے انہوں نے کہا کہ گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ مارنے لگے اور اس کی تفسیر میں جن قول ہیں:

(۱) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے

ہوں والے گھوڑوں کی تائید میں یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس آئے اور ان کے حلاق (المداری) پر پردہ پڑا ہوا تھا ہوا کے جھونکے سے طاق پر چڑھ کر ہوئے پڑو کی ایک جانب کھلی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی المداری میں دھکی ہوئی گزریاں نظر آئیں آپ نے پوچھا اے عائشہ کیا یہ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ یہی بنیاں ہیں اور آپ نے گزروں کے درمیان کپڑے کی دھجیوں سے پٹائے ہوئے گھوڑے کودیکھا جس سے وہ پوچھی کہ یہ ہوتے تھے؟ آپ نے پوچھا میں ان گزروں کے وسط میں کیا تھی؟ پھر رہا ہوں؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ گھوڑا ہے آپ نے پوچھا میں نے کیا چیز دیکھی ہوئی ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ اس ہے وہ یہ ہیں آپ نے پوچھا گھوڑے پر ہیں؟ حضرت عائشہ نے کہا یہ آپ کے ٹیکسٹ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے حضرت عائشہ نے کہا یہ سن رہا ہے اس قدر کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۱۰۹۲۲)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی توجیہ

ص ۳۲۱ میں ہے، (حضرت سلیمان نے کہا) ”ب شک میں نے نبی (تیب علیہ السلام) کی محبت اپنے رب سے بڑی ہے سے اختیار کی ہے۔“ اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں پر نبی کا طلاق فرمایا ہے اس کی توجیہ سے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گھوڑوں پر نبی کا طلاق فرمایا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیمتی نیک خیر ہے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۳۶۳۳ سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۱۰۹۵۰ سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۹۵۰ سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۹۵۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں نبی کا طلاق فرمایا ہے۔

(صحیح ابوداؤد، رقم الحدیث ۳۶۳۳ سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۹۵۰ سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۱۰۹۵۰) حضرت سلیمان علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ چونکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے اور گھوڑوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا دین سر بلند ہوتا ہے اس لیے میں گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں۔

ص ۳۲۱-۳۲۲ میں ہے: ”حتی کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اس نے غصہ کیا کہ ان (گھوڑوں) کو دو بارہ میرے سامنے لاؤ پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ بچھیرنے لگے۔“ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک گول میدان تھا جس میں وہ گھوڑوں کا مقابلہ کر لیا کرتے تھے حتیٰ کہ جب وہ گھوڑے دور نکل کر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ سورج غائب ہو گیا اور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا کیونکہ اس آیت میں پہلے سورج کا ذکر نہیں ہے کہ اس کی طرف خمیر لوٹائی جائے البتہ گھوڑوں کا ذکر ہے اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے غائب اور اوجھل ہو گئے اور انھوں نے یہ ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے پاس مال قیمت سے حاصل شدہ گھوڑے لانے گئے تاکہ وہ ان کا معاوضہ کریں حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے اشارہ کیا کہ ان گھوڑوں کو ان کے اصحابوں میں بٹھا دیا جائے حتیٰ کہ وہ گھوڑے ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا ان گھوڑوں کو دو بارہ میرے پاس لاؤ

حسب ذیل وجہ سے رد کر دیا ہے:

(۱) یہ تفسیر اس پر مبنی ہے کہ "توروات ہالہ الحجاب" کی ضمیر متحر سورج کی طرف لوٹائی جائے اور اس سے پہلے اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں ہے بلکہ سدھے ہوئے تیز رفتار گھوڑوں کا ذکر ہے اور اگر کوئی بعید تاویل کر کے سورج کی طرف ضمیر لوٹائی جائے تو اس سے بہتر ہے کہ بغیر تاویل کے گھوڑوں کی طرف ضمیر لوٹائی جائے یعنی جب وہ گھوڑے ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے تو انہوں نے ان کو دوبارہ بلوایا۔

(۲) اس آیت میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: میں نے اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے خیر (گھوڑوں) سے محبت کی ہے کیونکہ یہ گھوڑے جہاد میں استعمال ہوتے ہیں تو جب ان کی گھوڑوں سے محبت اللہ کے ذکر کی وجہ سے تھی تو پھر یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ وہ گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز کو بھول گئے یا اللہ کے ذکر کو بھول گئے کیونکہ گھوڑوں کا معائنہ کرنا بھی تو اللہ کے ذکر سے محبت کی وجہ سے تھا تو وہ معائنہ کے وقت بھی اللہ کے ذکر میں مشغول تھے لہذا یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

(۳) اس روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب کہا: "ردوہا" تو اس کا معنی تھا کہ آپ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ سورج کو لوٹا دیں اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام سے نماز عصر قضا ہوئی تھی تو ان پر لازم تھا کہ وہ توبہ اور استغفار کرتے اور اللہ کی بارگاہ میں روتے اور گڑگڑاتے اور اکتہار نہ امت کرتے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ اگر ان سے بھولے سے بھی کوئی لغزش ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں نہ کہ وہ اپنی شان دکھانے کے لیے فرشتوں پر حکم چلاتے اور ان سے کہتے کہ سورج کو دوبارہ لوٹاؤ تاکہ میں عصر کی قضا نماز پڑھ لوں۔ قرآن مجید میں ہے: "فَلْيَلْبِثْ مَسْجِدًا لِّلشُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ"۔ اس روایت میں اس کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان نے کھوار سے گھوڑوں کی پنڈ لیاں اور گردیں کاٹ ڈالیں جب کہ مسج کا معنی ہاتھ پھیرنا ہے نہ کہ کھوار سے کاٹنا ورنہ لازم آئے گا کہ "فَامَسْعُوْا اِيْذُنُوْكُمْ وَاَنْفُسَكُمْ" (الذکر ۶۰) کا معنی ہوگا کہ کھوار سے اپنے سروں اور اپنے پیروں کو کاٹ دو اور کوئی عامل بھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔

(۵) جو لوگ اس معنی اور اس روایت کے قائل ہیں انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف متعدد افعال مذمومہ کی نسبت کی ہے (۱) نماز کو ترک کرنا (۲) ان پر دنیاوی مال کی محبت اس قدر غالب تھی کہ اس کی محبت میں وہ نماز پڑھنا بھول گئے حالانکہ حدیث میں ہے: حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حب الدنيا واس خلل عطفية۔ دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث ۱۰۵۰۲ مشکوٰۃ رقم الحدیث ۵۲۲۳ کنز العمال رقم الحدیث ۶۶۳۰ الترمذی و الترمذی ج ۳ ص ۵۵۷)

(۳) اس خطا کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام توبہ اور استغفار میں مشغول نہیں ہوئے (۴) اس فعل کے بعد حضرت سلیمان گھوڑوں کی پنڈ لیاں اور گردیں کاٹنے لگے حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے سوا جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۶) جب کفار نے یہ کہا تھا کہ:

وَقَالُوا لَا تَنْتَظِرْ لَنَا يٰاٰهْلَ الْبَيْتِ لَقَدْ كُنَّا يَوْمَئِذٍ لِّلْمَسْحُوْطِ

اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارا حصہ تو ہمیں روز

حساب سے پہلے ہی جلدو دے دے (ص ۱۶۰)

گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر گوار سے دار کیے اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹ ڈالا۔

(الحکم الاسلامی، رقم الحدیث ۱۹۹۳، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۹۹)

امام حسین بن مسعود اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہے:

اگرچہ انہوں نے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندر سے پروں والے گھوڑے نکالے گئے، وہ غلبہ کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور ان کا معائنہ کرنے کے لیے جتنی کسوٹ غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز فوت ہو گئی، ان کی صحبت اور ان کے رب کی وجہ سے کسی نے ان کو عصر کی نماز پر متنبہ نہیں کیا، جب نماز قضا ہو گئی تو انہوں نے دوبارہ گھوڑوں کو منگوا لیا اور اللہ عزوجل کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور ان کی گردنوں کو گوار سے کاٹ ڈالا کیونکہ ان میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کی عصر کی نماز روک گئی تھی اور گھوڑوں کو کاٹنا ان کے لیے مہات قاتلہ ہے، ہم پر حرام ہے۔ جیسا کہ ہمارے لیے جانوروں کو ذبح کرنا مہات ہے۔ (مسلم، موطا ج ۳ ص ۷۰، تاریخ الخلفاء ج ۱ ص ۱۲۰)

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم طبری متوفی ۳۲۷ھ، علامہ ابوالحسن علی بن محمد النعمانی متوفی ۳۵۰ھ، علامہ ابو جعفر بن ابی نعیم المتوفی ۵۲۳ھ، علامہ ابن علیہ اندلسی متوفی ۵۳۶ھ، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۰ھ، علامہ عبد الرحمن بن محمد الشافعی المتوفی ۵۷۵ھ، علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ، علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

(۲) اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی محبت کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیاد سے ہاتھ بچھ رہے تھے۔ علی بن ابی طلحہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، چنانچہ امام ابن جریر اور ابو نعیم کا قول ہے۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوہے کو گرم کر کے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر داغ لگایا، اس قول کو طبری نے نقل ہی ہے۔ مفسرین نے اول قول پر اتفاق کیا ہے، انہوں نے کہا کہ گھوڑوں کے معائنہ کی مشغولیت کی وجہ سے نماز قضا ہونے اور بعد میں ان ہی گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر پیاد سے ہاتھ بچھنے میں کیا ممانعت ہے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پہلا قول اس لیے قاسد ہے کہ جانوروں کا کیا قصور ہے پھر ان کو قتل کر کے سزا دینے اور اپنا غم اور غصہ دور کرنے کی کیا توجیہ ہے اور یہ فعل تو جاہل بادشاہوں کے حال کے مناسب ہے، انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے مناسب نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فعل اس وجہ سے کیا تھا کہ اس کا کرنا ان کے لیے مہات قاتلہ ہو سکتا ہے کہ ایک فعل ان کی شریعت میں جائز ہو اور وہ فعل ہماری شریعت میں جائز نہ ہو، علاوہ ازیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ان گھوڑوں کا گوشت کھانے کے لیے ان کو ذبح کیا ہو اور گھوڑوں کا گوشت کھانا جائز ہے، پس حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں ہے، وہب بن منہ نے کہا: جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر وار کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کو مشکور فرمایا اور گھوڑوں کے بدلہ میں ان کے لیے ہوا کو سحر کر دیا اور ہوا گھوڑوں کی بہ نسبت زیادہ تیز رفتار تھی اور اس کے ذریعہ سفر کا زیادہ باعث قیام تھا۔ (زبد السمع ج ۱ ص ۳۲۲، مجمع اسلامی ج ۱ ص ۱۲۰)

جمہور مفسرین کی بیان کی ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت پر

امام رازی کا رد

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ جمہور مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، لیکن امام رازی نے اس تفسیر کو

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جمہور علماء اور مفسرین نے اس تفسیر کو اختیار کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی صحت پر یہ کثرت دلائل قائم ہیں اور ان حکایات کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اگر خبر واحد صحیح بھی ہو تو وہ دلائل قطعیہ سے مزاحم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو اس ضعیف روایت میں کب اتقاد ہے کہ وہ صحت انبیاء کے دلائل قطعیہ کے مزاحم ہو سکے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۹۲-۳۹۰ رد المحتار اثرات غریبی ج ۱ ص ۱۳۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے سلیمان کو آزمائش میں جلا کیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا پھر انہوں نے ہماری طرف رجوع کیا (س ۳۱)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا آزمائش میں جلا ہونا

اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں جلا کیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کس وجہ سے آزمائش میں جلا کیا تھا اور وہ کیا آزمائش تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو کس طرح اس آزمائش سے نجات ملی قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور ان کے استغفار کرنے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ سن ۲۵ میں مقرر ہے آئے گا۔ اسی طرح احادیث میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ ذکر نہیں ہے کہ کفایت تفسیر کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کس آزمائش میں جلا کیا گیا اور نہ یہ بیان ہے کہ وہ کیا آزمائش تھی۔ البتہ بعض احادیث صحیحہ میں صرف اتنا مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا کہ آج رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا اور ہر زوجہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا بیٹا پیدا ہوگا لیکن وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تو صرف ایک نام اور لہو راجہ پیدا ہوا لیکن ظاہر ہے کہ اس واقعہ کا کسی بڑی آزمائش اور ابتلا سے کوئی تعلق نہیں ہے جو اس آیت کی تفسیر بن سکے۔

پس جب اللہ اور اس کے رسول نے اس آزمائش کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا تو ہمیں بھی اس کی تحقیق کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ وہب بن منبہ اور کعب احبار نے اس سلسلہ میں اسرائیلی روایات بیان کی ہیں جن کو امام محمد بن اسحاق 'سدی' معابد اور قتادہ وغیرہم نے ان سے روایت کیا ہے اور ہمارے مفسرین نے ان روایات کو اپنی تفسیروں میں درج کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ تفسیریں محض جھوٹ اور باطل ہیں، تاہم میں ان بعض روایات کو یہاں نقل کر رہا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اسرائیلی روایات میں انبیاء علیہم السلام کی شان کے خلاف کیا کچھ لکھا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کے متعلق اسرائیلی روایات

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوروی الترمذی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

جس فتیہ کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام پر عتاب کیا گیا اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بعض ازواج کے ساتھ حالت جنس میں قربت کی تھی۔

حسن بصری کی یہ روایت بہت مستبعد ہے، اللہ کا نامی جس کو اللہ تعالیٰ نے حکومت اور نبوت سے سرفراز کیا ہو وہ ایسا قبیح فعل نہیں کرتا جس کی جرأت عام مسلمان بھی نہیں کر سکتے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جرادہ نام کی ایک بیوی تھی۔ جرادہ اور ایک قوم کے درمیان کوئی خصوصیت تھی انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا، لیکن ان کی خواہش یہ تھی کہ ان کی بیوی جرادہ کے حق میں یہ فیصلہ ہو

جب کافروں نے ایسی جہالت کی بات کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی جہالت پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے پھر حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا اور پھر اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا اور گویا کہ میں فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کافروں کی جاہلانہ باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے سلیمان کو یاد کیجئے اور یہ کلام اس وقت مناسب ہو گا جب اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے اہمال صاحب اور اخلاق حسنة ذکر فرمائے ہوں اور یہ ذکر فرمایا ہو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت پر صبر کیا اور دنیاوی لذتوں سے اجتناب کیا اور اس قصہ سے مقصود یہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی محبت میں مشغول ہو کر نہایت بڑے اور چار فشتے وغیرہ پر سورج کو ٹوٹا جس اور اپنا قصہ گھوڑوں پر نکالا اور ان کی نرد میں اور پنڈلیوں کا تہ اٹھ تو پھر یہ قصہ اس قدر نادر ہے کہ اسے نہیں ہے کیونکہ اس قصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ تہ میں مخالفین کی ایذا اور جانوں پر صبر کرنے کی عبادت کی مشقت پر صبر کرنے کا کوئی پہلو نہیں ہے حتیٰ کہ اس قصہ سے ہمارے نبی سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم و صبر کرنے پر ترغیب دینی جائے کہ آپ اس طرح صبر کیجئے جس طرح حضرت سلیمان نے صبر کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں کے ساتھ مشغولیت کی صحیح توجیہ

اس لیے اس قصہ کی توجیہ صرف اس طرح کیجئے کہ گھوڑوں کو چاہا اور ان کو اہل میں رحمت ان سے دین میں اس رحمت پسندیدہ تھا جس طرح ہمارے دین میں گھوڑوں کو چاہا ہے لیے رحمت پسندیدہ ہے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام جب چاہے لیے جانے لگے تو وہ ایک مجلس میں بیٹھے اور گھوڑوں کو حاضر کرتے یا غمروں اور گھوڑوں کی مشق کرتے۔ یہ اس دور کے حکم دیا اور یہ فرمایا کہ میں دنیا کی وجہ سے ان گھوڑوں سے محبت نہیں کرتا بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مشق اور اس کے دین کی مر بندی کے لیے گھوڑوں سے محبت کرتا ہوں کیونکہ جب میں ان پر ساری کی چاہی ہے پھر آپ نے جب گھوڑوں کو دوزائے کا غم دیا اور وہ آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو آپ نے ان کو غم دیا جو گھوڑوں کو مشق کرتا ہے کہ وہ گھوڑوں کو دوزائے میں اور جب وہ گھوڑے وہاں آ گئے تو آپ شفقت سے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور ان کی نردوں پر ہاتھ بچھنے کے اور ان پر ہاتھ بچھنے کے حسب ذیل امور مطلوب تھے:

(۱) گھوڑوں کی عظیم کرنا اور ان کی قدر و منزلت کو واضح کرنا کیونکہ دشمنان اسلام سے جنگ کرنے میں گھوڑوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بتانا چاہتے تھے کہ ملک کا نظم و نسق چلانے میں وہ بعض کاموں کو خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے ہیں۔

(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے احوال ان کی بیماریوں اور ان کے صیوب کو دوسروں کی پستی خود سے زیادہ دیکھتے تھے اس لیے وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ بچھ کر یہ جانچ رہے تھے کہ ان میں کوئی صیوب یا مرض تو نہیں ہے۔

قرآن مجید کی ان آیتوں کی یہ تفسیر جو ہم نے ذکر کی ہے یہ قرآن مجید کے الفاظ کے بالکل مطابق اور موافق ہے اور اس تفسیر پر ان اعتراضات میں سے کوئی اعتراض لازم نہیں آتا جو اکثر مفسرین کی تفسیر پر لازم آتے ہیں اور مجھے اس پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ ان مفسرین نے ان کثرت و وجہ اور اس روایت کو کیسے قبول کر لیا جب کہ اس روایت کی تائید میں ان کے پاس کوئی شہد بھی نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی دلیل ہو۔

جس سے وہ بے بس ہو گیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت بھی اسی انگوٹھی کی وجہ سے تھی، آپ نے سحر کو اس طرف بیت المقدس کی تعمیر کرنے کا حکم دیا اور اس نے اس کی تعمیر شروع کر دی، حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس یا مہام میں جاتے تھے تو انگوٹھی اتار کر جاتے تھے، ایک دن آپ مہام میں جا رہے تھے اور یہ سحر نامی شیطان بھی آپ کے ساتھ تھا اس وقت آپ فرض خصل کرنے جا رہے تھے آپ نے انگوٹھی اس کو دی اور خود خصل کرنے چلے گئے، اس نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور اس شیطان پر حضرت سلیمان کی شکل و صورت ڈال دی گئی اور آپ سے تاج و تخت چھین گیا اور ان سب چیزوں پر اس شیطان نے قبضہ کر لیا۔ ماسوا آپ کی ازواج کے ادھر اس شیطان سے بہت سی ایسی باتیں ظاہر ہوئے تھیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے معمولات کے خلاف تھیں، اس زمانہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں ایک شخص ایسے صاحب فراست اور صاحب الہام تھے جیسے ہماری امت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے سوچا: یہ شخص حضرت سلیمان معلوم نہیں ہوتا، انہوں نے اس سے سوال کیا: اگر کوئی شخص رات کو بستی ہو جائے اور سردی کی وجہ سے طلوع آفتاب تک خصل نہ کر سکے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے کہا: کوئی حرج نہیں۔ سحر چالیس دن تک حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتا رہا، پھر حضرت سلیمان کو بچھل کے پیٹ سے وہ انگوٹھی مل گئی اس انگوٹھی کو پہننے ہی آپ پھر تمام چیزوں پر قابض اور مضرع ہو گئے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۸، مصلحاً دار الفکر، ص ۱۳۱ء)

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس چاہنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اپنی بیوی جرادیہ کو دے دی وہ آپ کو اپنی تمام ازواج میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ شیطان حضرت سلیمان کی صورت میں ان کے پاس گیا اور ان سے کہا: لاؤ میری انگوٹھی دے دو، انہوں نے اس کو انگوٹھی دے دی، جب اس نے وہ انگوٹھی پہن لی تو تمام جن انسان اور شیاطین اس کے تابع ہو گئے، ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس سے آئے تو آپ نے جرادیہ سے کہا: لاؤ میری انگوٹھی دو۔ اس نے کہا: میں وہ انگوٹھی سلیمان کو دے چکی ہوں۔ انہوں نے کہا: میں سلیمان ہوں، جرادیہ نے کہا: تم جھوٹے بولتے ہو، تم سلیمان نہیں ہو۔ حضرت سلیمان جس کے پاس بھی جا کر کہتے کہ میں سلیمان ہوں وہ آپ کو بھٹلاتا، حتیٰ کہ بچے آپ کو چھڑاتے، جب آپ نے یہ حال دیکھا تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، ادھر شیطان حکومت کرتا رہا جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت سلیمان کو ان کی سلطنت لوٹا دے تو اس نے لوگوں کے دلوں میں اس شیطان کی نفرت ڈال دی، سو لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں سے یہ معلوم کر لیا کہ آپ نے سلیمان کے افعال میں کوئی نفاصل بھی دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، ادھ جنس کے ایام میں بھی ہم سے متاثریت کرتے ہیں اور وہ اس سے پہلے ایسا نہیں کرتے تھے اور جب شیطان نے یہ دیکھا کہ اس کی پولی کلک گئی ہے تو اس نے جان لیا کہ اس کے دن پورے ہو گئے، پھر شیاطین نے کتابوں میں جادو کرنے کے طریقے لکھے اور ان کتابوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے ڈال کر دیا، پھر لوگوں میں یہ بات پھیلا دی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کے زور سے حکومت کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے ان کی کرسی کے نیچے سے وہ کتابیں نکال کر پڑھا رہے اور کہا: اس کی بناء پر مسلمان لوگوں پر غالب تھے اور ان پر حکومت کرتے تھے۔ پھر لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا کفر کیا اور لوگ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا کفر کرتے رہے۔ ادھر ایک آدمی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلایا اور کہا: یہ مچھلیاں اٹھا کر میرے لیے لے چلو؟ پھر وہ اس کے گھر گئے اور اس آدمی نے وہ مچھلی اٹھا کر ان کو اجرت میں دے دی، جس کے پیٹ میں وہ انگوٹھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مچھلی کو کاٹا تو اس کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکل آئی، حضرت سلیمان

جاتا جب ان سے یہ کہا گیا کہ مغرب آپ پر ایک مصیبت آئے گی حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ آسمان کی طرف سے یہ مصیبت آنے کی یا زمین کی طرف سے۔

ہر چند کہ حضرت ائین مہاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف اس حدیث کی سند قوی ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ حضرت ائین مہاس نے اس قصہ کو یہودی علماء سے سنا ہے اور یہودیوں میں ایک ایسا فرقہ بھی تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا معتقد نہیں تھا اس لیے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر جھوٹ باندھتے تھے اور ان کا سب سے بڑا جھوٹ یہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج پر ایک جن مسلط تھا اور تمام ائمہ ملت سے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج کو اس جن کے تسلط سے محفوظ رکھا اور یہ آپ کی ازواج کی مکریم کے لیے تھا۔

(۳) سعید بن مسیب نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تین دن لوگوں سے نجس رہے تھے اور ان کے کسی مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرتے تھے اور نہ انصاف کر کے مظلوم کا حق ظالم سے دلواتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ میں نے آپ کو اس لیے خلق نہیں بنایا کہ آپ میرے بندوں سے چھپے رہیں بلکہ میں نے آپ کو اس لیے خلق بنایا ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں اور مظلوم کا حق ظالم سے لے کر دیں۔

یہ اثر سعید بن مسیب تک سند ضعیف سے ثابت ہے اور دلائل قطعیہ کے معارض نہیں ہو سکتا۔ انبیاء و جہد السلام کی عصمت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ اثر ضعیف ہے۔

(۴) شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمند کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں بادشاہ خزان کی بیٹی کو گرفتار کیا تھا جس کا نام صیدون تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں اس کی محبت ڈال دی تھی قہمی اور وہ آپ سے اعراض کرتی تھی بہت کم آپ کی طرف دیکھتی تھی اور بہت کم آپ سے بات کرتی تھی پھر ایک دن اس نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ اس کے باپ کی صورت کا ایک مجسمہ بنا دیں حضرت سلیمان نے اس کی خواہش کے مطابق اس کے باپ کی صورت کا مجسمہ بنا دیا وہ اس مجسمہ کی بہت تعظیم کرتی تھی اور اس کو سجدہ کرتی تھی اور اس کی سہیلیاں بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتی تھیں اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھر میں ایک بت کی پرستش کی جاتی تھی اور وہ اس سے لاطم تھے حتیٰ کہ چالیس دن گزر گئے اور یہ خبر بنی اسرائیل میں پھیل گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اس کی خبر ہو گئی آپ نے اس بت کو توڑ کر اس کو جلا ڈالا اور اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی۔

شہر بن حوشب کی یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے اور عقائد قطعیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۵) عباد نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف نامی شیطان سے پوچھا: تم لوگوں کو کس طرح مگرا کرتے ہو؟ شیطان نے کہا: آپ مجھے اپنی انگلی دیں پھر میں آپ کو اس کا جواب دوں گا حضرت سلیمان نے اس کو اپنی انگلی دی دے دی اس نے وہ انگلی سمند میں پھینک دی حتیٰ کہ آپ کا ملک چلا گیا۔

(المفید والعمیم ج ۵ ص ۹۵-۹۴ و در اکتب احصیہ ص ۱۰۲)

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ نے قزوہ سے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ بیت المقدس کی تعمیر اس طرح کریں کہ لوہے کی آواز بھی نہ سنائی دے آپ نے اس طرح بنانے کی کہ نہ ہیریں کیسں لیکن کوئی نہ ہیر کا رن نہ ہوئی پھر آپ کو معلوم ہوا کہ سمند میں سحر نام کا ایک شیطان ہے وہ کسی ترکیب سے بیت المقدس کی اس طرح تعمیر کر سکتا ہے اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگلی دی گئی یا اس کے کندھوں کے درمیان اس انگلی کی مہر لگا دی گئی

ہے:

يَعْتَمِدُونَ لَهَا مَعَايِظًا وَمِنْ فَعَالِيٍّ وَمَعَايِظِينَ.

تھے اور مجھے جو کچھ سلیمان چاہتے تھے جنات ان کے لیے بنا

(سہا) دیتے تھے۔

(الکشاف ج ۳ ص ۶۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اسرائیلی روایات کا رد امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی سن ۶۰۶ھ نے حسب ذیل وجوہ سے ان روایات کو رد کر دیا ہے:

- (۱) اگر شیطان انبیاء علیہم السلام کی صورت کی مثل بنانے پر قادر ہو تو پھر شریعت پر کوئی اعتنا نہیں رہے گا کیونکہ لوگوں نے سیدنا محمدؐ حضرت یسعیؑ اور حضرت موسیٰؑ علیہم السلام کو دیکھا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ وہ انبیاء نہ ہوں بلکہ شیطان نے ان کی صورت بنائی ہو اور اس طرح پھر دین بالکلیہ باطل ہو جائے گا۔
- (۲) اگر شیطان اس قسم کے کام اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بن کر کر سکتا ہے تو پھر وہ علماء اور زہدوں کے ساتھ بھی ایسی کارروائی کر سکتا ہے اور اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ ان علماء کو قتل کر دے ان کی تصانیف کو بھڑا دے اور ان کے گھروں کو متہدم کر دے اور جب علماء کے ساتھ اس کی یہ کارروائی باطل ہے تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس کی یہ کارروائی پر طریقہ دوائی باطل ہے۔

(۳) کسی طرح ممکن ہے کہ شیطان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازدواج کے ساتھ بدکاری پر قدرت حاصل ہو گئی ہو۔

- (۴) اگر یہ کہا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیوی جراردہ نے حضرت سلیمان کی اجازت سے بت کی پرستش کی تھی تو یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کفر ہو گا اور اگر کہا جائے کہ اس نے آپ کی اجازت کے بغیر بت کی پرستش کی تھی تو یہ اس کا گناہ ہے اور اس کی وجہ سے حضرت سلیمان کو اس قدر میں جلا کیا گیا کہ وہ قہر ہے کہ شیاطین نے یہ کہا کہ اگر یہ حضرت سلیمان کا بیٹا زندہ رہا تو اپنے باپ کی طرح یہ ہم پر مسلط ہو جائے گا تو اب جنات کی یہی صورت ہے کہ ہم اس کو قتل کر دیں اور جب حضرت سلیمان کو شیاطین کے اس منصوبہ کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو پرورش کے لیے پادلوں میں رکھ دیا پھر جب حضرت سلیمان کسی کام سے واپس آئے تو تخت پر ان کا بیٹا مردہ پڑا ہوا تھا اور ان کو بتایا گیا کہ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کیا تھا اس لیے ایسا ہوا پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور استغفار کیا۔

- (۵) نیز حدیث صحیح میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے کہا: آج رات میں سو یا تاناوے غورلوں سے مقاربت کروں گا اور ان میں سے ہر ایک سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا پیدا ہو گا ان کے صاحب نے کہا: ان شاء اللہ! حضرت سلیمان نے ان شاء اللہ نہیں کہا تو ان ازدواج میں سے صرف ایک زوجہ حاملہ ہوئی اور اس سے ایک نام (بچا اور دھوا) بچہ پیدا ہوا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ کبر دیتے تو ان سب سے ایسے بچے پیدا ہوتے جو سب اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوتے۔

(صحیح ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۸۱۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۳۸ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۸۴۰ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۸۴۱ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۶۸۴۲)

رقم الحدیث: ۶۸۴۳ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۶۸۴۴ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۸۴۵ سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۶۸۴۶

پس حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس آزمائش میں مبتلا کیا گیا وہ یہ آزمائش تھی نہ کہ وہ چیز جس کا اسرائیلی روایات میں

علیہ السلام نے وہ انگوٹھی پہن لی، انگوٹھی پہننے ہی تمام جن انسان اور شیاطین سب آپ کے تابع ہو گئے اور آپ اپنے حال کی طرف لوٹ آئے اور وہ شیطان بھاگ کر سمندر کے کسی جزیرہ میں چلا گیا، حضرت سلیمان نے اس کو تلاش کر لیا، ایک دن وہ سویا ہوا تھا تو آپ کے کارندوں نے اس کو زنجیروں میں جکڑ لیا، آپ نے اس کو لوہے کے ایک صندوق میں بند کر کے سمندر میں پھینک دیا اور وہ قیامت تک وہیں رہے گا۔ (تفسیر امام ابن ابی قحطیبہ ج ۱ ص ۳۳۳ تا ۳۳۴) بحوالہ: مفتاح السعادت ج ۱ ص ۱۸۱

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے اس واقعہ کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے اس میں اس طرح مذکور ہے کہ اس شیطان نے چالیس دن کوگوں پر حکومت کی جب کوگوں کو اس پر شب بھو گیا اور انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں سے اس کی گفتیش کرائی تو وہ ذکر سمندر کی طرف بھاگ گیا اور اسی اثنا میں وہ انگوٹھی اس سے سمندر میں گر گئی جس کو ایک پھلی نے اٹھ کر منہ میں ڈال لیا۔ ابوہریرہ حضرت سلیمان سمندر کے کنارے محنت مچا رہی کرتے تھے کہ ایک دن ان کو اجرت میں دو پھلی ملی جس نے پیٹ میں دو انگوٹھی تھی اس انگوٹھی کی وجہ سے ان کی قوم ان کو واپس مل گئی اور انہوں نے اس شیطان کو بترقہ کرنا شروع کیا۔ ایک صندوق میں بند کر کے سمندر میں چھوڑ دیا تو وہ قیامت تک وہیں رہے گا اس شیطان کا ہر قدر تہقیر ہے۔

(۱) پانچ بیانیہ قاعدے ۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۳ء میں ۱۹۹۹ء اور ۱۹۷۳ء (۲) امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم شافعی المتوفی ۳۲۰ھ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ: جب لوگوں نے اس شیطان کے غیر مانوس اور غیر شرعی احکام سے تو اصف اس کی تحقیق کے لیے حضرت سیمان بن جریج سے چاہا تو ان سے پوچھا: آیا تم نے سلیمان بن داؤد میں کوئی غیر مانوس فعل دیکھا ہے انہوں نے کہا: ہاں، دو بار ہم نبی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور خصل جانتا نہیں کرتے۔ اصف نے کہا: اللہ واللہ واللہ واللہ و احسن۔ یہ روایت آراؤش نے اس کے بعد حسب سابق نقل ہے۔ امام شافعی نے لکھا ہے کہ اس شیطان کا نام کھرقا۔ (مختصر بیانیہ قاعدے ۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۳ء میں ۱۹۹۹ء اور ۱۹۷۳ء)

امام حسین بن مسعود البغوی التوفیقی ۵۱۶ھ امام ابن الجوزی التوفیقی ۵۹۷ھ حافظ ابن کثیر التوفیقی ۷۴۳ھ وغیرہ مفسرین نے اس روایت کا ذکر کیا ہے ان کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(معالم التنزيل ج ۳ ص ۷۰ نزاد السیر ج ۶ ص ۱۳۶-۱۳۷ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰-۴۱)

(معالم انقزیل ج ۳ ص ۷۰، زاد المسیر ج ۷ ص ۱۳۶-۱۳۵، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰-۳۹)

یہ تمام اسرائیلی روایات ہیں جن میں سے کوئی بھی صحیح اور قابل قبول نہیں ہے ہم نے ان روایات کو ان تقاضیہ کے حوالوں سے اس لیے ذکر کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے جرمِ انتہائی عاقبہ اور فیصلہ آگاہی کے حوالوں سے ان روایات کو بیان کرے تو آپ ان تفسیروں کے حوالے سے کرمِ محبوب نہ ہوں اور یہ یقین رکھیں کہ یہ روایات باطل ہیں اور حضرت سیدنا علیہ السلام کی عصمت جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہے یہ روایات اس کے خلاف اور متضاد ہیں اور قابلِ اہتمام و تفسیر نہیں ہیں ان روایات کو رد کر دیا ہے۔

اسرائیلی روایات کا رد علامہ زحشری سے

علامہ ابو القاسم محمود بن عمر انڈھری الخوارزمی المتوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

محققین علماء نے ان روایات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ یہودیوں کی باطل روایات میں سے ہیں اور شیاطین اس قسم کے کام کرنے پر قادر نہیں ہیں جن کا ان روایات میں ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے بندوں پر اس طرح مسلط نہیں کرتا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مغفیر کر سکیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ان کو انبیاء علیہم السلام کی ازواج پر اس طرح مسلط کر دیا جائے کہ وہ ان سے بدکاری کریں یا انہیں کھانا تو وہ بعض شریعتوں میں جائز تھا جیسا کہ قرآن مجید میں

ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ذہنوں اور ہمارے عقول کو ان روایات کے فتنے سے محفوظ رکھے۔

(ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۶، دارالمنیرہ دہلی ۱۳۳۲ھ)

اسرائیلی روایات کا رد علامہ اسماعیل حقی سے

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض متوفی ۵۴۳ھ نے کہا ہے کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس قصہ میں ان شاء اللہ کیوں نہیں کہا تھا تو اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضے پورے ہوں۔

(۲) جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب نے ان کو ان شاء اللہ کہنا یاد دلایا تھا وہ اس وقت کسی کام میں مشغول تھے اور اس کی بات پر توجہ نہیں کر سکے۔ (الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۸) بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بھول پر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہی اور اس بات پر استغفار کیا کہ وہ کسی اور کام میں کیوں اس قدر زیادہ مشغول ہوئے کہ ان کو ان شاء اللہ کہنا یاد نہیں رہا اور یہ ترک اولیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام ترک اولیٰ کو بھی اپنی لغزش قرار دیتے ہیں کیونکہ اہل ابراہیم کی بنیادیں بھی مقررین کے نزدیک برائیوں کے عہم میں ہوتی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق اصحاب کہف کے متعلق اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں کل اس کے متعلق خبر دوں گا اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں کیا تو کئی روز تک آپ سے وقتی روک لی گئی پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا كُنَّا فِيهِ قَائِلِينَ ذَلِكَ نَمُكِّدُ الْكَافِرِينَ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُولُوْا لِمَا كُنَّا فِیْهِ قَائِلِیْنَ ؕ اَلَمْ یَكُنْ لَّآیَاتُ الْاَنْۢبِیَآءِ اٰیَاتٍ لِّمَنْ یَّعْقِلُ ۙ اَمْ یَكُنْ لَّآیَاتُ الْاَنْۢبِیَآءِ اٰیَاتٍ لِّمَنْ لَا یَعْقِلُ ۚ (التکوین ۲۲-۲۳)

کل کرنے والا ہوں ○ تم اس کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں اور اپنے رب کو یاد کریں جب آپ بھول جائیں۔

نیز علامہ اسماعیل حقی اس بحث میں لکھتے ہیں:

ص ۳۴۰ میں ہے: "اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا" ان اسرائیلی روایات میں اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ صحابی شیطان چالیس دن تک حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھ کر حکومت کرتا رہا یہ تاویل حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) قرآن مجید میں القاد کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ایک جسم کو قوت پر ڈال دیا اس کا معنی یہ کہ ایک شیطان کرسی پر بیٹھ گیا بغیر ایک ایچہ تاویل اور تکلف کے درست نہیں ہو سکتا اور اس تاویل اور تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) اس اسرائیلی روایت میں ہے کہ شیطان حضرت سلیمان علیہ السلام کی صورت بنا کر ان کی بیوی جرادیہ کے پاس گیا اور ان سے انگلی لے لی یہ بات اس لیے غلط اور باطل ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس چیز سے معصوم ہیں کہ شیطان ان کی صورت اختیار کر سکے خواہ نیند میں خواہ بیداری میں تاکہ حق باطل کے ساتھ مشتبہ نہ ہو کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کے مظہر ہیں اور شیطان اللہ تعالیٰ کے اسم مضلل (گمراہ کرنے والا) کا مظہر ہے اور ہدایت اور خلافت دونوں ضد ہیں اور دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتی اس لیے ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی صورت میں نہیں آ سکتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ عزوجل کی عظمت ہر عظمت والے سے بڑھ کر ہے اور جب شیطان انبیاء علیہم السلام کی

ذکر ہے۔

(۶) حضرت سلیمان علیہ السلام ایک شیعہ بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے اور اس مرض کی شدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے تخت پر ڈال دیا تھا اور جس شخص کا جسم کسی بیماری کی وجہ سے بہت نحیف اور لاغر ہو جائے اس کو عرب کہتے ہیں یہ گوشت کا ٹکڑا ہے یا یہ بے جان جسم ہے پس اس آیت میں جس آزمائش اور ابتلا کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد ان پر اس بیماری کا مسلط ہونا ہے اور اس کے بعد جو فرمایا ہے ”انہوں نے رجوع کیا“ تو اس سے مراد بیماری کے حال سے صحت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

(۷) اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بھی مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کا خوف مسلط کر دیا تھا یا ان کو شہدہ تھا کسی حرف سے ان پر کوئی مصیبت آنے والی ہے اور اس خوف کی شدت سے وہ بہت کم زور ہو گئے اور ان کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے ایک بے جان جسم تخت پر پڑا ہوا ہو پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے اس خوف کو دور کر دیا اور ان کی قوت اور ان کے دل اطمینان کو دوبارہ ان پر لوٹا دیا قرآن مجید کی اس آیت کا معنی مؤخر الذکر تینوں صورتوں میں صادق آ سکتا ہے اور ان صورتوں پر اس آیت کو محمول کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کو ان اسرائیلی روایات پر محمول کیا جائے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی مرتبہ توبہ کو مستلزم ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹

متوجہ رکھے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے۔ (ص: ۱۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی توبہ کا مکمل

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی گناہ مزد ہو گیا تھا وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی ہے اور مغفرت اس وقت طلب کی جاتی ہے جب کوئی گناہ ہو چکا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی گناہ کیا تھا جس پر انہوں نے استغفار کیا تھا 'لام رازی' اس کے جواب میں فرماتے ہیں: انسان اس حال سے خالی نہیں ہے کہ اس سے کوئی افضل اور لوئی کام ترک ہو جاتا ہے اور اس وقت وہ مغفرت طلب کرنے کا محتاج ہوتا ہے، کیونکہ اہل رب کی نیکیاں بھی مقررین کے نزدیک برائیوں کے درجہ میں ہوتی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۶۶ دارالامان پبلشرز امرتسر، ۱۳۸۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس کی تکمیل یہ حدیث ہے:

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر حجاب اور آپ کی توبہ اور استغفار کا مکمل

اغرمونی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر ایک ابر چھا جاتا ہے اور بے شک میں ایک دن میں اللہ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰۰۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵)

قاضی عیاض بن موسیٰ ناکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لین کا معنی ہے حجاب یعنی میرے دل پر اس طرح حجاب چھا جاتا ہے جس طرح آسمان پر ابر چھا جاتا ہے اس کا مکمل یہ ہے کہ آپ جو اپنے معمول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، بعض اوقات کسی فحش یا تکلیف یا امت کے معاملات میں غور و فکر یا دنیاوی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ ذکر وہ چھوڑ دیتا تھا تو اس وجہ سے آپ کے دل کے انوار پر حجاب چھا جاتا تھا سو آپ اس پر استغفار کرتے تھے کیونکہ آپ کی خواہش تھی کہ آپ دائما اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں ایک قول یہ ہے کہ جب آپ اپنے وصال کے بعد امت کے احوال پر مطلع ہوتے تو ان کی خطاؤں سے آپ کے دل پر ایک ابر چھا جاتا اور آپ اپنی امت کے لیے استغفار کرتے تھے ایک قول یہ ہے کہ جب آپ امت کی مصلحتوں میں غور و فکر کرتے اور امت کی آپس کی لڑائیوں پر مطلع ہوتے تو آپ اس پر استغفار کرتے تھے پرچہ کہ امت کی مصلحت کی کوشش کرتے بھی بہت عظیم عبادت ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقام تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کرنا اور اس کی صفات کا مطالعہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسواہر چیز سے منقطع ہو کر صرف اس کی ذات میں متفرق ہونا ہے۔ اس لیے آپ اپنے اس بلند مقام کے اعتبار سے اس کو کم درجہ خیال فرما کر اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے آپ اس حکم کی تعمیل کرنے کے لیے اور تو اشیاء اور اللہ تعالیٰ کی طرف انکار کا اظہار کرنے کے لیے اور اللہ کی بارگاہ میں دائما سجدہ کرنے کے لیے اور اس کی نعمتوں کا کما حقہ شکر ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

علامہ غزالی نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ ہر چہ کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون اور محفوظ ہوتے ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت اور اس کے جلال سے خوف زدہ رہتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسی ڈر اور خوف کی حالت میں ان کے دلوں پر ابر چھا جاتا ہو اور آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اور اس کی عظمت کے خیال سے استغفار کرتے ہوں

صورت میں نہیں آ سکتا تو چاہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صورت میں بہ طریق اولیٰ نہ آ سکے حالانکہ یہ کثرت لوگوں کے خواب میں وہ
 صلی اللہ تعالیٰ کی صورت میں آیا اور اس نے ان کو یہ بتایا کہ وہ حق تعالیٰ ہے تاکہ وہ ان کو گمراہ کر سکے اور ان لوگوں نے اس کا
 کلام سن کر یہ گمان کیا کہ ان سے اللہ عزوجل ہم کلام ہو رہا ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ نہیں گئے کہ صاحب عقل کو یہ معلوم
 ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی صورت معینہ معلوم نہیں ہے کہ اگر کوئی اس صورت میں آ جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ ہا اشتہاد ہو اسی
 لیے علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں آیا دیکھنا جائز ہے خواہ وہ کسی صورت میں نہ آئے لیکن خواب میں جو صورت نظر
 آئے گی وہ اللہ تعالیٰ کی غیر ہے اس کی کوئی صورت نہیں ہے اس کے برخلاف انبیاء و صحابہ علیہم السلام کی عین اور معلوم صورتیں ہیں جو
 اشتہاد اور التباس کی موجب ہیں۔

(۳) یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کو نبی کی کرسی پر بٹھادے اور وہ اس کرسی پر بیٹھ کر مسلمانوں پر مسلط ہو جائے اور
 ان پر اپنے احکام جاری کرتا رہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
 وَلَنْ تَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا
 اور اللہ وہ نہیں ہے کہ مسلمانوں پر کافروں کی صورت میں آ
 (انبار، ص ۱۰۷) نہیں تاکہ کو

(۴) وہ انگوٹھی نورانی تھی پس کیسے ممکن ہے کہ وہ شیطان کے ظلماتی ہاتھوں میں پڑ جائے۔ یہ بات ہے کہ نور شیطان و ہلاکت
 ہے جیسا کہ شباب و اقرباء نے سے شیطان مل جاتا ہے۔

(۵) اس امر انکی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی صومٹ اس انگوٹھی کی وجہ سے تھی اور شیطان
 نے وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی تھی تو پھر وہ شیطان اس انگوٹھی نے بغیر اس کی صومٹ نہ رہا۔

(۱۰۱) چونکہ اس میں ۵۰۰ روپے کا تھوڑا سا فرق ہے۔

اسرائیلی روایات کا رد علامہ آلوسی نے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابو یحیٰی اندلسی نے کہا ہے کہ اس قدر کہ وہ دین یہودیوں سے خالی ہے اور کسی صاحب عقل کے لیے اس کے
 صحیح ہونے کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں ہے اور یہ کہ جسے ہو سکتا ہے کہ شیطان نبی کی صورت میں آ جائے حتیٰ کہ لوگ اس کو دیکھ کر یہ
 سمجھیں کہ یہ نبی ہے اور اگر ایسا ہوتا تو کسی نبی پر اعتقاد نہ ہوتا اور صبر سے قہقہہ بات یہ ہے کہ ان روایات میں مذکور ہے
 کہ شیطان نے نبی کی ازواج سے حالت حیض میں مباحثت کی اللہ تعالیٰ نے اس پر عتاب عظیم ہے اور اس حدیث کی حضرت ابن عباس
 رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہے نیز خواص اور عوام میں یہ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی صومٹ اس
 انگوٹھی کی وجہ سے تھی اور یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو ملک عطا کیا تھا اس کی عطا ایک انگوٹھی
 کے ساتھ مربوط تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کی یہ عطا اس انگوٹھی کے ساتھ مربوط ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا قرآن مجید میں ضرور ذکر فرماتا۔
 اور ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تخت بیمار ہو گئے تھے اور وہ جس حال میں اس تخت پر پڑے ہوئے تھے
 اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ ایک بے روح جسم تخت پر پڑا ہوا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ صحت اور توانائی عطا فرمادی۔

(روح المعانی ص ۳۳۳ تا ۳۳۴، دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

میں نے اس آیت کی تفسیر میں زیادہ دلائل اور حوالہ جات اس لیے ذکر کیے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دامن
 صومٹ اچھی طرح بے غبار ہو جائے اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے فیوض کو میری طرف

بچت گئے، حضرت عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور بچھلے ذنب (پہنچا ہوا غلاف اولیٰ کام) کی مغفرت فرمادی ہے، آپ نے فرمایا: کیا میں اس سے محبت نہیں کرتا کہ میں اللہ کا بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۸۳۷ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۸۳۰ سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۹۵۳ سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۷۲ سنن النسائی، رقم الحدیث: ۶۹۳۸ مسند احمد، ج ۶ ص ۱۵۵ جامع المسانید والسنن مسند عائشہ، رقم الحدیث: ۱۰۳۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہونے کے باوجود ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتے تھے تاکہ آپ کے اتنی بھی آپ کی اتباع کریں، کیونکہ جن کی مغفرت تحقق ہے جب وہ اس قدر توبہ کر رہے ہیں تو جن کو اپنی مغفرت میں شک ہے ان کو کس قدر زیادہ توبہ کرنی چاہیے۔

توبہ کرنے کی کئی اقسام ہیں، عوام اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص اپنی غفلتوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص انہوں اس سے توبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی نیک کام یا جائز فعل میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات کے مشاہدہ اور اس کی صفات کے مطالعہ سے اعراض کرتے ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ان میں سوا توبہ کرتے تھے وہ اسی قسم کی توبہ تھی۔

(المہم ج ۷ ص ۲۸۸ دار الفکر بیروت ۱۴۳۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نوادی متوفی ۶۷۶ھ علامہ ابی مالک متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی قاضی عیاض اور علامہ قرطبی کی عبارات کو نقل کیا ہے۔

(شرح مسلم، نوادی ج ۱ ص ۹۰۹ تفسیر زمر، مطبوعہ: انکمال العلم، بکمل اذکار، ج ۱ ص ۱۰۳ و ۱۰۴ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

وہا میں اخروی مطالب کو دنیاوی مطالب پر مقدم رکھنا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے مغفرت کی دعا کی اور پھر یہ دعا کی: ”اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا میں یہ دلیل ہے کہ دنیاوی مقاصد اور مطالب پر اخروی مطالب اور مقاصد کو مقدم رکھنا چاہیے، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے مغفرت کی دعا کی اور پھر اپنے لیے سلطنت کی دعا کی، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی طریقہ ہے، حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں: میں نے اپنی امت کو یہ یقین دہانی کی:

اِسْتَعْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّكُمْ كَانَتْ عَلَيْهِ اَرْثَاسٌ فَاِنْ تَوْبُوا اَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ
(نوح ۱۰-۱۲)

اسمائل اور ابراہیم میں خوب افسانہ کر کے گا اور تمہارے لیے بات بتا دے گا اور تمہارے لیے دریا نکال دے گا

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ دعا کرنا کہ ان کو ایسی سلطنت دی جائے جو دوسروں کو نہ ملے، آیا یہ قول حسد کو مستلزم ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ کہا: ”اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو“ اس پر یہ اعراض ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ چاہنا کہ جو نعمت ان کو ملے وہ اور کسی کو نہ ملے، حسد کی خبر دے رہا ہے اور حسد کرنا تو مذموم صفت ہے، اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اور یہ اعتقاد نہ کیا جائے کہ آپ کا استغفار اس امر کی وجہ سے تھا بلکہ اس امر وجہ سے ہے اور استغفار اور وجہ سے ہے اور یہ استغفار اس امر کے ساتھ مربوط نہیں ہے جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: "اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو: کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں اور ہر چند کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے اور پچھلے ذنب (یعنی یہ ظاہر خلاف اولیٰ کام) کی مغفرت کر دی گئی ہے اس کے باوجود آپ کا استغفار کرتا اس نعت کا شکر ادا کرنے کے لیے ہے اور اس کی محنت ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ میں معصوم اور مغفور ہونے کے باوجود اس سے استغفار کرتا ہوں اور بعض علماء نے کہا اس لیے اس سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات پاک اور صاف دلوں میں بھی غفلت اور بعض دنیاوی مباح چیزوں کی طرف رجعت کی وجہ سے انور الہیہ پر حجاب چھا جاتا ہے جس سے آپ اس حجاب کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔ (انہال المعجم، دارالمنیر، ۱۹۸۷ء، ص ۱۶۷، اور دارالحدیث، ۱۳۷۱ھ)

ایک دن میں ایک سو بار توبہ کرنے کی توجیہ اور توبہ کی اقسام

علامہ ابوالعباس احمد بن محمد بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یقین کا لفظ ہے اور یقین کا معنی ہے اچانک یا دل کو بھی یقین اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آسمان کو ڈھانپ لیتے ہیں اور کوئی شخص اس یقین نہ کرے کہ گناہوں کے اثر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر زندہ چڑھ گیا تھا جس نے آپ کے قلب کے انوار کو ڈھانپ لیا تھا: کیونکہ جن کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے صفائے صدور کا جزو ہے وہ بھی اس سے قائل نہیں ہیں کہ صفائے صدور سے انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر ایسے حجاب آ جاتے ہیں جیسے عام گناہوں کے قلوب پر حجاب آ جاتے ہیں بلکہ وہ مغفور اور مکرم ہیں اور ان سے کسی چیز کا مواخذہ نہیں ہو گا جس اس سے معصوم ہو گا کہ یقین (ابریا توبہ) گناہ کے سبب سے نہیں ہے بلکہ اس یقین کے سبب میں حسب ذیل اقوال ہیں:

- (۱) آپ و اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات کسی مشغولیت یا کسی اور سبب سے وہ ذکر نہیں کر سکتے تھے تو اس وجہ سے آپ کے دل پر حجاب آ جاتا تھا اور آپ اس کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔
- (۲) آپ امت کے احوال پر مطلع ہوتے اور آپ کے بعد امت میں حالات سے گزرے گی اس پر آپ استغفار کرتے تھے۔
- (۳) آپ امت کی اصلاح کے لیے جن کاموں میں مشغول ہوتے تھے یا جہاد میں مصروف ہوتے تھے اگرچہ یہ امور بھی عظیم عبادات ہیں تاہم آپ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے اس سے ایک وجہ کم ہیں اس لیے آپ کے قلب پر حجاب آ جاتا تھا اور آپ اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

- (۴) آپ اپنے احوال میں و اللہ تعالیٰ کرتے رہتے تھے جب آپ ایک مقام سے ترقی کر کے اس سے بلند مقام پر پہنچتے تو پہلے مقام کو نئے اور بلند مقام کی نسبت ناقص قرار دیتے اور اللہ تعالیٰ سے اس پر مغفرت کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں ایک سو بار توبہ کرتے تھے اس میں توبہ کے دوام پر دلیل ہے اور انسان جب بھی اپنے گناہ کو یاد کرے تو توبہ کرے: کیونکہ اس نے گناہ تو یقینی طور پر کیا ہے اور گناہ کی سزا سے لگنا مشکوک ہے اس لیے اس کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ توبہ کرتا رہے حتیٰ کہ اس کے گناہ کا صاف ہونا یقینی ہو جائے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم رکھیں اور اپنے افعال پر تادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور یہ عزم رکھیں کہ ہم دوبارہ اس گناہ کو نہیں کریں گے اور اس گناہ کا تدارک اور اس کی خطائی کریں اور اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہمارا وہ گناہ صاف ہو چکا ہے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم بھی اس کا شکر ادا کرتے رہیں جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ کے دونوں ہاتھ

کی عبادت میں کیوں مشغول اور مشہک رہتے ہیں دنیا کچھ نہیں ہے اصل چیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الرسل ہوتا

اس جگہ ایک اور سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ کہا: "اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو" آیا اس عہد میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس عہد میں شامل ہیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی نعمت عطا فرمائی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا نہیں فرمائی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الرسل ہونے کے خلاف ہے آپ کے افضل الرسل ہونے کے حقائق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور فرشتے ہیں اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فرشتے ہیں اور اس دن آدم اور ان کے ماسوا جتنے نبی ہوں گے سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے میں زمین سے نکلوں گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۵-۳۶۱۸ جامع المسند و متنہ ابی سعید اللہری رقم الحدیث: ۱۰۴۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے انبیاء و علیہم السلام کے فضل کا بیان کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سنیں اور تمہارے تعجب کو سنا ہے شک ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور موسیٰ خلی اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور کھتہ اللہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں اور آدم صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ اسی طرح ہیں سناؤ! میں حبیب اللہ ہوں اور فرشتے ہیں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا میں ہوں اور فرشتے ہیں اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور فرشتے ہیں اور سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکناؤں گا اور اللہ میرے لیے کھولے گا تو میں جنت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ خیرا و مومنین ہوں گے اور فرشتے ہیں اور میں اکرم الاولین والا آخرین ہوں اور فرشتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶ سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فرشتے ہیں اور میں خاتم الانبیاء ہوں اور فرشتے ہیں اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فرشتے ہیں۔ (سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۰۰)

ہواؤں اور جنات پر تصرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطنت دی گئی تھی اور جس سلطنت کے حقائق انہوں نے دعا کی تھی کہ اس میں ان کا کوئی شریک نہ ہو وہ ان کی ہوا اور جنات پر حکومت تھی جیسا کہ ان آجوں میں ہے:

وَمَا مَنَعَنَا آلَ لُؤْلُؤٍ نَبِيٍّ عَلَيْهِ هَيْبَةٌ وَهُنَا مَغِينًا ۖ أَصَابَتْ
وَالْقَاطِلِينَ كُلَّ بَنَّانٍ وَفَوَّانٍ ۝ (ص: ۲۷-۲۸)

جو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا وہ جس جگہ کہ ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نری سے پلتی تھی اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا ہر معمار اور غوطہ خور کو ہوا اور جنات دونوں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہیں اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

(۱) اس آیت میں ملک سے مراد ہے قدرت اور اس آیت کا معنی ہے: مجھے ان چیزوں پر قدرت عطا فرما جن پر اور کوئی قادر نہ ہو تاکہ ان چیزوں پر قدرت میرا معجزہ ہو جائے اور وہ میری نبوت اور رسالت کی سمت پر دلیل ہو جائے۔ کیونکہ معجزہ کی یہی تعریف ہے کہ نئی ایسا کام کر کے دکھائے جس پر اس زمانہ میں کوئی دوسرا قادر نہ ہو اور وہ پہنچ کر ہے۔ یہ ہے کہ میرے نبی ہونے کی یہ دلیل ہے اگر تم مجھے نبی نہیں مانتے تو تم بھی ایسا کام کر کے دکھاؤ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو اڑھایا کر چوڑا کر دیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے ساتھ چٹائی یا قبا اور اس معنی پر دلیل ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَكُن مِّنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱﴾

سو ہم نے ان سے لیے ہوا خوشخبر یا بدخبر جس کا ارادہ

(ص ۳۶) کرتے تھے وہ ان کے قسم سے مطابق نبی سے پہنچتی تھی

پس ہوا کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے قسم سے چنانچہ ان کی زیر دست قدرت تھی اور ان کی عقیم سلطنت تھی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ان کا معجزہ تھا اور ان کی نبوت پر نہایت مشہور اور عقیم دلیل تھی جس عظمت سلیمان علیہ السلام نے جو یہ فرمایا تھا: "اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی نے اس سے نہ ہو" اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے ایسی چیز پر قدرت عطا فرما جس کے معارضہ کرنے پر کوئی اور قادر نہ ہو اور اسی معجزہ ثابت ہیں۔

(۲) جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیمار ہوئے پھر اس سے بعد صحت مند ہوئے تو انہوں نے جان یہ کہ دنیا کی فحشیں دوسروں کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں خود وراثت سے خود کسی اور سبب سے اس لیے انہوں نے کہا کہ میں اس سے رب! مجھے ایسی نعمت عطا فرما جو مجھ سے منتقل نہ ہوئے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ نعمت کسی دوسرے کو نہ ملے بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ نعمت ان سے نہ اٹھے۔

(۳) دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہونا مطلوب ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: دنیا کی پسندیدہ چیزوں پر قدرت کے باوجود ان سے آخرت کی طرف منتقل ہونا یا دنیا کی پسندیدہ چیزوں پر قدرت نہ ہو اور پھر ان کو چھوڑ کر آخرت کی طرف منتقل ہونا اور ظاہر ہے ان میں افضل پہلی قسم ہے پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو تمام انسانوں کی سلطنت سے فزاں تر ہو اور کسی کے پاس ایسی سلطنت نہ ہو جو حق کی میں اس پر قدرت کے باوجود اس سے احتراز کر کے آخرت کی طرف راغب ہوں تاکہ میرا ثواب زیادہ کامل اور زیادہ افضل ہو۔

(۴) عبادت کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک یہ ہے کہ انسان کو دنیا کی نعمت میں غرق نہ ہو اور دنیا کی طرف راغب کرنے والی کوئی چیز اس کو حاصل نہ ہو اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور دوسری قسم یہ ہے کہ اس کو انتہائی مرغوب اور لذت بخش چیزیں حاصل ہوں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ دوسرا مرتبہ زیادہ افضل اور زیادہ کامل ہے اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ ان کو اللہ تعالیٰ تمام انسانوں سے بڑی اور عظیم سلطنت عطا فرمائے اور پھر وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں تاکہ ان کی عبادت زیادہ افضل اور زیادہ کامل ہو۔

(۵) جو آدمی دنیا پر قادر نہیں ہوتا اس کا دل دنیا کی نعمتوں کی طرف متوجہ رہتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اصل نعمت تو دنیا ہی ہے۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! مجھے دنیا کی عظیم سلطنت عطا فرما ایسی عظیم سلطنت جو اور کسی کے پاس نہ ہو پھر جب میں اتنی عظیم سلطنت کے باوجود تیری اطاعت اور عبادت کروں گا۔ تب ارباب عقل پر یہ منکشف ہوگا کہ دنیا مقصود نہیں ہے ورنہ اتنی عظیم سلطنت رکھنے کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس

سے چلتی تھی O اور قوی جنات کو بھی ان کے تابع کر دیا ہر معمار اور غوطہ خور کو O اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں بکڑے ہوئے رہتے تھے O یہ ہمارا غلیبہ ہے آپ (جس کو چاہیں) یہ طور احسان عطا کریں یا (جس سے چاہیں) روک لیں آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا O اور بے شک ان کے لیے ضرور ہمارا قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے O (ص: ۳۰-۳۱)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو ہوا نہیں مسخر کی گئی تھیں وہ نرم اور ملائم تھیں یا تند و تیز؟

ص: ۳۰ میں ”رخصاء“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے نرمی اور ملائمت یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو جب کسی جگہ جانے کا حکم دیتے تھے تو وہ بہت نرمی اور آسانی سے چلتی ہوئی ان کے حکم کی تعمیل کرتی تھی۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بہت تیز ہوا کو مسخر کر دیا تھا تھا۔ وہ آیت یہ ہے:

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ عَاصِفَةٌ تَقْضِي أَمْرًا يَأْتِي الْكَافِرِينَ
الَّذِينَ يَبْذُلُونَ مَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَسْتَكْبِرُونَ (النبا: ۸۲)

ہم نے سلیمان کے لیے تیز اور تند ہوا کو مسخر کر دیا تھا جو ان کے حکم کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔

اور اس طرح ان دونوں آیتوں میں یہ ظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جس ہوا کو نرمی اور ملائمت سے مسخر کیا ہوا تھا وہ قوت اور طاقت میں تند اور تیز ہوا کے برابر تھی اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضاء کے مطابق کبھی وہ ہوا نرمی اور ملائمت سے چلتی تھی اور کبھی تیزی اور تندگی سے چلتی تھی۔

جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کیے گئے تھے ان کے مختلف النوع فرائض

ص: ۳۱ میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے قوی جنات کو ان کے تابع کر دیا تھا ان میں سے بعض حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے مطابق قلعے اور اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے اور بعض ان کے حکم کے مطابق سمندر میں غوطے لگاتے تھے۔

قلعے اور اونچی اونچی عمارتیں بنانے کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَبْنُونَ لَهُ مَعَابِدًا مِنْ مَّعَابِدَ وَكَانُوا لَكُمْ كَذِبًا
كَافِرًا وَكَانُوا يَرْجُونَ (سہار: ۱۳)

سلیمان جو کچھ چاہتے تھے وہ جنات ان کے لیے بنا دیتے تھے ’جیسے‘ ’جیسے‘ ’جیسے‘ ’جیسے‘ ’جیسے‘ ’جیسے‘ اور چیلوں پر مچی ہوئی مضبوط دیکھیں۔

اور غوطہ لگانے والے جنات کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمِنَ الْجَانِّ طَائِفَةٌ مَنْ يَقُوضُونَ لَهُ وَيَسْمَعُونَ لَهُمْ
دُونَ ذَلِكَ وَكَانَ اللَّهُ خَفِيًّا (النبا: ۸۲)

اور بعض شیاطین سلیمان کے لیے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ بھی بہت کام کرتے تھے اور ہم ہی ان کے محافظ تھے O

وہ جنات سمندر میں غوطہ لگا کر موتی ’جواہر‘ اور دوسری ایسی چیزیں نکال کر لاتے تھے جو زیورات میں کام آتی ہیں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے سلیمان کے لیے ایسے جنات بھی مسخر کر دیے تھے جو اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے اور ایسے جنات بھی مسخر کیے تھے جو سمندر میں غوطے لگاتے تھے اور دوسری قسم کے ایسے جنات بھی مسخر کیے تھے جو زنجیروں میں بکڑے رہتے تھے وہ بہت سرکش ہیں جن میں ’جہنم‘ کو لوہے کی زنجیروں کے ساتھ بکڑے رکھا ہوا تھا تا کہ ان کو شر اور فساد سے روکا جا سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء پر جو وجہ سے فضیلت دی گئی ہے: مجھے جراتِ الحکم عطا کیے گئے ہیں اور وہب سے ہماری مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غصہ میں کو حلال کر دیا گیا ہے اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آزادِ حاکم اور سبھا بنا دیا گیا ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبیوں کو فتح کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳ سنن ابن ماجہ ۵۶۷ مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۷)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے رسول ہیں اور تمام مخلوق میں ہوا اور جنات بھی شامل ہیں۔ پس ہوا اور جنات بھی آپ کی امت ہیں اور رسول الہی امت پر غالب اور متصرف ہوتا ہے سو اس سے لازم آتا کہ جنات اور ہوائیں بھی آپ کے زیر تصرف ہیں اور جنات پر آپ کے تصرف کی واضح دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گذشتہ شب ایک بہت بڑا جن مجھ پر نمود آور ہوا تاکہ وہ میری نماز کو فاسد کر دے پس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قادر کر دیا سو میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں حتیٰ کہ تم صبح کو وضو کر سب اس کی طرف دیکھ رہے ہوں پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: ”اے میرے رب! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو“ پھر آپ نے اس کو حکم دیا اور اچھوڑ دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱۱)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حیثیت جن پر غلبہ اور تصرف حاصل تھا: نبین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان کی دعا کی رعایت کرتے ہوئے اپنے اس غلبہ اور تصرف کو عطا نہیں فرمایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے الہی دعا میں جو یہ کہا ہے کہ مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو اس سے عموم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل المرسلین ہیں اور تمام مخلوق کے رسول ہیں خود حضرت سلیمان علیہ السلام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بہ منزلہ امتی اور مقتدی ہیں اور ایک امتی کے لیے سب زبیا ہے۔ وہ اپنے نبی سے لائق ہونے کی دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ضرور قبول فرمائی اور آپ کو ہواؤں اور جنات پر تصرف عطا فرمایا لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان کو ایک نعمت عطا فرماتا اور اپنے محبوب کو اس نعمت سے محروم رکھتا؟ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی یہ نعمت عطا فرمائی جیسی تو آپ نے اس حملہ آور جن کو کام اور نامزد کر دیا اور اُس پر آپ چاہتے تو اس کو مسجد کے کسی ستون کے ساتھ باندھ دیتے۔

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطلال مالکی متوفی ۳۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات شیطان کو دیکھا اور چونکہ شیطان ایک جسم ہے اس لیے آپ کو اس پر قدرت دی گئی کیونکہ تمام جسموں پر قدرت ممکن ہے۔ لیکن آپ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو چیز دی گئی ہے اس کو ان کے ساتھ مخصوص رکھا جائے اس لیے ہر چند کہ آپ اس کو گرفتار کرنے پر قادر تھے آپ نے اس کو گرفتار نہیں کیا کیونکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس نعمت کے ساتھ انفرادی قائم رہے اور آپ اس پر غریب تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا برقرار رہے۔ (شرح البخاری لابن بطلال ج ۳ ص ۱۶۹ مکتبہ الرشیدیہ رامپور ص ۱۶۰)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی علامہ ابن بطلال کی اس عبارت کو بغیر تفسیر کیا ہے۔

(محکمہ الفقاری ج ۳ ص ۳۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۶۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو ہم نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا وہ جس جگہ کا ارادہ کرتے تھے وہ ان کے حکم کے مطابق نرمی

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لَّيُوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ

اور ہمارے (خاص) بندے ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ بے شک مجھے شیطان نے سخت اذیت

بَنْصَبُ وَعَذَابٌ ۝۳۱ أَرْكُضْ بِرَجْلِكَ هَذَا مَغْسَلٌ بَارِدٌ

اور درد پہنچایا ہے ۝ (ہم نے انہیں حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مارو یہ نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے

وَشَرَابٌ ۝۳۲ وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِنْهُمْ مَعَهُم رَحْمَةً مِنَّا

اور پینے کا ۝ اور ہم نے انہیں ان کے گھر والے عطا فرما دیئے اور اسے حق اور ان کے ساتھ ہماری طرف سے

ذِكْرَىٰ لِأُولَى الْأَلْبَابِ ۝۳۳ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا

رحمت اور عقل والوں کی نصیحت کے لیے ۝ اور آپ اپنے ہاتھ میں ٹھوس ٹکڑے کی ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ

تَحْدِثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝۳۴ وَإِذْ كُنَّا

توڑیں بے شک ہم نے ان کو صابر پایا وہ کیا خوب بندے ہیں بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں ۝ اور ہمارے

عِبْدًا نَّا بَرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ۝۳۵

(دیگر خاص) بندوں کو یاد کیجئے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور بصیرت والے ہیں ۝

إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝۳۶ وَإِنَّمْ عِنْدَنَا لَبَنٌ

ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے ساتھ چھن لیا تھا ۝ بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے

الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۝۳۷ وَإِذْ كُنَّا نَمُوتُ وَإِنَّمْ عِنْدَنَا لَبَنٌ

اور نیک ترین ہیں ۝ اور اسماعیل اور اسحاق اور یوسف اور یونس کو یاد کیجئے

وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝۳۸ هَذَا ذِكْرٌ وَإِنَّمْ لِّلْمُتَّقِينَ لَحْصَنٌ

اور یہ سب نیک ترین ہیں ۝ یہ (قرآن) نصیحت ہے اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور اچھا تحفظ

مَا يَ ۝۳۹ جَدَّتْ عَدَنٌ مَّقْفِيَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ۝۴۰ مُتَّكِئِينَ فِيهَا

ہے ۝ (وہ) داگی چلتیں ہیں بن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں ۝ وہ ان میں غصے لگائے

جن جنات کو زنجیروں سے جکڑا گیا ان کی جسامت پر ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان دو آجوں میں جن جنات کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہت سخت کام کر لیتے تھے اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے، سمندر میں غوطے کھاتے تھے اور بعض کو زنجیروں سے باندھ کر رکھا جاتا تھا ان جنات کے جسم کثیف تھے۔ اگر ان کے اجسام کثیف تھے تو ہم کو نظر آنے چاہیے تھے۔ کیونکہ جسم کثیف کو انسان کی آنکھ دیکھ لیتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ کثافت کے باوجود نظر نہیں آتے تھے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے ہمارے سامنے بڑے بڑے پہاڑ اور جنگلات ہوں اور ہمیں نظر نہ آ رہے ہوں تو جس طرح یہ صحیح نہیں ہے اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ہمارے سامنے جنات جسم کثیف میں موجود ہوں اور ہمیں نظر نہ آ رہے ہوں اور اگر یہ کہا جائے کہ ان جنات کا جسم لطیف ہے اور لطافت بخشی کے منافی ہے تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ جنات قوت شدیدہ کے حامل ہیں اور وہ ان کاموں کو کر گزرتے ہیں جن پر عام بشر اور انسان قادر نہیں ہوتے۔ کیونکہ جسم لطیف کا قوام بہت ضعیف ہوتا ہے اور معمولی سی مزاحمت کے بعد اس کے اجزاء پھٹ جاتے ہیں لہذا وہ نقل و اشیا کو اٹھانے اور سخت کاموں کے کرنے پر قادر نہیں ہوگا نیز جب ان جنات کا جسم لطیف ہوگا تو پھر ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان جنات کے اجسام لطیف ہیں لیکن لطافت، صلابت اور بخشی کے منافی نہیں ہے پس چونکہ وہ اجسام لطیف ہیں اس لیے وہ دکھائی نہیں دیتے اور چونکہ ان میں صلابت اور بخشی ہے اس لیے ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا ممکن ہے اسی طرح ان کا بھاری چیزوں کو اٹھانا اور سخت اور دشوار کاموں کو کرنا بھی ممکن ہے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ سخت اور تیز آمدنی بڑے بڑے تناؤ و رشتوں کو جڑ سے اٹھا کر پھینک دیتی ہے اور مضبوط بجلی کے کھمبوں کو گرا دیتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان جنات کے اجسام کثیف ہوں اور وہ سخت اور دشوار کاموں پر قادر ہوں اور ان کو طوق اور زنجیروں کے ساتھ جکڑنا بھی ممکن ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں وہ لوگوں کو دکھائی دیتے ہوں اور ہمارے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کی وجہ سے ان کا دکھائی دینا ممتنع کر دیا ہو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دنیاوی و اخروی قرب

ص: ۳۹ میں فرمایا: "یہ ہمارا عطیہ ہے آپ (جس کو چاہیں) بہ طور احسان عطا کریں یا (جس سے چاہیں) روک لیں آپ سے کوئی حساب نہیں ہوگا۔"

یعنی ہم نے آپ کے لیے ہواؤں کو اور جنات کو سخر کر دیا ہے اور آپ کو ملک عظیم عطا کیا ہے یہ خاص ہمارا عطیہ ہے کوئی اور اس کے دینے پر قادر نہیں ہے آپ ان میں سے جو چیز جس کو چاہیں عطا کر دیں اور جس سے چاہیں روک لیں آپ کے لیے دونوں امر مباح ہیں اور آپ سے آپ کے تفرقات کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا کہ آپ نے فلاں کو کیوں عطا کیا اور فلاں کو کیوں عطا نہیں کیا۔

ص: ۴۰ میں فرمایا: "اور بے شک ان کے لیے ضرور ہمارا قرب ہے اور بہترین ٹھکانا ہے۔"

یعنی اس کے باوجود کہ ان کو دنیا میں عظیم ملک عطا کیا گیا وہ آخرت میں ضرور ہمارے مقرب ہوں گے اور دنیا میں ان کو جو عظیم ملک عطا کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ان کے قرب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور ان کا بہترین ٹھکانا ہوگا یعنی جنت۔

التَّائِبُ

ضرور برحق ہے

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے (خاص) بندے ایوب کو یاد کیجئے جب انہوں نے اپنے رب سے ناکامی کہ بے شک مجھے شیطان نے سخت آزمیت اور درد پہنچایا ہے O (ہم نے انہیں حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مارو یہ نہانے کا غصہ پانی ہے اور اپنے کا O اور ہم نے انہیں ان کے گھر والے عطا فرما دیے اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ ہماری طرف سے رحمت اور صلہ والوں کی نصیحت کے لیے O اور آپ اپنے ہاتھ میں ٹکوں کی ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں بے شک ہم نے ان کو صابر پایا وہ کیا خوب بندے ہیں بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں O (سن ۳۳)

حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا جاتا

علماء التفسیر اور علماء التاریخ نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب بہت مال دار شخص تھے ان کے پاس ہر قسم کا مال تھا موسیقی اور غلام تھے اور زور فیز اور غلہ سے لپھاتے ہوئے کھیت اور باغات تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد بھی بہت تھی پھر ان کے پاس سے یہ تمام نعمتیں جاتی رہیں اور ان کے دل اور زبان کے سوا ان کے جسم کا کوئی عضو سلامت نہ رہا جن سے وہ اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہے تھے اور وہ ان تمام مصائب میں صابر تھے اور ثواب کی نیت سے صوم اور دن اور رات اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ ان کے مرض نے بہت طول کھینچا حتیٰ کہ ان کے دوست اور احباب ان سے آگٹا گئے ان کو اس شہر سے نکال دیا گیا اور کچرے اور کوڑے کی جگہ ڈال دیا گیا ان کی بیوی کے سوا ان کی دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ تھا ان کی بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کرتی اور اس سے جو اجرت ملتی اس سے اپنی اور حضرت ایوب کی ضروریات کو پورا کرتی۔

وہب بن منہ اور دیگر علماء بنی اسرائیل نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور ان کے مال اور اولاد کی ہلاکت کے متعلق بہت طویل قصہ بیان کیا ہے۔ مجاہد نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جن کو چپک ہوئی تھی ان کی بیماری کی مدت میں کئی اقوال ہیں وہب بن منہ نے کہا: وہ مکمل تین سال تک بیماری میں مبتلا رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ سات سال اور کچھ ماہ بیماری میں مبتلا رہے ان کو بنی اسرائیل کے گھورے (کچرا ڈالنے کی جگہ) پر ڈال دیا گیا تھا اور ان کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بیماری کو دور کر دیا اور ان کو صحت اور عافیت عطا فرمائی۔ حمید نے کہا: وہ اٹھارہ سال بیماری میں مبتلا رہے ان کے سارے جسم سے گوشت گل کر گر گیا تھا اور جسم پر صرف پٹیاں اور گوشت باقی رہ گیا تھا ایک دن ان کی بیوی نے کہا: اے ایوب! آپ کی بیماری بہت طویل پکڑی ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو صحت اور عافیت عطا فرمائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ستر سال صحت اور عافیت کے ساتھ رہا ہوں حق تو یہ ہے کہ میں اب ستر سال صبر کروں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۸۹-۳۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑنے کی تحقیق

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر حوتی ۱۰۵۵ھ نے حضرت ایوب کی بیماری کا نقش اس طرح کھینچا ہے:

زبان اور دل کے علاوہ حضرت ایوب کے تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے ان کا دل اللہ کی مدد سے بچ گیا تھا اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ کیڑوں نے ان کے تمام جسم کو کھالیا حتیٰ کہ ان کی صرف پسلیاں اور رگیں باقی رہ گئیں حصّے پھر کیڑوں کے

يَدْعُونَ فِيهَا بِقَاهٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ۝۵۱ وَعِنْدَهُمْ قَصْرٌ

ہوئے ہوں گے وہ ان میں بکثرت پھلوں اور مشروبات کو طلب کریں گے O اور ان کے پاس بچی

الطَّرْفِ أَثَرَابٌ ۝۵۲ هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۵۳ إِنَّ

نظر والی ہم عمر حوریں ہوں گی O یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روز حساب کے لیے وعدہ کیا گیا تھا O بے شک

هَذَا الرِّزْقُ نَامَالُهُ مِنْ تَعَادٍ ۝۵۴ هَذَا طِرٌّ وَإِنَّ لِلطَّاغِيْنَ

یہ ضرور ہمارا عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا O یہ (مومنین کی جزاء ہے) اور بے شک سرکشوں کا ضرر

لَشَرَّ مَا يَ ۝۵۵ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَيَسُّوْنَ فِيهَا ۝۵۶ هَذَا قُلَيْدٌ وَقُوَّةٌ

نما لھکانہ O (یعنی) جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے کیا ہی بُرا بچھوٹا ہے O یہ بے پس وہ کھولتے ہوئے پانی

حَمِيمٌ وَعَسَاقٌ ۝۵۷ وَآخِرُ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ۝۵۸ هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ

اور پیچھپ کو چھکیں O اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے O (وہ دیگر دوڑیوں کو دیکھ کر کہیں گے) یہ ایک اور گروہ ہے

مَعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ أَنْتُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۵۹ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا

جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے ان کو خوش آمدید نہ ہو بے شک یہ (دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں) O (انے والے کہیں گے):

بِكُمْ أَنْتُمْ قَدْ مَتَّعُوهُ لَنَا فَيَسُّوْا الْقَرَارُ ۝۶۰ قَالُوا رَيْبًا مِنْ قَدَامِ

بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لیے خوش آمدید نہیں ہے تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے سو وہ کسی بُری خبر نے کی جگہ ہے O وہ

لَنَا هَذَا أَفْرَدُهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۱ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى

کہیں گے اسے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دے O

رَجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ ۝۶۲ اتَّخَذْتَهُمْ سَخِرِيًّا أَمْ

دوزخی کہیں گے: کیا سبب ہے کہ ہمیں وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جنہیں ہم (دنیا میں) بڑے لوگوں میں شمار کرتے تھے O کیا ہم نے ان کا

زَاعَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ۝۶۳ إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُّهُ أَهْلُ

ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئیں ہیں O بے شک (دوزخیوں کا یہ جھگڑا

کھانے کے لیے بھی کچھ باقی نہ رہا۔ پھر کیزے ایک دوسرے کو کھانے لگے دو کیزے باقی رہ گئے تھے انہوں نے بھوک کی شدت سے ایک دوسرے پر حملہ کیا اور ایک کیزہ دوسرے کو کھا گیا۔ پھر ایک کیزہ ان کے دل کی طرف بڑھاتا کہ اس میں سوراخ کرے تب حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ دعا کی: بے شک مجھے (سخت) تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۷ ص ۷۰ مسطورہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیزے سے پڑنے کا واقعہ حافظ ابن عساکر اور حافظ ابن کثیر دونوں نے بنی اسرائیل کے علماء سے نقل کیا ہے اور ان کی اتباع میں مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ واقعہ صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو ایسے حال میں مبتلا نہیں کرتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو اور وہ ان سے گھن کھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

﴿يَقُولُ عَتَقْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُمْ عِنْدَنَا عَمَلٌ صَالِحٌ﴾

یہ سب ہمارے پسندیدہ اور نیک لوگ ہیں ○

(سن: ۲۷)

حضرت ایوب علیہ السلام پر کوئی سخت بیماری مسلط کی تھی لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں۔ حدیث صحیح مرفوعہ میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے صرف ان کی اولاد اور ان کے مال موسیقی کے مر جانے اور ان کے پیار ہونے پر صبر کا ذکر ہے۔ علماء اور واضعین کو چاہیے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایسے احوال منسوب نہ کریں جن سے لوگوں کو گھن آئے۔ اب ہم اس سلسلہ میں حدیث صحیح مرفوعہ کا ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال جھلا رہے ان کے بھائیوں میں سے دو شخصوں کے سوا سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اور لوگ ہوں۔ وہ دونوں روزِ جمعہ و شام ان کے پاس آتے تھے۔ ایک دن ایک نے دوسرے سے کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ ایوب نے کوئی ایسا بہت بڑا گناہ کیا ہے جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا: کیونکہ اٹھارہ سال سے اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم نہیں فرمایا حتیٰ کہ اس سے اس کی بیماری کو دور فرما دیتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرا جو آپس میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے میں اپنے گھر گیا تاکہ ان کی طرف سے کفارہ ادا کروں کیونکہ مجھے یہ پاپ تھا کہ حق بات کے سوا اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی ضروریات کے لیے جاتے تھے اور جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو ان کی بیوی ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آتی۔ ایک دن ان کو واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی کی:

﴿الْقُلُوبُ بِوَسْوَائِكُمْ هَذَا مُمْسِكٌ بِكُلِّ دُورٍ﴾

(زمین پر) اپنی ایڑی مارے یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا

(سن: ۴۳) پانی ہے ○

اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری بیماری کو اس پانی میں نہانے سے دور کر دیا (اور پانی پینے سے ان میں طاقت آگئی) اور وہ پہلے سے بہت صحت مند اور حسین ہو گئے۔ ان کی بیوی ان کو ڈھونڈتی ہوئی آئی اور پوچھا: اے شخص! اللہ تمہیں برکت دے کیا تم نے اللہ کے نبی کو دیکھا ہے جو بیمار تھے اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ ان کے مشابہ اور تندرست شخص کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تو وہ شخص ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیاں تھے ایک گندم کا کھلیاں تھا اور ایک بھوکا کھلیاں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے ایک گندم کے کھلیاں پر برسا اور اس کو سونے سے اس قدر بھر دیا کہ سونا

اس بیماری کے پیدا کرنے کی نسبت شیطان کی طرف کردی، حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے، تمام افعال غلوہ تکبہ ہوں یا با ایمان ہو یا کفر، طاعت ہو یا معصیت، ان سب افعال کا خالق اللہ عزوجل ہے اور ان افعال کی تحقیق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، لیکن ذکر اور کلام میں اس کی طرف شرکی نسبت نہیں کی جاتی، اگرچہ شرکوبھی اس نے ہی پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے ادب اور اس کی تعظیم کا یہی تقاضا ہے، ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جو دعائے قنوت کی تعلیم دی اس میں یہ جملہ ہے:

والعبر فی بدیک والشر لیس الیک۔ اور ہر خیر تیرے بقدر میں ہے اور کوئی شر تیری طرف منسوب نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۱، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۸۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۳)

اسی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

وَلَا تَعْبُدُوا لِمَا تَشْفَعُونَ (الشعراء: ۸۰)

بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی نسبت اللہ کی طرف کی اور اسی طریقہ کے مطابق حضرت یوشع بن نون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

وَمَا أَتَيْنِيكَ إِلَّا الْفَاطِنُ (الکہف: ۶۳)

اور اسی طریقہ کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام نے یہ طور ادب ایک بار بیماری کی نسبت اپنی طرف کر کے کہا:

وَلَيْتَنِي لِفَتَاكِي رَجُلَةٌ أَوْ مَسْرُورٌ (النجم: ۸۳)

اور دوسری بار بیماری لگنے کی نسبت شیطان کی طرف کی:

أَيُّ مَسْرُورٍ الْفَاطِنُ يَنْصِبُ وَغَدَّالٍ (ص: ۳۷)

بے شک شیطان نے مجھے اذیت اور درد کے ساتھ مس کیا ہے (یعنی یہ تکلیف پہنچائی ہے) کے (یعنی یہ تکلیف پہنچائی ہے)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بیماری کے متعلق کوئی حرف ثابت نہیں ہے، اس سلسلہ میں صرف یہ حدیث ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت ایوب برہنہ غسل کر رہے تھے ان کے اوپر سونے کی ایک ٹڈی گر پڑی، حضرت ایوب اس کو پکڑے سے پکڑنے لگے تو ان کو ان کے رب نے ندا کی: اے ایوب! کیا میں نے تم کو اس سے سختی نہیں کر دیا، انہوں نے کہا: کیوں نہیں! میری عزت کی قسم! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۹۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۳)

قرآن اور سنت میں اس کے علاوہ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق اور کوئی ذکر نہیں ہے، پھر ان لوگوں کے پاس وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے ان کو یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے حضرت ایوب کے بدن میں پھونک مار کر ان کو بیمار کر دیا تھا، جس سے ان کے پھنسیاں نکل آئی تھیں اور وہ زخم خراب ہو گئے تھے اور ان میں کیڑے پڑ گئے تھے اور کس کی زبان سے انہوں نے یہ روایات سنی ہیں سو یہ اسرائیلی روایات ہیں جن کو علماء نے چھوڑا ہوا ہے، تم اپنے کانوں کو ان کے سننے سے بند کر لو، ان سے تمہارے دل و دماغ میں سوائے پریشانی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ (المباح: ۱۸۸، نظام القرآن ج ۲ ص ۱۸۸، دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

مبارک اللہ تعالیٰ

محققین کے نزدیک شیطان کو کسی انسان کے جسم پر تسلط اور تصرف حاصل نہیں ہے

امام غزالی بن محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

شیطان کو کسی انسان کے جسم میں مرض اور درد پیدا کرنے پر کوئی قدرت نہیں ہے اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اگر شیطان کو انسان کے جسم میں صحت اور بیماری پیدا کرنے پر قدرت ہوتو پھر اس کو انسان کی موت اور حیات پر بھی قدرت ہوگی تو پھر ہمارے لیے یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا کہ تمام نعمتوں اور سعادتوں اور تمام خیرات اور سعادت کا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) اگر شیطان کو اس پر قدرت ہو تو اس نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے اور ان کی اولاد کو ہلاک کرنے اور ان کے گھروں کو تباہ کرنے کا اقدام کیوں نہیں کیا؟

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ شیطان قیامت کے دن لوگوں سے یہ کہے گا:

وَمَا كَانَتْ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ (ابراہیم: ۲۲)

نہ تم کو (گناہ کی طرف) بلایا اور تم نے میری بات مان لی۔

شیطان نے اپنے اس قول میں یہ تصریح کر دی ہے کہ اس کو انسان پر صرف بُرائی کی طرف راغب کرنے کی اور گناہوں کا وسوسہ ڈالنے کی قدرت حاصل ہے اور ان لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ شیطان نے اپنی تاثیر سے حضرت ایوب علیہ السلام میں بیماری پیدا کر دی تھی۔ (تفسیر کبرج ص ۳۹۷ دار البیروت اترات العربیہ بیروت ۱۳۷۵ھ)

حضرت ایوب نے بیماری کو شیطان کی طرف جو منسوب کیا تھا اس کی توجیہات

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی دعائیں کہا تھا کہ بے شک شیطان نے مجھے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شیطان کی تاثیر سے حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں بیماری اور درد پیدا ہو گیا تھا بلکہ بیماری اور درد تو ان کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا لیکن اس بیماری اور درد میں شیطان ان کے دل میں وسوسے ڈالتا رہتا تھا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے خلاف شکایت کرنے پر ابھارتا رہتا تھا جس سے ان کے درد اور ان کی تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا اس لیے انہوں نے مجازاً اس بیماری اور درد کی نسبت شیطان کی طرف کر دی جب حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری پر ایک لبا عرصہ گزر گیا تو لوگ ان سے متنفر ہو گئے اور وہ ایک جنگل میں چلے گئے تو اس وقت شیطان ان سے آکر کہتا تھا: دیکھو تمہارے پاس کس قدر مال و دولت تھی تم کس قدر عیش و عشرت سے رہتے تھے تمہاری بے کثرت اولاد تھی تم صحت مند اور توانا تھے اور اب نہ وہ مال و دولت ہے نہ اولاد ہے نہ وہ صحت ہے اگر تمہارا دین صحیح ہوتا اور تمہارا معبود واحد اور بحق ہوتا تو تمہاری کثرت عبادت کی وجہ سے تمہاری نعمتوں میں اور اضافہ ہوتا نہ یہ کہ تمہاری پہلی نعمتیں بھی واپس چلی جاتیں شیطان کی اس قسم کی باتیں سن کر حضرت ایوب علیہ السلام کے درد اور ان کی تکلیف میں اور اضافہ ہوتا تھا اس لیے انہوں نے کہا: بے شک شیطان نے مجھے سخت اذیت اور درد پہنچایا ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۲۸ھ اس مسئلہ پر لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے کہا کہ شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام پر بیماری مسلط کی تھی ان کو یہ جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے دعائیں کہا کہ مجھے اذیت اور عذاب کے ساتھ شیطان نے مس کیا ہے (یعنی اس نے یہ تکلیف پہنچائی ہے) انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے مس شیطان کی شکایت کی تو اس بناء پر انہوں نے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوب علیہ السلام کو سندوست کرنے کے بعد ان کا حسن و شباب بھی لوٹ دیا تھا اور ان کے ہاں اس کے بعد چھبیس بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت ابوب علیہ السلام اس کے بعد ستر سال تک مزید زندہ رہے۔ تاہم اس کے خلاف مؤرخین کا یہ قول ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۱۲-۳۱۱ ملخصاً 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ)

اس میں بھی مختلف روایات ہیں کہ حضرت ابوب علیہ السلام کو اس بیماری ابتلاء میں مبتلا کرنے کی کیا وجہ تھی۔ بہر حال صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کو مصائب میں مبتلا کرتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء علیہم السلام مبتلا ہوتے ہیں پھر صالحین پھر جو ان کے قریب ہو اور جو ان کے قریب ہو۔ انسان اپنی دین داری کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس پر مصائب بھی سخت آتے ہیں۔ اللہ عیث (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸، معصف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۷۷۲، سنن داری رقم الحدیث: ۷۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۳، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۵۰، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۸۳۰)

حضرت ابوب علیہ السلام کی دعا کے لطیف نکات

حضرت ابوب علیہ السلام نے دعا میں یہ نہیں فرمایا: میری بیماری کو زائل فرما اور مجھ پر رحم فرما بلکہ رحمت کی ضرورت اور اس کا سبب بیان کیا اور کہا: اے رب! مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے اور اپنے مطلوب کو کتنا بتایا بیان فرمایا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت ابوب علیہ السلام نے بہر حال اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا اور یہ صبر کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنا صبر کے منافی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے مصائب کی لوگوں سے شکایت کرنا صبر کے خلاف ہے۔ مثلاً لوگوں سے کہا جائے کہ دیکھو اللہ نے مجھ پر کتنی مصیبتیں نازل کی ہیں اور مجھے کیسی سخت بیماریوں میں مبتلا کیا ہے اور اس پر بے چینی اور بے قراری اور آہ و فغاں کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کا حال کہنا اور اپنے مصائب کا ذکر کرنا اور اسی سے شکایت اور فریاد کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

(لَمَّا أَتَاهُ ذَا بَنِي إِسْرٰءِيلَ وَخَضِرَىٰ ذُرِّيَّتِهِ لَمَنِ الشُّعْبَةُ)

(پس: ۸۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہمارے (دیگر خاص) بندوں کو یاد کیجئے! کہ انہیں اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے اور بصیرت والے ہیں O ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے ساتھ جن لیا تھا O بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں O اور اسماعیل اور اسحاق اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب نیک ترین ہیں O (س: ۸۷-۸۸)

مشکل حالات میں انبیاء علیہم السلام کی استقامت یاد دلا کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔۔۔

کو صبر کی تلقین فرماتا

ص: ۸۰ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفار مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کذاب (جادوگر جھوٹا) کہتے ہیں ص: ۸۱ میں فرمایا: یہ لوگ کہتے ہیں: ایسا پیغام ہم نے کبھی دیکھا نہیں سنا یہ شخص ان کی من گھڑت بات ہے ص: ۸۲ میں فرمایا: کیا ہم میں سے صرف ان کو اس پیغام کے پہنچانے کے لیے خاص کر لیا گیا ہے۔ ص: ۸۳ میں فرمایا: آپ ان کی دل آزار باتوں پر صبر کیجئے پھر ص: ۲۹ تک حضرت داؤد علیہ السلام کا مفصل قصہ بیان فرمایا کہ ان کو کس قدر تکلیفیں حالات پیش آئے اور انہوں نے

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيُحْصَاةَ وَكَوْنُودَ ۚ وَلَکُمْ فِي ذَٰلِکَ لَآیَاتٍ لِّیَ الذَّکِّرِیْنَ

لَاذِلْکَ ۝ (س: ۳۴)

اور ہم نے اسے اس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اپنی رست سے

اتاری اور بھی اس کے ساتھ اور یہ عقل والوں کے لیے نصیحت ہے ○

بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو یہ طور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کی مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا اور اللہ نے پہلے سے زیادہ مال اور اولاد سے انہیں نوازا دیا جو پہلے سے دُعا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ کے لیے قسم پوری کرنے میں تخفیف اور رعایت

حافظ ابن ہشام لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انیس نے راستہ میں ایک تابوت بچھایا اور اس پر بیٹھ کر بنیادوں کا علاج کرنے لگا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری تو اس نے پوچھا: کیا تم بیماری میں مبتلا اس شخص کا بھی علاج کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں! اس شرط کے ساتھ کہ جب میں اس کو شفا دے دوں تو تم یہ کہنا کہ تم نے شفا دی ہے اس کے سوا میں تم سے کوئی اور اجر نہیں طلب کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا: تم پر افسوس ہے یہ تو شیطان ہے اور اللہ کے لیے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ نے مجھے صحت دے دی تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا اور جب وہ سندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّیْ سَوَّیْتُ لَکُمُ الْغُرُوبَ وَجَعَلْتُ لَکُمُ الْاَوَّلِیْنَ

صَابِرًا وَیَعْمَلِ الْغَبْیْرُ ۝ (س: ۳۴)

اور اپنے ہاتھ سے (سو) ٹکڑوں کا ایک ٹکڑا (بچھاؤ) پکڑ

لیں اور اس سے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں بے شک ہم نے ان کو

صابر پایا وہ کیا ہی خوب بندے تھے بہت زیادہ رجوع کرنے

والے ○

سو حضرت ایوب نے اپنی بیوی پر جھڑوا کر اپنی قسم پوری کر لی۔ (مختصر تفسیر ج ۵ ص ۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی یا کوئی دوسرا شخص بھی سو کوڑوں کی جگہ سو ٹکڑوں کی جھڑوا کر قسم توڑنے سے بچ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں ایک شخص رہتا تھا جس کی خلعت ناقص تھی۔ وہ اپنے گھر کی ایک باندی (نور کانی) سے زنا کرتا تھا۔ یہ قصہ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: اس کو سو کوڑے مارو۔ مسلمانوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو اس کے مقابلہ میں بہت کمزور ہے اگر ہم نے اس کو سو کوڑے مارے تو یہ مر جائے گا۔ آپ نے فرمایا: پھر اس کے لیے سو ٹکڑوں کی ایک جھڑوا دو اور وہ جھڑوا اس کو ایک مرتبہ مار دو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۴، الترمذی رقم الحدیث: ۵۵۲۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۲۱، عالم الکتب بیروت النسخہ المطابع رقم الحدیث: ۲۸۳۳، علامہ بیہقی نے کہا: اس کی سند ضعیف ہے)

قرآن اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمزور اور بیمار شخص پر قسم پوری کرنے کے لیے یا حد جاری کرنے کے لیے سو کوڑے مارنے کے بجائے سو ٹکڑوں کی جھڑوا ماری جاسکتی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام رحمت بنت عثمان بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق تھا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۵)

کی عبادت کریں گے تو ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مستغرق اور شہمک رہنا بھی خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس سے ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی نے ”الاصول والاعتقاد“ میں بیان کیا کہ ہم نے ان نبیوں اور رسولوں کو نفس کی صفات کی آمیزش سے معافی کر لیا اور ان نیت کی کدورت سے پاک کر دیا اور ان کے دلوں میں خالص اپنی محبت کو ڈال دیا اور اب ان کے دلوں میں ہمارے غیر کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور اب وہ ہمارے غیر کی طرف مائل نہیں ہوتے حتیٰ کہ اپنی ذوات کی طرف بھی ان کا میلان نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا غفلت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی مظہر ہے اور آخرت نور ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی مظہر ہے۔

عصمت انبیاء پر دلیل

ص: ۳۷ میں فرمایا: ”بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں۔“
انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں اور بنی نوع انسان میں سے ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے وہ شر اور معصیت کی آمیزش سے مبرا اور منزہ ہیں۔ اس آیت میں ان کو اختیار فرمایا ہے اختیار خیر کی جمع ہے اور صفت مشہد ہے یا یہ اسم تفصیل ہے یعنی وہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ نیک کے حامل ہیں۔

اس آیت سے ہمارے علماء نے انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علی الاطلاق اختیار فرمایا ہے اگر کسی وجہ سے بھی ان کی زندگی میں معصیت اور گناہ در آئے تو وہ علی الاطلاق خیر نہیں رہیں گے اس لیے ان سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی نہ صغیرہ نہ کبیرہ نہ سہو نہ عمدہ نہ حقیقتاً نہ صورتاً ہاں انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطا ہو جاتی ہیں اور بعض مصلحتوں کو پورا کرنے کے لیے اور امت کے لیے شرعی احکام میں نمونہ فراہم کرنے کے لیے ان سے بعض اوقات ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو بظاہر مکروہ تنزیہی یا بد ظاہر خلاف اولیٰ ہوتے ہیں اور ان کا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہونا امت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے وہ افعال فرض کے حکم میں ہوتے ہیں کیونکہ شریعت کا بیان کرنا انبیاء علیہم السلام پر فرض ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ مکروہ تنزیہی کسی قسم کا گناہ نہیں ہے نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کا گناہ نہ ہونا

اصلی حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصد اسیا کیا اور نبی قصد اکتاہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۴۵۰-۴۴۹ طبع بہار رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۶ء)

نیز اصلی حضرت فرماتے ہیں:

نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۴۵۱ طبع بہار رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۶ء)

اور اصلی حضرت فرماتے ہیں:

پھر کہ امت تنزیہی کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولیٰ ہے نہ کہ فعل نا جائز ہو علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت مانع جواز و اجابت ہے جانب ترک میں اس کا وہ رتبہ ہے جو جہت فعل میں مستحب کا کہ مستحب کچھ تو بہتر نہ کیجئے تو گناہ نہیں۔

ممبر کیا اور استقامت کے ساتھ دین کی تبلیغ میں مصروف رہے سو آپ بھی اس طرح کیجئے پھر ص ۳۰ سے ص ۴۰ تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ان کو بھی سخت آزمائش سے گزرنا پڑا سو آپ بھی مبر و مسکن کے ساتھ اپنے مشن کو پورا کرتے رہیں پھر ص ۴۱ سے ص ۴۳ تک حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ ان پر بھی سخت آزمائش کا دور آیا اور وہ کامیابی کے ساتھ اس امتحان سے گزر گئے سو آپ بھی کفار مکہ کی دل آزار باتوں سے نہ گھبراہٹیں اور حق دہی اور سرگرمی کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہیں اسی طرح اب ص ۴۵ میں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر فرمایا کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کا صبر یاد کیجئے کہ ان کو آگ میں ڈالا گیا حضرت اسحاق کا صبر یاد کیجئے اور حضرت یعقوب کا صبر یاد کیجئے جب ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کم ہو گئے تھے اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح لکھا ہے۔ (تفسیر کبیرہ ص ۴۰) ائمہ اہل سنت نے اس کی تفسیر میں انہوں نے اس قول کا رد کیا تھا علامہ قرطبی اور بعض دیگر مفسرین کا بھی یہ معیار ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبح ہیں انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اس آیت سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ذبح حضرت اسحاق ہیں نہ کہ حضرت اسماعیل علیہم السلام اور یہی قول صحیح ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "الاعلام بمولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں بیان کیا ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۵۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح قرار دینا یہودیوں کا قول ہے اس کی تفصیل اور اس قول کا رد ہم وہاں بیان کر چکے ہیں۔

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوبؑ کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ "اولیٰ الالباب والابصار" تھے یعنی ہاتھوں اور آنکھوں والے ہاتھوں اور آنکھوں کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ انسان اکثر کام ہاتھوں سے انجام دیتا ہے اور آنکھوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ معلومات کے حصول کا سب سے قوی ذریعہ ہے اور انسان کی دو قوتیں ہیں: قوت عالمہ اور قوت عاقلہ قوت عالمہ کا سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور قوت عاقلہ کا سب سے افضل عمل اور اک اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور قوت عالمہ اور قوت عاقلہ کے جو کام ان کے ماسوا ہیں وہ ان کے مقابلہ میں قابل ذکر نہیں ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا خالص دار آخرت کے ساتھ مشغول ہونا

ص ۴۶ میں فرمایا: ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے لیے چن لیا تھا اس کے سبب ذیل محال ہیں۔

- (۱) وہ آخرت کی یاد میں اس قدر زیادہ مشغول اور مستغرق ہیں کہ گویا دنیا کو بھول چکے ہیں۔
 - (۲) اللہ تعالیٰ دار آخرت میں ان کے ذکر جمیل کو بلند فرمائے گا اور ان کی تعریف اور تحسین کی جائے گی۔
 - (۳) اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کی نیکیوں کا چرچا کرے گا اور آخرت میں ان کو سر بلند فرمائے گا۔
- اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے قرار دینا کس طرح صحیح ہوگا جب کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اطاعت اور عبادت میں مشغول رہنا صرف اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کے دیدار کا شوق ہے اور وہ جب ہی حاصل ہوگا جب اللہ ان سے راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے اسی وقت راضی ہوگا جب وہ اس کے احکام کی اطاعت اور اس

کی عبادت کریں گے تو ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مستغرق اور منہمک رہتا بھی خالص اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس سے ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی نے "الاصول صلات النجعیہ" میں بیان کیا کہ ہم نے ان نبیوں اور رسولوں کو فہم کی صفات کی آمیزش سے معنی کر لیا اور انائیت کی کدورت سے پاک کر دیا اور ان کے دلوں میں خالص اپنی محبت کو ڈال دیا اور اب ان کے دلوں میں ہمارے غیر کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے اور اب وہ ہمارے غیر کی طرف مائل نہیں ہوتے حتیٰ کہ اپنی ذوات کی طرف بھی ان کا میلان نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا غفلت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی مظہر ہے اور آخرت نور ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی مظہر ہے۔

عصمت انبیاء پر دلیل

ص ۴۷ میں فرمایا: "بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں۔"

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں اور بنی نوع انسان میں سے ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے وہ شر اور معصیت کی آمیزش سے برآ اور منزہ ہیں۔ اس آیت میں ان کو اختیار فرمایا ہے اختیار خیر کی جمع ہے اور صفت مشبہ ہے یا یہ اسم تفضیل ہے یعنی وہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ نیکی کے حامل ہیں۔

اس آیت سے ہمارے علماء نے انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علی الاطلاق اختیار فرمایا ہے اگر کسی وجہ سے بھی ان کی زندگی میں معصیت اور گناہ در آئے تو وہ علی الاطلاق خیر نہیں رہیں گے اس لیے ان سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی نہ صغیرہ نہ کبیرہ نہ سہواً نہ عمداً نہ حقیقتاً نہ صورتاً ہاں انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطاء ہو جاتی ہیں اور بعض مصلحتوں کو پورا کرنے کے لیے اور امت کے لیے شرعی احکام میں سہوہ فراہم کرنے کے لیے ان سے بعض اوقات ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو بظاہر مکروہ تنزیہی یا بظاہر خلاف اولیٰ ہوتے ہیں اور ان کا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہونا امت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے وہ افعال فرض کے حکم میں ہوتے ہیں کیونکہ شریعت کا بیان کرنا انبیاء علیہم السلام پر فرض ہے اور یہی واضح رہے کہ مکروہ تنزیہی کسی قسم کا گناہ نہیں ہے نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔

مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کا گناہ نہ ہونا

اطلی حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولیٰ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصد ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۸۷ طبع بدینہ رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۲ء)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۸۷ طبع بدینہ رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۲ء)

اور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

پھر کراہت تنزیہی کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولیٰ ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت جامع جواز و اجابت ہے چاہے ترک میں اس کا وہ رجب ہے جو جہت فعل میں مستحب کا کہ مستحب کیجئے تو بجز نہ کیجئے تو گناہ نہیں۔

مکروہ تنزیہی نہ کیجئے تو بہتر کیجئے تو گناہ نہیں پس مکروہ تنزیہی کو داخل دائرہ اباحت مان کر گناہ صغیرہ اور اعتدال کو کبیرہ قرار دینا جیسا کہ فاضل لکھنوی سے صادر ہوا پھر سید شہیدی پھر کردی اس کے تابع ہوئے سخت لغزش و خطائے فاسدہ ہے یا رب! مکروہ گناہ ہے کون سا جو شرعاً مباح ہو اور وہ مباح کیسا جو شرعاً گناہ ہو۔ فقیر غفرلہ المولیٰ القدر نے اس خطائے شدید کے رد میں ایک مستقل تحریر مسمیٰ بہ "جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیہ" تحریر کی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۳۳ طبع قدیم مکتبہ رضویہ کراچی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس موضوع پر عربی میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام "جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیہ" رکھا ہے اس کے ص ۳۷ سے ص ۴۲ تک اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے یہ رسالہ غیر مطبوعہ ہے ہم نے اس کا نسخہ حاصل کیا اس کی ابتدا میں چند طور کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

جس چیز پر ہمیں کامل یقین اور اعتماد ہے وہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی بالکل گناہ نہیں ہے نہ کبیرہ نہ صغیرہ اور اس کے ارتکاب سے بندہ کسی قسم کی سزا کا مستحق نہیں ہوتا نہ جگہ نہ بھاری اور یہی خاص حق ہے جس سے انحراف کی کوئی صورت نہیں ہے کثرت علماء نے اس کی تصریح کی ہے رد المحتار کے حشر و اباحت کی بحث میں علامہ شامی نے تکوین کے حوالے سے لکھا ہے: رہا مکروہ تنزیہی تو وہ اتفاقاً جواز کے زیادہ قریب ہے اس معنی میں کہ مکروہ تنزیہی کے مرتکب کو اصلاً سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ اس کے ترک کرنے والے کو کچھ ثواب ملے گا اور علامہ ابو سعید کے حوالے سے لکھا ہے کہ مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ متبع ہوتا ہے۔ (علامہ شامی نے یہ بات صاحب کے حوالے سے لکھا ہے نہ کہ ابو سعید کے حوالے سے رد المحتار ص ۲۸۸ سعیدی غفرلہ)

(جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیہ) غیر مطبوعہ (ص ۳۷) اعلیٰ حضرت نے تکوین کا جو حوالہ دیا ہے اس کی تخریج یہ ہے: تکوین مع التوضیح ص ۶۳ مطبوعہ اصح المطابع کراچی اور اعلیٰ حضرت نے علامہ شامی کے جو حوالے ذکر کیے ہیں ان کی تفصیل اس طرح ہے علامہ شامی فرماتے ہیں: مکروہ تنزیہی مباح کو بھی شامل ہوتا ہے کیونکہ مکروہ تحریمی لازماً ممنوع ہوتا ہے۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۸ مخلصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ) نیز علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مستحب کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۱) پھر آگے چل کر لکھا ہے: مستحب کو ترک کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۳) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فعل پر ملامت نہیں کی جاتی۔

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں:

مکروہ تنزیہی جواز کے زیادہ قریب ہے یعنی اس کے فاعل کو بالکل سزا نہیں دی جائے گی اور اس کے تارک کو کچھ ثواب ملے گا تکوین۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۹ و رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۱) بیروت ۱۴۱۹ھ عصمت کی تعریف اور معصوم اور محفوظ کا فرق

عصمت پر بحث کے دوران مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصمت کی تعریف بھی کر دی جائے۔

علامہ میر سید شریف علی بن محمد الجرجانی التتوی ۸۲۶ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کے ملکہ (جہارت) کو عصمت کہتے ہیں۔

(کتاب فہرستات ص ۷۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ و جامعہ البیانی ص ۱۶۶ لکھنؤ)

قاضی عبداللہ بن عبدالرحمن الاچہ مگر لکھتے ہیں:

عصمت کی تعریف یہ ہے: گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے اجتناب کا ملک اور اس کی مدد کی تعریف یہ ہے۔
 اللہ کی طرف سے بندہ میں ایک ایسی قوت جو بندہ میں گناہوں پر قدرت اور اختیار کے باوجود اسے گناہوں اور مکررات کے فعل سے روکتی ہے گناہوں سے اجتناب کے ملک کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ یہ بندہ میں اللہ کی طرف سے ایک ایسی صفت ہے جو اس کو خیر اور نیک پر ابھارتی ہے اور اس کو شر اور برائی سے روکتی ہے اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ کرنے پائے کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے تاکہ اس میں امتحان اور ابتلاء کا معنی تحقق ہو اسی وجہ سے شیخ ابو منصور مازری نے رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عصمت آزمائش اور مکلف ہونے کی صفت کو زائل نہیں کرتی اس تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ شیعہ اور معتزلہ کی عصمت کی بیان کردہ تعریف قاسد اور باطل ہے۔ انہوں نے یہ تعریف کی ہے: کسی شخص کے نفس یا عقد میں ایسی خاصیت یا اس کے بدن میں ایسی صفت ہو جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور محال ہو اس کو عصمت کہتے ہیں۔ یہ تعریف اس لیے باطل ہے کہ اگر بندہ سے گناہوں کا صدور محال ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ اس کو گناہوں کے ترک کرنے پر ثواب عطا کرنا صحیح ہو گا علامہ مختار زانی نے شرح الفقہاء (ص ۱۰۹) میں اسی طرح لکھا ہے اور جنہوں نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ میں گناہ کو پیدا نہ کرنا اس کے باوجود کہ بندہ میں گناہ پر قدرت اور اختیار باقی ہو اس تعریف کا مآل بھی وہی ہے کیونکہ عصمت کی حقیقت صرف گناہوں سے بچنے کا ملک ہے۔

انبیاء معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ ہوتے ہیں اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء دونوں میں گناہوں پر قدرت اور اختیار ہوتا ہے لیکن انبیاء جب گناہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا نہیں کرتا اور اولیاء اگر گناہ کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں گناہ پیدا کر دیتا لیکن وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہی نہیں ہیں۔

(مستدرک، ج ۳، ص ۲۲۳-۲۲۴ دارالکتب احقر، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عبدالحی نے معصوم اور محفوظ میں جو فرق بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس لیے کہ گناہ کبیرہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور انبیاء اس سے معصوم ہیں لہذا وہ گناہ کا ارادہ نہیں کرتے نیز یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ انبیاء گناہ کبیرہ کا ارادہ کرتے ہیں لیکن اللہ ان میں گناہ کبیرہ پیدا نہیں کرتا کیونکہ بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور اگر انبیاء علیہم السلام گناہ کا ارادہ کریں اور اللہ ان میں گناہ پیدا نہ کرے تو پھر وہ دنیا میں گناہوں کے ترک پر حسیں اور آخرت میں اس پر اجر کے مستحق نہیں ہوں گے اور علامہ عبدالحی نے محفوظ ہونے کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر اولیاء گناہ کا ارادہ کرتے تو اللہ ان میں گناہ کو پیدا کر دیتا لیکن وہ گناہ کا ارادہ کرتے ہی نہیں اس پر یہ اعتراض ہے کہ پھر تو اولیاء اللہ انبیاء سے بڑھ گئے کیونکہ علامہ عبدالحی کے نزدیک انبیاء تو گناہ کا ارادہ کرتے ہیں اور جب اولیاء گناہ کا ارادہ نہیں کرتے تو وہ انبیاء سے بڑھ گئے۔

اس لیے انبیاء کے معصوم ہونے اور اولیاء کے محفوظ ہونے میں صحیح فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کبھی بھی کسی حال میں کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوتا مصیبرہ نہ کبیرہ "سبوان عمدا" صورتاً نہ حقیقتاً اور اولیاء اگر کام سے بعض اوقات گناہ صادر ہو جاتا ہے لیکن وہ اس سے جلد توبہ کر لیتے ہیں یا ان پر حد جاری ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ حضرت مطہرؓ اور حضرت حمزہ بنت جحشؓ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی پھر ان پر حد جاری ہوئی اور وہ پاک ہو گئے۔ (سنن ابوداؤد رحمہ اللہ ص ۳۷۴ سنن الترمذی رحمہ اللہ ص ۶۸۰ سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ ص ۵۶۷ جامع المسانید والنسب سنہ ما تشریہم رحمہ اللہ ص ۳۵۷) بخیر و تم کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ (صحیح البخاری رحمہ اللہ ص ۳۷۴ صحیح مسلم رحمہ اللہ ص ۶۸۸ سنن ابوداؤد رحمہ اللہ ص ۶۲۳ سنن الترمذی رحمہ اللہ ص ۶۳۰ سنن

الہیٰ رقم المحدث: ۱۳۳۳ سنن ابن ماجہ رقم المحدث: ۲۵۳۷ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو زنا کی وجہ سے رجم کیا گیا۔ (صحیح البخاری)
 رقم المحدث: ۶۸۳۲ صحیح مسلم رقم المحدث: ۱۶۹۸ سنن ابوداؤد رقم المحدث: ۴۴۳۰ سنن الترمذی رقم المحدث: ۱۳۲۹ حبیہ کی ایک خاتون زنا سے
 حاملہ ہو گئی تو ان کو رجم کیا گیا۔ (صحیح رقم المحدث: ۱۶۹۲ سنن ابوداؤد رقم المحدث: ۴۴۳۰ سنن الترمذی رقم المحدث: ۱۳۲۵ سنن نسائی رقم المحدث: ۱۶۵۶
 سنن ابن ماجہ رقم المحدث: ۲۵۵۵) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چسایا کرتے تھے ان کا لقب حمار تھا
 وہ بار بار شراب پیتے تھے اور بار بار ان پر حد لگائی جاتی تھی ایک شخص نے ان کے متعلق کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر اس کو سختی بار
 سزا دی گئی ہے (اور یہ باز نہیں آتا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لعنت نہ کرو مجھے کو صرف یہ علم ہے کہ یہ اللہ اور اس کے
 رسول سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم المحدث: ۶۷۸۰)

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں ان سے معصیت کا صدور ہوا اور پھر وہ اس معصیت سے تائب ہوئے ان پر حد
 جاری ہوئی اور وہ اس معصیت سے پاک ہو گئے اور صحابہ کرام تمام بعد کے اولیاء کرام سے زیادہ افضل اور کرام اولیاء اللہ ہیں۔
 اس لیے گناہوں سے محفوظ ہونے کی صحیح تعریف یہی ہے کہ ان نفوس قدسہ سے کبھی کبھی کسی گناہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن
 اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو جلد ہی توبہ کی توفیق دے دیتا ہے اور وہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتے ہیں اور عام لوگ ان
 کی بہ نسبت زیادہ گناہوں میں اور نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں مبتلا ہوتے ہیں اور توبہ کرنے میں سستی کرتے ہیں اور
 توبہ کرنے کے بعد بھی بار بار گناہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور صحابہ کرام اور اولیاء و عظام کا گناہوں سے محفوظ ہونے کا معنی یہ
 ہے کہ وہ بہ کثرت گناہوں کا ارتکاب کرنے اور توبہ میں سستی کرنے سے محفوظ ہوتے ہیں اور توبہ کو توڑنے سے محفوظ ہوتے ہیں
 ان کی توبہ توبہ بصوح ہوتی ہے اور وہ ان آیات کے مطابق ہوتے ہیں:

اور جب یہ (مؤمنین) کوئی بے حیائی کا کام کر نہیں یا کوئی
 اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے
 گناہوں پر مغفرت طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو
 بخشنے کا اور انہوں نے جو (گناہ) کیا ہے اس پر دانستہ اصرار نہیں
 کرتے ان لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے
 اور انکی جنتیں ہیں جن کے چپے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ
 رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے ○

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاسِقَةً فَاذْكُرُوا آلَافَهُمْ ذُكُرُوا
 اللَّهُ فَاسْتَعْفُوا لِدُوبِهِمْ وَأَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ○ وَالَّذِينَ
 وَلَمْ يَبْسُزُوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ أُولَٰئِكَ
 جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتُ جَنَّةٍ مِنْ
 رَبِّهِمْ ○ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ أَجْلِ حُلِيِّنَ ○

(آل عمران ۱۳۲-۱۳۵)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ ضَلَالٌ مِنَ الْفِتَنِ
 تَوَلَّوْا أَلَا هَذَا هُمْ مَقْبُوحُونَ ○ (اعراف ۳۴)

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کے دل میں
 کسی شیطانی کام کا خیال آتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں پھر
 اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ○
 اللہ پر صرف ان ہی لوگوں کی توبہ کو قبول کرنا ہے جو (عذاب
 سے) جہالت کی بنا پر گناہ کے کام کرتے ہیں پھر جلد ہی اس کا مہر
 سے توبہ کر لیتے ہیں تو ان لوگوں کی توبہ کو اللہ قبول فرماتا ہے اور اللہ
 بہت علم والا ہے حد مکت والا ہے ○

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَتَذَكَّرُونَ الشُّعْرَ
 بِمَا هُمْ لِقَائِهِمْ يُتَوَنُّونَ مِنْ قَدْرِهِمْ ○ فَاُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ
 عَلَيْهِمْ ○ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ (نساء ۱۷)

اور جو لوگ مسلسل گناہ کرتے رہے ہیں اور توبہ کو مؤخر کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ ان کی موت آ جاتی ہے وہ اس آیت کا صدق بننے کے خطرہ میں ہیں:

وَكَيْفَ تَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَالَّذِينَ يَكْمُلُونَ الشَّيْءَ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذُوا أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُخِيتُ النَّاسَ ۚ
اور اللہ پر ان لوگوں کی توبہ کو قبول کرنا نہیں ہے جو مسلسل
نرے کام کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس
موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی۔ (انعام: ۱۸)

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے اور اولیاء کے محفوظ ہونے میں یہ فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان کو گناہ پر قدرت ہی نہیں اور گناہ کرنا ان کے لیے ممکن ہی نہیں اس کے برخلاف اولیاء کرام کو گناہوں پر قدرت تو ہوتی ہے لیکن وہ کبھی بھی گناہ کا فعل نہیں کرتے۔

یہ دونوں تفریقیں باطل ہیں اقول اس لیے کہ اگر انبیاء علیہم السلام گناہ کے فعل پر قادر نہ ہوں تو ان کو گناہ کے ترک کرنے کا مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ گناہ کے ترک کرنے پر وہ دنیا میں تحسین اور آخرت میں اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے اور ثانی اس لیے کہ اگر محفوظ ہونے کا یہ معنی ہو کہ وہ گناہ پر قادر تو ہوں لیکن کبھی اس کا فعل نہ کریں تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اولیاء نہ ہوں کیونکہ انہوں نے گناہ کا فعل کیا اور بعد میں اس پر توبہ کی اور صحابہ کرام سے بڑھ کر تو کوئی اللہ کا ولی ہو نہیں سکتا۔

اس لیے انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کا صحیح معنی یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ گناہ کے فعل پر قادر ہوتے ہیں لیکن ان پر خوف خدا کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی قصداً گناہ کا فعل نہیں کرتے اور اولیاء کرام کے محفوظ ہونے کا صحیح معنی یہ ہے کہ ہر چند کہ بشری نقائص سے وہ کبھی گناہ کا فعل کر جیتے ہیں لیکن فوراً خدا کو یاد کر کے تسخیل جاتے ہیں اور توبہ کر لیتے ہیں اور باہم وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرتے اور وہ بہت کم گناہ کا فعل کرتے ہیں اس کے برخلاف عام لوگ بہ کثرت گناہ کرتے ہیں اور توبہ کرنے میں سستی کرتے ہیں اور باہم وہ توبہ کرنے کے بعد اس گناہ کا اعادہ کرتے ہیں۔

بہت عرصہ سے میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے اور اولیاء کرام کے محفوظ ہونے کو تفصیل سے لکھوں اور اب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ مضامین القاء کیے اور میں نے اس فرق کو دلائل کے ساتھ تفصیل سے لکھا۔ فالحمد للہ رب العالمین

میرا دل اور دماغ ان پاکیزہ نکات کے لائق تو نہیں لیکن وہ رب کریم باپا کا کھاد سے پاکیزہ رزق اور حسین و جمیل چل اور پھول پیدا کر دیتا ہے فقرہ خیال کو گہر آب و بار بار دیتا ہے اندھیرے سے روشنی نکال لاتا ہے سو وہ مجھ ایسے سید کا اور گنہگار کے دل و دماغ میں ایسے پاکیزہ اور لطیف نکات پیدا کر دیتا ہے۔ فسمان اللہ و بحمدہ و بحسان اللہ العظیم
عصمت انبیاء علیہم السلام پر متصل بحث اور عصمت پر اعتراضات کے جوابات شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۳۳۶-۳۸۵ میں
ملاحظہ فرمائیں شاید اس سے زیادہ تفصیل اور تحقیق آپ کو اور کہیں نہ ملے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اپنے والد اور بھائی سے منقطع کرنے کی توجیہ

ص: ۳۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور اسماعیل اور اسماعیل اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب نیک ترین ہیں۔"

اور اسماعیل بن ابراہیم کو یاد کیجئے اس سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا ذکر فرمایا تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ان کے والد گرامی اور ان کے بھائی سے منقطع کیا ہے منقطع نہیں کیا۔ اس میں یہ حبیہ کرنا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر میں سب سے بڑھ کر تھے اور یہاں صبر کی مفت کا ہی بیان مقصود ہے اور وہ صبر میں سب سے

یہ کہہ کر اس لیے ہیں کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں ذبح کے لیے پیش کر دیا تھا یا اس لیے کہ وہ تقسیم کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ افضل الانبیاء والمرسلین یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہ کریم ہیں۔
 المسیح بن اخطوب: ان کو حضرت الیاس نے بنی اسرائیل پر خلیفہ بنایا تھا پھر ان کو نبی بنایا گیا۔ وہ بن مہنے نے کہا ہے کہ حضرت المسیح حضرت الیاس کے صاحب تھے یہ دونوں حضرت زکریا سے پہلے گزرے ہیں ان کی تفصیل بیان القرآن ج ۳ ص ۵۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ذوالکفل: یہ حضرت المسیح کے عم زاد ہیں ان کو ان کے والد کی وفات کے بعد شام کی طرف مبعوث کیا گیا ان کی نبوت میں اختلاف ہے اللہ تعالیٰ نے جس طرح تعریف و تحسین کے ساتھ ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی ہیں۔ امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۲۵ھ نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ المسیح اور ذوالکفل دونوں بھائی تھے اور ذوالکفل ایک نیک آدمی کے نیک اعمال کے کفیل ہو گئے تھے جو ہر روز سو نمازیں پڑھتا تھا ان کا مفصل حال ہم نے بیان القرآن ج ۳ ص ۶۵۵-۶۵۴ میں لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (قرآن) صیحت ہے اور بے شک اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور اچھا ٹھکانا ہے O (دو) دائمی جہنم ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں O وہ ان میں بھیجے لگائے ہوئے ہوں گے وہ ان میں بہ کثرت پھلوں اور مشروبات کو طلب کریں گے O اور ان کے پاس پتی نظر والی ہم عمر عورتیں ہوں گی O یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روز حساب کے لیے وعدہ کیا گیا تھا O بے شک یہ ضرور ہمارا عطیہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O (ص ۵۴۰-۵۳۹)
جنت عدن کے متعلق احادیث اور آثار

ص ۴۹۰ میں فرمایا: یہ ذکر ہے۔ یعنی قرآن مجید کہ وہ آیات جن میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا ذکر ہے ان آیات میں ان کی تعریف اور تحسین ہے اور ان کا ذکر خیر ان کی وفات کے بعد کیا جاتا رہے گا اور انبیاء علیہم السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کے واقعات سے نصیحت حاصل کی جائے اور ان کی سیرت کی اقتداء کی جائے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور اچھا ٹھکانا ہے۔

ص ۵۰۰ میں فرمایا: "وہ جنت عدن ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔"
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس میں ایسی نعمتیں پیدا کیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے پھر جنت عدن سے فرمایا: تم بات کرو تو اس نے کہا: "قد الطح المؤمنون" الا یہ۔

(الحکم الاوسط رقم الحدیث: ۵۳۳۸، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۳۳۹)
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے جنت عدن کو پیدا فرمایا اور اس میں اس کے پھل نکال دیے اور اس میں اس کے دریا جاری کر دیئے پھر اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: تم کلام کرو تو اس نے کہا: "قد الطح المؤمنون" (بے شک مومن کامیاب ہو گئے) پھر کہا: مجھے اپنی عزت کی قسم! مجھ میں کوئی پھل نہیں رہے گا۔ (الحکم الاوسط رقم الحدیث: ۵۳۳۸، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۳۳۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا: جو شخص جنت میں داخل ہو گا وہ زندہ رہے گا اور اس کو موت نہیں آئے گی اس کو اس میں نعمتیں ملیں گی اور وہ خوف زدہ نہیں ہو گا

اس کے کپڑے میلے ہوں گے اور نہ اس کا شباب بھی ختم ہوگا۔ عرض کیا گیا: رسول اللہ! جنت کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ فرمایا: اس کی ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی ہے اور اس کی لپائی کا گارا محکم ہے اور اس کی مٹی زعفران ہے اور اس کی بجزی موتی اور یا قوت ہیں۔

(مخففہ اشعری نے کہا: نام طبرانی نے اس حدیث کو سند حسن سے روایت کیا ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۸۶۸۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۱۶۶) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب سے پوچھا: جنت عدن کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! وہ جنت میں سونے کے محل ہیں جن میں انبیاء و صدیقین شہداء اور ائمہ مدین رہیں گے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۳۳۰۵۳)

جنت کے دروازے کھلے رکھنے کے اسرار اور نکات

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں“ اس ارشاد کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) جب متقین جنت عدن کے پاس پہنچیں گے تو ان کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے ان کو جنتوں کے دروازے کھلوانے کے لیے کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور نہ فرشتوں سے اجازت لینے کا مرحلہ پیش آئے گا بلکہ فرشتے ان کی پیشوائی کے لیے مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہوئے ان سے ملیں گے۔

(۲) یہ قول اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی کی تحریم اور تعظیم کے اظہار کے لیے کہتا ہے: میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

(۳) اس میں متقین کے بلند حوصلہ کی طرف اور نفسانی خواہشوں اور لذتوں سے ان کے دور رہنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جنت کو نفس کی ایسی پائندہ چیزوں سے گھیرا ہوا ہے کہ اس میں کسی کے داخل ہونے کی توقع نہیں ہے تو ان لوگوں کی سیرت کی عمدگی اور پاک و اخلاقی کا کیا عالم ہوگا جن کے لیے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا تو حضرت جبریل کو جنت کی طرف بھیجا اور فرمایا: جنت کو دیکھو اور ان نعمتوں کو دیکھو جو میں نے جنت میں اہل جنت کے لیے تیار کی ہیں! حضرت جبریل آئے اور جنت کو دیکھا اور ان نعمتوں کو دیکھا جو جنت میں اہل جنت کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ وہ اللہ کے پاس لوٹ کر آئے اور کہا: تیری عزت کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں ضرور داخل ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے قسم دیا کہ جنت کی ہر طرف کا ان چیزوں سے احاطہ کر دیا جائے جو جس کے لیے باعث مشقت اور پائندہ چیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ اب جنت کو دیکھو اور جنت کی ان نعمتوں کو دیکھو جن کو میں نے اہل جنت کے لیے تیار کیا ہے۔ حضرت جبریل دوبارہ گئے تو جنت کا احاطہ ان چیزوں نے کیا ہوا تھا جو جس کے لیے باعث مشقت اور پائندہ چیز ہیں! حضرت جبریل لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور کہا: تیری عزت کی قسم! اب مجھے خدشہ ہے کہ اس جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہوگا۔ اللہ عیسیٰ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۴ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۳۹۳۳ لسان العرب ج ۱ ص ۲۶۱ البیہقہ و التلمیذی رقم الحدیث: ۱۶۶ شرح الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۱۵) سبحان اللہ! جنت میں داخل ہونے کے لیے اس قدر مشکل اور صبر آزما کام کرنے پڑتے ہیں کہ حضرت جبریل کو بھی یہ خطرہ تھا کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا تو ان لوگوں کے تقویٰ اور طہارت بلند حوصلہ اور کردار کی پاکیزگی کا کیا عالم ہوگا جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کے دروازے پہلے سے کھول رکھے ہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۲۵ھ نے کہا ہے کہ جنت کے دروازے دو قسم کے ہیں: بعض دروازوں کا رخ مخلوق کی طرف ہوگا اور بعض دروازوں کا رخ خالق کی طرف ہوگا جن دروازوں کا رخ مخلوق کی طرف ہوگا ان دروازوں سے جنت میں دخول ہوگا اور جن دروازوں کا رخ خالق کی طرف ہوگا ان دروازوں سے جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا متقین کے لیے دونوں قسم کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے وہ مخلوق کے دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ان کے لیے جنت میں تیار کر رکھی ہیں ان سے بہرہ اندوز ہوں گے پھر وہ جنت میں خالق کے دروازہ سے نکل کر اس جگہ پہنچیں گے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فِي مَقْعَدٍ وَحِدٍ رَّبُّكَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْ ۖ وَرَبُّكَ فَاعْتَبِرْ ﴿۵۰﴾

(متقین جنت میں قدرت والے بادشاہ سے پاس صدق

کی نشست میں بیٹھے ہوں گے) (آخر: ۵۵)

متقین کے لیے جنت کی نعمتیں

ص: ۵۱ میں فرمایا: "وہ ان میں ٹھیکے لگائے ہوں گے وہ ان میں بہ کثرت پھلوں اور مشروبات کو طلب کریں گے" ○
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ متقین جنتوں میں ٹھیکے لگائے ہوں گے اور دوسری آیات میں حکم لگانے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے جو حسب ذیل ہیں:

لَهُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ الْأَعْنَابِ مُتَّكِئُونَ ○ جنتی اور ان کی بیویاں سایوں میں سہجے پر ٹھیکے لگائے

(نہ: ۵۲) بیٹھے ہوں گے

مُتَّكِئِينَ عَلَى رَفْدٍ عُصْفَرٍ وَزَعْفَرَيْنِ وَسَالِمِينَ ○ وہ سبز مندوں پر اور فیہ معمولی حسین ہستروں پر ٹھیکے لگائے

(الرحمن: ۷۶) ہوئے ہوں گے

اور وہ انواع و اقسام کے پھلوں اور میوؤں کو اور طرح طرح کے مشروبات کو طلب کریں گے ان میں دودھ، شہد اور غیر شہد اور شراب کے مشروبات ہوں گے۔

ص: ۵۲ میں فرمایا: "اور ان کے پاس نیچی نظر والی ہم عمر حوریں ہوں گی" ○

اس سے پہلے آیت میں جنت میں کھانے پینے کی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں جنت میں منکوحات کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان حوروں کے لیے "قاصرات الطرف" فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حوریں اپنے شوہروں کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں دیکھیں گی اور ان کے دلوں میں صرف اپنے شوہروں کی محبت ہوگی اور کسی کی محبت نہیں ہوگی۔

"قرباب" کا معنی ہے وہ سب حوریں ہم سن ہوں گی اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حوریں اپنی صفات میں اور حسن و جمال میں اور عمر میں سب ایک جیسی ہوں گی تو ان سب سے برابر محبت ہوگی اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو ایک دوسرے پر غیرت نہ آئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کو اتنی اور اتنی جماعت دی جائے گی کہ ان کی عمارتیں گویا: یا رسول اللہ! کیا مومن کو اتنی طاقت ہوگی؟ فرمایا: اس کو سوسہ طاقت دی جائے گی۔" (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۵۳۶)

ص: ۵۳-۵۴ میں فرمایا: "یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا تم سے روز حساب کے لیے وعدہ کیا گیا تھا ○ یہ شک یہ ضرور ہو رہا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا" ○

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جنت میں دائمی ثواب ہوگا اور جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی جنتی درخت سے ایک پھل تو ذکر کھائیں گے تو فوراً اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا وہ ایک پرندہ کا گوشت کھائیں گے تو فوراً اس جیسا دوسرا پرندہ

پیدا ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ (مومنین کی جزاء ہے) اور بے شک سرکشوں کا ضرور بُرا ٹھکانا ہے O (یعنی) جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے O یہ ہے پس وہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کو پچھیں O اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے O (وہ دیگر دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے: یہ ایک اور گروہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے ان کو خوش آمدید نہ کہو بے شک یہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں O (آنے والے کہیں گے: بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لیے خوش آمدید نہیں ہے تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے سو وہ کہیں بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے O وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دے O دوزخی کہیں گے: کیا سب ہے کہ ہم کو وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جن کو ہم (دنیا میں) بُرے لوگوں میں سے شمار کرتے تھے O کیا ہم نے ان کا ناحق مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئیں ہیں O بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور برحق ہے O (سن ۶۳: ۵۵)

اس پر دلائل کہ طاعنین سے مراد کفار ہیں نہ کہ اصحاب کبار

اس سے پہلی آجوں میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے ثواب کا ذکر فرمایا تھا اور اس کے بعد اب ان آجوں میں سرکش کافروں کا ذکر فرمایا ہے کہ وعدے کے بعد وعید کا اور ترفیع کے بعد تزییب کا ذکر ہو۔
سن ۳۹: میں فرمایا تھا: متقین کے لیے حسن ثواب (اچھا ٹھکانا) ہے اور سن ۵۵: میں فرمایا ہے: طاعنین (سرکشوں) کے لیے شراب (برا ٹھکانا) ہے۔

معتزل نے کہا ہے کہ طاعنین (سرکشوں) سے مراد اصحاب کبیرہ یعنی فساق ہیں خواہ وہ مومن ہوں یا کافران کے نزدیک جو مومن بغیر توبہ کے مرگیا وہ بھی کافر کی طرح دانا دوزخ میں رہے گا اور جمہور اہل سنت نے کہا: طاعنین سے مراد کفار ہیں اور اس پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے طاعنین کے ٹھکانے کے متعلق فرمایا ہے: وہ شراب ہے یعنی سب سے بُرا ٹھکانا اور سب سے بُرا ٹھکانا اس کا ہو گا جس کا جرم سب سے بُرا ہو اور سب سے بُرا جرم کافر کا ہے اور مومن مرتکب کبیرہ کا گناہ بہر حال کافر سے کم ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان طاعنین کے متعلق فرمایا کہ وہ دوزخ میں کہیں گے کہ ہم کو یہاں وہ لوگ (مسلمان) نظر نہیں آ رہے جن کا ہم دنیا میں مذاق اڑاتے تھے اور مومن مرتکب کبیرہ کسی مسلمان کا اس کے اسلام کی وجہ سے مذاق نہیں اڑاتا مسلمانوں کا ان کے اسلام کی وجہ سے کفار ہی مذاق اڑاتے تھے اس لیے طاعنین سے مراد کفار ہی ہیں۔

(۳) طاعنین صفت کا صیغہ ہے اور جب صفت کا بغیر کسی قید کے اطلاق کیا جائے تو اس سے کامل فرد مراد ہوتا ہے اور طاعنین (سرکش) میں کامل کافر ہوتا ہے۔ مومن مرتکب کبیرہ کے صرف عمل میں طغیان ہے عقیدہ میں طغیان نہیں ہے اور کافر کے عقیدہ میں بھی طغیان ہے اور عمل میں بھی طغیان ہے اس لیے طاعنین سے مراد صرف کفار ہیں۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی اس طرح ہے: جن لوگوں نے اللہ کے احکام سے تجاوز کیا اور سرکشی کی اور اللہ کے رسولوں کی کھدیب کی ان کے لیے سب سے بُرا ٹھکانا ہے۔

سن ۵۶: میں فرمایا: ”جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے O“

ان کے نیچے جو دوزخ کی آگ ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ نے اس بہتر سے تفسیر دی ہے جس پر سونے والا لیٹا ہے۔

میں ۵۷ میں فرمایا: "یہ ہے نہیں وہ کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کو چھکیں۔"

”عساق“ کی تفسیر میں حدیث اور آثار

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں بعض مقدم الفاظ کو مؤخر کر دیا ہے اور بعض مؤخر الفاظ کو مقدم کر دیا ہے اصل عبارت اس طرح ہے یہ جیم (کھولنا ہوا پانی) ہے اور عساق (دوڑخیوں کی پیپ) ہے۔

جیم کا معنی ہے سخت گرم اور کھولنا ہوا پانی اور عساق اس کی ضد ہے یعنی اجتنابی خنڈا پانی جس کی خنڈک کی شدت کی وجہ سے اس پانی کو پینا نہ جائے اسی وجہ سے میں ۵۷ میں فرمایا: "اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے۔" عساق کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر عساق کا ایک ڈول دنیا میں اٹل دیا جائے تو تمام دنیا بدبودار ہو جائے۔" (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۳ مسند احمد ج ۳ ص ۲۸ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۱۲۸۱ المسند رک ج ۳ ص ۶۰ جامع السائید والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۲۸۸)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے عساق کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

- (۱) قحطی نے کہا: دوڑخیوں کی کھال اور ان کے گوشت کے درمیان سے جو پانی بہتا ہوا نکلے گا وہ عساق ہے۔
- (۲) سعدی نے کہا: دوڑخیوں کی آنکھوں سے جو آنسو پتے ہوئے قطریں گے وہ عساق ہے۔
- (۳) ابن زید نے کہا: دوڑخیوں کی پیپ کو گرم کر کے ایک حوض میں جمع کر دیا جائے گا اس کو عساق کہتے ہیں۔
- (۴) حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: وہ بہت گاڑھی پیپ ہے اگر اس کا ایک قطرہ مغرب میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مشرق بدبودار ہو جائے گا اور اگر اس کا ایک قطرہ مشرق میں ڈال دیا جائے تو اس سے پورا مغرب بدبودار ہو جائے گا۔
- (۵) مجاہد نے کہا: وہ اتنا زیادہ خنڈا پانی ہے کہ وہ خنڈک کی وجہ سے پیا نہیں جاسکتا۔
- (۶) عبداللہ بن بریدہ نے کہا: وہ سخت بدبودار پانی ہے۔
- (۷) کعب نے کہا: وہ ہر زہریلے جانور مثلاً سانپ اور بچھو کا پسینہ ہے یہ زہریلا پسینہ ایک چشمہ میں بہتا ہوا آئے گا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۴ ص ۲۰۹ مصلحاً دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

”من شکله ازواج“ کا معنی

میں ۵۸ میں فرمایا: "اور اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد زہریلے یعنی سخت خنڈک کا طبقہ۔

اس آیت میں ”شکل“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے اس قسم کا اور شکل کا معنی عورت کا بناؤ تنگوار بھی ہوتا ہے اور اس کا میک آپ۔ ابن زید نے کہا: ”شکل“ کا معنی ہے: شبیہ یعنی اس کے مشابہ عذاب جس کا نام اللہ نے ازواج رکھا ہے اور اس کا الگ نام نہیں رکھا۔ حسن بصری نے کہا: ”من شکله ازواج“ کا معنی ہے رنگارنگ کے عذاب مختلف اقسام کے عذاب قحطی نے کہا: اس کا معنی ہے: عذاب کے جوڑے ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے: دوڑخ میں عذاب کے جوڑے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

دوڑخ میں کافروں کے سرداروں اور پیروکاروں کا مناظرہ

میں ۵۹ میں فرمایا: "(وہ دیگر دوڑخیوں کو دیکھ کر کہیں گے: یہ ایک اور گروہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے ان کو خوش آمدید نہ کہو بے شک یہ دوڑخ میں داخل ہونے والے ہیں)"

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے سرکشو! یہ تمہارے عقیدہ کا ایک اور گروہ ہے جو تمہارے بعد دوزخ میں داخل ہو رہا ہے جو کافر پہلے دوزخ میں داخل ہو چکے تھے وہ بعد والے کافروں کو دیکھ کر کہیں گے تم کو مر جا اور خوش آمدید نہ ہو۔ اتنی زیادہ نے اس کی تفسیر میں کہا: فوج سے مراد وہ قوم ہے جو گروہ در گروہ داخل ہوتی ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

قَالَ الذُّخْلُوْنَ اِنَّا اَمَرُ قَدْ خَلَعْتَ مِنْ قَبْلِكَ قَرْنٍ
الْيَوْمِ وَالْاَيُّمِ فِي النَّكَارَةِ كُلَّمَا دَخَلْتَ اُمَّةً لَعَنْتَ
اَعْتَمَتْهَا مَسْحًا اِذَا الذُّكْرُ اَفْتَحَ بَيْنَهُمَا قَالَتْ اَخْرَجْنَاهُمْ
لَا دُخْلَ لَكُمْ فِيْهَا وَلَآ اَصْلَ لَكُمْ فَاَخْرَجْنَاهُمْ عَدَا وَنَعْمًا لَّكُمْ
لِلنَّكَارَةِ قَالِ بَلْ لَعْنَتْ وَلَكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ

(الاحزاب: ۳۸)

اے ہمارے رب! ان ہی لوگوں نے ہم کو کم راہ کیا تھا سو تو ان کو دوزخ کا دگنا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سب ہی کا دگنا عذاب ہے لیکن تم کو ظم نہیں ہے۔

ص: ۶۰ میں فرمایا: ”(آنے والے کہیں گے:) بلکہ تم ہی وہ ہو جن کے لیے خوش آمدید نہیں ہے تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لیے پیش کیا ہے سو وہ کسی نبیؐ کی تمہارے کی جگہ ہے“

ان کے ہی دکار کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف جو بددعا کی ہے دراصل تم خود ہی اس بددعا کے زیادہ مستحق ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم جس کفر اور شرک کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوئے ہیں اور عذاب میں گرفتار ہوئے ہیں اس عذاب کا سبب تم ہی ہو۔

ص: ۶۱ میں فرمایا: ”وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے ہمارے لیے اس عذاب کو مہیا کیا ہے اس کے عذاب کو دوزخ میں دگنا کر کے زیادہ کر دے“

کافروں کے ہی دکار کہیں گے کہ چونکہ یہ سردار ہمارے کفر کا سبب ہیں ہم نے ان کے کہنے کی وجہ سے کفر اور شرک کیا تھا لہذا تو ان کے عذاب کو دگنا کر دے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَقَالُوا رَبَّنَا اِنَّا اٰخِطَاكَ اِثْمًا كَبِيرًا اَنَّا فَخْشُوْنَا
الشَّيْطَانَ وَكَذَّبْنَا عَنْهُ وَنَعْمًا لَّكُمْ مِنَ الْعَذَابِ وَاللَّهُ لَعَنَهُ لَعْنًا
كَبِيرًا

(الاحزاب: ۶۸-۶۷)

بڑی لعنت نازل فرما

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان سرداروں پر جو عذاب نازل کیا جائے گا اگر وہ ان کے جرم کے مطابق ہو تو دگنا نہیں ہوگا اور اگر ان کے جرم سے زائد ہو تو پھر یہ ظلم ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے سرداروں کو ایک عذاب تو ان کے کفر اور شرک کا ہوگا اور اس عذاب میں ان کے ہی دکار بھی ان کے شریک ہوں گے اور دوسرا عذاب دوسروں کو کم راہ کرنے کا ہوگا جس میں ان کے ہی دکار شریک نہیں ہوں گے۔ اس اعتبار سے ان کے سرداروں کو ہی دکاروں کی پے نسبت دگنا عذاب ہوگا۔ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی

نیک طریقہ کو ایجاد کیا اس کو اس نیکی کا اجر ملے گا اور جو اس کے بعد اس نیک طریقہ پر عمل کرے گا اس کی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور ان کی نیکیوں میں سے کوئی کئی نہیں کی جائے گی اور جس نے اسلام میں کسی نہ سے طریقہ کو ایجاد کیا خود اس کو بھی اس نہ سے طریقہ کا گناہ ہوگا اور جو بعد میں اس نہ سے طریقہ پر عمل کریں گے ان کی نہ ان کی بھی اس کو گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کئی نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۷۵۵۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳ جامع المسانید ولسن سنن جریر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۳۷۲)

ص ۶۳ میں فرمایا: ”دو زنی کہیں گے: کیا سب ہے کہ ہم کو وہ لوگ نظر نہیں آ رہے جن کو ہم (دنیا میں) نہ ملے لوگوں میں سے شام کرتے تھے؟“

اس سے پہلی آیتوں میں کفار کا وہ حال بیان کیا تھا جو دنیا میں ان کے احباب کے ساتھ تھا اور اس آیت میں کفار کا وہ حال بیان فرما رہا ہے جو دنیا میں ان کے اعداء اور مخالفین کے ساتھ تھا۔ یعنی کفار جب جہنم کی تمام اطراف اور جوانب میں نظر ڈالیں گے تو ان کو فخراء مسلمین نظر نہیں آئیں گے۔ جن کے ایمان اور اسلام کا وہ دنیا میں مذاق اڑاتے تھے وہ ان کو اشرار اور بُروں میں اس لیے شمار کرتے تھے کہ وہ ان کے دین کے خلاف تھے اور ایسے دین کی پیروی کر رہے تھے جس سے ان کو کوئی دنیاوی منفعت حاصل نہیں ہو رہی تھی۔

ص ۶۳ میں فرمایا: ”(کفار کہیں گے): کیا ہم نے ان کا مذاق اڑایا تھا یا ہماری نگاہیں ان سے ہٹ گئیں ہیں؟“
ضمناک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا مذاق اڑاتے تھے آخرت میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور ان لوگوں کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔
ص ۶۳ میں فرمایا: ”بے شک دوزخیوں کا یہ بھگڑا ضرور برحق ہے۔“

دوزخیوں میں سے کافروں کے سرداروں اور ان کے پیروکاروں میں مناظرہ ہوا سرداروں نے پیروکاروں کے متعلق کہا: ان کو خوش آمدید نہ ہو اور پیروکاروں نے سرداروں کے متعلق کہا: بلکہ تم کو خوش آمدید نہ ہو۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِن إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۶۵ رَبُّ

آپ کہیے کہ میں تو صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جو واحد ہے اور سب پر

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝۶۶ قُلْ هُوَ نَبَأٌ

غالب ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے سُبْحَہُ عَزَّوَجَلَّ والا اور بہت بخشنے والا ہے

عَظِيمٌ ۝۶۷ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝۶۸ مَا كَانَ لِيَ مِن عِلْمٍ بِالْمَلَأِ

آپ کہیے ”بہت بڑی خبر ہے کہ تم جس سے اعراض کر رہے ہو وہ جب ملائکہ مقررین بحث کر رہے تھے

الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝۶۹ إِنْ يُؤْخَىٰ إِلَىٰ آلِآثِمًا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝۷۰

تو مجھے (اس کا) کوئی ظن نہ تھا میری طرف صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ اِبْرٰٓءَیْمٰنَ طَیِّبٍ ۝۶۱ فَاِذَا

جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کبھی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں O سو جب میں

سَوَّیْتُهُ ۝۶۲ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدٰٓیْنَ ۝۶۳ فَسَجَدَ

اس کا چکا بٹالوں اور اس میں اپنی طرف سے (فاس) روح پھونک دی تو تم سب اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ O تو سب

الْمَلٰٓئِكَةُ کُلُّہُمْ اٰجِبُوْنَ ۝۶۴ اِلَّا اِبْلِیْسَ ط اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ

کے سب تمام فرشتوں نے اٹھتے سجدہ کیا O سوا ابلیس کے اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے

الْکٰفِرِیْنَ ۝۶۵ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِہَا خَلَقْتُ

ہو گیا O فرمایا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں

بِیْدَیْیْ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ ۝۶۶ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہٗ ط

سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟ O اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں

خَلَقْتَنِیْ مِنْ تَّارٍ وَخَلَقْتَهَا مِنْ طَیِّبٍ ۝۶۷ قَالَ فَاخْرِجْہَا مِنْہَا ط

تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے O فرمایا: تو اس (جنت) سے نکل جا

فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝۶۸ وَاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۶۹ قَالَ

بے شک تو دھکارا ہوا ہے O بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O اس نے کہا:

رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُعْثُوْنَ ۝۷۰ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۷۱

اے میرے رب! بھر مجھے دھڑکے دن تک کی مہلت دے O فرمایا: بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O

اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۷۲ قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَا اُغْوِیْہُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۷۳

اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے O اس نے کہا: پس میری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو ہمراہ کر دوں گا O

اِلَّا عِبَادَکَ مِنْہُمْ الْمُخْلِصِیْنَ ۝۷۴ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ اَقْوَلُ ۝۷۵

سوا ان کے جو ان میں سے تیرے بھروسے ہیں O فرمایا: پس یہ سچ ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوں O

لَا تُلَاقِي جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ

کہ میں تمھ سے اور تمہارے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو

عَلَيْكُمْ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ

پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں

لِلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأًا بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾

کے لیے نصیحت ہے اور تم اس کی خبر کو ضرور کچھ عرصہ بعد جان لو گے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تو صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے اور آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے (ص ۶۲-۶۵)

آیات سابقہ سے ارتباط

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو تو حید اور رسالت کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ قیامت برحق ہے تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کا مذاق اڑایا اور آپ کو چادوگر اور جھوٹا کہا اور کہا: ہم نے اس سے پہلے یہ بات کسی دین میں نہیں سنی یہ محض ان کی من گھڑت بات ہے نیز یہ کہا کہ کیا ہم میں سے صرف ان ہی پر وحی نازل کی گئی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دل آزار باتوں سے رنج پہنچتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کو زائل کرنے کے لیے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے انبیاء سابقین کے واقعات آپ پر نازل کیے اور اس لیے بھی کہ کفار کو ان واقعات سے یہ اندازہ ہو کہ آپ نے کسی عالم کی شاگردی نہیں کی کسی حجب میں نہیں گئے کسی کتاب کو نہیں پڑھا پھر آپ نے انبیاء سابقین کے یہ واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کر دیئے ہیں تو سوائے اللہ کی وحی کے آپ کے پاس علم کا اور کون سا ذریعہ تھا؟ ہو سکتا ہے یہ سوچ کر وہ اپنے کفر اور شرک سے باز آ جائیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے اخروی ثواب کو اور کفار کے اخروی عذاب کو بیان فرمایا تاکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اخروی عذاب سے ڈر کر یا اخروی ثواب کی طمع میں ایمان لے آئیں۔

اس بیان کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ان ہی مطالب اور مقاصد کو دہرایا جن کو اوّل سورت میں بیان فرمایا تھا اور تو حید رسالت اور وقوع قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ آپ کہیے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں یعنی جو محض اللہ کی تو حید میری رسالت اور وقوع قیامت کا انکار کرے گا میں اس کو بتاؤں گا کہ ایسے منکروں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں کس قسم کا عذاب پہنچائے گا اور فرمایا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے سے اس کی تو حید پر استدلال

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہو جو علم اور قدرت میں اس کے مساوی ہو اور وہ غالب اور قاهر ہو تو فرض کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اور اسی وقت اس کا شریک یہ چاہتا ہے کہ اس چیز کو پیدا نہ

کیا جائے تو اب یہ تو نہیں سکتا کہ دونوں کا چاہا ہوا پورا ہو جائے یہ ایک وقت وہ چیز ہو اور نہ ہو اس لیے لامحالہ کسی ایک کا چاہا ہوا پورا ہو گا یا اللہ کا یا اس کے شریک کا اور جس کا چاہا ہوا پورا ہو گا وہی غالب ہو گا اور دوسرا مغلوب ہو گا پس یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا کوئی شریک ہو جو علم اور قدرت میں اس کے مساوی ہو اور سب پر غالب ہو نیز ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ تو سب پر غالب اور قاہر ہے اب اس کا شریک بھی سب پر غالب اور قاہر ہے یا نہیں اگر وہ سب پر غالب ہے تو اللہ پر بھی غالب ہے یا نہیں اگر وہ اللہ پر غالب نہیں ہے تو سب پر غالب نہیں ہے اور اللہ کا مساوی نہیں ہے اور اگر وہ اللہ پر بھی غالب ہے تو اللہ مغلوب ہو گا اور غالب نہیں ہو گا اور جو مغلوب ہو وہ خدا اور سارے جہان کا خالق نہیں ہو سکتا اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ خدا نہ رہے اور سارے جہان کا خالق اور مالک نہ ہو حالانکہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کا خالق اور مالک ہے اور وہ سب پر غالب ہے اور اللہ تعالیٰ کا سب پر غالب ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہ ہو جو علم اور قدرت میں اس کے مساوی ہو اور سب پر قاہر اور غالب ہو۔

اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کے متعلق احادیث

صحیح ۶۶ میں فرمایا: ”وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے“ بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ہے O“

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ واحد اور قہار ہے اور قہار ایسی صفت ہے جو ترہیب اور خوف پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے قہار ہونے کو یاد کرے گا تو خوف زدہ ہو جائے گا اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان صفات کا ذکر فرمایا جو کہ ترہیب اور امید پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ ایمان اس کیفیت کا نام ہے جو کہ عذاب کے خوف اور مغفرت کی امید کے درمیان ہے۔ سو اس آیت میں پہلے اپنے رب ہونے کا ذکر فرمایا اس کا رب ہونا اس معنی کی خبر دیتا ہے کہ وہ پرورش کرتا ہے احسان اور کرم فرماتا ہے اور رحمت فرماتا ہے اور اس کا غفار ہونا اس معنی کی خبر دیتا ہے کہ وہ گنہوں کو بخش دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور اس کی مغفرت اور اس کی بخشش کی امید رکھنی چاہیے۔

حسب ذیل احادیث میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو بیان کیا گیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک بندہ گنہ کر لیتا ہے پھر دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے گناہ ہو گیا تو میرا گناہ معاف فرما دے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کے گناہ کی مغفرت بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا پھر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے اور پھر دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا تو مجھ کو معاف فرما اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کے گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر مواخذہ بھی فرماتا ہے میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا پھر جتنا وقت اللہ چاہتا ہے وہ بندہ گنہ گزارتا ہے پھر گناہ کر لیتا ہے پھر دعا کرتا ہے کہ مجھ سے گنہ ہو گیا تو میرے گناہ کو بخش دے۔ پھر اللہ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو علم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کے گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گنہ پر مواخذہ بھی فرماتا ہے میں نے اپنے بندہ کو تین بار معاف کر دیا وہ ہوا چاہے عمل کرے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۵۰۹۰ صحیح مسلم، رقم الحدیث ۵۵۹۰ مسند احمد، رقم الحدیث ۱۰۳۸۳، ۱۰۳۸۴، ۱۰۳۸۵، ۱۰۳۸۶، ۱۰۳۸۷، ۱۰۳۸۸، ۱۰۳۸۹، ۱۰۳۹۰، ۱۰۳۹۱، ۱۰۳۹۲، ۱۰۳۹۳، ۱۰۳۹۴، ۱۰۳۹۵، ۱۰۳۹۶، ۱۰۳۹۷، ۱۰۳۹۸، ۱۰۳۹۹، ۱۰۴۰۰، ۱۰۴۰۱، ۱۰۴۰۲، ۱۰۴۰۳، ۱۰۴۰۴، ۱۰۴۰۵، ۱۰۴۰۶، ۱۰۴۰۷، ۱۰۴۰۸، ۱۰۴۰۹، ۱۰۴۱۰، ۱۰۴۱۱، ۱۰۴۱۲، ۱۰۴۱۳، ۱۰۴۱۴، ۱۰۴۱۵، ۱۰۴۱۶، ۱۰۴۱۷، ۱۰۴۱۸، ۱۰۴۱۹، ۱۰۴۲۰، ۱۰۴۲۱، ۱۰۴۲۲، ۱۰۴۲۳، ۱۰۴۲۴، ۱۰۴۲۵، ۱۰۴۲۶، ۱۰۴۲۷، ۱۰۴۲۸، ۱۰۴۲۹، ۱۰۴۳۰، ۱۰۴۳۱، ۱۰۴۳۲، ۱۰۴۳۳، ۱۰۴۳۴، ۱۰۴۳۵، ۱۰۴۳۶، ۱۰۴۳۷، ۱۰۴۳۸، ۱۰۴۳۹، ۱۰۴۴۰، ۱۰۴۴۱، ۱۰۴۴۲، ۱۰۴۴۳، ۱۰۴۴۴، ۱۰۴۴۵، ۱۰۴۴۶، ۱۰۴۴۷، ۱۰۴۴۸، ۱۰۴۴۹، ۱۰۴۵۰، ۱۰۴۵۱، ۱۰۴۵۲، ۱۰۴۵۳، ۱۰۴۵۴، ۱۰۴۵۵، ۱۰۴۵۶، ۱۰۴۵۷، ۱۰۴۵۸، ۱۰۴۵۹، ۱۰۴۶۰، ۱۰۴۶۱، ۱۰۴۶۲، ۱۰۴۶۳، ۱۰۴۶۴، ۱۰۴۶۵، ۱۰۴۶۶، ۱۰۴۶۷، ۱۰۴۶۸، ۱۰۴۶۹، ۱۰۴۷۰، ۱۰۴۷۱، ۱۰۴۷۲، ۱۰۴۷۳، ۱۰۴۷۴، ۱۰۴۷۵، ۱۰۴۷۶، ۱۰۴۷۷، ۱۰۴۷۸، ۱۰۴۷۹، ۱۰۴۸۰، ۱۰۴۸۱، ۱۰۴۸۲، ۱۰۴۸۳، ۱۰۴۸۴، ۱۰۴۸۵، ۱۰۴۸۶، ۱۰۴۸۷، ۱۰۴۸۸، ۱۰۴۸۹، ۱۰۴۹۰، ۱۰۴۹۱، ۱۰۴۹۲، ۱۰۴۹۳، ۱۰۴۹۴، ۱۰۴۹۵، ۱۰۴۹۶، ۱۰۴۹۷، ۱۰۴۹۸، ۱۰۴۹۹، ۱۰۵۰۰، ۱۰۵۰۱، ۱۰۵۰۲، ۱۰۵۰۳، ۱۰۵۰۴، ۱۰۵۰۵، ۱۰۵۰۶، ۱۰۵۰۷، ۱۰۵۰۸، ۱۰۵۰۹، ۱۰۵۱۰، ۱۰۵۱۱، ۱۰۵۱۲، ۱۰۵۱۳، ۱۰۵۱۴، ۱۰۵۱۵، ۱۰۵۱۶، ۱۰۵۱۷، ۱۰۵۱۸، ۱۰۵۱۹، ۱۰۵۲۰، ۱۰۵۲۱، ۱۰۵۲۲، ۱۰۵۲۳، ۱۰۵۲۴، ۱۰۵۲۵، ۱۰۵۲۶، ۱۰۵۲۷، ۱۰۵۲۸، ۱۰۵۲۹، ۱۰۵۳۰، ۱۰۵۳۱، ۱۰۵۳۲، ۱۰۵۳۳، ۱۰۵۳۴، ۱۰۵۳۵، ۱۰۵۳۶، ۱۰۵۳۷، ۱۰۵۳۸، ۱۰۵۳۹، ۱۰۵۴۰، ۱۰۵۴۱، ۱۰۵۴۲، ۱۰۵۴۳، ۱۰۵۴۴، ۱۰۵۴۵، ۱۰۵۴۶، ۱۰۵۴۷، ۱۰۵۴۸، ۱۰۵۴۹، ۱۰۵۵۰، ۱۰۵۵۱، ۱۰۵۵۲، ۱۰۵۵۳، ۱۰۵۵۴، ۱۰۵۵۵، ۱۰۵۵۶، ۱۰۵۵۷، ۱۰۵۵۸، ۱۰۵۵۹، ۱۰۵۶۰، ۱۰۵۶۱، ۱۰۵۶۲، ۱۰۵۶۳، ۱۰۵۶۴، ۱۰۵۶۵، ۱۰۵۶۶، ۱۰۵۶۷، ۱۰۵۶۸، ۱۰۵۶۹، ۱۰۵۷۰، ۱۰۵۷۱، ۱۰۵۷۲، ۱۰۵۷۳، ۱۰۵۷۴، ۱۰۵۷۵، ۱۰۵۷۶، ۱۰۵۷۷، ۱۰۵۷۸، ۱۰۵۷۹، ۱۰۵۸۰، ۱۰۵۸۱، ۱۰۵۸۲، ۱۰۵۸۳، ۱۰۵۸۴، ۱۰۵۸۵، ۱۰۵۸۶، ۱۰۵۸۷، ۱۰۵۸۸، ۱۰۵۸۹، ۱۰۵۹۰، ۱۰۵۹۱، ۱۰۵۹۲، ۱۰۵۹۳، ۱۰۵۹۴، ۱۰۵۹۵، ۱۰۵۹۶، ۱۰۵۹۷، ۱۰۵۹۸، ۱۰۵۹۹، ۱۰۶۰۰، ۱۰۶۰۱، ۱۰۶۰۲، ۱۰۶۰۳، ۱۰۶۰۴، ۱۰۶۰۵، ۱۰۶۰۶، ۱۰۶۰۷، ۱۰۶۰۸، ۱۰۶۰۹، ۱۰۶۱۰، ۱۰۶۱۱، ۱۰۶۱۲، ۱۰۶۱۳، ۱۰۶۱۴، ۱۰۶۱۵، ۱۰۶۱۶، ۱۰۶۱۷، ۱۰۶۱۸، ۱۰۶۱۹، ۱۰۶۲۰، ۱۰۶۲۱، ۱۰۶۲۲، ۱۰۶۲۳، ۱۰۶۲۴، ۱۰۶۲۵، ۱۰۶۲۶، ۱۰۶۲۷، ۱۰۶۲۸، ۱۰۶۲۹، ۱۰۶۳۰، ۱۰۶۳۱، ۱۰۶۳۲، ۱۰۶۳۳، ۱۰۶۳۴، ۱۰۶۳۵، ۱۰۶۳۶، ۱۰۶۳۷، ۱۰۶۳۸، ۱۰۶۳۹، ۱۰۶۴۰، ۱۰۶۴۱، ۱۰۶۴۲، ۱۰۶۴۳، ۱۰۶۴۴، ۱۰۶۴۵، ۱۰۶۴۶، ۱۰۶۴۷، ۱۰۶۴۸، ۱۰۶۴۹، ۱۰۶۵۰، ۱۰۶۵۱، ۱۰۶۵۲، ۱۰۶۵۳، ۱۰۶۵۴، ۱۰۶۵۵، ۱۰۶۵۶، ۱۰۶۵۷، ۱۰۶۵۸، ۱۰۶۵۹، ۱۰۶۶۰، ۱۰۶۶۱، ۱۰۶۶۲، ۱۰۶۶۳، ۱۰۶۶۴، ۱۰۶۶۵، ۱۰۶۶۶، ۱۰۶۶۷، ۱۰۶۶۸، ۱۰۶۶۹، ۱۰۶۷۰، ۱۰۶۷۱، ۱۰۶۷۲، ۱۰۶۷۳، ۱۰۶۷۴، ۱۰۶۷۵، ۱۰۶۷۶، ۱۰۶۷۷، ۱۰۶۷۸، ۱۰۶۷۹، ۱۰۶۸۰، ۱۰۶۸۱، ۱۰۶۸۲، ۱۰۶۸۳، ۱۰۶۸۴، ۱۰۶۸۵، ۱۰۶۸۶، ۱۰۶۸۷، ۱۰۶۸۸، ۱۰۶۸۹، ۱۰۶۹۰، ۱۰۶۹۱، ۱۰۶۹۲، ۱۰۶۹۳، ۱۰۶۹۴، ۱۰۶۹۵، ۱۰۶۹۶، ۱۰۶۹۷، ۱۰۶۹۸، ۱۰۶۹۹، ۱۰۷۰۰، ۱۰۷۰۱، ۱۰۷۰۲، ۱۰۷۰۳، ۱۰۷۰۴، ۱۰۷۰۵، ۱۰۷۰۶، ۱۰۷۰۷، ۱۰۷۰۸، ۱۰۷۰۹، ۱۰۷۱۰، ۱۰۷۱۱، ۱۰۷۱۲، ۱۰۷۱۳، ۱۰۷۱۴، ۱۰۷۱۵، ۱۰۷۱۶، ۱۰۷۱۷، ۱۰۷۱۸، ۱۰۷۱۹، ۱۰۷۲۰، ۱۰۷۲۱، ۱۰۷۲۲، ۱۰۷۲۳، ۱۰۷۲۴، ۱۰۷۲۵، ۱۰۷۲۶، ۱۰۷۲۷، ۱۰۷۲۸، ۱۰۷۲۹، ۱۰۷۳۰، ۱۰۷۳۱، ۱۰۷۳۲، ۱۰۷۳۳، ۱۰۷۳۴، ۱۰۷۳۵، ۱۰۷۳۶، ۱۰۷۳۷، ۱۰۷۳۸، ۱۰۷۳۹، ۱۰۷۴۰، ۱۰۷۴۱، ۱۰۷۴۲، ۱۰۷۴۳، ۱۰۷۴۴، ۱۰۷۴۵، ۱۰۷۴۶، ۱۰۷۴۷، ۱۰۷۴۸، ۱۰۷۴۹، ۱۰۷۵۰، ۱۰۷۵۱، ۱۰۷۵۲، ۱۰۷۵۳، ۱۰۷۵۴، ۱۰۷۵۵، ۱۰۷۵۶، ۱۰۷۵۷، ۱۰۷۵۸، ۱۰۷۵۹، ۱۰۷۶۰، ۱۰۷۶۱، ۱۰۷۶۲، ۱۰۷۶۳، ۱۰۷۶۴، ۱۰۷۶۵، ۱۰۷۶۶، ۱۰۷۶۷، ۱۰۷۶۸، ۱۰۷۶۹، ۱۰۷۷۰، ۱۰۷۷۱، ۱۰۷۷۲، ۱۰۷۷۳، ۱۰۷۷۴، ۱۰۷۷۵، ۱۰۷۷۶، ۱۰۷۷۷، ۱۰۷۷۸، ۱۰۷۷۹، ۱۰۷۸۰، ۱۰۷۸۱، ۱۰۷۸۲، ۱۰۷۸۳، ۱۰۷۸۴، ۱۰۷۸۵، ۱۰۷۸۶، ۱۰۷۸۷، ۱۰۷۸۸، ۱۰۷۸۹، ۱۰۷۹۰، ۱۰۷۹۱، ۱۰۷۹۲، ۱۰۷۹۳، ۱۰۷۹۴، ۱۰۷۹۵، ۱۰۷۹۶، ۱۰۷۹۷، ۱۰۷۹۸، ۱۰۷۹۹، ۱۰۸۰۰، ۱۰۸۰۱، ۱۰۸۰۲، ۱۰۸۰۳، ۱۰۸۰۴، ۱۰۸۰۵، ۱۰۸۰۶، ۱۰۸۰۷، ۱۰۸۰۸، ۱۰۸۰۹، ۱۰۸۱۰، ۱۰۸۱۱، ۱۰۸۱۲، ۱۰۸۱۳، ۱۰۸۱۴، ۱۰۸۱۵، ۱۰۸۱۶، ۱۰۸۱۷، ۱۰۸۱۸، ۱۰۸۱۹، ۱۰۸۲۰، ۱۰۸۲۱، ۱۰۸۲۲، ۱۰۸۲۳، ۱۰۸۲۴، ۱۰۸۲۵، ۱۰۸۲۶، ۱۰۸۲۷، ۱۰۸۲۸، ۱۰۸۲۹، ۱۰۸۳۰، ۱۰۸۳۱، ۱۰۸۳۲، ۱۰۸۳۳، ۱۰۸۳۴، ۱۰۸۳۵، ۱۰۸۳۶، ۱۰۸۳۷، ۱۰۸۳۸، ۱۰۸۳۹، ۱۰۸۴۰، ۱۰۸۴۱، ۱۰۸۴۲، ۱۰۸۴۳، ۱۰۸۴۴، ۱۰۸۴۵، ۱۰۸۴۶، ۱۰۸۴۷، ۱۰۸۴۸، ۱۰۸۴۹، ۱۰۸۵۰، ۱۰۸۵۱، ۱۰۸۵۲، ۱۰۸۵۳، ۱۰۸۵۴، ۱۰۸۵۵، ۱۰۸۵۶، ۱۰۸۵۷، ۱۰۸۵۸، ۱۰۸۵۹، ۱۰۸۶۰، ۱۰۸۶۱، ۱۰۸۶۲، ۱۰۸۶۳، ۱۰۸۶۴، ۱۰۸۶۵، ۱۰۸۶۶، ۱۰۸۶۷، ۱۰۸۶۸، ۱۰۸۶۹، ۱۰۸۷۰، ۱۰۸۷۱، ۱۰۸۷۲، ۱۰۸۷۳، ۱۰۸۷۴، ۱۰۸۷۵، ۱۰۸۷۶، ۱۰۸۷۷، ۱۰۸۷۸، ۱۰۸۷۹، ۱۰۸۸۰، ۱۰۸۸۱، ۱۰۸۸۲، ۱۰۸۸۳، ۱۰۸۸۴، ۱۰۸۸۵، ۱۰۸۸۶، ۱۰۸۸۷، ۱۰۸۸۸، ۱۰۸۸۹، ۱۰۸۹۰، ۱۰۸۹۱، ۱۰۸۹۲، ۱۰۸۹۳، ۱۰۸۹۴، ۱۰۸۹۵، ۱۰۸۹۶، ۱۰۸۹۷، ۱۰۸۹۸، ۱۰۸۹۹، ۱۰۹۰۰، ۱۰۹۰۱، ۱۰۹۰۲، ۱۰۹۰۳، ۱۰۹۰۴، ۱۰۹۰۵، ۱۰۹۰۶، ۱۰۹۰۷، ۱۰۹۰۸، ۱۰۹۰۹، ۱۰۹۱۰، ۱۰۹۱۱، ۱۰۹۱۲، ۱۰۹۱۳، ۱۰۹۱۴، ۱۰۹۱۵، ۱۰۹۱۶، ۱۰۹۱۷، ۱۰۹۱۸، ۱۰۹۱۹، ۱۰۹۲۰، ۱۰۹۲۱، ۱۰۹۲۲، ۱۰۹۲۳، ۱۰۹۲۴، ۱۰۹۲۵، ۱۰۹۲۶، ۱۰۹۲۷، ۱۰۹۲۸، ۱۰۹۲۹، ۱۰۹۳۰، ۱۰۹۳۱، ۱۰۹۳۲، ۱۰۹۳۳، ۱۰۹۳۴، ۱۰۹۳۵، ۱۰۹۳۶، ۱۰۹۳۷، ۱۰۹۳۸، ۱۰۹۳۹، ۱۰۹۴۰، ۱۰۹۴۱، ۱۰۹۴۲، ۱۰۹۴۳، ۱۰۹۴۴، ۱۰۹۴۵، ۱۰۹۴۶، ۱۰۹۴۷، ۱۰۹۴۸، ۱۰۹۴۹، ۱۰۹۵۰، ۱۰۹۵۱، ۱۰۹۵۲، ۱۰۹۵۳، ۱۰۹۵۴، ۱۰۹۵۵، ۱۰۹۵۶، ۱۰۹۵۷، ۱۰۹۵۸، ۱۰۹۵۹، ۱۰۹۶۰، ۱۰۹۶۱، ۱۰۹۶۲، ۱۰۹۶۳، ۱۰۹۶۴، ۱۰۹۶۵، ۱۰۹۶۶، ۱۰۹۶۷، ۱۰۹۶۸، ۱۰۹۶۹، ۱۰۹۷۰، ۱۰۹۷۱، ۱۰۹۷۲، ۱۰۹۷۳، ۱۰۹۷۴، ۱۰۹۷۵، ۱۰۹۷۶، ۱۰۹۷۷، ۱۰۹۷۸، ۱۰۹۷۹، ۱۰۹۸۰، ۱۰۹۸۱، ۱۰۹۸۲، ۱۰۹۸۳، ۱۰۹۸۴، ۱۰۹۸۵، ۱۰۹۸۶، ۱۰۹۸۷، ۱۰۹۸۸، ۱۰۹۸۹، ۱۰۹۹۰، ۱۰۹۹۱، ۱۰۹۹۲، ۱۰۹۹۳، ۱۰۹۹۴، ۱۰۹۹۵، ۱۰۹۹۶، ۱۰۹۹۷، ۱۰۹۹۸، ۱۰۹۹۹، ۱۱۰۰۰، ۱۱۰۰۱، ۱۱۰۰۲، ۱۱۰۰۳، ۱۱۰۰۴، ۱۱۰۰۵، ۱۱۰۰۶، ۱۱۰۰۷، ۱۱۰۰۸، ۱۱۰۰۹، ۱۱۰۱۰، ۱۱۰۱۱، ۱۱۰۱۲، ۱۱۰۱۳، ۱۱۰۱۴، ۱۱۰۱۵، ۱۱۰۱۶، ۱۱۰۱۷، ۱۱۰۱۸، ۱۱۰۱۹، ۱۱۰۲۰، ۱۱۰۲۱، ۱۱۰۲۲، ۱۱۰۲۳، ۱۱۰۲۴، ۱۱۰۲۵، ۱۱۰۲۶، ۱۱۰۲۷، ۱۱۰۲۸، ۱۱۰۲۹، ۱۱۰۳۰، ۱۱۰۳۱، ۱۱۰۳۲، ۱۱۰۳۳، ۱۱۰۳۴، ۱۱۰۳۵، ۱۱۰۳۶، ۱۱۰۳۷، ۱۱۰۳۸، ۱۱۰۳۹، ۱۱۰۴۰، ۱۱۰۴۱، ۱۱۰۴۲، ۱۱۰۴۳، ۱۱۰۴۴، ۱۱۰۴۵، ۱۱۰۴۶، ۱۱۰۴۷، ۱۱۰۴۸، ۱۱۰۴۹، ۱۱۰۵۰، ۱۱۰۵۱، ۱۱۰۵۲، ۱۱۰۵۳، ۱۱۰۵۴، ۱۱۰۵۵، ۱۱۰۵۶، ۱۱۰۵۷، ۱۱۰۵۸، ۱۱۰۵۹، ۱۱۰۶۰، ۱۱۰۶۱، ۱۱۰۶۲، ۱۱۰۶۳، ۱۱۰۶۴، ۱۱۰۶۵، ۱۱۰۶۶، ۱۱۰۶۷، ۱۱۰۶۸، ۱۱۰۶۹، ۱۱۰۷۰، ۱۱۰۷۱، ۱۱۰۷۲، ۱۱۰۷۳، ۱۱۰۷۴، ۱۱۰۷۵، ۱۱۰۷۶، ۱۱۰۷۷، ۱۱۰۷۸، ۱۱۰۷۹، ۱۱۰۸۰، ۱۱۰۸۱، ۱۱۰۸۲، ۱۱۰۸۳، ۱۱۰۸۴، ۱۱۰۸۵، ۱۱۰۸۶، ۱۱۰۸۷، ۱۱۰۸۸، ۱۱۰۸۹، ۱۱۰۹۰، ۱۱۰۹۱، ۱۱۰۹۲، ۱۱۰۹۳، ۱۱۰۹۴، ۱۱۰۹۵، ۱۱۰۹۶، ۱۱۰۹۷، ۱۱۰۹۸، ۱۱۰۹۹، ۱۱۱۰۰، ۱۱۱۰۱، ۱۱۱۰۲، ۱۱۱۰۳، ۱۱۱۰۴، ۱۱۱۰۵، ۱۱۱۰۶، ۱۱۱۰۷، ۱۱۱۰۸، ۱۱۱۰۹، ۱۱۱۱۰، ۱۱۱۱۱، ۱۱۱۱۲، ۱۱۱۱۳، ۱۱۱۱۴، ۱۱۱۱۵، ۱۱۱۱۶، ۱۱۱۱۷، ۱۱۱۱۸، ۱۱۱۱۹، ۱۱۱۲۰، ۱۱۱۲۱، ۱۱۱۲۲، ۱۱۱۲۳، ۱۱۱۲۴، ۱۱۱۲۵، ۱۱۱۲۶، ۱۱۱۲۷، ۱۱۱۲۸، ۱۱۱۲۹، ۱۱۱۳۰، ۱۱۱۳۱، ۱۱۱۳۲، ۱۱۱۳۳، ۱۱۱۳۴، ۱۱۱۳۵، ۱۱۱۳۶، ۱۱۱۳۷، ۱۱۱۳۸، ۱۱۱۳۹، ۱۱۱۴۰، ۱۱۱۴۱، ۱۱۱۴۲، ۱۱۱۴۳، ۱۱۱۴۴، ۱۱۱۴۵، ۱۱۱۴۶، ۱۱۱۴۷، ۱۱۱۴۸، ۱۱۱۴۹، ۱۱۱۵۰، ۱۱۱۵۱، ۱۱۱۵۲، ۱۱۱۵۳، ۱۱۱۵۴، ۱۱۱۵۵، ۱۱۱۵۶، ۱۱۱۵۷، ۱۱۱۵۸، ۱۱۱۵۹، ۱۱۱۶۰، ۱۱۱۶۱، ۱۱۱۶۲، ۱۱۱۶۳، ۱۱۱۶۴، ۱۱۱۶۵، ۱۱۱۶۶، ۱۱۱۶۷، ۱۱۱۶۸، ۱۱۱۶۹، ۱۱۱۷۰، ۱۱۱۷۱، ۱۱۱۷۲، ۱۱۱۷۳، ۱۱۱۷۴، ۱۱۱۷۵، ۱۱۱۷۶، ۱۱۱۷۷، ۱۱۱۷۸، ۱۱۱۷۹، ۱۱۱۸۰، ۱۱۱۸۱، ۱۱۱۸۲، ۱۱۱۸۳، ۱۱۱۸۴، ۱۱۱۸۵، ۱۱۱۸۶، ۱۱۱۸۷، ۱۱۱۸۸، ۱۱۱۸۹، ۱۱۱۹۰، ۱۱۱۹۱، ۱۱۱۹۲، ۱۱۱۹۳، ۱۱۱۹۴، ۱۱۱۹۵، ۱۱۱۹۶، ۱۱۱۹۷، ۱۱۱۹۸، ۱۱۱۹۹، ۱۱۲۰۰، ۱۱۲۰۱، ۱۱۲۰۲، ۱۱۲۰۳، ۱۱۲۰۴، ۱۱۲۰۵، ۱۱۲۰۶، ۱۱۲۰۷، ۱۱۲۰۸، ۱۱۲۰۹، ۱۱۲۱۰، ۱۱۲۱۱، ۱۱۲۱۲، ۱۱۲۱۳، ۱۱۲۱۴، ۱۱۲۱۵، ۱۱۲۱۶، ۱۱۲۱۷، ۱۱۲۱۸، ۱۱۲۱۹، ۱۱۲۲۰، ۱۱۲۲۱، ۱۱۲۲۲، ۱۱۲۲۳، ۱۱۲۲۴، ۱۱۲۲۵، ۱۱۲۲۶، ۱۱۲۲۷، ۱۱۲۲۸، ۱۱۲۲۹، ۱۱۲۳۰، ۱۱۲۳۱، ۱۱۲۳۲، ۱۱۲۳۳، ۱۱۲۳۴، ۱۱۲۳۵، ۱۱۲۳۶، ۱۱۲۳۷، ۱۱۲۳۸، ۱۱۲۳۹، ۱۱۲۴۰، ۱۱۲۴۱، ۱۱۲۴۲، ۱۱۲۴۳، ۱۱۲۴۴، ۱۱۲۴۵، ۱۱۲۴۶، ۱۱۲۴۷، ۱۱۲۴۸، ۱۱۲۴۹، ۱۱۲۵۰، ۱۱۲۵۱، ۱۱۲۵۲، ۱۱۲۵۳، ۱۱۲۵۴، ۱۱۲۵۵، ۱۱۲۵۶، ۱۱۲۵۷، ۱۱۲۵۸، ۱۱۲۵۹، ۱۱۲۶۰، ۱۱۲۶۱، ۱۱۲۶۲، ۱۱۲۶۳، ۱۱۲۶۴، ۱۱۲۶۵، ۱۱۲۶۶، ۱۱۲۶۷، ۱۱۲۶۸، ۱۱۲۶۹، ۱۱۲۷۰، ۱۱۲۷۱، ۱۱۲۷۲، ۱۱۲۷۳، ۱۱۲۷۴، ۱۱۲۷۵، ۱۱۲۷۶، ۱۱۲۷۷، ۱۱۲۷۸، ۱۱۲۷۹، ۱۱۲۸۰، ۱۱۲۸۱، ۱۱۲۸۲، ۱۱۲۸۳، ۱۱۲۸۴، ۱۱۲۸۵، ۱۱۲۸۶، ۱۱۲۸۷، ۱۱۲۸۸، ۱۱۲۸۹، ۱۱۲۹۰، ۱۱۲۹۱، ۱۱۲۹

اس کی توبہ قبول ہوگی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے اور اگر تمام گناہوں کی ایک ہی توبہ کرے جب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے: تو جو چاہے عمل کر میں نے تجھ کو بخش دیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک تو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتا رہے گا میں تجھ کو بخشتا رہوں گا۔ (صحیح مسلم شرح ابن عساکر ج ۱ ص ۶۸۸-۶۸۹) کچھ بزرگ صنفی (مذہب) (مذہب) بار بار گناہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا بخش دینا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۳۹ھ نے اس حدیث کی شرح میں یہ کہا ہے کہ جو شخص گناہوں پر اصرار کرتا ہے (یعنی بغیر توبہ کے بار بار گناہ کرتا ہے) اس کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اگر چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو اس کو بخش دے اس کی نیکی کو غلبہ دیتے ہوئے اور اس بندہ کا یہ اعتقاد ہے کہ اس کا رب ہے جو خالق ہے وہ عذاب بھی دیتا ہے اور بخشتا بھی ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا اس کے اس عقیدہ پر دلالت کرتا ہے اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ جس گناہ کی وہ مغفرت طلب کر رہا ہے اس گناہ سے وہ توبہ کر چکا ہے کیونکہ توبہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ گناہ سے رجوع کرے اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرے اور اس گناہ کا تدارک اور تلافی کرے اور فقط گناہ پر استغفار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے اس معنی میں توبہ بھی کی ہے اور بعض علماء نے توبہ کی تعریف میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اس کو اپنے فعل پر ندامت ہو اور بعض نے کہا ہے کہ توبہ کے لیے صرف ندامت کافی ہے کیونکہ گناہ کا تدارک اور اس گناہ نہ کرنے کا عزم ندامت سے ہی پیدا ہوتا ہے اور حدیث میں ہے: ندامت توبہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۵۴ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۵۶۸)

(اس ندامت کا مفاد یہ ہے کہ استغفار کرنے اور توبہ کرنے میں فرق ہے اور کسی گناہ پر استغفار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندہ اس گناہ سے توبہ بھی کر رہا ہو لیکن اس بحث کے آخر میں حافظ ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ لوگوں میں معروف یہ ہے کہ استغفار کرنا توبہ کرنے کو مستلزم ہے۔ (سعیدی خفرائی)

علامہ ابو العباس قرطبی متوفی ۶۵۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے: یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل اور اس کی وسیع رحمت پر دلالت کرتی ہے لیکن اس حدیث میں جس استغفار کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دل سے استغفار کرے حتیٰ کہ اس سے اصرار کی گروہ کھل جائے اور اس کو ندامت ہو اور ایسا استغفار اس کی توبہ کا ترجمان ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: حضرت نعمان بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو توبہ میں پڑنے کے بعد توبہ کریں۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۱۳۰) اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو بار بار گناہ کرے اور بار بار توبہ کرے پس جب اس سے گناہ مرزد ہو گا تو وہ توبہ کرے گا اور اس سے مراد ایسا شخص نہیں ہے جو زبان سے تو استغفار کر رہا ہو اور اس کا دل اس گناہ پر مصر ہو اور یہ ایسا استغفار ہے کہ اس استغفار سے بھی استغفار کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مشل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور جو شخص اس حال میں استغفار کرے کہ وہ گناہ پر قائم ہو وہ اس شخص کی مشل ہے جو اپنے رب سے مذاق کر رہا ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۱۸۰) میں نے جو پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ استغفار توبہ کا غیر ہے اور مغفرت طلب کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندہ اس گناہ سے توبہ کر رہا ہو یہ محض لفظی اعتبار سے ہے لیکن اکثر لوگوں کی استغفار اللہ سے مراد توبہ کرنا ہوتی ہے پس جو شخص کسی گناہ پر استغفار کرتا ہے وہ اس گناہ سے لازماً توبہ بھی کرتا ہے۔ (المجموع ج ۷ ص ۸۵-۸۶ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۲۰ھ)

(فتح الباری ج ۵ ص ۳۳۱-۳۳۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے غفار ہونے کے متعلق دیگر یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے استغفار کو لازم کر لیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل کا ایک حل اور ہر مصیبت سے ایک نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۱۹، جامع الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۸)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار ہوتے تو یہ آیت پڑھتے تھے:
مَالِكِ يَوْمَ الدِّينِ وَاللّٰهُ الْوَاحِدُ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اَلْحَمْدُ لَكَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (سنن: ۶۶-۶۷)
سب پر غالب ہے ○ وہ آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے
(اسنن الکبریٰ للبخاری رقم الحدیث: ۱۰۷۰۰، السنن رک ج ۱) درمیان ہے ان سب کا رب ہے، بے حد عزت والا اور بہت بخشنے والا ○
مروءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بے حد عظیم الشان ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم خطا کرتے ہو حتیٰ کہ تمہاری خطائیں آسمان تک پہنچ جائیں پھر تم تو یہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۸۸)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاق نکلتی ہے اور اگر وہ توبہ کر لے اور اس گناہ کو اتار دے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ زیادہ گناہ کرے تو وہ سخت زیادہ ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے پورے دل کو ڈھانپ لیتے ہیں اور یہی وہ "دان" (زنگ) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے:

لَا تَدْرِي لَعْنَتُ مَنْ عَلٰی فُتُوْهُمُ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○
فہیں، بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ (الطہین: ۱۳) چڑھ گیا ہے ○

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۲۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۳۰، السنن رک ج ۱ ص ۵۷)
حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل رات کو اپنا ہاتھ پھیلا کر ہے کہ دن میں گناہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلا کر ہے کہ رات میں گناہ کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے (یہ سلسلہ چل رہے گا) حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۹، اسنن الکبریٰ للبخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۸)
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ابن آدم خطا کرنے والا ہے اور خطا کاروں میں سب سے بھتر تو یہ کرنے والے ہیں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۱، السنن رک ج ۱ ص ۳۳، جامع الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۲۳)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک بندہ کی روح نکلے وقت اس کے مَلُوم تک نہ پہنچ چکی ہو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۱، جامع الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۲۳)
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے آپ نے فرمایا: تم حتیٰ

باتحہ پر بیعت ہوں تو پھر کریں اور ان کے دھنا تک پہنچ کر میں ان کے مرتبہ اور مقام کا کیا عالم ہوگا اور یہ تو جلی احسن کے اولیاء کرام کی وجاہت ہے تو امت محمدیہ کے اولیاء کرام خصوصاً غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اللہ کے ہاں قدر و منزلت اور وجاہت کا کیا عالم ہوگا اور جو مسلمان ان کے سلسلہ سے وابستہ ہیں ان کے لیے حصول مغفرت اور وسعت رحمت کی کتنی قوی امید ہوگی۔

لیلۃ القدر کا بڑا مرتبہ ہے ایک رات میں عبادت کر لی جائے تو اس رات کی عبادت کا درجہ ایک ہزار راتوں کی عبادتوں سے زیادہ ہے لیکن اگر کوئی اس رات کو پا کر عبادت نہ کرے تو اسے کوئی اجر نہیں ملے گا لیکن اولیاء اللہ کی کیا شان ہے کہ کوئی ان کے پاس جا کر عبادت اور توبہ نہیں کرتا صرف جانے کی نیت کر لیتا ہے تو بخش دیا جاتا ہے یہی حال کعبہ کا ہے۔ کوئی شخص کعبہ کی زیارت اور اس میں عبادت کرے گا تو اجر و ثواب ملے گا اگر کعبہ تک نہیں پہنچا تو اجر و ثواب نہیں ملے گا پھر لیلۃ القدر اور کعبہ میں عبادت سے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے بخشش کی ضمانت نہیں ہے لیکن جو شخص اللہ والوں کے پاس جا کر توبہ کرنے کی نیت کر لے بخش دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ وہ بہت بڑی خبر ہے O تم جس سے اعراض کر رہے ہو O جب ملائکہ مترین بحث کر رہے تھے تو مجھے (اس کا) کوئی علم نہ تھا O میری طرف صرف یہ وہی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں O (سن: ۷۰: ۶۷)

بہت بڑی خبر کے مصداق میں متعدد احتمالات

سن: ۶۸: ۶۷ میں فرمایا: "آپ کہیے کہ وہ بہت بڑی خبر ہے O تم جس سے اعراض کر رہے ہو O" اس آیت میں کس خبر کو فرمایا ہے وہ بہت بڑی خبر ہے اس میں کئی احتمال ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ واحد ہے اور سب پر غالب ہے یہ بہت بڑی خبر ہے (ب) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول ہیں یہ بہت بڑی خبر ہے (ج) قرآن مجید وہی الہی ہے اور یہ مجرکام ہے یہ بہت بڑی خبر ہے (د) قیامت برحق ہے صور پھونکنے کے بعد یہ قیام کا نکتہ نما ہو جائے گی پھر دوسرے صور کے بعد سب لوگ زندہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب اور کتاب کے لیے پیش کیے جائیں گے پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء اور سزا دی جائے گی یہ بہت بڑی خبر ہے۔

اس سورت کے شروع میں ان چاروں چیزوں کی خبر دی گئی ہے اور یہ بہت عظیم اور اہم خبر ہے اور کفار مکہ ان خبروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار سننے کے باوجود ان خبروں سے اعراض کرتے تھے بلکہ ان خبروں کا انکار اور ان کی تکذیب کرتے تھے ان چیزوں کی خبر اس قدر اہم اور اس قدر عظیم ہے کہ اگر ان کا انکار کر دیا جائے تو انسان دنیا میں مذمت اور طاعت کا اور آخرت میں عقاب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر ان چیزوں کی تصدیق کرے ان پر ایمان لے آئے اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرے تو دنیا میں اس کی تعریف کی جاتی ہے اور آخرت میں اللہ اپنے فضل سے اس کو اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور جنات الفردوس میں اس کو داخل فرمائے گا۔ اس لیے عقل سلیم یہ واجب کرتی ہے کہ ان کے متعلق سستی اور تساہل سے کام نہ لیا جائے ان پر کامل غور و فکر کیا جائے اور محض باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے ان کا انکار نہ کیا جائے۔

"الحلاء الاعلیٰ" سے مراد وہ فرشتے ہیں جن سے تخلیق آدم کے متعلق مشورہ لیا گیا

سن: ۷۰: ۶۹ میں فرمایا: "آپ کہیے: جب ملائکہ مترین بحث کر رہے تھے تو مجھے (اس کا) کوئی علم نہ تھا O میری طرف صرف یہ وہی کی جاتی ہے کہ میں صاف صاف عذاب سے ڈرانے والا ہوں O"

اس آیت میں "الحلاء الاعلیٰ" کا لفظ ہے الحلاء کا معنی ہے: وہ جماعت جو کسی ایک نظریہ اور ایک رائے پر متفق ہو

”الملاء الاعلیٰ“ کی دوسری تفسیر کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو گناہوں کے کفارے میں

بحث کر رہے تھے

الملاء الاعلیٰ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اس چیز میں بحث کر رہے تھے کہ وہ کون سے نیک کام ہیں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات میرے پاس میرا رب چارک و قتلیٰ بہت حسین صورت میں آیا حضرت ابن عباس نے فرمایا: یعنی خواب میں یا نہیں فرمایا: یا محمد! کیا تم کو معلوم ہے کہ الملاء الاعلیٰ (حاکم مقررین) کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں آپ نے فرمایا: پھر اللہ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی خشک محسوس کی پھر مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہو گیا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں فرمایا: یا محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ الملاء الاعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! کفارات میں اور نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا کفارات ہیں اور زیادہ قدم چل کر مسجد میں جانا اور تکلیف اور مشقت کے وقت کامل وضو کرنا کفارات ہیں اور جس نے یہ کام کیے وہ خیریت سے زندہ رہے گا اور خیریت سے مرے گا اور وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو جائے گا جس دن وہ اپنی ماں سے پیدا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد! جب تم نماز پڑھو تو یہ دعا کرو: اے اللہ! میں تجھ سے نیکوں کے کرنے اور برائیوں کے ترک کرنے کا اور مساکین سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور جب تو اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو میری روح کو اپنی طرف اس حال میں قبض کرنا کہ وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو اور فرمایا: بلند درجات ان کاموں سے حاصل ہوتے ہیں: سلام کو پھیلانا، کھانا کھانا اور رات کو اٹھ کر اس وقت نماز پڑھنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳ تفسیر عبد الرزاق ج ۳ ص ۱۶۹ مسند ابی یوسف ج ۱ ص ۲۶۸ صحیح ابن خزيمة رقم الحدیث: ۳۶۹۱ بشریہ لا جری ص ۳۹۶ السنۃ لابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۳۶۹۶ جامع السانید وائسن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۵۱۵)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرا رب بہت حسین صورت میں آیا نہیں فرمایا: یا محمد! میں نے کہا: میرے رب! میں حاضر ہوں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہوں فرمایا: الملاء الاعلیٰ (حاکم مقررین) کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: میرے رب! مجھے معلوم نہیں پھر اس نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا میں نے اس کی خشک اپنے سینے میں محسوس کی پھر مجھے مشرق اور مغرب کے درمیان کی تمام چیزوں کا علم ہو گیا پھر فرمایا: اے محمد! میں نے کہا: میں تیرے سامنے حاضر ہوں اور تیری اطاعت پر کمر بستہ ہوں فرمایا: الملاء الاعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: درجات میں اور کفارات میں اور جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے چل کر جانے میں اور مشقت کے وقت کامل وضو کرنے میں اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں اور جو ان کاموں کی حفاظت کرے گا وہ خیریت سے زندہ رہے گا اور خیریت سے مرے گا اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جیسے اس دن وہ اپنی ماں سے پیدا ہوا ہو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۳ السنۃ لابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۳۶۹۶ مسند ابی یوسف ج ۱ ص ۲۶۸ صحیح ابن خزيمة رقم الحدیث: ۳۶۹۱ بشریہ لا جری ص ۳۹۶ جامع السانید وائسن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۵۱۵)

امام ترمذی نے اس حدیث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز کے لیے آنے میں کافی تاخیر ہو گئی، حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے پھر آپ جلدی جلدی تشریف لائے، یس نماز کی اقامت مکی گئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انحصار کے ساتھ نماز پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد آپ نے ہم سے بلند آواز میں فرمایا: جس طرح بیٹھے ہو اسی طرح اپنی صفوں میں بیٹھے رہو پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس وجہ سے مجھے نماز فجر کے لیے آنے میں تاخیر ہو گئی، میں رات کو اٹھا، میں نے وضو کیا اور یعنی نماز میرے مقدّم میں تھی میں نے اتنی نماز پڑھی پھر مجھے اٹھ اگئی تو اچانک میرے سامنے میرا رب تبارک و تعالیٰ نہایت حسین صورت میں تھا۔ جس فرمایا: یا محمد! میں نے کہا: اے میرے رب! میں حاضر ہوں، فرمایا: السلام الاعلیٰ (ملائکہ مقررین) کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! مجھے معلوم نہیں، یہ مکالمہ تین بار ہوا پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا، حتیٰ کہ میں نے اس کے پوروں کی خندک اپنے سینے میں محسوس کی، پھر ہر چیز میرے لیے مشکف ہو گئی اور میں نے اس کو پہچان لیا، پس فرمایا: یا محمد! میں نے کہا: الیک اے میرے رب! فرمایا: السلام الاعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: کفار میں فرمایا: وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا: وہ جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جمل کر جاتا ہے اور نمازوں کے بعد مساجد میں بیٹھتا ہے اور مشقت کے وقت کامل وضو کرتا ہے۔ فرمایا: پھر کس چیز میں کفارہ ہے؟ میں نے کہا: کھانا کھلانے میں اور فری سے بات کرنے میں اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں اس وقت نماز پڑھنے میں پھر فرمایا: سوال کرو تو میں نے کہا: اے اللہ! میں تجھ سے نیک کام کرنے کا اور بُرے کاموں کے ترک کرنے کا اور مساکین سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور یہ کہ تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے بغیر فتنہ میں ڈالے اٹھ لینے اور میں تجھ سے تیری محبت کا اور جو تجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت کا اور جو عمل تیری محبت کے قریب کر دے اس کی محبت کا سوال کرتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کلمات برحق ہیں، تم ان کو یاد کرو پھر ان کو پڑھاؤ۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام محمد بن اسماعیل سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۵، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۵۳۲، المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۲۱۶، الکامل ج ۱ ص ۲۳۳، مسند ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۱۸، المسند رک ج ۱ ص ۲۱۱، شرح ابن کثیر رقم الحدیث: ۹۱۹)

مفسرین میں سے الحسین بن مسعود البغوی متوفی ۵۱۶ھ، علامہ خازن متوفی ۴۵۰ھ، حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۰ھ، حنفی جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اور قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، نواب صدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۰ھ وغیرہم نے بھی اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ (معالم البقرہ ج ۳ ص ۱۵۱، کتاب الدلیل للکلاز ج ۳ ص ۲۰، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰، دار البکر ج ۶ ص ۷۰، فتح القدیر ج ۳ ص ۵۸۴، فتح البیان ج ۶ ص ۴۱)

اللہ تعالیٰ کی صورت اور اس کے ہاتھوں کی تفسیر میں متقدمین اور متاخرین کے نظریات

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اپنے رب عزوجل کو نہایت حسین صورت میں دیکھا، اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت کا کیا معنی ہے؟ اس میں امام ابو حنیفہ اور دیگر متقدمین کا مذہب یہ ہے کہ ہم صورت میں کوئی تاویل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی صورت سے مراد اس کی وہ صورت ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے، لیکن متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ مخالفین اسلام نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ صورت تو کسی جسم کی ہوتی ہے، اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہو اور جسم مرکب ہوتا ہے اور اپنے تحقق اور وجود میں اپنے اجزاء کا

محتاج ہوتا ہے تو اللہ کی صورت ماننے سے اس کا محتاج ہونا لازم آئے گا تو حارثین نے اس کے دو جواب دیئے: ایک جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو ہے کہ میں نے اپنے رب کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اس سے مراد اللہ عز و جل کی صورت نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی صورت ہے یعنی جب میں نے اپنے رب عز و جل کو دیکھا تو میری بہت حسین صورت تھی دوسرا جواب یہ ہے کہ صورت کا معنی صفت ہے یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ بہت حسین و جمیل صفت میں تھا یعنی وہ حسن و جمال عطا کرنے والا تھا اور اکرام اور انضال کرنے والا تھا۔

اسی طرح اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حقہ من کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور حارثین کے نزدیک اس میں تاویل ہے اور ہاتھ سے مراد اس کی قوت اور اس کا جود و کرم اور اس کی عطا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم دیا جاتا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کلی عطا فرمایا اور تمام حقائق اشیاء پر آپ کو مطلع فرمادیا کیونکہ بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں: پس میں نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جان لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۳) اور بعض میں یہ الفاظ ہیں: مجھے مشرق اور مغرب کے درمیان کی تمام چیزوں کا علم ہو گیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۳) اور بعض میں یہ الفاظ ہیں: پس ہر چیز میرے لیے منکشف ہوگی اور میں نے (ہر چیز کو) جان لیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۵)

وجہ استدلال یہ ہے کہ پہلی دو حدیثوں میں لفظ "ما" ہے "فعلت ما فی السموت وما فی الارض" اور "فعلت ما بین المشرق والمغرب" اور تیسری حدیث میں لفظ "کل" ہے (فعلت لی کل شیء وعرفت) اور "ما" اور "کل" کے الفاظ کی وضع عموم کے لیے کی گئی ہے اور ان کی عموم پر دلالت قطعی ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی اس آیت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم کے عموم پر دلیل ہے:

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ. (انشاء: ۱۱۳)

آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے۔

اس آیت میں بھی لفظ "ما" ہے اور "ما" کی عموم پر قطعی دلالت ہے مخالفین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم کلی حاصل ہوتا تو پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہت لگا ئی گئی تھی تو آپ فوراً اس کا رد کر دیتے "حالانکہ جب تک وہی نازل نہیں ہوئی تقریباً ایک ماہ تک آپ اس معاملہ میں پریشان اور غمگین رہے" اسی طرح جب ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہارم ہو گیا تو آپ اس کو تلاش نہ کراتے اور فوراً بتا دیتے کہ ہار ملاں جگہ پڑا ہوا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام واقعات اخبارا عادی سے ثابت ہیں جو قطعی ہیں اور ہمارا استدلال اس آیت سے ہے جو قطعی ہے اور اس آیت میں اور جن احادیث سے ہم نے استدلال کیا ہے ان میں لفظ "ما" ہے اور اس کا عموم قطعی ہے اور قطعی کے خلاف قطعی سے معارضہ کرنا باطل ہے۔

منکرین عموم علم و رسالت کا آپ کے علم کلی پر اعتراض

ہم نے جن احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر استدلال کیا ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے منکرین عموم علم و رسالت یہ کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پر ہاتھ رکھا تو آپ کو سب چیزوں کا علم ہو گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت سے ہاتھ اٹھایا تو پھر وہ سب علم زائل ہو گیا۔ جیسے جب اللہ میرے میں کل چنگے یا تارچ جلائی جائے تو ہم کو

چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور جب تک غائب ہو جائے یا تاریخ بھجھ جائے تو پھر اندھیرا ہو جاتا ہے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اعتراض مذکور کے جوابات

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق فرمایا ہے:

وَلَا تَسْمَعُ لَهَا عَصِيْرًا لِّذِي ۝ (البقرہ: ۲۵)

آپ کی بعد والی ساعت پہلے والی ساعت سے افضل اور

بہتر ہے

اور جب پہلی ساعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم دے دیا گیا تو بعد والی ساعت میں اس سے زیادہ علم دیا جائے گا اس سے کم علم ہونا اس آیت کے خلاف ہے۔

(۲) علم اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور نعمت کا شکر ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس نعمت میں زیادتی فرماتا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ تَاَذَكَّرْنَا أَنْ تُقَدِّمُوا شُكْرَكُمْ وَكُنْتُمْ تُخْلِفُونَ ۝ (ابراہیم: ۷)

اور جب تمہارے رب نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو پہلے

میرا عذاب بہت سخت ہے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید الشاکرین ہیں کائنات میں سب سے زیادہ شکر ادا کرنے والے ہیں اس لیے یہ تو ممکن ہے بلکہ واقع ہے کہ بعد کی ساعت میں آپ کو اور علم عطا کیا جائے یہ ممکن نہیں ہے کہ دیا ہوا علم بھی واپس لے لیا جائے جیسا کہ مخالفین کا قول ہے کیونکہ یہ اس وقت ہو گا جب آپ شکر گزار نہ ہوں اور آپ سید الشاکرین ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكُلُّ رَيْبٍ ذِي قُرْبَىٰ ۝ (الزمر: ۲۱)

آپ یہ دعا کیجئے کہ اسے میرے رب! میرا علم زیادہ کر

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مطلوب یہ ہے کہ آپ کے علم کو زیادہ کرے اور علم عطا فرما کر اس کو واپس لے

لینا اس آیت اور اس مطلوب کے خلاف ہے۔

(۴) یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کی پشت سے ہاتھ اٹھالیا تو آپ کا علم جاتا رہا ان احادیث کی صراحت کے خلاف ہے

کیونکہ ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں اور اللہ کے ہاتھ

رکھے کے بعد آپ کو علم ہو گیا کہ فرشتے ان کاموں کے متعلق بحث کر رہے ہیں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور آپ

کا یہ علم برقرار رہا کیونکہ بعد میں آپ نے صحابہ کرام کو وہ کام بتائے جو گناہوں کا کفارہ ہیں۔

(۵) ان احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ کو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا علم دیا گیا ہے اب منکرین وہ حدیث بیان

کریں جس میں یہ تصریح ہو کہ آپ سے یہ علم واپس لے لیا گیا۔

(۶) منکرین نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی پشت پر ہاتھ رکھا تو آپ کو علم ہو گیا اور جب آپ کی پشت سے ہاتھ اٹھالیا تو

آپ کا علم چلا گیا ان کا یہ قول اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقین کا حال بیان فرمایا ہے:

فَلَمَّا آتَوْا آتَا مَا حَوْلَهُمْ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي فُتِنَّا بِهِ ۝ (البقرہ: ۱۰۱)

پس جب آگ نے ان کے ارد گرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور ان کو ایسے اندھروں میں چھوڑ دیا کہ

وہ نہیں دیکھ سکتے

منکرین عموم علم رسالت نے اپنے اس قول میں جو آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کیا ہے اور یہ بہت سخت جسامت ہے۔
امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی کتب میں فرماتے ہیں :
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کو اللہ کی بدترین مخلوق قرار دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں یہ ان کو مسلمانوں پر منطبق کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری باب قتل الخوارج ص ۳۶۲ دارالقرآن مجید بخاری ج ۳ ص ۱۰۳۳ مجمع المطابع کراچی)
خوارج تو صرف کفار کی آیات کو مومنوں پر منطبق کرتے تھے تو ان کا کیا وجہ ہوگا جو منافقین کی آیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کریں۔

اگر آپ کو علم کلی دے دیا گیا تھا تو پھر بعد میں قرآن مجید کیوں نازل ہوتا رہا؟

ہم نے النساء ۱۱۳ (علیمک ما لم تکن تعلم) سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کئی پر استدلال کیا ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے منافقین یہ کہتے ہیں کہ اگر اس آیت کا یہ معنی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے وہ سب آپ کو عطا دیا اور آپ کو علم کلی حاصل ہو گیا اور تمام احکام شرعیہ آپ کو معلوم ہو گئے تو چاہیے تھا کہ اس کے بعد مزید قرآن مجید نازل نہ ہوتا کیونکہ آپ کو تمام احکام شرعیہ معلوم ہو چکے تھے پھر باقی قرآن مجید کیوں نازل ہوتا رہا؟
اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول صرف احکام شرعیہ کی تعلیم کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کی اور بھی بہت حکمتیں ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔ دیکھئے قرآن مجید میں نماز کی فرضیت سے متعلق ”اقیموا الصلوٰۃ“ بارود مرتبہ نازل ہوئی ہے ظاہر ہے کہ ایک آیت کے نازل ہونے سے ہی نماز کی فرضیت کا علم ہو گیا تھا اب باقی کیا درجہ مرتبہ یہ آیت دیگر وجوہ کی بناء پر نازل ہوئی ہے اس لیے ”علیمک ما لم تکن تعلم“ کے نزول کے بعد باقی قرآن کا نازل ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ اس آیت سے علم کلی حاصل ہو گیا تھا۔ اس کی اور بھی بہت نظائر ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم پر امت کے علم کے عموم سے معارضہ اور اس کا جواب

اس دلیل پر منافقین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق النساء ۱۱۳ میں ہے کہ آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے اسی طرح عام مسلمانوں کے متعلق ہے:
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكَلِمَاتِ الْمُنْقَلِبَاتِ ﴿۱۵۱﴾ (البقرہ ۱۵۱)

دیتے ہیں جن کو تم (پہلے) نہیں جانتے تھے

پس اس سے یہ لازم آئے گا کہ امت کا علم آپ کے علم کے مساوی ہو جائے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں پر ”ما“ عموم کے لیے نہیں ہے بلکہ مجازاً انھوں کے لیے ہے یعنی آپ نے ان کو احکام شرعیہ اور بہت ضرورت غیب کی خبروں کی تعلیم دی اور اگر یہ کہا جائے کہ جب یہاں ”ما“ کو عموم پر محمول نہیں کیا تو النساء ۱۱۳ میں بھی اس کو اس عموم پر محمول نہ کیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی قرینہ کی بناء پر کسی لفظ کو حقیقت پر محمول نہ کیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ اس کو مجاز پر محمول کیا جائے حدیث میں ہے:

لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب.

جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں ہوتی۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث ۳۴۷)

لائی جنس کے لیے آتا ہے اس لیے اس حدیث کا معنی یہ ہونا چاہیے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز باطل نہیں ہوتی، لیکن چونکہ سورۃ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض نہیں ہے اس لیے اس حدیث میں لامعاہر لائی کمال پر محمول ہے، یعنی سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ اب ہر جگہ لائی کمال کے لیے ہوتی کہ کوئی شخص یہ کہے کہ لا الہ الا اللہ میں بھی لائی کمال کے لیے ہے اور اس کا معنی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کامل خدا نہیں ہے اور ناقص خدا موجود ہیں، بلکہ یہاں پر اپنی اصل کے مطابق لائی جنس کے لیے ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "یعللکم ما لم یکنوا تعلمون" میں ضمیر خطاب "کم" جمع ہے اور "ما لم یکنوا تعلموا" "تعلمون" میں ما بھی عموم کے لیے ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جمع کے مقابلہ میں جمع ہو تو احوادی تقسیم احوادی طرف ہوتی ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں: لبس القوم ثيابہم "قوم نے اپنے کپڑے پہن لیے اسی طرح اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ نے تمام امت کو مجموعی احکام شرعیہ سکھادے اور النساء ۱۱۳ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا آپ کو تمام چیزوں کا علم عطا فرمادیا اس سے امت کی آپ کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی۔

اس جواب کی زیادہ تفصیل ”مقام ولایت و نبوت“ ص ۱۰۵-۶۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گیلی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں O سو جب میں اس کا پتلا بناؤں اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا تو سب کے سب تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا O سو ابلیس کے اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا O فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟ O اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے O (ص ۶۷-۶۸)

بدیودار گارا ہو گیا اور سوکھ کر ٹھیکرے کی طرح ٹھکٹاتی ہوئی مٹی ہو گیا۔

روح کا معنی "روح پھونکنے کا محمل اور ہماری شریعت میں سجدہ تعظیم کا عدم جواز

ص: ۷۲ میں فرمایا: سو جب میں اس کا پتلا بتالوں اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔

• "سو یہ" کا لغوی معنی ہے: میں اس کو درست بتالوں اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ میں اس کا پتلا بتالوں اور اس کو انسانی صورت میں ڈھال لوں۔

اس کے بعد فرمایا: اور اس میں اپنی طرف سے خاص روح پھونک دوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب قالب پوری طرح درست اور مکمل ہو جائے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ پہلے رحم میں غلط ہوتا ہے پھر چالیس دن بعد وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد وہ گوشت بن جاتا ہے پھر چالیس دن بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۸۸) صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۳) اور عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح انسان میں حقیقت کی روح اس وقت پھونکی جاتی ہے جب وہ شریعت اور طریقت کے تقاضوں پر عمل کر کے درست اور کامل ہو جاتا ہے۔ روح پھونکنا ایک استعارہ ہے حقیقت میں کوئی پھونک نہیں ہوتی بلکہ روح کو جسم میں جاری کر دیا جاتا ہے اور جسم کے تمام اعضاء میں روح کا نفوذ اس طرح ہوتا ہے جس طرح انگارہ میں آگ کا حلول ہوتا ہے یا جس طرح پتے میں پانی کی نمی کا حلول ہوتا ہے یا پھول میں خوشبو کا حلول ہوتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہے اور یا اس روح کا مرتبہ بڑھانے اور اس کی تعظیم اور تعظیم ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف اضافت کی ہے۔

روح کے دو معنی ہیں: ایک معنی یہ ہے: وہ ایک جسم لطیف ہے جس کا بخار کی شکل میں تمام جسم میں حلول ہے وہ حواس ظاہرہ حواس باطنیہ اور جسم کی تمام قوتوں کی حامل ہوتی ہے۔ بدن کے قانی ہونے سے یہ روح بھی قانی ہو جاتی ہے اور روح کا دوسرا معنی ہے: نفس ناخلفہ اور لطیفہ ربانیہ نفس حیوانی کی قوتوں کی حامل ہوتی ہے اس روح پر فنا نہیں ہے یہ بدن کے قانی ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے ہوا سرا تکیل: ۸۵ میں کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تہیان القرآن ج ۲ ص ۹۳-۹۶-۹۷۔

اس کے بعد فرمایا: تو تم سب سجدہ میں گر جاؤ سجدہ کا اطلاق حد درجہ تک جھکنے پر بھی ہوتا ہے اور زمین پر چہرہ رکھنے پر بھی سجدہ کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ اس آیت میں فرمایا ہے: تم سب سجدہ میں گر جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سجدہ سے مراد حد درجہ تک جھکنا نہیں ہے بلکہ زمین پر چہرہ رکھنا مراد ہے۔

یہ سجدہ تعظیم تھا سجدہ عبودیت نہیں تھا سجدہ تعظیم سابقہ شریعتوں میں جائز تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور ان کے والدین نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا تھا اور سجدہ عبودیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ عبودیت کرنا جائز نہیں ہے اور ہماری شریعت میں حقوق کے سامنے سجدہ تعظیم کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

قیس بن سعید بیان کرتے ہیں کہ میں حیرہ (کوفہ سے تین میل دور ایک شہر جس کو آج کل نجف کہتے ہیں) میں گیا میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اس

کو جبہ کرو گے؟ میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تو پھر نہ کرو! اگر میں کسی کو دوسرے کے لیے جبہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو جبہ کیا کریں! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر ان کے خاوندوں کا حق رکھا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۰۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۵۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۱، ج ۲ ص ۶۶، ج ۶ ص ۷۰) **ابلیس کا معنی اور اس کا جنات میں سے ہونا**

ص: ۴۳-۴۲ میں فرمایا: ”تو سب کے سب فرشتوں نے اٹھتے جبہ کیا“ اور ابلیس کے اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

پہلے فرمایا: ”مسجد الملاحکۃ“ فرشتوں نے جبہ کیا۔ الملاحکۃ جمع کا مینہ ہے، لیکن اگر چند فرشتے جبہ کر لیتے اور سب فرشتے جبہ نہ کرتے پھر بھی جمع کے مینہ کا اطلاق درست تھا اس لیے اس کے بعد ”کسلبہم“ فرمایا تاکہ ظاہر ہو کہ سب فرشتوں نے جبہ کیا ہے، لیکن اگر سب فرشتوں میں سے پہلے کچھ فرشتے جبہ کرتے اور بعد میں کچھ اور فرشتے جبہ کرتے اور متفرق اوقات میں سب فرشتے جبہ کرتے تب بھی یہ بات صادق آتی کہ سب فرشتوں نے جبہ کیا ہے اس لیے اس کے بعد ”اجمعون“ فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ سب فرشتوں نے اٹھتے اور بہ یک وقت جبہ کیا ہے۔

ابلیس اپنی نوع اور حقیقت کے اعتبار سے جن ہے قرآن مجید میں ہے: **کَانَ مِنَ الْجِنَّةِ فَطَسَّ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ**۔ وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ (الکہف: ۵۰)

لیکن چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اس لیے اس کو بھی جبہ کرنے کا حکم دیا گیا اس سے پہلے اس کا نام عزرائیل اور الحارث تھا بعد میں جب وہ راندہ درگاہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا تو پھر اس کا نام ابلیس ہو گیا ”کسان من الکفلین“ کا معنی ہے: وہ کافروں میں سے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں وہ کافروں میں سے تھا یا یہ کسان ہصار کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

حضرت آدم کو دونوں ہاتھوں سے بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: فرمایا: ”اے ابلیس! تجھے اس کو جبہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟“ اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے“ (ص: ۴۶-۴۵)

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: میں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو لفظ ”کسن“ سے پیدا فرماتا ہے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا: میں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے ان کی پیدائش کے لیے ماں باپ کو واسطہ نہیں بنایا نہ کسی ایک کے نطفہ کا ان کی تخلیق میں دخل ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

ابلیس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے اس کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اگر آدم کو آگ سے پیدا کیا جاتا تو میں پھر بھی اس کو جبہ نہ کرتا کیونکہ وہ اس صورت میں میری مثل ہوتا چہ جائیکہ وہ مٹی سے بنایا گیا ہے اور مجھ سے کم تر ہے۔ کیونکہ آگ مٹی پر غالب ہوتی اور اس کو کھٹا جاتی ہے اور برتر کا کم تر کو جبہ کرنا اور اس کی

تعلیم کرنا درست نہیں ہے۔

مٹی کا آگ سے افضل ہونا

ایس کا یہ ذمہ تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے حالانکہ حسب ذیل وجوہ سے مٹی آگ سے افضل ہے۔

(۱) مٹی آگ پر غالب ہے کیونکہ آگ پر مٹی ڈالنے سے آگ بجھ جاتی ہے اور آگ مٹی کو ختم نہیں کر سکتی۔

(۲) مٹی امین ہے مٹی میں بیج دیا جائے تو وہ اس سے درخت کا کراچ کو پھر کئی گنا کر کے لونا دیتی ہے اور آگ خائن ہے آگ میں جو کچھ ڈالا جائے آگ اس کو ختم کر دیتی ہے۔

(۳) آگ کی طبیعت میں جوش اور غضب ہے اور مٹی کی طبیعت میں سکون اور ثبات ہے۔

(۴) مٹی کی طبیعت میں تخلیق اور نگہین کی صلاحیت ہے مٹی سے انسانوں اور حیوانوں کا رزق حاصل ہوتا ہے روٹی حاصل ہوتی ہے جس سے انسان کو لباس اور زینت فراہم ہوتی ہے اس میں معدنیات ہیں جن سے مختلف آلات اور مشینیں بنی ہیں اور آگ سے کسی چیز کا حصول نہیں ہوتا بلکہ وہ حاصل شدہ چیزوں کو فاسد اور فنا کر دیتی ہے۔

(۵) مٹی سے انسان اپنی رہائش کے لیے گھر بناتا ہے جو اس کو دھوپ اور بارش سے بچاتا ہے اور آگ سے گھر بننا نہیں ہے گھر جڑ جاتا ہے۔

(۶) آگ خود پہ خود کا ختم نہیں ہو سکتی اس کو اپنے قیام کے لیے کسی محل اور جگہ کی ضرورت ہے اور وہ محل اور جگہ زمین اور مٹی ہے سو آگ محتاج ہے اور مٹی محتاج الیہ ہے اور محتاج الیہ محتاج سے افضل ہوتا ہے۔

(۷) ہر چند کہ آگ سے بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً اس سے کھانا پکنا ہے روشنی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کو کنٹرول کرنا چاہئے کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ کھانا جلا دے اور گھر جل کر راکھ ہو جائے سو اس کی خیر میں بھی شرمصر ہے اور مٹی سراپا خیر ہے اس میں شر باطل نہیں ہے۔

(۸) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کے بہت فوائد اور منافع بیان فرمائے ہیں زمین کے متعلق فرمایا: ہم نے اس کو فرائض بساط اور قرار بنایا ہے اور زمین کے کجاہات میں انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور آگ کا ذکر زیادہ تر ڈرانے دھمکانے اور مذہاب دینے کے لیے فرمایا ہے اور مٹی کو اجر و ثواب کا منبع بنایا ہے اور وہ جنت سے جس میں پادشاہت ہیں اور محلات ہیں اور یہ مٹی کے ثمرات ہیں اور آگ صرف دوزخ میں ہے اور جنت دوزخ سے افضل ہے تو مٹی آگ سے افضل ہوئی۔

(۹) مٹی کے لیے یہ فضیلت کافی ہے کہ اس سے اللہ کا گھر بنایا گیا انبیاء علیہم السلام کو بنایا گیا ہے اور آگ کے لیے یہ خدمت بہت ہے کہ اس سے شیطان کو بنایا گیا ہے۔

(۱۰) مٹی سے تواضع ہوتی ہے اور آگ سے سرکشی اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک درجہ تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جو اللہ کے سامنے ایک درجہ تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایک درجہ نیچے کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کو اسفل السافلین میں کر دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۷۷۷ مسند احمد ج ۶ مسند ابی یوسف رقم الحدیث ۱۰۰ صحیح بن ماجہ رقم الحدیث ۵۶۷۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو مدینہ میں جہاں چاہتے لے جاتے اور اپنی حاجت پوری کرتے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۷ مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۷ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۳۸۸۳ جامع السانید وائسن مسند انس رقم الحدیث: ۱۳۹۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماروں کی عیادت کرتے تھے جتنا وہ کے ساتھ جاتے تھے تو کمر اور خادم کی دعوت قبول کر لیتے تھے جنگ قرظہ اور نصیر کے دن آپ دروازہ گوش پر سوار تھے اور جنگ خیبر کے دن دروازہ گوش پر سوار تھے اور بخجور کی چھال کی لگام اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور آپ کے نیچے بخجور کی چھال کی گدی تھی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۷ جامع السانید وائسن مسند انس رقم الحدیث: ۳۸۸۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرمایا: تو اس جنت سے نکل جا بے شک تو دھکڑا ہوا ہے O بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O اس نے کہا: اے میرے رب! پھر مجھے حشر کے دن تک کی مہلت دے O فرمایا: بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے O اس نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گا O سوا ان کے جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں O فرمایا: پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوں O کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کر دوں گا O (سن: ۸۵: ۷۷)

سن: ۷۷ میں فرمایا: "تو اس سے نکل جا" اس سے مراد ہے: تو اس جنت سے نکل جا اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے: تو آسمانوں سے نکل جا نیز فرمایا: بے شک تو رجم ہے رجم بمعنی مروج ہے یعنی تو دھکڑا ہوا ہے اس سے مراد ہے: تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دھکڑا ہوا ہے یا رنجہ سے دھکڑا ہوا ہے یا اس کا معنی ہے: جب تو آسمانوں کے قریب آئے گا تو تجھے آگ کے گولوں سے رجم کیا جائے گا۔

سن: ۸۰ میں فرمایا: "بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے" اس کا معنی ہے: تو قیامت تک میری رحمت سے دور رہے گا اور اس کا معنی بھی ہے: قیامت تک لعنت کرنے والے تجھ پر لعنت کرتے رہیں گے۔

سن: ۹۰ میں فرمایا: "اس نے کہا: اے میرے رب! پھر مجھے حشر کے دن تک کی مہلت دے۔"

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: "العی یوم یعنون" جس دن جزاء کے لیے لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اس کی مراد یہ تھی کہ شیطان کو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ بدلت مل جائے نیز اس کی مراد یہ تھی کہ اس کو موت سے نجات مل جائے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول جھوٹ ہو جائے کہ ہر شخص کو موت آئے گی کیونکہ حشر کے دن کے بعد موت نہیں ہے۔

سن: ۸۱-۸۰ میں فرمایا: "بے شک تو مہلت پانے والوں میں سے ہے O اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے" اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ انہیں کو قیامت تک کی مہلت دی گئی ہے لیکن قرآن مجید میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کی اولاد اور اس کے چیلوں کو بھی قیامت تک کی مہلت ہے یا نہیں۔ بعض علماء نے یہ کہا کہ شیطان میں تو اولاد اور تامل ہوتا ہے اور ان کی اولاد قیامت تک زندہ رہے گی اور جنت میں بھی تو اولاد ہوتا ہے لیکن ان پر موت بھی آتی ہے۔ شیطان نے یہ دعا کی تھی کہ اس کو حشر تک موت نہ آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کو قیامت تک موت نہیں آئے گی اور اس لعین کا جو یہ مقصد تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول کو جھوٹا کر دے وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

سن: ۸۳-۸۲ میں فرمایا: اس نے کہا: "پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گا O سوا ان کے جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں O"

اگر ایٹس چاہتا تو مطلقاً یوں کہہ دیتا: ”میں ضرور ان سب کو گم راہ کر دوں گا“ مگر وہ ایسا کہتا تو اس کا یہ قول جھوٹ ہو جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خاص اور مخلص بندوں مثلاً انبیاء علیہم السلام کو وہ گم راہ نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے جھوٹ سے بچنے کے لیے یہ استثناء کیا اور کہا: میں تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گم راہ کر دوں گا۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جھوٹ ایسی برائی ہے کہ شیطان بھی اس سے بچتا چاہتا ہے تو پھر انسان کو بلکہ مسلمان کو تو اس سے بہت زیادہ بچنا چاہیے۔

اس آیت میں مخلص بندوں کا ذکر ہے، مخلص (لام پر زبر کے ساتھ) بندے وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے خالص کر لیا اور ان کو گم راہی سے محفوظ رکھا اور اگر مخلص میں لام پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے: اللہ کے وہ بندے جنہوں نے اپنے دلوں کو اور اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور اس میں دیا کاری کا شائبہ بھی نہیں ہونے دیا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ مخلص بندے وہ ہیں جو دل سے اللہ کو یاد کرتے ہیں ان کے ذکر پر فرشتے بھی مطلع نہیں ہوتے کہ اس کو لکھ سکیں اور نہ شیطان اس پر مطلع ہوتا ہے کہ اس کو فاسد کر سکے شیطان ان کو گم راہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور وہ اس کے شر سے مطلقاً محفوظ ہوتے ہیں۔

ص: ۸۵-۸۴ میں فرمایا: ”فرمایا: پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوں O کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا O“

امام رازی کے اس پر دلائل کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا۔۔۔۔۔

سے ہو رہا ہے

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ایٹس سے فرمایا: ”تو اس جنت سے نکل جا“ بے شک تو دھتکارا ہوا ہے O بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O“ (ص: ۸۰-۷۹) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ایٹس ایمان نہیں لائے گا پس اگر ایٹس ایمان لے آئے تو اللہ کی خبر صادق کا زب ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے پس ایٹس کا ایمان لانا محال ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے (یعنی ایٹس کا ایمان نہ لانا اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کے حکم سے ہے)۔

(۲) ایٹس نے کہا: ”پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گم راہ کر دوں گا O“ (ص: ۸۲) اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ایٹس اس کے بندوں کو گم راہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا دعویٰ سنا اور وہ ایٹس کو اس سے منع کرنے پر قادر تھا اور جب کوئی شخص کسی کو کسی کام سے روکنے پر قادر ہو اس کے باوجود اس کو منع نہ کرے تو وہ اس کام سے راضی ہوتا ہے (یعنی اللہ اس سے راضی ہے کہ ایٹس لوگوں کو گم راہ کرے)۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ جہنم کو کافروں سے بھر دے گا پس اگر لوگ کفر نہ کرتے تو اس کے کلام کا صدق کذب سے بدل جائے گا اور اس کا علم جہل سے بدل جائے گا اور یہ محال ہے (یعنی لوگوں کا کفر نہ کرنا اللہ کے حکم اور اس کی رضا سے ہے)۔

(۴) اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوتا کہ کافر کفر نہ کرے تو واجب تھا کہ دنیا میں انبیاء اور صالحین ہی رہتے اور ایٹس اور شیطان مر جاتے اور جب کہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا کہ لوگ کفر کریں۔

(۵) اگر ان کافروں کو ایمان کا مکلف کیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ ان آیات پر بھی ایمان لائیں جن کا تقاضا ہے کہ وہ ایمان

نہ لائیں اور اس وقت یہ لازم آئے گا کہ وہ ایمان لانے اور ایمان نہ لانے دونوں کے مکلف ہوں اور یہ تکلیف بالاطلاق ہے۔ یعنی انسان کو اس چیز کا مکلف کرنا ہے جس کی اس میں طاقت نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۶۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے دلائل کے جوابات اور بحث و نظر

امام فخر الدین رازی قدس سرہ العزیز علم اور حکمت میں ایک بحر پیدا کن کار ہیں اور میں ان کے علوم و افہام کے سامنے یہ مشکل ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہوں اگر میں ان کے زمانہ میں ہوتا اور مجھے ان کے علائقہ کی صف میں بھی بیٹھنے کی جگہ مل جاتی تو میں اس کو اپنے باصط صد افتخار گردانتا میں نے اپنی اس تفسیر میں ان کی تحقیقات، تدقیقات اور نکات آفرینیوں سے بہت استفادہ کیا ہے اور میں ہمیشہ ان کے درجہ کی بلندی کے لیے دعا گو رہتا ہوں مجھے ان سے بہت محبت اور بے حد عقیدت ہے اس کے باوجود بعض مسائل میں میں نہایت ادب اور احترام کے ساتھ ان سے اختلاف کرتا ہوں سو زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے ہو رہا ہے شیطان کا سجدہ نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے تھا اس کا لوگوں کو کمر راہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے تھا۔ لوگوں کا کفر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے ہے اور یہی وہ تقریر ہے جو عام طور پر دہریہ اور زندقہ کرتے ہیں ہم اس قسم کے عقائد اور نظریات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اگر یہ نظریہ اور عقیدہ درست ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی اس قدر مذمت کیوں کی اس کو لعنت کیوں قرار دیا اور شیطان کو اور اس کے پیروں کو دوزخ کے دائمی عذاب کی وعید کیوں سنائی۔ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی تبلیغ کرنے کے لیے کیوں بھیجا۔ نیکی کرنے والوں کو دائمی اجر و ثواب کی بشارت کیوں دی اور نافرمانی کرنے والوں کو دائمی عذاب کی وعید کیوں سنائی جنت اور دوزخ کو کیوں بنایا آسمانی کتابیں کیوں نازل فرمائیں۔ اگر دنیا میں کفر اور معصیت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا سے عمل پذیر ہو تو ان سوالات کا جواب نہیں دیا جاسکتا پھر شرعی نظام بالکل فضول اور مہبط ہو گا اور رشد و ہدایت کا کوئی معنی نہیں رہے گا۔

اب آئیے امام رازی کے دلائل کا تجزیہ کرتے ہیں:

امام رازی کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے اگر وہ ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ کی خبر کاذب ہو جائے گی اور اس کی خبر کا کاذب ہونا محال ہے لہذا انہیں کا ایمان لانا محال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی نسبہ انہیں کا ایمان لانا ممکن ہے یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے اور جب یہ غلط رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے تو پھر اس کا ایمان لانا محال ہے سو اس کا ایمان لانا ممکن بالذات اور محال بالظہر ہے اور انہیں فی نسبہ ایمان لانے کا مکلف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی خبر سے قطع نظر کر کے اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان نہ لانے کی خبر دی ہے تو پھر اس کا ایمان لانا محال بالظہر ہے اور اس لحاظ سے وہ ایمان لانے کا مکلف نہیں ہے۔

امام رازی کی تقریر پر نقض ایمانی یہ ہے کہ اس طرح ہر شخص کے حلق کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ایمان لانا محال ہو گا یا واجب

ہوگا مثلاً ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ حضرت ابوبکر ایمان لائیں گے۔ اب اگر وہ ایمان نہ لاتے تو اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جاتا اور اللہ تعالیٰ کا جہل محال ہے پس حضرت ابوبکر کا ایمان لانا ضروری اور واجب ہوا اور ان کا ایمان نہ لانا محال ہو گیا اور واجب یا محال کا انسان کو مکلف نہیں کیا جاتا بلکہ انسان کو اس کام کا مکلف کیا جاتا ہے جس کو کرنا اس کے لیے ممکن ہو۔ اسی طرح مثلاً ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ابوجہل ایمان نہیں لائے گا۔ اب اگر وہ ایمان نہ آتا تو اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جاتا اور یہ محال ہے پس اس کا ایمان لانا محال ہوا اور اس کا ایمان نہ لانا ضروری اور واجب ہوا اور مکلف اس کام کا کیا جاتا ہے جو فی نفسہ ممکن ہو نہ کہ وہ جس کا ہونا ضروری ہو یا محال ہو لہذا حضرت ابوبکر کو ایمان لانے کا مکلف کرنا صحیح ہوا نہ ابوجہل کو بلکہ کائنات میں کسی شخص کو بھی ایمان لانے کا مکلف کرنا صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے متعلق علم ہے کہ وہ ایمان لائے گا یا نہیں لائے گا اور اس کے علم کے اعتبار سے اس کا ایمان لانا ضروری اور واجب ہوگا یا محال ہوگا اور مکلف ممکن کا کیا جاتا ہے اور اس کا حل یعنی نقص تفصیلی یہ ہے کہ ایٹم ہو یا کوئی اور شخص ہو ہر شخص کا ایمان لانا فی نفسہ ممکن ہے یعنی اس سے قطع نظر کر کے کہ اللہ کے علم میں اس کا ایمان لانا ہے یا ایمان نہیں لانا۔ اسی طرح ایٹم ہو یا کوئی اور شخص ہو ہر شخص کا ایمان لانا فی نفسہ ممکن ہے یعنی اس سے قطع نظر کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان لانے کی خبر دی ہے یا ایمان نہ لانے کی۔

امام رازی کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ ایٹم نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کہا کہ وہ لوگوں کو گم راہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو منع نہیں کیا اور روکا نہیں اور نہ روکتا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گم راہ کرنے پر راضی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب ایٹم نے یہ کہا کہ وہ نفوس قدسہ کے سوا سب لوگوں کو گم راہ کر دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ وعید سنائی کہ میں تجھ سے اور تیرے بیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا اور یہی روکتا اور منع کرتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ روکنے اور منع کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو دوسرا ڈالنے اور برائی کی ترغیب دینے کی قدرت سلب کر لیتا تو یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کی حکمت یہ تھی کہ ایٹم انسان کو برائی کی ترغیب دے اور انبیاء اس کو نیکی کی ترغیب دیں اور انسان کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ چاہے تو ایٹم کی بیروی کرے اور چاہے تو نبیوں کی بیروی کرے پھر جو ایٹم کی بیروی کرے گا وہ عذاب کا مستحق ہوگا اور جو نبیوں کی بیروی کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ اب بتائیے اس میں کیا اظہار ہے۔

امام رازی کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ جہنم کو کافروں سے بھر دے گا پس اگر لوگ کفر نہ کرتے تو اس کے کلام کا صدق کذب سے بدل جاتا اور اس کا علم جہل سے بدل جائے گا اس لیے لوگوں کا کفر کرنا ضروری اور ایمان لانا محال ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ فی نفسہ ایمان لانے کے مکلف ہیں یعنی اس سے قطع نظر کر کے کہ ان کے ایمان کے متعلق اللہ کا کیا علم ہے اور اللہ نے ان کے ایمان لانے کے متعلق کیا خبر دی ہے۔

امام رازی کا چوتھا استدلال یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا کہ کافر کفر نہ کرے تو پھر ضروری تھا کہ دنیا میں انبیاء اور صالحین ہی رہتے اور ایٹم اور شیطان مر جاتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا کہ لوگ کفر کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً مومن بنانا چاہتا ہے نہ جبراً کافر بنانا چاہتا ہے انسان اگر ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس میں ایمان پیدا کر دیتا ہے اور اگر کفر کرتا چاہتا ہے تو وہ اس میں کفر پیدا کر دیتا ہے اور اس کے ارادہ کے اعتبار سے ہی اس کو جزا اور سزا ملتی ہے اور ازل میں اس کو علم تھا کہ کون ایمان کا ارادہ کرے گا اور کون کفر کا ارادہ کرے گا اور جن کے ایمان لانے یا نہ لانے کی اس نے خبر دی ہے وہ اپنے اس علم کے اعتبار سے دی ہے اور جزاء اور سزا کا ملنا ان کے ارادہ کے

اعتبار سے ہے اللہ تعالیٰ کسی کو جبراً مومن بنانا نہیں چاہتا اس لیے اس کو ایمان اور شیطاںوں کو مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔
امام رازی کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اگر ان کافروں کو ایمان کا تکلف کیا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ ان آیات پر بھی ایمان لائیں جن کا تقاضا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں اور اس وقت یہ لازم آئے گا کہ وہ ایمان لانے اور ایمان نہ لانے دونوں کے تکلف ہوں اور یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

اس کا جواب بھی حسب سابق یہی ہے کہ کفار جو ایمان لانے کے تکلف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی دی ہوئی خبروں سے قطع نظر کے تکلف ہیں اور ہر شخص اسی طرح تکلف ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کا تکلف کیا ہے اور ہمیں کچھ علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمارا ایمان ہے یا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے ایمان لانے یا ایمان نہ لانے کی کسی کو خبر دی ہے یا نہیں اسی طرح کفار کو بھی ایمان لانے کا تکلف کیا ہے اور ان کو یہ علم نہیں ہے کہ انزل میں اللہ تعالیٰ کو ان کے ایمان لانے کے متعلق کیا حکم تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان نہ لانے کی کسی کو خبر دی ہے یا نہیں اس لیے یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اگر کفار ایمان لانے کے تکلف ہوں تو ضروری ہوگا کہ وہ ایمان لانے اور نہ لانے دونوں کے تکلف ہوں اور یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجہات بلند فرمائے، چنانچہ خیال کی کسی رو میں اور کسی موڑ میں انہوں نے اس مسلک پر دلائل قائم کیے ورنہ مجھے یقین ہے کہ امام رازی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ توحید کے علم پر درواز ہیں اور شریعت کے پاسان ہیں امام رازی کے بعد کے مفسرین امام رازی کی نگری غلطیوں پر مواخذہ کرتے رہے ہیں ان میں علامہ علاء الدین خازن متوفی ۶۵۵ھ علامہ ابو ایمن الاندلسی متوفی ۵۳۵ھ علامہ آلوسی متوفی ۷۴۰ھ کے نام قابل ذکر ہیں لیکن اس مقام سے سب خاموشی سے گزر گئے ایک بار میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی یہاں سے خاموشی سے گزر جاؤں لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور دین اور شریعت سے وابستگی اس خیال پر غالب آگئی اور میں نے یہ عزم کیا کہ یہ بتاؤں کہ اس کا نکات میں جو کچھ ہوتا ہے اس کو بید اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے لیکن وہ ہر چیز اور ہر کام سے راضی نہیں ہوتا نہ کفر اور معصیت کا حکم دیتا ہے نہ ان سے راضی ہوتا ہے نہ ایمان لانے اور عبادت اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی سے راضی ہوتا ہے اس نے تمام انسانوں اور جنات کو پیدا کیا اور ان کو اختیار دیا وہ جس کام کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں وہی کام پیدا کر دیتا ہے اور اسی اختیار کے اعتبار سے ان کو جزاء اور سزا دیتا ہے۔ واللہ اعلم علی ذالک

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کو چھپانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں ○ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لیے صیحت ہے ○ اور تم اس کی خبر کو ضرور کچھ عرصہ بعد جان لو گے ○ (م: ۸۸، ۸۶)

تکلف اور متکلفین کا معنی

اس آیت میں متکلفین کا لفظ ہے یہ تکلف کا اسم فاعل ہے کسی مشکل کو ناگواری کے ساتھ برداشت کرنے کو تکلف کہتے ہیں جب کہ اس ناگواری کا کم کو کرتے وقت چہرہ پر بدنامی کے آثار ظاہر ہوں پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

- (۱) کسی مشکل کام کو کرتے وقت چہرے پر بناوٹی دشواری اور ناگواری کے آثار نمایاں کر لینا تکلف کی یہ قسم مذموم ہے اور اس آیت میں متکلفین کی نفی سے یہی معنی مراد ہے یعنی میں تصنع اور بناوٹ کرنے والا نہیں ہوں۔
- (۲) بلند حوصلہ اور وسعت ظرف کی بناء پر کسی بڑے مقصد کے حصول کے لیے دشواری اٹھانا اور اس کام کی دشواری کی وجہ سے

غیر اختیاری طور پر چہرے سے تکلیف اور مشقت اٹھانے کے آثار ظاہر ہوں تو یہ تکلف محمود ہے۔ بندے جب اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتے ہیں تو اس کی مشقت کے آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ چیز قابل تعریف ہے۔

(المطربات ج ۲ ص ۵۶۵ مکتبہ زہد مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشقت اٹھا کر جو پیغام پہنچایا اس کی تفصیل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ وہ یہ باتیں کر اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ احد لا شریک ہے اس کی اولاد نہیں ہے نہ اس کی بیوی ہے نہ وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے نہ وہ ازلی ابدی ہے نہ وہ حیات کلام علم قدرت معیصر اور ارادہ سے متصف ہے اور اس کی دیگر صفات کمالیہ میں سے رحمت مغفرت عطا اور نوال ہے اور آپ اس کی دعوت دیتے تھے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانو اور اس کے احکام پر عمل کرو بتوں کی عبادت نہ کرو نہ وہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں فرشتوں کی اور نبیوں اور رسولوں کی تعظیم کرو قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے حساب کتاب سزا اور جزاء اور جنت اور دوزخ پر ایمان لاؤ نیک عمل کرو نماز پڑھو رمضان کے روزے رکھو یہ قدر نصاب مال ہو تو زکوٰۃ ادا کرو استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرو پاک دامن رہو راکھو جھوٹ علم شراب نوشی اور دوسروں کا مال کھانے کے قریب نہ جاؤ دنیا سے بے رغبتی کرو اور آخرت میں رحمت کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پیغام کو سناتے تھے اس میں کوئی بدلت نہیں تھی کوئی تصحیح نہیں تھا کوئی دیکھا دیکھ نہیں تھا ہر عقل سلیم اور طبع مستقیم اس بات کی شہادت دے گی کہ یہ پیغام صحیح اور برحق تھا آپ اس پیغام کے پہنچانے پر لوگوں سے کسی اجر کے طالب نہیں تھے محض اللہ کا فرض سمجھ کر اس پیغام کو اخلاص کے ساتھ پہنچا رہے تھے اور اس پیغام کے پہنچانے میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی تھیں اور لوگ جو آپ کو اذیتیں پہنچا رہے تھے ان سب کو آپ خشنہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے کبھی آپ کی زبان پر حرف شکایت نہیں آتا تھا مانتے پر حکم نہیں آتی تھی اور چہرے سے ناگواری کا اظہار نہیں ہوتا تھا بعض اوقات انسان سچائی کی راہ میں اخلاص سے مشکلات برداشت کرتا ہے زبان سے کچھ نہیں کہتا لیکن اس کے چہرے سے غیر اختیاری طور پر دکھ اور پریشانی کا اظہار ہو جاتا ہے لیکن آپ تسلیم و رضا کے ایسے پیکر تھے کہ غیر اختیاری طور پر بھی آپ کے چہرے سے ناگواری کا اظہار نہیں ہوتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیے کہ میں تم سے اس پیغام کے پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔

تکلف اور تصنع کرنے کی مذمت میں احادیث

مصدق بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ہمارے درمیان لیٹے ہوئے تھے اسی دوران ایک شخص نے آ کر کہا: اے ابوعبدالرحمان! کدہ کے دروازوں پر ایک قصہ گو بیان کر رہا ہے اور اس کا یہ دُعا ہے کہ قرآن مجید میں جو دُعا (ذہوی) کی آیت ہے وہ دُعا اس کے پاس ہے اور وہ کفار کے سامنوں کو روک لے گا اور مسلمانوں کو اس سے صرف زکام جیسی کیفیت ہوگی حضرت عبداللہ بن مسعود قصہ سے اٹھ کر بیٹھ گئے انہوں نے کہا: اے لوگو! اللہ سے دُعا تم میں سے جس شخص کو جس چیز کا علم ہو وہ اس کو بیان کرے اور جس کو علم نہ ہو وہ کہے اللہ زیادہ جانتے والا ہے کیونکہ علم کی یہی دلیل ہے کہ جس کو کسی چیز کا علم نہ ہو وہ کہے: اللہ زیادہ جانتے والا ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

اَنتَ مَا اسْأَلُوْكَ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ مَا اَنْتَ عَلَيْنَا مِنَ الْمَكَلِّفِيْنَ

اَنتَ مَا اسْأَلُوْكَ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ مَا اَنْتَ عَلَيْنَا مِنَ الْمَكَلِّفِيْنَ

(ص: ۸۶) طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں

(مجمع البحار رقم الحدیث: ۶۹۳۰، مجمع مسلم رقم الحدیث: ۶۹۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۳)

ارطاد بن منذر بیان کرتے ہیں کہ تکلف کرنے والے کی تین نشانیاں ہیں: وہ ان چیزوں میں حکام کرتا ہے جن کا اس کو علم نہ ہو جو اس سے بڑے درجہ کا ہو اس سے جھگڑا کرتا ہے جن چیزوں کو وہ نے نہیں سکا ان کو دینے کی کوشش کرتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۰۶۳)

تثقیق بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرا ایک شاگرد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے ہم کو روٹی اور نمک پیش کیا اور کہا: اگر تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلف سے منع نہ کیا ہوتا تو میں تمہارے لیے تکلف کرتا۔

(المسند رک ج ۳ ص ۱۲۳ رقم الحدیث: ۱۳۶۰، المسند رک ج ۳ ص ۱۲۶ رقم الحدیث: ۱۳۶۰)

دوسری روایت میں ہے تثقیق بیان کرتے ہیں کہ میرے شاگرد نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے ہم کو روٹی اور نمک لائے جس میں پودینا ہوتا تھا حضرت سلمان نے بدل (سبزی فروش) کے پاس اپنا لونڈا رہن رکھا کر پودینا منگوایا اور نمک میں وہ پودینا ڈالا جب ہم نے کھانا کھا لیا تو میں نے اپنے شاگرد سے کہا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو اپنے رزق پر قناعت کرنے والا بنا دیا تب حضرت سلمان نے فرمایا: اگر تم اللہ کے رزق پر قناعت کرنے والے ہو تو میرا لونڈا رہن نہ رکھا ہوا ہوتا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۵۹۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۴)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص مہمان کے لیے اپنی قدرت سے زیادہ کا تکلف نہ کرے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۵۹۹)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم مہمان کے لیے اس چیز کا تکلف نہ کریں جو ہمارے پاس نہیں ہے اور جو چیز ہمارے پاس موجود ہو اس کو پیش کر دیں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۶۰۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اہل دوزخ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں آپ نے فرمایا: یہ جھوٹ بولنے والے ہیں اللہ کی رحمت سے بچیں ہونے والے ہیں اور تکلف کرنے والے ہیں۔ (الکامل رقم الحدیث: ۱۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۶۰، المسند رک ج ۳ ص ۲۹۷، مجمع البحار رقم الحدیث: ۳۹۷)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں کہ امام محمد بن سعد نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: جس شخص نے کوئی علم حاصل کیا ہے وہ اس علم کی تعلیم دے دے اور وہ بات نہ کہے جس کا اسے علم نہ ہو ورنہ وہ متکلمین میں سے ہو جائے گا اور دین سے نکل جائے گا۔ (المسند رک ج ۳ ص ۱۸۱، دارالحدیث، بیروت ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کا جن اور انس کے لیے نصیحت ہونا

ص: ۸۸، ۸۷ میں فرمایا: ”یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے“ اور تم اس کی خبر کو ضرور کچھ عرصہ

بعد جان لو گے“

اس آیت میں ”المتعلمین“ سے مراد جن اور انس ہیں۔ یعنی یہ قرآن تمام متکلمین کے لیے نصیحت ہے سو جو شخص عذاب سے نجات چاہتا ہو وہ اس کی نصیحت پر عمل کرے اور اسے مشرکین قریش! تم کو مقرر یہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، یعنی قرآن مجید نے جو نیک کاموں پر ثواب کی بشارت سنائی ہے اور نہ سے کاموں پر عذاب کی وعید سنائی ہے مقرر یہ تم آخرت

میں خود کھیلو گے کہ مؤمنوں کو ثواب ہو رہا ہے اور کافروں کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے۔

امام ابن جریر نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور کلمہ بین کو اس قرآن کے ذریعہ یہ خبر دی ہے کہ عنقریب ان پر قرآن مجید کی وعدہ اور وعید کا صدق ظاہر ہو جائے گا۔ کب ہو گا اس کا تعین نہیں فرمایا، بعض مشرکوں کو اس کا علم اس وقت ہوا جب وہ مسخر کہ بدر میں مارے گئے اور بعض کو اس کا علم اس وقت ہوا جب موت کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئے اور بعض کو اس کا علم آخرت میں ہو گا

سورہ ص کا اختتام

الحمد لله على احسانه آج ۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ ۷ جولائی ۲۰۰۳ء کو سورہ ص کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اس نے اپنے فضل و کرم سے یہاں تک پہنچا دیا ہے وہ باقی قرآن مجید کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دے، میری صحت اور توانائی کو برقرار رکھے اور مجھے ناگہانی آفتوں اور مصائب اور ظاہری اور باطنی امراض سے محفوظ رکھے اور محض اپنے فضل سے دارین کی سعادتیں عطا فرمائے، اس تفسیر کو اور میری باقی تصانیف کو مؤمنین کے لیے موجب استقامت اور حفاظین کے لیے ذریعہ ہدایت بنادے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین، قائد الانبیاء والمرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین واصحاب الکاملین وازواجه الطاهرات امہات المؤمنین وعلی اولیاء امتہ وعلماؤہ ملتہ والمؤمنین والمسلمین اجمعین.

غلام رسول سعیدی غفرلہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

النزهر

سورت کا نام

اس سورت کا نام الزمر ہے، زمر کا لفظ زُمر سے بنا ہے اس کا تعلق معنی آواز ہے اس سے مراد جماعت اور گروہ ہے۔
الزمر کا معنی ہے: کئی جماعتیں اور کئی گروہ۔ الزمر: ۳-۷ میں ذکر کا لفظ آیا ہے اور قرآن مجید کی صرف اسی سورت میں ذکر کا
لفظ آیا ہے اس مناسبت سے اس کا نام الزمر ہے۔ حسب ذیل آیتوں میں ذکر کا لفظ آیا ہے۔

وَسَيُنْزِلُ الْغَيْثَ لَكُمْ وَأَتَىٰ جَبَّةَكُمْ مَعْرًا.

اور کارون کے گرد وہیوں کو جنم کی طرف پٹکا لایا جائے گا۔

اور کافروں کے گروہوں کو جہنم کی طرف ہٹایا جائے گا۔

(419)

وَسَيُؤْتِيَنَّكَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّكَ عَلِيمٌ مُدْرِِكٌ۔ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کو جنت کی طرف

(الزم: ۷۳) روا نہ کیا جائے گا۔

الزمر کا زمانہ نزول

جمہور کے نزدیک یہ پوری سورت کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”قل یا عبادى اللہین اسرفوا علی انفسہم لا تقطعوا من رحمۃ اللہ“ الآیات، (الزمر: ۵۵-۵۳) تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ سات آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں یہ آیات سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے ”وَأَرْضُ الشُّوْءِ وَاسِعَةٌ“ (الزمر: ۵۴) اس موقع پر نازل ہوئی جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی یہ مدینہ کی طرف ہجرت سے بائیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔

ترجمہ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۹ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۹ ہے یہ سورہ مومن سے پہلے اور سورہ سہا کے بعد نازل ہوئی ہے۔

الزمرا اور ص میں مناسبت

اللہ تعالیٰ نے سورہٴ صٰ کو قرآن مجید کے اس وصف پر ختم کیا ہے:

این مَوَالدِ کُذِّبُوا لِلْعَلْبِیْنَ ○ (مس ۸۷)

یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے لیے صیحت ہے ○

اور سورۃ الزمر قرآن مجید کے اس وحف سے شروع ہو رہی ہے:

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْكِتَابُ الَّذِي يَنْزِلُ مِنَ اللَّهِ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ ۚ

اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب

(الزم: ۱) اور بے حد حکمت والا ہے ○

نیز سورہ ص میں اللہ تعالیٰ نے آیت: ۵۷-۵۸ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور الزمر: ۶ میں بھی انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے:

خَلَقْنَاكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ لَكُمْ جَسَدًا وَنَحْنُ أَكْبَرُ
 اس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا فرمایا ہے پھر اسی سے
 (الزمر: ۶) اس کا جوڑا پیدا کیا۔

الزمر کے مشمولات

اس سورت کا موضوع اللہ تعالیٰ کی توحید ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلائل بیان کیے گئے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی وحی اور قرآن مجید کا وحی الہی ہونا بیان کیا گیا ہے۔

اس سورت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کریں اور یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے اور مشرکین کے ان شبہات کا ازالہ فرمایا ہے جن کی بنیاد پر وہ بتوں کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والا قرار دیتے تھے اور ان کو وسیلہ بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کے آنے کا سلسلہ قائم کیا سورج اور چاند کو مقرر کیا انسان کو بہتہ رنج مرحلہ وار پیدا کیا مشرکین کو اس پر ملامت کی کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور جب ان سے وہ مصیبت نکل جاتی ہے تو پھر خدا کو بھول جاتے ہیں۔

آخرت میں مومنوں اور کافروں کا حال بیان کیا کہ مومن جنت میں ہوں گے اور بہت آسودگی میں ہوں گے اور کفار دوزخ میں ہوں گے اور عذاب کی تکلیف سے بلبلارہے ہوں گے اور وہ یہ تنا کریں گے کہ کاش اوہ فدیہ دے کر اپنے آپ کو اس عذاب سے چھڑا لیتے۔

قرآن کریم کی عظمت اور جلال بیان فرمائی ہے کہ جب مومنوں پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو خوف خدا سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے کھل جاتا ہے اس کے برعکس جب کفار کے سامنے توحید کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو ان پر انقباض طاری ہو جاتا ہے۔

جو مسلمان ایمان لانے کی پاداش میں کفار کے ظلم اور جور کا جہفہ سہتے ہوئے تھے ان کو قتل دی ہے کہ آخرت میں فوز و فلاح ان ہی کو حاصل ہوگی وہ ہر اس اندھوں اگر یہ زمین ان پر تنگ کر دی گئی ہے تو کیا غم ہے اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔

آخر میں بتایا کہ جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے پھر حساب و کتاب ہوگا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا ملے گی۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور ہدایت پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے سورہ الزمر کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الاعظمین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق و صواب پر مطلع کرنا اور اسے لکھنے کی توفیق دینا اور جو باتیں غلط اور

باطل ہوں ان کو منکشف کر دینا اور ان سے احتساب کی توقع دینا۔ وما تولیہ فی الا باللہ العلی العظیم

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ / ۱۰ جون ۲۰۰۳ء

موبائل نمبر: ۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۳۵-۲۱۲۰۶۱۷

۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۳



سورہ مزمل ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہے) جو نہایت در قیمت فرمانے والا بہت مہربان ہے O اس میں پندرہ آیتیں ہیں اور سورہ نوح ہے

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ① اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ

(اس) کتاب کا نازل فرمانا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب ہے حد حکمت والا ہے O بے شک ہم نے (اس) کتاب کو آپ کی

الْكِتَابِ بِالْحَقِّ فَاعْبِدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ② اَللَّهُ الدِّينَ

طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیے اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے O سوا خاص

الْمُخْلِصُ ③ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا

اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کار ساز بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی صرف اس لیے

لِيُقَرَّبُوا اِلَى اللَّهِ زُلْفَى ④ اِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ

عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ اختلاف

يَخْتَلِفُونَ ⑤ اِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ⑥ لَوْ اَرَادَ

کر رہے ہیں بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹ اور بہت ناشکرا ہو O اگر اللہ لوہا بنانا چاہتا

اللَّهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ⑦ لَآ اَصْطَفٰى بِمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ⑧ سُبْحٰنَهُ هُوَ

تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا جن لیتا وہ پاک ہے واحد ہے سب

اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑨ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يَكُوْرُ

یہ غالب ہے O اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے

الْبَلَّ عَلَى النَّهَارِ وَيَكُوْرُ النَّهَارُ عَلَى الْبَلِّ ⑩ وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

پورے دن کو رات پر لپیٹتا ہے اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے

كُلٌّ يَّجْرٰى لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ⑪ اَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ⑫ خَلَقَكُمْ مِنْ

ہر ایک مدت مقرر تک گردش کر رہا ہے سو وہی بہت غالب ہے حد بخشنے والا ہے O اس نے تم کو

در قیمت

نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلْ مِنْهَا زُجْجًا وَانْزَلْ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ

ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے

ثَمِينَةٍ أَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا تَرْتَابًا بَعْدَ خَلْقِ

لجے آٹھ تراور، مادہ اجڑے وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق

فِي ظُلُمٍ ثَلَاثٍ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

تین تاریکیوں میں جبکہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سوتم

فَإِنِّي تُصَرِّفُونَ ۝ إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا

جہاں بھٹک رہے ہو اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے

يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ تم سے راضی ہو گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے

وَزْرًا أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيَبَيِّنُ لَكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہارے رب کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم

إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ عَارِفٌ

(دنیا میں) کرتے تھے بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتے والا ہے اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے

مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آخُوهُ نِعْمَةٌ مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ

تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو بھارتا ہے پھر جب اللہ اپنی طرف سے اس کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ بھول جاتا

مِّنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِ قُلُوبٍ تَسْعُ

ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا اور اللہ کے شریک بنا لیتا ہے تاکہ (دوسروں کو)

بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ أَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ

اس کی راہ سے منحرف کرنے آپ کہیے کہ تم اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لے بے شک تم دوزخ والوں میں سے ہو بے شک جو

اِنَّاءَ اَنْبِلْ سَاجِدًا وَّ قَابِلًا يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةً

رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارنا ہے آخرت (کے عذاب) سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے

رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط

(کیا وہ جمل کافر کی مثل ہو سکتا ہے؟) آپ کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں

اِنَّمَّا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ ۙ

صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس) کتاب کا نازل فرمانا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب ہے حدیثت والا ہے ۞ ہے شک ہم نے (اس) کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیے 'اخلاص' سے ساتھ میں کی اطاعت کرتے ہوئے 'سنو' اخلاص اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا کوساز بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں 'بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ فرمادے گا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں 'بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بہت ناشترا ہو ۞ اُن اللہ اور بنانا چاہت تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چاہن لیتا وہ پاک ہے واحد ہے سب پر غالب ہے ۞ (الزمر ۱۲۸)

انزال اور تنزیل کا فرق

الزمر: امیں تنزیل کا ذکر ہے 'قرآن مجید کو نازل کرنے کے لیے انزال کا لفظ بھی ہے اور تنزیل کا لفظ بھی ہے 'انزال کا معنی ہے: کسی چیز کو یک بار کی نازل کرنا اور تنزیل کا معنی ہے: کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا 'ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف قرآن مجید کو یک بار کی نازل کیا گیا اور آسمان دنیا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے تاکہ تم اس کی تلاوت کرو اس کو غور سے سنو اور سمجھو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔

الزمر: ۲ میں فرمایا: "ہم نے (اس) کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔"

اس کا معنی ہے: اس کتاب میں جو ماضی اور مستقبل کی خبریں دی گئیں ہیں وہ سب حق اور صادق ہیں ۱۱۔ کتاب میں جو احکام شرعیہ بیان کیے گئے ہیں وہ سب حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: "سو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیے 'اخلاص' کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے 'سنو' اخلاص اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے ساتھ اپنی اطاعت اور عبادت کرنے کا حکم دیا ہے 'ہم اس کی تحفہ میں اخلاص کا لغوی اور اصطلاحی معنی 'اخلاص کی حقیقت' اخلاص کے متعلق احادیث اور اقوال علماء بیان کریں گے۔

اخلاص کا لغوی معنی

جس چیز کو کائنات چھانت کر اور ترش فراش کے بعد درست اور صاف کر لیا جائے یا میل بیکل سے صاف کر لیا جائے یا جو چیز دوسری چیزوں کی آمیزش اور ملاوٹ سے مجرد ہو اس کو خالص کہتے ہیں۔

اخلاص کا اصطلاحی معنی

دل کو ہر اس چیز کی آمیزش سے خالی رکھنا جو اس کو مکدر اور میل کرتی ہو، اخلاص ہے اور کسی چیز کو ہر اس چیز کی ملاوٹ سے محفوظ رکھنا جس کی اس میں ملاوٹ ہو سکتی ہو، اخلاص ہے۔ ایک قول ہے: نیت، قول اور عمل کو صاف رکھنا اخلاص ہے۔

(التوقیف علی مہمات الصحابہ رحمہم اللہ ج ۳ ص ۳۷)

علامہ جرجانی نے کہا: جب تم اپنے عمل پر اللہ کے سوا کسی اور کو گواہ نہ بناؤ تو یہ اخلاص ہے۔ (تقریحات ص ۱۳)

اخلاص کی حقیقت

اللہ کے سامنے بری ہونا اخلاص ہے، دین میں اخلاص یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ نے جو الوہیت میں دوسروں کو ملا رکھا ہے اس سے برأت کا اظہار کیا جائے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے حضرت یحییٰ کو الوہیت میں ملا رکھا ہے اور اطاعت اور عبادت میں اخلاص یہ ہے کہ صرف اللہ کے لیے عمل کیا جائے، مخلوق کو دکھانے اور ستانے کے لیے عمل نہ کیا جائے، دنیا کی جن چیزوں کی طرف دل مائل ہوتا ہے اور دنیا کی جن چیزوں سے نفس کو راحت ملتی ہے، جب انسان کے کسی عمل میں ان چیزوں کی آمیزش ہو جاتی ہے تو اس سے اس عمل کی صفائی مکدر اور میل ہو جاتی ہے اور اخلاص زائل ہو جاتا ہے اور انسان ایسی چیزوں کے اشتیاق اور حصول میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کے افعال اس جسم کی اغراض سے بہت کم خالی ہوتے ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس شخص کی پوری زندگی میں اللہ کے لیے اخلاص کا ایک لمحہ بھی نصیب ہو جائے اس کی نجات ہو جاتی ہے اور دل کو ان چیزوں کی آمیزش سے خالی کرنا بہت مشکل ہے اور اخلاص یہ ہے کہ دل میں اللہ عزوجل کے قرب کے سوا اور کسی چیز کی طلب نہ ہو۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۳۳۰-۳۳۹ دارکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ قول اور عمل کو دکھاوے اور شہرت کی آمیزش سے خالی کرنا اخلاص ہے، چہ جائیکہ اس پر کسی عوض کو طلب کیا جائے۔

اخلاص کی ترغیب اور ترہیب کے متعلق احادیث

حضرت ابوہامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یہ بتائیے ایک شخص نے اجرت اور شہرت کی طلب میں جہاد کیا ہو اس کو کیا ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کچھ نہیں ملے گا اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا آپ نے ہر بار یہی جواب دیا پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف اس عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے کیا جائے اور اس عمل سے صرف اس کی رضا کو طلب کیا جائے۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۳۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶ سنن ابی نعیم الحافظی ج ۳ ص ۲۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں تمام مشرکوں کے شرک سے مستغنی ہوں جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے غیر کو شریک کیا میں اس کے عمل کو اور اس کے شرک کو ترک دیتا ہوں وہ عمل اس کے لیے ہے جس کو اس نے شریک کیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۵ مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۰ صحیح ابن جریر رقم الحدیث: ۲۸۸ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹۳)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیات پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے۔ پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف محسوب ہوگی اور جس کی ہجرت اس دنیا کی طرف ہو جس کو وہ حاصل کرے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار کی جائے گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۰ جامع السنن والسنن مسند عمر بن الخطاب: ۳۹۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے آپ نے فرمایا: اندینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم جس منزل پر پہنچے اور جس وادی میں بھی گئے وہ تمہارے ساتھ تھے وہ کسی بیماری کی وجہ سے تمہارے ساتھ نہیں جاسکے تھے ایک روایت میں ہے: وہ اجڑ میں تمہارے شریک ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۲ جامع السنن والسنن مسند جابر بن عبد اللہ: ۱۱۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے شب قدر میں قیام کیا اس کے اگلے پچھلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جس نے حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے اگلے اور پچھلے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۰۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور وہ اس کے عوض دنیا کی کوئی چیز طلب کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا توگوں پر یہ جواب بہت شاق مگر را اس شخص نے دوبارہ پوچھا آپ نے فرمایا: اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا۔ حاکم اور ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (المصباح رقم الحدیث: ۳۳۳۳)

حضرت ابوسعید بن ابی لہٰعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ اولین اور آخرین کو قیامت کے اس دن جمع فرمائے گا جس دن کے تحقق میں کوئی شبہ نہیں ہے تو ایک منادی یہ ندا کرے گا: جس نے اللہ کے لیے کوئی عمل کیا اور اس میں کسی کو شریک کیا وہ اس کے ثواب کو اللہ کے غیر سے طلب کرے کیونکہ اللہ تمام شرکاء کے شرک سے مستغنی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۰۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۳۰ المعجم الکبیر ج ۲۲ رقم الحدیث: ۷۷۸)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت ہم سب دجال کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو تمہارے لیے سبک دجال سے زیادہ خطرناک ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: وہ شرک فحش ہے ایک شخص نماز پڑھتا ہے پھر مردہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہے تو وہ زیادہ اچھی نماز پڑھنے لگتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۰۳ السنن والسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۳۶۶۰)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے

زیادہ خطرہ اللہ کے ساتھ شریک کرنے کا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سورج یا چاند یا بت کی پرستش کریں گے لیکن وہ غیر اللہ کے لیے عمل کریں گے اور ثبوت خفیہ (ریا کاری) کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ اس (کی سزا) کو دکھائے گا اور جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ اس (کی سزا) کو سنائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۶، مسند الطبری رقم الحدیث: ۸۰۷، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۵۳۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۰۶، شرح الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۳، جامع الترمذی واسنن مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۷۷۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایسے صحائف اعمال کو لایا جائے گا جن پر مہر لگی ہوگی، پس ان کو اللہ عزوجل کے سامنے رکھ دیا جائے گا، اللہ عزوجل فرشتوں سے فرمائے گا: ان صحائف کو پھینک دو اور ان کو قبول کرو، فرشتے عرض کریں گے: تیری عزت کی قسم! ہم نے تو سوا خیر کے اور کچھ نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اور وہ بہت چاہنے والا ہے: یہ اعمال میرے غیر کے لیے کیے گئے تھے اور آج میں صرف اسی عمل کو قبول کروں گا جو میری رضا کی طلب کے لیے کیا گیا ہو۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۰، کتاب المغا، للعلینی ج ۱ ص ۲۱۸، جامع البیہاق رقم الحدیث: ۱۸۳۵، صحاح رقم الحدیث: ۲۸۴، ضحاک بن قیس نمیری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: میں سب سے بہتر شریک ہوں، جس نے کسی عمل میں میرے ساتھ کسی کو شریک کیا تو وہ عمل میرے شریک کے لیے ہے، اے لوگو! اللہ عزوجل کے لیے اخلاص سے عمل کرو، کیونکہ اللہ اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو اس کے لیے اخلاص سے کیا گیا ہو اور یوں نہ کہا کرو کہ یہ عمل اللہ کے لیے ہے اور یہ رنجہ داروں کے لیے ہے، کیونکہ پھر وہ عمل رشتہ داروں ہی کے لیے ہوگا، اللہ کے لیے نہیں ہوگا اور نہ یوں کہا کرو کہ یہ عمل اللہ کے لیے ہے اور یہ تمہارے لیے ہے، کیونکہ پھر وہ تمہارے ہی لیے ہوگا اور اللہ کے لیے بالکل نہیں ہوگا۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۰، رقم الحدیث: ۱۸۳۵)

شمر بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص کو حساب کے لیے لایا جائے گا اور اس کے صحیفہ اعمال میں پھاڑوں کے برابر نیکیاں ہوں گی، رب انحضرت فرمائے گا: تو نے فلاں فلاں دن نمازیں پڑھیں تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ نمازی ہیں، میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میرے لیے صرف وہ عبادات ہیں جو خالص میرے لیے ہوں۔ تو نے فلاں فلاں روزے رکھے تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ روزہ دار ہے، میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میرے لیے صرف وہ عبادات ہیں جو خالص میرے لیے ہوں۔ تو نے فلاں فلاں دن صدقہ کیا تاکہ یہ کہا جائے کہ فلاں بندہ نے صدقہ کیا، میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، میرے لیے صرف وہ عبادات ہیں جو خالص میرے لیے ہوں۔ پھر وہ اس کے صحیفہ میں سے ایک کے بعد ایک عمل کو مٹاتا رہے گا، حتیٰ کہ اس کے صحیفہ میں کوئی عمل باقی نہیں رہے گا، پھر اس سے فرشتہ کہے گا: اے فلاں شخص! تو اللہ کے غیر کے لیے عمل کرتا تھا۔ (جامع البیہاق ج ۲ ص ۲۲۷، رقم الحدیث: ۲۳۱۲)

اخلاص کے متعلق اقوال علماء

اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا ہے کہ متدخل عاجزی اور اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت اور عبادت کی جائے اور یہ آیت اعمال کے اخلاص اور ریا کاری سے برأت میں اصل ہے، حتیٰ کہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جس شخص نے خشک حاصل کرنے کے لیے غسل کیا یا وزن کم کرنے کے لیے روزے رکھے اور اس کے ساتھ عبادت کی بھی نیت کی تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے

عبادت میں دنیاوی فوائد کی نیت شامل کر لی ہے اور یہ اللہ کے لیے خالص عمل نہیں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ النَّاسَ

وَمَا أَوْفَرُوا إِلَّا لِيُعْبَدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

(ابن ماجہ ۳)

اور انہیں صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ انہیں سے اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں۔ (ابن ماجہ ۵)

اسی طرح فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب امام رکوع میں ہو اور وہ کسی کے آنے کی آہٹ محسوس کرے تو اس کے جماعت میں شامل ہونے کے لیے اپنی مقررہ تسبیحات میں اضافہ نہ کرے کیونکہ وہ زائد تسبیحات اللہ کے لیے نہیں ہوں گی بلکہ اس شخص کو جماعت میں شامل کرنے کے لیے ہوں گی۔

سہل بن عبد اللہ الصغری رضی اللہ عنہ نے کہا: ریا کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کوئی شخص اصل فعل کو غیر اللہ کے لیے کرے اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ یہ فعل اللہ کے لیے کر رہا ہے یہ نفاق کی ایک قسم ہے اور اس شخص کا ایمان مشکوک ہے۔

(۲) انسان کوئی نیک کام کرے اور جب لوگوں کو اس کی نیکی کا علم ہو تو وہ خوش ہواں کی توبہ یہ ہے کہ وہ اس عمل کو دہرائے۔

(۳) کسی شخص نے اخلاص کے ساتھ کوئی کام کیا تو لوگوں کو اس کام کا علم ہو گیا اور انہوں نے اس کی تعریف اور تحسین کی اور وہ اس تعریف کو سن کر خاموش رہا تو یہ بھی ریا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

مؤرخ اللہ کریم کی دونوں قسموں کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

سلمان بن یسار کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے چھٹ گئے تو اہل شام میں سے تاحی ایک شخص نے کہا: اے شیخ! آپ مجھے وہ حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا اس کو بلایا جائے گا اور اسے ان کی نعمتیں دکھائی جائیں گی جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے حیرت میں راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولا ہے بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا تھا تا کہ تو بہادر کہلائے سو تجھے بہادر کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا حتیٰ کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ایک شخص نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور قرآن مجید پڑھا اس کو بلایا جائے گا اور اس کو اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) اس سے فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اس علم کو سکھایا اور میرے لیے قرآن مجید پڑھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولا ہے تو نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تا کہ تو عالم کہلائے اور تو نے قرآن پڑھا تا کہ تو قاری کہلائے سو تجھے (عالم اور قاری) کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ایک شخص پر اللہ نے رحمت کی اور اس کو ہر قسم کا مال عطا کیا اس کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور وہ نعمتیں دکھائی جائیں گی اور جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جس راستہ میں مال خرچ کرنا تجھ کو پسند ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولا ہے تو نے یہ کام اس لیے کیے تاکہ تجھ کو کئی کہا جائے سو تجھ کو کئی کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اور پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے سے پہلے تین بار خوف سے بے

حافظ سیوطی نے امام ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ عرب کے تین قبیلے: عامر، کنانہ اور بنو سلمہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ کہتے تھے کہ ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸۳ و در ہیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بے شک اللہ ان کے درمیان اس کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور بہت ناشکرا ہو“

انسان کی فطرت میں اپنے صانع اور خالق کی معرفت رکھی گئی ہے اور اس کائنات کے خالق کی عبادت کرنا بھی اس کی طبیعت کا تقاضا ہے لیکن اس فطری معرفت اور عبادت کا اعتبار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس معرفت اور عبادت کا اعتبار ہے جو بندوں تک نبیوں اور رسولوں کے واسطے سے پہنچی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ذریعہ جو احکام بندوں تک پہنچائے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی وہ اطاعت اور عبادت مطلوب ہے جو شریعت کے موافق ہو خواہ وہ طبیعت کے مخالف ہو شیطان کی طبیعت میں اللہ کو سجدہ کرنا راسخ تھا اور حضرت آدم کو سجدہ کرنا اس کی طبیعت کے خلاف تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کرے تو یہی سجدہ اس کے لیے عبادت تھا اس نے اپنی طبیعت کے تقاضے کے خلاف سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو وہ کافر ہو گیا اسی طرح جو عقل والے عقلی دلائل سے اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی متابعت نہیں کرتے ان کی معرفت اور اطاعت بھی معتبر نہیں ہے اسی طرح جو اپنی عقل سے حضرت عزیرؑ کی حضرت عیسیٰؑ کی اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور جو بتوں کی پرستش کرتے تھے ان میں سے کسی کی پرستش اور عبادت معتبر نہیں ہے خواہ وہ اس کے جائز اور معقول ہونے کی تقبی ہی تاویلات کیوں نہ کریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔“

اسی طرح ہمارے دور میں جاہل صوفیاء نے اللہ تعالیٰ سے تقرب کے حصول کے متعدد طریقے اپنی طرف سے بنائے ہیں اور احکام شرعیہ میں من مانے اضافے کر لیے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے اپنی پناہ میں رکھے اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کا صحیح ذریعہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان کیا اور ائمہ اور مجتہدین نے اس سے احکام شرعیہ کو منضبط کیا اور ہر دور میں اہل علم اور ارباب فتویٰ نے عصری تقاضوں اور نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل بتلایا۔

اس کے بعد فرمایا: ”اگر اللہ اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا جن لیتا وہ پاک ہے واحد ہے سب پر غالب ہے“ (الامر ۴)

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ اس کی اولاد کا ہونا محال ہے پہلے یہ فرمایا کہ اگر وہ اولاد بنانا چاہتا تو جس کو چاہتا جن لیتا تو اسے مشرک! پھر تم پر یہ تخصیص کیوں کرتے ہو کہ عزیرؑ اس کا بیٹا ہے یا عیسیٰؑ اس کا بیٹا ہے یا فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور اس میں دوسرا اشارہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی اولاد بنانا تو سب سے افضل اور اکمل نوع کی اولاد بنانا اور بیٹیوں کی بہ نسبت بیٹے افضل اور اکمل نوع کے ہیں تو اگر اس نے اولاد بنائی ہوتی تو بیٹوں کو اولاد بنانا تاہم بیٹیوں کی اس کی طرف نسبت کرتے ہو؟ پھر اللہ تعالیٰ نے واحد قہار فرما کر اس دلیل کی طرف اشارہ فرمایا اس کی اولاد کا ہونا محال ہے۔

اس دلیل کی ایک تقریر یہ ہے کہ اگر اس کی اولاد فرض کی جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اس سے ایک جز منفصل ہوا پھر اس جز سے اس کی مساوی صورت بن گئی اور اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اجزاء ہوں اور جس کے اجزاء ہوں وہ اپنے

اجزاء کی طرف محتاج ہوتا ہے اور جس کے اجزاء ہوں وہ واحد حقیقی نہیں ہوتا اور جو محتاج ہو وہ تہا نہیں ہوتا پس اللہ تعالیٰ کا واسطہ اور تہا ہونا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی اولاد وصال ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا وجود واجب اور قدیم ہے پس لازم آئے گا کہ اس کی اولاد بھی واجب اور قدیم ہو اور متعدد واجب اور قدیم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جب والد اور اولاد دونوں واجب اور قدیم ہیں تو اولاد میں کوئی ایسا جز ضرور ہوگا جس سے وہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہوں اور کہا جاسکے: یہ والد ہے اور یہ ولد ہے پھر ان میں سے ہر ایک دو جزوں سے مرکب ہوگا اور جو مرکب ہوگا وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوگا اور یہ اس کے واحد اور تہا ہونے کے منافی ہے پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب واحد اور تہا ہے تو اس کی اولاد نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے ہر ایک مدت مقرر تک گردش کر رہا ہے ستواویہ بہت غالب اور بے حد خشے والا ہے اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اس نے چوپایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ اور مادہ اتارے وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق تمہاری تاریکیوں میں بیکہ اللہ ہے جو تمہارا رب ہے اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سو تم کہاں بیکہ رہے ہو اور اگر ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ تم سے راضی ہوگا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھانے کا پھر تمہارے رب کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے پھر وہ تم ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے بے شک وہ دونوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے (الزمر: ۵)۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ستر فرماتا

الزمر: ۵ میں فرمایا: "وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔" اس آیت میں تجویر کا لفظ ہے تجویر کا معنی ہے: کسی چیز کو دوسری چیز پر اس طرح گھمانا یا مل دینا جس طرح بیچ کو گھماتے ہیں یا جس طرح عمائد کو سر کے گرد لپیٹ کر گھماتے ہیں اور مل دیتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ رات دن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے اور دن رات کی تاریکی کو چھپا لیتا ہے یا دن رات کی تاریکی کو غائب کر دیتا ہے اور رات دن کی روشنی کو غائب کر دیتی ہے۔ پھر فرمایا: "اس نے سورج اور چاند کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک مدت مقرر تک گردش کر رہا ہے۔" اس مدت مقرر سے مراد وہ مدت ہے جس میں سورج یا چاند اپنی منجھا مسافت کو طے کر لیتا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند قیامت تک پوچھی گردش کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد فرمایا: "ستواویہ عز اور فغار ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے عز ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر کام پر قادر ہے وہ اس کے احکام کی نافرمانی کرنے والوں اور کافروں کو سزا دینے پر قادر ہے۔

اور اس کے فغار ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ مغفرت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے میں ہمدی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے فغار ہونے کے آثار میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی اچھائیں اور نیک کاموں کو ظاہر فرماتا ہے اور ان کی برائیوں اور گناہوں کو چھپا لیتا ہے اور آخرت میں ان کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔ فغار کا معنی ستر ہے اور اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر ستر فرماتا ہے اس کے حسب ذیل مراتب ہیں:

(۱) انسان کے بدن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اس کے بدن کے باطن میں خون کی شریانیں ہیں پیچھے رہا ہے اور کبچہ ہے معدہ ہے آنتیں ہیں مثلاً نہ ہے جس میں پیشاب جمع ہوتا ہے بڑی آنت ہے جس میں فضلہ ہوتا ہے اوجھڑی ہے گردے ہیں اور ہڈیاں ہیں ان اعضاء کی تفصیل اس قدر بڑی اور حیرت ناک ہوتی ہے کہ دیکھنے سے کراہت آتی ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس بد صورت باطن کو خوب صورت جلد کے ساتھ ڈھانپ دیا اگر انسان کے سر کے اندرونی حصہ کو یا اس کے پیٹ کے اندرونی حصہ کو دیکھ لیا جائے تو تے آ جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بد صورتی پر خوب صورت جلد کے ساتھ ستر کر دیا یہ انسان پر ستر کا پہلا مرتبہ ہے۔

(۲) انسان کے ذہن میں بعض اوقات بُرے خیالات آتے ہیں وہ کوئی شرمناک فعل کرنا چاہتا ہے کسی کے ساتھ فراڈ کرنا چاہتا ہے چوری کرنا چاہتا ہے جو اٹھکھٹنا چاہتا ہے یا کسی کے ساتھ بدکاری کرنا چاہتا ہے اس کے یہ عزائم اس کے ذہن میں ہوتے ہیں اور اللہ اس کے عزائم اور منصوبوں کو کسی دوسرے پر ظاہر نہیں فرماتا یوں اللہ تعالیٰ اس کے بُرے ارادہ کو اس کے ذہن میں چھپا کر رکھتا ہے اور یہ اس کے ستر کا دوسرا مرتبہ ہے۔

(۳) انسان جب اپنے بُرے منصوبوں پر عمل کر کے کوئی گناہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دوسروں سے چھپاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض اوقات وہ اس کی برائیوں کو اچھائیوں سے اور اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے ارشاد فرماتا ہے:

لَا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا قَدْ أَفْلَحَ
يُجِبُّ اللَّهُ سَائِلَهُمْ حَسُنَا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ذَكِيٌّ
سوا ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے (المؤمن: ۷۰)

اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو چھپاتا ہے اور ان پر ستر کرتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندے بھی ایک دوسرے کے عیوب اور قبائح کو چھپائیں اور کسی کی غیبت کر کے اس کے عیب کو ظاہر نہ کریں حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر عظیم کرے نہ اس کو بے عزت کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے اللہ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ اس سے قیامت کے مصائب کو دور کر دے گا اور جو شخص کسی مسلمان کا ستر رکھتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کا ستر رکھے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۴۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۳۲۶ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۲۴۱۱ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۳)

جو شخص مسلمانوں کی غیبت کرتا ہے ان کے عیوب تلاش کرنے میں لگا رہتا ہے اور نیکی کرنے والے کا بدلہ برائی سے دیتا ہے وہ مسلمانوں کے اوصاف سے کس قدر دور ہے مسلمانوں کے اوصاف سے وہ شخص متصف ہوگا جو خلق خدا کا ذکر نیکی کے سوا نہ کرے۔ لوگوں میں نیک اور بد اچھے اور بُرے ہر قسم کے اوصاف ہوتے ہیں ان میں عیوب اور محاسن بھی ہوتے ہیں اسلام کے اوصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ لوگوں کے عیوب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں صرف ان کے محاسن پر نظر ڈالیں کسی کی برائی کا چرچا نہ کریں صرف اس کی اچھائیوں کا تذکرہ کریں۔

اس سے پہلے ہم نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ستر کرنے کی تفصیل کی تھی اور آخرت میں اس کے ستر کرنے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) موسیٰ اپنے رب کے نزدیک ہو گا حتیٰ کہ اللہ اس کے اوپر اپنی حفاظت کا بازو رکھ دے گا پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور اس سے پوچھے گا: تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں اللہ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر سزا کیا تھا اور آج میں تجھے بخش دیتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور رہے کفار تو تمام لوگوں کے سامنے ان کو ندامت کی جائے گی: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا تھا۔

(صحیح ابوداؤد رقم الحدیث ۴۶۸۵، صحیح مسلم رقم الحدیث ۶۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۸۳، جامع المسند واسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث ۶۵۷)

اللہ تعالیٰ بخار ہے بہت زیادہ مغفرت فرماتا ہے اس کے سیلاب مغفرت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس شخص کا علم ہے جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا اور سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پھر کہا جائے گا: اس شخص پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہوں کو اس سے دور رکھو پھر اس کے سامنے اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے پھر اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں فلاں گناہ کیا تھا اور فلاں دن فلاں فلاں اور فلاں گناہ کیا تھا وہ اس سے خوف زدہ ہو گا کہ اب اس کے سامنے اس کے بڑے بڑے گناہ بھی پیش کر دیے جائیں گے پھر اس سے کہا جائے گا: تیرے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے پھر وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اور بھی بہت گناہ کیے ہیں جو مجھے یہاں نظر نہیں آ رہے ہیں نے دیکھا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۱۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۶۵۹۶، مسند احمد ج ۵ ص ۷۷، جامع المسند واسنن مسند ابوداؤد رقم الحدیث ۶۵۷۲)

انسان کو پیدا کرنا اور اس کو انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ۔۔۔۔۔

اللہ کی عبادت کرے

الزمر: ۶ میں فرمایا: "اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے تم کو حضرت آدم سے پیدا کیا پھر حضرت آدم کی پہلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا۔

پھر فرمایا: "اور اس نے جو پایوں کے لیے آئینہ تیار کیا ہے تمہارے لیے آئینہ نر اور مادہ تارے۔"

اس آیت میں جو پایوں کے لیے آئینہ "انعقاد" کا لفظ ہے اور عربی میں انعام کا لفظ چار قسم کے جانوروں کے لیے مخصوص ہے (۱) اونٹ (۲) بیل (۳) دنبہ (۴) بکرا اور چاروں کی مادہ ہیں جس نر اور مادہ مل کر یہ آئینہ جوڑے ہو گئے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اس نے تمہارے لیے آئینہ نر اور مادہ تارے کیے ہیں۔ حالانکہ یہ جانور اوپر سے نہیں نازل ہوئے بلکہ زمین پر ہی ان کی پیداوار اور افزائش ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس پانی سے ہی زمین سے سبزہ اور چارہ اُگتا ہے جس کو کھانے کی وجہ سے ان جانوروں کی افزائش ہوتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تخلیق فرماتا ہے ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق تین تاریکیوں میں۔"

اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں انسان کی بدستور تخلیق کی ہے پہلے انسان کے نطفہ کو جما ہوا خون بناتا ہے پھر اس کو آویشت کی ہوئی بنا دیتا ہے پھر اس میں ہڈیاں پہنا دی جاتی ہیں پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

بمقرر فرمایا: یہ خلیق تین تاریکیوں میں ہوتی ہے 'ایک تاریکی پاپ کی ہوتی ہے' دوسری تاریکی رحم کی ہوتی ہے اور تیسری تاریکی اس جمل کی ہوتی ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک تاریکی صلب (بیضہ) کی ہو دوسری تاریکی پاپ کی ہو اور تیسری تاریکی رحم کی ہو۔

پھر فرمایا: "یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے" اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے: جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو حسین و جمیل صورت دی اور تم پر انواع و اقسام کی غلابری اور باطنی نعمتیں نازل کیں اور تم کو اپنی توحید کی دعوت دی اور تم کو یہ بشارت دی کہ اگر تم نے میری اطاعت اور عبادت کی تو میں تم کو جنت عطا کروں گا اور جنت میں جہیں میری رضا اور میرا دیدار حاصل ہو گا پھر کیا وجہ ہے کہ تم میری بشارت پر کان نہیں دھرتے اور میری دعوت کو قبول نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا: "سو تم کہاں بھٹک رہے ہو؟"

تم کو بتا دیا ہے کہ ساری کائنات میں میری ہی سلطنت ہے اور میرا حق تعریف ہے میرے سامنے سب بے جز اور مجبور ہیں قادر اور قہار میں ہی ہوں۔ پھر تم جن بتوں کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو جن سے مدد طلب کرتے ہو اور مردیں، تگتے ہو وہ سب بے جان اجسام ہیں تو تم کہاں بھٹک رہے ہو اللہ ہی خالق اور مالک ہے اس کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے تم اس کی عبادت کو چھوڑ کر کسی پر مشتمل کر رہے ہو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا ایک دن جب ہم سواری پر جا رہے تھے میں آپ کے قریب ہوا اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایسے عمل کی خبر دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور دوزخ سے دور کر دے آپ نے فرمایا: تم نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے یہ کام اس شخص کے لیے آسان ہو گا جس پر اللہ اس کو آسان کر دے گا تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور نماز کو ترک نہ کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو پھر فرمایا: کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جس پر تمام نیکی کے روزانوں کا ہمارے روزہ وصال ہے اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدھی رات کو نماز پڑھنا بھی پھر آپ نے یہ آیتیں تلاوت کیں:

تَتَجَمَّاعِي جَنَّاتُهُمْ عَنْ لَيْسَتِ اُحْمٍ يُدْعَوْنَ تَرَوُنَّهُمْ
عُتُوًّا وَاكْمَعًا فَيَمُوتُ فَيَنْفَعُونَ (احمد ۱۶)

جن کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں

فَلَا تَحْزَنْ لِمَا أَفْعَوْا عَنْكُمْ فَمَنْ ذُو الْعَرْشِ عَالِمًا
يَمَّا لَا تَأْتِلُوتُونَ (احمد ۱۷)

کوئی شخص نہیں جانے کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا کر رکھا ہوا ہے یہ ان کے کاموں کی جزاء ہے

پھر آپ نے فرمایا: کیا میں جہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو ان تمام چیزوں کا رئیس ہے اور جو ان کا ستون ہے اور ان کے کوہان کی بلندی ہے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ان کا رئیس اسلام ہے اور ان کا ستون نماز ہے اور ان کے کوہان کی بلندی جہاد ہے پھر آپ نے فرمایا: کیا میں جہیں اس کی خبر نہ دوں کہ ان تمام چیزوں کا کس پر ہمارے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے نبی! آپ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا: اپنی زبان کو روک کر رکھو میں نے عرض کیا: یا نبی

اللہ! ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان کی وجہ سے ہمارا سواغذہ کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: اے معاذ! تمہیں تمہاری ماں روئے لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل یا تھنوں کے بل صرف ان کی زبانوں کی فصل کی کٹائی کی وجہ سے ہی ڈالا جائے گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن الترمذی، رقم اللہ: ۲۶۱۶، سنن ابن ماجہ، رقم اللہ: ۲۹۷۳، معجم عبد الرزاق، رقم اللہ: ۲۰۳۳، مسند احمد، ۵/۲۳۱، المعجم الکبیر، ۲/۲۶۶)

اللہ تعالیٰ کا تمام جہانوں سے بے پرواہ اور بے نیاز ہونا

الزمر: ۷ میں فرمایا: ”اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پروا ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم دن رات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا مشاہدہ کرتے ہو ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کا شکر ادا کرو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں تمام لوگوں سے عمومی خطاب ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ عَلَيْكُمُ الْأَرْضَ وَإِنِّي أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ مَوَاقِعَ الْمَاءِ وَجُودِ الْغُدُوقِ أَعِيبَ غَدَاقِ الْغُلُوبِ ۚ وَأَن يُدْرِكَهُ الْفُتُورُ الْغَدُوقُ قَدِرُ ۖ وَهُوَ غَافِلٌ مِّنْ ذُنُوبِهِ أَعِيبَ ۚ وَتَبٰرَكَ الَّذِي يَخْلُقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۚ عَمَّا يُشْرِكُونَ

جَمِيعًا أَفَلَا يَكْفُرُ اللَّهُ لَعَنِي حَبِيبٌ (ابراهيم: ٨)

اللہ کی ناشکری کریں تو بے شک اللہ بے نیاز ہو گیا ہوا ہے ○

غنی اور بے نیاز کا معنی یہ ہے کہ اس کو اپنی ذات اور صفات میں کسی چیز کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو احکام شریعہ کا منکف کیا ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی نفع حاصل کرنا چاہتا ہے یا اپنی ذات سے کسی ضرر کو دور کرنا چاہتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ فی علی الاطلاق ہے اور جو فی علی الاطلاق ہو اس کا اپنے نفس کے لیے کسی نفع کو حاصل کرنا یا اپنے نفس سے کسی ضرر کو دور کرنا محال ہے' کیونکہ اگر وہ کسی چیز کا محتاج ہو تو اس کی حاجت قدیم ہوگی یا حادث ہوگی اگر اس کی حاجت قدیم ہو تو وہ اس کو ازل میں پیدا کرے گا اور جو چیز پیدا کی جائے وہ حادث ہوتی ہے قدیم نہیں ہو سکتی اور اگر اس کی حاجت حادث ہو اور وہ حاجت اس کے ساتھ قائم ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کو حادث ہو جانے کا اور یہ بھی محال ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ محتاج ہونا نقص ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج ہو تو پھر وہ ناقص ہوگا اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔

نیز ہم کو جاہلہٴ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح سورج، چاند، ستاروں، سیاروں، عرش، کرسی، عناصر اور موائے ثلاثہ کے پیدا کرنے پر قادر ہے اور جو اتنا عظیم قادر اور قاہر ہو اس کے حق میں یہ کہنا کس طرح جائز ہوگا کہ اس کے بندوں کے نماز پڑھنے، روزے رکھنے اور دیگر احکام پر عمل کرنے سے اس کو نفع ہوتا ہے اور ان احکام پر عمل نہ کرنے سے اس کو نقصان ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل سے یہ روایت کیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر عظیم کو حرام کیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی عظیم کو حرام کر دیا۔ لہذا تم ایک دوسرے پر عظیم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوا اس کے جس کو میں ہدایت دوں۔ سو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو۔ میں تم کو ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوا اس کے جس کو میں کھانا کھلاؤں۔ پس تم مجھ سے کھانا طلب کرو۔ میں تم کو کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بے لباس ہو سوا اس کے جس کو میں لباس پہناؤں۔ لہذا تم مجھ سے لباس مانگو۔ میں تم کو لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو بخشا ہوں۔ تم مجھ سے بخشش طلب کرو۔ میں تم کو بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم کسی نقصان کے مالک نہیں ہو کہ مجھے نقصان پہنچا سکو اور تم کسی نفع کے مالک نہیں کہ مجھے نفع پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اقول اور آخراور تمہارے انسان اور جن تم میں سے سب سے زیادہ متقی شخص کی طرح ہو جاؤ تو میں

میں ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے اور اسے میرے بندو! اگر تمہارے اقول و آثار اور تمہارے انسان اور جن تم میں سے سب
 مخلوق یا وہ بدکار شخص کی طرح ہو جائیں تو میرے ملک سے کوئی چیز کم نہیں کر سکتے اور اسے میرے بندو! اگر تمہارے اقول و آثار
 تمہارے انسان اور جن کسی ایک جگہ کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے
 پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہوگا جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) اس میں کمی ہوتی ہے اُسے میرے بندو!
 تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے جمع کر رہا ہوں پھر میں تم کو ان کی پوری پوری جزا دوں گا پس جو شخص خیر کو چاہے
 اللہ کی حمد کرے اور جس کو خیر کے سوا کوئی چیز (مثلاً آفت یا مصیبت) پہنچے وہ اپنے نفس کے سوا اور کسی کو ملامت نہ کرے۔
 عید بیان کرتے ہیں کہ ایسا دیکھنا خولانی جس وقت یہ حدیث بیان کرتے تھے تو ٹھٹھوں کے بل جھک جاتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵۷ مسند احمد ج ۵ ص ۵۵۲ جامع المسانید، اسنن
 ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۳۹۵)

اس حدیث میں یہ فرمایا ہے: اگر میں ہر انسان کا سوال پورا کر دوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس سے صرف اتنا کم ہوگا
 جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے کمی ہوتی ہے۔ یہ مثال لوگوں کو سمجھانے کے لیے دی ہے کیونکہ ہمارے مشاہدہ
 میں سب سے بڑی چیز سمندر ہے اور سوئی کو ڈبو کر نکالنے سے اس کی وسعت میں کوئی اثر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اپنی پہلی مخلوق
 سے لے کر قیامت تک آخری مخلوق کو جو کچھ دیتا رہا ہے اور دیتا رہے گا اس سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوگی جیسا کہ
 اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: تم
 لوگوں پر خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا اور آپ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے خرچ کرنے سے اس میں کوئی کمی نہیں
 آتی رات اور دن کا مسلسل خرچ اس میں کمی نہیں کر سکتا۔ یہ بتاؤ کہ جب سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے وہ
 آپ سے خرچ کر رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں ترازو ہے جس (کے
 وزن) کو وہ پست کرتا ہے اور ہلکے کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۳
 سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵۷ مسند احمد ج ۵ ص ۵۵۲)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہمیشہ ایمان کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کی قدرت میں عجز اور قصور جائز نہیں
 اور ممکنات غیر مختصر اور غیر متناہی ہیں اور کسی ایک ممکن کے وجود میں آنے سے باقی ممکنات کے ایمان کی قدرت میں کوئی کمی
 نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کو تمام افعال کا خالق ماننے پر معتزلہ کا اعتراض اور امام رازی کے جوابات

اس کے بعد فرمایا: ”اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا۔“
 یعنی ہر چند کہ کسی بندہ کے ایمان لانے سے اللہ کو کوئی نفع نہیں ہوتا اور نہ کسی کے کفر اور ناشکری سے اس کو کوئی نقصان پہنچتا
 تاہم وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

معتزلہ نے اس آیت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کفر اور ناشکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا
 ان افعال کو بندے خود پیدا کرتے ہیں کیونکہ اگر کفر اور ناشکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے
 نہ اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے راضی ہونا واجب ہے تو پھر کفر سے بھی راضی ہونا واجب ہوتا حالانکہ کفر سے راضی ہونا

بجائے خود کفر ہے۔ امام رازی نے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات دیے ہیں:

- (۱) اس آیت میں جو فرمایا ہے: "اللہ اپنے بندوں کے کفر اور ناشکری سے راضی نہیں ہوتا" اس آیت میں بندوں سے مراد مؤمنین ہیں، کیونکہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ عباد سے مراد مؤمنین لیتا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے:
- وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا
اور عباد کے بندے جو زمین پر وقار سے چلتے ہیں۔

(انقرہ ص: ۶۳)

إِنِّي عِبَادُ عَنِ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

(المجمل ص: ۳۳) نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۳۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام رازی کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے کفر اور ان کی ناشکری سے راضی نہیں ہوتا اور کافروں کے کفر اور ان کی ناشکری سے راضی ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کفر اور ناشکری سے مطلقاً راضی نہیں ہوتا خواہ وہ مؤمن کرے یا کافر۔

امام رازی نے معتزلہ کے اعتراض کا دوسرا جواب یہ دیا ہے:

- (۲) ہم یہ کہتے ہیں کہ کفر اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے اس کی رضا سے نہیں ہے کیونکہ رضا کا معنی ہے کسی کام کی مدح کرنا اور اس کی تعریف و تحسین کرنا قرآن مجید میں ہے:
- لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُوكَ مَعْتَ

الْمَدِينَةِ (الفتح: ۱۸)

اور اللہ تعالیٰ کفر اور ناشکری کی تعریف و تحسین نہیں کرتا اس لیے وہ ان افعال سے راضی نہیں ہے۔

- (۳) امام رازی فرماتے ہیں: میرے استاد اور والد ضیاء الدین محمد رحمہ اللہ اس اعتراض کا یہ جواب دیتے تھے کہ رضا کا معنی ہے کسی فعل پر ملامت نہ کرنا اور اعتراض نہ کرنا اور رضا کا معنی ارادہ کرنا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے کافروں میں کفر اور ناشکری کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ ان افعال سے راضی نہیں ہے کیونکہ اس نے کفر کرنے اور شکر نہ کرنے پر ملامت کی ہے۔

- (۴) چلو ہم مان لیتے ہیں کہ رضا اور ارادہ ایک ہے اور اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کے لیے کفر کا ارادہ نہیں کرتا لیکن اس عموم سے کفار کو خاص کر لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر کا ارادہ کرتا ہے اور کافروں کے خصوصاً اور مستحق ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

وَمَا تَكُنْ لَكَ تَوَكُّلٌ إِلَّا أَنْ تَقِطَ آتِ الْفُلْ (الاحزاب: ۲۰)

اور تم کسی چیز کو نہیں چاہو گے مگر یہ کہ اللہ اس چیز کو چاہے۔

یعنی تمہاری مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے لہذا کافر کا کفر بھی اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۳۵-۲۳۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۵ھ)

معتزلہ کے اعتراض کا مصنف کی طرف سے جواب اور رضا بالقدر کی تحقیق

امام رازی کے ان تینوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے کفر اور ناشکری سے راضی نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ جس بندہ میں کفر اور عدم شکر پیدا کرتا ہے تو اس کے کفر اور عدم شکر کا ارادہ فرماتا ہے اور کفر اور عدم شکر اللہ تعالیٰ کی قضاء اور

کی تقدیر سے ہے اور اس سے معتزلہ کا یہ اعتراض دور نہیں ہوا کہ تقدیر پر راضی ہونا واجب ہے لہذا کفر اور عدم شکر پر راضی ہونا بھی واجب ہے لہذا ان لو کہ اللہ تمام افعال کا خالق نہیں ہے بلکہ کفر اور ظلم کا خالق انسان ہے۔

معصوم کے نزدیک اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ تقدیر کا تعلق دو قسم کی چیزوں سے ہے: ایک نگوین اور دوسری تشریح۔ نگوین سے مراد ہے: وہ امر جن میں انسان کا اختیار اور ارادہ نہیں ہوتا اور جو خاص اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں جیسے انسان کا پیدا ہونا، مر جانا، صحت مند، خوب صورت اور قوی ہونا، بیمار بد صورت اور کمزور ہونا، دولت مند یا مفلس ہونا، انسان کا مرد یا عورت ہونا، اسی طرح قدرتی آفات اور مصائب پاش کا ہونا یا نہ ہونا، طوفانوں کا اٹھنا، زلزلوں کا آنا، فصل کا زرخیز ہونا یا زری پیداوار کا نہ ہونا، اولاد کا ہونا یا نہ ہونا، اس قسم کی اور دوسری چیزیں جو خاص اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں ان میں بندہ کا کوئی دخل نہیں ہے اور ان میں تقدیر کے لکھے ہوئے پر راضی ہونا واجب ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کو پیغام بھیجا کہ ان کا چٹنا فوت ہو گیا ہے سو آپ تشریف لائیں آپ نے جواب میں ان کو سلام بھیجا اور فرمایا: اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور جو کچھ وہ عطا فرماتا ہے اور اس کے نزدیک ہر چیز کی مدت معین ہے اس کو چاہے کہ وہ صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے۔ اللہ بیٹ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۸۳) صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۵۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۸۶۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۵۸۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اغصایا بوسہ دیا، سوگھا اور فرمایا: آنکھ سے آنسو بہ رہے ہیں اور دل غمزدہ ہے اور ہم صرف وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو اور اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق سے غم زدہ ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۵۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۴۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان آدم کی سعادت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر پر راضی ہو اور ان آدم کی شقاوت یہ ہے کہ وہ اللہ سے استخارہ (خیر طلب کرنے کو) ترک کر دے اور ان آدم کی شقاوت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ناخوش اور ناراض ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۴۷)

اور تقدیر کا دوسرا تعلق تشریح سے ہے تشریح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے یا جن کاموں کے کرنے سے روکا ہے اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام پر عمل کرے یا نہ کرے ایمان لانے یا کفر کرے۔

مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ۔

سو جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے وہ کفر کرے۔

(الکہف: ۲۹)

اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ انسان کو اختیار دے گا تو وہ اپنے اختیار سے ایمان اور اعمال صالحہ کو اختیار کرے گا یا کفر اور اعمال سیئہ کو اختیار کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے اسی علم کا نام وہ تقدیر ہے جس کا تعلق تشریح سے ہے اور تقدیر کی اس قسم پر رضا مطلوب نہیں ہے بلکہ کفر اور ناشکری پر غیظ و غضب مطلوب ہے اور جو شخص کافروں اور ظالموں سے محبت اور میل جول رکھے اس پر عذاب کی وعید ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ كَلَّمْتُمُوهُ فَتَخْتَلِمُوا فَتُمْخُوا عَلَى آلِهَتِهِمْ وَلَهُمْ الْوَيْلُ مِنْكُمْ يَوْمَ الْيَوْمِ

(سورہ: ۱۱۳) آگ جلانے کی۔

اور حدیث میں ہے:

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل میں اللہ کی نافرمانی کا ظہور ہوا تو ایک آدمی اپنے بھائی کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو اس گناہ سے منع کرتا پھر دوسرے دن اس کے ساتھ کھانے پینے اور میل جول سے اس کو کوئی چیز مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ کر دیئے اور ان کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى لِسَانِ

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور یحییٰ بن

ذَاوُدَ وَيَحْيَى ابْنِ عَرْيَةَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ

مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد

كَانُوا لَا يَتَنَبَّهُونَ عَنْ نِقَمِكُمْ فَأَعْلَوْهُ لِيَتَسَاءَلُوا بَعْضُهُمْ أَمْرًا بِالْآخَرِينَ

سے تہاؤز کرتے تھے وہ ایک دوسرے کو اس بُرے کام سے نہیں

(المائدہ: ۷۸-۷۹)

روکتے تھے جو انہوں نے کیا تھا وہ کیسے اس کا کام تھا جو وہ کرتے تھے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا آپ ایک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے پھر آپ کھڑے ہو گئے پھر فرمایا: نہیں! احتیٰ کہ تم اس کو حق کی طرف موڑ کر پھر دو اور اس کو گناہوں سے روک دو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۴۳، ۳۰۴۸، ۳۰۴۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۲۲۶، ۲۲۲۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۰۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱)

مسند ابویوسف رقم الحدیث: ۵۰۳۵، المعجم للبخاری رقم الحدیث: ۲۶۳، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۲۲)

کفر، ظلم اور معاصی بھی اللہ کی تقدیر میں ہیں اور لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں قرآن کریم میں ہے:

كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِقَدَرٍ ۝ وَكَانَ صَفِيرٌ ۝

ہر وہ کام جو انہوں نے کیا ہے لوح محفوظ میں ہے

ہمونی اور بڑی بات لکھی ہوئی ہے

لیکن کفر، ظلم اور معاصی پر راضی ہونا بھی کفر ہے یہ اللہ کی وہ تقدیر ہے جس سے ناراض ہونا اور غضب ناک ہونا مطلوب

ہے یعنی ان مقدرات سے ناراض ہونا مطلوب ہے جو کفر اور ظلم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس تقدیر کا تعلق کفر سے ہے یعنی ان امور سے جو بندہ کے اختیار میں نہیں ہیں جیسے پیدائش اور موت

وغیرہ اس تقدیر اور مقدر سے راضی ہونا مطلوب ہے اور اس سے ناراض ہونا شقاوت ہے اور جس تقدیر کا تعلق ان مقدرات

سے ہے جو کفر اور ظلم ہوں ان سے ناخوش اور ناراض ہونا مطلوب ہے لہذا اب معزز لکھنا چاہتا ہوں کہ "جب تمام

افعال کا اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو کفر اور ظلم کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے پھر یہ اللہ کی تقدیر میں ہیں اور مقدرات سے ہیں اور اللہ

کی تقدیر سے راضی ہونا واجب ہے لہذا کفر اور ظلم سے بھی راضی ہونا واجب ہے حالانکہ کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے اور یہ

غرابی اس لیے لازم آئی کہ تم جماعت اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ تمام افعال کا اللہ تعالیٰ خالق ہے سو اس غرابی سے

چھٹکارے کے لیے یہ مان لو کہ ایمان اور اعمال صالحہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کفر اور ظلم کا خالق انسان ہے۔ اور مصنف کی تقریر

سے معزز لکھنا چاہتا ہوں کہ کفر اور ظلم سے راضی ہونا واجب نہیں ہے صرف اس مقدر سے راضی ہونا واجب ہے

جس کا تعلق کفر سے ہو اور جس مقدر کا تعلق کفر سے ہو اور جو مقدر کفر اور شرک ہو اس سے ناراض ہونا واجب ہے ہاں جس

کے مقدر میں ایمان اور اعمال صالحہ ہوں اس کا بھی اپنے مقدر سے راضی ہونا مطلوب ہے۔

عام طور پر مطلقاً کہا جاتا ہے کہ تقدیر پر راضی ہونا واجب ہے اور مگوین اور تشریح کا فرق نہیں کیا جاتا اور تشریح میں بھی ایمان اور کفر کے فرق کی وضاحت نہیں کی جاتی، میں نے کسی تفسیر اور حدیث کی شرح میں یہ فرق نہیں دیکھا یہ خاص وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے صرف میرے دل میں القاء کی ہے اور یہ میری اس تفسیر کے خاصاں میں سے ہے۔ واللہ الحمد علی ذالک
اللہ تعالیٰ کا کفر اور معصیت کو پسند نہ فرماتا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ اپنے بندوں کی ناشکری کو پسند نہیں کرتا۔ خواہ وہ بندے مومن ہوں یا کافر اسی طرح وہ کفر کو بھی پسند نہیں کرتا اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کفر اور معصیت کو پسند نہیں کرتا تو وہ اس کو پیدا نہ کرتا اور جب اللہ تعالیٰ نے کفر اور معصیت کو پیدا کیا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اس کو پسند کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ اور رضا میں فرق ہے جب کوئی انسان کفر اور معصیت کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے لیکن وہ کفر اور معصیت سے راضی نہیں ہوتا وہ راضی صرف ایمان اور اطاعت سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ راضی ان کاموں سے ہوتا ہے جن کاموں کی دنیا میں اس نے تعریف اور تحسین کی ہے اور جن کاموں پر آخرت میں وہ اجر اور ثواب عطا فرمائے گا اور کفر اور معصیت پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عداوت اور مذمت کی ہے اور آخرت میں ان پر سزا اور عذاب دے گا۔ پس کفر اور معصیت سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ جب بندوں نے کفر اور معصیت کو اختیار کیا تو اس نے ان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے۔

جزاء کا مدار اعمال پر بھی ہے اور ان کے اسباب پر بھی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور کوئی جو ایمان لائے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا" پھر تمہارے رب کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تم کو ان کاموں کی خبر دے گا جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔"

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک جتنے قتل ہوتے رہیں گے ان سب کے گناہوں کا بوجھ قاتل کی گردن پر ہوگا جو پہلا قاتل تھا، وہ حدیث یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی قتل کیا جائے گا اس کے گناہوں میں سے ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۴۳ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۶۸۵۵ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۶۷۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۶۹۱ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۱۳۳ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۷۱ مسند ابن سعد رقم الحدیث: ۷۳۳)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جس فعل کا خود مرکب ہو اس کو اس کی جزاء بھی ملتی ہے اور جس فعل کا وہ دوسروں کے لیے سبب بنے اس کو اس کی جزاء بھی دی جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت جبر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی ایک طریقہ کو شروع کیا اس کو اپنے فضل کا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ملے گا اور بعد والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی نئے طریقہ کو شروع کیا اسے اپنے فضل کا بھی کتنا ہواگا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اس کو کتنا ہواگا اور بعد والوں کے کتنا ہواگا کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(مسند احمد، سنن الترمذی، رقم الحديث: ۶۰۱۷، سنن ابی داؤد، رقم الحديث: ۴۵۳۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث: ۲۸۰۳، جامع المسانید والسنن مسند جبر بن عبد اللہ رحمہ اللہ)

(المیہ ۱۳۷۲)

نیک اعمال میں اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کے ایمان کی وجہ سے ان کی اولاد کو بھی جنت میں داخل فرما دے گا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ ذُرِّيَّتِهِم مَّا يَسْتَأْذِنُوا لَكُمْ لَاحِقًا لَكُمْ مِنْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ وَمَا أَلَّفْتُمُوهُمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَا يَخَافُ أَنْ يُبَدِّلُوا مَا كُنْتُمْ لَهَا كَاذِبِينَ (المؤمن ۳۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوا اس کو پکارتا ہے پھر جب اللہ اپنی طرف سے اس کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا اور اللہ کے شریک بنا لیتا ہے تاکہ (دوسروں کو) اس کی راہ سے منحرف کرے آپ کہیے کہ تم اپنے کفر سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو بے شک تم دوزخ والوں میں سے ہو بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے آخرت (کے عذاب) سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے امید رکھتا ہے (کیا وہ بد عمل کافر کی مثل ہو سکتا ہے؟) آپ کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں صرف عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں O (الزمر ۸۰)

راحت اور مصیبت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس سے دعا کرنا ضروری ہے

اس سے پہلی آجوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے اسی نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا ہے اسی نے دن اور رات کے تواریخ اور تقاب کا سلسلہ قائم کیا ہے اور اپنی الوہیت اور استحقاق عبادت کے دیگر دلائل بیان فرمائے تھے اور مشرکین کے شرک اور ان کی ناشکری کی مذمت کی تھی اور ان آجوں میں ان کے عقائد کی مزید مذمت فرما رہا ہے کہ ان کے عقائد میں تضاد ہے ایک طرف تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کا یہ حال ہے کہ جب ان کے جسم یا مال یا ان کی بیوی یا ان کی اولاد پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت کی نجات کو طلب کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ ان سے اس مصیبت کو دور فرمادیتا ہے تو پھر وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کو ترک کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے فریاد کی ہی نہ تھی اور پھر دوبارہ اپنے بتوں اور خود ساختہ خداؤں کی پرستش میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس تضاد کو بیان کر کے یہ ظاہر فرماتا چاہتا ہے کہ عقل والوں کو مشرکوں کی ان دو حالتوں پر تعجب کرنا چاہیے اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اسی کو پکارتا چاہیے اور اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ایک طویل نصیحت فرمائی اس میں آپ کا یہ ارشاد ہے:

اذا سئلت فاستل الله واذا استسعت فاستعن
جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو۔
باللہ.

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۲، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۲، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۶۸۸، علل الایم والمیلۃ لابن اسحاق رقم الحدیث: ۲۷۵، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۴۳)

نیز اس حدیث کی تفسیر یہ ہے کہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور راحت میں اللہ تعالیٰ کو بھول جانا یہ مشرکوں کا طریقہ

نکاح اگر انسان یہ چاہتا ہو کہ مصیبت میں اس کی دعا قبول ہو تو وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ کو بہ کثرت یاد کرے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ صاحب کے اوقات میں اس کی دعاؤں کو قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے بہ کثرت دعائیں کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۸۲، مسند ابی یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۳۹۶، نکال لابن سعدی ج ۵ ص ۹۹۰، معجم تدمیم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ عزوجل اس سے محبت کرتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۱، معجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۰۸۸، نکال لابن سعدی ج ۲ ص ۶۶۵، جامع المسانید ولسن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب فرماتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳، مسند ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۰۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۷، مسند ابی یعلیٰ رقم الحدیث: ۶۶۵۵، المسند رکب ج ۱ ص ۲۹۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹)

چھب کی نماز کے فضائل

الترمذی ۹: میں فرمایا: ”بے شک جو رات کے اوقات مجدہ اور قیام میں گزارتا ہے۔“

اس آیت میں ”قلانت“ کا لفظ ہے قلانت کا معنی ہے: جس شخص پر جو اطاعت اور عبادت واجب ہے وہ اس کے لیے قیام کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: القنوت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا قرآن مجید میں ہے: ”قُلْ لِّلّٰهِ الْقِيٰمَةُ“ (البقرہ ۱۱۶) نیز اس آیت میں ہے ”انشاء السلیل“ اس کا معنی ہے: رات کے اوقات خواہ وہ رات کا اوّل وقت ہو اوسط وقت ہو یا آخر وقت ہو۔ حدیث میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الفضل الصلوٰۃ طول القنوت۔ سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں سہا قیام ہو۔

(معجم مسلم رقم الحدیث: ۵۶۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۱، جامع المسانید ولسن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۲۰۳) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کی نماز میں قیام کرنا دن کی نماز میں قیام کرنے سے افضل ہے اس کی حسب ذیل تفسیر ہے:

- (۱) رات کو عبادت کرنا عام لوگوں کی نماز سے غلطی ہوتا ہے اس لیے رات کی عبادت دیا کا رسی سے زیادہ دور ہے۔
- (۲) اندھیرا لوگوں کو دیکھنے سے مانع ہے اور لوگوں کا محو خواب ہونا ان کے سننے سے مانع ہے اور جب انسان کا دل باہر کے محارض سے قاصر ہو تو وہ یک سوئی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔
- (۳) رات کا وقت نیند اور آرام کے لیے ہوتا ہے انسان طبی طور پر رات کو سونا چاہتا ہے اور طبی تھنوں کو ترک کر کے اللہ کی عبادت کرنا شمس پر زیادہ شاق اور مشکل ہے۔

ہر کی نماز کے فضائل میں احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز میں اتنا قیام کرتے تھے کہ آپ کے

دونوں پر سورج گئے تھے تو حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کو تمام اچھے اور بچھے ذنب (پہنچا ہوا خلاف اولیٰ کام) معاف فرما دیے ہیں آپ نے فرمایا: کیا میں اس کو پسند نہ کروں کہ میں اس کا شکر گزار بندہ ہو جاؤں پھر جب آپ کا جسم بھاری ہو گیا تو آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے کھڑے ہو جاتے پھر رکوع کرتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۳۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۰)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کی گئی ہے اور ذنب کا معنی ہے گناہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں پھر ذنب کا کیا عمل ہے؟ اہل حضرت امام احمد رضا حنفی ۱۳۳۰ھ اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”حسنات الابرار و سیئات العقرین“ نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک اولیٰ بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۷۷ دارالعلوم ہمدانیہ کراچی)

نیز ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا و صرف خلاف اولیٰ ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے قصداً ابرار کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۳۵۰-۳۵۱ صحیح ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۱۰۹۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں وہ نصف رات سوتے تھے پھر تہائی رات نماز میں قیام کرتے تھے پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے تھے (مشافاً اگرچہ کھینچنے کی رات ہو تو تین گھنٹے سوتے تھے پھر دو گھنٹے نماز پڑھتے تھے پھر ایک گھنٹہ سوتے تھے غلی بظاہر التماس) اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۳۸ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۶۳۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت نماز پڑھتے تھے ان رکعات میں پندرہ اور ست فجر شامل ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۳۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے آپ چار رکعات نماز پڑھتے تھے تم ان کے حسن اور طول کو نہ پوچھو پھر چار رکعات نماز پڑھتے تھے تم ان کے حسن اور طول کو نہ پوچھو پھر تین رکعات (نماز وتر) پڑھتے تھے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۳۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۸ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۳۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب سوتا ہے شیطان اس کی گدی پر یہ پڑھ کر تین گرہیں لگا دیتا ہے: ”تہا دی رات بہت لمبی ہے سو جاؤ“ جب وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے

ہے نہ مخرج کو وہ روتا زہ اور خوش گوادر حال میں اٹھتا ہے ورنہ سستی کا مارا ہوا نحوست کے ساتھ اٹھتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۱ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۰)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح تک سوتا رہتا ہے اور نماز کے لیے نہیں اٹھتا آپ نے فرمایا: شیطان اس کے کان میں پھینکا کر دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۱ جامع المسانید وائسن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۱۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب چار رکعت اور دعائی ہر رات کو جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کر لوں کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کر دوں کوئی ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبد اللہ! تم فلاں شخص کی محسن نہ ہو جانا وہ پہلے رات کو نماز میں قیام کرتا تھا پھر اس نے رات کے قیام کو ترک کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۴ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۲ جامع المسانید وائسن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۸۳۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات میں ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ جس بندہ کو مل جائے وہ اس گھڑی میں دنیا اور آخرت کی جس چیز کا بھی سوال کرے تو اللہ اس کو عطا کر دیتا ہے اور یہ گھڑی ہر رات میں آتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم رات کی نماز کے قیام کو لازم رکھو کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور رات کے قیام سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور رات کا قیام گناہوں کو روکتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ہے اور جسمانی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عبسہ نے کہا: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے اگر تم اس وقت میں اللہ کو یاد کر سکتے ہو تو یاد کرو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: آدھی رات کو اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو نماز کے لیے اٹھا اور اس نے اپنی بیوی کو چمکایا پھر اس نے نماز پڑھی اگر وہ اٹھنے سے انکار کرے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اللہ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھا کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو چمکائے پھر وہ بھی نماز پڑھے اور اگر وہ اٹھنے سے منع کرے تو اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۳۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۷۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۶ صحیح بخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۸)

عبدہ کی فضیلت پر دلائل

اس آیت کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے عمل سے کی ہے اور اس کی انتہاء علم پر کی ہے اس میں اس پر مشتبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی علم قابل شمار ہوتا ہے جو عمل کے ساتھ ہو کیونکہ بے علم شخص بالقوۃ مکر وہ ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ عمل کی وجہ سے کسی نہ سے عقیدہ و یگانہ سے عمل کو اختیار کرے اور بے علم شخص بافضل مکر وہ ہے۔

پھر اس آیت میں "قلانت" کا لفظ ذکر فرمایا جس کا معنی ہے "وہ کام کے ساتھ اطاعت اور عبادت کرنے والا اور اس میں یہ بتایا ہے کہ عمل اس وقت مفید ہوتا ہے جب وہ دائمی ہو اور "ساجدا و قانتا" کا ذکر فرمایا اور عبدہ کو قیام پر مقدم فرمایا کیونکہ عبادت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہلکا ہوا اتراف کرنا اور ذلت کو اختیار کرنا اور انہی عبادت میں عبدہ میں ہوتا ہے کیونکہ عبدہ میں انسان اپنے سب سے معزز خصوصیتی سر کو منی پر رکھ دیتا ہے۔ نیز عبادت سے مقصود ہے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اور سب سے زیادہ اللہ کا قرب عبدہ میں ہوتا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَاسْتَجِبْ دُعَاءَ تَوَّابٍ (الحج: ۱۸)

عبدہ کر اور اللہ کے قریب ہو جاو

عبدہ کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ عبدہ کی حالت میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس تم (عبدہ میں) یہ کثرت دعا کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۵۵۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۰)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: مجھے وہ عمل بتائیے جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ آپ نے فرمایا: تم اللہ کو یہ کثرت عبدہ کرو کیونکہ تم جب بھی اللہ کے لیے عبدہ کرتے ہو تو وہ اس سے تمہارا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور تمہارا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۰ سنن ابوترکیف رقم الحدیث: ۲۸۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

حضرت ربیعہ بن کعب اہلبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا میں آپ کے پاس آپ کے احتیاج اور وضو کے لیے پانی لے کر آیا آپ نے مجھ سے فرمایا: کوئی سوال کرو میں نے عرض کیا: میں جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں آپ نے فرمایا: کسی اور چیز کا بھی میں نے کہا: مجھے یہ کافی ہے آپ نے فرمایا: تم یہ کثرت عبدہ کر کے (اس سوال کو پورا کرنے میں) میری مدد کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۸۰ سنن ابوترکیف رقم الحدیث: ۲۸۹۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

نماز میں قیام کی فضیلت پر دلائل

عبدہ کے بعد اس آیت میں قیام کا ذکر ہے اور نماز کے ارکان میں قیام کی بھی بہت فضیلت ہے ہم قیام کی فضیلت میں یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں قیام ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۶)

نماز میں قیام کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان کی ادائیگی میں سب سے زیادہ مشقت قیام میں ہوتی ہے اور جس عبادت کی ادائیگی میں زیادہ مشقت ہو اس میں زیادہ اجر و ثواب ہوتا ہے۔

امام المبارک ابن حجر ابن العسقلانی الجزیری المتوفی ۷۰۶ھ میں بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا:

کون سے عمل میں سب سے زیادہ فضیلت ہے؟ فرمایا: جس

میں سب سے زیادہ مشقت ہو۔

(النهاية ج ۱ ص ۳۳۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اس روایت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! لوگ دو عبادتیں (حج اور عمرہ) کر کے واپس جائیں گے اور میں ایک عبادت (صرف حج) کر کے واپس جاؤں گی آپ نے فرمایا: تم انتظار کرو پھر جب تم حیض سے پاک ہو جاؤ تو عجم کی طرف جانا پھر احرام باندھنا پھر قلاں مقام پر آ کر ہم سے مل جانا لیکن تمہارا عمرہ یہ قدر خرچ یا یہ قدر مشقت ہوگا (یعنی جس قدر عمرہ میں تمہارا خرچ ہوگا یا جس قدر اس میں مشقت ہوگی تم کو اس قدر اجر ملے گا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۷۸۷ جامع المسانید وائسن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۲۳)

ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

ان لکب من الاجر قدر نصبک ولفقتک۔ بے شک تم کو یہ قدر مشقت اور یہ قدر خرچ اجر ملے گا۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۷۷۰۳ مسند رک ج ۱ ص ۷۷۱ صحیح ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۳ مسند ابی حنیفہ)

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ لیلتہ القدر میں نماز پڑھنے میں مشقت کم ہوتی ہے اور اجر زیادہ ہوتا ہے اسی طرح مسجد حرام میں نماز پڑھنے میں مشقت کم ہوتی ہے اور اجر زیادہ ہوتا ہے اس لیے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جس عبادت میں مشقت زیادہ ہو اس میں اجر زیادہ ملتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لیلتہ القدر اور کعبہ میں جو اجر زیادہ ملتا ہے وہ نفس عبادت کی وجہ سے نہیں ملتا بلکہ لیلتہ القدر اور کعبہ کی خصوصیت کی وجہ سے اجر زیادہ ملتا ہے لہذا یہ قاعدہ کلیہ یہی ہے کہ جس عبادت میں زیادہ مشقت ہو اس میں اجر زیادہ ملتا ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۷۵۵ھ لکھتے ہیں:

توضیح میں مذکور ہے کہ ہر ایک کام میں جس قدر زیادہ خرچ ہو یا جس قدر زیادہ مشقت ہو اس میں اس قدر زیادہ اجر ملتا ہے اسی لیے امام شافعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ سوار ہو کر حج کرنا مستحب ہے اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَالنَّفْسِ بِهَا أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ
جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ان کا درجہ اللہ کے

(نور) نزدیک بہت بڑا ہے۔

ان کا درجہ دوسرے مومنوں سے اس لیے بہت بڑا ہے کہ انہوں نے جہاد کے لیے اپنا مال خرچ کیا اور اپنے نفس پر سخت برداشت کر کے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو متعلق فرمایا:

وَالَّذِينَ يُؤْتُوا الضَّرْفُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ
صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا

(الزمر: ۱۰)

صبر کرنے والوں کو بھی بے حساب اجر اسی وجہ سے دیا جائے گا کہ باقی عبادات کی بہ نسبت صبر کرنے میں زیادہ مشقت اسی طرح جو شخص زیادہ دور سے سفر کر کے حج یا عمرہ کے لیے جائے گا یا زیادہ دور سے چل کر نماز پڑھنے جائے گا اس کو رسول کی بہ نسبت زیادہ مشقت ہوگی۔ (مدونہ البخاری ج ۱ ص ۷۷۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اور میں کہتا ہوں کہ چونکہ نماز کے باقی ارکان کی بہ نسبت قیام میں زیادہ مشقت ہے اس لیے باقی ارکان کی بہ نسبت قیام

میں زیادہ فضیلت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سجدہ اور قیام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ صاحب انہر دوس نے حضرت عثمان بن عفان سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ افضل عبادت وہ ہے جس میں سب سے زیادہ محنت اور آسانی ہو تو میں کہوں گا: یہ غلط ہے اصل میں اس حدیث میں عبادت کی جگہ عبادت کا لفظ ہے۔ (تحف الساری للشمس ج ۱ ص ۲۹۸ تحف العلماء ج ۱ ص ۱۵۵)

اور عبادت میں اصل یہ ہے کہ بہت تخفیف کے ساتھ عبادت کی جائے اور مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھا جائے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ اجر اس عبادت میں ہوتا ہے جس میں سب سے زیادہ تخفیف ہو اور تعزیت ایک مرتبہ کی جائے۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۵۳۲ رقم الحدیث: ۹۲۱۴)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل عبادت وہ ہے جس میں عبادت کرنے والا مریض کے پاس سے جلدی اٹھ کر کھڑا ہو۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۵۳۳ رقم الحدیث: ۹۲۲۱)

امام ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ غالب القطن ان کی عبادت کرنے کے لیے آئے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر جانے کے لیے کھڑے ہو گئے تو ابو العالیہ نے کہا: عرب کس قدر عمدہ عبادت کرتے ہیں کہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے کیونکہ کبھی مریض کو کوئی کام ہوتا ہے اور وہ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی وجہ سے حیا کرتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۲۲۳)

خلاصہ یہ ہے کہ عبادت اور تعزیت آسان اور تخفیف طریقہ سے کرنی چاہیے اور عبادت کرنے میں جتنی مشقت ہوگی اتنا زیادہ اجر ہوگا اور نماز کے قیام میں چونکہ زیادہ مشقت ہوتی ہے اس لیے اس میں زیادہ اجر ہوتا ہے اور سجدہ میں ہر چند کہ مشقت زیادہ نہیں ہوتی لیکن اس میں چونکہ تواضع اور تدبیر زیادہ ہے اس لیے اس میں بھی زیادہ اجر ہوتا ہے اس وجہ سے اس آیت میں سجدہ اور قیام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے" پس سجدہ اور قیام میں رات گزارنے والوں کے مصداق کون ہیں؟ اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں۔

سجدہ اور قیام میں رات گزارنے والوں کے مصداق

امام عبد الرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت ابن عمر سے یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رات کو چہ کثرت نماز پڑھا کرتے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے حتیٰ کہ وہ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۳۲۸ رقم الحدیث: ۱۸۳۷۸ مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ص ۳۶۷)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال بیان کیے ہیں:

(۱) یحییٰ بن سلام نے کہا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۲) ضیاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۳) حضرت ابن عمر نے کہا: اس سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۴) اٹکشی نے کہا: اس سے مراد حضرت حماد بن یاسر، حضرت صہب، حضرت ابو ذر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں۔

۵) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے مصداق کو متحین نہیں فرمایا، سو جو شخص بھی اپنی راتیں سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ (تفسیر واعیون ج ۵ ص ۷۱۷ دار الفکر احقرہ بیروت)

حسب ذیل آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مقرب بندوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی راتیں سجدہ اور قیام میں گزرتی ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَنْشُرُونَ عَلٰى الْاَرْضِ هَوْكًا
لِّذٰلِكَ عَمَلُكُمْ لِيُجِزُوْا قَالُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْنَ يَسْتَوِيْنَ لِيْلَهُمْ
سُجُودًا وَّ اَوْفِيْاءًا وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَعِزَّنَا لِعَذَابِ
مَنْ يَّهْتَدِ لَكَ اِنْ عَذَابُهَا كَانَ سَعٰدًا (الفرقان ۶۵-۶۳)

اور رحمن کے (مقرب) بندے وہ ہیں جو زمین پر ہوا چڑی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ کلام کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: سلام! اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھنا، کیونکہ اس کا عذاب پہنچنے والا ہے۔

اسی طرح زمرہ ۹ میں بھی فرمایا ہے: "بے شک جو رات کے اوقات سجدہ اور قیام میں گزارتا ہے آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے (کیا وہ بد عمل کا فری کشل ہو سکتا ہے؟)"۔
ان آیتوں میں ان جاہل صوفیاء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عذاب کے خوف سے عبادت کرنا یا جنت کی امید سے عبادت کرنا موصوم ہے اللہ کی عبادت صرف اللہ کے لیے کرنی چاہیے بے شک اعلیٰ مرتبہ یہی ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے عبادت کی جائے لیکن دوزخ کے ڈر سے اور جنت کی طلب کے لیے بھی عبادت کرنا صحیح ہے انبیاء علیہم السلام اور صالحین نے دوزخ سے ڈر کر اور جنت کی طلب کے لیے دعائیں کی ہیں جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے اور یہ جاہل صوفیاء ان کی گردن اوکھی نہیں جھپٹتے،
خدا سبیل نے اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے:

سب ثواب کے لیے عبادت کرنے کا جواز اور طلب رضا کے لیے عبادت کرنے کا افضل ہونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس اس وقت گئے جب وہ مرض موت میں تھا آپ نے اس سے پوچھا: تم کیا محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں اللہ سے (بخشش کی) امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندہ کے دل میں بھی یہ کیفیت ہوگی اللہ اس کو وہ عطا کرے گا جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے اس کو محفوظ رکھے گا جس سے وہ ڈرتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۹۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۲۶۱، عمل الیوم والایم للسنائی رقم الحدیث ۱۰۶۲، حاشیہ ۱۰۶۲، ص ۲۸۲)

ہم گناہگار لوگوں کے لیے اس حدیث میں بہت اطمینان اور سکون ہے۔
علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو عذاب کے خوف اور بخشش کی امید عبادت کرنے کی خدمت کرتے ہیں اور وہ امام رازی ہیں۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۳۶۵، دار الفکر بیروت ص ۱۴۱)

میں کہتا ہوں: یہ امام رازی پر بہتان ہے امام رازی نے ایسا کہیں نہیں لکھا اس آیت کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں: جب انسان اللہ تعالیٰ کی دائمی عبادت کرتا ہے تو پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کی صفت قہر متکشف ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا "وہو الاخرة" اور وہ آخرت سے ڈرتا ہے پھر اس کے بعد اس پر مقام رحمت متکشف ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: "وہو جو" اور وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے پھر اس پر دیگر علوم متکشف ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: "ہل یستوی"

الذین یعلمون والذین لا یعلمون" کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟

نیز لکھتے ہیں: مقام خوف میں فرمایا: وہ بندہ آخرت سے ڈرتا ہے اور خوف کی اس بندہ کی طرف نسبت کی اور امید کے مقام میں فرمایا: اور وہ بندہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے اور امید کی نسبت اپنے رب کی طرف کی اس میں یہ دلیل ہے کہ خوف کی یہ نسبت امید کا درجہ اللہ تعالیٰ کی جناب کے زیادہ لائق ہے اور زیادہ کامل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۲۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

خوف فرمائیے! کہاں امام رازی کی تفسیر کے یہ عار کا نہ نکالت اور کہاں علامہ آلوسی کا بے سرو پا بہتان۔

ہاں! اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق نہیں ہے اور وہ صرف جنت کی طلب اور دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کرے اور وہ اللہ کی رضا کا طالب نہ ہو تو اس کا یہ عقیدہ کفر یہ ہے اور ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا۔ امام رازی فرماتے ہیں: اہل تحقیق نے کہا ہے کہ عبادت کے تین درجات ہیں:

(۱) بندہ صرف ثواب کی طمع اور غلبہ سے نجات کے لیے عبادت کرے اور یہ درجہ بہت گرا ہوا ہے کیونکہ اب حقیقت میں اس کا معبود طلب ثواب اور طلب نجات ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کو اس مطلوب کے لیے وسیلہ بنایا ہے اور جو مخلوق کے احوال کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کو وسیلہ بنائے وہ بہت خسیس ہے۔

(۲) بندہ اللہ کی مہارت سے شرف ہونے کے لیے عبادت کرنے سے نجات کے لیے عبادت کا پہلے درجہ سے بندہ درجہ ہے تاہم یہ بھی کامل نہیں ہے کیونکہ اس کا مقصد اللہ کی طرف نسبت کو حاصل کرنا ہے اور یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی غیر ہے۔ سو اس کا مقصد اللہ تعالیٰ نہیں اللہ تعالیٰ کا غیر ہے۔

(۳) بندہ اللہ تعالیٰ کی اس لیے عبادت کرے کہ وہ عبادت کا مستحق ہے اور خالق اور مالک ہے اور وہ بندہ اس کا عبد اور مملوک ہے اور معبود ہونا نسبت اور غلبہ کا تقاضا کرتا ہے اور عبد ہونا بجز اور ذلت کا تقاضا کرتا ہے اور جو شخص اس قصد سے اللہ کی عبادت کرے گا اس کی عبادت عبادت کا سب سے اشرف اور افضل مرتبہ ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۳۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

ہم اپنی اس تفسیر میں کئی جگہ پر لکھ چکے ہیں کہ عبادت کا سب سے افضل مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اس لیے اللہ کی عبادت کرے کہ اللہ نے اس کو عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ بندہ اللہ کے حکم کی اطاعت کرے اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اللہ کی رضا کے حصول اور اس کے دیہاری طلب کے لیے عبادت کرے قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ النَّفْسَ الْاَمَّارَةَ بِالسُّوءِ وَالْاَمْرَ بِالْاِثْمِ وَالْاَمْرَ بِالْعِزِّ وَالْاَمْرَ بِالْاِثْمِ وَالْاَمْرَ بِالْعِزِّ وَالْاَمْرَ بِالْعِزِّ وَالْاَمْرَ بِالْعِزِّ

اور بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے اپنی جان کو فروخت کر دیا۔ (البقرہ ۲۰۷)

اور عبادت کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ جنت کی طلب اور دوزخ سے نجات کے لیے عبادت کرے مگر شخص جنت دوزخ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنت کے طلب کرنے اور دوزخ سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَسَادِعُوا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ مَّوَدَّةٍ
الْمَوْتِ وَالْآرْضِ اَعْدَدْتَ لِلْمُتَّقِينَ

اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوزخ جس کی یہ آسمان اور زمین ہیں جس کو متقین کے لیے تیار کیا گیا ہے

(آل عمران ۱۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ اوسط جنت اور اعلیٰ جنت ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۴۳۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۳۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذ بک من الکسل والھوم
والمغمرم والمأثم اللھم انی اعوذ بک من
عذاب النار وفتنة النار. الحدیث

اے اللہ! میں سستی اور بے حاشیہ اور قرض اور گناہ سے تیری
پناہ میں آتا ہوں اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب سے اور دوزخ
کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۷۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۸۸ جامع المسانید و السنن مسند عائشہ رضی اللہ عنہا: ۱/۱۵۶)

عبادت کے ان تین مراتب کی جس طرح ہم نے تفصیل اور تحقیق کی ہے شاید کہ کارکنین کو اور کسی کتاب میں نذر
نکذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم. (البقرہ: ۲۵۵)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”آپ کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں“ ہم اس آیت کی تفسیر میں علم کی تعریف
ذکر کریں گے اور علم کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کو پیش کریں گے۔

حکماء اور متکلمین کی اصطلاح میں علم کی تعریف

حکماء کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

حصول صورة الشيء فی العقل.

یہ تعریف ہم ”شک“ ”علم“ ”جہل“ ”مرکب“ ”تقلید“ اور ”یقین“ کو شامل ہے۔

متکلمین کے نزدیک علم کی مشہور تعریف یہ ہے:

هو صفة بتجلی بها المذکور لمن قامت

عالم کے ذہن میں کسی چیز کا انکشاف علم ہے۔

ہی یہ۔

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ علم انکشاف ذہنی کا نام ہے یہ انکشاف تام اور غیر مشتبہ ہونا چاہیے اس مسئلہ میں بھی اختلاف
ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے یا مقولہ اضافت سے یا مقولہ انفعال سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے کیونکہ علم کیفیت
نفسانیہ کا نام ہے۔ علم کی یہ دونوں تعریفیں ذوی العقول کے ساتھ خاص ہیں اور حیوانات کے ادراکات پر حقیقتاً علم کا اطلاق نہیں
ہوتا۔

علم کا اطلاق علوم دونوں پر بھی کیا جاتا ہے مثلاً غور اور فہم وغیرہ پر اسی طرح مسائل مخصوصہ پر بھی علم کا اطلاق کیا جاتا ہے
کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو نحو کا فہم کا علم ہے یعنی اس شخص کو نحو یا فقہ کے مسائل کا علم ہے اور کبھی علم کا اطلاق ملکہ استحضار پر
کیا جاتا ہے یعنی کسی شخص کو مثلاً فقہ کے مسائل کی بہ کثرت تکرار سے ایسی مہارت ہو جائے کہ جب بھی اس سے فقہ کا کوئی سوال
کیا جائے وہ اس کا جواب دے سکے تو اس کی اس مہارت (ملکہ پختہ صلاحیت) کو علم سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں
شخص فقہ کا عالم ہے۔ (احیاء المواتی ص ۶۱-۶۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ھ)

حکامین کی اصطلاح میں علم کی تعریف

عاطل قاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

علم ”مومن کے قلب میں ایک نور ہے جو فاعل نیت کے چراغ سے مستفاد ہوتا ہے“ یہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال

افعال اور احوال کے اور اک کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات افعال اور اس کے احکام کی ہدایت حاصل ہوتی ہے اگر یہ علم کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہو تو کسی ہے اور اگر بلا واسطہ حاصل ہو تو علم لدنی ہے۔

علم لدنی کی تین قسمیں ہیں: وحی الہام اور فرست وحی کا لغوی معنی ہے: سرعت سے اشارہ کرنا اور اصطلاحی معنی ہے: وہ کلام الہی جو نبی کے دل میں حاصل ہو جس کلام کے الفاظ اور معانی کا حضرت جبرائیل کے واسطے سے نبی پر نزول ہو وہ کلام الہی یعنی قرآن مجید ہے اور جس کلام کے صرف معانی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نزول ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمائیں وہ حدیث نبوی ہے الہام کا لغوی معنی ابلاغ ہے اور اصطلاح میں وہ علم حق ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر القاء کرتا ہے اور ان کو امور غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے اور فرست وہ علم ہے جس میں ظاہری صورت کو دیکھ کر امور غیبیہ کشف ہوتے ہیں الہام میں ظاہری صورت کا واسطہ نہیں ہوتا بلا واسطہ کشف ہوتا ہے اور فرست میں ظاہری صورتوں کا واسطہ ہوتا ہے اور الہام اور وحی میں یہ فرق ہے کہ الہام وحی کے تابع ہے اور وحی الہام کے تابع نہیں (نیز وحی سے حاصل ہونے والا علم ظہری ہے اور الہام سے حاصل ہونے والا علم غیبی ہے۔ سعیدی غفرلہ) علم یقین دلائل سے حاصل ہوتا ہے یقین الیقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور حق الیقین تجرد سے حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۷۲ تا ۲۷۹) علم دین کی تفصیل

امام ابو بکر احمد بن حسین بن یحییٰ متوفی ۳۵۸ھ لکھتے ہیں:

جب علم کا لفظ مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے اور اس کی متعدد اقسام ہیں:

- (۱) اللہ عزوجل کی معرفت کا علم اس کو علم الاصل کہتے ہیں۔
- (۲) اللہ عزوجل کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کا علم اس میں علم نبوت اور علم احکام اللہ بھی داخل ہے۔
- (۳) کتاب و سنت کی نصوص اور ان کے معانی کا علم اس میں مراتب نصوص، تاریخ اور منسوخ اجتہاد قیاس، صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کا علم اور ان کے اتفاق اور اختلاف کا علم بھی داخل ہے۔
- (۴) جن علوم سے کتاب و سنت کی معرفت اور احکام شریعہ کا علم ممکن ہو اس میں لغت عرب، نحو، صرف اور محاورات عرب کی معرفت داخل ہے۔

جو شخص علم دین کے حصول کا ارادہ کرے اور وہ اہل عرب سے نہ ہو اس پر لازم ہے کہ وہ پہلے عربی زبان اور اس کے قواعد کا علم حاصل کرے اور اس میں مہارت پیدا کرے پھر قرآن مجید کے علم کو حاصل کرے اور بغیر احادیث کی معرفت کے قرآن مجید کے معانی کی وضاحت ممکن نہیں ہے اور احادیث کا علم آچار صحابہ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور آثار صحابہ کی معرفت کے لیے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کی معرفت ضروری ہے کیونکہ علم دین ہم تک اسی طرح درجہ بدرجہ پہنچتا ہے اور جب قرآن، سنت، آچار صحابہ اور اقوال تابعین کا علم حاصل ہو جائے تو پھر اجتہاد کرے اور مقدمین کے مختلف اقوال میں غور کرے اور جو قول اس کے نزدیک دلائل سے راجح ہو اس کو اختیار کرے اور جو نئے مسائل پیدا ہوں ان کا قیاس کے ذریعہ عمل تلاش کرے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۲۵۱)

علم کی فضیلت میں قرآن مجید کی آیات

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو

الْعِلْمِ قَائِمًا بِالنُّصُط. (آل عمران: ۱۸)

اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور فرشتوں اور علم والوں نے (یہ گواہی دی) کہ ان کا مالک

قائم باصل ہے

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی شہادت کا ذکر کیا پھر فرشتوں کی شہادت کا اور پھر اہل علم کی شہادت کا اور یہ اہل علم کی بڑی عزت افزائی ہے۔

يَذَرُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
مُزَيَّدِينَ (البقرہ: ۱۱)

تم میں سے جو کامل ایمان والے اور علم والے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنت میں عام مسلمانوں کی بہ نسبت علماء و سات سو درجہ بلند ہوں گے۔
(احیاء العلوم بقوت العقول)

آپ فرمادیجئے: کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے برابر ہیں؟

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر: ۹)

اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (طہ: ۲۸)

آپ فرمادیجئے: میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ اللہ ہے اور وہ جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے

قُلْ لِّى بِاللَّهِ شَهِيدٌ إِنِّى نَسِيتُكُمْ وَهِنٌ عِنْدَى وَلَئِكَ الْأُمْتَالُ فَتُفَرِّقُهَا الْيَنَابِسُ وَمَّا يَفْعِلُهَا إِلَّا الْعُلَمَاءُ (الحجرات: ۲۳)

اور یہ مثالیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں ان کو صرف علم والے سمجھتے ہیں

وَأُولَئِكَ هُمُ الرُّسُلُ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ لَوْلِمَّةُ الَّذِينَ يَشْتَكُونَ كَأَمْتُمْ (النساء: ۸۳)

اور اگر وہ اس کو رسول اور صاحبان امر کی طرف لوہا دیتے تو اس (کی مصلحت) کو وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے استنباط کر سکتے ہیں۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي شُدُودِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (الحجرات: ۲۹)

بلکہ یہ ان لوگوں کے سینہ میں روشن آیتیں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے۔

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (البقرہ: ۱۲۹)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور جن چیزوں کا آپ کو (پہلے) علم نہیں تھا ان کا علم دے دیا اور (یہ) آپ پر اللہ کا عظیم فضل ہے

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِى عِلْمًا (طہ: ۱۱۳)

اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ فرما

کی فضیلت میں احادیث

حضرت معاذیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے (یہ حدیث حضرت امین عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۱۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۳۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۶ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۳۱۱ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۳۱۱ شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۳۲ جامع المسند و السنن رقم الحدیث: ۱۱۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم و دعوت نے کے لیے کسی

راستہ پر چلا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی طرف راستہ کو آسان کر دیتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب میں نکلا وہ واپس آنے تک اللہ کی راہ میں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۲) لکھنؤیہ تصانیف: ۲۸۰۰ ج ۱۰ ص ۲۹۰ جامع المسانید و السنن: ۱۳۷۴ ج ۱ ص ۱۴۷۳ حضرت سخیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص علم کی طلب کے لیے نکلا تو اس کا نکلتا اس کے پچھلے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جاتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۲) سنن الدارمی رقم الحدیث: ۵۶۶۷ لکھنؤیہ تصانیف: ۲۶۳۲ ج ۱ ص ۱۴۷۳ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر گیا اللہ جنت کے راستوں کو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر بھکتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق طالب علم کی مغفرت کے لیے دعا کرتی ہے حتیٰ کہ پانی میں چھلیاں بھی اور بے شک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے وہ علم کا وارث بناتے ہیں سو جس نے علم کو حاصل کیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۳۲) سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۲ ج ۱ ص ۱۴۷۳ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ طالب کی رضا کو طلب کرنے کے لیے فرشتے اپنے پر بھکتے ہیں۔ (تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۳۷۳) جامع الجوامع ج ۵ ص ۷۷۱ لکھنؤیہ تصانیف: ۲۸۸۲ ج ۱ ص ۱۴۷۳ امام ابن الاثیر الجوزی التتوی ۶۰۶ ج ۱ ص ۱۴۷۳ لکھنؤیہ تصانیف: ۲۸۸۲ ج ۱ ص ۱۴۷۳

اور توفیر کرتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنا اڑنا مسکوف کر کے طالب علم کے ساتھ رہنے کو اختیار کرتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے پروں پر طالب جہاں جانا چاہے اس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں یعنی اس کی مدد کرتے ہیں۔

(جامع الاصول ج ۸ ص ۷۸) دارالکتب الخدیجہ: ۱۳۱۸ (حضرت عہد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی تین قسمیں ہیں اس کے پاسوا زائد ہیں (۱) آیت محمد (۲) سنت محمد (۳) یا فریضہ عادلہ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸۵) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۸۳۳ جامع المسانید و السنن: ۱۳۷۴ ج ۱ ص ۱۴۷۳ لکھنؤیہ تصانیف: ۲۸۸۵ ج ۱ ص ۱۴۷۳

آیت محمد سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات کا علم ہو جن میں کوئی اشتیاء یا اختلاف نہ ہو اور وہ منسوخ نہ ہوں اور سنت قائمہ سے مراد یہ ہے کہ وہ احادیث صحیحہ جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور فرائض عادلہ سے مراد ہے: اس کو احکام شرعیہ کا علم ہو خلاصہ یہ ہے کہ عالم وہ شخص ہے جس کو قرآن مجید احادیث اور فقہ کا علم ہو اور جب اس سے دین کی کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ قرآن مجید کتب احادیث اور کتب فقہ سے اس کو بتائے۔

کثیر بن عہد اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری سنتوں میں سے کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جس پر عمل کو لوگ ترک کر چکے تھے اس کو بھی اس کے بعد لوگوں کے اس پر عمل کرنے کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے کسی گمراہ کا موالی بدعت کو ایجاد کیا جس سے اللہ اور اس کا رسول ناراض ہو اس کو اس کے بعد لوگوں کے اس پر عمل کرنے کا گناہ ہوگا اور لوگوں کے گناہوں میں کوئی کمی

والعقل ہوگی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک خبیثہ (اکام شرعیہ کا عالم) شیطان پر ایک جزاء عابدوں کی بد نسبت زیادہ وقت ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۲، معجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۰۹۹، کلال ابن عدی ج ۳ ص ۱۰۰، جامع المسانید و اسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۲۳۰۲)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح چاند کی فضیلت ستاروں پر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۰ مسند احمد ج ۵ ص ۹۶ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۳۹ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۳۳ صحیح ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۸)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخصوں کا ذکر کیا گیا، ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح مہری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چوہنیاں بھی اپنے بلوں میں اور حتیٰ کہ پھلجالی بھی پانی میں نیکی کی تعظیم دینے والے پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں (اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور باقی رحمت کی دعا کرتے ہیں)۔

حصان بن سنان بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غالب علم جابلوں کے درمیان اس طرح ہے جس طرح زردہ مڑوں کے درمیان ہو۔ (مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۸۸۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طالب علم، طالب رحمت ہے، طالب علم، اسلام کا درکن ہے اس کو نبیوں کے ساتھ اچرا دیا جائے گا۔ (مجمع الجامع رقم الحدیث: ۱۳۸۸۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۸۷۴۹-۸۸۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے علم کو طلب کرنے والا اللہ کے نزدیک عبادتی سبیل اللہ سے افضل ہے۔ (مجمع الجامع رقم الحدیث: ۱۳۸۸۵)

حضرت عمار اور حضرت انس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے لیے علمی کتب طلب کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جو اللہ کے لیے صبح اور شام جہاد کرنے والا ہو۔ (مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۸۸۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۸۸۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ عز وجل کا علم اس نے کہا: یا رسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ عز وجل کا علم اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ سے عمل کے متعلق سوال کر رہا ہوں اور آپ مجھے علم کی خبر دے رہے ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کم عمل علم کے ساتھ نفع دیتا ہے اور زیادہ عمل جہل کے ساتھ نفع نہیں دیتا۔ (جامع بیان احکام وغیرہ، ص ۱۳۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۶ھ)

قُلْ يٰعِبَادِ الدِّينِ اٰمِنُوْا اَتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اٰحْسَنُوْا فِيْ

آپ کہے: اے میرے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں

هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۖ وَآَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۖ إِنَّمَا يُؤْمِنُ

ان کے لیے اچھا اجر ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے صرف میرے کرنے والوں کو ہی ان کا

الصَّبْرُونَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۖ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ

پورا پورا بے حساب اجر دیا جائے گا آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس کی

اللَّهُ فَخُلِّصَالَهُ الدِّينَ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۖ

اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۖ قُلْ

آپ کہیے: اگر میں نے (باغرض) اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے

اللَّهُ أَعْبُدْ فَخُلِّصَالَهُ دِينِي ۖ فَاَعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ ۖ

میں صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے پس تم اس کے سوا جس کی عبادت

قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ

کرتے ہو کرتے رہو آپ کہیے: بے شک نقصان اٹھانے والے تو وہی لوگ ہیں جو خود اور ان کے اہل و عیال قیامت کے دن

أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۖ لَكُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ

نقصان اٹھائیں گے سو یہی کھلا ہوا نقصان ہے ان کے اوپر بھی آگ کے ساتہان ہوں گے

وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۖ ذَٰلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادَهُ ۖ يَعْبُدُ

اور ان کے نیچے بھی آگ کے ساتہان ہوں گے یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اسے میرے بندوں

فَاتَّقُوا ۖ وَالَّذِينَ أَجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا

سو تم مجھ سے ڈرتے رہو اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا

إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادَ ۖ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ

ان ہی کے لیے بشارت ہے سو آپ میرے بندوں کو بشارت دیجئے جو غور سے بات سنتے ہیں پھر احسن بات کی

فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ ۖ وَوَلَّيكَ هُمُ

جروی کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر جما رکھا ہے

أُولَٰئِكَ الْأَلْبَابُ ۚ ۱۸ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ أَفَأَنْتَ

اور یہی عقل والے ہیں ۱۸ جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ

تُسْقِدُ مَنْ فِي النَّارِ ۚ ۱۹ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا سَاءَ لَهُمْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ عُرْفٌ بَيْنَ

اس کو دوزخ سے بچھڑا لیں گے؟ ۱۹ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے

فَوْقَهَا عُرْفٌ قَبِيئَةٌ ۖ يَخْرُجُ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ وَعَدَ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ

(جنت میں) بالا خانے ہیں ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں ان کے نیچے سے دریا جاری ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے

اللَّهُ الْبَيْعَادُ ۚ ۲۰ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَسَلَكَهُ

اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ۲۰ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے

يَنْبَاتُ بِهِ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهَيِّجُ

پھر اس سے زمین میں جھٹے جاری کرتا ہے پھر اس سے مختلف قسم کی فصل اگاتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں

فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ۖ ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ

کہ وہ فصل پک کر زرد ہو جاتی ہے پھر وہ اس کو چھوڑا چھوڑا کر دیتا ہے بے شک اس میں

لِأُولَى الْأَلْبَابِ ۚ ۲۱

عقل والوں کے لیے ضرور نصیحت ہے ۲۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میرے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک

کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے صرف مہر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے حساب اجر

دیا جائے گا ۲۰ آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے ۲۱

اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں ۲۱ (نور: ۱۳-۱۴)

نیک اعمال کے اجر حسن سے مراد دنیا کا اجر نہیں آخرت کا اجر ہے

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہیں اور اب مومنین کو یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ

ایمان لانے کے بعد تقویٰ کو حاصل کریں، تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں یعنی فرائض کو ترک نہ کریں اور حرام کا ارتکاب نہ کریں یہ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے اور تقویٰ کا دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں سے اجتناب کریں یعنی واجبات کو ترک نہ کریں اور مکروہات تحریمہ کا ارتکاب نہ کریں اور تقویٰ کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ خلاف سنت اور خلاف اولیٰ کا ارتکاب نہ کریں۔

چونکہ ایمان لانے کے بعد تقویٰ کے حصول کا حکم دیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں اور فسق سے ایمان زائل نہیں ہوتا اور معتزلہ اور خوارج کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فسق سے ایمان زائل ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اچھے اجر سے مراد صحت اور عافیت ہے اور خوش حالی اور قارخ الہابی ہے، لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ دنیا میں صحت عافیت اور خوش حالی تو کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے، اکثر مؤمنین اور صالحین تو صحیحی اور مطلق میں زندگی گزارتے ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۳)

اور بلاؤں اور بیماریوں میں صالحین کے جتنا ہونے کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں کون مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء، پھر جو ان کے قریب ہو، پھر جو ان کے قریب ہو، ہر شخص اپنے دین کی مقدار کے اعتبار سے مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، اگر وہ اپنے دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی اس کے اعتبار سے ہوتی ہے، بندہ پر اسی طرح مصائب آتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۷۷۸۶، سنن ابن جریر رقم الحدیث: ۳۰۲۳، مسند ابی یوسف ج ۱ ص ۱۵۰، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۸۳۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱، مسند رک ج ۲ ص ۲۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۶۸، سنن کبریٰ للبخاری ج ۳ ص ۲۷۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۷۷۵، شرح السنن رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

ابراہیم بن مہدی اپنے والد سے اور وہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب اللہ کے نزدیک کسی بندہ کا مرتبہ اس قدر بلند ہوتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسم میں یا اس کے مال میں یا اس کی اولاد کے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۰، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۳۳)

اس لیے اس آیت میں جو فرمایا ہے: "جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام کیے ہیں ان کے لیے اچھا اجر ہے" اس اچھے اجر سے مراد دنیا میں اچھا اجر ملنا مراد نہیں ہے کہ نیک کام کرنے والے بہت صحت مند اور خوشحال ہوتے ہیں جیسا کہ مذکور المصدر حدیث سے واضح ہو گیا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو آخرت میں اچھا اجر ملے گا اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطا فرمائے گا اور اپنی رضا اور اپنے دیدار سے نوازے گا۔

اللہ کی زمین کی وسعت کے تین محامل: دنیا کی زمین کی وسعت، جنت کی زمین کی وسعت۔۔۔۔۔

اور رزق کی وسعت

اس کے بعد فرمایا: "اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔"

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر مسلمان کافروں کے ملک میں ہوں اور وہاں ان کو اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو اور وہاں رہنے کی وجہ سے ان کے ایمان، ان کی عزت اور ان کی جان کو خطرہ ہو تو اللہ کی زمین بہت وسیع ہے وہ کافروں کے ملک سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے ملک میں چلے جائیں یا کسی ایسے کافر ملک میں چلے جائیں جہاں انہیں اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی ہو اور کوئی خطرہ نہ ہو۔ اس کی زیادہ وضاحت حسب ذیل آیت میں ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْهُمُ النَّبِيُّكَ فَلَا بِيَّ أَنْفُسِهِمْ
قَالُوا لَوْ كُنْتُمْ مُسْتَعِينِينَ فِي الْأَرْضِ
قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضًا مَوَاسِقًا وَمَنْ جَارُوا فَيُحِبُّهَا
فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَوَاسِقًا

(القاء ۱۷) لوگ ہیں جن کا لٹکانا دوزخ ہے اور دوزخ لٹکانا ہے ۵

یہ آیت ان مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں رہتے تھے اور اپنے وطن اور خاندان کی محبت کی وجہ سے ہجرت سے گریز کر رہے تھے ابتداء میں ہجرت کرنا فرض تھا تا کہ یہ بیت میں مسلمانوں کو قوت حاصل ہو اور ان کی مرکزیت قائم ہو پھر جب کفار فتح ہو گیا تو پھر ہجرت فرض نہیں رہی اس پر دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی اور آپ سے ہجرت کے حکم کے متعلق سوال کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اب ہجرت (فرض) نہیں ہے، مسلمان اپنے دین کو بچانے کے لیے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کی طرف اس خطرہ سے بھاگتے تھے کہ وہ کسی فتنہ میں جکڑ نہ ہو جائیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے اور مسلمان جہاں چاہے اللہ کی عبادت کر سکتا ہے، لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

(مجمع التفتاری رقم الحدیث: ۳۹۰۰۰، مجمع مسلم رقم الحدیث: ۱۸۶۳، جامع الاصول رقم الحدیث: ۹۲۲۲، جامع السانید و التفسیر مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۳۰۰)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہجرت (فرض) نہیں ہے۔

(مسن السائل رقم الحديث: ٣٧٤ جامع الأصول رقم الحديث: ٩٧٤ جامع المسانيد والمناسن مسند عمر بن الخطاب رقم الحديث: ٤٠٣)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ کہتے ہیں کہ جنت میں مہاجر کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا، آپ نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت (فرض) نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت ہے، جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو چلے جاؤ۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۱۸۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا: یا رسول اللہ! کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تم ان کاموں سے ہجرت کر لو (یعنی ان کاموں کو ترک کر دو) جو تمہارے رب کو ناپسند ہیں۔ اللہ بیٹ

(سنن الترمذی رقم الحديث: ۶۷۶ جامع الأصول رقم الحديث: ۴۳۱۸)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ ابتداء اسلام میں ہجرت کرنا فرض تھا اور اب ہجرت کرنا فرض نہیں ہے، ہاں جس جگہ

مسلمانوں کے ایمان ان کی عزت اور ان کی جان کا خطرہ ہو اور جہاں اسلام کے احکام پر عمل کرنا مشکل اور دشوار ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے کا معنی یہ ہے کہ جس جگہ بھی انسان اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لیے جائے وہ جگہ بہت وسیع ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اللہ کی زمین سے مراد ہے: جنت کی زمین یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے نیک عمل کی وجہ سے اچھا اجر عطا فرمائے گا اور جنت کی عطا سے نوازے گا اور جنت کی زمین بہت وسیع ہے۔ جنت کی زمین پر اس آیت میں دلیل ہے:

وَكُلُوا الْحَبَّةَ الْبُخَارَىٰ فِي مَهَلِكَةٍ وَوَعْدًا مُّذَكَّرًا ۚ
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ النَّبِيَّ هَٰذَا مَثَلٌ ۖ قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۚ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ ۚ
الْفَٰعِلِينَ ۝ (الزمر ۷۴)

اور انہوں نے کہا: اللہ ہی کے لیے جو ہے جس نے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا اور ہمیں اس زمین کا واعدہ بنا دیا کہ ہم جہاں چاہیں جنت میں قیام کر لیں (نیک عمل کرنے والوں کا کیسا

اچھا اجر ہے) ۝

ان دو تفسیروں میں پہلی تفسیر راجح ہے یعنی زمین کی وسعت سے مراد دنیا کی زمین کی وسعت ہے یعنی دنیا کی زمین بہت وسیع ہے تم جس جگہ چاہو اسلام کے احکام پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکو وہاں رہو۔ اس کی زیادہ تفسیر ہم نے انشاء ۹۷ میں کی ہے۔ اس آیت کی تفسیر کا تیسرا عمل یہ ہے کہ زمین کی وسعت سے مراد ہے رزق کی وسعت کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو زمین سے رزق دیتا ہے سو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا رزق بہت وسیع ہے اور یہ معنی اس لیے مناسب ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت اور اپنے احسان کا ذکر فرما رہا ہے۔

صبر کے معانی

اس کے بعد فرمایا: ”صرف صبر کرنے والوں کو ہی پورا پورا دے حساب اجر دیا جائے گا۔“ صبر کا معنی ہے: نفس کو شریعت اور عقل کے تقاضوں پر جمائے رکھنا اختلاف مواقع کے اعتبار سے اس کے مختلف معانی ہیں: (۱) کسی مصیبت اور غم کے برداشت کرنے کو صبر کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں ہے قائم کرنا، واویلا کرنا، نوحہ کرنا، رونا، چیخنا، بے چینی اور بے قراری کا اظہار کرنا۔

(۲) میدان جنگ میں بہادری کے ساتھ ثابت قدم رہنے کو بھی صبر کہتے ہیں اس کے مقابلہ میں ہے بزدلی۔ ان دونوں معنی میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالصَّٰبِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ

(المائدہ ۷۷)

(۳) عبادت کی مشقت پر اپنے نفس کو جمائے رکھنا اس کے مقابلہ میں مصیبت اور غم فرمائی ہے۔ (۴) غلبہ شہوت کے وقت اپنے آپ کو گناہ سے روکنا اس کے مقابلہ میں فحشاء اور فسق و فجور ہے۔ (۵) غلبہ غضب کے وقت اپنے آپ کو زیادتی سے روکنا اس کے مقابلہ میں عدوان اور سرکشی ہے۔

ان معانی کے استعمال میں قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الصَّبْرُ طَوَّلًا وَّصَابِرُوْا وَاَسْرِعُوا طَوْعًا ۚ

اے ایمان والو! عبادت کی مشقت پر ثابت قدم رہو اور جگہ کی شدت میں جلدی رہو اور جہاد کے لیے تیار رہو۔ (آل عمران: ۲۰۰)

”صبروا“ کا یہ معنی بھی ہے: اپنی ناجائز خواہشات کے خلاف جہاد کرتے رہو۔

فَلْتَصْبِرُوا وَاصْبِرْ لِعِبَادَتِهِ (مریم: ۶۵)

سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی کی عبادت پر توجہ

رہیں۔

(۶) صبر کا ایک معنی روزہ بھی ہے یعنی طوں فجر سے لے کر غروب آفتاب تک اپنے نفس کو کھانے پینے اور عمل زوجیت سے روکے رکھنا اس کے مقابلہ میں اظہار ہے حدیث میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صوم شهر الصبر وثلاثة ايام من كل شهر
مہر کے مہینہ کے روزے اور ہر ماہ کے تین روزے صبر کے
یہ ذہن وحر الصدر۔
کینہ اور غصہ کو دور کر دیتے ہیں۔

(مسند ابو ہریرہ رحمہ اللہ ص ۱۰۵۳ مسند ابی یوسف رحمہ اللہ ص ۲۲۲ حافظ احمی نے کہا: اس حدیث کے رجال صحیح ہیں)

صبر کا بے حساب اجر عطا فرمانے کی وجوہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت حساب سے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو حساب سے اجر دے گا مثلاً اس کی زکوٰۃ ۲۵۵ روپے بنتی ہے تو وہ ۲۵۵ روپے ہی اللہ کی راہ میں دے گا ۲۵۶ روپے نہیں دے گا اور اس کا صدقہ فطر ۳۱ روپے بنتا ہے تو وہ ۳۱ روپے ہی دے گا ۳۲ روپے نہیں دے گا اس کے ذمہ ایک جانور کی قربانی ہے تو وہ ایک جانور ہی کی قربانی کرے گا دو جانوروں کی قربانی نہیں کرے گا وہ پانچ وقت کی فرض نمازیں ہی پڑھے گا اس سے زائد نمازیں نہیں پڑھے گا اسی طرح ایک ماہ کے فرض روزے ہی رکھے گا اس سے زیادہ روزے نہیں رکھے گا صرف ایک فرض حج ادا کرے گا اس کے بعد حج نہیں کرے گا۔ سو جو شخص اللہ کی عبادت حساب سے کرے گا وہ اس کو حساب سے اجر دے گا اور جو اللہ کی عبادت بے حساب کرے گا اس کو وہ بے حساب اجر دے گا وہ زکوٰۃ نماز روزہ اور حج میں حساب نہیں رکھے گا وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہے گا اور اس کی عبادت کرتا رہے گا خواہ مقدار فرض سے کسی قدر زیادہ ادا ہو جائے۔

امام رازی نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کے استحقاق عبادت کے لحاظ سے اجر دیتا تو یہ حساب سے اجر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے فضل سے اجر عطا فرمانے کا اور اس کا فضل بے حساب ہے اس لیے وہ بے حساب اجر دے گا۔ (تفسیر کبریا ص ۲۳۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے بھی عمدہ معنی بیان کیا ہے لیکن اس میں بے حساب اجر کے ساتھ صبر کرنے والوں کی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی اور ہم نے جو معنی بیان کیا ہے اس سے بے حساب اجر کی صبر کرنے والوں کے ساتھ خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

صبر کی جزاء کے متعلق احادیث اور آثار

صبر پر اجر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس مسلمان پر بھی کوئی مصیبت آئے اور وہ کہے: ”يَا اَللّٰهُ اِنِّىْ اَتِيْتُكَ بِعَفْوٍ“ (البقرہ: ۱۵۶) اللھم اجورسنى فی مصیبتی واخلف لی عیوذا منها ”اے اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بھتر بدل عطا فرما“ تو اللہ تعالیٰ اس کو اس فوت شدہ جز سے بھتر چیز عطا فرمائے گا سو جب (میرے شوہر) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے سوچا: مسلمانوں میں ابو سلمہ سے بھتر کون ہو گا؟ انہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاتم بن ابی جندبہ کے ذریعہ مجھے نکاح کا پیغام بھیجا۔ میں نے عرض کیا: میری ایک بیٹی بھی ہے اور میں بہت غیرت والی ہوں آپ نے فرمایا: رہی تمہاری بیٹی تو ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ وہ اس سے مستثنیٰ کر دے اور رہی تمہاری غیرت تو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہاری غیرت کو دور کر دے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۸۰۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۹، مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بندہ کا بچہ فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح کو قبض کر لیا وہ کہیں گے: جی ہاں! وہ فرمائے گا: تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کر لیا وہ کہیں گے: جی ہاں! وہ فرمائے گا: پھر بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہیں گے: اس نے تیری حمد کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اللہ فرمائے گا: میرے اس بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۰۲۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۴۱۳۳)

حضرت خیاب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں ایک چادر سے نگیں لگائے ہوئے تھے ہم نے آپ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: کیا آپ ہمارے لیے مد طلب نہیں کریں گے؟ کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلی استوں میں ایک شخص کو پکڑ لیا جاتا تھا پھر اس کے لیے زمین کھودی جاتی تھی اور اس کو اس میں گاڑ دیا جاتا تھا پھر اس کے سر پر آری رکھ کر اس کو چر کر دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے اور لوہے کی کھنسی سے اس کے بدن کو پھیل کر اس کے گوشت اور خون سے کاٹ کر گزرا جاتا تھا اور یہ عظیم بھی ان کو ان کے دین سے برگشتہ نہیں کرتا تھا اور اللہ کی قسم! اللہ ضرور اپنے اس دین کو بحال فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک کا سفر کرے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا ذکر نہیں ہوگا اور بھیل بکریوں کی حفاظت کرے گا لیکن تم لوگ غفلت کرتے ہو۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۸۵۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۴۳۹، مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۹)

یحییٰ بن وثاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معمر صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان لوگوں سے مل جل کر رہتا ہو اور ان کی پہچان کی ہوئی چیزوں پر صبر کرتا ہو وہ اس مسلمان سے بھتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی دی ہوئی چیزوں پر صبر نہیں کرتا۔

(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۰۷، مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۵، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۴۶۳۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دے گا جو شخص اپنی حفاظت لا الہ الا اللہ سے کرے اور جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو کہے: انا للہ وانا الیہ راجعون اور جب اسے کوئی چیز دی جائے تو وہ کہے: لا الہ الا اللہ اور جب اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو کہے: استغفر اللہ۔

(غضب الایمان، رقم الحدیث: ۶۶۶۳، ج ۵ ص ۷۱، دارالکتب المصریہ، ج ۱ ص ۱۲۰)

حسن بصری نے کہا: ایمان صبر اور حفاظت ہے یعنی اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں پر صبر کرنا اور اس کے فرائض کو ادا کرنا۔

(غضب الایمان، ج ۵ ص ۱۲۳، رقم الحدیث: ۷۷۰۹، دارالکتب المصریہ، ج ۱ ص ۱۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کے دو نصف ہیں: نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ (غضب الایمان، رقم الحدیث: ۷۷۰۹)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان پر کوئی مصیبت آئے وہ جب

بھی اس مصیبت کو یاد کر کے کہے: انا لله وانا اليه راجعون تو اللہ اس کو نیا ثواب عطا فرماتا ہے اس دن کی طرح جب اس پر پہلی بار مصیبت آئی تھی خواہ کتنا عرصہ گزر چکا ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۰۰۰ مسند احمد رقم الحدیث ۳۶۰۰ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب اہل عافیت مصائب پر صبر کرنے والوں کا اجر و ثواب دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کی کھال کو فینچی کے ساتھ کاٹ دیا جاتا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۳۰۲ المعجم البصیر رقم الحدیث ۲۳۱۰ سنن بیہقی ج ۳ ص ۵۰۰ جامع المسانید والسنن ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۱۱۳۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور اس کو حساب کے لیے کھڑا کیا جائے گا پھر ان کو لایا جائے گا جنہوں نے دنیا میں مصائب پر صبر کیا تھا ان کے لیے میزان کو قائم کیا جائے گا نہ ان کا دفتر عمل کھولا جائے گا پھر ان پر ان کا اجر اس قدر غلغلہ دیا جائے گا حتیٰ کہ اہل عافیت حشر کے دن یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کے جسم کو فینچی کے ساتھ کاٹ دیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو بہت اچھا ثواب عطا فرمائے گا۔

(علیہ السلام ج ۳ ص ۱۹۱ صحیح ترمذی دارالکتب العربیہ ج ۱۳ ص ۱۳۰۰ دارالکتب العربیہ بیروت ج ۱ ص ۱۳۸)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے O" (الزمر ۱۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اسلام لانے کے حکم کی توجیہ

مقابل نے کہا: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ ہمارے پاس جو پیغام لائے ہیں اس پر آپ کو کسی نے برا ہیئت کیا ہے؟ کیا آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی ملت کو نہیں دیکھا؟ آپ اس پر کیوں نہیں عمل کرتے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۱۶۹ مکتب اسلامی بیروت ج ۱ ص ۱۳۸)

اس آیت میں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرا یہ فرمایا ہے کہ اللہ کی عبادت شرک بھی اور شرک خفی سے خالص ہونی چاہیے اور اس میں کئی فوائد ہیں:

- (۱) گویا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں ان جابر اور منکبر بادشاہوں میں سے نہیں ہوں جو لوگوں کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے بلکہ میں تم کو جس چیز کا حکم دیتا ہوں سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتا ہوں۔
- (۲) پہلے عبادت کرنے کا ذکر کیا اور پھر اخلاص کا ذکر کیا کیونکہ عبادت ظاہری اعضاء اور ارکان سے ہوتی ہے اور اخلاص کا تعلق دل سے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں O" (الزمر ۱۲)

یعنی اس امت میں مجھے سب سے پہلے اسلام لانے کا حکم دیا گیا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے اس پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے کیونکہ رسول کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت ہوتی ہے اس لیے سب سے پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت واجب ہوگی۔ ان آیتوں میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ نے کہا: اخلاص یہ ہے کہ غلوٹ اور جلوت کے تمام کام صرف اللہ کے لیے ہوں اور اس میں کوئی اور شریک نہ

لہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اگر میں نے (بافرض) اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا ملوہ ہے O آپ کہیے کہ میں صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے O پس تم اس

کے سوا جس کی عبادت کرتے ہو کرتے رہو آپ کہیے: بے شک نقصان اٹھانے والے تو وہی لوگ ہیں جو خود اور ان کے اہل و عیال قیامت کے دن نقصان اٹھائیں گے سنو یہی کھلا ہوا نقصان ہے O ان کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرتے رہو O (الزمر: ۱۶-۱۳)

کفار کے نقصان زدہ ہونے کے متعلق احادیث اور آیات میں باہم ظاہری تعارض کا جواب
الزمر: ۱۳ میں فرمایا ہے: "آپ کہیے: اگر میں نے (بالفرض) اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے O"

اس آیت سے مقصود امت کو اللہ کی نافرمانی سے باز رکھنا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور تمام رسولوں کے قائد اور سب سے افضل ہیں اس کے باوجود جب آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں عذاب کا خطرہ ہے تو عام لوگوں کو اللہ کی نافرمانی کی صورت میں کتنا عذاب کا خطرہ ہوگا نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ معصیت کی صورت میں عذاب کا خطرہ ہے یہ نہیں کہ معصیت کی صورت میں جتنی عذاب ہوگا اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امر و نہی کے لیے آتا ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے امر پر عمل نہیں کیا گیا تو اس سے عذاب کا خطرہ ہے۔

الزمر: ۱۳ میں فرمایا: "آپ کہیے کہ میں صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے O"

الزمر: ۱۱ میں بھی فرمایا تھا: "آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ میں اللہ کی عبادت کروں اسی کی اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے O" اور الزمر: ۱۳ میں بھی فرمایا ہے اور یہ نکرار ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نکرار نہیں ہے کیونکہ الزمر: ۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ آپ کو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور الزمر: ۱۳ میں یہ بتایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کر رہے ہیں۔ نکرار نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ الزمر: ۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ آپ کو اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں حصر اور تخصیص نہیں ہے اور الزمر: ۱۳ میں فرمایا ہے: "اللہ اعبد" "مفعول کو فعل پر مقدم کیا ہے اور اس سے حصر اور تخصیص حاصل ہوتی ہے اور اس کا معنی ہے: میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور ان دونوں آیتوں کے معنی میں واضح فرق ہے اور اب بالکل نکرار نہیں ہے۔

الزمر: ۱۵ میں فرمایا: "پس تم اس کے سوا جس کی عبادت کرتے ہو کرتے رہو۔" اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ مشرکین کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے بلکہ اس سے مراد ان کو زجر و توبخ اور ڈانٹ ڈپٹ اور لعنت ملامت کرنا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو بار بار سمجھائے اور وہ بھگتی نہ مانے تو وہ کہتا ہے: اچھا جو تمہارا دل چاہے کرو۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: آپ کہیے: "بے شک نقصان اٹھانے والے تو وہی لوگ ہیں جو خود اور ان کے اہل و عیال قیامت کے دن نقصان اٹھائیں گے سنو یہی کھلا ہوا نقصان ہے O"

مشرکین کو اور ان کے اہل و عیال کو جو نقصان ہوگا اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:
(۱) مجاہد اور ابن زید نے کہا: ان کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے اور ان کے اہل کا نقصان یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں ان کے اہل و عیال تھے اس طرح دوزخ میں ان کے اہل و عیال ہوں گے۔
(۲) حسن اور قتادہ نے کہا: ان کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ جنت سے محروم ہو گئے اور اہل کا نقصان یہ ہے کہ ان کو جنت میں

حوریں تھیں وہ ان سے محروم ہو گئے۔

(۳) ان کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں گئے اور اہل کائنات ان کے بدلے ایمان لے آئے تو وہ جنت میں ہوں گے اور یہ دوزخ میں ہوں گے۔ (تفسیر جامع ج ۵ ص ۱۱۹ اور التفسیر ج ۵ ص ۱۶۹) آخرت میں کفار کے نقصان کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا نہ دیکھ لے تاکہ وہ زیادہ شکر ادا کرے اور کوئی شخص اس وقت تک دوزخ میں نہیں داخل ہوگا حتیٰ کہ جنت میں اپنا ٹھکانا نہ دیکھ لے اگر وہ (اسلام لا کر) نیک عمل کرتا تو جنت میں داخل ہوتا۔ تاکہ اس کی حسرت زیادہ ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۹ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۵۱ مسند احمد ج ۴ ص ۵۴۰ البیہقی رقم الحدیث: ۲۳۳۰)

امام ابو اعلیٰ اعلیٰ الترمذی ۳۲۷ھ اور امام ابن قیمین بن مسعود البغوی الترمذی ۵۱۶ھ نے اس حدیث کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے جنت میں گھر اور اہل بنائے ہیں۔ پس جو شخص اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا ہے اس کو وہ گھر اور اہل مل جاتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا کفر اور نافرمانی کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیتا ہے اور جنت میں اس کا جو گھر ہوتا ہے وہ مومن کو بہ طور میراث دے دیا جاتا ہے اور یہ اس کا گھلا ہوا نقصان ہے۔ (الکتب والایمان ج ۱ ص ۲۷۷ معالم السنن ج ۳ ص ۸۳ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کفار کے نقصان زدہ ہونے کی عقلی وجوہ

کفار کے نقصان کی عقلی وجوہ یہ ہیں کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات اور عقل عطا کی ہے اور اس کو عقل کے ساتھ اپنے اعضاء پر تصرف کرنے کی قدرت عطا کی ہے تاکہ وہ اس زندگی میں ایمان لائے اور نیک کام کرے اور آخرت میں اس کو اجر و ثواب حاصل ہو پھر جب اس نے اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کی اور نہ اس نے نیک کام کیے تو اس کو کمائی کرنے کے لیے جو پونجی ملی تھی وہ اس نے ضائع کر دی۔

(۲) بعض اوقات انسان اپنی جمع پونجی سے کوئی نفع تو حاصل نہیں کر پاتا لیکن وہ نقصان سے محفوظ رہتا ہے اور آفات و بلیات سے بچا رہتا ہے انسان کا نفع جنت ہے اور اس کا نقصان دوزخ ہے اور یہ کفار نہ صرف یہ کہ جنت سے محروم رہے بلکہ دوزخ کا ایذا صحن بنے اور یہ ان کا گھلا ہوا نقصان ہے۔

(۳) انہوں نے اپنی گمراہی پر چڑھنے کے لیے بہت مشکلات اٹھائیں اور جب سے دنیا بنی ہے انہوں نے اپنے باطل خداؤں کی حمایت میں متعدد جنگیں لڑیں اور ہر جنگ میں یہ قید ہوئے اور مارے گئے اور اب تک یہ اپنے باطل مذہب کی حمایت اور مدافعت میں قید و بند کی مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں اور مر رہے ہیں اور ان کی یہ جسمانی قربانیاں بالکل بے سود اور رائیگاں ہیں اور یہ ان کا گھلا ہوا نقصان ہے۔

(۴) جیسے ہی فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں ان کی اصل پونجی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہتی ہے اور اس کے مقابلہ میں ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔

الزمر: ۱۹ میں فرمایا: "ان کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہوں گے۔"

آگ کے اوپر تلے حصوں کو آگ کے سائبان کہنے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کو تمام اطراف سے گھیر لے گی۔ جس طرح دنیا میں کافر کا احاطہ اس کے کفر اور اس کے بُرے اعمال نے کیا ہوا تھا اسی طرح آخرت میں دوزخ کی آگ اس کا ہر طرف سے احاطہ کر لے گی۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سائے بان تو اوپر ہوتا ہے انسان کے نیچے تو سائبان نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ایک ضد کا اطلاق دوسری ضد پر کیا گیا ہے اور سائے بان سے مراد ہے: آگ یعنی ان کے اوپر بھی آگ ہوگی اور ان کے نیچے بھی آگ ہوگی جیسا کہ دوزخ ذیل آیت میں حسد پر سیدہ کا اطلاق کیا گیا ہے:

جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا (الشوری: ۴۰)

نہائی کا بدلہ اتنی ہی نہائی ہے۔

جب کہ نہائی کا بدلہ تو انصاف اور نیکی ہے لیکن صورتاً مماثل ہونے کی وجہ سے اس کو بھی نہائی فرمایا گیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دوزخ میں پیادہ کے چھکوں کی طرح متعدد طبقات ہیں اور ایک طبقہ دونوں کے لیے جو دوزخ کا فرش ہے وہ اس سے نیچے طبقہ والوں کے لیے سائبان ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نچلا سائبان بھی گرمی جلانے اور لذت پہنچانے میں اوپر والے سائبان کی مثل ہے اس مماثلت اور مشابہت کی بنا پر نیچے والے کو بھی سائبان فرمایا جیسے جرم اور عدل دونوں کو مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے سیدہ فرمایا جب کسی شخص نے کسی بے قصور کو گھونسا مارا تو یہ جرم ہے اور اس کے بدلہ میں مارنے والے کو جو گھونسا مارا وہ عدل ہے لیکن صورتاً دونوں مماثل ہیں اس لیے الشوری: ۴۰ میں دونوں کو سیدہ فرمایا اسی طرح دوزخ کا اوپر والا حصہ اور نچلا حصہ حرارت سوزش اور ایذا میں یکساں ہیں اس لیے دونوں کو سائے بان فرمایا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سایہ تو گرمی سے ٹھنڈک پہنچاتا ہے اور یہ دونوں حصے تو گرم اور سوزاں ہوں گے پھر ان کو سائبان کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سائے بان اس قدر دہخ اور موٹا ہوتا ہے کہ جو شخص اس کے نیچے کھڑا ہو وہ اس کے پار نہیں دیکھ سکتا اسی طرح دوزخ کے ہر طبقہ کا اوپری حصہ اس قدر کثیف اور غلیظ ہوگا کہ اس کے پار کچھ دکھائی نہیں دے گا اس مناسبت سے اس کو سائبان فرمایا۔ دوزخ کے اوپر تلے جو شخص ہوں گے ان کو اسی طرح سائبان فرمایا ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے:

يَوْمَ يُخَذُّهِنَّ لَعْنَةُ اللَّهِ يَوْمَ يَقُولُنَّ يَا وَيْلَتَنَا إِنَّا كُنَّا مِنَ الْغَافِلِينَ (النجم: ۵۵)

جس دن عذاب ان کو ڈھانپ لے گا ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے اور اللہ فرمائے گا: اب اپنے (بُورے) اعمال کا حرا پکھو

لَقَدْ كُنَّا مِنْ جَهَنَّمَ مِثَاقًا وَثِيقًا يُخَذُّ فِيهِ الْقُلُوبُ وَنَا نُنْكِرُ (سج: ۴)

ان کے لیے دوزخ کی آگ کا بستر ہوگا اور ان کے اوپر (اسی آگ کا) اوڑھتا ہوگا اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں

اے میرے بندو! آیا اس کے مخاطب مومن ہیں یا کافر؟

اس کے بعد فرمایا: ”یہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے“ اے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرتے رہو“

(احقر: ۱۶)

اس عذاب سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ڈرایا ہے اور قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے مؤمنوں کو فرماتا ہے تو پھر یہاں کس وجہ سے فرمایا ہے: ”یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے“ اسے میرے بندو! سو تم مجھ سے ڈرتے رہو“ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذاب کافروں کو ہی دیا جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے اپنے مؤمن بندوں کو ڈرایا ہے کہ تم کافروں کے سے کام نہ کرنا، مبادا تم بھی اس عذاب میں گرفتار ہو جاؤ اور مقصود یہ ہے کہ کفار کے عذاب کو بیان کر کے مؤمنوں کو ڈرایا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بہت زیادہ ڈرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اعتقاد کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان ہی کے لیے بشارت ہے، سو آپ میرے بندوں کو بشارت دیجئے O جو غور سے بات سنتے ہیں پھر احسن بات کی پیروی کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر مہارکھا ہے اور یہی عقل والے ہیں O جس کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ اس کو دوزخ سے چھڑالیں گے O لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں ان کے نیچے سے دریا جاری ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O

(الزمر: ۲۰-۱۷)

طاغوت کا معنی اور مصداق

اس آیت میں طاغوت کا لفظ ہے یہ لفظ طغی سے بنا ہے اس کا مصدر طغیان ہے۔
علامہ حسین بن محمد رافع اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے: ”وَإِلَٰهَ كُلِّ قَوْمٍ“ (ذ: ۲۲) فرعون نے سرکشی کی ہے ”وَإِلَٰهَ الْفِرْعَوْنَ يَتْلُو“ (احق: ۲۰) ہے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے۔ طغیان کا معنی ہے: نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا طاغوت مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنے والا اور اس کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جاتا ہے جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے، ساحر کا بن، سرکش جن اور نیک راستہ سے روکنے والے کو طاغوت کہا جاتا ہے اس وزن پر اور بھی مبالغے کے معنی ہیں جیسے جبروت اور ملکوت وغیرہ۔

(المفردات ج ۲ ص ۳۹۷ مکتبہ زوار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۳۸۸ھ)

اس میں ’فما‘ زیادہ مبالغہ کے لیے ہے رحمت کا معنی ہے: رحمت واسعہ اور ملکوت کا معنی ہے: بہت بڑا ملک اور جبروت کا معنی ہے: بہت بڑا جبر۔

علامہ سید محمد رفیع حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ محمد الدین فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے کہا ہے کہ طاغوت کی تفسیر میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ لات اور عزرائیل طاغوت ہیں، مگر دوسرا قول یہ ہے کہ کائنات اور ساحر طاغوت ہیں ابو العالیہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ طاغوت شیطان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ رافع اصفہانی نے کہا ہے کہ سرکش جن طاغوت ہے۔ جو ہری نے کہا ہے کہ گمراہ کرنے والوں کا بھی طاغوت ہے۔ انفس نے کہا: استنام (بت) طاغوت ہیں۔ ز جانے نے کہا: طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے۔ (تاج المعروض ص ۲۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں طاغوت سے مراد شیطان ہے یا بت ہیں اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد شیطان ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار شیطان کی عبادت نہیں کرتے تھے وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ

بتوں کی عبادت کی دعوت شیطان نے دی تھی تو بتوں کی عبادت کرنا اور اصل شیطان ہی کی عبادت کرنا ہے۔ تواریخ میں مذکور ہے کہ بتوں کی عبادت کی اصل یہ ہے کہ وہ لوگ مشتبه تھے ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ نور عظیم ہے اور فرشتوں میں چھونے اور بڑے مختلف انوار ہیں پھر انہوں نے اپنے خیالات کے مطابق ان انوار کے مختلف صورتوں میں مجسمے بنائے وہ ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے اور اپنے اعتقاد میں اللہ کی اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۳۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کا بیان کہ بشارت کس نعمت کی ہے، کون بشارت دے گا، کب دے گا اور کس کو دے گا؟

الجزء ۷: ۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اعتنا کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان ہی کے لیے بشارت ہے" اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلمہ کرنے سے اعتنا کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور تمام معاملات میں اس کی اطاعت کی اور اسی کی عبادت کی ان ہی کے لیے بشارت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت موت کے وقت حاصل ہوتی ہے یا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب بندہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے یا میدانِ محشر میں حاصل ہوتی ہے یا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ایک فریق کو جنت میں جانے کا حکم دیا جاتا ہے اور دوسرے فریق کو دوزخ میں جانے کا حکم دیا جاتا ہے یا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مومنوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس بشارت میں مسلمانوں کو دائمی فوز و فتح اور خوشی اور راحت کی بشارت دی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیتوں میں اس بشارت کا تفصیل سے ذکر ہے:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈنکے مارے ان کے پاس فرشتے یہ کہتے ہوئے آتے ہیں: نہ تم خوف زدہ ہو نہ غمگین ہونا تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہم دنیا میں بھی تمہارے مددگار تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لیے اس جنت میں وہ سب ہو گا جس کی تم خواہش کرو گے اور جس کو تم طلب کرو گے یہ بہت بخشنے والے بے حد مہربان کی طرف سے مہلتی ہے

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا سَتَكُنْ لَكُم مِّنْكَ أَلْفُ مَلَكًا وَلَا تَعْلَمُ أُولَئِكَ إِلَّا الَّذِينَ كَانُوا فِيهَا أُولَئِكَ مُوَحَّدُونَ ۖ ثُمَّ أَذِيقُوا فِي الْجَنَّاتِ وَالْجَنَّةِ فِي الْأُخْرَى ۖ وَكَفَّ قُلُوبَهُمْ عَنْ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ إِنَّ مَوْلَاهُمْ سَمِعُوعٌ ۖ وَسُلَيْمَانُ ۖ وَحُضَيْنُ ۖ ذَلِيلٌ ۚ

(نہ امجدہ ۳۲-۳۱)

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ بشارت دینے والے فرشتے ہیں اور حسب ذیل آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت موت کے وقت حاصل ہوگی یا جنت میں:

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ هَٰؤُلَاءِ عَلَىٰ عَرْشٍ مُّجِيدٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ لَمَّا كَانُوا هَامِلِينَ ۖ هَٰؤُلَاءِ عَلَىٰ عَرْشٍ مُّجِيدٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ لَمَّا كَانُوا هَامِلِينَ ۖ هَٰؤُلَاءِ عَلَىٰ عَرْشٍ مُّجِيدٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ لَمَّا كَانُوا هَامِلِينَ ۖ

(آمل ۳۱)

جن لوگوں کی رو میں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں: تم پر سلام ہو تم جو دنیا میں نیک اعمال کرتے تھے ان کے عوض جنت میں داخل ہو جاؤ

اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت میں بھی بشارت دی جائے گی:

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِعَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً ۖ وَذُكِّرُوا بِالْحَدِيثِ ۖ هَٰؤُلَاءِ عَلَىٰ عَرْشٍ مُّجِيدٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ لَمَّا كَانُوا هَامِلِينَ ۖ

اور جو لوگ اپنے رب کی رضا کی طلب کے لیے صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر خرچ کرتے ہیں اور نہ اپنی کوئی شے دور

ہو

صَلُّوا مِنْ أَلَمِهِمْ وَأَذْذُوا بِهِمْ وَذَرُّوا عَنْهُمْ ذِكْرَ الْغُلُوبِ
عَلَيْكُمْ مِنْ كُلِّ نَبَأٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَدَّقَتْ قُرْآنُكُمْ عَنْهُ

الذَّائِقِ (الرعد: ۲۳)

کرتے ہیں ان ہی کے لیے آخرت کا گھر ہے ○ داغی جنتیں ہیں
جن میں وہ خود داخل ہوں گے اور ان کے آباء اور ان کی ازواج اور
ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں گے اور فرشتے ان کے پاس
جنت کے ہر دروازہ سے یہ کہتے ہوئے آئیں گے ○ تم پر سلام ہو
کیونکہ تم نے صبر کیا پھر آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے ○

الزمر: ۷۵ میں فرمایا ہے: "جن لوگوں نے بتوں کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان ہی کے لیے
بشارت ہے" اور الرعد: ۲۳ میں فرمایا ہے: "یہ بشارت ان کو حاصل ہوگی جو اللہ کی رضا کی طلب کے لیے گناہوں سے اجتناب
اور عبادت کی مشقت پر صبر کریں گے ہمیشہ نماز پڑھیں گے پوشیدہ اور ظاہر صدقہ و خیرات دیں گے اور بُرائی کا بدلہ نیکی سے
دیں گے" اور الزمر میں جو اجمال ہے یہ اس کی تفصیل ہے یعنی الزمر میں جو بتوں سے اجتناب کا ذکر ہے اس سے مراد ہے:
خواہشات نفسانیہ کے بتوں کی اطاعت سے ٹکنا اجتناب کرنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد ہے: تمام احکام شرعیہ پر
عمل کر کے اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کے اس حصہ میں جس بشارت کا ذکر کیا گیا ہے وہ بشارت دینے والے فرشتے ہیں اور وہ جنت کی
داغی نعمتوں کی بشارت دیں گے اور فرشتے یہ بشارت روح قبض کرتے وقت دیں گے اور یہ بشارت مؤمنین کا ملین کو دی جائے
گی جو باطل عقائد اور حرام کاموں سے اجتناب کریں گے اور فرائض واجبات اور سنن پر عمل کریں گے۔

الزمر: ۱۸ میں فرمایا: "جو غور سے بات سنتے ہیں پھر احسن بات کی پیروی کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے
ہدایت پر ہمارا کھانا اور یہی عقل والے ہیں ○"

باب عقائد میں باطل نظریات کو ترک کر کے برحق نظریات کو اپنانا

اس سے مراد وہ بندے ہیں جو بتوں کی عبادت سے اجتناب کرتے ہیں اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ بتوں سے مراد عام ہے
خواہ یہ ظاہری بت ہوں یا باطنی بت ہوں انسان نے باطل اور ناجائز خواہشات اپنے سینہ میں چھپا رکھی ہیں جن کی وہ پرستش کرتا
رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف جن خواہشوں کی اطاعت کرتا ہے وہ بھی طاغوت اور بت ہیں قرآن مجید میں ہے:
أَرَأَيْتَ مِمَّنْ آتَيْنَاهُ اللَّهُ مَكْرَهُ أَفَكَانَتْ ثُلُثُ مَلَكُوتِهِ

○ (الفرقان: ۲۳) رکھائے کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

سو جو شخص عقائد معاملات اور عبادات میں خواہشات نفسانیہ سے اجتناب کرے گا اور عقل اور فہم سے کام لے کر
عقائد صحیح کو اپنائے گا وہ عقائد میں صحیح اور درست نظریہ کو اپنائے گا اور غلط اور باطل نظریہ کو ترک کر دے گا اس کی عقل یہ فیصلہ
کرے گی کہ بغیر کسی موجد کے اس جہان کو خود پیدا شدہ ماننا غلط اور باطل ہے اور صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس جہان کا کوئی موجد ہے
اس جہان کے متعدد موجد ماننا غلط اور باطل ہے اور صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس جہان کا موجد واحد ہے اور اللہ کا کوئی بیٹا یا بیوی ماننا
غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ بیٹے اور بیوی اور ہر حاجت ہر عیب اور ہر نقص سے مجرور اور پاک ہے اور اللہ کو مجبور اور معطل ماننا باطل
ہے وہ قادر ہے اور مختار ہے رسولوں کی بعثت کا انکار کرنا غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ رسولوں کو بھیجے والا ہے۔ اس طرح قیامت
کے رسولوں کی بعثت کا سلسلہ جاری ماننا غلط اور باطل ہے اور صحیح یہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے
اس کا سلسلہ منقطع کر دیا اور آپ پر نبوت کو ختم کر دیا۔

معاملات اور عبادات میں صحیح افعال اور احسن افعال

اور احکام شرعیہ میں بعض افعال صحیح اور حسن ہوتے ہیں اور بعض اعمال احم اور احسن ہوتے ہیں سو جو شخص عقل اور نظر صحیح سے کام لے گا وہ صحیح اور حسن کے مقابلہ میں احم اور احسن پر عمل کرے گا اور اس آیت میں احسن افعال کی اتباع کی تحسین کی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنے مقتول کا قصاص لیا اور قاتل کو قتل کر دیا تو یہ صحیح ہے اور احسن یہ ہے کہ وہ اپنے قاتل کو معاف کر دے اسی طرح بُرائی کے بدلہ میں اتنی ہی بُرائی کرنا صحیح ہے اور بُرا سلوک کرنے والے کو معاف کر دینا اور اس سے جواب میں نیک سلوک کرنا احسن ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا ۚ وَلَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ قَتْلِهِمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيَّ الْبَاقِي ۚ إِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (البقرہ: ۱۷۰)

بُرائی کا بدلہ اتنی ہی بُرائی ہے، پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، بے شک اللہ غافلوں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْقَتْلِ لَنَسْفِكَْنَّ دِمَاجَهُمْ فَكَفَّ عُنُوزَهُمْ فَاسْفِكْ لَهُمْ أَمْ حَاشَ لِلْعَاقِلِينَ (البقرہ: ۲۱۷)

ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی قصاص میں اپنے مقتول کے قاتل کو قتل کر دے تو یہ فعل صحیح ہے اور اگر اس کو معاف کر دے تو یہ فعل احم اور احسن ہے اور سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے مقتول کو معاف فرمادیا۔ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:

سنو! جو شخص بھی زیادتی کرتا ہے وہ اپنے عیّش پر زیادتی کرتا ہے، کوئی شخص اپنی اولاد پر زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی اپنے والد پر زیادتی کرے، سنو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لیے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں ہے، سو اس چیز کے جس کو اس نے خود حلال کر دیا ہو، سنو زمانہ جاہلیت کا ہر سودا ساقط کر دیا گیا ہے۔ تمہیں اپنے اصل زر کو لینے کا حق ہے، نہ تم غلام کرنا اور نہ تم پر غلام کیا جائے گا، ماسوا عباس بن عبدالمطلب کے سود کے وہ سارے کا سارا ساقط کر دیا گیا ہے اور سنو! زمانہ جاہلیت کے ہر خون کو ساقط کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں جس خون کو معاف کرتا ہوں وہ حادث بن عبدالمطلب کا خون ہے، وہ غولیث میں دودھ پیچے تھے ان کو ہڈیل نے قتل کر دیا تھا۔

(سنن الترمذی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۳۷۷، سنن ابوداؤد رحمہ اللہ ج ۲ ص ۳۳۳، سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۸۵، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۷)

اسی طرح جس شخص سے جتنی رقم قرض لی ہے اس کو اتنی ہی رقم واپس کرنا صحیح اور حسن فعل ہے اور اس سے زیادہ رقم واپس کرنا احسن فعل ہے۔ بشرطیکہ وہ زیادتی پہلے سے شرط نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معین عمر کا اونٹ قرض دیا تھا وہ آپ کے پاس اپنے اونٹ کا تقاضا کرنے آیا، آپ نے صحابہ سے فرمایا: اس کو اونٹ ادا کر دو، صحابہ نے اس اونٹ کی عمر کا اونٹ تلاش کیا تو وہ نہیں ملا، البتہ اس سے افضل اونٹ تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو وہی اونٹ دے دو، اس قرض خواہ نے کہا: آپ نے مجھے پورا پورا قرض دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو پورا پورا اجر دے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کیا کریں۔

(صحیح البخاری رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۹۳، سنن الترمذی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۲۲، سنن ابی داؤد رحمہ اللہ ج ۱ ص ۳۷۷، سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۴۲۷)

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز خریدے اور بعد میں اس کی قیمت ادا کر دے تو یہ صحیح فعل ہے اور اگر بعد میں اس کو

قیامت بھی دے دے اور وہ چیز بھی دے دے تو یہ احسن فعل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا میرا اونٹ بہت دیر لگا رہا تھا اور مجھ کو تھکا رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ کے پاس آئے اور فرمایا: جابر! میں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: کیا ہوا؟ میں نے کہا: میرا اونٹ بہت ست چل رہا ہے اور مجھے تھکا رہا ہے سو میں سب سے پیچھے رہ گیا ہوں! آپ نے اس کو اس کو ایک ڈھال سے مارا اور فرمایا: اب اس پر سوار ہو! میں اس پر سوار ہوا پھر وہ اس قدر تیز چل رہا تھا کہ میں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے یہ مشکل روک رہا تھا! آپ نے پوچھا: تم نے شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کنواری سے یا بیوہ سے؟ میں نے کہا: بیوہ سے آپ نے فرمایا: تم نے کنواری سے شادی کیوں نہ کی؟ تم اس سے دل لگی کرتے وہ تم سے دل لگی کرتی؟ میں نے عرض کیا: میری چند بیٹنیں ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں ایسی عورت سے شادی کروں جو ان کی تربیت اور اصلاح کرے ان کی کچھ بھی چوٹی کرے ان کو ادب سکھائے آپ نے فرمایا: اب تم گھر جا رہے ہو جب گھر میں داخل ہو تو بہت احتیاط سے کام لینا پھر آپ نے فرمایا: کیا تم یہ اونٹ فروخت کرو گے؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے مجھ سے وہ اونٹ ایک اوقیہ (۱/۲۰) دلوں سونا یا چاندی درہم آج کل کا تقریباً ایک ہزار روپیہ) میں خرید لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور میں صبح کو پہنچا ہم مسجد میں گئے تو آپ مسجد کے دروازے پر تھے آپ نے فرمایا: تم آئے ہو میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اچھا تم اپنا اونٹ چھوڑ دو اور مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھو! میں نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھی پھر آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اوقیہ وزن کر کے دو حضرت بلال نے میزان میں وزن کیا اور پلڑا اچھٹکا ہوا رکھا۔ میں چلا گیا حتیٰ کہ میں نے پیٹھ پیچھری! آپ نے فرمایا: جابر کو بلاؤ! میں نے دل میں سوچا کہ اب آپ مجھے اونٹ واپس کر دیں گے اور مجھے یہ بات سخت نا پسند تھی کہ یہ بیخروج ہو جائے! آپ نے فرمایا: اپنا اونٹ لے جاؤ اور یہ قیمت بھی تمہاری ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۹۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۷۷ سنن اصفہانی رقم الحدیث: ۲۵۷۸ جامع المسانید والسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۷۱)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو خریدنا ہے کہ بیچنے والے کو چیز کی قیمت بھی دے دی اور وہ چیز بھی دے دی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ساتھ زیادتی کی جائے اور اس سے اتنا ہی بدلہ لے لیا جائے تو یہ صحیح فعل ہے اور احسن فعل یہ ہے کہ اس کو معاف کر دیا جائے اور احسن فعل یہ ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کی جائے اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا جائے اور قرآن مجید نے ہمیں احسن فعل کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے اور اس نوع کے احسن افعال کی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہت مثالیں ہیں۔

عبداللہ بن ابی نے ایک دن آپ سے کہا: اپنی سواری ایک طرف کریں! اس سے بدبو آتی ہے وہ جنگ احد میں عین لڑائی کے وقت اپنے تین سوساھیوں سمیت لشکر سے نکل گیا! اس نے ایک دن کہا: مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے عزت والوں سے مراد اس کی اپنی ذات تھی اور ذلت والوں سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تھے! اس نے آپ کے حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حلق خنٹ ٹاپا کہ تہمت لگائی لیکن جب یہ مرنے لگا اور اس نے اپنے کفن کے لیے آپ کی قمیص مانگی اور نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے اس کو اپنی قمیص عطا کر دی اور حضرت عمر کے روکنے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

امام ابن جریر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کے اس حسن خلق کو دیکھ کر اس کی قوم کے ایک بزرگ آدمی اسلام لے

آئے۔ (جو اب یوں ہی اس میں اور تفسیر و تفسیر کے ساتھ)

یوسفین نے متعدد بار مدینہ پہ چلے گئے اہل کی جہی بھرنے آپ کے محبوب ام کرم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کا ہاتھوں سے چپاؤں گے کہ جب آپ ان سے انتقام لینے پر پہلی طرح کاہر تھے آپ نے ان دونوں کو صاف فرما دیا یوسفین کو یہ عزت بخشی۔ جو اس کے سر میں داخل ہوگا اس کو ملن ہوگی۔

(اکمال فی التفسیر ج ۱ ص ۱۷۷ اور منتخب عربیہ ص ۱۷۷)

ہجرت کی شب رات بنی مکہ نے سولہ ہفتوں کے انعام کے لالچی میں آپ کا تعاقب کیا اس کی گمراہی کے دونوں اہل حق زمین میں جنس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس کو نجات ملی اس نے صفائی چاہی تو آپ نے اس کو صاف کر دیا اس کے پتے کے ٹکڑے پر اس کو ملن کھڑے ہوئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۷)

عیسٰی بن وہب آپ کو ملن کرنے کے ارادہ سے زیر میں بھی ہوئی کھوار لے کر مدینہ آیا آپ نے نور نبوت سے جان لی کہ آپ کو ملن کرنے کے ارادہ سے آیا ہے آپ نے اس کو یہ بتایا تو وہ خوف سے لڑنے لگا آپ نے اس کو صاف کر دیا۔ حضرت عمر نے اس کو ملن کرتے چاہا آپ نے ان کو منع کیا۔ عیسٰی آپ کی دہی ہوئی غیب کی خبر سے حائر ہو کر مسلمان ہو گیا آپ نے اس کی مدافعت سے اس کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ (مسیرت امامین ج ۱ ص ۱۷۷)

قرآن مجید میں ہے: "جو غور سے بات کو سمجھتے ہیں اور احسن بات کی اتباع کرتے ہیں۔" (الزمر: ۱۸) سو اگر ہم نے احسن انصاف کی اتباع کرتی ہے تو وہ احسن انصاف صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہیں انسان کی حیات کے ہر شعبہ کے لیے آپ کی زندگی میں احسن انصاف ہیں ان کو تلاش کیجئے اور ان ہی کی اتباع کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس کے حقیقی مذہب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ اس کو دوزخ سے چھڑائیں گے؟ O لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں ان کے لیے دروازے ہیں جن میں اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا O کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے بادل نازل فرماتا ہے پھر اس سے زمین میں جیسے جانی رہتا ہے پھر اس سے خشک قسم کی فصل اگاتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ فصل پک کر زمین پر پڑ جاتی ہے پھر وہ اس کو چھرا چھرا کر دیتا ہے بے شک اس میں حیل والوں کے لیے ضرورت فیکٹ ہے O (الزمر: ۱۷-۱۸)

گناہ کبیرہ کے مرتکبین کی شفاعت پر ایک اعتراض کا جواب

الزمر: ۱۷ میں فرمایا ہے: "جس کے حقیقی مذہب کا فیصلہ ہو چکا ہے کیا آپ اس کو دوزخ سے چھڑائیں گے؟ O" مگر اللہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ کی شفاعت جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کفار کے حقیقی فرمایا ہے: "کیا آپ ان کو مذہب سے چھڑائیں گے؟" اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس سے پہلے طاعت کی عبادت کرنے والوں کا ذکر فرمایا تھا اور طاعت کی عبادت کرنے والے کفار اور شرکین ہیں اور کفار اور شرکین کے حقیقی اللہ تعالیٰ خبر دے چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونُ ذَلِكَ

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کر جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

لِيَعْنِيَنَّ (احزاب: ۳۹)

اور اگر اللہ تعالیٰ کفار اور شرکین کو بخش دے تو خود اس کے قول کے خلاف ہوگا اور اس سے اس کے کلام میں کذب ہوگا جس میں اذہم آئے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں اور محال تحت قدرت نہیں ہوتا اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت ان کے لیے

ہوتی ہے جن کی مغفرت ممکن ہو اور وہ مؤمنین ہیں جن سے کبیرہ گناہ سرزد ہو گئے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے النساء: ۴۸ میں خود فرمایا ہے کہ وہ شرک سے کم گناہ کو اس کے لیے بخش دے گا جس کے لیے چاہے گا اور گناہ کبیرہ شرک سے کم درجہ کا گناہ ہے سو اس کی مغفرت ممکن ہے اور تحت قدرت ہے اور جس کی مغفرت ممکن ہو اس کے لیے انبیاء علیہم السلام کی شفاعت بھی ممکن ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ الزمر: ۱۹ میں مرعبین کیا نہ کا ذکر ہے یعنی گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کبیرہ گناہ شرک سے کم ہے اور اللہ تعالیٰ النساء: ۴۸ میں فرمایا چکا ہے کہ شرک سے کم گناہ کرنے والوں میں سے جن کو وہ چاہے بخش دے گا خواہ انہوں نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو اور خواہ ان کی شفاعت کی جائے یا نہیں بلکہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض مرعبین کبیرہ کو شفاعت کے بغیر محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبیرہ گناہ کرنے والے مؤمنوں کی بخشش کی تین صورتیں ہیں: اللہ تعالیٰ ان گناہ گاروں کو ان کی توبہ سے بخش دے بغیر توبہ کے ان کو انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے بخش دے اور یا توبہ اور شفاعت کے بغیر ان کو محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے۔

الزمر: ۲۰ میں فرمایا: ”لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں ان کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں ان کے نیچے سے دریا جاری ہیں یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا“

جنت کے بالا خانے

اس آیت میں ان لوگوں پر انعام و اکرام کا بیان ہے جنہوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا انہوں نے شرک کیا نہ گناہ کبیرہ یا صغیرہ کیا۔ وہ ظاہری باتوں کی عبادت سے بھی بچتے رہے اور باطنی بت یعنی نفس انارہ کی اطاعت اور عبادت سے بھی بچتے رہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنے نفس کی خواہشوں پر عمل نہیں کیا ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے لیے جنت میں بالا خانے بنے ہوئے ہیں اور ان بالا خانوں کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں اس سے پہلی آیت الزمر: ۱۶ میں فرمایا تھا کہ کفار بے لے ووزخ میں آگ کے سائبان ہیں اور ان کے اوپر اور آگ کے سائبان ہیں اور یہ اس لیے فرمایا تھا کہ ان کو ان کے اوپر اور نیچے ہر طرف سے زیادہ سے زیادہ آگ کا عذاب پہنچتا رہے اور جنت میں جو بالا خانے اوپر ہوں گے اور جو نیچے ہوں گے وہ اہل جنت کو زیادہ سے زیادہ نعمتیں اور راحتیں پہنچانے کے لیے ہوں گے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ بالا خانے تو اوپر بنے ہوئے ہوتے ہیں تو جو عمارت ان کے نیچے بنی ہوگی اس پر بالا خانے کا اطلاق کس طرح درست ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عمارت چلی منزل کے اہل جنت کے اعتبار سے بالا خانہ ہوگی۔

جنت کے بالا خانوں کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت اپنے اوپر بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح مشرق یا مغرب سے آسمان کے اوپر چمکتے ہوئے ستارہ کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل جنت کے درجات اور مراتب میں فرق ہوگا صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ (بالا خانے) انبیاء علیہم السلام کی منازل ہیں جن تک ان کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچے گا آپ نے فرمایا: کیوں نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے ان میں وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۲۵۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۸۳۲، صحیح ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۰۹، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۲۸۳۳، مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۳۲۶۳، جامع الترمذی، سنن عبد اللہ بن مسعود، رقم الحدیث: ۶۰۰)

وعدہ اور وعید کا فرق

اس کے بعد فرمایا: ”یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔“

اللہ تعالیٰ نے تو یہ کرنے والوں سے مسفرت کا وعدہ کیا ہے اور اطاعت کرنے والوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور جو اس کے دیر کے مشتاق ہیں اور محبت صادق ہیں ان سے اپنے قرب اپنی رضا اور اپنے دیر کا وعدہ فرمایا ہے۔

وعدہ اور وعید میں فرق ہے انعام و آرام کی خبر دینے کو وعدہ کہا جاتا ہے اور سزا کی خبر دینے کو وعید کہا جاتا ہے وعدہ کے خلاف سزا نہیں ہے اور یہ اللہ کے لیے جائز نہیں ہے اور وعید کے خلاف کرم ہے اور یہ اللہ کے لیے جائز ہے اشاعرہ کہتے ہیں: جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے سزا کی خبر دی ہے اگر وہ اس کے خلاف کرے اور سزا نہ دے تو یہ اس کا کرم ہے اور یہ جائز ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خبر کے خلاف نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ خبر کاذب تھی اور کذب اللہ تعالیٰ پر محال ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے عیب وعید جائز نہیں ہے اشاعرہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں: کافروں کی سزا کی جو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ تھی اور لازمی ہے اور مژدگار مسلمانوں کے عذاب کی جو خبر دی ہے وہ تھی نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر میں چاہوں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تَوْبَتِ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ

نہ نمازیوں کے لیے عذاب ہو گا جو اپنی نمازوں سے

سَاهَوْنَ (معرن ۵۰)

اس جگہ یہ شرط ملحوظ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو عذاب ہو گا ورنہ نہیں ہو گا اگر اللہ ان کو معاف نہ کرے تو ان کو عذاب ہو گا ورنہ نہیں ہو گا اور اس شرط کے ملحوظ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بہت آیات میں اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کو بخشے اور معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے مثلاً فرمایا:

اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُغْفِرُ الذُّنُوبَ كُلَّهَا (الزمر ۵۳)

پس جن آیات میں گنہگار مسلمانوں کے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے وہاں اگر یہ شرط ملحوظ نہ رکھی جائے تو مسفرت کی آیات کے خلاف ہو گا اس آیت کی زیادہ تحقیق ہم نے آل عمران ۹۰ میں کی ہے دیکھئے تبيان القرآن ج ۲ ص ۶۹-۶۸۔

الزمر ۲۱ میں فرمایا: ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے بادل نازل فرماتا ہے پھر اس سے زمین میں خشے جاری کرتا ہے۔ پھر اس سے غلظت قسم کی فصل اگاتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ فصل پٹ کر کزور ہو جاتی ہے پھر وہ اس کو چرچرا کر دیتا ہے۔“

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ”ہسنا یح“ کا لفظ ہے اس کا واحد ہسوع ہے اس کا معنی ہے: چشمہ زمین کے دوسو تے جن سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے اس کا معنی چھوٹی اور پھر پر نہر بھی ہے۔ یح اور ہسوع کا معنی ہے: کنوئیں یا چشمہ سے پانی پھوٹ کر نکلتا۔

اور اس میں ”یہیج“ کا لفظ ہے اس کا مصدر ہیج ہے اس کا معنی ہے: سوکھ جانا خشک ہو جانا۔ ہيوم ہیج کا معنی ہے: لڑائی یا دشمنی کا دن نہال جہ اس زمین کو کہتے ہیں جس کی حواس سوکھ گئی ہو صحیبا کا معنی ہے: لڑائی میں حیا کا معنی ہے: برا چھپنے سے نہال جہ اس کا معنی ہے: ہوا کا حواس کو خشک کر دینا۔

اور اس آیت میں ”حطما“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: ریز و ریز و چرچرا ہونا یہ لفظ طم سے بنا ہے اس کا معنی ہے: توڑنا۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے حال کو زمین کی پیداوار کے حال پر قیاس کرے

اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ آسمان سے (یعنی بادلوں سے) پانی نازل فرماتا ہے اور اس پانی کو زمین کے مختلف حصوں میں پہنچا دیتا ہے یہ پانی زمین کے اندر نفوذ کر جاتا ہے پھر کسی جگہ زمین کو چھاڑ کر نکل آتا ہے اور چشمہ کی صورت میں بہنے لگتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پانی کے ذریعے مختلف رنگوں کی فصلیں پیدا فرماتا ہے۔ بعض بزر ہو جاتی ہیں اور بعض میں سرخ پھول ہوتے ہیں۔ بعض میں زرد اور بعض میں سفید اور ان سے گندم، جو، چنا، چاول، کپاس اور سرسوں وغیرہ پیدا فرماتا ہے پھر ایک وقت آتا ہے کہ یہ فصلیں پک جاتی ہیں پھر پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔

زمین کی اس پیداوار کا انسان مشاہدہ کرتا رہتا ہے کہ کس طرح بیج سے ایک نئی سی کھجلی نکلتی ہے پھر وہ سرسبز پودا بن جاتا ہے پھر اس میں پھول نکلتے ہیں پھر اس میں غلہ پک جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اسی طرح انسان نفقہ سے علقہ اور مضغہ بنتا ہے (یعنی جما ہوا خون اور گوشت کا ٹکڑا) پھر اللہ اس گوشت میں ہڈیاں پہناتا ہے پھر اس میں رونا ڈال دی جاتی ہے پیٹ میں اس بچہ کو جنمین کہتے ہیں پیٹ سے باہر نکل آئے تو ولید کہتے ہیں دودھ پیتا ہو تو رضع کہتے ہیں ٹھوس غذا کھانے لگے تو تغیم کہتے ہیں کھیلنے کو نہ لگے تو مصی کہتے ہیں آٹھ نو سال کو بچہ جاسے تو غلام کہتے ہیں قریب پہ بلوغ ہو تو مراہق کہتے ہیں پھر بالغ کہتے ہیں نو جوان کو فانی اور شاب کہتے ہیں جوان کو رمل کہتے ہیں اوجیز عمر کو بچپنہ تو کھول کہتے ہیں۔ چالیس سال کی عمر کو بچپنہ تو شی کہتے ہیں اور ساٹھ سال کے بعد پھر شی فانی کہا جاتا ہے اور جب عمر طبعی پوری کر لے اور مر جائے تو میت کہتے ہیں۔

سو جس طرح زمین کی پیداوار وقت و نقد سے خیر ہوتی رہتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ مردہ ہو جاتی ہے یہی انسان کا حال ہے وہ بھی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف خیر ہوتا رہتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ مر جاتا ہے سو جس طرح یہ زمین اور اس کی پیداوار فانی ہے اسی طرح انسان بھی فانی ہے یہی انسان کو چاہیے کہ وہ اس فانی دنیا سے دل نہ لگائے ورنہ وہ بھی دنیا کے گمراہ اثر جائے گا اس کو چاہیے کہ وہ اس ذات کے ساتھ دل نہ لگائے جو جاتی ہے تاکہ وہ بھی باقی رہے۔

اَفَمِنْ شَرِّهِ اللّٰهُ صَدْرَةَ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهِ طَوِيْلٌ

پس کیا جس شخص کا سید اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا سو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر قائم ہو (وہ اس شخص کی طرح

لِلْقَسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ اللّٰهُ

ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ نے کمرائی کی مگر ان کی ہر لگا دی ہو) پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے

نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشٰبِهًا مَّا كُنٰنِيْ تَقْشَعْرُوْنَ ۝۱۱ جُلُوْدُ

نخت ہو گئے ہیں نہی ملی ہوئی کم مائی میں ہیں ۱۰ اللہ نے بہترین حکم کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلٰكِيْنَ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط

اس سے ان کے جسموں کے مختلف ٹکڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے

جلودہم

ذٰلِكَ هُدٰى اللّٰهُ يَهْدٰى بِهٖ مَن يَّشَآءُ ۖ وَكَفٰنٌ يُضِلُّ اللّٰهُ فَمَا لَهُ

لے نرم ہو جاتے ہیں یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ کم رہی پر چھوڑ

مِنْ هَآدٍ ۚ اَفَمَن يَتَّبِعِ بَوٰجِحَهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَقِيلَ

وہ اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے ۚ کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرتا ہے (اس شخص کی طرح

لِّلظٰلِمِيْنَ ذُوْ قُوٰا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۚ كَذٰبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاتَهُمْ

ہو سکتا ہے جو بے خوفی سے جنت میں داخل ہوا اور ظالموں سے کہا جائے گا اب تم ان کا سوا کچھ جو تم دنیا میں کرتے تھے ۚ

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۚ فَاِذَا ذُكِّرْتُمْ اللّٰهُ الْخٰزِيْ فِي الْحَيٰوةِ

ان سے پہلے لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا ۚ پھر اللہ نے ان کو دنیا کی

الدُّنْيَا ۚ وَالْعَذَابُ الْاٰخِرَةُ الْكَبِيْرُ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۚ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا

دنیا کی میں رسولی کا حشر اٹھایا اور آخرت کا عذاب ضرور تم پر عذابوں سے بڑا سے کاش راہو جانتے ۚ بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر

لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۚ قُرْاٰنًا

قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۚ ہم نے انہیں عربی زبان میں قرآن عطا فرمایا جس میں

عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عَوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۚ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ

کوئی کمی نہیں ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈریں ۚ اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں

شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِيْنَ مَثَلًا

اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے؟ تمام قرآن میں اللہ ہی کے لیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۚ اِنَّكَ فِیْٓتٍ وَّاَنَّهُمْ مَّقِیْتُوْنَ ۚ

ہیں بلکہ ان (شریکین) میں سے اکثر نہیں جانتے ۚ بے شک آپ پر موت آئی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں ۚ

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۚ

پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے ۚ

وَقَدْ لَاحِظٌ

۱۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس کیا جس شخص کا سیدہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (ہدایت) پر قائم ہو (وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے دل پر اللہ نے گم راہی کی مہر لگا دی ہو؟) پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے سخت ہو گئے ہیں وہی کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں O اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے اس سے ان کے جسموں کے روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گم راہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O (نور ۲۳-۲۴)

انسان کے دل میں اللہ کے نور کا معیار اور اس کی علامتیں

اسلام کے لیے سیدہ کھولنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے احکام قبول کرنے کی اس کے دل میں مکمل استعداد پیدا کر دی ہو اور جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اس میں وہ فطرت صحیح اور سالم موجود ہو اور اس کی غلط روش کی وجہ سے وہ فطرت ضائع نہ ہوئی ہو۔ نیز فرمایا: "وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر قائم ہو" اس نور سے مراد یہ ہے کہ اس باہر کی کائنات میں اور انسان کے اپنے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اپنی توحید اور اپنی قدرت پر جو نشانیاں رکھی ہیں وہ ان نشانوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کی امنگ اور جذبہ پیدا ہو اور جب اس کا یہ نور قوی ہو جاتا ہے تو وہ دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور اس کی گفتگو سننے والوں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کا ذوق اور شوق پیدا ہو جاتا ہے لوگ اگر کسی کا سرخ و سفید چہرہ دیکھیں تو کہتے ہیں کہ فلاں کا بڑا نورانی چہرہ ہے یہ نور کا معیار نہیں ہے۔ نور کا معیار یہ ہے کہ جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے جس کی باتیں سن کر دل میں رقت پیدا ہو جس کی سیرت و کردار دیکھ کر انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اس کی عبادت کا داعیہ پیدا ہو تو اس شخص میں اللہ کا نور ہے۔

ایک اور معیار یہ ہے کہ فطرت کا مومن کے ارتکاب اور گناہوں کی کثرت سے انسان کے چہرے پر پھنکار برسنے لگتی ہے اس کا چہرہ خرافت ہو جاتا ہے اور جو گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور نیک کام ہے کثرت کرتا ہو اس کے چہرے سے سادگی اور بھلپن ظاہر ہوتا ہے اور اس کا چہرہ باروق ہوتا ہے اور یہ نور کے آثار میں سے ایک اثر ہے لیکن اصل نورانیت یہی ہے کہ اس پر عبادت اور خوف خدا کا غلبہ ہو وہ یاد الہی سے غافل کرنے والے کاموں سے بچتا ہو ہنستام ہو اور روتا زیادہ ہو اس کی مجلس میں بیٹھنے اور چلنے نہ ہوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہوں ایسے شخص کا نور دوسروں کے دلوں کو بھی یاد خدا سے روشن کرتا ہے وہ جس قدر عبادت و ریاضت میں قوی ہو گا اس کا نور اس قدر قوی ہو گا عام مومنوں کے دل کا نور چراغ کی طرح ہے اولیاء اللہ کا نور ستاروں کی طرح ہے صحابہ کا نور چاند کی طرح ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سورج کی طرح بلکہ سورج سے بھی زیادہ قوی ہے اس نور کا فیضان نبیوں اور رسولوں پر ہے ولیوں پر ہے عام مسلمانوں پر ہے اور ہر صاحب ہدایت کو اسی نور سے ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی:

”اَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ رَحْمَةً فَذَرِكُنَّ لِيْ اَسْلَامًا ثُمَّ عَلَيَّ تَوْبَتِيْ“ (نور ۲۴) ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! بندہ کا شرع صدر کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب بندہ کے دل میں نور داخل ہوتا ہے تو اس کا شرع صدر ہو جاتا ہے ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دارالقد (آخرت) کی طرف رجوع کرتا ہے اور دارالغرور (دنیا) سے بھاگتا ہے اور صوم

آنے سے پہلے موت کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔

(المہرک ج ۱ ص ۱۷۱ شعبہ ایمان رقم الحدیث: ۵۳۳۱-۱۰۵۳۱ معالم القبول رقم الحدیث: ۱۸۱۷۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اوصاف ذکر فرمائے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس شخص میں یہ تین اوصاف ہوں گے اس کا ایمان کامل ہوگا۔ کیونکہ دارالخلد اور آخرت کی طرف رجوع وہی شخص کرتا ہے جو نیک کام کرتا ہے کیونکہ نیک کاموں کی جزاء دارالخلد اور جنت ہے اور جب دنیا کی حرص کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو وہ دنیا کی صرف اتنی چیزوں پر کفایت اور قناعت کرتا ہے جو اس کی رفق حیات قائم کرنے کے لیے ضروری ہوں لہذا وہ دنیا سے دور بھاگتا ہے اور جب اس کا تقویٰ مکمل اور مستحکم ہو جاتا ہے تو وہ ہر چیز میں احتیاط کرتا ہے اور جن چیزوں میں عدم جواز کا شک بھی ہو ان کے قریب نہیں جاتا اور یہی موت سے پہلے موت کی تیاری ہے اور یہ اس کے شرح صدر کی ظاہری علامت ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کو موت کی فکر ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ دنیا و صحرے کا گھر ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس وقت آتی ہے جب اس کے دل میں نور داخل ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ”پس ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جن کے دل اللہ کو یاد کرنے کے بجائے سخت ہو گئے ہیں“ وہی گم راہی میں ہیں۔

دل کی سختی کے اسباب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ خطرناک چیز وہ ہے جس کا مجھے اپنی امت پر خطرہ ہے۔ (۱) پیٹ کا بڑا ہونا (۲) ہمیشہ سوتے رہنا (۳) سستی (۴) اور یقین کا کم زور ہونا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۷۳۳۴)

بڑے پیٹ سے مراد یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں زیادہ منہمک رہتا ہو اور کھانے پینے کا لازمی نتیجہ قضاء حاجت ہے۔ تو جب انسان کا طمع نظر قضاء حاجت نہیں ہوتا تو جو اس کا لازمی سبب ہے یعنی کھانا چننا وہ بھی اس کا طمع نظر نہیں ہونا چاہیے۔ سو جو شخص اپنے تہلی کی پیٹ سے زیادہ کھاتا ہے اور لذت کھانوں کی تلاش میں رہتا ہے اور جو رزق میسر ہو اس پر قناعت نہیں کرتا تو یہ وہی چیز ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر خطرہ تھا اور جو آدمی ہمیشہ سوتا رہتا ہے تو وہ ان حقوق کو ضائع کر دیتا ہے جو شریعت میں اس سے مطلوب ہیں اور وہ اپنے رب کے غضب و کدورت دیتا ہے اور اس سے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور سستی اور کمالی کی وجہ سے انسان اہم امور کو انجام دینے سے قاصر رہتا ہے اور پر مشقت عبادات اور نیک کاموں کے کرنے سے گھبراتا ہے اور فرائض اور نوافل ادا نہیں کر پاتا اس کا شمر یہ ہے کہ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور اس کی عقل تاریک ہو جاتی ہے حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے محصلتیں ایسی ہیں جو دل کو سخت کرتی ہیں: کھانے پینے کی محبت، سونے کی محبت اور راحت کی محبت۔ (دہلی)

اسی وجہ سے سلف صالحین جاگ کر راتیں عبادت میں گزارتے تھے اور نیند اور آرام کو ترک کر دیتے تھے حتیٰ کہ ان کے سر سو جاتے تھے اور چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا اور یقین کے کمزور ہونے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیوں اور ہمیش و آرام میں منہمک رہنے کی وجہ سے اس کے دل میں نور داخل نہ ہو سکے اور بندہ کا جس قدر یقین پختہ ہوتا ہے اسی قدر اس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام چونکہ ہر وقت آخرت کے امور پر غور کرتے رہتے تھے اس وجہ سے ان کا ایمان بہت پختہ اور

الزمر ۲۳: میں فرمایا: ”اللہ نے بہترین کلام کو نازل کیا جس کے مضامین ایک جیسے ہیں بار بار دہرائے ہوئے۔“

قرآن مجید کے مضامین فصاحت اور بلاغت میں ایک جیسے ہیں اور حسن اسلوب اور حکمت میں ایک جیسے ہیں اور اس کی آیات باہم ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں کے اس بات میں مشابہ ہے کہ اس میں بھی احکام شرعیہ ہیں، گزشتہ اقوام کے واقعات ہیں اور غیب کی خبریں ہیں۔

نیز فرمایا: ”اس کے مضامین بار بار دہرائے ہوئے ہیں“ مثلاً احکام شرعیہ کو بار بار دہرایا گیا ہے ”خصوصاً نماز اور ذکر کو“ کے حکم کو ”آسمانوں اور زمینوں کے احوال کو بار بار دہرایا گیا ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال کیا گیا ہے“ اسی طرح جنت اور دوزخ ”لوح اور قلم“ ملائکہ اور شیائین ”عرش اور کرسی“ وعد اور وعید“ امید اور خوف کے مضامین کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ”اس سے ان کے جسموں کے روٹکنے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں“ پھر ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔“

قرآن مجید سن کر جن کے خوف خدا سے روٹکنے کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے لیے بشارتیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ کے نیک بندے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں جب وہ قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں تو ان پر خوف اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے ان کا جسم لرزنے لگتا ہے اور خوف کے غلبہ سے ان کے جسم کے روٹکنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ خوف خدا سے جسم کے روٹکنے کھڑے ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا سبب ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب خوف خدا سے کسی بندہ کے جسم کے روٹکنے کھڑے ہوتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح بھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے بوسیدہ پتے جھڑتے ہیں۔

(مسند ابی ہریرہ رحمہ اللہ ج ۵: ۸۳۷ شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۰۳-۸۰۴)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ گاؤہ دور سے ہوا چلی تو اس درخت کے بوسیدہ پتے گر گئے اور سرسبز پتے قائم رہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس درخت کی کیا مثال ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے آپ نے فرمایا: یہ درخت مومن کی مثال ہے جب خوف خدا سے اس کے جسم کے روٹکنے کھڑے ہوتے ہیں تو اس کے گناہ ساقل ہو جاتے ہیں اور نیکیاں باقی رہ جاتی ہیں۔ (مسند ابی ہریرہ رحمہ اللہ ج ۵: ۳۲۰۳)

قرآن مجید سن کر اظہار وجود کرنے والوں کے متعلق صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کی آراء

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ قرآن سن کر اظہار وجود کرنے والوں کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بتایا کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا تھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے اور ان کے جسم کے روٹکنے کھڑے ہو جاتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت بیان فرمائی ہے ”حضرت اسماء کو بتایا گیا کہ آج کل ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ان میں کوئی شخص بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے“ حضرت اسماء نے کہا: اَعَصِدُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ

اور سعید بن عبد الرحمن الحنفی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس اہل قرآن میں سے ایک شخص گزرا اور گریہ کیا، حضرت ابن عمر نے پوچھا: اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: جب اس کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور یہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو گرجاتا ہے، حضرت ابن عمر نے فرمایا: ہم بھی اللہ سے ڈرتے ہیں لیکن ہم تو نہیں گرتے، پھر آپ نے فرمایا: ان میں سے کسی ایک کے پیٹ میں شیطان داخل ہو جاتا ہے، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا یہ طریقہ نہیں تھا۔

عمر بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں کہ محمد بن سیرین کے نزدیک ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو وہ بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں تو انہوں نے کہا: وہ ہمارے سامنے محبت کے اوپر پڑ گئے، ان کا کرہ نہیں پھر ان کے سامنے اقل سے لے کر آٹھ قرآن پڑھا جائے پھر اگر انہوں نے اپنے آپ کو محبت سے گرا دیا تو ہم ان میں سے ہیں۔

ابو عمران الجونی نے بتایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو وحی کیا تو ایک آدمی نے اپنی قمیص بھاڑ لی، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اس قمیص والے سے کہیے کہ میں ان ڈرنے والوں کو پسند نہیں کرتا جو مجھے اپنا دل کھول کر دکھاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۳۲ رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۵)

قرآن مجید سننے سے رقت طاری ہونے کی فضیلت اور مسترخ آواز اور سازوں کے ساتھ اشعار سن کر اظہار وجد کرنے کی مذمت

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

نیک اور متقی لوگ جب قرآن مجید سننے ہیں تو اس میں وعدہ اور وعید اور تحریف اور تہدید کی آیات پر جب غور کرتے ہیں تو ڈر اور خوف کے غلبہ سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے جسم اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید رکھتے ہیں اور ان کی یہ صفت فطاری صفات کی حسب ذیل وجہ سے مخالف ہے:

(۱) یہ اہل قرآن مجید کی آیات سن کر خوف خدا سے لرزتے ہیں اور یہ غبار خوش بگونی اور سازوں کے ساتھ اشعار سن کر جمو جتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔

(۲) جب متقین کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کے معانی سمجھ کر ڈرتے ہیں اور خوف خدا سے روتے ہیں اور ادب کے ساتھ تہجد میں گر جاتے ہیں جیسا کہ ان آیات میں ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحِلَّتْ عَلَيْهِمْ سَاجِدَةٌ إِذَا تَلَّيْتُ عَلَيْهِمْ يُسَلِّوْنَ عَلَيْهِمْ بِمَا كَانُوا عَلَىٰ سَبِيلِهِمْ يَتَذَكَّرُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

(الاحزاب: ۵۰)

(کامل) مؤمنین تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جائے تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ صرف اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں وہ لوگ نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو چیزیں ان کو دی ہیں ان میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ برحق ہیں، ان ہی کے لیے ان کے رب کے پاس (پلے) درجات ہیں اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

اور ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو بے پرواہی سے قرآن مجید کو سنتے ہیں اور اس کی آیات میں غور اور غور نہیں کرتے:

جلد دوم

تبیات القلم

اور جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات کی تلاوت کی

جاتی ہے تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر ان پر نہیں گرتے ○

یعنی جب وہ قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں تو لیو ولب اور دیگر دنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر ان سے اعراض نہیں کرتے بلکہ کان لگا کر غور سے ان آیات کو سنتے ہیں اور ان کے معانی پر غور و فکر کے ان کو سمجھتے ہیں اسی لیے ان آیات کے مضمون پر عمل کرتے ہیں اور پوری مصیبت کے ساتھ ان آیات کو سن کر سجدہ کرتے ہیں اور جاہلوں کی طرح اعمیٰ تھلید میں ان آیات پر سجدہ نہیں کرتے۔

(۳) یہ نیک اور متقی لوگ باادب ہو کر قرآن مجید کی آیات کو سنتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے تھے اور ان کے روٹکنے کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم پڑ جاتے تھے وہ قرآن سن کر چیختے چلاتے نہیں تھے اور نہ تکلف سے دہد کرتے تھے بلکہ سکون اور ادب اور خوف خدا سے ان آیات کو سنتے تھے۔

فقہہ نے ازہر ۲۳ کی تفسیر میں کہا: اس آیت میں اولیاء اللہ کی منقبت ہے کہ ان کے روٹکنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح تعریف نہیں کی کہ اللہ کی آیات سن کر ان کی عقل جاتی رہتی ہے اور وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں یہ اہل بدعت کا طریقہ ہے اور یہ شیطان کی صفت ہے۔

سہلی نے کہا: ان متقین کے دل اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کی طرف نرم پڑ جاتے ہیں اور یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت دیتا ہے اور جس کا طریقہ اس کے خلاف ہو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ نے گم راہ کر دیا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۶-۵۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا جو شخص قیامت کے دن بدترین عذاب کو اپنے چہرے سے دور کرتا ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو بے غوفی سے جنت میں داخل ہو؟) اور خالوں سے کہا جائے گا: اب تم ان کاموں کا مزا چمکو جو تم دنیا میں کرتے تھے ○ ان سے پہلے لوگوں نے (رسول کو) جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا ○ پھر اللہ نے ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزا چمکایا اور آخرت کا عذاب ضرور تمام عذابوں سے بڑا ہے کاش! وہ جانتے ○ (ازہر ۲۴-۲۳)

عذاب کی چہرے کے ساتھ خصوصیت کی توجیہ

جن لوگوں کے دل سخت ہیں ان کے حلق اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ ان کو آخرت میں شدید عذاب ہو گا اور دنیا میں وہ مکمل گمراہ ہیں اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ آخرت میں ان کے چہرے کو بدترین عذاب دیا جائے گا ہر چند کہ ان کے پورے جسم کو عذاب دیا جائے گا لیکن خصوصیت کے ساتھ چہرے کا اس لیے ذکر فرمایا کہ چہرہ انسان کا سب سے اشرف حصہ ہے وہ اس کے حسن و جمال اور اس کے رنگ و روپ کا مظہر ہوتا ہے اور اس کے حواس کے آلات بھی چہرے میں ہی مرکوز ہوتے ہیں اور ایک انسان دوسرے انسان سے ظاہری طور پر چہرے سے ہی ممتاز ہوتا ہے اور سعادت اور شقاوت کے آثار بھی چہرے پر ہی ظاہر ہوتے ہیں اسی وجہ سے قرآن مجید میں ہے:

وَجُودًا يُؤْمِنُ بِفَسِيرٍ ○ ضَاغَةً فَتَسْتَسِيرُونَ

وَجُودًا يُؤْمِنُ بِفَسِيرٍ ○ تَرْهَقَهَا فَتَقْرَرُونَ ○ وَتَبْكُونَ

بُذِّلَتْ لَهُ الْقَبْرَةُ ○ (احص ۳۲-۳۸)

اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ○ ہنسنے ہونے

خوش و غم ہوں گے ○ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں

گے ○ ان پر سیاہی طاری ہوگی ○ وہی لوگ کافر بدکار ہیں ○

اسی وجہ سے دنیا میں بھی کسی شخص کے چہرے پر اگر کوئی گھونے یا طمانچے مارے تو وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر چہرے کو تکلیف سے بچاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ افضل اور اشرف عضو انسان کا چہرہ ہی ہے اس لیے عذاب تو کفار کے تمام اجسام کو ہو گا لیکن خصوصیت کے ساتھ چہرے کا ذکر فرمایا ہے۔

الزمر: ۲۹-۳۵ میں فرمایا: "ان سے پہلے لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تو ان پر اس جگہ سے عذاب آیا جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا۔"

ان پر یہ عذاب رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے آیا وہ بہت اطمینان اور یقین سے رو رہے تھے اور ان کے دہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان پر ایسا ناک کوئی افتاد آ سکتی ہے اور پھر ایسا ناک ان پر ایسا عذاب آیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اور اس عبرت ناک عذاب سے مسلمان خوش ہوئے کیونکہ وہ مسلمانوں کا ان کے ایمان اور اسلام کی وجہ سے مذاق اڑاتے تھے اور کفار ان کی نگاہوں کے سامنے ذلیل اور رسوا ہو گئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس سے بہت بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تاکہ وہ صیحت حاصل کریں O ہم نے انہیں عربی زبان میں قرآن عطا فرمایا جس میں کوئی کچی نہیں ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈریں O اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے: ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے O؟ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں بلکہ ان شرکین میں سے اکثر نہیں جانتے O بے شک آپ پر موت آئی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں O پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھکنا کرو گے O (الزمر: ۳۱-۳۲)

قرآن مجید کے تین اوصاف

الزمر: ۲۸-۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ یہ قرآن ہے یعنی اس کی بہت زیادہ قرأت اور تلاوت کی جاتی ہے دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے اور اس کی عربی انکی ہے کہ اس نے عرب کے بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء کو نصاحت اور بلاغت میں عاجز کر دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لِّكُم بِهَاطِلَاتِ الْاِنْشِءِ وَالْجِنِّ اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَتْ بِكُمْ حُسْنٌ
 اِنْ تَحْسِبُوْنَ اَنَّكُمْ اَنْتُمْ اَوْ اٰبَاؤُكُمْ اَوْ اٰخِآؤُكُمْ اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَتْ بِكُمْ حُسْنٌ
 (الزمر: ۸۸)

اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں کوئی کچی نہیں ہے کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ جب انسان کوئی بہت طویل کلام کرتا ہے تو اس میں ضرور کچھ باتیں ایک دوسرے سے متضاد اور ایک دوسرے سے متعارض ہوتی ہیں اور قرآن مجید کی کوئی آیت دوسری آیت سے متعارض نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ كَانَتْ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا
 (الزمر: ۸۹)

قرآن مجید میں کئی نہ ہونے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو سادہ امتوں اور ان کے نبیوں کی خبریں دی گئی ہیں وہ سب صادق ہیں اور ان کے صدق پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور قرآن مجید میں جو عقائد اور احکام بیان کیے گئے ہیں وہ سب

مصل اور فطرت سلیہ کے مطابق ہیں اور ان میں کوئی چیز خلاف مصل نہیں ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر رسولوں کی بعثت پر قیامت پر اور جزا و سزا پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں ان کی قطعیت میں کوئی ضعف اور جھول نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر آسان، سادہ اور عام فہم دلیل

الزمزم ۲۹: میں فرمایا: ”اللہ ایک مثال بیان فرما رہا ہے ایک غلام ہے جس میں کئی متضاد خیالات کے لوگ شریک ہیں اور ایک دوسرا غلام ہے جس کا صرف ایک شخص ہی مالک ہے“ کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے؟“
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر ایک سادہ آسان اور عام فہم دلیل بیان فرمائی ہے کہ یہ مشرکین یہ بتائیں کہ ایک غلام کے کئی مالک ہوں اور ان مالکوں کے درمیان اختلاف اور تنازع ہو اور ہر مالک اس کا مدعی ہو کہ وہ شخص اس کا غلام ہے اور ہر مالک اس کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو ایک مالک اس کو ایک وقت میں کوئی حکم دیتا ہے اور دوسرا مالک اسی وقت اس کے خلاف حکم دیتا ہے اور تیسرا مالک اسی وقت اسے دونوں کے خلاف کوئی حکم دیتا ہے تو وہ ان سب کی اطاعت کیسے کرے گا اور اطاعت نہ کرنے کی صورت میں اپنے مالکوں کے قہر و غضب اور ان کی سزا سے کیسے بچے گا؟ مثلاً ایک مالک حکم دیتا ہے کہ آج دن کے چار بجے فلاں زمین کو کھودو اور دوسرا مالک حکم دیتا ہے: اس زمین کو اس وقت ہرگز نہ کھودو اور اس زمین کے ٹکڑے میں فلاں جگہ سے سامان لا کر رکھ دینا اور تیسرا مالک حکم دیتا ہے: فلاں جگہ سے ہرگز سامان نہ لانا بلکہ فلاں فلاں جگہ سے سامان لاؤ۔ بتائیے وہ ان تینوں مالکوں کی کیسے اطاعت کرے گا اور کیسے ان کو راضی کرے گا اور ان کی حکم عدولی کی صورت میں ان سب کے غضب اور ان کی سزا سے کیسے بچے گا؟ اس کے برخلاف جو شخص صرف ایک مالک کا غلام ہو اس کے لیے اپنے مالک کی اطاعت کرنا اور اس کو راضی کرنا بہت آسان ہے۔

اسی طرح کا استدلال قرآن مجید کی ان آیتوں میں بھی ہے:

لَوْ كَانَتْ فِيقُمَا لَوْلَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ لَنَسْتَدَنَّكَ.
اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا متعدد عبادت کے مستحق

(الانجاء: ۲۲) ہوتے تو آسمان اور زمین فاسد ہو جاتے۔

یعنی متعدد خداؤں کے تنازع اور ان کی باہمی کشمکش کی وجہ سے ابتداء آسمان اور زمین وجود میں نہ آ سکتے۔

مَا تَقَنَّ اللَّهُ مِنْ ذُلِّهِ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ الْوَالِدِ الْكَهَبِ
اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی عبادت کا مستحق ہے ورنہ ہر خدا اپنی مخلوق کو انگ لے جاتا اور ضرور

ان میں سے ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ اللہ ان چیزوں سے (المومن: ۹۱)

پاک ہے جو (مشرکین) اس کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

الزمزم ۳۰: میں فرمایا: ”بے شک آپ رسول تو آئی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں“

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور کفار کی موت کا فرق

اگر یہ امتراض کیا جائے کہ قرآن مجید نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار دونوں کی موت بیان کی ہے اور دونوں جگہ موت کا ایک جیسا مفہود استعمال فرمایا ہے اور دونوں کو میت فرمایا ہے تو پھر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ اور کفار کو مردہ کیوں کہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ”انک میت“ میں میت گمراہ ہے اور ”لنھم میمون“ میں بھی میت گمراہ ہے اور رسول اللہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب گمراہ کا دوبارہ ذکر کیا جائے تو دوسرا گمراہ پہلے گمراہ کا غیر ہوتا ہے۔ سو کفار پر جو موت آئے

رسول ہیں اور ہماری جماعت کی شمع ہیں اور ہمارے معاملات کی برحمان ہیں جب آپ چلے جائیں گے تو ہم اپنے معاملات میں کسی کی طرف رجوع کریں گے؟ آپ نے فرمایا: میں نے تم کو صاف اور شفاف راستے پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی اپنے قصور میں دن کی طرح ہے اور اس روز قیامت کے بعد وہی شخص گم راہ ہوگا جو ہلاک ہونے والا ہو اور میں نے تمہارے لیے دو نصیحت کرنے والے چھوڑے ہیں: ایک ناخق ہے اور دوسرا سکت ہے رہنا مطلق تو وہ قرآن کریم ہے اور رہا سکتا تو وہ موت ہے جس جب تم کو کوئی مشکل پیش آئے تو تم قرآن اور سنت کی طرف رجوع کرنا اور جب تمہارے دل سخت ہو جائیں تو تم نرودوں کے احوال پر غور کرنا پھر اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ کو دوسرا کارعارضہ ہوا آپ اٹھارہ روز تک بیمار رہے اور مسلمان آپ کی عبادت کرتے رہے پھر پیر کے دن آپ کا وصال ہو گیا اور اسی دن آپ کی بعثت ہوئی تھی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو غسل دیا اور بدھ کی شب جب نصف گزر چکی تھی آپ کو دفن کر دیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ منگل کی شب آپ کو دفن کیا گیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۸ھ الحکم الاوسط رقم الحدیث: ۳۹۹۶ دارالکتب العلمیہ مسند ابو ادرق الحدیث: ۸۳۷) حضرت ساجد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص پر کوئی مصیبت آئے تو وہ بیماری مصیبت کو یاد کرے کیونکہ وہ سب سے بڑی مصیبت تھی۔ (المجموع الکبیر رقم الحدیث: ۶۷۱۸)

(رد المحتار ج ۸ ص ۱۳۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ) صدر الافاضل سید محمد ضمیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کفار تو زندگی میں بھی مرے ہوئے ہیں اور انبیاء کی موت ایک آن کے لیے ہوتی ہے پھر انہیں حیات عطا فرمائی جاتی ہے اس پر بہت سی شریعی برہانیں قائم ہیں۔ (حاشیہ کنز الدیان ص ۳۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت) مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حقیقاً ایک آن کے لیے نہ کہ ہمیشہ کے لیے ورنہ قرآن کریم شہداء کے بارے میں فرماتا ہے: "ہل احیاء ولکن لا تشعرون"

خیال رہے کہ موت کی دو صورتیں ہیں: روح کا جسم سے الگ ہونا اور روح کا جسم میں تعریف چھوڑ دینا پرورش ختم کر دینا انبیاء کی موت پہلے معنی میں ہے یعنی فروغ روح عن الجسم اور عوام کی موت پہلے دوسرے معنی میں ہے لہذا نبی کی روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے جس بناء پر ان کا دفن کفن وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے مگر ان کی روح ان کے جسم کی پرورش کرتی رہتی ہے اسی لیے ان کے جسم جگتے نہیں اور زائریں کو پوچھتے ہیں ان کا سلام سننے ہیں ان کی فریادیں اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔

(حاشیہ کنز الدیان ص ۳۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت) اس پر دلائل کہ دخول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت آتی ہے یعنی قلیل وقت کے لیے

ہم نے جو کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک آن کے لیے موت آئی اس کی تقریر اس طرح ہے کہ ہر مومن کی روح اس کے جسم سے ایک قلیل وقت کے لیے نکالی جاتی ہے پھر اس کی روح کو طینت کی طرف لے جایا جاتا ہے پھر حکم دیا جاتا ہے کہ اس کی روح کو پھر اس کے جسم میں داخل کر دو سو اس کی روح کو اس کے جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے اور یوں ہر مومن کو قبر میں برزخی حیات حاصل ہوتی ہے اور ہمارے نبی سید محمد و سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کو قلیل قلیل وقت کے لیے آپ کے جسم کرم سے نکالا گیا تھا اور اس بہت کم وقت کو آن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آپ کو آپ کے مرتبہ کے لحاظ سے پھر

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر مومن کی روح کو بہت قلیل وقت کے لیے اس کے جسم سے نکالا جاتا ہے پھر اس کو برزخی حیات عطا کر دی جاتی ہے اور شہداء کو جسدانی حیات عطا کی جاتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو بھی جسدانی حیات عطا کی جاتی ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں اس لیے آپ کو سب سے افضل جسدانی حیات عطا کی گئی اور نہایت قلیل وقت کے لیے ان کے جسم سے جو روح قبض کی جاتی ہے وہ اس لیے ہے کہ ان کے اوپر حُسن، کفن، دُفن اور نماز جنازہ کے احکام پر عمل کیا جاسکے۔

ہائی مدرسہ دیوبند شیخ محمد قاسم نانوتوی ستوتی ۱۲۹۹ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی موت میں بھی مثل حیات فرق ہے ہاں فرق ذاتیت و عرضیت تصور نہیں ہے اس فرق کی وہی تفاوت حیات ہے یعنی حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں اور حیات مومنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے اس لیے وقت موت حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زائل نہ ہوگی ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مومنین ساری یا آدمی زائل ہو جاوے گی۔ سو در صورت قحط عدم و عکس اس استعار حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قحط آفتاب سمجھئے کہ وقت کسوف قمر ہے لوث میں حسب مزاج عکس اس کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا یا مثل شمع چراغ خیال فرمائیے کہ جب اس کو کسی ہنڈیا یا شنگے میں رکھ کر اوپر سے سرپوش رکھ دیجئے تو اس کا نور بالبداہت مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہو جاتا اور دوبارہ زوال حیات مومنین کو قحط قمر خیال فرمائیے کہ وقت خسوف اس کا نور زائل ہو جاتا ہے یا مثل شمع چراغ سمجھئے کہ گل ہو جانے کے بعد اس میں نور بالکل نہیں رہتا۔ (آب حیات ص ۱۸۳، ۱۸۵ مطبوعہ دار الفیضان اشرفیہ دہلی ۱۳۲۳ھ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موت آنے سے آپ کی حیات زائل نہیں ہوتی لوگوں کی نگاہوں سے چھپ گئی تھی اور عام مسلمانوں پر موت آنے سے ان کی حیات ساری یا آدمی زائل ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر احادیث آثار اور اقوال علماء سے دلائل پیش کریں گے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ اور نماز جنازہ کے بعد دعا کے ثبوت کو تفصیل سے بیان کریں گے ان شاء اللہ العزیز!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ثبوت میں احادیث

امام ابو یعلیٰ نے اپنی "مسند" میں اور امام بیہقی نے کتاب "حیات الانبیاء" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۳۳۳۵۰ حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱۸۱ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ لابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۷۱۱ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱ المطاب علیہ رقم الحدیث: ۳۳۳۵۰ تاریخ دمشق وخلق الکبریٰ ج ۱۵ ص ۱۵۹ رقم الحدیث: ۳۵۱۱۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

ابو یوسف نے "علیہ" میں روایت کیا ہے کہ ثابت بنانی نے حمید الطویل سے پوچھا: کیا تمہیں یہ علم ہے کہ انبیاء کے سوا بھی کوئی اپنی قبروں میں نماز پڑھتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ (علیہ لابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۵۱۶۰ مجمع الزوائد کتاب الطبقات ج ۱ ص ۱۸۱)

امام ابو داؤد اور امام بیہقی نے حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے تمام دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے تم اس دن میں مجھ پر یہ کثرت صلوٰۃ پڑھا کرو کیونکہ تمہاری صلوٰۃ (درود شریف) مجھ پر پیش کی جاتی ہے صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر ہماری صلوٰۃ کیسے پیش کی جائے گی حالانکہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کے کھانے کو حرام کر دیا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۶۰۳۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۸۵۰ مسند احمد ج ۳ ص ۸ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳)

مس ۱۳۹۹: انسہ رک ۳ ص ۶۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۳۰۱: الہادیہ والشیبہ ج ۳ ص ۱۵۸: دار الفکر بیروت ۱۳۸۸ھ: سنن ابن ماجہ اور الہادیہ والشیبہ میں اس حدیث کے بعد یہ بھی مذکور ہے: اللہ کا نبی زعمہ ہوتا ہے اور اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳۷: الہادیہ ج ۳ ص ۱۵۸ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا اس کو میں خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر درود سے درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ (اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ درود سے خود سن نہیں سکتے کیونکہ یہ بھی حدیث میں ہے کہ کوئی شخص کہیں سے بھی درود پڑھے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔ (جلال الاہلام) فرشتہ کا درود پہنچانا آپ کے یا درود کے اعزاز و اکرام کے لیے ہے جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس اعمال پہنچاتے ہیں)۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۸۳: مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۹۳۳: کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۱۵: مجمع البحار رقم الحدیث: ۲۲۳۵۶) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو تمام مخلوق کی سماعت عطا فرمائی ہے وہ میری قبر پر کھڑا ہوا ہے۔ (Da) (ربیع الکبیر لکھنؤی رقم الحدیث: ۸۹۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مجھ پر سورۃ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجات پوری کرتا ہے ستر آخرت کی حاجتیں اور تیس دنیا کی حاجتیں اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس درود کو میری قبر میں داخل کرتا ہے جیسے تمہارے پاس بدیہ اور حقے داخل ہوتے ہیں اور میری وفات کے بعد بھی میرا علم اسی طرح ہے جس طرح میری حیات میں تھا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۳۳: مجمع البحار رقم الحدیث: ۲۲۳۵۵: اقبال السارۃ المصنوع ج ۳ ص ۴۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کو چالیس راتوں کے بعد ان کی قبروں میں نہیں چھوڑا جاتا لیکن وہ اللہ سبحانہ کے سامنے نماز پڑھتے ہیں حتیٰ کہ صور میں پھونکا جائے۔

(مجمع البحار رقم الحدیث: ۲۹۹۰: کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۳۳۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں ابو القاسم کی جان ہے، یحییٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے اور آں حالیکہ وہ امام عادل ہوں گے وہ ضرور صلیب کو توڑ دیں گے اور وہ ضرور خنزیر کو قتل کریں گے اور وہ ضرور لڑنے والوں کے درمیان صلح کرائیں گے اور وہ ضرور کینہ اور بغض کو دور کریں گے اور ضرور ان پر مال پیش کیا جائے گا سو وہ اس کو قبول نہیں کریں گے پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر بپکھریں: یا محمد! تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔

(مسند ابی یحییٰ رقم الحدیث: ۱۵۸۳: حافضہ لکھنؤی نے لکھا: اس حدیث کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۸: المطالب العالیہ ج ۳ ص ۱۳ رقم الحدیث: ۲۵۷۴) سعید بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں کہ ایام حرمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تین دن تک لڑائیں نہیں دی گئی اور نہ جماعت کھڑی ہوئی اور سعید بن المسیب مسجد سے نہیں نکلے اور انہیں نماز کے وقت کا صرف اس آواز سے پنا چلنا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے آتی تھی۔ (سنن الدارمی رقم الحدیث: ۹۳: مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۹۵۱)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: یہ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر دلالت کرتی ہیں اور باقی انبیاء علیہم السلام کی حیات پر بھی اور اللہ تعالیٰ نے شہداء کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتًا بَلْ أَحْيَاۤهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ فَهُمْ يَرَوْنَكَ ۖ وَجُمُوعٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهُمْ يَرَوْنَكَ ۖ وَلَآ تُبْصَرُ ۖ وَلَآ حِصَابٌ لِّذَٰلِكَ ۚ وَلَٰكِن تَحْسَبُكَ أَعْمٰیۤیً ۚ (آل عمران: ۱۶۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو مردہ نہ کہان
مست کرو بلکہ وہ زندہ ہیں ان کو ان کے رب کے پاس سے روزی

دی جاتی ہے۔

اور جب شہداء زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام جو ان سے بہت افضل اور اجل ہیں وہ بہ طریق اولیٰ زندہ ہیں اور بہت کم کوئی نبی ایسا ہوگا جس میں وصف شہادت نہ ہو لہذا شہداء کی حیات کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر میں نو بار یہ قسم کھاؤں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا گیا تو میرے نزدیک اس سے بہتر یہ ہے کہ میں ایک بار یہ قسم کھاؤں کہ آپ کو قتل نہیں کیا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنایا ہے اور شہید بنایا ہے۔ (مسند ابی یوسف رحمہ اللہ ج ۲ ص ۵۸۵ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۸۵ مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۱ المسند جامع المسند والسنن مسند ابن مسعود رحمہ اللہ ج ۲ ص ۷۱۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس بیماری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تھے اس میں آپ فرما رہے تھے: اے عائشہ! میں ہمیشہ اس کھانے کا دروغموش کرتا رہا ہوں جو میں نے خیر میں کھایا تھا (اس طعام میں زہر ملا ہوا تھا) اور اس زہر کی وجہ سے اب میری رگ حیات کے منقطع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

(صحیح البخاری رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۴۸ جامع المسند والسنن مسند عائشہ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۵۰۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے متعلق مستند علماء کی تصریحات اور مزید احادیث

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: پس قرآن مجید کی صریح عبارت سے یا مفہوم موافق سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ امام تہذیبی نے ”کتاب الاعتقاد“ میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی روحوں کو قبض کرنے کے بعد ان کی روحوں کو لوٹا دیا جاتا ہے پس وہ اپنے رب کے سامنے شہداء کی طرح زندہ ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ رحمہ اللہ طبری متوفی ۲۶۸ھ نے اپنے شیخ احمد بن عمر رحمہ اللہ طبری متوفی ۲۵۶ھ سے نقل کر کے کہا ہے کہ موت ہم محض نہیں ہے وہ صرف ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے مثل ہونے اور اپنی موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں اور وہ خوش و غم ہوتے ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے اور جب شہداء کو حیات حاصل ہے تو انبیاء علیہم السلام تو ان سے زیادہ حیات کے حق دار ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو نہیں کھاتی اور معراج کی شب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے اور آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر بھی دی ہے کہ جو شخص بھی آپ کو سلام کرتا ہے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں اور ان تمام احادیث کے مجموعہ سے یہ قطعی یقین حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا یہ معنی ہے کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہیں ہر چند کہ وہ زندہ ہیں اور موجود ہیں اور ان کا حال فرشتوں کی طرح ہے وہ بھی زندہ اور موجود ہیں اور ہماری نوع انسان میں سے کوئی شخص ان کو نہیں دیکھتا ماسوا اولیاء اللہ کے جن کو اللہ تعالیٰ نے کرامت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ (ذکرہ ج ۱ ص ۳۶۵-۳۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ رحمہ اللہ ابن کثیر رحمہ اللہ طبری متوفی ۲۶۸ھ کے شیخ علامہ ابو العباس احمد بن عمر رحمہ اللہ طبری متوفی ۲۵۶ھ ہیں اور ان کی یہ مذکور الصدر عبارت ”انہم شرح مسلم“ ج ۶ ص ۲۳۳-۲۳۴ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۴۱۷ھ میں موجود ہے۔

اس کے بعد حافظ سیوطی لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب میں سے متکلمین اور محققین یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی عبادات سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور

آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر درود پڑھتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کا جسم یسیدہ نہیں ہوتا اور زمین اس میں سے کسی چیز کو نہیں کھاتی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ نے پہلے آسمان میں حضرت آدم کو دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کو اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف کو اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس کو اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون کو اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ کو اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ (کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۶۳) ان وجوہ سے ہمارے لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔

اور اصحاب نے جو یہ کہا ہے کہ آپ اپنی امت کی عبادت سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں سے رنجیدہ ہوتے ہیں اس کی اصل یہ احادیث ہیں:

بکر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہے اور جب میں وفات پا جاؤں گا تو میری وفات تمہارے لیے بہتر ہوگی۔ مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جب میں نیک عمل دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب بُرا عمل دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ (المطالع الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۴ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ المطالب العالی ج ۳ ص ۲۳ کنز العمال ج ۱۶ ص ۱۶۷ الجامع البصیر ج ۱ ص ۵۸۹ البدایہ ج ۳ ص ۵۵۷ دار الفکر بیروت ۱۳۶۸ھ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۶۶۱ دار الفکر مسند البیہار رقم الحدیث: ۸۳۵ حافظ البیہار نے لکھا: مسند البیہار کی تصحیح ہے مجمع البرکات ج ۱ ص ۱۲)

غریب بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے حیات اس لیے بہتر ہے کہ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں اور میری وفات اس لیے بہتر ہے کہ ہر جمعہ اور جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں سو جو نیک عمل ہوتے ہیں میں ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جو بُرے عمل ہوتے ہیں تو میں تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

(الاقبال فی حقاہق اہل جال ج ۳ ص ۹۵ دار الفکر بیروت دار الفکر بیروت ۱۳۶۸ھ مطبوعہ مصر ۱۳۶۸ھ) حافظ سیوطی لکھتے ہیں: حافظ ابو بکر بنیانی نے ”کتاب الاعتقاد“ میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام روحوں کے قبض کیے جانے کے بعد اپنے رب کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہوتے ہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی ایک جماعت کو دیکھا ہے اور ان کی امامت کی ہے اور آپ نے یہ خبر دی ہے کہ ہمارا درود اور سلام ان تک پہنچایا جاتا ہے اور آپ کی خبر صادق ہے۔

(البدایہ لابن کثیر ص ۷)

حافظ بنیانی نے جو کہا ہے کہ ہمارا درود اور سلام آپ کو پہنچایا جاتا ہے اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے کچھ زمین میں سیاحت کرنے والے فرشتے ہیں تاکہ وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچائیں۔ (سنن البیہار رقم الحدیث: ۱۲۸۱ مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۳۲۰۰ دار الفکر البدایہ ج ۱ ص ۵۸۹ الجامع البصیر ج ۳ ص ۵۵۷ دار الفکر بیروت ۱۳۶۸ھ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸۱)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود پڑھا کر دو کیونکہ یہ وہ دن ہے جس میں مجھ پر فرشتے پیش کیے جاتے ہیں اور جو بندہ بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو ہم نے پوچھا آپ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا: میری وفات کے بعد بھی

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجسام کے گود میں پر حرام کر دیا ہے۔

(جہاد النہام ص ۶۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی اراد علیہ السلام۔
جو شخص بھی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۰۶۱ مسند احمد ج ۳ ص ۵۷۷ سنن کبریٰ للبخاری ج ۵ ص ۶۷۵ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۶۶۱ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۶۲۵)

الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۹۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۶۳۰۰۰)

سلام کے وقت آپ کی روح کو لوٹانے کی حدیث کے اشکال کے جوابات

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: اس حدیث سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی آپ کسی سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے بدن میں روح کو لوٹا دیتا ہے اور پھر روح کو نکال لیا جاتا ہے اور چونکہ آپ کو بار بار سلام کیا جاتا ہے تو گویا بار بار آپ کے جسم سے روح نکالی جاتی ہے اور بار بار داخل کی جاتی ہے اور یہ عمل آپ کے لیے شدید تکلیف کا موجب ہے اور روح کا نکالنا موت کے معنی میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو بار بار موت آتی ہے اور یہ ان احادیث کے خلاف ہے جن سے آپ کی حیات مستحرب ثابت ہے جن کو ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں اس اشکال کے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حسب ذیل جوابات منکشف کیے ہیں:

(۱) "الا رد اللہ علی روحی" جملہ حالیہ ہے اور عربی قواعد کے مطابق اس سے پہلے "قد" کا لفظ محذوف ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: "حَصْرَتْ ضُدًّا وَرَفْعًا" (انشاء ۹۰) اس سے پہلے بھی لفظ "قد" محذوف ہے اور اس کا معنی ہے "یادو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تم سے لڑنے کے لیے بھی ان کے دل جھک ہوں" اسی طرح اس حدیث کا بھی معنی ہے: جو شخص بھی مجھے سلام کرتا ہے وہ اس حال میں سلام کرتا ہے کہ مجھ پر اللہ روح لوٹا چکا ہوتا ہے۔ اور اب یہاں پر "رد اللہ" کا جملہ ماضی کے معنی میں ہے کیونکہ اشکال اس وقت ہوتا جب "رد اللہ" حال یا استقبال کے معنی میں ہوتا اور اس سے بار بار روح کا لوٹنا لازم آتا اس سے ایک تو یہ لازم آتا کہ جسم سے بار بار روح کے نکلنے سے آپ کو بار بار درد ہوتا اور یہ آپ کی تحریم کے خلاف ہے نیز یہ حیات شہداء کے خلاف ہے کیونکہ شہداء کی حیات مستحرب ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ لائق ہیں کہ آپ کی حیات مستحرب ہو اور تیسری خرابی یہ ہے کہ یہ معنی قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ صرف دو بار موت اور دو بار حیات ہے اور اس صورت میں بہ کثرت موتیں اور حیاتیں لازم آئیں گی اور چوتھی خرابی یہ ہے کہ یہ معنی ان احادیث صحیحہ متواترہ کے خلاف ہے جن سے آپ کی حیات مستحرب ثابت ہے اور جو معنی قرآن مجید اور احادیث متواترہ کے خلاف ہوں اس کی تاویل کرنا واجب ہے۔

(۲) اس حدیث میں لفظ "رد" "حسب وروہ" کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: "فَکَیْفَ افْتَرٰی بَیِّنَاتٍ عَلٰی اللّٰهِ لَیْسَ بِاَنْ عَنَّا فِیْ ذٰلِکَ فِیْ حَقِّکُمْ" (اعراف ۷۹) "عدنا" کا لفظ عود سے بنا ہے اور عود کا معنی ہے: لوٹنا اگر یہاں عود اپنے معنی میں ہو تو اس کا معنی ہوگا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے کفار سے فرمایا: اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ جائیں تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان بانٹنے والے ہو جائیں گے اور کفار کے دین میں لوٹ جانا اس کو مستلزم ہے کہ حضرت شعیب پہلے بھی ان کے دین میں تھے اور یہ معنی باطل ہے اس لیے اس آیت میں "عدنا" کا لفظ "حسبنا" کے معنی میں ہے یعنی اگر ہم

تہارے دین میں ہو جائیں تو پھر ہم اللہ پر بہتان بانڈھنے والے ہو جائیں گے اسی طرح اس حدیث کا معنی ہے: جب کوئی شخص مجھ کو سلام کرتا ہے تو اس وقت میری روح مجھ میں ہوتی ہے۔

(۳) روح کو لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ آپ کی روح کو سلام کے جواب کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احوال برزخ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنے رب کے مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں تو آپ کو سلام کرنے والے کے جواب کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔

(۴) روح کو لوٹانا آپ کی حیات کے دوام اور استمرار سے کہتا ہے کیونکہ دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ سے کوئی نہ کوئی شخص آپ کو سلام عرض کر رہا ہوتا ہے تو آپ ہر وقت کسی نہ کسی کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو ہر وقت آپ کو حیات حاصل ہوتی ہے۔

(۵) رد روح سے مراد یہ ہے کہ سلام کے وقت اللہ تعالیٰ آپ کے نطق کو اس کے جواب کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

(۶) رد روح سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی آپ کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو غیر معمولی سماعت عطا فرماتا ہے اور کوئی شخص کہیں سے بھی سلام کرے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

(۷) رد روح سے مراد یہ ہے کہ آپ عالم ملکوت کے مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے جواب کی طرف قاریغ کر دیتا ہے۔

(۸) روح سے خوشی اور فرحت مراد ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: "كَوْنُوا قَرِيْنًا" (المائدہ: ۸۰) یعنی جو شخص مقرب ہو اس کے لیے راحت اور خوشی ہے اسی طرح اس حدیث کا معنی ہے: جب کوئی شخص آپ کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی فرحت اور راحت کو تازہ کر دیتا ہے۔

(۹) رد روح سے مراد ہے: صلوات کے ثواب کو آپ کی طرف لوٹانا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور انعامات کو آپ پر لوٹانا دیتا ہے۔

(۱۰) امام رافعی نے "رد" کا ایک معنی تفویض بھی لکھا ہے اس صورت میں حدیث کا معنی یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے سلام کے جواب کو آپ کی طرف موقوف کر دیا ہے یعنی اس کی طرف رحمت کے لوٹانے کو جیسا کہ حدیث میں ہے: جو شخص مجھ پر ایک صلوات بھیجتا ہے اللہ اس پر دس صلوات بھیجتا ہے یعنی اس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف موقوف کر دیا ہے اور آپ کی اس پر رحمت یہ ہے کہ آپ اس کی شفاعت فرمائیں۔

(۱۱) روح سے مراد وہ رحمت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آپ کی امت کے لیے ہے یعنی آپ کو آپ کی اس رحمت کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

(۱۲) رد روح سے مراد یہ ہے کہ آپ اعمال برزخ میں مشغول ہوتے ہیں مثلاً اعمال امت کا لحاظ فرماتے ہیں ان کے نیک اعمال پر اللہ کی حمد کرتے ہیں اور ان کے بُرے اعمال پر استغفار فرماتے ہیں ان سے مصائب دور ہونے کی دعا کرتے ہیں اطراف زمین میں برکت پہنچانے کے لیے آمد و رفت جاری رکھتے ہیں اور امت کے جو صالحین فوت ہو جاتے ہیں ان کے جنازوں پر تشریف لے جاتے ہیں یہ تمام امور اشغال برزخ سے ہیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان اشغال برزخ سے چٹا کر سلام کے جواب دینے کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

(۱۳) (۱۸) دیکھا میں ۱۳ ماہ صلیبی کی ترتیب سے اس جواب کا نمبر دس ہے ہم نے تفصیل کی سہولت سے جہالت کی ترمیم بدل دی ہے)

(۱۳) روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی قبر انور پر مقرر کر دیا ہے جو امت کا سلام آپ تک پہنچاتا ہے۔

(۱۴) ہو سکتا ہے کہ آپ کو ابتداء میں یہی بتایا گیا ہو کہ جواب کے وقت آپ کی روح جسد میں لوٹ جائے گی بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجات میں ترقی فرمائی اور آپ پر وحی فرمائی کہ آپ کو حیات ہمیشہ حاصل رہے گی۔

حافظ سیوطی نے چندہ جوابات ذکر فرمائے ہیں ان میں سے پہلے جواب کو انہوں نے بہت کمزور قرار دیا تھا یعنی راویوں کو اس حدیث کی عبارت میں وہم ہوا ہے ہم نے اس جواب کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے جواب سے ابتداء کی اس لیے جودہ جواب ذکر کیے ہیں اور جوابات کی ترتیب بھی ہم نے اپنی نبوت سے قائم کی ہے اور یہ جوابات "ابناء الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء" میں ص ۸-۱۶ میں درج ہیں۔ واضح رہے کہ یہ حافظ سیوطی کی عبارت کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ ان کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی حیات کے مظاہر

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس امت کے ایک سے زیادہ کالمین نے آپ کی زیارت کی ہے اور آپ سے بیداری میں فیض حاصل کیا ہے شیخ سراج الدین بن الملقن نے "طبقات الاولیاء" میں لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے بیان کیا ہے کہ میں نے کبر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تم خطاب کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں گنجی فحش ہوں، فصحاء بغداد کے سامنے کیسے کلام کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ نے اس میں سات مرتبہ لعاب دامن ڈالا اور آپ نے فرمایا: لوگوں سے کلام کرو اور انہیں حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے دین کی دعوت دو پھر میں ظہر میں ظہر کی نماز پڑھ کر لوگوں کے سامنے بیٹھ گیا میرے پاس بہت مخلوق آئی اور مجھ پر کلام منحس ہو گیا پھر میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ انکرم کی زیارت کی جو میرے سامنے مجلس میں کھڑے ہوئے تھے آپ نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بیٹے! کلام کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: اے میرے والد گرامی! مجھ پر کلام منحس ہو گیا آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو میں نے منہ کھولا تو آپ نے میرے منہ میں چھ مرتبہ لعاب دامن ڈالا میں نے کہا: آپ نے سات بار مکمل کیوں نہیں کیا؟ حضرت علی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے پھر وہ مجھ سے غائب ہو گئے۔

نیز شیخ سراج الدین نے لکھا ہے کہ شیخ خلیفہ بن موسیٰ انہری علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اور بیداری میں بہ کثرت زیارت کرتے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیند اور بیداری میں اکثر افعال حاصل کیے اور ایک بار انہوں نے ایک رات میں آپ کی سترہ مرتبہ زیارت کی ان باروں میں سے ایک بار میں آپ نے فرمایا: اے خلیفہ! میری زیارت کے لیے بے قرار نہ ہو اگر دیکھو کہ بہت سے اولیاء میری زیارت کی حسرت میں فوت ہو گئے اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے "طائف الحسن" میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے شیخ ابو العباس مری سے کہا: اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کیجئے انہوں نے کہا: میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی سے مصافحہ نہیں کیا اور شیخ مری نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چمکے جسے کی مقدار بھی میری نظروں سے اوصل ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہیں کرتا اس قول کی شکل اور بہت سے اولیاء سے منقول ہے۔

بہ کثرت متقدمین اور متاخرین سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں زیارت کی اور اس کے بعد بیداری میں زیارت کی اور انہوں نے اس حدیث کی تصدیق کی اور جن چیزوں کے متعلق وہ متشوش تھے انہوں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ مسئلہ اس طرح بیان کیا جس سے ان کی تشویش اور پریشانی دور ہوگئی۔

علامہ سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کے سلسلہ میں تمام احادیث آحاد اور نقول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ اطراف ارض میں جب چاہیں جہاں چاہیں تصرف کرتے ہیں اور تشریف لے جاتے ہیں اور عالم ملکوت میں آپ اپنی اسی ہیئت کے ساتھ ہیں جس ہیئت میں آپ وفات سے پہلے تھے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور آپ آنکھوں سے اسی طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے غائب ہیں حالانکہ وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے اعزاز اور اکرام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو عجائبات ہیں ان کو اٹھا دیتا ہے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہیئت پر دیکھتا ہے اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جسم مثالی کی تخصیص کا کوئی باعث نہیں ہے۔ (علامہ سیوطی کی مہارت شمع ہوئی) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہی موقف ہے انہوں نے نہ کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور وفات کے بعد ان کی روحیں لوٹا دی گئیں اور ان کو قبروں سے نکلنے اور تمام علوی اور سفلی ملکوت میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی اپنے اس موقف پر علامہ سیوطی نے بہ کثرت احادیث سے استنباط کیا ہے۔ بعض ازال یہ ہیں:

(۱) امام ابن حبان نے اپنی تاریخ میں امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور امام ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر نبی فوت ہونے کے بعد صرف چالیس دن اپنی قبر میں رہتا ہے۔

(۲) امام عبدالرزاق نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے: کوئی نئی فوت ہونے کے بعد چالیس دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہتا۔

(۳) امام الحرمین نے نہایہ میں اور علامہ رافعی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنے رب کے نزدیک اس سے زیادہ محرم ہوں کہ وہ مجھے تین دن کے بعد بھی قبر میں رکھے امام الحرمین نے کہا: یہ بھی مروی ہے کہ دو دن سے زیادہ قبر میں رکھے۔

علامہ سیوطی کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں نہیں ہوتے، عالم سکوت میں ہوتے ہیں، جن احادیث سے علامہ سیوطی نے استدلال کیا ہے، علامہ ابن جوزی نے ان کو موضوع قرار دیا ہے، نیز احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں ہوتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں روئے زمین میں تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں، علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

میرا عن غلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بصر سے اس طرح نہیں ہوتی جس طرح ہم دوسری متعارف چیزوں کو دیکھتے ہیں یہ ایک حالت برزخی اور امر و جدائی ہے اس کو مکمل طور پر وہی جان سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے بہرہ مند کیا ہے اور چونکہ یہ رویت بصری کے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے اس لیے دیکھنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھا ہے جیسے وہ متعارف چیزیں دیکھتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ رویت قلبی ہے جو رویت بصری سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔

جو شخص صلی علیہ وسلم کی زیارت کرتا ہے یا تو وہ آپ کی روح کو دیکھتا ہے جو صورت مرئیہ میں (یعنی انسانی ہیکل میں) ظاہر ہوتی ہے اور اس روح کا تعلق آپ کے جسم اطہر کے ساتھ قائم رہتا ہے جو آپ کی قبر انور میں موجود ہے جیسا کہ

حضرت جبرائیل حضرت وحید علی رضی اللہ عنہ کی صورت میں یا کسی اور صورت میں آتے تھے اس کے باوجود سدرۃ المنتہی پر موجود ہوتے تھے۔ یا زیارت کرنے والا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مثالی کو دیکھتا ہے جس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس متعلق ہوتی ہے اور جسم مثالی کے تعدد سے کوئی چیز مانع نہیں ہے یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بہت سے اجسام مثالیہ ہوں (اور بیک وقت بہت سے لوگ آپ کی زیارت کریں) اور ان اجسام مثالیہ میں سے ہر ہر جسم کے ساتھ آپ کی روح کریم متعلق ہو اس کی نظیر یہ ہے جیسے انسان کی ایک روح اس کے بدن کے ہر ہر عضو کے ساتھ متعلق ہوتی ہے ہماری اس تقریر سے شیخ ابو العباس طبعی کے اس قول کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ آسمان زمین عرش اور کرسی سب جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آ رہے تھے (یعنی ہر جگہ آپ کا جسم مثالی تھا اور آپ کی روح کا اس سے تعلق تھا) اور یہ اشکال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد دیکھنے والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معین وقت میں مختلف مقامات پر دیکھا (یعنی انہوں نے آپ کے اجسام مثالیہ دیکھے جن کے ساتھ آپ کی روح متعلق تھی)۔

پھر قبر میں انبیاء علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہوتی ہے ہر چند کہ اس حیات پر وہ امور مرتب ہوتے ہیں جو دنیا میں مرتب ہوتے تھے مثلاً وہ نماز پڑھتے ہیں اذان اور اقامت پڑھتے ہیں جو سلام سنتے ہیں اس کا جواب دیتے ہیں اور اس کی مثل دوسرے امور ہیں لیکن اس حیات میں وہ تمام امور مرتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف حیات میں مرتب ہوتے ہیں اور اس حیات کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے نہ اس کا ادراک کر سکتا ہے اور اگر بالفرض تمام انبیاء علیہم السلام کی قبریں منکشف ہو جائیں تو تمام لوگ قبروں میں انبیاء علیہم السلام کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح باقی ان اجسام کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی ورنہ عادیث میں تعارض لازم آئے گا کیونکہ عادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور مسند ابو یوسف میں حدیث مرفوع ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو مسر میں منتقل کیا۔

(روح المعانی ۲۲: ۵۵۵ خلاصہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کرنا ممکن ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے (اس کو زیارت ہو جاتی ہے) کیونکہ مقول ہے کہ علامہ سیوطی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں مرتبہ بیداری میں امت کی (علامہ عبد الوہاب شمرانی نے خود علامہ سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے مجتہد مرتبہ بیداری میں زیارت کی بالمشافہ ملاقات کی ہے۔ میزان الشریعہ لکھنؤ ج ۱ ص ۲۲۲ اور انور اللہ ج ۱ ص ۷۷ سعیدی غفرلہ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض حدیث کے متعلق سوال کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجج کے بعد ان کو صحیح قرار دیا (اہل قول) امام شمرانی رحمہ اللہ نے بھی یہی اسے کہ انہوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آٹھ رفقاء کے ساتھ آپ سے صحیح بخاری پڑھی امام شمرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام بھی لیا ان میں سے ایک حتی تھا اخیر میں شیخ کشمیری نے کہا: بیداری میں آپ کی امت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔ (فیض الہدی ج ۱ ص ۲۰۲ مطبع مجازی مصر ۱۳۵۷ھ)

(”جس نے مجھے نیند میں دیکھا وہ مقرب مجھے بیداری میں دیکھے گا“ اس حدیث کی مزید شرح ہم نے شرح صحیح مسلم ماہد میں بیان کر دی ہے)۔

ام مثالیہ کا تعدد

صوفیاء و اہل فقہاء جو اجسام مثالیہ کے تعدد کے قائل ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قرہ حزقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی ہوتا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟ اس نے کہا: اللہ (میں) بھی آپ سے اتنی محبت کرے جتنی میں اس سے محبت کرتا ہوں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کو نہیں دیکھا آپ نے پوچھا: فلاں شخص کے بیٹے کو کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کیا: وہ فوت ہو گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ سے فرمایا: کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازہ سے بھی داخل ہوتے ہو بیٹا اس دروازہ پر (پہلے سے) موجود تھا اور انتظار کر رہا ہے ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! آیا یہ بشارت اس شخص کے لیے خاص ہے یا ہم سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: بلکہ سب کے لیے ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۳۹ مکتبہ اسلامیہ بیروت)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیه اشارۃ الی خرق العادة من تعدد الاجساد الممكنة حیث ان الولد موجود فی کل باب من ابواب الجنة.

(مرقات ج ۳ ص ۱۰۹ مکتبہ امدادیہ لبنان)

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ولا تباعد من الاولیاء حیث طوبت لهم الارض وحصل لهم ابدان ممکنة متعددة وجدوها فی اماکن مختلفة فی آن واحد.

(مرقات ج ۳ ص ۶۸ مکتبہ امدادیہ لبنان)

انبیاء اور اولیاء کا آن واحد میں متعدد جگہ موجود ہوتا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

بعض متفقین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہوتا ہے تو وہ پہلی جگہ اپنے بدلے اپنی مثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجسام اور ارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت جو عالم اجسام سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہوتا ہے اور روحوں کا مختلف صورتوں میں متماثل ہونا اسی عالم مثال پر مبنی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت وحید علی رضی اللہ عنہ کی صورت میں اور حضرت مریم کے پاس بشر سوی کی صورت میں ہونا اسی عالم مثال کے قبیل سے ہے اور اسی وجہ سے یہ جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر بھی موجود اور اسی وقت اپنی قبر میں بھی جسم مثالی کے ساتھ موجود ہوں اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دونوں جگہ ہو۔ (ذہب القلوب ص ۱۵۳ مکتبہ نعیمیہ لاہور)

اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی متوفی ۱۲۱۷ھ لکھتے ہیں:

رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے آپ کے علم و روحانیت نسبت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے علاوہ اس کے اللہ کی قدرت تو کل

۱۰۔ (تھلہ ملت سلاسل نے مذہبی کتب خانہ لاہور)

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

محمد بن انصاری مجذوب نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھائے اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں شب بائیس ہوتے تھے۔ (جمال الاولیاء ص ۱۸۸ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

نیز شیخ تھانوی لکھتے ہیں:

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ محمد اشرف بنی کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی اور کچھ اولاد وجم میں تھی اور کچھ بلاد ہند میں اور کچھ بلاد مکرود میں تھی آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ آئے اور ان کی ضرورتیں پوری فرمادیے اور شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ انہی کے پاس قیام رکھتے ہیں۔

(جمال الاولیاء ص ۲۰۴)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

انسانی روحیں جب پاکیزہ ہوں تو وہ ابدان سے الگ ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کی صورتوں میں یا کسی اور صورت میں مل ہو کر چلی جاتی ہیں جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت وحید کلبی کی صورت میں یا کسی اعرابی کی صورت میں متمثل ہو کر اس اللہ تعالیٰ کا چاہتا چلے جاتے ہیں اس کے باوجود ان کا اپنے ابدان اسلیہ سے تعلق برقرار رہتا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں ہے اور جس طرح بعض اولیاء سے منقول ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر دکھائی دیتے ہیں اور ان سے افعال صادر ہوتے ہیں اس کا انکار کرنا ہٹ دھرمی ہے جو صرف کسی جاہل اور معاند سے ہی متصور ہو سکتا ہے اور علامہ ابن قیم نے دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وقت میں متعدد جگہ زیارت کی جاتی ہے حالانکہ اس وقت آپ اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کعبہ کے پاس ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کو آسمان میں بھی دیکھا اور آپ کے اور حضرت موسیٰ کے درمیان فرضوں کے معاملہ میں مکالمہ ہوا شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء کی ایک امت کو بھی آسمانوں پر دیکھا حالانکہ ان کی قبریں زمین پر ہیں اور کسی نے یہ قول نہیں کیا کہ وہ اپنی قبروں سے آسمانوں کی شکل ہو گئے تھے۔ (فتح المسلمین ص ۳۰۶-۳۰۵ مطبع المہاجر کراچی)

علامہ جلال الدین سیوطی علامہ سید آلوسی علامہ ابن حجر عسقلانی علامہ عبد الوہاب شعرانی ملا علی قاری شیخ عبد الحق محدث اعظمی امداد اللہ ماہجر کی شیخ اشرف علی تھانوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی کی صریح عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور کائنات کا ملاحظہ اور اعمال امت کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور احوال برزخ میں ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک وقت میں متعدد جگہ بھی تشریف لے جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے سے ہماری یہی مراد ہے۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت میں متعدد جگہ موجود ہوں تو اگر ہر جگہ آپ بیچم ہیں تو یہ بیکھر جڑی ہے اور وہ محال ہے اور اگر دوسری جگہ پر آپ کی مثال ہے تو مثل شی غیر شی ہوتی ہے سو اس جگہ آپ نہ بلکہ آپ کا غیر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ میں اشارہ حسیہ کے لحاظ سے بہر حال تغیر ہے اس لیے یہ تغیر ممکن ہے اور چونکہ ان تمام اجساد مثالیہ میں روح واحد متصرف ہے اس لیے یہ اجسام آپ کا غیر نہیں ہیں۔

الحمد للہ علی احسانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے تمام اصولی مباحث کا میں نے باحوال اور باادب ذکر کر دیا ہے اللہ تعالیٰ میری اس تحریر کو میرے لیے توشہ آخرت مواتقین کے لیے موجب استقامت اور قانتین کے لیے سہولت دے۔ ماشاء اللہ ولا حول الا باللہ اعلیٰ العظیم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیت

امام ابوہشام بن محمد بن یحییٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کرتے ہیں اس کے آخر میں ہے:

صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اے صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پس انہوں نے آپ کے صدق کو جان لیا۔ پھر پوچھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنازہ پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: ایک جماعت داخل ہو کر تکبیر پڑھئے دعا مانگئے درود شریف پڑھئے پھر وہ چلے جائیں پھر ایک جماعت داخل ہو کر تکبیر پڑھئے درود پڑھئے دعا مانگئے پھر وہ چلے جائیں۔

(بخاری ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۷۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۳۳ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۲۳۳ بحکم التلخیص رقم الحدیث: ۱۲۳۳)

اولیاء میں اس دعا کے ساتھ دعا مانگنا (تفصیل: ج ۱ ص ۲۵۹)

نماز جنازہ میں اصل اور فرض قیام اور تکبیرات اربعہ ہیں باقی ثناء، صلوٰۃ اور دعا وغیرہ نلوی حیثیت اور احتیاب کا رکھتی ہیں۔ اس حدیث صحیح میں تکبیرات کا ذکر موجود ہے اور وہی نماز جنازہ کی اصل ہیں۔ باقی دعا اور صلوٰۃ کا بھی ذکر ہے اور واضح رہے کہ دعا سے مراد یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کلمات طیبات کا عرض کرنا ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر القرطبی التوفیقی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اگر ولی اور حاکم اسلام کے سوا اور لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار ہے کہ حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی نے جنازہ پڑھ لی تو اب دوبارہ کسی شخص کو نماز جنازہ پڑھنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ فرض تو پہلی نماز سے ادا ہو چکا اور یہ نماز پہلوی پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حزار اقدس پر تمام جہان کے مسلمانوں نے جنازہ پڑھنی چھوڑ دی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی (زندہ اور تروتازہ) ہیں جیسے اس دن تھے جب آپ کو قبر مبارک میں گمیا تھا۔ (جدید اولین ص ۱۸ صلوٰۃ شرک علیہ السلام)

علامہ عبدالواحد ابن الہمام التوفیقی ۸۷۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر نماز جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو حزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں علماء و صلحاء حضرات ہیں جو طرح طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اقرب حاصل کرنے کی رجت رکھتے ہیں تو سلف سے خلف تک تمام مسلمانوں کا حضور کی قبر انور پر نماز جنازہ نہ پڑھنا نماز جنازہ کے تکرار کے عدم جواز کی کھلی ہوئی دلیل ہے اور کا اعتبار کرنا واجب ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۲۳ صلوٰۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۷۵ھ)

بدایہ اور فتح القدیر کی عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ وہ نماز جنازہ کے عدم تکرار کی مشروعیت اس بنیاد پر رکھتے ہیں کہ کل کے مسلمان علماء اور صلحاء آپ کی قبر انور پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے اور یہ استدلال اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ نماز جنازہ سے معروف نماز جنازہ ہو اور اگر اس سے مراد محض صلوٰۃ و سلام پڑھنا ہو تو وہ آج تک قبر انور پر پڑھا جاتا ہے۔ اس صورت احاطہ کثر ہم اللہ تعالیٰ کا یہ استدلال کس طرح صحیح ہوگا۔

اصلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ درج ذیل سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

۸۳: از شهر چاکام موضع چر با کلیه مکان روشن علی مستری مرسله غشی محمد اطلعیل ۱۳ شوال ۱۳۳۰ هـ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز کتنی مرتبہ پڑھی جانی اور اول کس شخص پڑھانی تھی؟ بیٹو! تو جبرو!

باب: صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وبارک وسلم۔ سائل کو جواب مسئلہ سے زیادہ مانع یہ بات ہے کہ درود
یہ کی جگہ جو عوام و جہال صلعم یا غام یا ص یا صلعم لکھا کرتے ہیں، محض مہمل و جہالت ہے۔ القلم احدى اللسانین
دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ (ت) جیسے زبان سے درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہتا درود کو ادا نہ کرے گا یوں ہی
مہملات کا لکھنا درود لکھنے کا کام نہ دے گا، ایسی کوتاہی سخت محرومی ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ کہیں ایسے لوگ "فصل
بین ظلموا قولوا غیر الذی قبل لهم" (تو ظالموں نے بدل ڈالی وہ بات جو ان سے کہی گئی تھی۔) میں نہ داخل
ہوں۔ غام یا پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود لکھا جائے گا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جتنا وہ اقدس پر نماز کے باب مختلف
ایک کے نزدیک یہ نماز محروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ درگروہ حاضر ہوتے اور صلوٰۃ و سلام عرض کرتے، بعض احادیث بھی
کی توثیق ہیں کما بینا فی رسائلنا النہی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ الجنائز (جیسا کہ انہیں ہم نے اپنے رسالہ
نہی الحاجز عن تکرار صلوٰۃ الجنائز میں بیان کیا ہے۔) اور بہت علماء و مکی نماز معروف مانتے ہیں امام قاضی
نے اس کی تصحیح فرمائی کما فی شرح الموطن للزرقانی (جیسا کہ علامہ زرقانی کی شرح موطن میں ہے۔) سیدنا
یقین اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تسکین فتن و انتظام امت میں مشغول جب تک ان کے دست حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی، لوگ
افوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے جب بیعت ہوئی، ولی شرعی صدیق ہوئے، انہوں نے جنازہ مقدس پر نماز
پڑھ کر مٹی کے نہ پڑھی کہ بعد صلوٰۃ ولی پھر اعادۃ نماز جنازہ کا اختیار نہیں۔ ان تمام مطالب کی تفصیل قلیل فقیر کے رسالہ
میں ہے۔

مبسوط امام غفرلہ اللہ عنہ سرخی میں ہے:

ان ابا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان
 ہولا بنسویۃ الامور وتسکین القسۃ فکانوا
 ون علیہ قبل حضورہ وکان الحق لہ لا نہ ہو
 سلیفۃ فلما فرغ صلی علیہ ثم لم یصل احد
 علیہ۔ (مسودۃ ص ۶۷ دارالمرکز)

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاملات درست کرنے اور
 فتنہ فرو کرنے میں مشغول تھے لوگ ان کی آمد سے پہلے آ کر صلوٰۃ
 پڑھتے جاتے اور حق ان کا تھا اس لیے کہ وہ خلیفہ تھے تو جب فارغ
 ہوئے نماز پڑھی پھر اس کے بعد نماز نہ پڑھی گئی۔ (ت)

بزار و حاکم و ابن مہدی و دیگر طبرانی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روای ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا غلبتموني وكفتموني فضعوني على
 رءي ثم اخرجوا عني فان اول من يصلي على
 ل ثم ميكائيل ثم اسرافيل ثم ملك الموت
 يودوه من الملائكة باجمعهم ثم اذخلوا على
 احمد فوج فخلصوا على وسلموا تسليمًا.

والله سبحانه وتعالى اعلم.

(اسم رک ۳۳)

(قادی رومی ج ۸ ص ۳۱۵ ۳۱۶ رمضان طبعین لاہور ۱۹۹۶ء)

عام مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیت

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں اور اجماع جت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھی ہیں اور ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور فرض نماز میں چار رکعات سے زیادہ نہیں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز جنازہ پڑھی اس میں چار تکبیریں تھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھیں۔

پہلی تکبیر کے بعد اللہ عزوجل کی ثناء پڑھے اور وہ یہ ہے: "سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک" اور دوسری تکبیر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ (درو) پڑھے اور وہ معروف درود شریف ہے "اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد... انک حبیبہ معبود... تک اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے استغفار کرے اور ان کے لیے شفاعت کرے کیونکہ نماز جنازہ میت کے لیے دعا ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیر دے۔ (جامع الترمذی ج ۲ ص ۳۲۱-۳۲۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۸ھ)

نماز جنازہ میں چار تکبیریں پڑھنے کی اصل یہ حدیث ہے:

عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی اصحمة النجاشی فکبر اور بھا۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمة النجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں پڑھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۳۳۳ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۹۷۰)

اور نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعا کرنے کی اصل حدیثیں ہیں:

امام ابویوسف رحمہ اللہ بن مسعود ترمذی متوفی ۲۵۹ھ روایت کرتے ہیں:

وعن فضالة بن عبيد قال بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد اذا دخل رجل فصلى فقال اللهم اغفر لي وارحمني. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجبت ايها المصلي! اذا صليت فقمعت فاحمد الله بما هو اهل له وصل على من ادعاه. قال ثم صلى رجل اخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم فقال له انسي صلى الله عليه وسلم

حضرت فضالہ بن عبید قال بينما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد اذا دخل رجل فصلى فقال اللهم اغفر لي وارحمني. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجبت ايها المصلي! اذا صليت فقمعت فاحمد الله بما هو اهل له وصل على من ادعاه. قال ثم صلى رجل اخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم فقال له انسي صلى الله عليه وسلم

عالمگیری در مختار وغیرہ) بعض مآثور دعائیں یہ ہیں:

اللہم اغفر لحینا ومیتنا وشاہدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانانا اللہم من احیہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیہ منا فتوفہ علی الایمان اللہم لا تحرنا اجر (ہا) ولا تفتنا بعد (ہا)۔ اللہم اغفر (لہا) وارحمہ (ہا) وعافہ (ہا) واعف عنہا (ہا) واکرم نزلہ (ہا) ووسع مدخلہ (ہا) واغسلہ (ہا) بالماء والثلج والبرد ونقه (ہا) من الخطایا کما نقیت الثوب الابيض من اللبس وابدله (ہا) خارا غیرا من دار (ہا)۔ (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۸۸ نیاد القرآن علی کثیر لاہور)

نماز جنازہ کے بعد مغمس توڑ کر دعا کرنے کا جواز اور احتیاط

اہل سنت کا معمول ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد مغمس توڑ لیتے ہیں اور لوگ مستحضر ہو جاتے ہیں اس کے بعد امام ایک بار سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھتا ہے اور لوگوں سے بھی پڑھنے کے لیے کہتا ہے پھر اس کا میت کے لیے ایصال ثواب کرتا ہے اور مغفرت کے لیے دعا کرتا ہے اور لوگ اس پر آمین کہتے ہیں علماء جو بعد اس محل سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کی جا چکی ہے اب اس دعا کے تکرار کی کیا ضرورت ہے نیز اس دعا سے نماز جنازہ میں زیادتی کا وہم پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث میں مطلقاً دعا کرنے کا حکم ہے اور اس کی فضیلت کا ذکر ہے ہم انتشار کے تحت نظر صرف دو آیتیں اور تین حدیثیں کا ذکر کر رہے ہیں۔

پس تم اللہ سے دعا کرو اخلاص سے اس کی اطاعت کرو
فَاذْعُوا لِلّٰهِ غُلُوصًا لَّہُ الْیَاقِیْنُ وَلَوْ کَرِهَ الْکَافِرُونَ (الزمر: ۱۳)

اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہارا
وَمَا كَانَ لَّکُمْ اَنْ تَدْعُوْنِیْ اَسْتَجِیْبَ لَکُمْ (الزمر: ۶۰)

دعا کے اس عمومی حکم میں نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بھی شامل ہے اور قرآن مجید کی کسی آیت میں اور کسی حدیث صحیح میں نماز جنازہ کے بعد دعا پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا۔ پھر بغیر کسی شرعی ممانعت کے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع کرنا نہیں ہے اور اپنی طرف سے شریعت وضع کرنے کے مترادف ہے اور اللہ کے ذکر سے روکنے اور منع کرنے کی جسارت ہے اس کی قرآن اور حدیث میں سخت مذمت ہے۔

دعا کرنے کے عموم اور اطلاق میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۲۰، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۳۲۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۱۳ جامع الہدایہ رقم الحدیث: ۲۷۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا ہے بڑھ کر کرم چیز نہیں ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۸۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۷۰، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۷۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۳۷۱، کتاب الفقہاء للعقین ج ۳ ص ۲۸۱، مسند ابی یوسف ج ۳ ص ۲۸۰ شرح رقم الحدیث: ۱۲۸۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۷۷، معجم ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۵۸، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۵۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۸۷۷، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱)

ان احادیث میں بھی عموم اور اطلاق کے ساتھ دعا کرنے کا حکم ہے اور نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جب صفیں ٹوٹ جائیں اور لوگ منتشر ہو جائیں یا جنازہ کے گرد جمع ہو جائیں اس وقت میت کے لیے دعا کرنا بھی ان اوقات کے عموم اور اخلاق میں داخل ہے اور کسی حدیث میں اس وقت میت کے لیے دعا کرنے سے ممانعت نہیں ہے، سو بغیر کسی شرعی دلیل کے محض ہوائے نفس سے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع کرنا بدعت اور گم راہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے جب کہ خصوصیت کے ساتھ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے سلسلہ میں احادیث اور آثار بھی وارد ہیں جن کو ہم پیش کر رہے ہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے ثبوت میں خصوصی احادیث اور آثار

عن ابی ہریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا صلیتم علی میت فاخلصوا الہ الدعاء۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میت پر نماز (جنازہ) پڑھو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لیے دعا کرو۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۰۷، سنن کبریٰ المصنوعی ج ۳ ص ۴۸)
اس حدیث میں ”فاخلصوا“ پر ”فا“ ہے اور یہ تعقیب علی الفور کے لیے آتی ہے اس کا معنی ہے: میت پر نماز جنازہ پڑھنے کے فوراً بعد اس کے لیے اخلاص سے دعا کرو۔

ماہین اور مخالفین اس استدلال پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے:
فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (النحل: ۹۸)
بہن جب تم قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

اس آیت میں بھی ”فاستعذ“ پر ”فا“ ہے جو تعقیب علی الفور کے لیے آتی ہے اور اس صورت میں اس کا معنی ہوگا: جب تم قرآن مجید پڑھو تو اس کے فوراً بعد اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس آیت کا ظاہر معنی حذر ہے اس لیے اس میں مجاز بالخلف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ”اذا لودت ان تقرأ القرآن“۔ جب تم قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو اس کے برخلاف جس حدیث سے ہم نے استدلال کیا ہے اس کے معنی میں کوئی تقدیر نہیں ہے اور اس کو کسی مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری صحیح حدیث یہ ہے:

عن عبد اللہ بن ابی اوفی وکان من صحاب الشجرۃ فماتت ابنۃ لہ وکان یتیم یتیماتھا علی بعلۃ خلفھا فجعل النساء یمکین لہا ان ترثین فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الممرائی ففیض احداکن من
حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما جراحا صاحب شجرہ میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیٹی فوت ہو گئی وہ اس کے جنازہ میں ٹھہر پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ عورتوں نے رونا شروع کر دیا۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: تم مرثیہ مت پڑھو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ تم میں سے کوئی

عبرتھا ما شاءت ثم كبر عليها اربعاً ثم قام بعد
الرابعة قدر ما بين التكبيرتين يدعو ثم قال كان
رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع في
الجنابة هكذا.

عورت اپنی آنکھ سے جس قدر چاہے آنسو بہائے پھر انہوں نے
جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں پھر اتنا وقفہ کیا جتنا دو تکبیروں کے
درمیان وقفہ ہوتا ہے اور اس وقفہ میں دعا کرتے رہے۔ پھر کہا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں اسی طرح کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۶، ترمذی ج ۱ ص ۲۸۸، رقم الحدیث: ۱۸۱۳۰، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۸ھ، معتمد عبد الرزاق رقم
الحدیث ۲۸۶۳، مسند البیہقی رقم الحدیث ۱۸۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۵۰۳، معتمد ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۹، المعجم للبخاری رقم الحدیث ۲۹۸
المعجم رک ج ۱ ص ۳۶۰، ۳۵۹، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۲، ۳۳)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن ابی اوفی نے چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی اور نماز جنازہ کے اندر جو دعا کی تھی وہ
تیسری تکبیر کے بعد کی جاتی ہے اور حضرت ابن ابی اوفی نے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے اور
یہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کا واضح ثبوت ہے باقی رہا یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام پڑھا جاتا ہے اور اس حدیث میں اس کا
ذکر نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ راوی سلام کا ذکر کرنا بھول گیا ہو یا اس نے یہ سوچ کر اس کا ذکر ترک کر دیا کہ
یہ تو ویسے ہی معروف اور مشہور ہے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کے ثبوت میں یہ حدیث بھی اس کی شل ہے:

یزید بن ركانہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت پر نماز جنازہ پڑھتے تو چار تکبیریں پڑھتے پھر یہ دعا
کرتے: اے اللہ! تیرا بندہ اور تیری بندی کا بیٹا تیری رحمت کا محتاج ہے اور تو اس کو عذاب دینے سے مخفی ہے پس اگر یہ نیک ہے
تو تو اس کی نیکی میں زیادہ کر اور اگر یہ بُرا ہے تو تو اس کی برائی سے درگزر فرما پھر جو اللہ چاہتا آپ اس کے لیے وہ دعا کرتے۔
(المعجم الکبیر ج ۲ ص ۳۹۹، رقم الحدیث: ۲۸۷۷، حاشیہ المصنف نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی یعقوب بن عبد بن اس میں کلام کیا گیا ہے۔
مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۳)

اس حدیث میں بھی چار تکبیروں کے بعد دعا کا ذکر ہے اس لیے اس دعا سے مراد بھی وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے
بعد پڑھی جاتی ہے کیونکہ جو دعا نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے وہ تین تکبیروں کے بعد پڑھی جاتی ہے اور اس حدیث میں اور
اس سے پہلی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ دعا چار تکبیروں کے بعد پڑھی گئی ہے اور اگر کوئی مخالف اس پر اصرار کرے کہ چار
تکبیروں کے بعد یہ دعا نماز جنازہ کے اندر پڑھی گئی تھی اور اس کے بعد سلام پڑھا گیا تو لازماً سلام سے پہلے بھی ایک تکبیر پڑھی
جائے گی اور اس طرح نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں ہو جائیں گی اور یہ ابتداء کے خلاف ہے۔ ہم اس سے پہلے بدائع الصنائع
ج ۳ ص ۳۳۱ کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں رہا یہ کہ ان دونوں
حدیثوں میں چار تکبیروں کے بعد سلام کا ذکر نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ راوی نے اس کا ذکر اس لیے نہ کیا ہو کہ چار تکبیروں کے
بعد سلام کا پڑھنا مسلمانوں میں بالکل ظاہر اور معروف تھا اس لیے اس نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ بہر حال چار تکبیروں کے بعد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا دعا کرنا ہمارے مطلوب پر بہت واضح دلیل ہے۔

اور یہ حدیث بھی ہمارے مطلوب پر بہت واضح اور صریح دلیل ہے:

عن جبير بن نفير سمعه يقول سمعت
عوف بن مالك يقول صلى رسول الله صلى
حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ کی نماز پڑھی میں نے

اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ فحفظت من دعائه
 وهو یقول اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف
 عنه واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء
 والتلج والبرد ونقه من الخطایا کما نقت الثوب
 الابيض من الدنس وابذلہ دارا خیرا من دارہ
 واهلا خیرا من اہلہ وزوجا خیرا من زوجہ
 وادخلہ الجنة واعذہ من عذاب القبر ومن
 عذاب النار قال حتی تمیت ان اکون انا ذلک
 المیت۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۹۱۳ سنن الترمذی رقم الحدیث
 ۱۰۳۵ سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۹۸۴)

اس جنازے میں آپ کی دعا کے الفاظ یاد رکھیں وہ یہ ہیں (ترجمہ):
 اے اللہ اس کی مغفرت فرما اس پر رحم فرما اس کو عافیت میں رکھ اور
 اس کو صاف فرما اس کی عزت کے ساتھ مہمانی کر اس کے مدخل کو
 وسیع کر اس کو پانی برف اور دلوں سے دھو ڈال اس کو گناہوں سے
 اس طرح صاف کر دے جس طرح تو نے سفید کپڑے کو نیل سے
 صاف کر دیا ہے۔ اس کے (دنیاوی) گھر کے بدلہ میں اس سے بہتر
 گھر عطا فرما اس کے (دنیاوی) گھر والوں کے بدلہ میں اس سے بہتر
 والے عطا فرما اس کی (دنیاوی) بیوی کے بدلہ میں اس سے بہتر
 بیوی عطا فرما اس کو جنت میں داخل فرما اس کو عذاب قبر اور عذاب ہر
 سے محفوظ رکھ۔ حضرت عوف کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے یہ ترنا کی
 کہ کاش! وہ مرنے والا میرا (تاکہ یہ دعا مجھے مل جاتی)۔

نماز جنازہ کے اندر جو دعا ہو اس کو سرا (آہستہ) پڑھا جاتا ہے اور اس دعا کو حضرت عوف بن مالک نے رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم سے سنا کر یاد کیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ دعا جبراً پڑھی تھی اور جبراً دعا نماز جنازہ کے بعد پڑھی جاتی
 ہے لہذا یہ وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے بعد پڑھی گئی اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ محدثین نے اس دعا کو نماز جنازہ میں پڑھی
 جانے والی دعا کے باب میں ذکر کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ
 یہ وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ حضرت عوف بن مالک کا اس دعا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کر
 یاد کرنا اس پر ظاہر اور واضح قرینہ ہے کہ یہ دعا نماز جنازہ کے بعد پڑھی گئی تھی اور محدثین کا اس دعا کو نماز جنازہ کے اندر پڑھنے
 پر محمول کرنا محض ان کی رائے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کو نہیں فرمایا تھا کہ اس حدیث کو اس باب میں درج
 کرو۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے ثبوت میں احادیث کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم آثار صحابہ کا ذکر کر رہے ہیں:
 امام ابو بکر عبد اللہ بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عمیر بن سعید قال صلیت مع علی
 علی یزید بن النکف فکبر علیہ اربعاً ثم مشی
 حتی اتاہ فقال اللهم عبدک ابن عبدک نزل
 بک الیوم فاعف عن ذنبہ ووسع علیہ مدخلہ ثم
 مشی حتی اتاہ وقال اللهم عبدک ابن عبدک
 نزل بک الیوم فاعف عن ذنبہ ووسع علیہ مدخلہ
 فاننا لا نعلم منه الا خیرا وانت اعلم بہ۔
 (معنی ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ دار الفکر)
 (کراچی ۱۳۹۰ھ)

عمیر بن سعید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی
 اللہ عنہ کے ساتھ یزید بن النکف کی نماز جنازہ پڑھی انہوں نے
 اس پر چار تکبیریں پڑھیں پھر کچھ چلے حتیٰ کہ جنازہ کے پاس آئے
 اور یہ دعا کی: اے اللہ! حیرانہندہ ہے اور حیرے بندہ کا بیٹا ہے آج
 اس پر موت طاری ہوئی ہے تو اس کے گناہ کو بخش دے اور اس کی
 قبر کو کشادہ کر دے پھر کچھ چل کر اس کے پاس آئے اور دعا کی:
 اے اللہ! حیرانہندہ ہے اور حیرے بندہ کا بیٹا ہے آج اس پر موت
 طاری ہوئی ہے تو اس کے گناہ کو بخش دے اور اس کی قبر کو کشادہ کر
 دے کیونکہ ہمیں اس کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ علم نہیں ہے اور اس
 کا خوب علم تجھ کو ہی ہے۔

شخص الامام محمد بن احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک نماز جنازہ روگئی جب وہ اس جنازہ پر آئے تو انہوں نے میت پر صرف استغفار کیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ روگئی جب وہ ان کے جنازہ پر آئے تو کہا: اگر تم نے نماز جنازہ پڑھنے میں مجھ پر سبقت کر لی ہے تو ان کے لیے دعا کرنے میں تو مجھ پر سبقت نہ کرو۔ (المصنوع ج ۳ ص ۷۱ دارالکتب البغدادیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی جب آپ نماز جنازہ پڑھ چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ آئے اور یہ ارادہ کیا کہ ان پر نماز جنازہ پڑھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز جنازہ دو بار نہیں پڑھی جاتی۔ لیکن تم میت کے لیے دعا کرو اور استغفار کرو اور یہ حدیث اس باب میں نص (صریح) ہے اور روایت ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک جنازہ پر نماز روگئی جب وہ آئے تو انہوں نے میت کے لیے صرف استغفار کیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ روگئی جب وہ آئے تو انہوں نے کہا: اگر تم نے ان کی نماز جنازہ میں مجھ پر سبقت کر لی ہے تو ان کے لیے دعا کرنے میں مجھ پر سبقت نہ کرو۔ (بیان المصنوع ج ۳ ص ۳۲۸-۳۲۷ دارالکتب البغدادیہ بیروت ۱۴۲۸ھ)

علامہ محمود بن احمد البخاری المتوفی ۲۵۶ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز جنازہ دو بار نہیں پڑھی جاتی لیکن تم میت کے لیے دعا کرو اور استغفار کرو۔

(المجموع المبرح ج ۳ ص ۳۳۲ دارالمیاد اترک العربی بیروت ۱۴۲۳ھ)

ان احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا عہد رسالت اور عہد صحابہ میں معمول اور مشروع تھا۔ اس تفصیل اور تحقیق کے بعد ہم فقہاء کی ان عبارات کی تصحیح کرنا چاہتے ہیں جن سے مخالفین نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کے عدم جواز پر استدلال کرتے ہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعا سے ممانعت کے دلائل اور ان کے جوابات

ملاطی بن سلطان محمد البخاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۷۱ کتب خانہ پشاور)

ہم نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے ثابت کیا ہے اور ملاطی قاری کی یہ عبارت نہ قرآن کی آیت ہے نہ حدیث ہے نہ اثر ہے تو اس میں اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ یہ احادیث صحیحہ کے حرام ہونے کا ہم اس کی توجیہ یہ ہے کہ ملاطی قاری نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو اس لیے منع کیا ہے کہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوتا ہے اور زیادتی کا شبہ اس وقت ہوگا جب سلام پھیرنے کے بعد اسی طرح مجلس قائم رہیں اور لوگ اسی طرح اپنی جگہوں پر ہاتھ باندھے کھڑے رہیں پھر اسی حال میں میت کے لیے دعا کریں تو یہ شبہ ہوگا کہ یہ دعا بھی نماز جنازہ کا جز ہے۔ لیکن جب سلام پھیرنے کے بعد مجلس ٹوٹ جائیں اور لوگ منتشر ہو کر جنازہ کے گرد جمع ہوں اور ایک بار سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر میت کے لیے ایصال ثواب کریں اور ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا کریں تو پھر کوئی مجلس و خرو سے جاری نہیں ہوگا جو یہ

کہا کہ یہ دعا نماز جنازہ کا جز ہے۔

اسی طرح بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے اور نواور میں ہے یہ دعا جائز ہے۔

علامہ محمود بن احمد البخاری متوفی ۲۵۶ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ کے بعد کوئی شخص دعا کے لیے کھڑا نہ ہو کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے اور نماز جنازہ کا اکثر حصہ دعا ہے اور اس کی روایت میں ہے کہ یہ دعا جائز ہے۔ (الحیاء للبرہانی ج ۳ ص ۳۳۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۳ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۷۵۰ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد دعا نہ کرے اسی طرح خلاصۃ الفتاویٰ (ج ۳ ص ۲۶۵) میں ہے اور امام فاضل نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (المحرر المکی ج ۳ ص ۱۸۳ مطبوعہ مکتبہ ماہدیہ کوئٹہ)

علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی متوفی ۱۰۰۵ھ لکھتے ہیں:

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد کوئی دعا نہ کرے یہ ظاہر مذہب ہے اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ دعا کرے: ”ربنا سنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة“ اور بعض نے کہا: یہ دعا کرے: ”اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتن بعدہ اعطونا ولہ“ اور بعض نے کہا: یہ دعا کرے: ”ربنا لا تفرغ قلوبنا..... اٰلی اخرہ“۔ (آخر القائل ج ۳ ص ۳۹۹ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابراہیم علی متوفی ۹۵۶ھ اور علامہ شیخ زاہد داناؤندی متوفی ۱۰۷۸ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(ندیہ المستمل ص ۵۸۶-۵۸۵ سہیل اکیڈمی لاہور مجمع الانبیاء ص ۲۷۷ مکتبہ فطریہ کوئٹہ)

فقہاء کی ان عبارات سے واضح ہوا کہ اگر نماز جنازہ کے سلام پھیرنے کے متصل بعد وہیں کھڑے کھڑے مضیٰ توڑے کریمیت کے لیے دعا کی تو یہ ظاہر الروایہ میں ممنوع ہے لیکن نوادر کی عبارات میں امام فاضل اور دیگر متاخرین کی عبارات میں گور ہے کہ اس کیفیت سے بھی نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا جائز ہے اور اگر نماز جنازہ کے بعد مضیٰ توڑ کریمیت کے لیے دعا کی گئی جیسا کہ مرہج طریقہ ہے تو پھر یہ کسی کے اعتبار سے بھی ممنوع نہیں ہے اور اس کے جواز اور استحسان میں کوئی کلام نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع دہلوی بکری متوفی ۱۳۹۶ھ نے نماز جنازہ کے بعد دعا کی ممانعت میں لکھا ہے:

(۳۰۷) نماز جنازہ کے بعد جماعت کے ساتھ وہیں ٹھہر کر دعا کرنا کیسا ہے؟

جواب: درست نہیں لیس فی البیازیہ لا یقوم بالدعا بعد صلوة الجنائزہ لانہ دعا مرۃ لان اکثرھا دعا۔

(بازایہ علی حاشیہ الشیخ بن جبریل ص ۹۰) لا فتاویٰ دارالعلوم دہلی بکری (امداد المؤمنین کمال) ص ۳۳۳ دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۷ء)

دراصل بزاز نے یہ عبارت عالمگیری ج ۳ ص ۸۰ پر ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے کھڑا نہ رہے کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے اور نماز جنازہ کا اکثر حصہ دعا چھوٹا ہے۔

اس ممانعت کا بھی وہی عمل ہے کہ نماز جنازہ کے بعد اسی جگہ مضیٰ توڑے بغیر دعا نہ کرے مضیٰ توڑنے اور لوگوں کے ٹھہرنے کے بعد ممانعت نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر فصل کیے بغیر اسی جگہ دعا کرے گا تو اس سے نماز جنازہ میں قی کا شہ ہوگا۔

نماز جنازہ کے متصل بعد اسی حال میں میت کے لیے حزیہ دعا کی ممانعت کی نظیر وہ احادیث ہیں جن میں فرض نماز کے

تصل بعد بغیر فصل کیے ہوئے نفل نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

نافع بن جابر نے ایک شخص کو سائب کے پاس بھیجا اور ان سے اس چیز کے بارے میں دریافت کیا جس کو حضرت معاویہ نے لاۓ تھے دیکھا تھا سائب نے کہا: ہاں! میں نے ان کے ساتھ انصودۃ میں جمعہ پڑھا تھا جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا حضرت معاویہ نے مجھے بلوا کر فرمایا: تم نے جو کیا ہے دو بارہ ایسا نہ کرنا جب تم جمعہ کی نماز پڑھو تو اس وقت تک دوسری نماز نہ پڑھو حتیٰ کہ تم کسی سے بات کر لو یا وہاں سے چلے جاؤ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح کرنے کا حکم دیا ہے کہ ایک نماز کو دوسری نماز کے ساتھ نہ ملا جائے حتیٰ کہ ہم کسی سے بات کر لیں یا اس جگہ سے چلے جائیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۴۹)

نماز جنازہ میں اصل چیز میت کے لیے دعا ہے سو نماز جنازہ کی دعا کے بعد بغیر فصل کے دوسری دعا نہ کی جائے ہاں کسی سے باتیں کر کے یا اس جگہ سے فصل کر کے دوبارہ دعا کی جائے تو پھر جائز ہے جیسے فرض نماز کے بعد فصل کر کے نفل نماز پڑھنا جائز ہے اور حصول پڑھنا منوع ہے۔

اسی طرح امام ابوداؤد و سلیمان بن اصفحت حنفی ۲۷۷۵ روایت کرتے ہیں:

ازرق بن قیس بیان کرتے ہیں کہ ہم کو ایک امام نے نماز پڑھائی جس کی کیفیت ابورمضہ قحیٰ البورمضہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس نماز کی مثل نماز پڑھی تھی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ بھی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب تھے اور ایک شخص نماز میں پہلی تکبیر کے ساتھ موجود تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب اور بائیں جانب سلام پھیرا حتیٰ کہ ہم نے آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھی پھر جس شخص نے پہلی تکبیر کے ساتھ نماز پڑھی تھی وہ اٹھ کر فوراً وہ رکعت نماز پڑھنے لگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے اور اس کے دونوں کندھوں کو پکڑ کر جھجھوڑا پھر کہا: جیتھ جاؤ کیونکہ ساقیہ اہل کتاب صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں کہ وہ اپنی نمازوں میں فصل نہیں کرتے تھے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر حضرت عمر کو دیکھا اور فرمایا: اے ابن الخطاب! اللہ تم کو صواب پر برقرار رکھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۰۷)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ فرض نماز اور نفل نماز میں کوئی فصل ہونا چاہیے خواہ کوئی بات کر لی جائے یا جگہ بدل لی جائے اور نماز جنازہ کے متصل بعد اگر اسی جگہ دوبارہ میت کے لیے دعا کی جائے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے لہذا جن فقہاء نے نماز جنازہ کے متصل بعد میت کے لیے دعا کرنے سے منع کیا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ ہوگا اور جب مفیس ٹوٹے اور نمازیوں کے جگہ بدلنے کے بعد دعا کی جائے گی تو پھر نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بہر حال مستحسن ہوگا

دارالعلوم دیوبند کے مفتی ذوالفقار عظیمی عزیز الرحمن لکھتے ہیں:

سوال (۳۱۳۳): بعد نماز جنازہ قبل دفن چند مجلسوں (نمازیوں) کا ایصال ثواب کے لیے سورۃ فاتحہ ایک بار اور سورۃ اخلاص تین بار آہستہ آواز سے پڑھنا یا کسی نیک آدمی کا دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصر دعا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں۔
الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن اس کو رسم کر لینا اور التزام کرنا مثل واجبات کے اس کو بدعت بنادے گا کسما صرح بہ الفقہاء فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۳۳۰-۳۳۱ دارالکرامت کراچی)

اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد کچھ فصل کر کے دعا کرنا جائز ہے بلکہ مستحب اور مستحسن ہے۔ مثل واجبات کے التزام کرنا حار ہے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن مثل واجبات کے التزام کا معنی یہ ہے کہ نہ کرنے والے کو عاصت اور

خدمت کی جائے اور اس کو بھی بھی ترک نہ کیا جائے اور کبھی توک ہو جائے تو اس کی قضاء کی جائے اور اہل سنت اس طرح نہیں کرتے۔

مجھ سے بعض احباب نے فرمائش کی تھی کہ میں نماز جنازہ کے بعد دعا کے مسئلہ پر لکھوں 'شرح صحیح مسلم اور حبان القرآن کی سادہ جلدوں میں یہ مسئلہ نہیں لکھ رہا تھا۔ اب "انک میٹ" کی تقریر میں اس مسئلہ کی ایک گونہ مناسبت تھی سو حسب مقدمہ لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

الترجمہ: ۳۱ میں فرمایا: "پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھکنا کرو گے"۔
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکڑنے والوں کے مصداق

انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں میں جھکنا ہوگا 'انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ ہم نے اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے اور ان کی امتیں اس کا انکار کریں گی اور عام کفار اپنے کافر سرداروں سے جھکنا کریں گے 'عوام کہیں گے کہ ہمیں ان سرداروں نے تم راہ کیا ہے 'ہم نے ان کے کہنے سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا کفر کیا تھا اور وہ اس کا کفر کریں گے 'مسلمانوں کے بعض گروہ ایک دوسرے سے جھکنا کریں گے 'حتیٰ کہ جانور بھی ایک دوسرے سے جھکنا کریں گے 'قیامت کے دن مختلف فریق اپنے رب کے سامنے جھکنا کریں گے 'اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

فَلْيَسُبُّوا رَبَّهُمْ يَوْمَئِذٍ هُمْ كَاكْفَرُونَ

پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھکنا کرو گے (الترجمہ: ۳۲)

حضرت زبیر نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم دنیا میں جھکڑے کے بعد قیامت کے دن پھر جھکنا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا: پھر تو یہ معاملہ بہت سخت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۳۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۰۰ مسند احمد ج ۵ ص ۶۶۳ مسند ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۶۳ مسند ابویوسف رقم الحدیث: ۶۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ نے کہا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو نہ کوئی سامان ہو! آپ نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نمازیں روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے اس کو گالی دی! اس پر تہمت لگائی اور اس کا مال کھایا! اس کا خون بہایا اور اس کو مارا پھرا! اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور اس کو بھیجی اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے! پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی دوسرے شخص کی عزت یا اس کی کسی بھی چیز پر ظلم کیا ہو وہ آج ہی اس سے معاف کرائے اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں اس کے پاس درہم ہوگا نہ دینار ہوگا! اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے برابر اس سے وہ نیک عمل لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیک عمل نہیں ہوگا تو جس پر اس نے ظلم کیا ہے اس کے گناہ اس کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۴۳۴ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۰۵۸۰ عالم الکتاب)

حضرت عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسی جھکنا کریں گے۔

(سند احمد ج ۳ ص ۱۵۱ (مصحح قدیم) سند احمد ج ۳ ص ۱۰۱ طبعی حدیث منسوخہ از سنہ ۱۳۹۹ھ بمطابق ۱۸۸۲ء (مصحح قدیم) (۸۵۲)

حضرت عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ظالم حاکم کو لایا جائے گا اور اس کی رعایا اس سے جھگڑا کرے گی اور وہ اس پر قلبہ حاصل کرے گی پھر اس سے کہا جائے گا کہ تم جہنم کے ارکان میں سے ایک رکن کو بھرو۔ (سند طبرانی ج ۱ ص ۱۶۳ الاکمال لا یحیی ج ۳ ص ۱۲۳ طبعی حدیث منسوخہ از سنہ ۱۳۹۹ھ بمطابق ۱۸۸۲ء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ضرور حق داروں کو ان کے حقوق ادا کیے جائیں گے حتیٰ کہ سیکھ والی بکری سے بے سیکھ کی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ آپس میں جھگڑا کریں گے حتیٰ کہ روح جسم کے ساتھ جھگڑا کرے گی پس روح جسم سے کہے گی: تم نے یہ کام کیسے تھے اور جسم روح سے کہے گا: تم نے یہ منصوبہ بنایا تھا اور تم نے حکم دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کے لیے ایک فرشتہ بھیجے گا وہ کہے گا: تم دونوں کی مثال اس طرح ہے کہ ایک دیکھنے والا اپنا چٹخٹھس ہو اور دوسرا اندھا ہو وہ دونوں ایک بارغ میں گئے اپنا چٹخٹھس سے کہا: میں یہاں پر بہت پھل دیکھ رہا ہوں لیکن میں ان تک پہنچ نہیں سکتا تب اندھے نے کہا: تم مجھ پر سوار ہو جاؤ اور ان پھلوں کو توڑ لو پس اس اپنا چٹخٹھس نے اندھے پر سوار ہو کر پھل توڑ لیے بتاؤ ان دونوں میں سے کون مجرم ہے؟ روح اور جسم دونوں نے کہا: وہ دونوں مجرم ہیں۔ تب فرشتہ ان دونوں سے کہے گا: تم دونوں نے خود اپنے خلاف فیصلہ کر دیا یعنی جسم روح کے لیے بہ منزلہ سواری ہے اور روح بہ منزلہ سوار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۸ اندر الملوک ج ۱ ص ۱۹۹ المہامج لا حکام القرآن ج ۵ ص ۵۵ روح البیان ج ۸ ص ۱۳۵-۱۳۴)

امام محمد بن جعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صادق کا ذب سے 'مظلوم ظالم سے' ہدایت یافتہ گمراہ سے اور کمزور دھکیلے سے جھگڑا کرے گا۔ ابن زید نے کہا: مسلمان کا کافر سے جھگڑا کرے گا۔

ابراہیم نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا: ہم کیسے جھگڑا کریں گے ہم آپس میں بھائی ہیں اور جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو مسلمانوں نے کہا: اس قتل کے حلقی ہمارا جھگڑا ہو گا۔

(جامع ابی داؤد ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَتَّبِعُوا الْاَوَّلَیْنَ (۴۰)

پھر مسلمان کیسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھگڑا کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کا دن بہت بڑا دن ہو گا اس کی بعض ساعتوں میں لوگ ایک دوسرے سے جھگڑا نہیں کریں گے اور بعض دوسری ساعات میں جھگڑا کریں گے اس کی نظیر حسب ذیل آیات ہیں:

فَکَذَّبُوا بِآیَاتِنَا ۚ (۲۲) (قصص)

وَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَذَلُّوْنَ (۲۳)

(الصافات: ۲۴)

یعنی قیامت کے دن وہ کسی وقت ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور دوسرے وقت میں سوال کریں گے۔

اس دن کسی انسان سے اس کے گناہ کا سوال کیا جائے گا

فَوَيَوْمَئِذٍ لَا یَنْفَعُ عَنْ ذُنُوبِهِمْ اِشْرَاقُ الشَّمْسِ وَلَا جَوَارِحُ

سو آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور سوال کریں

قَوْمٌ يَكْفُرُونَ لَكَ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (المز ۹۲)

۵ گے

یعنی قیامت کے دن ایک وقت میں کسی سے سوال نہیں کیا جائے گا اور دوسرے وقت میں سب سے سوال کیا جائے گا۔
قیامت کے دن کی آزمائشوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالْصِّدْقِ

میں اس سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ پاندھے اور جب سچ اس کے پاس آئے تو وہ اس

إِذْ جَاءَهُ الْيُسُفُ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ۝ وَالَّذِي

کو جھٹلائے! کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے ۵ اور جو

جَاءَهُ بِالْصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ لَّهُمْ

سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں ۵ ان کے لیے

مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۝ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝

ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ہے جس کو وہ چاہیں اور یہی نیک کرنے والوں کی جزاء ہے ۵

لِيَكْفُرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ

کہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے

أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ

بہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے ۵ کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے یہ تو آپ

بِمَدَاةٍ وَيَخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۝ وَمَنْ

اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں اور جس کو اللہ تم راہی پر چھوڑ دے

فَنَلِّ اللَّهُ فَمَالَهُ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَالَهُ

کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے ۵ اور جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے اس کو کوئی گم راہ

مِنْ مُضِلٍّ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝ وَلَئِنْ

کرنے والا نہیں ہے کیا اللہ غالب قہر نہیں ہے؟ ۵ اور اگر آپ ان

سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۝

سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے: اللہ نے! آپ کہیے: بھلا تم یہ

قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ

بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو! اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا یہ

اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَتُ ضَرِّهِ أَوْ أَرَادَنِيَ بِرَحْمَةٍ

اس کے پہنچانے ہوئے ضرر کو دور کر سکیں گے؟ یا اگر وہ مجھ پر رحمت کا ارادہ کرے تو کیا وہ

هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِي ۝ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ

اللہ کی رحمت کو دور کر سکیں گے! آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے! اسی پر توکل کرنے والے

الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي

توکل کرتے ہیں ۵ آپ کہیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو بے شک میں

عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ

(بھی) عمل کر رہا ہوں! پس مغرب تم جان لو گے ۵ کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب

وَيَجِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ

آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہو گا ۵ بے شک ہم نے لوگوں کے لیے آپ

لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ

پر حق کتاب نازل کی ہے! سو جس نے ہدایت اختیار کی تو اپنے ہی فائدہ کے لیے اور جس نے

فَأَنَّمَا يُغْنِي عَنْهَا ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝

گمراہی اختیار کی تو اس گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٰسے اس سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب سچ اس کے پاس آئے تو وہ اس کو جھٹلائے، کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے؟ اور جو سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر نعمت ہے جس کو وہ چاہیں اور یہی نیک کرنے والوں کی جزاء ہے۔ (تاکثر: ۸۵-۸۴) سے اللہ ان کے لیے ہوئے زیادہ نئے کاموں کو دور کر دے اور ان کے لیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزاء عطا فرمائے۔ (الزمر: ۳۵-۳۴)

اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کے متعدد مصداق

ان آجوں میں اللہ عزوجل ان مشرکین سے خطاب فرما رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اور اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر لیا اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے اللہ کے لیے اولاد کو ثابت کیا اور جب اللہ کے رسل کرام صلوات اللہ علیہم ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے اس پیغام کو جھٹلایا اس لیے اللہ چارک و تعالیٰ نے فرمایا: "پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور جب سچ اس کے پاس آئے تو وہ اس کو جھٹلائے" یعنی وہ سب سے زیادہ ظلم کرنے والا ہے، کیونکہ اس نے اللہ کے ساتھ بھی کفر کیا اور رسولوں کے ساتھ بھی کفر کیا اور اللہ کی بھی تکذیب کی اور اس کے رسولوں کی بھی تکذیب کی، انہوں نے باطل کا قول کیا اور حق کا انکار کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: "کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے؟"

اس وعید میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں اور واقع میں وہ نبی اور رسول نہ ہوں اور ہمارے نبی خاتم الانبیاء والرسول کی بعثت کے بعد جس نے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو خاتم النبیین فرما چکا ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے مریدین اور معتقدین کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ وہ اللہ کا ولی ہے یا غوث اور تکیب ہے یا اس پر الہام ہوتا ہے وہ اس وعید میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی اللہ پر جھوٹ باندھنے والا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اس آیت سے بعض علماء نے اہل قبلہ میں سے اپنے نظریات اور عقائد کے مخالف کو کافر قرار دینے پر استدلال کیا ہے، کیونکہ جو شخص مسائل قطعیہ کی مخالفت کرے گا وہ مذہب حق کا مخالف ہوگا اور خصوص قطعہ کا مذہب ہوگا سو وہ اس آیت کی وعید میں داخل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۵۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۵ھ)

الزمر: ۳۳ میں فرمایا: "اور جو سچے دین کو لے کر آئے اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔"

سچے دین کو لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے کے مصداق میں متعدد اقوال

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کے حسب ذیل مصداق ذکر کیے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صدق سے مراد لا الہ الا اللہ ہے اور اس کو لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ سب سے پہلے آپ نے لا الہ الا اللہ پڑھا اور سچے دین کی تصدیق کی۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سچے دین کو لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۳) قتادہ نے کہا: صدق سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی تصدیق کرنے والے تمام مؤمنین ہیں۔

(۴) مجاہد نے کہا: صدق سے مراد قرآن کریم ہے اور اس کی تصدیق کرنے والے اہل قرآن ہیں۔

(۵) سدی نے کہا: صدق سے مراد قرآن مجید ہے اس کو لانے والے حضرت جبریل ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے سیدنا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۷۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان اقوال میں راجح قول کا بیان

جمہور مفسرین کا مختار یہ ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

چھٹی صدی کے مشہور شیعہ مفسر ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی لکھتے ہیں:

قوی قول یہ ہے کہ صدق کو لانے والے اور تصدیق کرنے والے دونوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابو العالیہ اور بکلی سے یہ قول منقول ہے کہ صدق کو لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور مجاہد شحاک اور انصار اہل بیت سے مروی ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تصدیق کرنے والے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ (معجم البیان ج ۷ ص ۷۷۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ صدق کو لانے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تصدیق کرنے والے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت ابو بکر کا مراد ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی تھی اور جو سب سے پہلے تصدیق کرنے والا ہو وہی سب سے افضل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ نسبت حضرت ابو بکر کو اس آیت سے مراد لینا زیادہ راجح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حضرت علی کم سن تھے جیسے گھر میں کوئی بچہ ہوتا ہے اور حضرت علی کے اسلام لانے سے اسلام کو کوئی زیادہ قوت اور شوکت حاصل نہیں ہوئی اور حضرت ابو بکر بڑی عمر کے تھے اور معاشرہ میں ان کی بہت عزت اور وجاہت تھی اور جب انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی تو اس سے اسلام کو بہت زیادہ قوت اور شوکت حاصل ہوئی اس وجہ سے اس آیت میں "و صدق بہ" سے حضرت ابو بکر صدیق کو مراد لینا زیادہ راجح ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۵۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: "وہی لوگ متقی ہیں" یعنی جن لوگوں نے سچے دین کی تصدیق کی وہی متقی ہیں اور وہی کفر اور شرک اور اللہ تعالیٰ کی معصیت کو ترک کرنے والے ہیں۔

الترجمہ ۳۳ میں فرمایا: "ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ نعمت ہے جس کو وہ چاہیں اور یہی نیکی کرنے والوں کی جزا

ہے۔"

اہل جنت کے دلوں کا کینہ اور حسد سے پاک ہوتا

کیونکہ ان متقین نے اللہ کی معصیت کو ترک کیا تھا اور ہر اس کام کو ترک کر دیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے تقاضائے کرم سے ان کو بہترین جزاء عطا فرمائی اور انہوں نے اپنے رب سے جس چیز کو بھی چاہا اس کو ان کے رب نے انہیں عطا فرمادیا۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب جنت میں عام مومنین انبیاء علیہم السلام اور افاضیہ اولیاء کرام کے بلند درجات اور

مقامات دیکھیں گے تو لازماً ان کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوگی کہ ان کو بھی ایسے ہی درجات اور مقامات حاصل ہوں تو اس آیت کے اعتبار سے ان کو بھی وہ مقامات ملنے چاہئیں تو ان کو رنج پہنچے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے دلوں سے کینہ اور حسد اور سلی خواہشات کو زائل کر دے گا اور جنت والوں کے احوال دنیا والوں کے احوال سے مختلف ہوں گے نیز ایسی باطل خواہشوں کے دوسرے تو شیطان دلوں میں ڈالتا ہے اور اس وقت وہ لعین دوزخ کے کسی طبقہ میں پڑا جا رہا ہوگا نیز اہل جنت کو اللہ تعالیٰ اپنا دیار عطا فرمائے گا اور جب اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیار کر لیں گے تو اس کے دیدار کے بعد ان کے دلوں میں کسی اور نعمت کی خواہش پیدا نہیں ہوگی۔

الزمر: ۳۵ میں فرمایا: ”تا کہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ نرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزا عطا فرمائے“ O
کفارہ کا معنی اور زیادہ نیک کاموں کی تفسیر

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جن متقین اور محسنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ان سے عذاب من کل الوجوہ ساقط ہو جائے گا اس مطلب کی تفسیر یہ ہے کہ لوگ جب انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ان کے کیے ہوئے کبیرہ گناہوں کو مٹا دے گا۔

اس آیت میں ”لکفر اللہ“ کا لفظ ہے اس کا مصدر تکفیر ہے اور اس کا حاصل مصدر کفارہ ہے کفارہ اس چیز کو کہتے ہیں جو گناہ کو چھپائے جیسے جسم کا کفارہ قتل خطا کا کفارہ عذر روزہ توڑنے کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ اور تکفیر کا معنی ہے کسی گناہ کو اس طرح چھپا دینا کہ اس شخص نے وہ گناہ کیا ہی نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تکفیر میں باب تفصیل سلب مانع کے لیے ہو جیسے ترمیم کا معنی ہے مرض کو زائل کرنا اسی طرح تکفیر کا معنی ہے کفران نعمت اور ناشکری کے کاموں کو زائل کرنا اور اس کا معنی پہلی آیت سے حاصل ہو کر اس طرح ہو گا کہ یہ ان متقین اور محسنین کی جزا ہے جنہوں نے زیادہ نیک کام اس لیے کیے کہ اللہ ان کے زیادہ نیک کاموں کی وجہ سے ان کے زیادہ نرے کاموں کو مٹا دے اور ان کی حسات کفارہ مینات ہو جائیں۔ اس آیت میں ”احسن“ کا لفظ ہے یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے زیادہ نرے کام اور وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس آیت میں ”احسن“ کا لفظ ہے یہ بھی اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے زیادہ نیک کام اور وہ فرائض اور واجبات کو بہت اچھے طریقہ سے ادا کرنا ہے۔

ان محسنین کو جو بہترین جزا اودی جائے گی اور ان کے نرے کاموں کو مٹایا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے پیغام کی تصدیق کی اور اپنے اقوال افعال اور اسوا سے اس تصدیق کا ثبوت فراہم کیا جو بات کہی گئی تھی جو وعدہ یا عہد کیا اس کو پورا کیا اور ہر کام میں ان کی نیت صادق رہی یعنی انہوں نے ہر نیک کام جذبہ صادق اور عبادت کی نیت سے کیا اور تصدیق کے یہ ثمرات ہر چند کہ بندہ کے افعال اختیار یہ ہیں اور اسی وجہ سے ان پر اجر و ثواب ملتا ہے لیکن حقیقت میں یہ شخص اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور صدق بندوں کے دلوں میں اللہ کا علیہ ہے اور وہی صفت ہے انسان کے نفس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یحییٰ کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے آپ نے فرمایا: تم اپنے دین میں اخلاص رکھنا (اخلاص اور صدق نیت سے اللہ کی اطاعت کرنا) پھر تم کو کم عمل بھی کافی ہوں گے۔

حاکم نیشاپوری نے کہا: اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نہیں کیا لیکن یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(اسعد رک ج ۳ ص ۲۰۶ طبع قدیم) اسعد رک رقم الحدیث ۸۳۳ طبع جدید: کتب اعمال ج ۳ ص ۲۳ الترغیب والترہیب للعلامة ابن حجر (ج ۳ ص ۲۳)

حافظ سیوطی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے (المناہج للصفیر رقم الحدیث: ۲۹۸۰ علیہ السلام ج ۳ ص ۲۳۳)

علامہ عبدالرؤف السناوی التوتنی ۱۰۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

روح جب نفس کی شہوات سے خالی ہو اور انسان محض اللہ کی رضا کے لیے عبادت کرے اور اس کی عبادت میں اس کے دل اور اس کے نفس یا اس کی روح کا کوئی حصہ نہ ہو تو وہ صدق ہے اور اس کا عمل مقبول ہوتا ہے اور عمل مقبول کم ہو اور عمل مردود کثیر ہو تو ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ تو رات میں مذکور ہے کہ جو عمل میری رضا کے لیے کیا گیا وہ قلیل عمل بھی کثیر ہے اور جس عمل میں میری رضا کی نیت نہیں کی گئی وہ کثیر عمل بھی قلیل ہے عارفین نے کہا ہے کہ عبادت میں کثرت کے بجائے اخلاص کی نیت کیا کرو امام غزالی نے کہا: وہ قلیل عبادت جو ریا کاری اور فخر و غرور سے خالی ہو اور اخلاص کے ساتھ ہو اس کی اللہ کے نزدیک بے شمار قدر و قیمت ہے اور وہ کثیر عبادت جو صدق اور اخلاص سے خالی ہو اس کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ماسوا اس کے کہ اللہ اپنے لطف و کرم سے اس کا تدارک کر دے۔ عارفین نے کہا ہے کہ صفاء قلب کے ساتھ جو عمل کیا جائے خواہ کم ہو اس میں اور بغیر صفاء قلب کے کثیر عمل میں وہ فرق ہے جو ایک جوہر اور بہت سی پتلیوں میں فرق ہوتا ہے۔

امام رازی نے کہا ہے کہ جب کسی عمل کا باعث اور محرک صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اور اس کے دل میں دنیا کی محبت کا ایک ذرہ بھی نہ ہو حتیٰ کہ اس کا کھانا پینا بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کی محبت کی وجہ سے ہو اور اپنے جسمانی تقاضوں کی وجہ سے نہ ہو حتیٰ کہ اس کی یہ نیت ہو کہ اگر اللہ اور اس کے رسول نے کھانے پینے کا حکم نہ دیا ہوتا تو وہ ہرگز کھانے پینے کو اختیار نہ کرتا تو اس کے عمل میں صدق اور اخلاص ہے اور وہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے دھجی میں قلعہ اور صادق ہے۔

(فیض اللہ بر ج ۳ ص ۳۹۵-۳۹۶ مسلفاً و موصفاً) مکتبہ نذر مطلق الباز (مکتبہ ۱۳۸۱ھ)

الزمر: ۳۵ میں علامہ قرطبی کی ”اسوء“ کی تفسیر پر بحث و نظر

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت ان متقین اور محسنین سے مرعہ ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کی اور اللہ اور رسول پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ ان کے زیادہ تر کاموں کے لیے ان کے زیادہ نیک کاموں کو کفارہ بنا دے گا اور اس سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ کفر میں جو انہوں نے شرک کیا تھا اور دوسرے گناہ کیے تھے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو مٹا دے گا اور انہوں نے ایمان لانے کے بعد جو احسن (زیادہ نیک) کام کیے ہیں ان کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور وہ اجر و ثواب جنت ہے۔ (المناہج لا حکام القرآن ج ۵ ص ۲۴۹ دار الفکر بیروت ۱۳۷۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی نے اس تفسیر پر اعتراض کیا ہے: ”و صدق بہ کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو اگر اس آیت کی یہ تفسیر کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان متقین اور محسنین کے زمانہ کفر کے ترے کاموں کو مٹا دے گا تو پھر حضرت علی پر یہ تفسیر صادق نہیں آئے گی“ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کفر کیا ہی نہیں تھا۔“ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۳۳ دار الفکر بیروت ۱۳۴۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس تفسیر پر علامہ آلوسی کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے لہذا اس لیے کہ قرآن مجید میں محسنین اور متقین کے الفاظ ہیں اور ان کے عموم میں حضرت علی بھی داخل ہیں۔ ثانیاً اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت مورد کانہیں ہوتا اور چنانچہ اس لیے کہ قرآن مجید میں ”اسوء“ کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: زیادہ تر اکام خواہ وہ کفر و شرک ہو یا گناہ کبیرہ ہو اس کو بالخصوص کفر

کے ساتھ متعبد کرنا صحیح نہیں ہے تاہم علامہ قرطبی کی تفسیر بھی صحیح نہیں ہے انہوں نے اپنی تفسیر میں متعین اور محسین کو ان لوگوں کے ساتھ متعبد کر دیا جو کفر و شرک کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور انہوں نے ”اسوا“ کو کفر کے ساتھ اور احسن کو ایمان کے ساتھ متعبد کر دیا حالانکہ ”اسوا“ کا معنی ہے: زیادہ بُرا کام خواہ وہ کفر و شرک ہو یا کوئی اور گناہ کبیرہ ہو اور ”احسن“ کا معنی ہے: زیادہ نیک کام خواہ وہ ایمان لانا ہو یا ایمان لانے کے بعد فرائض اور واجبات کو زیادہ حسن و خوبی سے ادا کرنا ہو کیونکہ اس آیت کا معنی ہے: ”تا کہ اللہ ان (محسین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بُرے کاموں کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزا عطا فرمائے“ اور یہ آیت جس طرح ان محسین پر صادق آتی ہے جو کفر کو ترک کر کے اسلام لائے ہوں اسی طرح ان محسین پر بھی صادق آتی ہے جو گناہ کبیرہ کو ترک کے تو بہ اور استغفار کریں اور بڑھ چڑھ کر نیک کام کریں اور محققین نے اس آیت کو اسی طرح عموم پر رکھا ہے۔

علامہ ابو الیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۵۳۷ھ لکھتے ہیں:

”زیادہ بُرے کاموں سے مراد ہے: اہل جاہلیت کا کفر اور اہل اسلام کے معاصی اور ان کا کفارہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان سے عذاب اکمل وجوہ سے ساقط ہو جائے گا اور زیادہ نیک کاموں کی جزا اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کو اجر و ثواب بھی اکمل وجوہ سے حاصل ہوگا۔“ (المعراج، ج ۹ ص ۲۰۳، دار الفکر بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۶۰ھ امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ علامہ علاء الدین خازن متوفی ۷۲۵ھ و دیگر محققین نے بھی اس آیت کو عموم پر رکھا ہے امام ابن جریر کی عبارت یہ ہے:

”ان محسین کو ان کے رب نے ان کے نیک کاموں کی یہ جزا دی ہے کہ انہوں نے دنیا میں جو زیادہ بُرے کام کیے تھے جن کا صرف ان کے رب کو علم تھا اور جو انہوں نے ظاہر نہ سے کام کیے اور ان پر تو بہ کی اور استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے متادیا اور انہوں نے دنیا میں جو زیادہ نیک کام کیے تھے ان پر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور ان سے راضی ہوگا۔“ (جامع الیمان، ج ۲ ص ۸۲، زیور السیر، ج ۳ ص ۱۸۳، تفسیر القرآن، ج ۳ ص ۵۸)

الزمر: ۳۵ میں علامہ زکریا رازی اور علامہ آلوسی کی ”اسوا“ کی تفسیر پر بحث و نظر

علامہ چار اللہ محمود بن عمر زکریا رازی متوفی ۵۳۸ھ نے اس آیت کی تفسیر اپنے نظریہ اعتزال کی بناء پر کی ہے وہ لکھتے ہیں:

”اگر تم یہ سوال کرو کہ اسوا (زیادہ بُرے کام) اور احسن (زیادہ نیک کام) کی ان کے کیے ہوئے کاموں کی طرف اضافت کی کیا وجہ ہے؟ اور ان کاموں کی تفصیل کا کیا معنی ہے؟ تو میں کہوں گا: اس میں تفصیل کا معنی ملحوظ نہیں ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ الاشیخ بنو عمر و ان میں اعدل تھا یعنی سب سے زیادہ عدل کرنے والا تھا (الاشیخ کا لغوی معنی ہے: جس کے سر پر چوٹ لگی ہو اور اس سے مراد عمر بن عبد العزیز ہیں کیونکہ ان کے سر میں چوٹ لگی تھی اور اس جملہ میں اعدل کا تفصیل والا معنی مرا نہیں ہے ورنہ یہ معنی ہو گا کہ تمام بنو عمر و ان عدل کرنے والے تھے اور عمر بن عبد العزیز ان میں سب سے زیادہ عدل کرنے والے تھے حالانکہ تمام مروانی ظالم اور فاسق تھے اس لیے اس جملہ میں اعدل عادل کے معنی میں ہے اور اس میں تفصیل ملحوظ نہیں ہے) اس طرح اسوا میں بھی تفصیل ملحوظ نہیں ہے اور اس کا معنی زیادہ بُرے کام یعنی گناہ کبیرہ نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے: صرف بُرے کام یعنی گناہ صغیرہ نہ بایہ کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ہم تفصیل سے کیوں تعبیر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان محسین سے جو صغیرہ گناہ اور لغزشیں صادر ہوئیں تو وہ اپنے بلند درجہ کی وجہ سے ان کو بھی کہا نہ میں سے شمار کرتے اور اسوا یعنی زیادہ بُرے کام قرار

دیتے اور جو حسن (نیک کام) کوہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کے حسن اخلاص کی وجہ سے ان کو احسن قرار دیتا ہے اس لیے ان کے حسن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے احسن فرمایا غلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نہرے کاموں (مضائر) کو زیادہ نہرے (کہاڑ) ان کے اعتبار سے فرمایا کہ وہ اپنے نہرے کاموں کو زیادہ نہرے قرار دیتے تھے اور ان کے نیک کاموں کو زیادہ نیک اپنے اعتبار سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے حسن اخلاص کی وجہ سے ان کے عام نیک کاموں کو بھی زیادہ نیک قرار دیتا ہے۔

(الکشاف ج ۳ ص ۱۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ زحشری کی اس نکات آفریں تفسیر کے حسن اور اس کی خوبی میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن ان حسین نکات میں ان کی بدعتیگی چھپی ہوئی ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہاڑ کو بغیر توبہ کے معاف نہیں فرمائے گا اس لیے انہوں نے کہا: اس آیت میں اسوائے حقیقت میں کہاڑ مراد نہیں ہیں مضائر مراد ہیں لیکن وہ محسنین اپنے بلند درجہ کی وجہ سے ان مضائر کو بھی کہاڑ گردانتے تھے اس لیے ان کے اعتبار سے ان کے مضائر کو اسوایا فرمایا۔

علامہ آلوسی علامہ زحشری کی عبارت کی تہ تک نہیں پہنچ سکے انہوں نے کہا کہ علامہ زحشری کی مراد یہ ہے کہ وہ متعین اپنے تقویٰ میں اس قدر کامل ہیں کہ ان کے کاموں میں کوئی نہائی صرف فرما ہی داخل ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں کو اسوایا فرمایا ہے اس کا معنی ہے: ان متعین نے باغرض جو نہرے کام کیے ہیں معلوم ہوا کہ زحشری کی یہ تفسیر ان کے نظریہ اعتزال پر مبنی نہیں ہے۔ (واضح رہے کہ علامہ زحشری مغزلی ہیں اور مغزلہ کے نزدیک اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب توبہ نہ کرے تو اس کی مغفرت ممکن نہیں ہے) (روح البیان ج ۲ ص ۲۳۳ نے درالمنکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ زحشری کی تفسیر اس لیے صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے اسوایا (زیادہ نہرے کام یعنی گناہ کبیرہ) کو بلا ضرورت شرعی مجاز پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ "یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے مگر اس میں تفضیل کا معنی مراد نہیں ہے اور یہ اس طرح ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ الایچ (عمر بن عبدالعزیز) بخیر و ان میں اعدل ہے لہذا اسوایا سے مراد صغیرہ گناہ ہیں" اور جب یہاں اسوایا کا حقیقی معنی (گناہ کبیرہ) لینا درست ہے تو پھر اس کو مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے اور حقیقی معنی مراد لینا اس لیے درست ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس سے کم گناہ کو معاف فرمادیتا ہے خواہ گناہ صغیرہ ہو یا گناہ کبیرہ اور خواہ ان گناہوں پر توبہ کی ہو یا نہ کی ہو قرآن مجید میں ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ

بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشنے گا اور اس سے کم جو گناہ ہو گا

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْفَاسِقِينَ (النساء: ۴۸)

لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ دَعْوَةً إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ

اللہ کی رحمت سے مانجس نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہوں کو

بخش دے گا۔

صیحیح (الزمر: ۵۳)

اور علامہ زحشری کی دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے اسوایا کو مجاز پر محمول کرنے کے لیے قرآن اور حدیث سے دلائل دینے کے بجائے اس کو لوگوں کے اس قول پر قیاس کیا ہے کہ "الایچ بخیر و ان میں اعدل ہے اس قول میں اعدل عادل کے معنی میں ہے اور تفضیل اور اعدل کی زیادتی مراد نہیں ہے لہذا اسوایا میں بھی نہرے کام کی نفس الامر اور واقع میں زیادتی کا ارادہ نہیں کیا گیا بلکہ محسنین کے نزدیک زیادتی مراد ہے" اور قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر لوگوں کے اقوال سے قرآن مجید کے معنی متعین کرنا باطل ہے خصوصاً جب کہ وہ معنی قرآن مجید کی صریح آیات کے خلاف ہو۔

علامہ زحشری کی تائید میں علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ اسوایا سے مراد یہ نہیں ہے کہ نفس الامر اور واقع میں وہ زیادہ نہرے

کلام ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ متقین کے جو کام بالفرض زیادہ نہ رہے ہوں اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف کر دے گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تفسیر اور تاویل بھی غلط ہے کیونکہ ان متقین اور متخشنین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی اور ظاہر ہے یہ متقین نبی اور رسول تو نہیں ہیں اور ان سے گناہ کبیرہ کا صدور حذر اور بعید نہیں ہے پھر اس تاویل کی کیا ضرورت ہے کہ اگر بالفرض ان سے گناہ کبیرہ ہو گئے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی معاف فرما دے گا۔ سب سے بڑے متقی اور محسن تو صحابہ کرام ہیں کیا بعض صحابہ نے زیادہ نہ سے کام نہیں کیے جن پر حد جاری ہوئی انہوں نے تو یہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ پھر عام متقین کے لیے زیادہ نہ سے کام کرنا کب محال ہے جو قرآن مجید کے صریح لفظ میں تاویل کی جائے اور اس کو بغیر شرعی دلیل کے مجاز پر محمول کیا جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ علامہ قرطبی، علامہ ذہری اور علامہ آلوسی کے ذکر کردہ نکات پر تبصرہ تھا۔ یہ بحث نامکمل رہے گی مگر امام رازی کے نکات پر تبصرہ نہ کیا جائے۔ سو اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے امام رازی کے نکات پر تبصرہ کرتے ہیں۔

المزمع: ۳۵ میں امام رازی کی ”اسوا“ کی تفسیر پر بحث و نظر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب متخشنین نے انبیاء علیہم السلام کے پیغام کی تصدیق کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے زیادہ نہ سے اعمال کو ممتاز کیا اور وہ نہ سے اعمال ان کے ایمان لانے سے پہلے کا کفر وغیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو سب سے اچھی قسم کا ثواب پہنچائے گا۔

(اس تفسیر پر وہی کلام ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ قرطبی کی تفسیر پر کر چکے ہیں)

اس کے بعد امام رازی لکھتے ہیں: مقال نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کی جزاء عطا فرمائے گا اور ان کے نہ سے اعمال کی ان کو سزا نہیں دے گا اور یہ مقال مرحہ کا شیخ ہے اور مرحہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے نہ سے کاموں سے کوئی ضرر نہیں ہوگا جیسے کفر کے ہوتے ہوئے نیک کاموں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اس نے کہا کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے انبیاء اور رسل کی تصدیق کی تو اللہ اس سے اس کے کیے ہوئے نہ سے کاموں کو ممتاز دے گا اور اس آیت میں اسوا (زیادہ نہ سے کام) کو کفر سابق پر محمول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ متقین کے اسوا (زیادہ نہ سے کام) اس حال میں منائے گئے ہیں جس حال میں وہ تقویٰ سے متصف تھے یعنی شرک سے مجتنب تھے اور اس صورت میں واجب ہے کہ اسوا سے مراد وہ کہا نہ ہوں جن کا ان متقین نے ایمان لانے کے بعد ارتکاب کیا ہو۔ پس یہ آیت اس بارے میں نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے کے بعد ان کے کیے ہوئے زیادہ نہ سے کاموں کو ممتاز دیتا ہے اور وہ زیادہ نہ سے کام گناہ کبیرہ ہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے سے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۵۳ دارالماثرات العربیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے مقال کے اس استدلال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ان پر لازم تھا کہ وہ مقال کی اس دلیل کا رد کرتے تاکہ کوئی یہ وہم نہ کرتا کہ مرحہ کا مسلک برحق ہے جب ہی ان کی اس دلیل کا امام رازی ایسے متکلم سے کوئی جواب نہیں ہو سکا۔

اور میں اللہ کی توفیق اور اس کی تائید سے یہ کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو پڑھ کر کوئی نتیجہ اخذ کرنا یا کوئی قاعدہ وضع کر لینا صحیح نہیں ہے جب تک کہ اس موضوع پر قرآن مجید کی تمام آیتوں کو نہ پڑھ لیا جائے۔ مثلاً بعض آیات میں کفار کے ساتھ فزی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض آیات میں ان کے ساتھ جنگی کرنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے مثلاً سورہ بقرہ میں

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ.

پس معاف کرو اور درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنے علم کو لے

آء

(البقرة: ١٠٩)

فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ .

پس تم مشرکین کو قتل کر دو جہاں بھی تم ان کو پاؤ۔

 (\mathbf{a}, \mathbf{b})

اسی طرح انگوری شراب کے متعلق پہلے فرمایا:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ ۚ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ

یہ آپ سے خمر (انگور کی شراب) اور جوئے کے متعلق سوال

کرتے ہیں آپ کہیے: ان دونوں میں بہت گناہ ہے اور لوگوں کے

کچھ فوائد بھی ہیں۔

کَیْیَرُ وَهَافُ عِلْمَیْنِ (البقرہ ۴۹)

اور اس کے بعد فرمایا:

ثُمَّ الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَفْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ

نفرِ جواہر اور فال کے حیر سب ناپاک ہیں شیطان کے

کاموں سے ہیں۔

مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ. (البقرة: ٢٥٠)

اسی طرح قرآن مجید میں نہرے کاموں پر سزا دینے کا بھی ذکر ہے اور ان کو معاف کرنے کا بھی ذکر ہے سزا دینے کی

آیات کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ پر لازماً سزا دے گا اور معاف نہیں کرے گا جیسا کہ دشمنی اور دیگر

مغفرت کا عقیدہ ہے اور معاف کرنے کی آجوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہ کبیرہ کو لازماً معاف کر دے گا اور سزا

لیکن دے گا جیسا کہ متحمل اور دیر مر جائے گا عقیدہ ہے اور مذہب حق اہل سنت و جماعت کا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض گنہگار

سنا کہ ان کی پوجہ سے معاف کر دے گا جس کو بیویوں اور خصوصاً ہمارے بچہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے

بعض نمازینہ پڑھنے والے مسئلہ انوار کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔

قَوْلِهِ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ

قَوْلُ الْبَصَرَيْنِ ۖ الَّذِينَ هُوَ عَنْ صَلَاتِهِمْ

نمازیوں کے لیے ویل (جہنم کی جگہ) ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ يُرَآؤُنَ ۚ وَيَمْنَعُونَ الْمَالَ ۚ

سے غافل ہیں ○ جو ریاضا کا رستہ کرتے ہیں ○ اور استعمال کی

(المؤمنون: ٢٤)

○ لے دینے سے منع کرتے ہیں ○

کھانا نہ دینے والے مسلمانوں کی سزا کے متعلق یہ آیات ہیں:

لَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ بِحَرٍّ وَعَبْثٍ ۚ

اے ایمان والو! بے شک یہ کثرت علماء اور حج لوگوں کا مال

بِمَا نَبِيًّا كُتُبُ أَهْوَالِ النَّاسِ بِالنَّاسِ وَ

جاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو

ن عَنْ سَمِيعِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَكَثِيرُونَ الدَّاهِبُ

نے اور چاندی کو بیع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ

لَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبِشْرِهِمْ

○ لے سوا آپ ان کو دنا ک عذاب فی قبر کا پکا دیتے ○

بَعْدَ ابْنِ أَبِي

فرض سو درخوز مسلمانوں کی سزا کے متعلق یہ آیات ہیں:

فِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَذَرَأَتْهُمَا ابْنَانِ

ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور جو سو باقی رہ گیا ہے اس کو

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ مِّن دُونِهِ ۖ فَلَهُمْ مَّا يَشَاءُونَ فِي أَثَرِ النَّوَاصِيٖتِ ۚ

(البقرہ ۲۰۶-۲۰۷)

چھوڑ دو اگر تم واقعی ایمان والے ہو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

یہ وہ آیات ہیں جن میں گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور یہ آیات مرحبہ کے مذہب کو باطل کرتی ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد مومنوں کو کسی گناہ سے ضرر نہیں ہوگا خواہ ان کا گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو۔ اور جن آیات میں مسلمانوں کے گناہ کبیرہ کو بغیر توبہ کے معاف کرنے کی بشارت دی گئی ہے ان کو بھی ہم نے علامہ زحمری کے مذہب کے رد میں ذکر کیا ہے اور اسی سلسلہ کی سورۃ زمر کی زیر تفسیر آیت: ۳۵ ہے:

وَالَّذِينَ سَرَبْنَا كُنُفًا لَهُمْ وَلَٰكِن كُنُفُهُمْ ۖ وَلَا يَشْعُرُونَ ۚ

(الرعد: ۶)

اڑکھاپ کے حال میں بھی جھٹستے والا ہے۔

اور ایسی تمام آیات معتزلہ کے خلاف حجت ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر گناہ کبیرہ کے مرتکب نے توبہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ پر اس کو عذاب دینا لازم ہے اور اس کی مغفرت ہرگز نہیں ہوگی۔

اور جو آیت ان دونوں کے مذہب کو باطل کرتی ہے اور مذہب اہل سنت کے برحق ہونے کی دلیل ہے وہ یہ ہے:

مَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَّقِ اللَّهَ يُجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا مِّنْ كُلِّ صَعْبٍ ۚ

(الزلال: ۸-۷)

کیا وہ اس کی سزا پانے کا

اگر ایمان کے بعد گناہ کبیرہ سے ضرر نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام گناہوں سے کیوں منع کرتے اور بعض صحابہ پر زنا چوری اور تہمت کی حدود کیوں جاری ہوتیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ بعض آیات میں مسلمانوں کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر سزا کی وعید سنائی ہے اس لیے گنہ کے ارتکاب کے محرک اور باعث کے وقت ان آیات کو یاد کر کے ارتکاب معصیت سے باز رہنا چاہیے اور خوف خدا سے معصیت کو ترک کر دینا چاہیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۚ

(الکاف: ۱۳)

بے شک جو لوگ اپنے رب سے چھپائی میں ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے

بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کے دل میں

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا مَسَّهُمْ صَغِيرٌ مِّن ذُنُوبِهِمْ

(الاعراف: ۲۰۱)

شیطان کی طرف سے گناہ کی کوئی تحریک آتی ہے تو اسے نہ دیکھ کر

یاد کرتے ہیں پھر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں

اور جب وہ کسی لغزش میں مبتلا ہو کر گناہ کر بیٹھے ہیں تو پھر وہ تادم ہو کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گنہ کی معافی طلب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا

اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۚ وَمَن يَغْفِرَ اللَّهُ فَمَا لَهُ مَغْفِرَةٌ ۚ

وَلَمْ يَجْعَلْ لِّذُنُوبِهِمْ مَّغْفِرَةً إِلَّا اللَّهُ ۚ وَلَمْ يَجْعَلْ لِّذُنُوبِهِمْ مَّغْفِرَةً إِلَّا اللَّهُ ۚ وَلَمْ يَجْعَلْ لِّذُنُوبِهِمْ مَّغْفِرَةً إِلَّا اللَّهُ ۚ

مَغْفِرَةً إِلَّا اللَّهُ ۚ وَلَمْ يَجْعَلْ لِّذُنُوبِهِمْ مَّغْفِرَةً إِلَّا اللَّهُ ۚ

اور وہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا اپنی جان

پر کوئی ظلم کر گزریں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اپنے گنہوں کی

بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گنہوں کو بخشے گا اور وہ

اپنے کیے ہوئے کاموں پر دانستہ اصرار نہیں کرتے

ان لوگوں کی

خُلِدِينَ فِيهَا وَنُفِخَ أَجْرُ النُّفُوسِ ۝

جزاۃ ان کے رب کی طرف سے بخش ہے اور وہ جہنم میں جن کے

(آل عمران ۱۳۶-۱۳۵)

کا کیا ہی اچھا جزا و ثواب ہے ۝

اور اگر کسی وجہ سے مسلمان گناہ کبیرہ پر توبہ نہ کر پائیں تو ان کے لیے انبیاء علیہم السلام کی مومن اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصاً شفاعت ہے اور اگر کسی سبب سے ان کی شفاعت بھی نہ ہو سکے تو ان کے کلمہ پڑھنے کی برکت سے محض اللہ کے فضل سے ان کی مغفرت متوقع ہے اور اگر وہ اس سے بھی محروم رہیں تو پھر وہ اپنے گناہ کی سزا بھگت کر بخش دیے جائیں گے کیونکہ جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی تو وہ اس کی جزا دے پائے گا۔

سو یہ ہے اہل سنت کا مذہب جو قرآن مجید کی ان تمام آیات کے مطابق ہے نہ معتزلہ کی طرح جنہوں نے صرف سزا کی آیات کو پڑھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ گناہ گار کو سزا دے اور نہ مرجہ کی طرح جنہوں نے صرف گناہوں کے مٹانے کی آیات کو پڑھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ وہ مسلمان گناہ گاروں کو سزا نہ دے اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے سزا دے اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

ہماری اس تحقیق کے مطابق الزمر: ۳۵ کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح ہے:

”ما کہ اللہ ان (محسنین) سے ان کے کیے ہوئے زیادہ بڑے کاموں (گناہ کبیرہ) کو دور کر دے اور ان کے کیے ہوئے زیادہ نیک کاموں کی ان کو جزا عطا فرمائے ۝“

اور ان محسنین کے کیے ہوئے گناہ کبیرہ اس سے عام ہیں کہ وہ گناہ انہوں نے اسلام لانے سے پہلے کیے ہوں یا اسلام لانے کے بعد کیے ہوں تمام رازنی علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی نے ان گناہوں کو قتل از اسلام کے ساتھ مقید کیا علامہ زحتری نے کہا: ان گناہوں سے مراد صغائر ہیں اور مقاتل نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا کہ مسلمان مرتکب کبیرہ کو بالکل سزا نہیں ہوگی ہمارے نزدیک یہ تمام تقاضیر غلط ہیں۔ اسی ضمن میں اب ہم اردو کی بعض مشہور تقاضیر پر بھی تبصرہ کر رہے ہیں تاکہ یہ بحث مکمل ہو جائے۔

الزمر: ۳۵ میں بعض اردو تقاضیر پر تبصرہ

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ محسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو بُرا کام ہو گیا معاف کرے گا۔ شاید ”مسوا“ اور ”احسن“ صیغہ تفضیل اس لیے اختیار فرمایا کہ بڑے درجہ والوں کی ادنیٰ بھلائی اور لوں کی بھلائیوں سے اور ادنیٰ برائی اور لوں کی برائیاں سے ہماری بھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم (عاشی عثمانی ص ۷۵ مطبوعہ مکتبہ سعوی عربیہ)

یہ تفسیر بھی صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ صرف بہتر کاموں کی جزا نہیں دے گا بلکہ تمام نیک کاموں کی جزا دے گا اور صرف غلطی سے کیے جانے والے بُرے کاموں کو معاف نہیں کرے گا بلکہ دانستہ کیے جانے والے بُرے کاموں کو بھی معاف فرمائے گا تو یہ سب بھی معاف فرمائے گا اور بغیر توبہ کے بھی۔ نیز یہ زحتری کی تفسیر کا چرچہ ہے جس کا ہم پہلے رد کر چکے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے وہ بدترین اعمال جو جاہلیت میں ان سے سرزد ہوئے تھے ان کے حساب سے بخیر دیئے جائیں گے اور ان کو انعام ان اعمال کے لحاظ سے دیا جائے گا جو ان کے اہل اعمال میں سب سے بہتر ہوں گے۔

(تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۷۳ اور ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۳ء)

یہ تفسیر بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ زمانہ جاہلیت کے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا اور زمانہ اسلام کے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ تمام نیک کاموں کی جزا عطا فرمائے گا البتہ زیادہ نیک کاموں پر خصوصی انعام و اکرام سے نوازے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟ یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں اور جس کو اللہ تم راہی پر چھوڑ دے اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O اور جس کو اللہ ہدایت عطا فرمائے اس کو کوئی گم راہ کرنے والا نہیں ہے کیا اللہ غالب منتقم نہیں ہے؟ O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے آپ کیسے بھلا تم یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے پہنچانے ہوئے ضرر کو دور کر سکیں گے یا اگر وہ مجھ پر رحمت کا ارادہ کرے تو کیا وہ اللہ کی رحمت کو دور کر سکیں گے؟ آپ کیسے مجھے اللہ کافی ہے اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں O (البقرہ: ۳۸-۳۹)

کفار کی دھمکیوں سے اللہ کے بندوں کو مرعوب نہیں ہونا چاہیے

زمر: ۳۶ میں فرمایا: ”کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟“ اس آیت میں بندہ سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا: کیوں نہیں اللہ آپ کو کافی ہے وہ اپنے وعدہ کے مطابق آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کی مدد فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ”یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا دوسرے (معبودوں) سے ڈرا رہے ہیں۔“
قائد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بمقام (یہ جہاز کی ایک وادی ہے جس میں قریش نے عزنی نام کے ایک بت کی حفاظت کے لیے ایک مکان بنا رکھا ہے اور اس مکان کو خانہ کعبہ کا درجہ دیتے تھے) کی گھائیوں میں بھیجا تا کہ وہ عزنی نام کے بت کو توڑ دیں اس کے محافظ نے حضرت خالد سے کہا: اے خالد! میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں عزنی بے پناہ قوت کا مالک ہے کوئی شخص اس کی حفاظت کا اندازہ نہیں کر سکتا حضرت خالد نے کلباڑا اٹھا کر اس کی ناک پر مارا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔

ابن زید نے کہا: یہ اپنے بتوں سے آپ کو ڈراتے ہیں کہ وہ آپ کو ضرر ضرر پہنچائیں گے۔
(جامع البیان ج ۳ ص ۲۴۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

اہل باطل ہمیشہ سے اہل حق کو دھمکاتے رہے ہیں اور ان کو پیغام حق پہنچانے سے روکتے رہے ہیں فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

لَئِنْ أَتَيْتَ الْفُلُوفِى لَأَجْعَلَ لَكَ مِنْ الْفُلُوفِى

اگر تو نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قید یوں

(الاحزاب: ۲۴) میں ڈال دوں گا O

اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے اور تمام ممکنات پر قادر ہے وہ اپنے بندوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے پر قادر ہے وہ ان سے تمام نقصان وہ چیزوں کے دور کرنے اور تمام راحت کے امور پہنچانے پر غالب قدرت رکھتا ہے سو وہ اپنے بندوں کے لیے کافی ہے سو اس کے بندہ کو اس کے غیر سے ڈرنا اور دھمکا محض باطل ہے ایک قرأت میں ”عبدہ“ کی جگہ ”عبادہ“ ہے اس کا معنی ہے: کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں ہے؟ یعنی ضرور کافی ہے اس نے حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفین کو غرق

پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ پتھر کے بے جان بت جن کو انسان نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے جو اپنے اوپر ہنسی ہوئی کھس کو بھی اڑانے پر قادر نہیں ہیں وہ کب کسی سے ضرور کو دور کر سکتے ہیں یا کسی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دور کر سکتے ہیں سو کسی صاحب عقل کو ان دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے کہ یہ بت اس کا کچھ بگاڑ لیں گے یا اس کے کسی فائدہ کو روک لیں گے۔ نیز اس آیت میں فرمایا: ”آپ کہیے: مجھے اللہ کافی ہے اسی پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں۔“

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص کافی سے غیر کافی کی طرف منتقل ہوگا اس کا مقصد پورا نہیں ہوگا اس لیے ضروری ہے کہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے تمام امور اسی کو سونپ دیئے جائیں اور صرف اسی کی اطاعت کی جائے اور جب بندہ صرف اللہ عز و جل کی اطاعت کرے گا تو کائنات کی ہر چیز اس کی اطاعت کرے گی حدیث میں ہے:

ابن السکندر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ایک مرتبہ وہ روم کی سر زمین میں لشکر سے بھاگ گئے یا ارض روم میں قید کر لیے گئے پس وہ مسلمانوں کے لشکر کو ڈھونڈنے کے لیے بھاگے تو اچانک ان کے سامنے ایک شیر آگیا حضرت سفینہ نے اس شیر سے کہا: اے ابو الحارث! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کرو غلام ہوں اور میرے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے۔ پس شیر ان کی طرف دم ہلاتا ہوا بڑھا اور ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا جب وہ کوئی خوف ناک آواز سنتا تو اس کی طرف متوجہ ہوتا پھر ان کے پہلو پہ پہلو چلا رہا حتیٰ کہ لشکر تک پہنچ گیا پھر شیر واپس چلا گیا۔ (شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۳۲، المعنی رقم الحدیث: ۲۰۵۴۳، المسد رک ج ۳ ص ۶۰۶، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۳۲، مسند ابیہار رقم الحدیث: ۲۶۶۱)

اس حدیث میں حسب ذیل فوائد ہیں:

- (۱) حضرت سفینہ نے شیر سے بے خوف و خطر کام کیا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ شیر ان کو ضرر نہیں پہنچائے گا اور وہ ان کا کلام سنے گا اس کو سمجھے گا اور ان کی مدد کرے گا اور ان کو لشکر اسلام تک پہنچائے گا یہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔
- (۲) جب کوئی مسلمان اپنے آپ کو بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے تو درندے بھی اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتے تو جنادات کب ضرر پہنچا سکیں گے۔
- (۳) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور ہر معاملہ میں اس پر توکل کرنا مصائب سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔
- (۴) حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے شیر کو یہ بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں تو اس نے آپ کو لشکر اسلام تک پہنچا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی مسلمان راستہ بھٹک جائے یا اس کو کوئی اور افاقہ پیش آجائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے اس سے وہ مصیبت نکل جاتی ہے اور یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرتا ہے اس کو دنیا میں سیدھا راستہ مل جاتا ہے تو ان شاء اللہ آخرت میں بھی وہ سیدھے راستے کی ہدایت حاصل کرے گا۔

- (۵) صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ اغلاص کے ساتھ توحید کے تقاضوں پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے اعراض کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو ہر حال میں کافی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو بے شک میں (بھی) عمل کر رہا ہوں پس

کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی پھر حشرات الارض اور پروانے اس آگ میں گرنے لگے سو میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں اور لوگ اس آگ میں دھڑا دھڑا گر رہے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۸۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۷۸۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے جس علم اور ہدایت کے ساتھ مجھے مبعوث کیا ہے اس کی مثال اس بادل کی طرح ہے جو زمین پر برسا زمین کا کچھ حصہ چھاتا جس نے اس پانی کو جذب کر لیا اور اس نے چارہ اور بہت سبز اگایا اور زمین کا بعض حصہ سخت تھا اس نے پانی کو روک لیا جس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نفع پہنچایا لوگوں نے وہ پانی خود پیا اور جانوروں کو پلایا اور ان کو (سبز سے) چرایا اور زمین کا بعض حصہ پٹیل میدان تھا جس پر جب بارش ہوئی تو زمین کے اس حصہ نے پانی روکا اور جمع کیا اور نہ اس میں سبز اور گھاس اگائی یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ کے دین کو سمجھا اور اس کا فیض پہنچایا اور اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت کے ساتھ مجھے مبعوث کیا ہے اس کا علم حاصل کیا اور وہ علم آگے پہنچایا اور یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اس علم کی طرف سراٹھا کر نہیں دیکھا اور نہ اس ہدایت کی طرف دیکھا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے اور اس کو قبول نہیں کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۸۳ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۵۸۳۳)

اس مثال میں آپ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ زمین کی تین قسمیں ہیں اسی طرح لوگوں کی بھی تین قسمیں ہیں زمین کی پہلی قسم یہ ہے کہ زمین پہلے مردہ ہو پھر بارش ہونے سے اس میں سبز پیدا ہو جائے جس سے انسان اور مویشی دونوں فائدہ حاصل کریں اسی طرح لوگوں کی پہلی قسم یہ ہے کہ ان کے پاس ہدایت اور علم پہنچے اور وہ خود بھی علم پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی تعلیم دیں اس قسم میں فقہاء اور مجتہدین شامل ہیں زمین کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ بارش کے پانی سے سبز تو نہیں اگاتی لیکن وہ پانی کو جمع کر لیتی ہے جس سے ضرورت مند اس پانی کو حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح لوگوں کی دوسری قسم یہ ہے کہ ان میں احادیث سے مسائل کو مستحب کرنے کی صلاحیت تو نہیں ہوتی لیکن وہ احادیث کو محفوظ اور منضبط کر لیتے ہیں جس سے مجتہدین استفادہ کرتے ہیں اس قسم میں محدثین اور راویان حدیث ہیں اور زمین کی تیسری قسم وہ ہے جو نہ سبز اگاتی ہے اور نہ پانی کو محفوظ رکھتی ہے اور اسی طرح لوگوں کی تیسری قسم وہ ہے جنہوں نے آپ کے لائے ہوئے دین کو بالکل قبول نہیں کیا اور یہ کفار اور منافقین ہیں۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت جمع کرتا ہے اور جن روحوں کی موت نہیں آئی ان کو نیند میں (جمع کرتا ہے)

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ

مرجن روحوں کی موت کا فیصلہ کر لیا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقرر میدان تک چھوڑ دیتا ہے

أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۶﴾ اِم

تک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ۵ کیا انہوں

اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوْلُوا كَانُوا الْاِیْمٰنُكُوْنَ

نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے سفارشی بنا رکھے ہیں آپ کہیے: خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں

شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۳۹﴾ قُلْ يَتَّبِعْ الشَّفَاعَةَ جَمِیْعًا طَلَبُهُ مُلْكُ

اور نہ عقل و خرد رکھتے ہوں ۵ آپ کہیے: تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے تمام آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهُ

زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۵ اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا

وَحَدَّاهُ اَشْمَازَتْ قُلُوْبُ الدِّیْنِ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا

جائے تو ان لوگوں کے دل غمخیز ہوتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اللہ کے سوا

ذَكَرَ الدِّیْنِ مِنْ دُوْنِهِ اِذَا هُمْ یَسْتَبِشِرُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ

دوسروں کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں ۵ آپ دعا کہیے: اے اللہ!

فَاُطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلٰمِ الْغِیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ

آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان

بَیْنَ عِبَادِكَ فِی مَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلدِّیْنِ

ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ۵ اور اگر خالوں کے پاس روئے زمین کی

ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهُ مَعَهُ لَا قُدْرَةَ اَیْمٍ مِنْ

تمام چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی اور بھی ہوتیں تو وہ قیامت کے دن کے بُرے عذاب سے

سُوْءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیَمَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا

بچنے کے لیے اس کو ضرور فدیہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہو گا

یَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاَتٌ مَا كَسَبُوْا وَاَحَاقَ بِهُمْ مَّا

جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا ۵ اور ان کے لیے ہوئے بُرے کام ان کے لیے ظاہر ہوں گے اور جس عذاب کا

جلد

كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٢٨﴾ فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ مُذْرِعَانَا

وہ مذاق اڑاتا کرتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا ۲۸ پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو بھارتا ہے

ثُمَّ إِذَا أَخَوْنَهُ نِعْمَةً مِنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ

پھر جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے

هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِن لَّا كَثَرَهُمْ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ

سرف ایک علم کی بناء پر وہی لگتی ہے بلکہ درحقیقت یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۲۹ بے شک اس سے پہلے بھی

مِن قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٣٠﴾ فَأَصَابَهُمْ

لوگوں نے یہ بات کبھی بھی سو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہ آئی ۳۰ پس ان کے بُرے کاموں

سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِن هَٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ

کا عذاب انہیں آ پہنچا اور ان لوگوں میں سے جو ظالم ہیں انہیں بھی ان کے

سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٣١﴾ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ

بُورے کاموں کا وبال پہنچے گا اور وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہیں ۳۱ کیا انہوں نے یہ نہیں جانتا کہ اللہ جس کے

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

لے جاتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے بے شک اس میں

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٣٢﴾

ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۳۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن روحوں کی موت نہیں آئی ان کو خلیفہ میں (قبض کرتا ہے) پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ کر لیا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقرر میراث تک پہنچا دیتا ہے بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ۳۲ کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے سفارشی بنارکھے ہیں؟ آپ کہیے: خواہ وہ کسی کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و خرد رکھتے ہوں ۳۲ آپ کہیے کہ تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے تمام آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ ۳۲ (انور ۳۳-۳۴)

نفس کے معنی کی تحقیق

اس آیت میں "النفس" کا لفظ ہے یہ نفس کی جمع ہے، نفس کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ سید محمد رفیع زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

نفس روح ہے اور کسی چیز اور اس کی حقیقت کو بھی نفس کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اللہ بنو نفسی الانفس حين موتها"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک نفس عقل ہے جس سے اشیاء میں باہم تمیز ہوتی ہے اور دوسرا نفس روح ہے جس سے جسم کی حیات ہوتی ہے۔ ابن اللاتباری نے کہا: بعض اہل لغت نے نفس اور روح کو مساوی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں ان میں صرف لغتی فرق ہے نفس موت ہے اور روح مذکر ہے اور دوسرے علماء نے کہا: روح وہ ہے جس سے حیات ہوتی ہے اور نفس وہ ہے جس سے عقل ہوتی ہے پس جب انسان سو جاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح کو قبض نہیں کرتا اور اس کی روح صرف موت کے وقت قبض کی جاتی ہے اور نہ جانے کہا ہے کہ ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک وہ نفس ہے جس سے اشیاء میں باہم تمیز ہوتی ہے اور یہ دوسرا نفس ہے جو نیند کے وقت انسان سے الگ ہو جاتا ہے اور وہ اس سے کسی چیز کا تشکل نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ اس کو وفات دے دیتا ہے اور دوسرا نفس حیات ہے اور حیات زائل ہوتی ہے تو یہ نفس بھی زائل ہو جاتا ہے اور سونے والا شخص سانس لیتا رہتا ہے اور سونے والے نفس کی حالت نیند میں نفس کی وفات اور زندہ شخص کے نفس کی وفات میں بیکی فرق ہے اور حیات کا نفس بھی روح ہے اور انسان کی حرکت اور اس کی نشوونما ہے اور حق یہ ہے کہ نفس اور روح میں فرق ہے اگر ان دونوں کا معنی ایک ہوتا تو ہر ایک کو دوسرے کی جگہ رکھنا جائز ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ونسفحت فيه من روحی" اور "من نفسی" نہیں فرمایا اور حضرت عیسیٰ کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا: "نعلم ما فی نفسی" اور "فی روحی" نہیں فرمایا روح اور نفس میں اعتباری فرق ہے علامہ ابن عبد البر نے "تہذیب" میں یہ حدیث نقل کی ہے:

اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور اس میں نفس اور روح کو رکھا اس کی روح کے آثار سے اس کی پاکیزگی ہے اور اس کی فہم ہے اور اس کا علم ہے اور اس کی وقا ہے اور اس کے نفس کے آثار سے اس کی شہوت ہے اور اس کا طیش ہے اور اس کے جاہلانہ افعال ہیں اور اس کا غضب ہے اس لیے بغیر کسی قید کے مطلقاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ نفس روح ہے اور نہ یہ کہا جائے گا کہ روح نفس ہے۔ (تاج اعراب ج ۳ ص ۲۶۹-۲۷۰ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نفس اور روح کے ایک ہونے پر دلائل

میں کہتا ہوں کہ اس آیت سے یہ ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبض روح کے لیے قبض نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور احادیث اور آثار میں روح اور نفس کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں آپ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں پھر فرمایا: جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اس کو کھتی ہے۔ اللہ عیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۸ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۸۸۵۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۳)

دوسری حدیث میں آپ نے روح کی جگہ نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی نظر اوپر اٹھی ہوئی ہوتی ہے صحابہ نے کہا: کیوں نہیں آپ نے فرمایا: یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی نظر اس

کے نفس کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۱)

اسی طرح درج ذیل حدیث میں روح کے لیے نفس کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں جب مرنے والا شخص نیک ہو تو اس سے کہتے ہیں: اے پاکیزہ نفس! باہر نکلو جو پاک جسم میں تھی۔ اللہ بیٹ

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۱۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۹)

دوسری حدیث میں اس موقع کے لیے نفس کے بجائے روح کا لفظ استعمال فرمایا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مومن کی روح نکلتی ہے تو اس سے دو فرشتے ملاقات کرتے ہیں جو اس کو لے کر لو پر چڑھتے ہیں (یہ حدیث حکماء مرفوع ہے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۷، سنن الکبریٰ للبخاری رقم الحدیث: ۱۱۲۶۶)

امام مالک نے دو حدیثیں روایت کی ہیں: ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ ہم کو صبح کی نماز کے وقت جگا دینا، حضرت بلال پر نیند غالب آ گئی، سورج نکلنے کے بعد سب بیدار ہوئے، آپ نے حضرت بلال سے پوچھا تو انہوں نے کہا: میرے نفس کو اسی چیز نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۵)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا، اگر وہ چاہتا تو وہ اس وقت کے سوا ہماری روحوں کو لوٹا دیتا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۶)

حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر قرطبی التوفی ۳۶۳ھ ان دونوں حدیثوں کے متعلق لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے ان حدیثوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ روح اور نفس ایک چیز ہے اور انہوں نے الزمر: ۳۳ (زیر تفسیر آیت) سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے الزمر: ۳۳ کی تفسیر میں کہا ہے: جب مردے مرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض فرما لیتا ہے اور جب زندہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو قبض فرما لیتا ہے، پھر جس کی موت کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا اس کی روح کو روک لیتا ہے اور جس کی موت کا فیصلہ نہیں فرمایا اس کی روح کو ایک وقت مبین تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

یہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ نفس اور روح ایک چیز ہیں کیونکہ اس آیت میں "انفس" کا لفظ ہے اور انہوں نے اس کا معنی ارواح کیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ موطا کی حدیث: ۲۶ میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور حضرت بلال نے جو فرمایا تھا: میرے نفس کو اس چیز نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا، آپ نے حضرت بلال کے اس قول کا رد نہیں فرمایا، پس قرآن اور سنت نے ایک چیز کو کبھی نفس سے تعبیر فرمایا ہے اور کبھی اسی چیز کو روح سے تعبیر فرمایا ہے۔ (تہذیب ج ۲ ص ۵۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

نفس اور روح کے مغائر ہونے پر دلائل

حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر المالکی القرطبی التوفی ۳۶۳ھ لکھتے ہیں:

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ نفس روح کا غیر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفس سے خطاب فرمایا ہے، اس کو نہ سے کاموں سے منع فرمایا ہے اور نیک کاموں کا حکم دیا ہے اور انہوں نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُنَاطِلَةُ ادْخِلِي آلَ رَبِّكَ
اے مطمئن نفس! اپنے رب کی طرف لوٹ جا، اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو، وہ تجھ سے راضی ہو۔ (الفجر: ۲۷-۲۸)

اَنْ تَكُوْنُ لَكَ نَفْسٌ يَتَرَفَعُ عَلٰى مَا قَدْ وَكَّلْتُ فِىْ جَنَّتِ اللّٰهُ.

(ایمان نہ ہو کہ) کوئی نفس یہ کہے: ہائے افسوس! اس بات پر

کہ میں نے اللہ کے حق کو ادا کرنے میں ٹھیکری۔ (الزمر: ۵۲)

اور روح کو نہ خطاب کیا گیا ہے اور نہ اس کو قرآن مجید میں کسی چیز سے منع کیا گیا ہے اور نہ کسی کام پر اس کی مذمت کی گئی ہے۔ آدمیوں کا نفس چوہا یوں کے نفس کی طرح ہے وہ جنسی عمل کی خواہش کرتا ہے اور نہ بے کام کی تحریک کرتا ہے اور نفس کا مسکن پیٹ ہے مگر انسان کو روح کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے اور اس کا مسکن دماغ ہے اسی کی وجہ سے انسان نہ بے کاموں سے حیا کرتا ہے اور روح اس کو نیک کاموں کی دعوت دیتی ہے اور نیک کاموں کا حکم دیتی ہے۔

عبدالرحمان بن قاسم نے الزمر: ۴۳ کی تفسیر میں کہا کہ نفس ایک مجسم چیز ہے اور روح اس پانی کی طرح ہے جو جاری ہو جب انسان سو جاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے اور اس کی روح اوپر جا رہی ہے اور نیچے اتر رہی ہے اور نفس ہر راوی میں چر رہا ہوتا ہے اور ان چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو انسان خواب میں دیکھتا ہے پھر جب اللہ اس کو جسم میں لوٹنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ جسم میں لوٹ جاتا ہے اور اس کے لوٹنے سے جسم کے تمام اعضاء بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ سننے اور دیکھنے لگتا ہے۔

حافظ ابو عمر ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ علماء کے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں اور اللہ ہی کو علم ہے کہ ان میں صحیح کیا چیز ہے اور قوم نے جو کچھ کہا ہے وہ واضح دلائل نہیں ہیں اور نہ ان دلائل کی صحت یقینی ہے اور نہ کوئی ایسی صحیح حدیث ہے جس سے عذر اٹھ جائے اور حجت واجب ہو جائے اور نہ قیاس سے اس کو مستدل کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ محول اس مسئلہ میں سوچ و بچار کر کے حکم جاتی ہیں اور اس کے علم سے عاجز ہیں۔ (تہذیب ص ۸۸۷-۸۸۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

نفس اور روح کے اتحاد اور تغایر میں حافظ ابن عبدالبر کی تحقیق

حافظ ابن عبدالبر کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث کے بعض دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں اور بعض دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس باہم مغایر ہیں لیکن ان کا اعتبار یہ ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں جیسا کہ انہوں نے "تہذیب" میں اس بحث کے شروع میں لکھا ہے اسی طرح انہوں نے موطا امام مالک کی شرح "الامتلع کار" میں بھی لکھا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر مالکی حنفی ۳۶۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو تہجد کی نماز کے لیے جگانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے نفوس تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷) اور حضرت بلال نے کہا: میرے نفس کو اس نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کے نفس کو پکڑ لیا تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۶) اور حضرت ابو حنیفہ کی حدیث میں ہے: بے شک تم مردہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف تمہاری روحوں کو لوٹا دیا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۹۵) صحیح البخاری ج ۳ ص ۴۲۲) اور قرآن مجید میں ہے: "اَوَلَمْ يَكُنْ مِنَ الْاَنْفُسِ" (الزمر: ۴۲) ان سب میں یہ واضح دلیل ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز ہیں۔ اس مسئلہ میں مطلقاً صالحین کے اقوال ہم نے "تہذیب" میں ذکر کیے ہیں۔ (الاصح کار ج ۳ ص ۳۱۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۵ھ)

نفس اور روح کے متعلق امام رازی کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی حنفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

انسان کا نفس ایک جوہر ہے جو متحرک اور روحانی ہے جب اس کا بدن سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی روشنی تمام بدن میں حاصل

ہوتی ہے اور اس روشنی کا نام حیات ہے، پس ہم یہ کہتے ہیں کہ موت کے وقت اس بدن کے ظاہر اور باطن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور اس انقطاع کا نام موت ہے اور نیند کے وقت اس روشنی کا تعلق صرف ظاہر بدن سے بعض اعتبار سے منقطع ہوتا ہے اور اس کی روشنی بدن کے باطن سے منقطع نہیں ہوتی، پس ثابت ہو گیا کہ موت اور نیند ایک جس سے ہیں مگر موت میں اس کی روشنی کا انقطاع تام اور کامل ہوتا ہے اور نیند میں اس کا انقطاع ناقص اور بعض وجوہ سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۵ھ)

نفس اور روح کے متعلق مصنف کی تحقیق

قرآن مجید اور احادیث کے عمیق مطالعہ سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ روح اور نفس متحد بالذات ہیں اور ان میں تضاد اعتباری ہے انسان کے جسم میں ایک قوت مجردہ ہے وہ قوت اس لحاظ سے کہ وہ انسان کے حواس میں مؤثر ہے یعنی اس کی تاثیر سے انسان دیکھتا ہے، سنتا ہے، سوگھتا ہے، چمکتا ہے اور چھوتا ہے نفس ہے اور اس لحاظ سے کہ اس قوت سے انسان بولتا ہے اور دیگر افعال اختیار یہ کرتا ہے وہ روح ہے خلاصہ یہ کہ جس قوت کے لحاظ سے انسان محسوس کرتا ہے اور افعال کرتا ہے وہ قوت روح ہے اور وہ قوت اس لحاظ سے کہ انسان اس قوت سے فعل اور ادراک کرتا اور کسی بھی کام کرنے کا منصوبہ بناتا ہے تو یہ قوت نفس ہے اور اس کو نفس مطلق سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

پھر اگر نفس بُرے اور ناجائز کام کا منصوبہ بنائے تو یہ نفس لمارہ ہے قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَكْثَرُ مَا يَشْوَىٰ (سجۃ: ۵۳) بے شک نفس تو بُرائی کا حکم دینے والا ہے۔

اور بُرے کام کرنے کے بعد نفس اس پر طاعت کرے تو وہ نفس لوامہ ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا أُخِصُّ بِالنَّفْسِ الْتَوَّابَةِ (القیامۃ: ۴) اور میں طاعت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں

اور اگر نفس نیک کام کرنے کا حکم دے تو وہ نفس مطمئنہ ہے قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ اسْكُنِي فِي بَوْنٍ (الفرج: ۲۸) اے مطمئن نفس! تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال

زائینۃ مقررہ ہے (الفرج: ۲۸) میں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو

اور جس قوت کے لحاظ سے انسان محسوس کرتا ہے اور افعال اختیار یہ کرتا ہے وہ روح ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَسْكُنُ يَتَهُ وَكَفَعْتَ فِيهِ مِنْ ذُنُوبِهِ (المعارج: ۲۸) پس جب میں آدم کا پتلا پورا بناؤں اور اس میں اپنی پسندیدہ

روح پھونک دوں (المعارج: ۲۸)

امام حسین بن مسعود الخراء بخوی الترمذی ۵۱۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی روح پھونکنے کے بعد وہ پتلا زندہ ہو جائے اور روح جسم لطیف ہے جس سے انسان زندہ ہوتا ہے۔

(مسالم بطرین ج ۳ ص ۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۰ھ)

اور درج ذیل حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کی حرکات ارادہ یہ اور اس کے تمام تصرفات کا مفتاح روح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم میں روح پھونکی جب روح ان

کے سر میں پہنچی تو ان کو چمک آئی حضرت آدم نے کہا: الحمد لله رب العالمین اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ابو حمک

لہ۔ (صحیح ترمذی ج ۱ ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳

الحديث: ۱۳۷۷: كثر لعنوا لم يلعن الله: ۱۵۳۸: الله لم يلعن رجلا من ۹۰۰ جامع البيان رقم الحديث: ۵۱۰۰

روح اور نفس کی بحث ہم نے تہاں القرآن میں ۶ ص ۹۱-۹۰ میں بھی کی ہے اس مقام کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

الزمر: ۳۳-۳۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے سفارشی بتارکے ہیں آپ کہیے: خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و خرد رکھتے ہوں O آپ کہیے کہ تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے تمام آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت اللہ ہی کے لیے ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹے جاؤ گے O“

بتوں کی شفاعت کرنے کا رد اور ابطال

یہ آیت اہل مکہ کے رد میں نازل ہوئی ”کیونکہ وہ یہ دُعا کرتے تھے کہ بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ مشرکین سے یہ کہیے: کیا تم بتوں کو سفارشی بتارہے ہو؟ خواہ وہ کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور انہیں کسی چیز کی عقل نہ ہو اور جب وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں تو اللہ کے پاس تمہاری شفاعت کرنے کے کیسے مالک ہوں گے اور وہ اس بات کو کیسے سمجھیں گے کہ تم ان کی عبادت کرتے ہو۔

پھر مشرکین کو دلیل سے سنا کہ ”بتوں کی شفاعت کرنے کے بعد فرمایا: ”تمام شفاعتوں کا مالک اللہ ہی ہے“ یعنی کوئی شخص کسی کی شفاعت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جب تک کہ جس کی شفاعت کی جائے وہ اللہ کا پسندیدہ بندہ نہ ہو اور شفاعت کرنے والے کو شفاعت کا اذن نہ دیا گیا ہو اور بتوں کی شفاعت کے معاملہ میں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ بن عمر رازی متوفی ۶۶۶ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے اس آیت سے مطلقاً شفاعت کی نفی پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو شفاعت کرنے کا اذن نہ دے تو وہ شفاعت نہیں کر سکتا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۵۶ جامع البیروت ۱۳۷۵ھ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب صرف اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل بکھر جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں O آپ دعا کیجئے: اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور ظاہر کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں O اور اگر ظالموں کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی اور بھی ہوتیں تو وہ قیامت کے دن کے بُرے عذاب سے بچنے کے لیے اس کو ضرور فدیہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہوگا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا O اور ان کے لیے ہونے والے کام ان کے لیے ظاہر ہوں گے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کا معاملہ کر لے گا O (الزمر: ۳۴-۳۵)

آخرت میں کفار کے عذاب کی تفصیل

الزمر: ۳۵ میں مشرکین کے ایک اور بُرے عمل کا ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے مثلاً کہیے: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو ان کے چہروں سے ان کی نفرت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور جب ان کے بتوں کا ذکر کیا جائے تو ان کے چہروں سے خوشی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

اس آیت میں ”الضامات“ کا لفظ ہے اس کا مصدر اضمح از ہے اس کا معنی ہے: جب کسی شخص کو کسی بات سے بہت زیادہ غم اور غصہ پہنچے تو اس کا چہرہ تاریک ہو جاتا ہے اس کے برعکس جب کسی خبر سے وہ بہت زیادہ خوش ہو تو اس کا چہرہ کھل جاتا ہے۔ کفار کو اللہ کا ذکر ناگوار ہوتا ہے اور مسلمان اللہ کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں اور اس کے ذکر کو محبوب رکھتے ہیں حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا بہ کثرت ذکر کرتا ہے۔ (عیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۵، مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۸۰۳۰، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۸۳۳۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سخت گرمی کا دن ہو اور کوئی شخص یہ کہے کہ لا الہ الا اللہ آج کے دن کس قدر سخت گرمی ہے! اللہ! مجھے جہنم کی گرمی سے اپنی پٹہ میں رکھ تو اللہ عزوجل جہنم سے فرماتا ہے: میرے ایک بندے نے تیری گرمی سے میری پٹہ طلب کی ہے تو گوارہ بنا کہ میں نے اس کو پناہ دے دی ہے اور جب سخت سردی کا دن ہو اور ایک بندہ یوں کہے کہ: لا الہ الا اللہ آج کے دن کس قدر سخت سردی ہے! اللہ! مجھے جہنم کے دھڑیر (سرد طبقہ) سے اپنی پٹہ میں رکھنا تو اللہ عزوجل جہنم سے فرماتا ہے: میرے ایک بندے نے تیرے دھڑیر سے میری پٹہ طلب کی ہے اور تو گوارہ بنا کہ میں نے اس کو پناہ دے دی ہے! مسلمانوں نے پوچھا: جہنم کا دھڑیر کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جہنم میں ایک گھر ہے جس میں کافروں کو ڈالا جائے گا اس کی سخت ٹھنڈک سے اس کے بعض اعضاء بعض سے الگ ہو جائیں گے۔ (مسلّم علیہ السلام للحدیث رقم الحدیث: ۳۶۰۲، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۸)

الزمر: ۳۶ میں فرمایا: "اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور ظاہر کے جاننے والے! اتوی اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں" O

یعنی کفار کا اللہ کی توحید کے ذکر سے متوحش اور شکر ہونا اور بتوں کے ذکر سے اور شرک کی باتوں سے خوش ہونا ایسی چیز ہے جس کا باطل ہونا بالکل بدیہی ہے! اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ موحدین اور مشرکین میں اختلاف ہے! موحدین اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں اور مشرکین اپنی خواہش اور ہوس کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے درمیان دنیا میں بھی فیصلہ فرمائے گا اور آخرت میں بھی فیصلہ فرمائے گا! دنیا میں مسلمانوں کو تو یہ کرنے اور اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق دے گا اور آخرت میں مسلمانوں کو بخش دے گا اور ان کو اپنے فضل سے جنت عطا فرمائے گا اور کفار اور مشرکین سے آخرت میں انتقام لے گا! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان آخرت میں فیصلہ فرمادے۔ حدیث میں ہے:

ابو سلمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں کیا دعا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: جب آپ رات میں دعا کے لیے اٹھتے تھے تو نماز کے شروع میں یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے! غیب اور شہادت کے جاننے والے! اتیرے بندے جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں تو ان میں فیصلہ فرمائے گا! اے اللہ! جس چیز میں حق بات سے اختلاف کیا گیا ہے تو اس میں مجھ کو ہدایت دے! بے شک تو جس کو چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۶۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۰۰، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۸۸، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۸۸، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۳۵۷)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ان ہی صفات کا ذکر ہے جن صفات کا ذکر الزمر: ۳۶ میں ہے۔

الزمر: ۳۷ میں فرمایا: "اور اگر ظالموں کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں اور اتنی ہی اور بھی ہوتیں تو وہ قیامت کے دن نہ بے عذاب سے بچنے کے لیے اس کو ضرور قند یہ میں دے دیتے اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ظاہر ہوگا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا"

اللہ تعالیٰ نے کفار کو عذاب دینے کی جو وعید سنائی ہے اس میں دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں: ایک یہ کہ اگر وہ بالقرض روئے زمین کی تمام دولت کے بھی مالک ہوتے اور اس کو آخرت کے عذاب سے نجات کے لیے خرچ کر دیتے تو وہ اس عذاب سے

نجات نہیں پاسکتے تھے دوسری چیز یہ ہے کہ حدیث میں جنت کی مفت اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۷) سو جس طرح مومنوں کو جنت میں ایسی نعمتیں ملیں گی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوں گی اسی طرح کافروں کو دوزخ میں ایسا عذاب دیا جائے گا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔

الزمر: ۴۸ میں فرمایا: ”اور ان کے کیے ہوئے بُرے کام ان کے لیے ظاہر ہوں گے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا“

اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں انہوں نے جو بُرے کام کیے تھے آخرت میں ان پر عذاب کے آچار مرتب ہوں گے اور وہ عذاب ہر طرف سے ان کا احاطہ کر لے گا۔

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

ابواللیث نے کہا: انہوں نے کچھ ایسے اعمال کیے ہوں گے جن کے حقائق ان کا گمان یہ ہوگا کہ ان کو ان کاموں پر اجر و ثواب ملے گا، لیکن ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ثواب کے بجائے انہیں ان کاموں پر عذاب ہوگا۔

بعض علماء نے کہا: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے کام کرتے ہیں، وہ لوگ قیامت کے دن رسوا ہوں گے اور جن اعمال کے حقائق ان کا گمان تھا کہ وہ میزان میں نیکیوں کے پلڑے میں ہوں گے اس دن وہ اعمال برائیوں کے پلڑے میں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف ایک علم کی بناء پر دی گئی ہے، بلکہ درحقیقت یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک اس سے پہلے بھی لوگوں نے یہ بات کہی تھی سو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہیں آئی O پس ان کے بُرے کاموں کا عذاب انہیں آ پہنچا اور ان لوگوں میں سے جو ظالم ہیں انہیں بھی ان کے بُرے کاموں کا وبال پہنچے گا اور وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں O کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O (الزمر: ۵۱-۵۲)

راحت اور مصیبت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے رابطہ رکھنا

زمر: ۵۳ میں فرمایا: ”پس جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کو اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے صرف ایک علم کی بناء پر دی گئی ہے۔“

اس آیت میں ”حوالہ“ کا لفظ ہے اس کا مصدر تحویل ہے اس کا معنی ہے: ضرورت کی چیز عطا کرنا، بخشنا، بعض چیزوں کو بے طور جزاء اور صلہ عطا کیا جاتا ہے اور بعض چیزوں کو محض فضل اور احسان کے طور پر عطا کیا جاتا ہے، تحویل کا اطلاق دوسرے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔

اس آیت میں کفار کے بُرے اعمال میں سے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب ان کو تنگ دینی یا بیماری لاحق ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں، پھر جب اللہ اپنے فضل سے وہ مصیبت ان سے دور فرما دیتا ہے اور ان کو مال و دولت کی فراوانی یا صحت اور

عافیت کی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ نعمت ان کو ان کی اپنی ذہانت اور محنت اور مشقت کی بناء پر حاصل ہوئی ہے یا ان کو صحیح علاج کی وجہ سے صحت حاصل ہوئی ہے۔

کافر یہ کہتا ہے کہ ”یہ نعمت تو مجھے ایک علم کی بناء پر حاصل ہوئی ہے“ اس کی کئی تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ کے علم میں یہ تھا کہ میں اس نعمت کا مستحق ہوں اس وجہ سے مجھے یہ نعمت حاصل ہوئی ہے اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مجھے یہ علم تھا کہ میں اس نعمت کا مستحق ہوں اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ مجھے یہ علم تھا کہ مجھے کس ذریعہ سے مال حاصل ہو گا یا مجھے یہ علم تھا کہ کون سے علاج سے مجھے شفا حاصل ہوگی یا کس طریقہ سے مجھ سے یہ مصیبت دور ہوگی۔

الزمر: ۵۰ میں فرمایا: ”بے شک اس سے پہلے بھی لوگوں نے یہ بات کہی تھی سو ان کی کمائی ان کے کسی کام نہیں آئی“

اس سے مراد کچھلی آتشیں ہیں یا اس سے مراد قارون ہے اس نے بھی اپنے خزانوں کے متعلق یہ کہا تھا کہ

قَالَ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُكَ شَيْءٌ مِنْهُ عِنْدِي نَارُ السَّمُومِ (النمل ۷۸) مجھے یہ خزانہ صرف میرے علم کی وجہ سے دینے لگے ہیں۔

الزمر: ۵۱ میں فرمایا: ”جس ان کے بُرے کاموں کا عذاب انہیں آ پہنچا اور ان لوگوں میں سے جو ظلم ہیں انہیں بھی ان

کے بُرے کاموں کا وبال پہنچے گا اور وہ اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہیں“

انہوں نے جو یہ باطل قول کہا تھا کہ ان کے علم اور ان کی تدبیر کی وجہ سے ان کی مصیبت دور ہوئی ہے اور ان کو یہ نعمت حاصل ہوئی ہے ان کو ان کے اس باطل عقیدہ اور فاسد قول کی سزا آخرت میں ملے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا یا آخرت میں سزا دینے سے روک نہیں سکتے۔

الزمر: ۵۳ میں فرمایا: ”کیا انہوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔“ یعنی رزق میں غلٹی اور کشادگی کا مدار انسان کے علم اور اس کی عقل پر نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے علم اور عقل والے تنگ دست اور قلاش ہوتے ہیں اور بہت سے جاہل اور بے وقوف لوگ خوش حال اور مال دار ہوتے ہیں۔ پس مال کی کثرت اور قلت کا مدار اللہ کے فضل اور اس کی حکمت پر ہے وہ اپنی حکمت کی وجہ سے یا کسی کو آ زائش میں مبتلا کرنے کے لیے اس کو مال کی غلٹی میں مبتلا کر دیتا ہے اور کسی کو ذلیل دینے کے لیے یا اس پر فضل فرمانے کے لیے اس کو مال کی کثرت سے نوازتا ہے۔

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا اور مصیبت ٹل جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو بھول چاہنا یہ کفار کا طریقہ ہے سو مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ سے رابطہ رکھیں اور ہر حال میں اس کو یاد رکھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ مصائب اور شدائد میں اللہ اس کی دعا کو قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ راحت کے ایام میں اللہ تعالیٰ سے یہ کثرت دعا کرے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث ۳۴۸۲، مسند ابی یوسف، رقم الحدیث ۱۶۴۹۶، کمال ابن سعدی ج ۵ ص ۱۰۰)

قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِينَ اسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةٍ

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو!

اِنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذَّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾

بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا ہے حدِ رحم فرمانے والا ہے ۵

جلد دوم

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ

اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اطاعت کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری

الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٧﴾ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمُ

عدو نہ کی جائے تم اسلام لے آؤ O اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو احکام نازل

مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بِغَتَّةٍ وَأَنْتُمْ

کچے گئے ان میں سے سب سے اچھے احکام پر عمل کرو اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں

لَا تَشْعُرُونَ ﴿٥٨﴾ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ مَحْسَرَتِي عَلَىٰ مَا قَرَرْتُ فِي جَنْبِ

اس کا شعور بھی نہ ہو O (پھر ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص یہ کہے: ہائے! ہوس! میری ان کوتاہیوں پر جو

اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّخِرِينَ ﴿٥٩﴾ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي

میں نے اللہ کے متعلق کی چیز ہے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھا O یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٦٠﴾ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي

میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا O یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہے کہ کاش! میرا دنیا میں لوٹنا ممکن ہوتا

كَرَّةً فَأَكُونُ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦١﴾ بَلَىٰ قَدْ جَاءَ ثَلَاثُ آيَاتٍ لَّكَ فَاكْذَبَتْ

تو میں تیرے کاروں میں سے ہو جاتا O کیوں نہیں ہے شک حیرے پاس میری آیتیں آئیں سو تو نے

بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٢﴾ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى

ان کی تکذیب کی اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے ہو گیا O اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا

الَّذِينَ كَذَّبُوا عَلَى اللَّهِ وَجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ

آپ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ ان کا منہ کالا ہو گا کیا تکبر کرنے والوں کا

مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٣﴾ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ

جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟ O اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے (عذاب سے)

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١﴾ إِنَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ذُو

نجات دے گا ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اللہ ہر چیز کا خالق ہے

وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٢﴾ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے O اسی کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ ﴿١٣﴾

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے O اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اطاعت کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے تم اسلام لے آؤ O اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو احکام نازل کیے گئے ہیں ان میں سب سے اچھے احکام پر عمل کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو O (پھر ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص یہ کہے: ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھا یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا O یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہے: کاش! میرا دنیا میں لوٹنا ممکن ہوتا تو میں نیکی کاروں میں سے ہو جاتا O کیوں نہیں بے شک میرے پاس میری آیتیں آئیں سو تو نے ان کی تکذیب کی اور تو کافروں میں سے ہو گیا O

(الزمر: ۵۹-۵۳)

الزمر: ۵۳ کے شان نزول میں متعدد روایات

الزمر: ۵۳ کے شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض نے کہا: یہ مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت کبیرہ گناہ کرنے والے مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت جشی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے ان تینوں اقوال کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ”آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو“ تو اہل مکہ نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں اور ناحق قتل کرتے ہیں اس کی بخشش نہیں ہوگی تو ہم کیسے ہجرت کریں اور اسلام لائیں حالانکہ ہم نے بتوں کی عبادت کی ہے اور جن کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا تھا ہم نے ان کو قتل کیا ہے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ بتایا کہ تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ اللہ ع (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۳۳۳ دار الفکر: ج ۱ ص ۱۳۵)

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے تھے کہ ہماری ہر نیکی قبول کی جائے گی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

جلد دوم

بہار القرآن

marfat.com

Marfat.com

أَوْ يَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ ذَا الْعَرْشِ ۚ وَلَئِنْ لَمْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ وَأَطَاعُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ
اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال

کو باطل نہ کرو (احمد: ۳۳)

پھر ہم نے کہا: ہمارے نیک اعمال کس چیز سے باطل ہوں گے؟ تو ہم نے کہا: ناجائز کام اور بے حیائی کے کام ہمارے نیک کاموں کو باطل کر دیں گے پھر جب ہم کسی شخص کو کوئی ناجائز کام یا بے حیائی کا کام کرتے دیکھتے تو کہتے: یہ ہلاک ہو گیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کر جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے اس طرح کہنا چھوڑ دیا پھر اگر ہم کسی شخص کو ناجائز یا بے حیائی کا کام کرتے ہوئے دیکھتے تو ہمیں اس پر عذاب کا فطرہ ہوتا اور اگر وہ کوئی بُرا کام نہ کرتا تو ہم اس کی مغفرت کی امید رکھتے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۳۵۷ دار الفکر بیروت: ۱۴۱۵ھ)

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کی طرف کسی کو بھیج کر بلوایا اور اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے یہ جواب دیا کہ اے محمد! آپ مجھے اپنے دین کی کسی طرح دعوت دے رہے ہیں حالانکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا یا شرک کیا زنا کیا اس کو بہت گناہ ہوگا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہے گا اور میں یہ سب کام کر چکا ہوں کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَرْجِي اللَّهُ بَرَآءَتَهُمْ حَتَّىٰ تَخُوضُوا فِي الْغَوْرِ زَاوِيَةٍ

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو اللہ اس کی برائیوں کو بھی نیک اعمال سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے (الفرقان: ۷۰)

وحشی نے کہا: اے محمد! یہ بہت سخت شرط ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرے ہو سکتا ہے کہ میں اس شرط پر پورا نہ اتر سکوں؟ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

وحشی نے کہا: اے محمد! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس میں بھی مغفرت اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہوگی یا نہیں۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور صورت ہے؟ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

يُحْيِي الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لُغْزَ آيَاتِهِ لِقَوْمٍ يُفْقَهُونَ
الترجیع (الزمر: ۵۳)

اے میرے وہ بندہ جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے

○ ہے

وحشی نے کہا: اب ٹھیک ہے پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آیا (رضی اللہ عنہ)۔ لوگوں نے کہا: یا رسول

اللہ اگر ہم بھی وحشی کی طرح گناہ کر نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

(الحکم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۸۸۰ شعب الایمان ج ۵ ص ۲۲۸ رقم الحدیث: ۱۳۰۸ تاریخ وخلق الکبیر ج ۶ ص ۶۵۶ رقم الحدیث: ۱۳۱۸۸ تاریخ وخلق ج ۶ ص ۶۶۳ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث: ۱۸۳۴۰ تاریخ ج ۵ ص ۲۲۸ رقم الحدیث: ۱۳۰۸ تاریخ وخلق الکبیر ج ۶ ص ۶۵۶ رقم الحدیث: ۱۳۱۸۸ تاریخ وخلق ج ۶ ص ۶۶۳ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱ رقم الحدیث: ۱۳۱۸۸ تاریخ وخلق ج ۶ ص ۶۶۳)

قنوط کا معنی اور عفو اور مغفرت کا فرق

اس آیت میں ”لَا تَقْطُطُوا“ کا لفظ ہے اس کا مصدر قنوط ہے قنوط کا معنی ہے: سب سے بڑی ناامیدی قنوط کی تعریف یہ ہے: اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہونا اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب فطرت سلیمہ اور اللہ پر ایمان لانے کی صلاحیت بالکل زائل ہو جائے اللہ تعالیٰ نے بندہ کو غرور و موت تک تو بہ کرنے کی مہلت دی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے تمام گناہوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہوں خواہ ان کی تعداد سمندر کے جھاگ درختوں کے چوں ریت کے ذروں اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہو اور یہ مغفرت عام ہے خواہ یہ مغفرت کچھ سزا دینے کے بعد ہو یا بغیر سزا کے ہو اور یہ مغفرت بندوں کی تو بہ سے ہو یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء اور مقربین یا ملائکہ کی شفاعت سے ہو یا بغیر کسی کی شفاعت کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو۔

مفسرین نے عفو اور مغفرت میں بھی فرق کیا ہے عفو کا معنی ہے: گناہوں کو مٹا دینا جیسے فرمایا:

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ الشَّرَّاتِ (موم: ۲۴)

اور مغفرت کا معنی ہے: عذاب کو اٹھا دینا اور رحمت کا معنی ہے: ثواب عطا فرمانا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَكْدَيْنَ تَحِيَّةً يَوْمَ تَكُونُ الْكُفْرَةُ الْفُجُورَ إِلَّا لَكُمْ (الحکم: ۳۲)

إِنَّ تَابَكُمْ وَإِسْلَمْتُمْ لَأَعْرِضْ عَنْكُمْ (الحکم: ۳۲)

جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں یا سوا کسی چھوٹے گناہ کے بے شک آپ کا رب بہت وسیع مغفرت والا ہے۔

الحکم: ۳۲ کی تفسیر میں یہ حدیث ہے:

عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تغفر اللہم تغفر جماعی عبد لک لا العباد (یہ حدیث حسن صحیح ہے سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۸ رقم الحدیث: ۱۵۰۱۸ مسند ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۵۰۱۸ الحکم الکبیر رقم الحدیث: ۱۵۰۵۰ المسند رک ج ۳ ص ۳۶۸)

حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العزیز المالکی الترمذی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

اس حدیث میں حسب ذیل اصولی باتیں ہیں:

- (۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر چند کہ کلام موزون ہے تاہم یہ شعر نہیں ہے۔
- (۲) آپ نے فرمایا: وہ تیرا کون سا بندہ ہے جس نے کوئی چھوٹا گناہ نہ کیا ہو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں

کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کا زنا سے حصہ لکھ دیا ہے، پس کو وہ لاعلم پائے گا پس آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے اور زبان کا زنا (فحش) کام ہے اور نفس تمنا کرتا ہے اور نری خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۲) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۵۲) پس یہ گناہ جو انسان کے لیے مقدر کیے گئے ہیں یہ ان کثیر گناہوں میں داخل ہیں جو معاف کر دیئے جائیں گے۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے اس سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

(۴) شرم گاہ کے علاوہ جو زنا ہے وہ عبادات سے معاف ہو جائے گا اور شرم گاہ کا زنا تو بہ سے یا زیادہ عبادت سے یا محض اللہ کے فضل سے یا کچھ عرصہ کے بعد دوزخ سے نکال کر معاف کر دیا جائے گا یا محض اللہ کے فضل سے معاف کر دیا جائے گا اور انسان کا چھوٹے چھوٹے گناہوں میں مبتلا ہونے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ یہ عبادت بشری اور خلقت جملی ہے۔

(ماہنامہ اسلامی ج ۳ ص ۱۲۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے مایوسی کی ممانعت کے متعلق آیات احادیث اور آثار

اس آیت کریمہ میں تمام گناہ گاروں کو خواہ وہ مومن ہوں یا کافر تو بہ کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ معاف فرمادے گا خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں اور اس آیت کو بغیر توبہ کے مغفرت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بغیر توبہ کے شرک کی مغفرت نہیں ہوتی اور اس مطلوب پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بعض مشرکین نے بہت زیادہ قتل کیے تھے اور بہت زنا کیا تھا وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: آپ ہمیں جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہ بہت خوب ہے کاش! آپ ہمیں یہ بتاتے کہ ہماری بد اعمالیوں کا کوئی کفارہ ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی:

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور وہ کسی ایسے شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص ان کاموں کو کرے گا اس کو سخت عذاب ہو گا جو عذاب قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کیا جائے گا اور وہ ذات کے ساتھ اس میں بیٹھ رہے گا۔ سو ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ ان کے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ
يَفْعَلْ ذَلِكَ يَنقُصْ أَثَامًا لِّهُ يُخَفِّضْ لَهُ الْعَذَابَ يَوْمَهُ الْقِيَامَةِ
وَيُخَذِّلُ فِيهِ مَذَاقًا لِّلْإِيمَانِ تَابَ وَآمَنَ وَعَقِلَ عَنَّا صَالِحًا
فَأُولَٰئِكَ يَجْزِي اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنًا وَقَدْ كَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا
(المزقان ۷۰-۶۸)

اور یہ آیت نازل ہوئی:

آپ کہیں: اے میرے دو بندو جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے۔
فک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ (ابن جریر ۵۳)

فَلْيَسْأَلُوا الَّذِي يَنْزِلُ فِي أَنْفُسِهِمْ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ
مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَجْزِي
(ابن جریر ۵۳)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۴۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۰۲)

(۲) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھے اس آیت: (الزمر: ۵۳) کے بدلہ میں دنیا اور دانیہا بھی مل جائے تو مجھے پسند نہیں ہے ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! اور جو شخص مشرک ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر آپ نے تین بار فرمایا: یا مومنین! (یعنی اس آیت کے عموم میں مشرکین کی مغفرت داخل نہیں ہے)۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۵۵ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۲۵ رقم الحدیث: ۲۲۳۱۲ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۱ھ)

الفرقان: ۷۰-۶۸ میں توبہ کرنے کی دعوت دی ہے اور یہ دعوت مومنین اور مشرکین دونوں کو عام ہے اور الزمر: ۵۳ میں صرف مغفرت کا ذکر ہے خواہ وہ مغفرت توبہ کے ساتھ ہو یا بغیر توبہ کے اور یہ مغفرت مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے مشرکین کو شامل نہیں ہے جیسا کہ مسند احمد کی مذکورہ حدیث سے واضح ہو گیا۔ اس سلسلہ میں تیسری حدیث یہ ہے:

(۳) حضرت عمر بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بہت بڑھا خض آ یا جو ایک لاشی کے سہارے آ یا تھا اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے بہت عہد شکنیاں کی ہیں اور بہت گناہ کیے ہیں کیا میری مغفرت ہو جائے گی؟ آپ نے پوچھا: کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں اور میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے فرمایا: تمہاری عہد شکنیاں اور گناہوں کی مغفرت کر دی گئی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۸۵ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۱ھ رسالہ ابن ابی الدنیا حسن الحسن باللہ رقم الحدیث: ۶۱۲۵ بحوالہ ابن ماجہ ص ۲۲۱ المطالب العالی رقم الحدیث: ۱۸۴۷۷ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۳۳۳۳ صحیح ابن خیرم رقم الحدیث: ۳۳۳۲ المجمع البیہ رقم الحدیث: ۱۰۲۵۵ الاصابۃ فی رقم الحدیث: ۱۷۱۸۸ مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۲۳۳۲ المجمع البیہ رقم الحدیث: ۷۲۵۵)

اور حسب ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے:

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَبْعَثُ النَّبِيَّاتَ عَلَىٰ كُلِّ بَلَدٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (احزاب: ۱۰۳)

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسًا ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ عَمْرًا ذَا جِدَارٍ (احزاب: ۴۰)

پانے کا

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثٍ وَمَا مِنَ الْإِلَهِ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَنِ عِمَالِهِمْ قُلُوبُهُمْ يُكَفِّرُوا سَعًى لَنْ يَسْمَعَ اللَّهُ صَوْتَهُمْ وَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ أَلَمْ يَتَوَقَّؤْا رَأَى اللَّهُ يَخْشَوْنَ اللَّهَ وَآلَهُ عَفْوَراً جِدَاراً (الاحزاب: ۷۳-۷۴)

یہ شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور ایک معبود کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہیں آئے تو ان میں سے کفر کرنے والوں پر ضرور عذاب عظیم آئے گا یہ لوگ اللہ کی طرف توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے استغفار کیوں نہیں کرتے اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرماتے والا ہے

اس آیت میں جیسائیوں کو توبہ کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ اس کا انتہائی کرم ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو قتل کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی توبہ اور استغفار کی دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا اندازہ اس حدیث سے کیا جاسکتا

اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے ہیں کہ میں کہوں گا: ہاں! اے میرے رب! میں راضی ہو گیا پھر انام نے مجھ سے کہا: اے اہل عراق کی جماعت! تم یہ کہتے ہو کہ قرآن مجید میں سب سے امید افزاء آیت یہ ہے: ”يُجَابِدُكُمُ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ أَسْمَافٍ أَعْلَىٰ الْعُلَمِ الْأَعْلَىٰ“ (الزمر: ۵۳) اور میں کہتا ہوں کہ یہ آیت بھی ہے لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ امید افزاء یہ آیت ہے: ”وَلَوْ أَنَّكَ لَتَفِيضُكَ بِثَلَاثَةِ فَنِيضٍ“ (الحی: ۵) اور یہ شفاعت کی آیت ہے۔

(طیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۹۷، ح ۱۰۰، طیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۰۹، رقم الحدیث: ۳۷۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۹۸ھ، مسند ابوہریرہ رقم الحدیث: ۳۳۶۱، الترغیب والترہیب للہذری ج ۳ ص ۳۶۶، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۷۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۷۵۸، معالم التنزیل ج ۵ ص ۶۶، الدر المنثور ج ۸ ص ۲۹۸، روح المعانی ج ۳ ص ۲۸۸)

اس کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا پھر تو بہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

الزمر: ۵۳ میں فرمایا: ”اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی اطاعت کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے“ تم اسلام لے آؤ۔“

یعنی تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے اس کی فرماں برداری اور اطاعت کی طرف رجوع کرو اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے اخلاص کے ساتھ اس کے احکام پر عمل کرو تو یہ اور انابت میں یہ فرق ہے کہ تاب اللہ کے عذاب کے خوف سے معصیت کو ترک کر کے اس کی اطاعت کرتا ہے اور فیض اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر حیا کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرنے سے باز رہتا ہے اور ذوق و شوق سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے۔

علامہ محمود بن عمر الزحری النخرازی الترمذی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے الزمر: ۵۳ میں مغفرت کا ذکر فرمایا کہ وہ تمام گناہوں کو معاف کر دے گا اس کے بعد الزمر: ۵۴ میں فرمایا: ”اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو“ یعنی تو بہ کرو تا کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ بغیر تو بہ کے بھی مغفرت ہو جائے گی۔

(الکشاف ج ۳ ص ۱۳۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ زحری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ زحری کا یہ کلام بہت ضعیف ہے کیونکہ ہمارے نزدیک معصیت پر تو بہ کرنا واجب ہے اور تو بہ کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرماتے کا جو وعدہ فرمایا ہے اس پر طعن کیا جائے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی تو پھر تو بہ کرنے کی کیا ضرورت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہر چند کہ گناہوں کو معاف فرماتا اور مغفرت کرنا قطعی ہے مگر یہ غمناک اور مغفرت دو طرح حاصل ہوتی ہے ایک یہ کہ کچھ عرصہ دوزخ میں رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر کے دوزخ سے نکال لے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً معاف فرمادے اور بالکل سزا نہ دے اور تو بہ کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل عذاب نہ دے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۶۶، ۳۶۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حسن نازل شدہ چیز کی متعدد تفسیریں

الزمر: ۵۵ میں فرمایا: ”اور تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو احکام نازل کیے گئے ہیں ان میں سب سے اچھے احکام یہ ہیں کہ تو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو“

فرمایا: ”تمہارے رب کی طرف سے جو سب سے اچھی چیز جازل کی گئی ہے اس کی اتباع کرو اس کی تعمیریں ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد قرآن ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم قرآن کی اتباع کرو اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّكَ تَرْكُنْ احْسَنَ الْمَدِينِ يَا اَحْمَدُ

اللہ نے سب سے احسن کلام جازل فرمایا جس کی آیتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ (الجزء ۲۳)

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کو لازم رکھو اور اس کی معصیت سے محنت رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نین حم کے افعال بیان فرمائے ہیں:

(۱) بُرے کام بیان فرمائے تاکہ ان کو ترک کیا جائے (۲) مکروہ کام بیان فرمائے تاکہ ان سے اجتناب کیا جائے اور نہایت عمدہ کام بیان فرمائے تاکہ ان پر عمل کیا جائے۔

اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ قرآن مجید میں ان احکام کا بھی ذکر ہے جو منسوخ ہو چکے ہیں اور باخ احکام کا بھی ذکر ہے۔ سو باخ پر عمل کیا جائے اور منسوخ پر عمل نہ کیا جائے۔

یہ اس آیت کی تین تفسیریں ہیں جن کو امام رازی نے بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیرہ ص ۳۶۶) اسی طرح دیگر مفسرین نے بھی صرف یہی لکھا ہے اور میرے تفسیر میں اس آیت کی ایک اور تفسیر ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو قسم کے احکام ہیں ایک وہ ہیں جو فی نفسہ صحیح اور درست ہیں لیکن زیادہ بہتر اور احسن نہیں ہیں پس تم احسن اور زیادہ اچھے احکام پر عمل کرو۔

مثلاً رمضان میں کوئی شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ان دنوں میں روزے نہ رکھے اور بعد میں ان کی قضاء کرے اور اگر وہ ان ایام میں روزے رکھ لے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (الی قولہ تعالیٰ) وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ

تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے ایام میں انہا کی جگہ روزے رکھے اور اگر تم روزے رکھ لو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ (البقرہ ۱۸۳)

اسی طرح نفل صدقات کو دیکھا کر دینا جائز ہے لیکن چھپا کر دینے میں زیادہ فضیلت ہے قرآن مجید میں ہے:

إِنْ شَبَدْنَا لِلصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفَوْهَا وَتُكْتَبُهَا الْعَفْرَاءُ فَهِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرہ ۲۷۱)

صدقات مسکینوں کو چھپا کر دو تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

اسی طرح مقروض کو اتنی مہلت دینا واجب ہے کہ وہ قرض کو آسانی کے ساتھ ادا کر سکے اور قرض خولہ مقروض کو قرض کی رقم معاف کر دے تو یہ زیادہ بہتر ہے قرآن مجید میں ہے:

وَأَنْ كَانَ ذُو عَسْرَةٍ فَمَقْطَرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ ۲۸۰)

اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کی خوش حالی تک اس کو مہلت دینا ہے اور (اگر) تم قرض کی رقم اس پر صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو علم ہو

زیادتی کا بدلہ اتنی ہی زیادتی ہے پس جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی اس کا اجر اللہ کے لئے کرم پر ہے بے شک وہ خالص سے محبت نہیں کرتا

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَدَاكُمْ فَأَصْلَحْ مَا بَعْدَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (البقرہ ۴۰)

یہ چند مثالیں ہیں جن میں قرآن مجید میں ایک کام کا حکم دیا ہے جو صحیح اور درست ہے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے کام کا بھی حکم دیا ہے جو اس سے زیادہ اچھا اور احسن ہے اور الزمر: ۵۵ میں ہمیں قرآن مجید کے احسن کاموں پر عمل کی ترغیب دی ہے۔

قیامت کے دن فساق کی اپنی بد اعمالیوں پر ندامت اور اظہار افسوس

الزمر: ۵۶ میں فرمایا: ”(پھر ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص یہ کہے: ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھا“^۱ یعنی تم کو اللہ کی طرف رجوع کرنے، اخلاص سے اس کی اطاعت کرنے اور قرآن مجید کی اتباع کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر تم نے ان احکام پر عمل نہیں کیا اور اس کے نتیجہ میں تم کو آخرت میں عذاب ہوا تو پھر تم کہو گے کہ ہائے افسوس! میری ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں۔

اس آیت میں ”جسب“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: پہلو اور کروٹ اور معاندین اسلام اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے اللہ کے لیے اعضاء کا ثبوت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جسب کا اصل معنی ہے: جانب، کروٹ اور پہلو کو بھی جسب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک جانب میں ہوتے ہیں یعنی ایک جانب بندہ ہے اور دوسری جانب اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں تو بندہ کو اس پر افسوس ہوگا کہ اس نے اللہ کے احکام میں بہت کوتاہیاں کیں نیز اس وقت وہ بندہ کہے گا کہ بے شک میں ضرور مذاق اڑانے والوں میں سے تھا۔ یعنی اس نے صرف اس پر اکتفاء نہیں کی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوتاہیاں کیں بلکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں لگے رہتے تھے وہ ان کا مذاق اڑا لیا کرتا تھا۔

الزمر: ۵۷ میں فرمایا: ”یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا“^۲

اس سے پہلی آیت میں ذکر ہے کہ وہ شخص پہلے اپنی اطاعت میں کمی پر اظہار افسوس کرے گا اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ ”اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا“ اور:

الزمر: ۵۸ میں فرمایا ہے: ”یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہے کہ کاش! میرا دنیا میں لوٹا ممکن ہوتا تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاتا“ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ان اعذار کے جواب میں فرمائے گا:

الزمر: ۵۹: ”کیوں نہیں بے شک تیرے پاس میری ہدایتیں آئیں سو تو نے ان کی کفایت کی اور تکبر کیا تو کافروں میں سے ہو گیا۔“

اس کا یہ عذر باطل ہے کہ اس کو ہدایت حاصل نہیں ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رسولوں کو بھیجا، انہوں نے اسے اللہ کا پیغام پہنچایا اور اپنی رسالت پر دلائل اور معجزات پیش کئے، لیکن اس نے دانستہ انکار کیا اور رسولوں کو جھٹلایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا آپ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ ان کا منہ کالا ہوگا، کیا تکبر کرنے والوں کا جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟ اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے عذاب سے نجات دے گا، ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ شکستیں ہوں گے اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا مقبض ہے O اسی کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں O (الزمر: ۶۳-۶۰)

تکبر کی تعریف اور متکبرین کا حشر

الزمر: ۶۰ میں تکبرین کا ذکر ہے، تکبر کی تعریف ہے: حق کا انکار کرنا اور دوسرے لوگوں کو اپنے سے حقیر جانا (مجسّم سلمہ رقم)

اللہ ع: ۹۱: حکمرین کے حلق اس حدیث میں وعید ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن حکمرین کا مشر بنوئیوں کی صورتوں میں کیا جائے گا "ان کو ہر جانب سے ذلت و احاطہ لے گی" ان کو اس جہنم کی طرف بانک کر لے جایا جائے گا جس کا نام بوس ہے "آگ کے شعلے ان کے اوپر پھڑک رہے ہوں گے اور جہنم کی چھپ سے ان کو چلایا جائے گا۔

(سنن الترمذی رقم اللہ ع: ۲۳۹۳، مسند البیہقی رقم اللہ ع: ۵۹۸، مسند ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۹، مسند احمد ج ۹ ص ۹، الادب المفرد رقم اللہ ع: ۵۵۷، اسنن الکبیری رقم اللہ ع: ۸۸۰۰)

اللہ تعالیٰ کو بندروں اور خنزیریوں کا خالق کہنا ممنوع ہے

الترمذی: ۶۳- ۶۱ میں فرمایا: "اور اللہ متقین کو ان کی کامیابی کے سبب سے عذاب سے نجات دے گا" ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ غم گین ہوں گے اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز کا حکم بان ہے "O" اس آیت سے پہلی آیت میں مشرکین اور مکذبین کی وعید کا ذکر تھا اور اس آیت میں مومنین اور صدیقین کے وعدہ کا ذکر ہے "اس میں ان کے لیے بشارت ہے کہ نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غم گین ہوں گے" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی آفات سے محفوظ رہیں گے۔

الترمذی: ۶۳ میں فرمایا ہے: "اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی حمد میں یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ گندگی، کیڑے مکوڑوں اور بندروں اور خنزیریوں کا خالق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف حسن اور اچھائی کی تخلیق کی نسبت کرنا صحیح ہے اور بُرائی کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ہماری کتب حدیث میں اسی طرح مذکور ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تکرسانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

يقال انه خالق الكل ولا يقال خالق القاذورات والقرود والخنازير.
یہ کہا جائے گا کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ گندگیوں اور بندروں کا اور خنزیریوں کا خالق ہے۔

(شرح القاصد ج ۳ ص ۶۷۵، ایمان ۱۳۹۹ھ)

میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

انما لا يطلق لفظ الشرير عليه كما لا يطلق لفظ خالق القرود والخنازير مع كونه خالقهما.
اللہ تعالیٰ پر لفظ شریر کا اطلاق نہیں کیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ پر یہ اطلاق نہیں کیا جائے گا کہ وہ بندروں اور خنزیریوں کا خالق ہے حالانکہ وہ ان کا خالق ہے۔

(شرح المواقف ج ۸ ص ۱۳، منہجہ ایمان)

علامہ قاسم بن قطلوبغا متوفی ۸۸۱ھ لکھتے ہیں:

ولا يصح ان يقال خالق القاذورات وخالق القرود والخنازير مع كونها مخلوقة له القاذورات.
اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ گندگیوں، بندروں اور خنزیریوں کا خالق ہے حالانکہ بلا اتفاق یہ تمام چیزیں اسی کی مخلوق ہیں۔

(المسار شرح المسار ص ۷۷، دائرة المعارف الاسلامیہ، کمران)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ خالق الاجسام ہے لیکن اس کو کیڑے مکوڑوں اور بندروں کا خالق کہنا جائز نہیں ہے بلکہ اس قسم کے الفاظ سے

اس کی حزیہ واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۷۷ دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)
یہ کہنا کفر ہے کہ میری آنتیں ”قل هو اللہ“ پڑھ رہی ہیں اور دیگر کفر یہ محاورے

بعض لوگ شدید بھوک کا اظہار کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں: میری آنتیں قل هو اللہ پڑھ رہی ہیں یہ کفر کفر یہ ہے کیونکہ
آنتوں میں فضل اور براز ہوتا ہے اور یہ نجس چیز ہے اور نجس چیز کی طرف اللہ کے کلام کی نسبت کرنا کفر ہے۔
ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

من قال لا خیر طبع القدر یقل هو اللہ احد
کفر۔
جس نے دوسرے شخص سے کہا: ”بتجلی نے قل هو اللہ
احد سے کہا: ”نپاکا“ اس شخص کی تکبیر کی جائے گی۔

علامہ حسن بن منصور اور چند متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے مذاق سے یا استہزاء سے یا تحقیر کرتے ہوئے کلمہ کفر کہا وہ سب کے نزدیک کافر ہو جائے گا خواہ اس کا
اعتقاد اس کلمہ کفر کے برخلاف ہو۔ (نور الدینی کاظمی مابلی ماہی ماہی البندی ج ۳ ص ۷۵، المحرر المکی ج ۵ ص ۱۳۱، المکی البہر ج ۵ ص ۵۶۲)
بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ ہر چیز خدا کی حمد اور تسبیح کرتی ہے قرآن مجید میں ہے:
وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ اللَّهِ۔
ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

(نور انکب ۴۳)

اور ہر چیز کے عموم میں آنتیں بھی داخل ہیں سو ان کا قل هو اللہ پڑھنا بھی جائز ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز
کے عموم میں تو لید اور پیشاب بھی داخل ہے تو کیا ان کی طرف بھی حمد اور تسبیح کی نسبت کی جائے گی؟ اس لیے اس آیت کا معنی
یہ ہے کہ ہر چیز جو طاهر اور طیب ہو اور بمثل نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے فقہاء نے ہانڈی اور دیگی کی طرف بھی قل
هو اللہ پڑھنے کی نسبت کو کفر قرار دیا ہے حالانکہ ہانڈی نجس ہے نہ نجاست کا کل ہے اور آنتیں نجاست کا کل ہیں تو ان کی
طرف قل هو اللہ پڑھنے کی نسبت کرنا یہ طریق اونی کفر ہوگا اسی طرح یہ محاورات بھی کفر یہ ہیں: فلاں نے فلاں کو مسلو تیں
سنائیں۔ اس میں کلمہ گنوج اور فحش کلام پر مسلو ت کا اخلاق ہے اسی طرح یہ محاورہ بھی کفر یہ ہے: نمازیں بخشوانے گئے تھے
روزے گلے پڑ گئے اس میں روزوں سے بیزاری کا اظہار ہے۔

الزم: ۶۳ میں فرمایا: ”اسی کے پاس آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں ہیں۔“ الآية

مقالید کا معنی اور اس کی تفسیر میں درج حدیث کی تحقیق

اس آیت میں ”مقالید“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: مفاتیح یعنی چابیاں اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) سدی نے کہا: اس سے مراد ہے آسمانوں اور زمینوں کے خزانے (۲) آسمانوں کے خزانوں سے مراد ہے بارش اور زمین
کے خزانوں سے مراد ہے زمین کی پیداوار (۳) اس کی تفسیر میں حسب ذیل حدیث بھی روایت کی گئی ہے:
حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر کے
معلق دریافت کیا آپ نے فرمایا: تم سے پہلے مجھ سے اس کی تفسیر کے معلق کسی نے دریافت نہیں کیا اس کی تفسیر ہے ”لا الہ
الا اللہ واللہ اکبر وسبحان اللہ وبحمده واستغفر اللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ الاول والاخر والظاهر
والباطن وبہد الخیر ویحیی ویمیت وهو علی کل شیء قدير“۔

جس شخص نے صبح اٹھ کر ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھا اس کو چھ خصال عطا کی جائیں گی۔ پہلی خصلت کی وجہ سے وہ اللہ

جلو دم

اور اس کے لشکر سے محفوظ رہے گا اور دوسری خصلت کی وجہ سے اس کو بے شمار اجر عطا کیا جائے گا اور تیسری خصلت کی وجہ سے اس کا جنت میں درجہ بلند کیا جائے گا اور چوتھی خصلت کی وجہ سے بڑی آنکھوں والی حور سے اس کا عقد کیا جائے گا اور پانچویں خصلت کی وجہ سے اس کے پاس بارہ ہزار فرشتے آئیں گے اور چھٹی خصلت کی وجہ سے اس کو اس شخص کا اجر ملے گا جس نے قرآن مجید، تورات، انجیل اور زبور کی تلاوت کی ہو اور ان کے علاوہ اسے عتقان! اس کو حج مقبول اور عمرہ کا اجر ملے گا اور اگر اسی دن وہ مر گیا تو اس پر شہداء کی مہر ہوگی۔ (محل التیوم والملت رقم الحدیث: ۳۷۳۷ کتاب المغناہ للعلینی ج ۳ ص ۳۱ رقم الحدیث: ۱۸۲۳ کتاب المغناہ للعلینی ج ۳ ص ۳۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۵ حافض البیہقی نے کہا: اس حدیث کو امام ابوحنبل نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں الاعراب بن قیس ہے۔ مفسرین میں سے اس کو امام عبد الرحمن بن عمر ابن ابی حاتم حنفی ۳۲۷ھ کو امام ابو حاتم احمد بن محمد بن حنبل حنفی ۳۴۷ھ کو علامہ محمود بن عمر البخاری حنفی ۵۳۸ھ کو علامہ ابو عبد اللہ رحمہ اللہ حنفی ۲۶۸ھ کو حافض ابن کثیر حنفی ۷۴۷ھ کو حافض جلال الدین سیوطی التتبی ۹۱۱ھ کو علامہ اسماعیل حق حنفی ۸۳۷ھ کو علامہ سید محمود اموی حنفی ۱۰۷۰ھ نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔)

ان مفسرین کی کتب کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۳۵۳ رقم الحدیث: ۱۸۳۰۵ الکلیف والبیان ج ۸ ص ۲۳۹ الجامع لا حکام القرآن ج ۱ ص ۲۳۵ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۷ الدر المنثور ج ۷ ص ۲۱۰ روح البیان ج ۸ ص ۷۹۷ روح المعانی ج ۲ ص ۳۵)

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں اسناد ضعیفہ سے مروی احادیث کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔

روئے زمین کے خزانوں کی چابیوں کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خزانوں کا مالک ہونا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور آپ نے شہداء احد پر وہ نماز پڑھی جو میت پر نماز پڑھی جاتی ہے پھر آپ منبر پر واپس آئے سو آپ نے فرمایا: میں تمہارا خوش رو ہوں اور میں تمہارا گواہ ہوں اور بے شک میں اللہ کی قسم! ضرور اپنے حوض کی طرف اب دو کچھ رہا ہوں اور مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں یا فرمایا: مجھے روئے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں اور بے شک مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم مال دنیا میں دھبت کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۷۷۷۷)

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے امام شافعی اس صریح اور صحیح حدیث کے خلاف قیاس پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شہید زندہ ہوتا ہے اور زندہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ ہم کہتے ہیں کہ زندہ کو قبر میں دفن بھی نہیں کیا جاتا اور اس کی میراث بھی تقسیم نہیں کی جاتی۔ جب خلاف قیاس یہ امور جائز ہیں تو اس کی نماز جنازہ کیوں جائز نہیں ہے جب کہ وہ سنت سے ثابت ہے۔

اور اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام زمین کے خزانوں کے مالک ہیں جس کو چاہیں جتنا چاہیں عطا فرمادیں اور اس حدیث کی یہ توجیہ بھی صحیح ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت ان خزانوں کی مالک ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنے حوض کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

آپ کا یہ ارشاد اپنے ظاہر پر محمول ہے گویا اس حالت میں آپ پر وہ حوض منکشف کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ حوض پیدا کیا جا چکا ہے اور اب بھی حقیقت میں موجود ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرہ ہے کہ آپ نے دنیا میں اس حوض کو کھلایا جو آپ کو آخرت میں دیا جائے گا اور آپ نے اس کی خبر دی اور اس میں آپ کا دوسرا مجرہ یہ ہے کہ آپ کو تمام روئے زمین کی چابیاں دے دی گئیں اور آپ کے بعد آپ کی امت ان خزانوں کی مالک ہوگی۔ (عمدة القاری ج ۸ ص ۲۷۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

امام ابو منصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۲۵ھ لکھتے ہیں: آسمانوں اور زمینوں کی چابیاں اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے لطف کے خزانوں کی چابیاں اسی کے پاس ہیں اور یہ دلوں کے آسمانوں میں چھپی ہوئی ہیں اور اس کے قبر کی چابیاں بھی اسی کے پاس ہیں اور یہ نفوس کی زمینوں میں رکھی ہوئی ہیں یعنی اس کے لطف اور اس کے قبر کے خزانوں کی چابیوں کا اس کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے۔ وہ اپنے لطف کے خزانوں کو جس کے دل پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے جس سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور اخلاق حسنة کے جواہر نکلتے ہیں اور وہ اپنے قبر کے خزانوں کو جس کے نفس پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے پھر اس نفس سے افعال مذمومہ صادر ہوتے ہیں حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا پڑھتے تھے:

يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك۔ اے دلوں کو پھینکنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ! تم آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لا چکے ہیں کیا آپ کو ہم پر کوئی خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اتمام قلوبِ رخصیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو اٹھا پھینکتا رہتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۹ ج ۱۱ ص ۳۹ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷ ج ۵ ص ۲۵۷ فتح القدیر مسند احمد ج ۱ ص ۶۶۰)

رقم الحدیث: ۱۶۱۰۷ مؤسسۃ الرسالۃ ۱۳۸۸ھ طبعۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۳۳ شرح اللمعۃ ج ۸ ص ۸۸۰ الشرحۃ لا جری ص ۳۱۷ سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث: ۲۸۳۳ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۵۹۰ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۳۱۷ جامع السانید و الاسانید مسند انس رقم الحدیث: ۳۳۵۵)

اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ کون جنس اپنے اختیار سے کیسے کام کرے گا وہ اپنے اس علم کے اعتبار سے دلوں کو پھینکتا رہتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا سے مستغنی نہیں ہیں تو ہم لوگوں کو یہ طریق اولیٰ ہے کہ کثرت سے یہ دعا کرنی چاہیے۔

قُلْ أَغْيَرِ اللَّهُ تَأْمُرُونَنِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ أَوْحَىٰ

آپ کیسے کہ اے جاہلوں! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا یہ زور دے رہے ہو؟ ۳۴

إِلَيْكَ ۚ وَالِإِلَٰهَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

(توحید کی) وہی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف کہ اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے

عَمَلُكُمْ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۵﴾ بَلِ اللّٰهُ فَاعْبُدُوْهُ

عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ۳۵ بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت

كُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۷۳﴾ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ

کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں O اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر

جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ط

کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اسی کی تسبیح میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں

سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۷۴﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ

ہاتھ میں لیے ہوئے ہوں گے وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O اور صور میں پھونکا

مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ

جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا

نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿۷۵﴾ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ

تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے O اور زمین اپنے رب

بِنُورٍ رَّيَّتْهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجَاءَتْ بِالْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

کے نور سے چمکے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور تمام نبیوں اور تمام شہداء کو لایا جائے گا

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۷۶﴾ وَوَفِّيَتْ كُلُّ

اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا O اور ہر نفس کو اس کے

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۷۷﴾

اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے سب کاموں کو خوب جانتے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ اے جابلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا پورا زور دے رہے ہو؟ O بے شک

آپ کی طرف (توحید کی) کوئی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف کرا کر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل

ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور

شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں O (النور ۲۲-۲۳)

الزم: ۶۵: کی توجیہ جس میں فرمایا ہے: اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے

الزم: ۶۳: میں مشرکین مکہ کو جاہل اس لیے فرمایا ہے کیونکہ ان کو معلوم تھا بلکہ وہ اقرار بھی کرتے تھے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اس کے باوجود وہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر کی سورتوں کی عبادت کرتے تھے جو ان کو نقصان پہنچا سکتے تھے نہ نفع دے سکتے تھے اور جو شخص عالم اور قادر کو چھوڑ کر جاہل اور عاجز کی عبادت کرے وہ شخص جاہل ہی ہو سکتا ہے۔

الزم: ۶۵: میں فرمایا: ”اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے۔“ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کے تمام رسول اور بالخصوص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شرک نہیں کریں گے اور ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ ”اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے“ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے اور جملہ شرطیہ کے صدق کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے دونوں جز صادق ہوں دیکھئے یہ جملہ صادق ہے کہ اگر پانچ کا عدد جنت ہو تو وہ بغیر کسر کے برابر تقسیم ہوگا حالانکہ اس کے دونوں جز کا ذب ہیں اور قرآن مجید میں اس کی یہ مثالیں ہیں:

لَوْ كُنَّا فِيهِمْ لَآتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَنَسْكُنَهُ (النجم: ۲۴) نظام قاسد ہو جاتا۔

یہ جملہ صادق ہے حالانکہ اس کے دونوں جز کا ذب ہیں آسمان اور زمین میں متعدد خدا ہیں نہ ان کا نظام قاسد ہوا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْ لِلزَّاهِقِينَ وَكَذَلِكَ الْآلُونَ الْعَبِيدُ (الزمر: ۸۱) عبادت گزار ہوتا

یہ جملہ صادق ہے حالانکہ اس کے دونوں جز کا ذب ہیں زمین کا بیٹا ہے نہ آپ اس کے عبادت گزار ہیں۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں قریض ہے ذکر آپ کا ہے اور مراد آپ کی امت ہے یعنی اگر بالفرض آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے تو اگر آپ کی امت کے کسی شخص نے شرک کیا تو اس کے اعمال تو بہ طریق اولیٰ ضائع ہو جائیں گے۔

الزم: ۶۶: میں فرمایا: ”بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں“ اس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ آپ ان کے بتوں کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کے اس باطل قول کی پروا نہ کریں اور آپ اللہ وحدہ کی عبادت کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو وحید پر قائم رہنے کی ہدایت دی ہے اور ہدایت کی اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اسی کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے (الزم: ۶۸-۶۷)

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن اور حدیث میں اللہ کے جسمانی اعضاء کا ثبوت ہے

الزم: ۶۷ میں فرمایا: ”انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا“ کیونکہ انہوں نے اللہ وحدہ کی عبادت کو ترک کر کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرنی شروع کر دی اور انہوں نے اپنے سے بھی گھٹیا اور ادنیٰ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا، قیامت اور بعثت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کیا۔ سو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسی اس کی تعظیم کا حق تھا۔

پھر فرمایا: ”اور قیامت کے دن سب زمینیں اسی کے قبضہ و قدرت میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہوں گے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ علماء یہود میں سے ایک عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور تمام زمینوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور پانی اور کچھ کو ایک انگلی پر رکھے گا اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا۔ پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں تو تمہی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے حتیٰ کہ آپ کی ڈان میں غار ہو جائیں۔ آپ کا ہنساں عالم کی تصدیق کے لیے تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ”اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اس کی ٹہنی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہوں گے وہ ان چیزوں سے پاک اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔“ (الزم: ۶۷)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۱۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۸۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۴۴۸ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۴۸۷ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۸۷ جامع المسانید، السنن مسند ابی مسعود رقم الحدیث: ۴۵۲)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اپنی انگلیوں پر اٹھایا ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی حنفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ حدیث کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے ہنسنے کیونکہ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: ادنیٰ یہ ہے کہ اس قسم کی احادیث کی تائید کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے۔ علامہ ابن فورک نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انگلیوں سے مراد بعض مخلوقات کی انگلیاں ہوں اور بعض احادیث میں رحمان کی انگلیوں کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی قدرت کے تحت ہیں اور اس کی ملکیت ہیں۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۱۳ دار الفکر بیروت ۱۳۷۱ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد بخاری حنفی حنفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ انگلی یا ای طرح کے دوسرے اعضاء کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق نہ کیا جائے۔ ماہر اس کے کہ ان اعضاء کا ذکر قرآن مجید میں ہوا کسی حدیث قطعی میں ہو اور اگر ان میں کسی عضو کا ذکر نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر ان اعضاء کے اطلاق کرنے سے توقف کرنا واجب ہے اور انگلیوں کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ سنت قطعیہ میں ہے اور جن آیات اور احادیث میں ہند (ہاتھ) کا لفظ ہے اس سے مراد انسان کا عضو نہیں ہے حتیٰ کہ اس کے ثبوت سے انگلیوں کا ثبوت لازم آئے۔ صحیح البخاری: ۳۸۱۱ کی یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اکابر اصحاب سے مروی ہے اور اس حدیث میں اس

یہودی عالم کے قول کی تصدیق نہیں ہے اور یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب تم کو جو حدیث بیان کریں تم اس کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۳، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۶۰، ترمذی سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۰، شرح السنہ ج ۵ ص ۱۹۶) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے یہود کے اس قول کی تصدیق یا تکذیب ہو البتہ اس حدیث میں آپ کے ہنسنے کا ذکر ہے جس میں اس قول پر آپ کی رضا کا بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور ان کے اس قول پر تعجب اور انکار کا اشارہ بھی ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں انگلیوں کے اشارات پر استدلال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو انگلیوں کو مجاز پر محمول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کام جو بہت مشکل سمجھا جاتا ہو اور کسی آدمی کے نزدیک وہ بہت آسان ہو تو وہ کہتا ہے کہ اس کام کو تو میں ایک انگلی سے کر سکتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں یہودی عالم کی تحریف کا ذکر ہے اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا اس پر تعجب اور انکار کی وجہ سے تھا۔

علامہ حسی نے کہا کہ علامہ خطابی کی یہ تقریر محض تکلف ہے اور اسلاف کے عقائد اور ان کی تصریحات کے خلاف ہے صحابہ کرام اپنی روایت کردہ احادیث کو زیادہ بہتر جانتے تھے اور آپ کا ہنسنا اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے تھا اور سنت صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے حضرت نواس بن سمان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر قلب رخن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر وہ چاہے تو وہ اس دل کو سیدھا کر سکے اور اگر وہ چاہے تو اس دل کو ٹوٹ کر روے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۲، السنن ج ۱ ص ۲۱۹، مسند ابی حاتم رقم الحدیث: ۹۳۳، شرح ابی حاتم رقم الحدیث: ۳۱۷، مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۸۹) علامہ نووی نے بھی کہا ہے کہ ظاہر حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا اس کی تصدیق کے لیے تھا۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۱۹۶، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)
علامہ محمود بن عمر دھخری متوفی ۵۳۸ھ نے اس حدیث میں انگلیوں کے ذکر کو مجاز پر محمول کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے جیسے کوئی شخص کسی مشکل کام کے متعلق کہے کہ اس کام کو تو میں ایک انگلی سے کر سکتا ہوں اسی طرح فرمایا کہ تمام آسمانوں کو اور تمام زمینوں کو اللہ تعالیٰ اپنی ایک انگلی سے روک لیتا ہے۔

(الکشاف ج ۵ ص ۳۶، دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ دھخری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
قرآن مجید میں جو مٹھی اور دائیں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا ذکر ہے اس سے مراد ہماری طرح اعضاء نہیں ہیں ہمیں ان الفاظ پر ایمان رکھنا چاہیے اور ان الفاظ سے کیا مراد ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے اور ان کی تاویلات نہیں کرنی چاہیے یہی سلف صالحین کا مسلک ہے جو تاویلات سے اعراض کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۷۵، ۲۷۳، ملخصاً دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد باکلی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”قیامت کے دن تمام زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپے ہوں گے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر اپنی ذات کو جسانی اعضاء سے منزہ کیا کہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے اور برتر ہے جن کو وہ

اس کا شریک قرار دیتے ہیں اور منہی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کا احاطہ کیا ہوا ہے اور سب چیزیں اس کی قدرت میں ہیں۔ کیونکہ جب لوگ کسی چیز پر اپنی ملکیت اور قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: غلام! چیز تو میری منہی میں ہے اور میرے دائیں ہاتھ میں ہے۔ (المایع الاحکام القرآن ۵: ۳۷۸-۳۷۹ دار الفکر بیروت: ۱۳۱۵ء)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ منہی: دائیں ہاتھ اور اٹھلیوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ملکیت ہے۔ (روح المعانی ۲۲: ۳۳۳-۳۳۹ مکتبہ دار الفکر بیروت: ۱۳۱۵ء)

بہم الاعراف: ۵۳ اور المرعد: ۲ میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرام، فقہاء تابعین، ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کا یہ مسلک ہے کہ آنکھیں چہرہ، ہاتھ، پنڈلی اور ایسی دوسری صفات کا جو قرآن اور حدیث میں ذکر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات ہیں جو اس کی شان کے لائق ہیں وہ جسمانی اعضاء سے پاک اور منزہ ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے ان صفات کی نفی کرنا جائز ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل کرنا جائز ہے امام رازی، حافظ عسقلانی اور حافظ عینی نے اس کی تصریح کی ہے علامہ خطابی اور علامہ قرطبی وغیرہم نے جو ان صفات کی تاویل کی ہے وہ ہر چند کہ غیر معتاد ہے لیکن اس تاویل سے ان کا مقصد طہیرین کے اس اعتراض کو دور کرنا ہے کہ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے جسمانی اعضاء کا ثبوت ہے۔

صور پھونکنے کی تحقیق

الزمر: ۶۸ میں فرمایا: "اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے یا سوا ان کے جن کو اللہ چاہے پھر جب دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔"

بہم ائمل: ۸۷ میں ان امور کی تفسیر کر چکے ہیں: صور کا لغوی اور اصطلاحی معنی صور پھونکنے کے متعلق احادیث، کتب و بارصور پھونکا جائے گا؟ تین بار صور پھونکنے کے دلائل اور ان کے جوابات دوبارہ صور پھونکنے کے دلائل نصفہ الصبح سے کون کون افراد متعلق ہیں؟ کیا حضرت موسیٰ کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آنا ان کی انفعلیت کو مستلزم ہے؟ نصفہ الصبح سے استثناء میں علامہ قرطبی کا آخری قول۔

ہاں یہ نزدیک تحقیق یہ ہے کہ صور میں صرف دوبارہ پھونکا جائے گا اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دوبارہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس (سال) کا وقفہ ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۳۵۹)

اس کی زیادہ تفصیل ائمل: ۸۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قیامت کے دن جو امور سب سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے

قیامت کے دن حسب ذیل امور سب سے پہلے واقع ہوں گے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے زمین مجھ سے شق ہوگی اور

مجھے اس پر فخر نہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۸۸ مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱ لمحمد ج ۲ ص ۲۷۵ مسند ابن

ابی شیبہ ج ۳ ص ۶۸ کمال بن عدی ج ۵ ص ۱۸۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۷ جامع السنن ج ۱ ص ۲۸۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۳۷)

حضرت ابو ایسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن وہ شخص سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے میں ہوگا جو اپنے تنگ دست مقررہ کو کشادگی تک

مہلت دے گا یا اپنے قرض کو اس پر صدق کر دے گا اور اس سے کہے گا: تم پر جو میری رقم تھی وہ اللہ کی رضا کے لیے صدق

جلد دوم

رب کے نور سے کیا مراد ہے نور عقلی یا نور حسی؟

الزمر: ۶۹ میں رب کے نور کا ذکر ہے نور کی دو قسمیں ہیں: نور عقلی اور نور حسی نور عقلی وہ ہے جس کا بصیرت اور عقل سے ادراک کیا جاتا ہے جیسے نور عقل اور نور قرآن اور نور حسی وہ ہے جو روشن اجسام مثلاً چاند اور سورج سے حاصل ہوتا ہے یہ وہ روشنی ہے جس کا آنکھیں ادراک کرتی ہیں نور عقلی یا نور معنوی کا اطلاق قرآن مجید کی آنکھوں میں ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ نُورٌ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝

(المائدہ: ۱۵) کتاب مبین ۝

اَھْلَیْنَ شَرَعَهُ اللَّهُ هُدًى لِّلْإِسْلَامِ فَلَوْ عَلٰی قُلُوبِهِمْ قُلُوبٌ فَهَبْ ۝

(الزمر: ۳۳) تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور ہے۔

اور نور حسی یعنی وہ بجلی ہوئی روشنی جس کی مدد سے آنکھیں دیکھتی ہیں اس کا ذکر ان آنکھوں میں ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ سَیًّا وَالنَّجْمُ نُورًا ۝

(الحج: ۵)

ضیاء اور ضوء اس روشنی کو کہتے ہیں جو اصلی ہو اور نور عام ہے خواہ وہ روشنی اصلی ہو یا کسی اور سے مستفاد ہو اس لیے سورج کی روشنی کو ضیاء فرمایا اور چاند کی روشنی کو نور فرمایا۔

وَيَجْعَلُ لَّكُم نُّورًا تَتَشَوُّونَ بِهِ ۝ (الحج: ۳۸)

اور اللہ تمہارے لیے ایک روشنی پیدا کر دے گا جس کے ذریعہ تم چلو گے۔

وَأَشْرَقَتِ الْاُشْرُؤُا بِنُورِهِ زَيْهًا ۝ (الزمر: ۶۹)

اور زمین اپنے رب کے نور سے چمکے گی۔

(مصلہ مفردات امام رابع ج ۳ ص ۶۵۸ مکتبہ نزار صفحہ ۱۰۱۸)

رب کے نور کی تفسیر میں امام رازی سے اختلاف

بعض محدثین کہتے ہیں کہ نور روشن جسم کو کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے کیونکہ اس کے نور سے زمین چمکے گی امام رازی نے ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہاں نور کا مجازی معنی مراد ہے اور وہ عدل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عدل سے زمین چمکے گی اور اس سے نور حسی اور نور مشاہد مراد نہیں ہے بلکہ نور معنوی اور نور عقلی مراد ہے۔ جیسے عادل بادشاہ کے لیے کہتے ہیں کہ اس کے عدل سے آسمان چمک اٹھے اور دنیا اس کے عدل سے روشن ہو گئی جیسے کہتے ہیں کہ تمہارے علم سے اندھیرا چھا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم قیامت کے دن اندھیروں (کی صورت میں) ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۷) صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۹۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۳۰ مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۲ رقم الحدیث: ۳۱۰۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳۲۹ھ) باقی رہا کہ اس پر کیا قرینہ ہے کہ یہاں نور سے مراد عدل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ عدل فرمائے گا اور اسی سے زمین چمکے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۷۷۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۵ھ) ممکن ہے امام رازی کا یہ جواب صحیح ہو لیکن میرے نزدیک اس نور سے مراد حسی نور ہے کیونکہ زمین کے روشن ہونے اور چمکنے کا آنکھیں ادراک کرتی ہیں یہ ادراک عقلی نور کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے نور سے زمین چمکے گی کہ اس نور کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت اس کی تشکیم کی وجہ سے ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں ہے۔

ہر نفس کے مکمل حساب کی وضاحت

”زمین کے چٹکنے کے بعد اس آیت میں کتاب کا ذکر ہے“ اور کتاب رکھ دی جائے گی“ کتاب سے مراد ہو سکتا ہے کہ لوح محفوظ ہو جس میں قیامت تک کے تمام دنیا کے احوال لکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے صحائف اعمال مراد ہوں۔ قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُّ رَأْسٍ كَانَ لَنَا فِي عِصْيَانِهِ لَقِيبٌ ۚ وَنُفِخُ فِي سُفُوفٍ

يَوْمَ الْفَتْحِ ۚ كَيْفَ يُقْلَعُ مَنْظُورًا (نور اہل ۱۳)

ہم نے ہر انسان کے مقوم (یا اعمال) کو اس کے محلے میں لٹکا دیا ہے اور ہم قیامت کے دن اس کا بھیدہ اعمال نکال لیں گے جس کو وہ اپنے اوپر بٹھایا ہوا پائے گا

اس کے بعد تمام نبیوں اور شہداء کو لایا جائے گا انبیاء علیہم السلام کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ہم نے تمہیں دنیا میں اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا پھر تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ اور شہداء سے مراد ہو سکتا ہے کہ آپ کی امت ہو کیونکہ قیامت کے دن جب پھیل امت کے کفار یہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا تو آپ کی امت یہ شہادت دے گی کہ ان نبیوں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شہداء سے مراد کرنا کا تہین ہوں جو انسان کے اعمال لکھتے رہتے ہیں وہ قیامت کے دن انسان کے اعمال پر گواہ ہوں گے قرآن مجید میں ہے:

وَيَا حُوتُ كُلِّي نَفْسَ لَعْنَتِي وَتَشِيعِي ۝

ہر شخص کے ساتھ ایک لانے والا ہوگا اور ایک گواہ

(ن ۱۱)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ مؤمنین ہوں جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“ وہ تمام مقدمات جن کا دنیا میں صحیح فیصلہ نہیں ہو سکا خواہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہو یا بندوں کے حقوق سے قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

الحرر: ۱۰ میں فرمایا: ”اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے۔“

اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ہر نفس کو اس کے نئے اعمال کی ضرور سزا دی جائے گی کیونکہ اس آیت سے وہ گناہ کار مسلمان مستثنیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے اور اللہ تعالیٰ کے معاف فرمانے والی آیات اس عمومی شخص ہیں اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال اور ان کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے وہ ہر مومن کو اس کے نیک اعمال کی اچھی جزا دے گا اور اس کے نئے اعمال کو وہ جانے گا تو معاف فرما دے گا اور چاہے تو ان پر مواخذہ فرمائے گا ہم اس کے مواخذہ سے اسی کی پناہ میں آتے ہیں اور کفار اور شرکین کو پکڑے گا اور ان کو دوزخ میں دائمی عذاب دے گا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ هَٰذَا جَزَاءُ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۚ

اور کافروں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ جہنم پر پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے

فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رَسُولٌ مِّنكُمْ

کھول دیئے جائیں گے اور جہنم کے محافظ کافروں سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری مجلس سے رسول نہیں آئے

يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُوكُم لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا

تھے جو تمہارے سامنے تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟

قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٤١﴾

وہ کہیں گے: کیوں نہیں لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا ۵

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوًى

کہا جائے گا: اب تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم وہاں ہمیشہ رہو گے سو تکبر کرنے والوں کا کیا بُرا ٹھکانا

الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٤٢﴾ وَسَيُقَالُ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَلَيْسَ هَذَا إِلَى الْجَنَّةِ زُمرًا

ہے ۵ اور اپنے رب سے ڈرنے والوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا حتیٰ کہ

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ

جب وہ جنت پر پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو جنت کے محافظ ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم

عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٤٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ

پاک اور صاف ہو تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ ۵ اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ

الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَاةَ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَّبِعُ أَمْرَ الْجَنَّةِ

ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا ہم جہاں چاہیں جنت میں

حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنَتَعَمَّ أَجْرَ الْعَمِلِينَ ﴿٤٤﴾ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ

رہتے ہیں پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے ۵ اے رسول محمد! آپ دیکھیں گے

حَافِظِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ

کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں اور ان کے

بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں کو گروہ درگروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ جہنم پر پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں اور جہنم کے محافظ کافروں سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہارے سامنے تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے وہ کہیں گے: کیوں نہیں لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا O کہا جائے گا: اب تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم وہاں ہمیشہ رہو گے سو بکھر کرنے والوں کا کیسا بڑا ٹھکانا ہے O (الزمر: ۷۱-۷۲)

قیامت کے دن کفار کے عذاب کی کیفیت

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: "ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا"۔ (الزمر: ۷۰) اور ان آیتوں میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ کفار کو کس طرح جہنم میں ہانک کر زبردستی بھیجا جائے گا اور مومنوں کو کس طرح اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں بھیجا جائے گا۔

اس آیت میں زمر کا لفظ ہے "زمرۃ" کی جمع ہے اس کا معنی ہے: لوگوں کی جماعت اور گروہ اور زمر کا معنی ہے: لوگوں کی حدود و جماعتیں اور متحد گروہ۔

قیامت کے دن کفار کے گروہوں کو زبردستی دھکے دے کر جہنم کی طرف ہانکا جائے گا قرآن مجید میں ہے:
يَوْمَ يُنَادُّنَ إِلَى نَارٍ يُهَمُّوْنَ لَهَا (المزمل: ۱۳)

جس دن ان کو دھکے دے کر جہنم کی آگ کی طرف بھیجا جائے گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "حتیٰ کہ جب وہ جہنم پر پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے"۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جہنم کے دروازے پہلے بند ہوں گے جب کافروں کے گروہ جہنم پر پہنچیں گے تو جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد فرمایا: "اور جہنم کے محافظ کافروں سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے تھے؟" اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ رسول کے آنے سے پہلے انسان کسی حکم کا منکف نہیں ہوتا ورنہ فرشتے ابتداء یہ کہتے کہ تم نے اپنے رب کو واحد کیوں نہیں مانا اور اس کی عبادت کیوں نہیں کی اور رسول کے آنے کے بعد ہی انسان مواخذہ کا مستحق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اپنے رب سے ڈرنے والوں کو گروہ درگروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ جنت پر پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو جنت کے محافظ ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو تم پاک اور صاف ہو تم اس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ O اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا ہم جہاں چاہیں جنت میں رہتے ہیں پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے O (الزمر: ۷۳-۷۴)

قیامت کے دن مومنوں کے ثواب کی کیفیت

الزمر: ۷۳ میں فرمایا ہے: "اور متقین کو گروہ درگروہ جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا" معنی شہداء، علماء، عابدین اور عابدین اور زلمہ بن اور ہر وہ مومن جو اللہ سے ڈرتا ہو اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہتا ہو۔

طرح مؤمنین کا اعلیٰ مقام جنت ہے اسی طرح فرشتوں کا اعلیٰ مقام عرش ہے اور فرشتے عرش کے گرد اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا“ امام رازی نے کہا: یہ خیر فرشتوں کی طرف راجع ہے یعنی فرشتوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ اس فیصلہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔ (تفسیر کبرج ص ۳۸۱)

اور دیگر مفسرین نے کہا: اعلیٰ جنت اور اعلیٰ دار کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا یا انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کے حق میں گواہی دے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گواہی کے برحق ہونے کی گواہی دیں گے اور مؤمنین کہیں گے: الحمد للہ رب العلمین۔ سورۃ الزمر کا اختتام

آج پڑھنا ۱۹ جب ۱۳۲۳ھ ۱۷ ستمبر ۲۰۰۳ء بعد نماز عصر سورۃ الزمر کا اختتام ہو گیا ”قَالَ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ“
اے ہمارا! جس طرح آپ نے یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر مکمل کرادی ہے قرآن مجید کی بقیہ تفسیر بھی مکمل کرادیں۔
اس سورت کی تفسیر کے دوران میری والدہ محترمہ شفیق فاطمہ رحمہا اللہ کا انتقال ہو گیا ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ اللہ تعالیٰ ان کی میرے والد کی میری اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرمائے۔

رَبِّ ارْحَمْهُمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (نئی سرائیکل ۳۳)

اے میرے رب! میرے والدین پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی

رَبِّ ارْحَمْهُمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (نئی سرائیکل ۳۳)

اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام مؤمنین کی جس دن حساب لیا جائے

میری والدہ بہت عابدہ اور زاہدہ تھیں اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتی تھیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بہت مقربہ تھیں میں ان سطور میں پہلے اپنی والدہ کی وفات کا ذکر کروں گا پھر قرآن اور حدیث سے ماں کا مقام بیان کروں گا اور آخر میں وہ واقعات ذکر کروں گا جن سے ان کے مقرب ہونے کا علم ہوتا ہے۔

مصنف کی والدہ کی وفات

۸ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ ۱۷ اگست ۲۰۰۳ء کو میری امی محترمہ شفیق فاطمہ رحمہا اللہ اس دارالافتاء سے کوچ کر کے دارالبقاء کی طرف روانہ ہو گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۸۶ برس تھی اور اب میری عمر ۶۶ برس ہے مگیا ۶۶ برس تک میں ان کی شفیق نگاہوں اور مستجاب دعاؤں کے زیر سایہ رہا۔

وہ عابدہ زاہدہ خاتون تھیں شب بیدار اور تہجد گزار تھیں وہ اس آیت کا مصداق تھیں:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرہ: ۱۶۵)

وہ ہر نیک کام اور ہر نعمت خواہ کسی سے ملی ہو اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتی تھیں وہ نفل نماز پڑھ رہی ہوں یا اوراد اور وظائف پڑھ رہی تھیں کہ میری خالہ (امی کی بڑی بہن) ان سے ملنے آئیں سلام پھیرنے کے بعد جب وہ دوبارہ نیت باندھنے لگیں تو خالہ بیگم نے ان سے کہا: ابھی تو تم نے نماز پڑھی تھی پھر نماز پڑھنے لگیں امی نے بہت ناگواری سے کہا: آپ میری نماز کو نہ ٹوکا کریں ان کا سب سے زیادہ دل اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگتا تھا انہوں نے اپنے بچپن سے قرآن مجید پڑھنا شروع

کیا اور وفات سے چند سال پہلے تک قرآن مجید پڑھائی رہی ان کثرت لڑکوں اور لڑکیوں کو انہوں نے قرآن مجید پڑھایا میں نے بھی قرآن مجید ان ہی سے پڑھا تھا اور جب تک ان کے پڑھانے ہوئے قرآن مجید پڑھتے رہیں گے ان کو ثواب پہنچتا رہے گا وہ خود قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت کرتی تھیں ایک دن میں سترہ سترہ پارے تلاوت کر لیا کرتی تھیں سورہ یٰسین سورہ رحمان سورہ انفہ سورہ ملک اور سورہ مزمل بہت دل گداز اور دل سوز آواز میں پڑھتی تھیں قاری غلام رسول صاحب کا ترتیل سے پڑھا ہوا قرآن مجید جو ۵۵ کیسٹ میں تھا وہ میں نے اسی کو لا کر دے دیا تھا وہ قرآن مجید کو ان کیسٹس میں سنتی بھی تھیں پھر جب ان کی نظر بہت کمزور ہو گئی اور وہ دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے معذور ہو گئیں تو پھر وہ ان کیسٹس سے قرآن مجید سنتی رہتی تھیں پھر ایک وقت آیا کہ ان کی سماعت اس قدر کمزور ہو گئی کہ وہ کیسٹس سے بھی نہیں سن سکتی تھیں اور ہر وقت طول اور اشردہ رہتی تھیں کہ اب میں قرآن مجید پڑھ سکتی ہوں نہ سن سکتی ہوں میں نے ان کو یہ حدیث سنائی:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے جسم میں کوئی بیماری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے: میرا بندہ جو نیک عمل کرتا تھا اس کے صحیفہ اعمال میں ہر روز وہ عمل لکھے رہو۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۶۱۲، المجمع البحر ج ۷ ص ۸۸۲)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کسی ایسے طریقے سے عبادت کر رہا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مامور ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تندرستی کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کا وہ عمل لکھتے رہو حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔ (مسند احمد ج ۷ ص ۶۱۵، حنفیہ لکھنؤ نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۰۳)

لیکن قرآن مجید پڑھنے اور سننے کی لذت سے جو وہ محروم ہو گئیں تھیں اس کی وجہ سے ان کا غم نہیں جاتا تھا اس کے بعد وہ ہر وقت تسبیح پڑھتی رہتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ رات کو اٹھتی تھیں اور جس قدر ہو سکتا تھا اس قدر نمازیں پڑھتی تھیں ان کو ۵۵ سال سے شکر ہو گئی تھی وہ بہت سخت پرہیز کرتی تھیں شکر کی وجہ سے ان کو کوئی خطرناک عارضہ نہیں ہوا آخری سات سالوں میں ان کی شکر گورانی تھی اور ڈاکٹروں نے ان کی شکر کنٹرول کرنے والی دوا بند کرادی تھی البتہ عمر کے تقاضے سے اور مقوی خوراک نہ کھا سکنے کی وجہ سے بے حد کمزور و نحیف اور لاغر تھیں۔

قرآن وحدیث سے ماں کا مقام

وَوَكَيْتُ الْإِنْسَانَ بِمَا كَانُوا يَكُونُونَ ۝ عَلَّمْتُ الْإِنْسَانَ مَا لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَهُدًى وَفَصْلَةٌ فِي مِائَاتٍ ۝ أَشْكُرُكَ يَا رَبِّ ۝ (قرآن ۱۳)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اسی ماں سے کمزوری پر کمزوری پر برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھوٹا دوسری میں ہے (اور ہم نے یہ حکم دیا کہ) امیر اور والدین کا شکر ادا کرو میری ہی طرف لوٹنا ہے ۝

ماں اور باپ دونوں کی اطاعت واجب ہے لیکن ماں کی اطاعت کا حق چار میں سے تین حصہ ہے اور باپ کی اطاعت کا حق ایک حصہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! امیر سے نیک سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں! اس نے کہا: پھر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں! اس نے پوچھا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں! اس نے کہا: پھر کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں آپ نے پوچھا کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اس کے ساتھ چلے رہو! کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے وہ پھر دوبارہ کسی اور وقت مجھے پھر سر بارہ کسی اور وقت مجھے تو آپ نے یہی جواب دیا۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۸ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۹ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۹ رقم الحدیث: ۱۵۵۳۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۹ھ اس حدیث کی سند حسن ہے سنن کبریٰ للبخاری ج ۹ ص ۲۹ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۲۹۰ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۳ المسد رک ج ۳ ص ۱۰۰ شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۳۳ الا حادوالثانی رقم الحدیث: ۱۲۷۱۱ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۲۰۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۳۲ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۹۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (صحیح البخاری ج ۳ ص ۱۸۵ رقم الحدیث: ۱۱۱۲۲ دارالکتب المصریہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی ماں کی دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تو یہ بوسہ اس کے لیے (دور زنی کی) آگ سے چاب بن جائے گا۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۱۸۷ رقم الحدیث: ۷۸۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے فوت شدہ جسم کو بوسہ دیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۳۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۹۸۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۵۶)

الحمد لله رب العلمین اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے ان تمام احادیث پر عمل کیا ہے میں امی سے رخصت ہوتے وقت ہمیشہ ان کے پاؤں کو ہاتھ لگا تا تھا کہ یہ میری جنت ہیں اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا تھا اور ان کی وفات کے بعد کئی بار میں نے ان کے ماتھے پر اور ان کے پیروں پر بوسہ دیا اس وقت وہ کفن میں ملفوف تھیں ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اشک بار آنکھوں سے ان کے لیے دعا کی اور تدفین کے بعد دعا کی ان کی نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں علماء اور طلباء شامل تھے اور ان سب کی آنکھوں میں آنسو تھے جن کی تعداد آنسو کے لگ بھگ تھی اور اس میں بھی ان کی مغفرت کی بشارت ہے۔

جن احادیث سے امی کی مغفرت متوقع ہے

حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مسلمان بھی فوت ہو اور اس کی نماز جنازہ میں چالیس مسلمان ایسے ہوں جو اللہ سے بالکل شریک نہ کرتے ہوں اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۹ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۹ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۹ طبع جدید رقم الحدیث: ۲۵۰۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۸۸۲ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۸۸ سنن کبریٰ للبخاری ج ۳ ص ۳۳۳ شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۸۳۳ شرح البیہقی رقم الحدیث: ۱۵۰۵ جامع البیہقی رقم الحدیث: ۲۲۰۳)

میری امی محمد کی شب تقریباً ساڑھے گیارہ بجے رات فوت ہوئیں اور محمد کی شب فوت ہونے میں بھی ان کی مغفرت کی بشارت ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی جمعہ کے دن فوت ہوتا ہے یا جمعہ کی شب فوت ہوتا ہے اللہ اس کو قبر کے تختہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

(نفس الرزقی رقم الحدیث: ۲۰۷۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۵۵۹۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۹ طبع قدیم، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲ رقم الحدیث: ۲۵۸۲)

مؤسسہ الرسالہ، انگریز بہ لکھنؤ رقم الحدیث: ۳۷۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۰۲۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو جائے اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ (المجم بصیر رقم الحدیث: ۱۷۷۱، الکامل ص ۱۵۱، ابن عدی ج ۱ ص ۲۵۵۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو یا جمعہ کی شب فوت ہو اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہداء کی مہر ہوگی۔

(علیہ السلام ج ۳ ص ۱۸۱ رقم الحدیث: ۳۶۲۹، انقیب البقیہ ج ۱ ص ۳۳۳ رقم الحدیث: ۱۲۱۶)

جن واقعات سے امی کے مقرب ہونے کا پتا چلتا ہے

اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری امی کا بہت بڑا درجہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا تھا اور ان کی خواہشوں کو بھی پورا فرماتا تھا، کوئی دس سال پہلے کی بات ہے، آدمی رات کو میری اچانک آنکھ کھل گئی اور دل میں سخت بے چینی تھی، لگتا تھا کہ کسی کی یاد آ رہی ہے، میں سوچتا رہا کہ مجھے کسی کی یاد آ رہی ہے، کئی نام لیے لیکن دل مطمئن نہیں ہوا، آخر میں سوچا کہ امی کی وجہ سے دل بے چین ہے، میں نے فیصلہ کیا کہ کل میں امی کے پاس جاؤں گا، پھر دل مطمئن ہو گیا اور میں سو گیا، دوسرے روز میں امی کے پاس پہنچا تو امی نے کہا: میں نے رات کو تجھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ کل بھی (میرا گھر ملے نام) کو میرے پاس بھیج دینا۔ امی کی ایک خواہش تھی کہ ان کو چلنے پھرتے موت آئے، کسی کی محتاج نہ ہوں، سو ایسا ہی ہوا، ان کی خواہش تھی کہ ان کی وفات کے وقت ان کی بڑی بیٹی بھی موجود ہوں، مجھے رات ۱۲ بجے موبائل پر فون کر کے میری چھوٹی بہن نے بتایا کہ امی کا انتقال ہو گیا، میں بڑی بہن کو فون کرتا رہا لیکن ان کا فون خراب تھا، انہوں نے نیا گھر لیا تھا، وہ میرا دیکھا ہوا نہیں تھا، بڑی مشکل سے رات کو اڑھائی بجے میں نے اپنی خالہ زاد بہن کو فون کر کے ان کا پتا معلوم کیا اور میں اپنے ایک کرم فرما محترم محمد شمیم خان کے ساتھ اللہ پر بھروسہ کر کے رات تین بجے ان کا گھر ڈھونڈنے نکلا، ہم اس علاقہ میں گھر ڈھونڈ رہے تھے کہ ایک شخص جو دس سال پہلے شمیم صاحب کے ساتھ سعودی عرب میں کام کر چکا تھا وہ ان کی آواز سن کر چونکا اور اس نے شمیم صاحب کو پہچان لیا، وہ اس علاقہ میں رہتا تھا، اس کے تعاون سے ہم نے گھر ڈھونڈ لیا اور اس طرح حیرت انگیز طریقہ سے امی کی یہ خواہش پوری ہوئی اور میں نے بڑی بہن کو امی کے پاس پہنچا دیا۔

اس سلسلہ میں دوسری انہونی یہ ہوئی کہ میں رات کو اپنا موبائل آف کر دیتا تھا، امی کی وفات سے ایک ہفتہ پہلے میری چھوٹی بہن صبیحہ نے مجھے فون کر کے کہا کہ آپ موبائل آف نہ کیا کریں، پھر میں نے موبائل آف نہیں کیا، اگر اس رات میرا موبائل آف ہوتا تو رات بارہ بجے صبیحہ بہن مجھے مدرسے کے فون پر اطلاع دیتی، اور رات بارہ بجے مدرسے کے فون کو اٹھینڈ کرنے والا کوئی نہ ہوتا اور شاید پھر میرے بہنوئی امی کی تجویز و تحقیق کرتے اور مجھے یہ سعادت نہ ملتی، اور امی کی یہ خواہش پوری نہ ہوتی کہ ان کی تجویز و تحقیق ان کے بیٹے کریں، وہ بار بار کہتی تھیں اور دعا کرتی تھیں کہ میرے بیٹے میری تجویز و تحقیق اور تدفین کریں۔

اس سلسلہ میں تیسری انہونی یہ ہوئی کہ میرے چھوٹے بھائی محمد ظلیل ریاض میں تھے، امی کی خواہش یہ تھی کہ ان کی تدفین میں ہم دونوں شریک ہوں، جمعہ کی شب رات بارہ بجے میرے پاس صبیحہ بہن کا فون آیا تھا کہ امی فوت ہو گئی ہیں، اس کے دس منٹ بعد میرے بھائی محمد ظلیل کا فون آیا کہ آپ تدفین مؤخر کر دیں، میں ہر صورت ہفتہ کو کراچی پہنچوں گا، اگلے دن جمعہ تھا، جمعہ کو سعودی عرب میں تمام دفاتر بند ہوتے ہیں اور جب تک ان کے پاسپورٹ پر انگریز ری ایئر ویزا نہ لگ جائے وہ

سعودی عرب سے نکل نہیں سکتے تھے بھائی کا پاسپورٹ کبھی کے آفس میں تھا اس کے لیے ایک فارم بھرتا رہتا ہے وہ فارم بھی آفس میں تھا آفس جمعی کی وجہ سے بند تھا اس فارم پر ان کی کبھی کے ڈائریکٹر کے دستخط ہونا لازمی تھے وہ ڈائریکٹر اس وقت جرمی میں تھا اس کا موبائل نمبر بھائی کے پاس نہیں تھا اس کے سیکرٹری کے پاس اس کے موبائل کا نمبر تھا وہ جمعی کی پھٹی کی وجہ سے اردن روانہ ہو چکا تھا نیز اس دن ریاض سے کراچی کی کوئی فلائٹ نہیں تھی بظاہر یہ ایسے عوارض تھے کہ بھائی کا ہفتہ کے دن کراچی پہنچنا ناممکن تھا اور ہم تدفین میں زیادہ تاخیر کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن اللہ اپنے نیک بندوں کی خواہش پوری کرنے کے لیے بڑی سے بڑی رکاوٹ دور کر دیتا ہے بھائی کو معلوم ہوا کہ ڈائریکٹر کے سیکرٹری کی فلائٹ کسی وجہ سے ملتوی ہو گئی ہے وہ بس سے اردن جا رہا تھا بھائی نے اس کو موبائل پر فون کیا اس نے ڈائریکٹر کا فون نمبر لیا پھر ڈائریکٹر سے بات کی اس نے غیر معمولی تعاون کیا بھائی نے متعلقہ یمنی شخص کی مدد سے آفس کھلوا لیا اپنا پاسپورٹ لکھوایا اور وہ فارم لکھوا کر عربی میں بھردایا اور ان کی کبھی کے ڈائریکٹر نے اپنے ایک دوست کے ذمہ لگا لیا تو وہ جمعی کی نماز کے بعد بھائی کا پاسپورٹ لے کر پاسپورٹ آفس گیا پاسپورٹ آفس کھلوا کر اس پر ری ایئر کی انگریز ویزا لکھوایا اور شام چار بجے بھائی کو پاسپورٹ جس پر انگریز وی ایئر کی ویزا لگا ہوا تھا دے دیا ریاض سے کراچی کی کوئی فلائٹ نہیں تھی جدہ سے بھی بھائی نے جدہ اپنے دوست کو فون کیا انہوں نے بھائی کا ٹکٹ لیا بھائی ریاض سے جدہ پہنچے اور جدہ ان پورٹ پر اپنے دوست سے ٹکٹ لے کر جہاز میں سوار ہو گئے اور ہفتہ کو صبح ساڑھے چار بجے کراچی پہنچ گئے اور ساڑھے آٹھ بجے میں نے امی کی نماز جنازہ پڑھائی اور دس بجے ہم تدفین سے فارغ ہو گئے۔

امی کی تعزیت کے لیے کراچی کے جو مشاہیر اور قابل ذکر علماء میرے پاس آئے ان کے اسامہ یہ ہیں: قائد مصلح اسلام سید سید غلام شاہ احمد نورانی مفتی محمد حسن عثمانی شاہ فرید الحق مفتی ذب الرحمن مفتی دارا معلوم نصیب مولانا غلام محمد سیالوی مولانا غلام دغیر افغانی مولانا غلام ربانی مفتی محمد اسلم نعیمی مولانا تاجیل احمد نعیمی غلام خالد محمود سیالوی مفتی محمد اسماعیل نورانی مولانا سید ناصر علی قادری مفتی رفیع حسینی مفتی منظور احمد نعیمی مفتی ابوبکر صدیق مفتی فیض رسول مولانا محمد الیاس رضوی اور کراچی کے دینی مدارس کے دیگر علماء اور فضلاء صاحب زادہ محمد حبیب الرحمن نے بریڈ فورڈ برطانیہ سے اور شمیمہ بکن اور مولانا عبدالحمید نے برٹل برطانیہ سے اور سید محسن اعجاز نے لاہور سے ٹیلی فون کے ذریعہ تعزیت کی مولانا الیاس قادری بانی دعوت اسلامی نے دہلی سے مکتوب بھیجی مولانا محمد عبدالحمید شرف قادری ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی مولانا محبت اللہ نوری نے بھیر پور سے مولانا غلام نصیر الدین نے لاہور سے مولانا محمد حفیظ نیازی ایڈیٹر مابینہ رضاء مصطفیٰ نے گوجرانوالہ سے مولانا محمد عارف چشتی نے لندن سے اور دیگر احباب نے تعزیتی مکتوب لکھے میں ان سب علماء اور احباب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری غم گساری کی میں اپنے قارئین سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایک بار سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر میری امی کو ثواب پہنچائیں اور ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

اور آخر میں مولانا محمد نصیر اللہ نقشبندی محترم محمد شمیم خان اور مولانا محمد اعظم نورانی صاحب کے لیے دعا کرتا ہوں جو آدھی رات کو اٹھ کر نماز فجر تک امی کی تجھیر و تکفین کے سلسلہ میں میرے ساتھ رہے اور سید معراج بھائی کے لیے دعا کرتا ہوں جنہوں نے تدفین کے مراحل میں میری مدد کی اور خصوصاً شفیق بھائی کے لیے دعاگو ہوں جنہوں نے قدم قدم پر میری غم گساری کی۔ قاری عامر حسین سید محمد علی مولانا عبدالحمید ہزاروی مولانا وکیل حسین حافظ اکرام اللہ حافظ محمد ادیس حافظ محمد حبشیہ حافظ محمد فاروق بابریس سید احمد اور سید عمیر کے لیے دعاگو ہوں جنہوں نے اس سلسلہ میں بہت تعاون کیا۔



سُورَةُ الْمُؤْمِنِينَ

(۴۰)

سُورَةُ حَمِّ السَّجْدَةِ

(۴۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

المؤمن

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو مشہور نام ہیں: المؤمن اور الغافر۔ برصغیر کے مطبوعہ قرآن مجید کے نسخوں میں اس کا نام المؤمن ہے اور عرب ممالک کے مطبوعہ نسخوں میں اور عربی تقاسیر میں اس کا نام الغافر ہے۔ المؤمن کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں ہے:

وَقَالَتْ بَعْثُ الْمُؤْمِنِينَ وَرُسُلُهُمْ يَكْفُرُونَ
إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ سَمِعْتُ اللَّهَ
آل فرعون میں سے دو مردوں کو کہنے لگا جو: پنے ایمان کو کھلی
رکھتا تھا کہ کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ
(المؤمن: ۲۸) میرا رب اللہ ہے۔

اور سورت کا نام الغافر رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں ایک آیت یہ ہے:
غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي
الْعَرْشِ (المؤمن: ۳۰)
واللہ قدرت والا۔

ہر چند کہ المؤمن اور الغافر کے الفاظ دیگر سورتوں میں بھی ہیں لیکن ہم کنی بار ذکر کر چکے ہیں کہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں
ہوتی۔ اس سورت کا نام المؤمن اور الغافر رکھنے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ اس سورت میں یہ الفاظ آ گئے ہیں۔
المؤمن کے بعد چھ سورتیں ہیں سب کی ابتداء حم (حامیم) سے ہوئی ہے سو سات سورتوں کی ابتداء حم سے ہوئی ہے۔
دو سورتیں یہ ہیں:

(۱) المؤمن (۲) الفم السجدہ (۳) الشوری (۴) الزخرف (۵) الدخان (۶) الجاثیہ (۷) الاحقاف

المؤمن اور دیگر الحوامیم کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات الحوامیم مکہ میں نازل ہوئی
جیں۔

امام ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے
تورات کے بدلہ میں مجھے سات چیزیں عطا فرمائیں اور انجیل کے بدلہ میں ۱۴۱ آیت سے انجیل آئین تک عطا فرمائیں اور
زبور کے بدلہ میں انجیل آئین سے الحوامیم تک عطا فرمائیں اور مجھے الحوامیم اور انفصل سے فضیلت دی اور مجھ سے پہلے ان کو کسی
نبی نے نہیں پڑھا۔ (حدیث مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۳۲ دارالحدیث العربیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۴۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنے اہل کے لیے کوئی گھر ڈھونڈنے کے لیے نکلا وہ ایک سبزہ زار قطعہ کے پاس سے گزرا وہ اس کی خوب صورتی پر تعجب کر رہا تھا کہ وہ سبز باغات سے گزرا اس نے کہا: تو یہ کیسی جگہ کی خوب صورتی پر تعجب کر رہا تھا یہ تو اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہے تو اس نے کہا گیا کہ یہ بلا قطعہ زمین قرآن مجید کی مثل ہے اور یہ باغات قرآن مجید میں الخواصم کی مثل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۷۶ دار الفکر بیروت ۱۳۷۹ھ)

امام عبدالرحمان الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے۔ (الموسوعات ج ۱ ص ۳۴۰)
امام ابو عبید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ہر چیز کا ایک مغز ہوتا ہے اور قرآن کریم کا مغز الخواصم ہیں۔ (لغات القرآن ص ۲۵۳ لا تکان ج ۲ ص ۳۵۸ دار الکتب المصری بیروت ۱۳۷۹ھ)
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الخواصم قرآن کا دیباچہ ہیں۔

(معنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۵۳ کراچی: معنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۰۳۸۳ بیروت: لغات القرآن ص ۲۵۵ معنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۸۱ رقم الحدیث: ۶۰۳۸۱ المسد رک ج ۲ ص ۲۳۷ شعب ۱۱ بیان ج ۲ ص ۲۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص صبح اٹھ کر آیہ انکری پڑھے اور ”حسم“ سنزہل الکتاب من اللہ العزیز العلم“ سے دو آیتیں پڑھے اس دن صبح و شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور اگر اس نے شام کو ان آیتوں کو پڑھا تو شام سے صبح تک اس کی حفاظت کی جائے گی۔ (شعب ۱۱ بیان ج ۲ ص ۲۸۳ رقم الحدیث: ۳۲۷۳۰ دار الکتب المصری بیروت ۱۳۷۰ھ)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح اٹھ کر آیہ انکری اور حسم سے لے کر ”اللہ العزیز“ (المومن: ۱-۳) تک پڑھا اس کی صبح سے شام تک حفاظت کی جائے گی اور جس نے ان کو شام میں پڑھا اس کی صبح تک حفاظت کی جائے گی۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۹۰ سنن الدارمی رقم الحدیث: ۳۲۸۹۰ اعلیٰ ج ۲ ص ۳۲۵ شرح السنن رقم الحدیث: ۱۱۹۸)

المومن کی الزمر سے مناسبت

سورۃ الزمر میں بھی زیادہ تر یوم قیامت کے احوال اور حشر کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت اور مومنوں کی جزاؤں کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے اور اس سورۃ کا بھی یہی موضوع ہے۔

سورۃ الزمر کے آخر میں کفار کی سزا اور متقین کی جزا کا ذکر ہے اور یہ سورۃ اس آیت سے شروع ہوتی ہے کہ اللہ گناہوں کو بخشنے والا ہے تاکہ کافر کو ایمان لانے کی ترغیب ہو اور کفر کو ترک کرنے کی تحریص اور تہذیب ہو۔

سورۃ المومن کے مشمولات

سورۃ المومن اور باقی الخواصم کی سورۃں ہیں اور ان میں دیگر کئی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید پر زور دیا گیا ہے اور توحید کے مفکروں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ جو کفار فرشتوں کی شفاعت کی امید پر بت پرستی پر تھے ہوئے تھے ان کا رد فرمایا

ہے۔

قیامت کے دن مشرکوں کا کیا حال ہوگا وہ اپنے جرائم کا اعتراف کر لیں گے اور مشرکوں کی شفاعت کوئی نہیں کر سکے گا۔ گزشتہ اقوام کا تذکرہ جنہوں نے رسولوں کی کھذیب کی پھر ان پر آسمانی عذاب آ کر رہا۔ اس میں قریش کو بھی یہ ہے کہ اگر تم نے بھی یہی روش برقرار رکھی تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو یہ بتایا ہے کہ اسلام کی دعوت

کے سلسلہ میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی ہیں ان کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کریں! آپ اپنے موقف پر قائم رہیں! بالآخر کامیابی اور سرفرازی آپ کو ہی حاصل ہوگی! اسی کے حصن میں خاندانِ فرعون کے ایک مردِ مومن کا ذکر فرمایا! جب فرعون نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنا چاہا تو اس نے تمام خطرات سے بچے نیاز ہو کر واشگاف الفاظ میں کہا: کیا تم اس لیے ایک شخص کو قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے! اس میں ان لوگوں کو سرزنش ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے باوجود آپ کا کھل کر اس لیے ساتھ نہیں دے رہے تھے کہ ان کو قریش کی طاقت سے خطرہ تھا! ایسے لوگوں کو آلِ فرعون کے اس مومن کی جرأت سے سبق حاصل کرنا چاہیے! قریش کا یہ جتھہ فرعون سے زیادہ طاقتور نہ تھا! آخر میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات پر دلائل پیش کیے گئے ہیں اور کافروں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

سورۃ المؤمن کا ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے نمبر ۴۰ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۶۰ ہے۔

اس مختصر تعارف اور تہمید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ المؤمن کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اللہ العظیم! اے میرے رب! مجھے اس سورت کی تفسیر میں حقائق اور معارف سے آگاہی بخشا اور ان کو اس کتاب میں درج کرا دینا اور امورِ باطلہ کا بطلان مجھ پر منکشف کرنا اور ان کو اس کتاب میں درج کرنے سے مجھ کو مجتنب رکھنا اور مجھ سے اپنے فضل و کرم سے میری مغفرت فرمادینا۔

واحر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين
فائد الغر المحجلين، شفيع المذنبين وعلى اله الطيبين واصحابه الراشدين وعلى ازواجه
امهات المؤمنين وعلى جميع المسلمين الى يوم الدين.

غلام رسول سعیدی غفرلہ

۲۰ رجب ۱۴۲۳ھ / ۱۸ ستمبر ۲۰۰۳ء

خادم اللہ بیت دارالعلوم انجمیہ، کراچی۔ ۳۸

موبائل نمبر: ۳۰۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۳۵-۲۱۴۰۶۱۷

۰۳۳۱-۲۰۲۱۷۳۳



سودا اوسن بگی ہے لکھنؤ کے نام سے (شروع کرتا ہے) جو نہایت محفل نے ملا بہت مہربان ہے O اس میں بکائی آتیں تھو کھو کھیں ہیں

حَمْدٌ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٦﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ

حاجیم ○ اس کتاب کو نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غلبہ والا ہے حد علم والا ہے ○ گناہوں کو بخشنے والا

وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطُّوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

اور توبہ قبول فرمانے والا بہت سخت عذاب دینے والا صاحب فضل ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

الْبَصِيرُ ﴿٣﴾ مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

اس کی طرف سب کو لوٹا ہے ○ اللہ کی آیتوں میں صرف کفار بھڑکا کرتے ہیں سوشلوں میں ان کے چلنے پھرنے سے

فَلَا يَخْرُكُ تَقَلُّدُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۚ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ

اے مخالف! تم دھوکے میں نہ آنا O اُن سے پہلے نوح کی قوم نے

وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ

۱۔ اللہ کے لئے دیکھ کر گمراہوں نے تکذیب کی تھی اور ہر امت نے اپنے رسول پر قابو پائے

لَا تَأْخُذْهُمْ أَشْيَاءٌ وَلَا يَأْخُذُهُمْ أَشْيَاءٌ ۚ وَالْحَقُّ فِي يَدَيْهِ ۚ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۚ

کامیاب کا قیام اور اطمینان سے چھٹکارا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعہ حق کو مغلوب کر دیں! پس میں نے ان کو اپنی

فَكَيْفَ كَانِ عِقَابٌ ۖ وَكَذَلِكَ حَقَّتْ لِكُلِّ شَيْءٍ رِبَّتٌ عَلَى الدِّينِ

گرفتار ہو کر لڑا تو کھانا کھانے پر آمادہ نہ رہا اور اسی طرح آب کے رب کا فیصلہ کفار کے خلاف ثابت ہو گیا۔

كَفُّوا أَيْدِيَكُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ

کے ہیں، ہیں، وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد

حَوْلَهُ يُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ يَوْمُنْ وَبِهِ وَاسْتَغْفِرُونَ

چنانچہ یہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان

لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ

رکتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے سو تو ان

لِّلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِيمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝

لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے ۝

رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ ثَمُومٌ وَمَنْ صَلَحَ

اے ہمارے رب! تو ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا

مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ طِبْتَ أَنْتَ الْعَزِيزُ

اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو مغفرت کے لائق ہوں بے شک تو بہت غائب

الْحَكِيمُ ۝ وَقِيمِ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ

اور بے حد حکمت والا ہے ۝ اور تو ان کو گناہوں سے بچا اور اس دن تو جس کو گناہوں کے عذاب سے بچالے گا

رَحْمَتُهُ ۝ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حاشم اس کتاب کو نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غلبہ والا ہے حد علم والا ہے ۝ گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا بہت سخت عذاب دینے والا صاحب فضل ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اسی کی طرف سب کو لوٹو ہے ۝ (المومن ۱۳۰)

حکم کا معنی

حکم کے معنی میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلْحَكْمُ مَنْ کا مجموعہ الرحمن ہے۔

حضرت ابن عباس کی دوسری روایت ہے: حشم سے اللہ تعالیٰ نے حشم کہا ہے اور یہ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے فقہاء نے کہا: یہ حکم قرآن مجید کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ (جامع البیان ۴/۴۴۳ ص ۵۱۔ ۵۰ دار الفکر ص ۱۳۱۵)

امام ابو داؤد و سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مہلب بن ابی صفرو اس شخص سے روایت کرتے ہیں جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر دشمن تم پر شب خون مارے تو تم یہ کہو: "حکم لا یبصر وں" (حکم اللہ کے دشمنوں کی مدد نہ کی جائے)۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۳۶۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۳۲ مسند احمد ج ۳ ص ۶۵ المنشی رقم الحدیث: ۶۰۲۳ المسند رک ج ۲ ص ۷۱)

ختم سے اللہ کی حمایت کی طرف اشارہ ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں فرمایا تھا: ”حسبکم لا یستصرون“۔ اللہ کی حمایت کی وجہ سے دشمنوں کی مدد نہیں کی جائے گی“ کیونکہ اللہ مؤمنین کا مولیٰ اور مددگار ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے اس لیے مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور حمایت حاصل ہوگی۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ ح اور یم زحمن کے درمیانی حرف ہیں اور محمد میں بھی ح اور یم درمیانی حرف ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے اسماء کے درمیانی حرف ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہ راز ہے جس تک کسی مقرب فرشتہ کی رسائی ہے نہ کسی نبی مرسل کی۔ (الادب والجمہ والعزیز اور العظیم کا معنی

المومن ۳۹: ۱۱ میں العزیز اور العظیم کے الفاظ ہیں۔

العزیز کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے غالب یعنی ایسا قادر کہ کوئی شخص بھی قدرت میں اس کے مساوی نہ ہو اور دوسرا معنی ہے: جس کی کوئی مثل نہ ہو اس کے بعد دوسری صفت العظیم کو ذکر فرمایا ہے اور یہ عالم کا مبالغہ ہے یعنی بہت بڑا عالم جو تمام معلومات کو محیط ہو اللہ تعالیٰ کے علم کی چھ خصوصیات ہیں: (۱) اس کا علم ذاتی ہے یعنی کسی سے حاصل شدہ نہیں ہے (۲) اس کا علم فنی ہے یعنی کسی آلہ کا یا غور و فکر کا محتاج نہیں ہے (۳) اس کا علم ازلی وابدی ہے اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء ہے (۴) اس کا علم واجب ہے یعنی اس کے علم کا ہونا ضروری ہے اور نہ ہونا محال ہے (۵) اس کا علم دائمی ہے اس میں تبدل و تغیر محال ہے (۶) اس کا علم انتہائی کامل ہے یعنی ہر معلوم کی ذات و ذاتیات صفات لازمہ مفارقتہ اضافیہ سب کا اسے تفصیلی علم ہے مثلاً ایک ذرہ کو کتنے انسانوں نے دیکھا کتنے پرندوں نے دیکھا کتنے چرندوں نے دیکھا اس پر کتنے ہوا کے جھوکے گزرے کتنے بارش کے قطرے برسے وہ کتنی چیزوں کے سامنے رہا کتنی چیزوں کے پیچھے رہا کتنی چیزوں کے اوپر کتنی چیزوں کے نیچے کتنی چیزوں کے دائیں اور کتنی چیزوں کے بائیں رہا۔ غرض اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا بھی غیر متناہی و غیر متناہی وجوہ سے علم ہے اور اس کا علم انسان کی عقل میں آئی نہیں سکتا اور ایک ذرہ کے علم میں بھی کوئی اللہ تعالیٰ کے علم کا موازنہ نہیں ہے۔

المومن ۳۹: ۱۲ میں غافر الذنب قابل التوب 'شہید العقاب اور ذی الطول کے الفاظ ہیں۔

غافر الذنب 'قابل التوب اور شہید العقاب کے معانی

غافر کے معنی ہیں: سزا یعنی چھپانے والا ہر چند کہ یہ اسم فاعل کے وزن پر ہے لیکن یہ صفت مشبہ ہے۔ کیونکہ اسم فاعل کے معنی میں حدوث ہوتا ہے اور صفت مشبہ کے معنی میں ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث نہیں ہے اس کی ہر صفت دائمی اور باقی ہے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی خطاؤں اور ان کے گناہوں کو چھپانے والا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور ذنب کے معنی ہیں: اثم اور جرم ہر وہ فعل جو گرفت اور عذاب کا مستحق ہو اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو چھپانے والا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ بندہ کی توبہ کی وجہ سے ان کو چھپالے یا مقررین کی شفاعت کی وجہ سے یا اپنے فضل محض سے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو چھپالے گا تو پھر وہ اپنے بندے کو قیامت کے دن شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔

قابل کے معنی ہیں: کسی چیز کو پکڑنے والا جیسے کوئی شخص کوئی سے ڈول کو کھال پر پکڑ لیتا ہے اور اس کا معنی ہے: عذر قبول کرنے والا شریعت میں توبہ کا معنی ہے: گناہ کے کام کو اس کے حج کی وجہ سے ترک کر دینا اور گناہ کرنے پر تادم ہونا اور اس کام کے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا اور اس گناہ کی یہ قدر امکان خدائی کرنا اور جب یہ چاروں شرائط پائی جائیں گی تو توبہ مکمل ہو جائے گی اور استغفار کا معنی ہے: معصیت کی بُرائی سمجھنے کے بعد اس کے فعل پر مغفرت طلب کرنا اور معصیت سے اعراض

کرنا پس استغفار تو یہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔

شدید العقاب کا معنی ہے بہت سخت عذاب دینے والا اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے غافر الذنب اور قابل التوب ہے اور کفار کے لیے شدید العقاب ہے اور ان کے لیے جو اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور توبہ نہیں کرتے۔

ذی الطول کا معنی ہے بہت عظیم فضل والا بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل کی وجہ سے اس کو معاف فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لیے غافر الذنب ہے ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کو ان کی توبہ میں اغلاص کی توفیق دیتا ہے کیونکہ اس کے نیک بندے اس کے لطف کے مظاہر ہیں اور جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے حضور توبہ نہیں کرتے اور گناہوں پر اصرار کرتے ہیں ان کے لیے شدید العقاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی آیتوں میں صرف کفار جھڑا کرتے ہیں، شوہر میں ان کے چلنے پھرنے سے اسے مخاطب اتم دعو کے میں نہ آتا ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد دیگر گروہوں نے تکذیب کی جی اور ہر امت نے اپنے رسول پر قابو پانے کا ارادہ کیا تھا اور باطل ہاتھوں سے جھڑا کیا تھا تا کہ وہ اس کے ذریعہ حق کو مغلوب کر دیں۔ پس میں نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا تو کیا تمہارا عذاب اور اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ کفار کے خلاف ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں O (المومن ۳-۲)

جدال کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور جدال کی اقسام

المومن ۳۱ میں فرمایا: ”اللہ کی آیتوں میں صرف کفار جدال کرتے ہیں۔“

جدال کا لغوی معنی ہے: ”ری بٹنا اور عرف میں اس کا معنی ہے: کسی شخص کی رائے کو دلائل الزامیہ سے اپنے موقف کی طرف پھیرنے کی کوشش کرنا، جھڑا کرنے کو جدال کہتے ہیں۔ یعنی جب مباحثہ سمجھد کی حدود سے تجاوز ہو کر جھڑے میں داخل ہو جائے تو یہ جدال ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور قرآن مجید کی آیتوں میں جدال کرنا کفر ہے۔

قرآن مجید کی آیتوں میں جدال یہ ہے کہ جیسا کہ کفار نے کہا: قرآن مجید میں کبھی اور کبھی کا ذکر ہے اور یہ بہت چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزیں ہیں اور ان کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں اور انہوں نے کہا: قرآن میں شجرۃ الزقوم کا ذکر ہے کہ وہ دوزخ میں درخت ہے اور درخت لکڑی کا ہوتا ہے تو لکڑی آگ میں کیسے رہ سکتی ہے اور انہوں نے قرآن مجید کو سحر اور سحر کہا اور قرآن مجید میں اس طرح جدال کرنا کفر ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جسدال فی القرآن کفسر“ قرآن مجید میں جدال کرنا کفر ہے۔ بخاری اور مسلم کی شرائط کے موافق اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(مسند ابی ثنیہ ج ۱ ص ۵۲۹ مسند احمد ج ۳ ص ۹۳ مجمع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۶۷۹ رقم الحدیث: ۵۰۸۹ مسند ابی داؤد مسند ابی یوسف مسند ابی حنبلہ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۰۸۹ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۰۸۹)

اس طرح ایک اور حدیث میں حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے: قرآن کریم میں بحث اور جھڑنا کرنا کیونکہ قرآن کریم میں جھڑا کرنا کفر ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۵۰۸ رقم الحدیث: ۵۰۸۹ مسند احمد ج ۳ ص ۹۳ مجمع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۶۷۹ رقم الحدیث: ۵۰۸۹ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۰۸۹ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۰۸۹ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۵۰۸۹)

اور جو جدال جائز بلکہ بعض اوقات مستحب اور بعض اوقات واجب ہے وہ یہ ہے کہ حق کو ثابت کرنے کے لیے اور باطل کا رد کرنے کے لیے کافروں اور بے دینوں سے جدال کیا جائے قرآن مجید میں ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (آئل ۱۲۵) اور ان سے عمدہ طریقہ سے بحث کیجئے۔

اس کے بعد فرمایا: ”مشرکوں میں ان کے چلنے پھرنے سے اسے مخاطب اتم دھوکے میں نہ آنا۔“

مشرکین مکہ تجارت اور کسب معاش کے لیے مکہ سے نکل کر دوسرے شہروں کا سفر کرتے ہیں اور بہت آرام اور اطمینان اور خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں اور انہیں کسی آفت اور مصیبت کا سامنا نہیں ہوا اس سے اسے مخاطب اتم یہ نہ سمجھتا کہ میں ان سے راضی اور خوش ہوں بلکہ میں نے ان کو مہلت دی ہوئی ہے اور اگر یہ اپنی اسی روش پر قائم رہے تو میں وقت آنے پر ان کو اپنی گرفت میں لے لوں گا۔

المومن ۵: میں فرمایا: ”ان سے پہلے فوج کی قوم نے اور ان کے بعد دیگر گروہوں نے تکذیب کی تھی اور ہر امت نے اپنے رسول پر قابو پانے کا ارادہ کیا تھا اور باطل باتوں سے بھگاڑا کیا تھا تا کہ وہ اس کے ذریعہ حق کو مغلوب کر دیں پس میں نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا تو کیسا تھا میرا عذاب“

یعنی پچھلی قوموں کے کافروں نے بھی اللہ تعالیٰ کے پیغام کے خلاف باطل شہادت پیش کر کے حق کی تکذیب کی تھی سو یہ بھی اس طرح کر رہے ہیں پھر میں نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا پس اگر کفار مکہ بھی اپنی اسی روش پر برقرار رہے اور قرآن مجید میں جدال کرنے پر اصرار کرتے رہے تو میں ان پر بھی ایسا ہی عذاب نازل کروں گا۔

المومن ۶: میں فرمایا: ”اور اسی طرح آپ کے رب کا فیصلہ کفار کے خلاف ثابت ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں۔“

یعنی جس طرح سابقہ امتوں کے مسلسل انکار اور ان کی ہٹ دھرمی کی بناء پر ان کے حلق آپ کے رب نے ان کے دوزخی ہونے کا فیصلہ فرما دیا تھا اسی طرح مشرکین مکہ میں سے جو مسلسل ہٹ دھرمی کر رہے ہیں اور آپ کی طرف رجوع نہیں کر رہے آپ کے رب نے ان کے دوزخی ہونے کا بھی فیصلہ فرما دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو ان کے گرد ہیں وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں: اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا رحم ہر چیز کو محیط ہے سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے! اے ہمارے رب! تو ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو مغفرت کے لائق ہوں بے شک تو بہت غالب اور بے حد حکمت والا ہے! اور تو ان کو گناہوں سے بچا اور اس دن تو جس کو گناہوں کے عذاب سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے! (المومن ۹۰۔۹۱)

رابطہ آیات

اس سے پہلے آجوں میں یہ بتایا تھا کہ کفار اور مشرکین مومنوں سے بہت زیادہ عداوت اور دشمنی رکھتے ہیں اور ان کی بد خواہی میں گہرے ہیں اور ان آجوں میں یہ بتایا کہ خانہ مقررین اور حاملین عرش جو بہت افضل مخلوق ہیں وہ مومنوں سے بہت الفت اور محبت رکھتے ہیں اور ان کی غیر خواہی میں مشغول رہتے ہیں گویا کہ اگر یہ مشرکین آپ کے متبعین کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں تو آپ پر واہ نہ کریں کیونکہ افضل اور اعلیٰ مخلوق آپ کے پیروکاروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش

میں لگے رہے ہیں۔

حاصلین عرش کی صورت اور ان کی تعداد

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الخضری الخوارزمی المتوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ حاملین عرش کے ہر سب سے پہلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش سے اوپر نکلے ہوئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے در سے نظریں اوپر نہیں اٹھا رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کی عظمت میں تفکر نہ کرو لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ملائکہ میں تفکر کرو۔ کیونکہ ملائکہ میں سے ایک مخلوق ہے جس کو اسرافیل کہا جاتا ہے عرش کے کونوں میں سے ایک کونہ اس کی گدی پر ہے اور اس کے دونوں قدم سب سے پہلی زمین پر ہیں اور اس کا سر اس آسمانوں سے باہر نکلا ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے بہت حقیر اور چھوٹا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ چڑیا کے برابر ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ حاملین عرش کو سلام کیا کریں اور ایک قول یہ ہے کہ عرش کے گرد ستر ہزار فرشتوں کی صفیں ہیں انہوں نے اپنے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور وہ بے آواز بلند لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھ رہے ہیں اور ان کے پیچھے اور ستر ہزار فرشتے صف باندھے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ایسی شے کر رہا ہے جو دوسرا نہیں کر رہا۔

(الکشاف ج ۳ ص ۱۵۶-۱۵۵ تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۸۷ الملاح ج ۱۱ ص ۱۵۵ قرآن ج ۲ ص ۲۳۳ کتاب التفسیر ص ۷۱۰ الکشف والایمان للشمس

ج ۲ ص ۲۲۹)

اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے اس کا ایک راوی یحییٰ بن سعید الحمصی ہے وہ متروک اور معتمد ہے اور اس کا ایک راوی احمس بن حکیم ہے وہ بھی متروک ہے۔ احادیث مرفوعہ میں اس متن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن حادوی متوفی ۹۰۲ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

اس نوع کی متعدد احادیث ہیں اور سب کی اسانید ضعیف ہیں۔ (المقصد السبع ص ۱۷۲ دارالکتب البغدادیہ بیروت ص ۱۳۰)

علامہ اسماعیل بن محمد الجعفی متوفی ۱۱۶۲ھ نے بھی یہی لکھا ہے۔ (کشف الخفاء وحیل الالہام ج ۱ ص ۳۱۱ مکتبۃ القرآن دمشق)

قرآن مجید اور حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے کہ حاملین عرش کی تعداد آٹھ ہے قرآن مجید میں ہے:

قَالُمَلٰئِكَةٌ عَلٰی كُرْسٰی جَآئِہَا وَوَعِیْلٌ عَرِیضٌ اَرۡبَعٌ آسمانوں کے کناروں پر فرشتے ہوں گے اور آپ کے رب

كَوۡنُھُمْ اَیُّوۡمِیۡنٌ كَیۡدِیۡہٗۤ آِنۡ (الملاق: ۱۷) کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اضافے ہوئے ہوں گے ○

اور حدیث میں ہے:

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں بلاء میں تھا وہاں ایک جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے ناگاہ ایک بادل گزرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر پوچھا: تم اس کو کیا کہتے ہو؟ مسلمانوں نے کہا: صاحب آپ نے فرمایا: اور حزن بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ حزن بھی کہتے ہیں۔ فرمایا: اور عتقان بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہم عتقان بھی کہتے ہیں آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے آپ نے فرمایا: ان کے درمیان اکبر پھر یا پھر سال کا فاصلہ ہے۔ پھر اس آسمان کے اوپر جو دوسرا آسمان ہے ان کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے حتیٰ کہ آپ نے سات آسمان گنوائے پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے اس کی اوپری سطح اور اس کی گہرائی کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں کی صورت میں ہیں (حاملین عرش) جن کے کمروں سے ان کے گھٹنوں تک کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور ان کی ٹانگوں کے اوپر عرش ہے اس کی اوپری سطح اور

جلد دوم

نہام اللہ

marfat.com

Marfat.com

مجلسی سطح کے درمیان بھی اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ ہے پھر عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۳۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۳ صحیح ابن خزيمة ج ۱ ص ۱۰۲-۱۰۱ المسند رک ج ۳ ص ۵۰۱ السنن لابن ابی عامر رقم الحدیث: ۵۷۷۷)

قرآن مجید اور حدیث صحیح میں عالیشان عرش کی جو تصاویر بیان کی گئی ہیں وہ دھڑکی اور ڈھبکی وغیرہ کی بیان کر دہ تعداد پر راجع ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ”وہ فرشتے مومنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں: اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے“ سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راست کی اتباع کی ہے اور تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے“ (المومن: ۷)

امام رازی کی طرف سے نبیوں کے اوپر فرشتوں کی فضیلت کی ایک دلیل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

پہ کثرت علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ فرشتے بشر سے افضل ہوتے ہیں کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے جب اللہ کے ذکر اور اس کی حمد و ثناء سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر وہ مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ خود اپنے لیے مغفرت طلب کرنے سے مستغنی ہوتے ہیں کیونکہ اگر ان کو اپنے لیے بھی مغفرت طلب کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ سب سے پہلے اپنے لیے مغفرت طلب کرتے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنے لیے مغفرت طلب کی پھر اپنے والدین کے لیے اور سب مومنوں کے لیے قرآن میں ہے:

﴿يَا اِبْرٰهِيْمُ اَنِ اتٰىكَ الْوَحْيُ لِيَّ تَعْبُدَ الْوَحْدٰنَ فَاَعْبُدْنِيْ وَتَعْبُدْ اٰبٰتِيْ ۚ اِنِّيْٓ اَخْشٰى فِرْعٰوْنَ عَذٰبَ﴾ اے ہمارے رب! میری مغفرت کر اور میرے والدین کی

(ابراہیم: ۴۱) اور تمام مومنوں کی جس دن حساب لیا جائے

پس فرشتے اگر مغفرت طلب کرنے کے محتاج ہوتے تو سب سے پہلے اپنے لیے استغفار کرتے اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے اپنے لیے مغفرت طلب کی تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ فرشتے اپنے لیے مغفرت طلب کرنے کے محتاج نہیں ہیں اور انبیاء علیہم السلام مغفرت طلب کرنے کے محتاج ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

﴿اَسْتَغْفِرُ لِمَا تَنْتَكَ﴾ اور آپ اپنے بہ ظاہر ظالموں کی کاموں کے لیے مغفرت

طلب کیجئے

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ فرشتے اپنے لیے مغفرت طلب کرنے سے مستغنی ہیں تو فرشتوں کا بشر سے افضل ہونا ثابت ہو

گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۹ ملخصاً دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

امام رازی نے اکثر علماء کے حوالے سے جس نظریہ کا ذکر کیا ہے یہ معتزلہ کا نظریہ ہے وہ کہتے ہیں کہ فرشتے مطلقاً بشر سے افضل ہیں حتیٰ کہ نبیوں اور رسولوں سے بھی افضل ہیں اس کے برعکس اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں حتیٰ کہ رسل ملائکہ یعنی حضرت جبریل، اسرافیل، عزرائیل اور میکائیل علیہم السلام سے بھی افضل ہیں امام رازی نے نبیوں پر فرشتوں کی افضلیت کی یہ دلیل قائم کی ہے کہ فرشتوں نے اپنے لیے استغفار نہیں کیا اور انبیاء علیہم السلام کو اپنے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے سو فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔

میرے نزدیک امام رازی کی یہ دلیل کئی وجوہ سے مخدوش ہے۔

(۱) تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں ان سے کسی گناہ کا صدور نہیں ہوا۔ صغیرہ گناہ کا نہ کبیرہ گناہ کا۔ سبوا نہ عدا۔ صور نہ حقیقت۔ قبل از نبوت نہ بعد از نبوت رہا انبیاء علیہم السلام کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دینا اور ان کا اپنے لیے مغفرت طلب کرنا سو یہ امر تعبدی ہے اس میں عقل اور قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ کی تعظیم کرنا اور کعبہ کا طواف کرنا حالانکہ آپ کعبہ سے افضل ہیں اور جیسے موزوں کے اوپر کے حصہ کا مسح کرنا حالانکہ گندگی گنتے کا احتیاج تو موزوں کے نچلے حصہ پر ہے اور جیسے پانی نہ ہونے کی صورت میں تحیم کرنا حالانکہ چہرے اور ہاتھوں پر خاک اور مٹی ملنا صفائی کی ضد ہے لیکن یہ تمام احکام تعبدی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے سو ہم یہ کام کریں گے خواہ ان کی کوئی وجہ اور حکمت ہماری عقل میں نہ آئے ہماری بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور باوجود معصوم ہونے کے انہوں نے استغفار کیا۔ سو اس حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کو اجر و ثواب ملے گا اور ان کے درجات بلند ہوں گے اور معصومین کا استغفار کرنا ان کے درجات میں بلندی اور اضافہ کے لیے ہی ہوتا ہے۔

(۳) فرشتوں نے اپنے لیے استغفار نہیں کیا۔ مؤمنوں کے لیے استغفار کیا۔ اپنے لیے فرشتوں کے استغفار نہ کرنے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ ان کو اپنے لیے استغفار کرنے کی احتیاج نہیں ہے اور وہ اپنے لیے استغفار کرنے سے مستغنی ہیں جیسا کہ امام رازی نے ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنے لیے اس وجہ سے مغفرت طلب نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور مؤمنوں کے لیے اس وجہ سے مغفرت طلب کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤمنوں کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا تھا فرشتے کوئی کام اپنی طرف سے اور اپنے اختیار سے نہیں کرتے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے صرف جنات اور انسانوں کو دیا ہے اسی لیے ان کو جزا اور سزا ملے گی فرشتے اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے یہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے قرآن مجید میں ہے:

يَعْلَمُونَ رَبَّهُمْ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْهُمْ قَدْ ضَلَّ سَبِيلًا عَظِيمًا ۝ اِذْ يَصْضَوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَهُمْ لَا يَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۝ اِذْ يَصْضَوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَهُمْ لَا يَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۝ (التحریم: ۶)

فرشتے اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ۝ (نحل: ۵۰)

دوزخ کے اوپر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ۝

اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو یہ حکم دیتا کہ تم اپنے لیے مغفرت طلب کرو تو وہ ضرور اپنے لیے مغفرت طلب کرتے۔ لہذا فرشتوں کا اپنے لیے مغفرت طلب نہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور انبیاء علیہم السلام کا اپنے لیے مغفرت طلب کرنا اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا سو انبیاء کا اپنے لیے استغفار کرنے اور فرشتوں کا اپنے لیے استغفار نہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء اپنی مغفرت طلب کرنے کے محتاج ہیں اور فرشتے اپنی مغفرت طلب کرنے سے مستغنی ہیں لہذا فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ امام رازی کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ ان کا یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء فرشتوں سے افضل ہیں اللہ تعالیٰ امام رازی پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس نظر پر کود لال سے رد کر دیتے لیکن شاید ان کی اس طرف توجہ نہیں ہو سکی کیونکہ قسام ازل نے یہ سعادت صرف میرے لیے لکھ دی تھی۔ قالہ لہدوب اللہین

آیا فرشتوں کی شفاعت سے صرف ثواب میں اضافہ ہوتا ہے یا بغیر توبہ کے گناہ بھی

معاف ہوتے ہیں؟

معتزل کا عقیدہ یہ ہے کہ فرشتوں کی شفاعت سے مؤمنوں کے ثواب میں تو اضافہ ہوگا لیکن بغیر توبہ کے فرشتوں کی شفاعت سے ان کے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوں گے فرشتوں نے کہا: "سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے" اور جن مسلمانوں نے گناہ کبیرہ کیا اور اس پر توبہ نہیں کی وہ ان کی اس شفاعت میں داخل نہیں ہیں۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حالمین عرش مؤمنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں اور جو مومن گناہ کبیرہ پر توبہ کیے بغیر مر گیا وہ مؤمنین کے عموم میں داخل ہے اور فرشتوں کی شفاعت اس کو شامل ہے اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: "تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی اتباع کی ہے" اس سے مراد ہے جنہوں نے کفر سے توبہ کی ہے اور اسلام کے راستہ کی اتباع کی ہے اور یہ معنی ان مؤمنوں کو بھی شامل ہے جو بغیر توبہ کے مر گئے اور اس توبہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ انہوں نے گناہ کبیرہ سے توبہ کی ہو کیونکہ گناہ کبیرہ سے توبہ کے بعد تو معتزل کے نزدیک اس کی مغفرت واجب ہے اس کے لیے شفاعت کی حاجت نہیں ہے نیز معتزل کہتے ہیں کہ المؤمن: ۸ میں فرمایا ہے: "فرشتے کہیں گے: تو ان کو ان دائمی جنتوں میں داخل فرما دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے" اور جو مومن گناہ کبیرہ کر کے بغیر توبہ کے مر گیا اس سے تو اللہ تعالیٰ نے دائمی جنتوں کا وعدہ نہیں کیا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی دائمی جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے قرآن مجید میں ہے:

مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿۲۶﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿۲۷﴾ (الزلزال: ۸-۷)

پس جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہے وہ اس کی جزا پاوے گا اور جس شخص نے ایک ذرہ کے برابر بھی بُرا کام کیا ہے وہ اس کی سزا پاوے گا

پس جو مومن گناہ کبیرہ کرنے کے بعد بغیر توبہ کے مر گیا اس سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے ایمان کی جزا پاوے گا اور ایمان کی جزا دائمی جنت ہے اور اس نے جو بُرائی کی ہے وہ اس کی سزا کا مستحق ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کو بخشنے اور معاف کرنے کی بھی بشارت دی ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا کو معاف کر دے اور وہ بغیر سزا پاوے جنت میں چلا جائے اور اس آیت میں جو فرمایا ہے: "جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی بُرائی کی وہ اس کی سزا پاوے گا" اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ نے اس کو معاف نہ کیا تو وہ اپنی بُرائی کی سزا پاوے گا اور سزا بھگت کر پھر جنت میں چلا جائے گا اور وہ اپنے ایمان کی وجہ سے ضرور جنت میں جائے گا یہ اس سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اغلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف کر دے گا اور وہ بغیر سزا پاوے جنت میں چلا جائے گا۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

مطرف بن عبد اللہ نے کہا: اللہ کے بندوں میں سے مؤمنوں کے سب سے بڑے خیر خواہ ملائکہ ہیں اور اللہ کی مخلوق میں سے مؤمنوں کا سب سے بڑا بد خواہ شیطان ہے اور یحییٰ بن محاذ رازی نے اپنے اصحاب سے اس آیت کی تفسیر میں کہا: کیا

لوگوں نے اس آیت کا معنی سمجھ لیا ہے اس آیت سے زیادہ امید افزاء اور کوئی آیت نہیں ہے بے شک اگر ایک فرشتہ بھی تمام مومنوں کی مغفرت کی دعا کرے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مغفرت کس قدر عام ہوگی جب تمام فرشتے اور حاملین عرش مل کر مومنین کے لیے استغفار کریں گے۔ خلف بن ہشام نے کہا: میں نے یہ آیت سلیم بن عیسیٰ کے سامنے پڑھی: ”وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا“ تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے انہوں نے کہا: اللہ اپنے بندوں پر کس قدر کریم ہے مومنین اپنے بشروں پر سوائے ہوتے ہیں اور فرشتے ان کے لیے مغفرت طلب کر رہے ہوتے ہیں۔

(الجامع ۱۱، الاماقرآن ۷ ص ۶۲، دارالمنار بیروت ۱۳۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ فرشتوں کی دعا کی دو وجوہوں سے قبولیت زیادہ متوقع ہے ایک وجہ یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات مانے اللہ بھی اس کی بات مانتا ہے قرآن مجید میں ہے:

لِيُجِيبَ دُعَاةَ الَّذِينَ إِذَا دَعَاوْا لَكَ لَعَلَّكَ تَنْصِتُ

جب دعا کرنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو وہ بھی تو میری بات مانا کریں۔ (البقرہ ۱۸۶)

فرشتے اللہ تعالیٰ کے برہم پر عمل کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان کی دعا ضرور قبول فرمائے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتے ہمارے پس پشت ہمارے لیے دعا کرتے ہیں اور جو غائب کے لیے دعا کی جائے اس کی قبولیت زیادہ متوقع ہے حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کی دعا اس قدر جلد قبول نہیں ہوتی جتنی جلدی ایک غائب کی دعا دوسرے غائب کے لیے قبول ہوتی ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث ۲۸۰۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۵۳۵۵، مسند ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۶۹۸، الاماقرآن ۱۱، ابوالفرزدق رقم الحدیث: ۶۳۳)

حاملین عرش کی دعا کے نکات

حاملین عرش نے مومنوں کے لیے جو مغفرت کی دعا کی اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں یہ کہا: ”اے ہمارے رب! حیرت رحمت اور حیرت اعلم ہر چیز کو محیط ہے سو تو ان لوگوں کی مغفرت فرما۔“ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مطلوب کا ذکر کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے نیز فرشتوں نے اپنی دعا میں کہا: ”تو ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے اور ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرمادے“ اس سے معلوم ہوا کہ حامل صوفیاء کا یہ کہنا غلط ہے کہ دوزخ کے عذاب سے نجات اور حصول جنت کی دعا کرنا کم درجہ کے لوگوں کی دعا ہے حاملین عرش اللہ تعالیٰ کے مقربین ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ مومنین کے لیے دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کرتے ہیں۔

فرشتوں نے انسان کی تخلیق سے پہلے انسان کے متعلق یہ کہا تھا کہ یہ زمین میں خون ریزی اور فساد کرے گا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان سے مومنوں کے لیے مغفرت کی دعا کرائی تاکہ تخلیق آدم پر ان کے اعتراض کا دوا ہو جائے فرشتوں نے دعا کے موقع پر ”اللہم“ نہیں کہا بلکہ ”ربنا“ کہا اور انبیاء علیہم السلام نے بھی زیادہ تر دعا کے مواقع پر ”ربنا“ ہی کہا ہے کیونکہ ”اللہم“ کا معنی ہے: اے اللہ! اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر ہے اور ”ربنا“ کا معنی ہے: اے ہمارے رب! اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر ہے اے ہمیں پالنے والے! ہم اللہ تعالیٰ کو متوجہ کرتے ہیں کہ جس طرح تو نے ہمیں وجود عطا کیا ہماری پرورش کی ہمیں ضرر سے محفوظ رکھا اور ہمیں فوائد عطا کیے ہماری اس دعا کو قبول فرمالے اور ہمیں دائمی ضرر سے بچالے اور دائمی فوائد عطا فرمادے۔

المومن: ۸ میں فرمایا: ”اے ہمارے رب! تو ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرمادے جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور

ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں کو اور ان کی اولاد میں سے بھی جو مغفرت کے لائق ہوں بے شک تو بہت غالب اور بے حد حکمت والا ہے۔"

ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہر مومن سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اس کو دائمی جنت میں داخل فرمائے کیونکہ اس نے فرمایا ہے: "جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا" اور آیت میں حاکمین عرش کی یہ دعا بھی ہے کہ "مومنوں کے نیک آباء ان کی نیک بیویوں اور ان کی نیک اولاد کو بھی جنت میں داخل فرما کیونکہ جب انسان کے اقرباء بھی اس کے ساتھ ہوں تو اس کی راحت اور خوشی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس دعا کے آخر میں فرشتوں نے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی کہ "بے شک تو بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے" کیونکہ اگر غالب نہ ہو تو جزا کیسے عطا فرمائے گا اور اگر وہ حکمت والا نہ ہو تو جنت میں درجیات کس طرح مقرر فرمائے گا۔

المومن: ۹ میں فرمایا: "اور تو ان کو گناہوں سے بچا اس دن تو جس کو گناہوں کے عذاب سے بچالے گا تو بے شک تو نے اس پر رحم فرمایا اور نیکی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

یعنی جس کو تو دنیا میں گناہوں کے ارتکاب سے بچالے گا اسی پر تیرا آخرت میں رحم ہوگا اس لیے بندہ کو ہر وقت یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ اس کو گناہوں سے بچائے رکھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی کہ وہ ہر جمعہ کی شب چار رکعات نماز پڑھیں پھر تشہد کے بعد اللہ تعالیٰ کی احسن حمد و ثناء کریں اور تمام نبیوں اور خصوصاً آپ پر اچھی طرح درود شریف پڑھیں پھر تمام اگلے اور پچھلے مومنین کے لیے استغفار کریں اور اس کے بعد یہ دعا کریں:

اللهم ارحم مني بترك المعاصي ابدما
اے اللہ! جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھ پر اس طرح رحم فرما
کہ میں ہمیشہ گناہوں کو ترک کروں۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۷۰ معتمداً دار الفکر بیروت ۱۴۹۸ھ جامع المسانید و السنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۳۰)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَنَادُونَ لِمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ
بے شک (قیامت کے دن) کفار سے بڑا وار بڑھ کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے لو پر جو غصہ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا غصہ ہے جو

إِذْ تَدْعُونَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝۱۰ قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا
تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے ۱۰ وہ کہیں گے: اے

اِثْنَتَيْنِ وَاحِيتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى
ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار صحت دی اور دو بار زندقہ فرمایا ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا آیا اب دوزخ سے نکلنے کی کوئی

خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيلٍ ۝۱۱ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ
صورت ہے؟ ۱۱ اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ

كُفَرْتُمْ ۚ وَإِنْ يُشْرِكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٣﴾

کسی کو شریک کر لیا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے یہی فیصلہ صرف اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا

وہی تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل فرماتا ہے اور صرف وہی لوگ نصیحت

يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ﴿١٤﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

قبول کرتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ﴿۱۴﴾ سو تم اللہ کی عبادت کرو اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿١٥﴾ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي

ہوئے خواہ کافروں کو برا لگے ﴿۱۵﴾ (وہ) بلند درجات عطا فرمانے والا عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں

الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ

میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وہی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات

التَّلَاقِ ﴿١٦﴾ يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ

کے دن سے ڈرائے ﴿۱۶﴾ جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی

شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٧﴾ الْيَوْمَ

آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی جو واحد سب پر غالب ہے ﴿۱۷﴾ آج ہر شخص

تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

کو اس کی کمائی کا صلہ دیا جائے گا آج کوئی حکم نہیں ہو گا بے شک اللہ بہت جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿١٨﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَرْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ

لینے والا ہے ﴿۱۸﴾ اور آپ ان کو بہت قریب آنے والے دن سے ڈرائے جب وفور دہشت سے دل مونہوں کو آ جائیں گے

كُظُمِينَ ۖ ثَمَّ لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَبِيمٍ ۖ وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ ﴿١٩﴾ يَعْلَمُ

لوگ ہم کے گھونٹ بھرے ہوئے خاموش ہوں گے ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ ایسا سفارش کرنے کی سفارش قبول کی جائے ﴿۱۹﴾ خیانت

خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ

کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے ۝ اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللَّهَ هُوَ

اور اللہ کو پھوڑ کر یہ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے بے شک اللہ

السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

سنا بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (قیامت کے دن) کفار سے یہ آواز بلند یہ کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو عرصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا عرصہ ہے جو تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے ۝ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندہ فرمایا ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا آپ اب دوزخ سے نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ ۝ اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ کسی کو شریک کر لیا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے پس فیصلہ صرف اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے ۝ (المومن: ۱۰-۱۳)

قیامت کے دن کفار کے اپنے اوپر عرصہ کی وجہ

اس سے پہلی آجوں میں مومنوں کے مرتبہ اور مقام کا ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے عالمین عرش ان کی سفارت کے لیے دعا کرتے ہیں اور ان آجوں میں پھر کفار کے اخروی احوال بیان کیے جا رہے ہیں کیونکہ ایک ضد کے احوال سے دوسری ضد کے احوال گھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔

المومن: ۱۰ میں فرمایا: "قیامت کے دن کفار سے یہ آواز بلند یہ کہا جائے گا کہ تمہیں اپنے اوپر جو عرصہ آ رہا ہے اس سے کہیں سنگین اللہ کا عرصہ ہے جو تم پر اس وقت آتا تھا جب تمہیں (اللہ کی توحید پر) ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی پھر تم کفر کرتے تھے"۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کفار اپنے آپ کو دوزخ کی آگ میں جھلنے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں اپنے اوپر سخت عرصہ آئے گا اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ جب دنیا میں تمہیں اللہ کی توحید پر ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اس کا انکار کرتے تھے تو اللہ تم پر اس سے کہیں زیادہ ناراض ہوتا تھا جتنا آج تمہیں اپنے اوپر عرصہ آ رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے غضب ہی کا ثمرہ ہے کہ آج تم دوزخ کی آگ میں جھل رہے ہو۔

انکار کو جو آخرت میں اپنے اوپر عرصہ آئے گا مفسرین نے اس کی حسب ذیل توجیہات بیان کی ہیں:

(۱) قیامت کے دن جب وہ جنت اور دوزخ کو دیکھیں گے تو انہیں اپنے اوپر عرصہ آئے گا کہ کیوں انہوں نے دنیا میں اپنی تکذیب اور اپنے کفر پر اصرار کیا جس کے نتیجہ میں آج وہ دوزخ کی آگ میں جل رہے ہیں۔

(۲) کافر سرداروں کے بیروکار اپنے سرداروں پر عرصہ کریں گے کہ کیوں انہوں نے ان کو شرک اور بت پرستی پر لگایا جس کی وجہ سے آج انہیں دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے اور ان سرداروں کو اپنے بیروکاروں پر عرصہ آئے گا کہ ان بیروکاروں نے ان

کی مخالفت کیوں نہ کی اور بت پرستی کو کیوں نہ ترک کیا؟ کیونکہ یہ دو کاموں کی پیروی کرنے کی وجہ سے آج انہیں دہرا عذاب ہو رہا ہے۔

(۳) جب دوزخ میں اٹھیں کافروں سے یہ کہے گا: ”میں نے تم پر کفر کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں کیا تھا سوا اس کے کہ میں نے تم کو کفر کرنے کی دعوت دی سو تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا“ لہذا تم مجھے ملامت نہ کرو تم اپنے آپ کو ملامت کرو۔ (ابراہیم: ۳۳) اس وقت کافروں کو اپنے اوپر شدید غصہ آئے گا کہ انہوں نے اٹھیں کی دعوت کیوں قبول کی اور کیوں اس وجہ سے دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔

کفار سے بلند آواز میں یہ خطاب جنم کے لحاظ کریں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیب سے ان کو ندا کی جائے باقی اس آیت میں یہ فرمایا ہے: ”اللہ کو ان پر جو غصہ ہو گا وہ ان کے غصہ سے کہیں زیادہ ہے“ غصہ کا معنی ہے ”خون کا جوش“ میں آنا اور یہ اللہ کے لیے محال ہے اس لیے یہاں اس کا لازمی معنی مراد ہے یعنی ان پر انکار کرنا اور ان کو زجر و توبیخ کرنا اور ذانت ڈپٹ کرنا۔

المومن: ۱۰ کے بعض تراجم

المومن: ۱۰ کا ترجمہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہے اور بہت سے مترجمین کا کیا ہوا ترجمہ غیر واضح ہے ہم تارکین کی غلطی ضیافت کے لیے بعض تراجم نقل کر رہے ہیں اور آخر میں ایک بار پھر اپنا ترجمہ ذکر کریں گے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے: شیخ محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

جو لوگ منکر ہیں ان کو پکار کر کہیں گے: اللہ بیزار ہوتا تھا زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے جس وقت تم کو جلاتے تھے یقین لائے کہ تم منکر ہو تے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

بے شک جنہوں نے کفر کیا ان کو ندا کی جائے گی کہ ضرور تم سے اللہ کی بیزاری اس سے بہت زیادہ ہے جیسے تم آج اپنی جان سے بیزار ہو جب کہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تو تم کفر کرتے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ لکھتے ہیں:

جو لوگ کافر ہوئے (اس وقت) ان کو پکارا جاوے گا کہ جیسے تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو (تم سے) نفرت تھی جب کہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔

محدث اعظم حند کچھوچھو متوفی ۱۳۸۳ھ لکھتے ہیں:

بے شک جنہوں نے کفر کیا پکار دیئے جائیں گے کہ یقیناً اللہ کی بیزاری کہیں زیادہ بڑی ہے تمہاری خود اپنی ذات سے بیزاری سے کہ جب بلائے جاتے تم ایمان کی طرف تو انکار کر دیتے۔

علامہ احمد سعید کاشفی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

بے شک (قیامت کے دن) کافروں کو پکار کر کہا جائے گا کہ ضرور اللہ کی نفی بہت بڑی ہے تمہاری اپنی نفی سے تمہاری جانوں پر جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے۔

جسٹس جرم محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۹ھ لکھتے ہیں:

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندا دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی (تم سے) بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو

دوموتوں اور دو حیاتوں پر اعتراضات کے جوابات

اس آیت میں جو دوموتوں اور دو حیاتوں کا ذکر کیا گیا ہے اس پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ کفار کا قول ہے اس لیے یہ دوموتوں اور دو حیاتوں پر دلیل نہیں بن سکتا اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان کا یہ قول غلط ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کو وہی رد فرمادیتا۔

اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ایک حیات دنیا میں ہے اور دوسری حیات قبر میں ہوگی اور تیسری حیات آخرت میں ہوگی اس طرح تین حیاتیں ہوئیں گی اور یہ اس آیت کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں جو حیات ہوگی وہ غیر ظاہر اور غیر محسوس ہوگی اس لیے کفار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

اس پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ مؤمنین جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے:

أَهْلًا كُنْهُمْ يَوْمَئِذٍ وَالْمُؤْمِنَاتُ الْأُذُنَىٰ وَالْمُؤْمِنَاتُ الْوُجْهِ (الفصل: ۵۹-۵۸)

آیا ہم اب مرنے والے نہیں ہیں؟ سو اہماری پہلی موت کے اور نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا ○

پس سورۃ الفطفت میں صرف ایک موت کا ذکر ہے اور سورۃ المؤمنین میں دوموتوں کا ذکر ہے اور چونکہ الفطفت میں مؤمنین کے قول کا ذکر ہے اور المؤمنین میں کفار کے قول کا ذکر ہے اس لیے مؤمنین کے قول کو ترجیح دینی چاہیے۔ لہذا قیامت سے پہلے صرف ایک موت کا ثبوت ہوگا اور دوموتوں کا ثبوت نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں مؤمنین صرف اس موت کا ذکر کریں گے جو ہر شخص پر الگ الگ طاری کی گئی اور وہ ایک ہی موت ہے اور قیامت میں صور پھونکنے کے بعد جو موت آنے کی وہ اجتماعی موت ہوگی اور ہر شخص کی الگ الگ موت نہیں ہوگی۔

ان جوابات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جو لوگوں پر دوبار موت طاری کرے گا اس سے مراد پہلی موت وہ ہے جو دنیا میں انسان کی روح قبض کیے جانے سے متعلق ہوتی ہے اور یہ ہر انسان کی انفرادی موت ہے اور دوسری موت وہ ہے جو قیامت کے دن صور پھونکنے سے عام لوگوں کی موت واقع ہوگی اور یہ تمام انسان کی اجتماعی موت ہے اور دو حیاتوں سے مراد ایک وہ حیات ہے جو انسان کے پیدا ہونے کے بعد ہوتی ہے اور یہ ہر انسان کی انفرادی حیات ہے اور دوسری حیات وہ ہے جب قیامت کے بعد سب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور یہ تمام انسانوں کی اجتماعی حیات ہے۔

المؤمنین: ۱۱ کی تفسیر میں امام رازی کا سدی کی تفسیر کو اختیار کرتا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے سدی کے قول کو ترجیح دی ہے وہ لکھتے ہیں:

کفار نے اپنے لیے دوموتوں کو ثابت کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا: "اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دوسرے بار" ان دو موتوں میں ایک موت وہ ہے جس کا دنیا میں مشاہدہ کیا گیا نہیں ضروری ہوا کہ ان کی دوسری حیات قبر میں ہو حتیٰ کہ اس حیات کے بعد جو موت آئے وہ ان کی دوسری موت ہو۔ اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کافر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ پہلی موت سے انسان کی اس حالت کی طرف اشارہ ہوتا ہے جب انسان غلطہ اور غلطہ (جناہ و اخوان) ہوتا ہے اور دوسری موت سے اس موت کی طرف اشارہ ہے جو انسان کو دنیا میں پیش آتی ہے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ان دو موتوں سے پہلی دو موتیں مراد ہوں (جیسا کہ حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے) اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكَيْفَ تَتَّبِعُونَ مَا كَانُوا عَمِلُوا

تم کیوں کر اللہ کا کفر کرو گے حالانکہ تم مردہ تھے پس تم کو

زندہ کیا محرم کو مارے گا۔

نکاح (۱۸۰)۔

”اور تم مردہ تھے“ اس سے مراد انسان کی وہ حالت ہے جب وہ نفقہ اور علقہ تھا۔

اس مسئلہ کی تحقیق اس طرح ہے کہ امانت (مارنے) موت طاری کرنے کے دو معنی ہیں: (۱) کسی چیز کو مردہ پیدا کرنا (۲) کسی چیز کو پہلے زندگی دینا پھر اس پر موت طاری کرنا جیسے کوئی شخص کہے: درزی کے لیے اس کی محتاجت ہے کہ وہ ابتداءً میرے کپڑے کو بڑا سی کر دے یا وہ پہلے اس کو چھوٹا سیے پھر اس کو بڑا کر کے سیئے۔ پس اس طرح کیوں جائز نہیں ہے کہ اس آیت میں بھی یہی مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نفقہ کی حالت میں ان کو ابتداءً مردہ پیدا کیا اور یہ مراد نہ ہو کہ پہلے ان کو زندہ کیا پھر بعد میں ان پر موت طاری کی۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ”امانت“ کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: ماننا اور موت طاری کرنا اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ موت سے پہلے حیات ہو کیونکہ اگر موت پہلے سے حاصل ہو اور پھر اس پر موت طاری کی جائے تو یہ تحصیل حاصل ہے اور ”کستم امواتا“ کا معنی یہ ہے کہ وہ پہلے سے مردہ تھے یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کی ہے اور جس آیت کی ہم تفسیر کر رہے ہیں اس میں کفار کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر دوبار موت طاری کی اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ موت طاری کرنا اسی وقت صادق ہوگا جب اس سے پہلے حیات ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۳۹۵-۳۹۶ ص ۳۹۷) دارالمنیرہ دہلی ۱۳۷۵ھ

دیگر مفسرین کا حضرت ابن عباس کی طرف منسوب تفسیر کو اختیار کرنا

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ علامہ ابوالبرکات نسفی متوفی ۷۱۰ھ علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ علامہ ابوالیمان اندلسی متوفی ۷۴۳ھ قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ اور علامہ سید محمود آلوی متوفی ۱۲۷۰ھ نے حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہما کے قول کو ترجیح دی ہے کہ لوگ اپنے آپاء کی پشتوں میں (نفقہ کی صورت میں) مردہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں زندہ کیا پھر ان کو دنیا میں موت دی پھر ان کو قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے زندہ فرمائے گا

اس پر امام رازی کا یہ اعتراض ہے کہ نفقہ کی حالت میں جو موت ہے اس پر موت کا معنی تو صادق آتا ہے جیسا کہ ”کستم امواتا“ میں ہے لیکن امانت (مارنے) موت طاری کرنا) کا معنی صادق نہیں آتا کیونکہ موت طاری کرنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے پہلے زندگی ہو پس ”اعتنا الثنیں“ المومن: ۱۱ میں اس کا معنی ہے: ”دنیا کی زندگی کے بعد موت طاری کی“۔ اس کا جواب علامہ نسفی اور علامہ ابوالیمان اندلسی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ ”کستم امواتا“ اور نفقہ کی حالت میں جو موت ہے اس پر امانت (موت طاری کرنے) کا معنی مجازاً صادق آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ بھان ہے وہ ذات جس نے چمچ کا چھوٹا اور ہاتھی امانت (موت طاری کرنے) کا معنی مجازاً صادق آتا ہے کہ توں کا منہ تنگ رکھنا اور اس کی تہ کو کشادہ رکھنا اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ پہلے اللہ نے چمچ کا بڑا جسم بنایا پھر اس کو چھوٹا کیا یا ہاتھی کا پہلے چھوٹا جسم بنایا پھر اس کو بڑا کیا بلکہ ابتداءً چمچ کا چھوٹا اور ہاتھی کا بڑا جسم بنایا۔

”اعتنا الثنیں“ میں (تو نے ہم پر دوبار موت طاری کی) موت طاری کرنے کا مجازی معنی مراد ہے یعنی تو نے ہمیں نفقہ کی صورت میں ابتداءً مردہ پیدا کیا۔ اس میں شک یہ ہے کہ جب ایک مخلوق کو چھوٹا اور بڑا دونوں صفات کے ساتھ بنانا جائز ہے تو خالق اور صالح کی مرضی ہے کہ وہ اس کو ابتداءً خواہ چھوٹا بنادے جیسے چمچ کو چھوٹا بنایا خواہ ابتداءً بڑا بنادے جیسے ہاتھی کو بڑا بنایا اسی طرح کنواں کھودنے والا ابتداءً خواہ کنویں کا منہ تنگ کھودے خواہ فراخ کھودے پس اسی طرح ”اعتنا الثنیں“ (تو نے ہم پر دوبار موت طاری کی) میں موت طاری کرنے کا مجازی معنی مراد ہے۔ یعنی تو نے نفقہ کی حالت میں ہمیں ابتداءً مردہ پیدا

کیا۔ (تفسیر بیضاوی مع التفاتی ج ۸ ص ۲۲۵-۲۲۴ مدارک اشترک علی مل حاشیہ القرآن ج ۳ ص ۶۸-۶۷ دیکھو الحیاء ج ۴ ص ۲۲۴-۲۲۱ تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۲۴-۲۲۳ روح المعانی ج ۲ ص ۸۱)
مذکورہ مفسرین کے جواب کا صحیح نہ ہونا

مذکورہ مفسرین کا یہ جواب صحیح نہیں ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) "اعتصا السنین" کا حقیقی معنی بار بار موت طاری کرنا ہے جس کا تقاضا ہے کہ پہلے زندگی دی جائے پھر اس کو زائل کیا جائے اس کو باوجود ابتداءِ مردہ پیدا کرنے کے مجازی معنی پر محمول کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مجاز پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے جب حقیقت محال ہو اور یہاں حقیقت محال نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم اس آیت کو حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ کے قول کے موافق کرنا چاہتے ہیں تو میں کہوں گا کہ اللہ کے کلام کو حضرت ابن عباس اور قتادہ وغیرہ کے قول کے تابع کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اس قول کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت بھی سند صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس کا ذکر ہے اس لیے ان مفسرین کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔

(۲) "اعتصا السنین" کا معنی ہے تو نے ہم کو دوبار بار بار اور دوسری موت کا معنی بالاتفاق "زندگی دے کر مارنا" اور "زوالِ حیات" ہے اب اگر پہلی موت کا معنی ابتداءِ مردہ پیدا کرنا ہو تو اس آیت میں یہ ایک وقت امات کے دو معنوں کا مراد لینا لازم آئے گا "ابتداءِ مردہ پیدا کرنا" یہ مجازی معنی ہے اور "حیات کو زائل کرنا" یہ حقیقی معنی ہے اور ایک لفظ سے دو معنوں کا ارادہ کرنا اور حقیقت اور مجاز کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے ان مفسرین کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔

(۳) اگر یہ تکلف کیا جائے کہ ہم یہاں عموم مجاز مراد لیتے ہیں یعنی مطلقاً موت خواہ ابتداء ہو جیسے نطفہ کی صورت میں اور خواہ زوالِ حیات ہو جیسے دنیا کی موت ہے تو میں کہوں گا کہ جب اس تکلف بعید کے بغیر قرآن مجید کی اس آیت کا معنی درست ہے تو اس بعید تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے اس آیت میں فرمایا ہے: "تو نے ہم پر دوبار موت طاری کی" ایک بار دنیا میں زندگی دے کر موت طاری کی اور دوسری بار قبر میں زندہ کیا اور پھر صور قیامت سے موت طاری کی اور یہ امات کا حقیقی معنی ہے اور دوبار زندہ کیا ایک بار دنیا میں زندہ کیا اور دوسری بار قیامت کی موت کے بعد زندہ کیا اور اگر یہ کہا جائے کہ تم قبر کی زندگی بھی مانتے ہو اس طرح تین زندگیاں ہو گئیں اور قرآن مجید میں دوبار زندہ کرنے کا ذکر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قبر کی زندگی غیر ظاہر غیر محسوس اور غیر مشاہد ہے اس لیے کفار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس کی طرف منسوب سدی اور ابن زید کی تفسیر کا صحیح نہ ہونا

میرے نزدیک دوبار مارنے اور دوبار زندہ کرنے کی تفسیر میں مذکورہ تینوں قول درست نہیں ہیں حضرت ابن عباس کی طرف منسوب اور قتادہ وغیرہ کا قول اس لیے درست نہیں ہے کہ انہوں نے کہا: پہلی بار مارنا نطفہ کی حالت میں موت ہے لاکھ مارنے کا معنی حیات کو زائل کرنا ہے ابتداءِ مردہ پیدا کرنا نہیں ہے جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے اور اس قول کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں تین موتیں ہو جائیں گی ایک موت نطفہ کی حالت میں دوسری موت دنیا کی زندگی کے بعد طبعی موت اور تیسری موت صور اسرافیل سے قیامت کی موت حالانکہ قرآن مجید میں دوبار موت طاری کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں سدی کے قول کو اختیار کیا ہے سدی نے کہا: ان کو دنیا میں موت دی گئی پھر ان کو قبر زندہ کیا گیا پھر اس کے بعد ان کو قبر میں موت دی جائے گی اور پھر ان کو آخرت میں زندہ کیا جائے گا۔

سہی کا یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے دنیا میں زندہ کرنے کا شمار نہیں کیا اور قبر کی زندگی کا شمار کیا ہے۔ حالانکہ دنیا کی زندگی ظاہر اور مشاہد ہے اور قبر کی زندگی غیر ظاہر اور غیر مشاہد ہے اور اگر ان کے قول میں دنیا کی زندگی کا بھی اعتبار کر لیا جائے تو پھر تین بار زندہ کرنا لازم آئے گا اور یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے۔
ابن زید کا قول اس لیے درست نہیں ہے کہ انہوں نے کہا: ان کو زندہ کرنے کا معنی ہے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالنا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لینا۔ پھر اس کے بعد ان کو مارنا پھر ان کو دنیا میں زندہ کرنا پھر ان کو مارنا پھر قیامت میں ان کو زندہ کرنا اور اس تفسیر کے اعتبار سے ان کو تین بار زندہ کرنا لازم آئے گا اور اگر قبر کی حیات کو بھی شامل کر لیا جائے تو پھر چار مرتبہ زندہ کرنا لازم آئے گا اور یہ قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں صرف دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے۔
المومن: ۱۱ کی تفسیر میں مصنف کا موقف

اس لیے اس آیت کی صحیح تفسیر نہ وہ ہے جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے اور جس کو قاضی بیضاوی 'علامہ ابو الیمان اور علامہ آلوسی وغیرہ نے اختیار کیا ہے اور نہ اس کی وہ تفسیر صحیح ہے جو سہی نے کی ہے اور جس کو امام رازی نے اختیار کیا ہے اور نہ ابن زید کی تفسیر صحیح ہے (اس کو کسی نے اختیار نہیں کیا) اس کی صحیح تفسیر صرف یہ ہے کہ دو بار مارنے سے مراد ہے دنیا میں زندگی دے کر مارنا اور صور اسرافیل سے مارنا اور دو بار زندہ کرنے سے مراد ہے دنیا میں زندگی دینا اور قیامت کے بعد زندہ کرنا۔ میں نے مسیح خود فکر کے بعد اس آیت کا یہی معنی سمجھا ہے اگر یہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے رسول کا فیضان ہے اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری فکر کی غلطی ہے اللہ اور اس کا رسول اس سے ندمی ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین
المومن: ۱۳ میں فرمایا: "اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب صرف اللہ واحد کو پکارا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ کسی کو شریک کر لیا جاتا تھا تو تم اس پر ایمان لاتے تھے پس فیصلہ صرف اللہ ہی کا ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔"
خوارج کی تعریف اور ان کا مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے: "فیصلہ صرف اللہ کا ہے" خوارج اس آیت کے ظاہر پر اعتقاد رکھتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ فیصلہ صرف اللہ کا ہے اور اگر کوئی اور فیصلہ کرے تو وہ کافر ہے۔
خوارج کو فہم کے زائدوں کی ایک جماعت تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے اس وقت نکل گئے جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان دو فیصلہ کرنے والوں کو مقرر کیا گیا اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگ طویل پکڑ گئی تو دونوں فریق اس پر متفق ہو گئے کہ خلافت کس کا حق ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو مقرر کر دیا جائے اور دونوں فریق ان کے فیصلہ پر راضی ہوں گے اس وقت خوارج نے کہا: "نہم صرف اللہ کا ہے" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کلمہ برحق ہے لیکن اس سے جس معنی کا ارادہ کیا گیا ہے وہ باطل ہے۔ خوارج کی تعداد بارہ ہزار تھی انہوں نے حضرت علی کی خلافت کا انکار کیا اور اپنی مخالفت کا جھنڈا نصب کر دیا اور خون ریزی اور ڈاکے مارنا شروع کر دیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیں۔ مگر یہ لوگ جنگ کرنے کے سوا کسی بات سے راضی نہیں ہوئے۔ پھر حضرت علی نے نہروان کے علاقہ میں ان سے جنگ کی نہروان بغداد کے قریب ایک شہر ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا اور ان میں سے بہت کم زندہ بچے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خوارج ایک گم راہ فرقہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو شخص گناہ مصغر کا مرتکب ہو یا مستحب کا جارک ہو وہ بھی کافر ہے بعض احادیث میں ان کی بدعتیگی اور گمراہی کی طرف اشارہ ہے اور بعض میں ان کی گمراہی میں تصریح ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کچھ تعظیم فرما رہے تھے آپ کے پاس جو تعظیم کا ایک شخص آیا جس کو ذوالخودہ کہتے تھے اس نے کہا: یا رسول اللہ! عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم پر انہوں نے اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا؟ اگر میں نے (بالقرض) عدل نہیں کیا تو پھر میں ناکام اور نامراد ہو جاؤں گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس کے ایسے اصحاب ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں حقیر جانے کا اور اپنے روزے کو ان کے روزے کے مقابلہ میں حقیر جانے کا یہ لوگ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا یہ لوگ دین سے اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے اس تیر کے پھل کو دیکھا جائے گا تو اس میں کوئی چیز نہیں ہوگی پھر اس کے پٹھے کو دیکھا جائے جو چمڑ میں اس کے پھل کے داخل ہونے کی جگہ سے اوپر لٹکایا جاتا ہے تو وہاں بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر اس کی نعسی کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا۔ (نعسی تیر میں لٹکائی جانے والی ٹکڑی کو کہتے ہیں) اسی طرح اگر اس کے پد کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا حالانکہ گوہر اور خون سے وہ تیر گزر چکا ہے یہ لوگ مسلمانوں کے افضل طبقہ کے خلاف بناوٹ کریں گے اور شر اور فساد پھیلائیں گے۔

خوارج کے متعلق احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان (خوارج) سے جنگ کی تھی۔ اس وقت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو تلاش کرنے کا حکم دیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کردہ کی علامت کے طور پر بیان فرمایا تھا اس کو تلاش کیا گیا پھر وہ لایا گیا۔ میں نے اس کو دیکھا تو اس کا پورا حلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق تھا۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۹۱۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۶۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۹۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۸ جامع السانید والسنن سند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۲۲۲)

عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خوارج کا ذکر کر کے فرمایا: ان میں ایک ایسا شخص ہے جس کا ہاتھ ناقص ہے یا کٹا ہوا ہے اور اگر تم اس خوشی میں نیک اعمال کو ترک نہ کرو تو میں تمہیں وہ حدیث بیان کروں جس میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو خوارج سے قتل کریں گے میں نے پوچھا: کیا آپ نے خود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس حدیث کو سنا ہے؟ حضرت علی نے تین بار فرمایا: ہاں! اب کعبہ کی قسم! (اس حدیث کی سند صحیح ہے) (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۷۰ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۵۲ مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۰۳۰۳ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۸۳) حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوارج دوزخ کے کتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۷۳ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں یا اس امت میں سے ایک قوم نکلے گی وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا ان کی علامت سر (یا چمڑ) سنڈاٹا ہے جب تم ان کو دیکھو تو تم ان کو قتل کرو۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۶۹۷ ۶۶۹۸ ۶۶۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۵ ۱۷۵۶ ۱۷۵۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۰۳۰۳ ۳۰۳۰۴ ۳۰۳۰۵ سنن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۰۳۰۳ ۳۰۳۰۴ ۳۰۳۰۵ جامع السانید والسنن سند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۱۲۲۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل فرماتا ہے اور صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں سو تم اللہ کی عبادت کرو اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرتے ہوئے خواہ کافروں کو برا لگے O (وہ) بلند درجات عطا فرمانے والا عرش کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وہی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے O جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی آج کسی کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی جو واحد سب پر غالب ہے O (المومن ۱۶-۱۳)

آفاق اور انفس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار پر وعید کی آیات کا ذکر فرمایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور قدرت کا ذکر فرمایا ہے تاکہ یہ واضح ہو کہ جو ایسے غالب اور قوی کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ اسی وعید کے سرور ہیں۔

المومن ۱۳ میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اپنے نفسوں میں اور آفاق میں اپنی توحید کے دلائل اور اپنی قدرت کے شواہد دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے جو تمہارے رزق کا سبب ہے جس سے تمہارے بدن کے لیے غذا اور قوت فراہم ہوتی ہے سوائے سو منواتم صرف خدائے واحد کی عبادت کرو اور اپنی اطاعت اور عبادت میں کسی اور کی رضا اور خوشنودی کو شامل نہ کرو۔ کیونکہ اخلاص ہی طیب ہے اور اللہ تعالیٰ طیب ہے وہ طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔

المومن ۱۳ میں فرمایا: ”(وہ) بلند درجات عطا فرمانے والا عرش کا مالک ہے۔“

اللہ تعالیٰ خود بلند ہے اور مخلوق کے درجات بلند کرنے والا ہے

اس آیت میں ”رفیع الدرجات“ کا لفظ ہے اس کے معنی میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ وہ بلند درجات عطا فرمانے والا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ خود بلند شان والا ہے اگر اس کا معنی یہ ہو کہ وہ بلند درجات عطا فرمانے والا ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم السلام عام لوگوں کو اور خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند درجات عطا فرمانے والا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَتَلَّهَا لَتَعْلَمَهُمْ عَلَىٰ بَعْضِ مَنَ كَلِمَةِ اللَّهِ وَرَفَعَهُ بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ. (البقرہ ۲۵۵)

یہ رسول ہیں جن میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض نبیوں کو ہم نے بہت درجات کی بلندی عطا فرمائی۔

اور علماء کے درجات بلند کرنے کے متعلق فرمایا:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

فرماتا ہے۔

دَرَجَاتٍ. (البقرہ ۲۵۵)

اور اولیاء اللہ کے درجات بلند کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عز وجل ارشاد فرماتا ہے: جو لوگ میری جلال ذات سے محبت کرتے ہیں ان کے لیے نور کے ایسے منبر ہوں گے جن کی انبیاء اور شہداء فہمیں کریں گے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۰ مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶ شیخ رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۸۳ رقم الحدیث: ۲۶۹۰)

مؤسسہ الرسالہ بیروت ۱۴۲۱ھ شیخ ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۵۵۱ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۶۷۷ مطبوعہ دارالایمان ج ۵ ص ۱۴۱

وَهُوَ الَّذِي بَسَمَلُكُمْ عَلَى الْأَرْضِ وَفَعَلَ بِكُمُ الْعَجْزَ
 كَذَلِكَ يَبْهِيكُمْ لِكَيْ لَّيْسَ لَكُمُ فِي مَا أَنتُمْ بِمَعْلُومِينَ
 اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے
 بعض کا بعض پر درجہ بڑھایا تاکہ تمہاری ان چیزوں میں آزمائش
 کرے جو تم کو دی ہیں۔ (الحکام: ۱۶۵)

اور خصوصاً ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:
 وَلَئِنْ خَرَجْتَ عَصَاكَ الْكَافِرُونَ الْأَوَّلُونَ (البقرہ: ۲۵۳)
 اور آپ کی بعد والی ساعت ضرور پہلی ساعت سے افضل

ہے

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشر: ۲)
 وَفَعَلَ بِكُمُ الْعَجْزَ وَدَجَّيْتُ (البقرہ: ۲۵۳)
 اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا
 اور بعض نبیوں (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہت درجات
 کی بلندی عطا فرمائی۔

اور اگر اس آیت کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ خود بہت شان اور بہت بلند درجہ والا ہے تو اس میں کیا شک ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی
 صفات جمال اور جلال کے اعتبار سے تمام موجودات میں ہر لحاظ سے بلند اور برتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب اور قدیم ہے
 اور وہ ہر چیز سے غنی ہے اور اس کے ماسوا سب ممکن اور حادث ہیں اور سب اس کے محتاج ہیں سب فانی ہیں اور وہ باقی ہے وہ
 ازلی ابدی اور سرمدی ہے سب محدود ہیں وہ لا محدود ہے ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء ہے اس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء ہے وہ
 عالم الغیب والشہادۃ ہے اس کا علم ذاتی ہے اور باقی سب کا علم اس کی عطا سے ہے وہ سب سے زیادہ قادر اور قدر ہے باقی
 سب کی قدرت اس کی عطا کردہ ہے وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک اور نظیر نہیں ہے وہ ہی اور قیوم ہے اس پر غفلت طاری ہوتی
 ہے نہ اس کو خیر و آفتی ہے وہ اپنی ہر صفت میں بے مثل اور بے عدیل ہے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور وہی واحد حاجت روا
 ہے۔

اور فرمایا: ”وہ عرش کا مالک ہے“ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے عرش کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عالم اجسام میں عرش کا سب
 سے عظیم اور بلند جسم ہے ہمیں جو چیز بلند معلوم ہوتی ہے ان میں سب سے بلند چیز عرش عظیم ہے اور وہ بھی اللہ کی ملک ہے۔
 اس کے بعد فرمایا: ”وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن
 سے ڈرائے۔“

روح کو وحی سے تعبیر کرنے کی وجہ

اس آیت میں وحی کے لیے روح کا لفظ ذکر فرمایا کیونکہ جس طرح جسم کی حیات روح سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح
 علوم اور معارف کی نیابت وحی سے حاصل ہوتی ہے وحی کے ذریعہ انسان کو ایسا دستور عطا کیا گیا جس پر عمل کرنے سے انسان
 باقی مخلوقات میں معزز اور شرف ہوا۔

اس آیت میں قیامت کے دن کو ملاقات کا دن فرمایا ہے اور اس کی حسب ذیل وجہ بیان کی گئی ہیں:

- (۱) لوگوں کی روحیں ان کے جسموں سے متفصل اور الگ ہو جائیں گی اور جب قیامت کا دن آئے گا تو روحوں کو دوبارہ ان
 کے جسموں میں ڈالا جائے گا اور اس دن چھڑی ہوئی روحوں کی اپنے جسموں سے ملاقات ہوگی۔
- (۲) اس دن تمام مخلوق ایک دوسرے سے ملاقات کرے گی اور ایک دوسرے کے احوال سے واقف ہوگی۔
- (۳) اس دن فرشتوں کو نازل کیا جائے گا اور فرشتوں کی انسانوں ملاقات ہوگی۔

(۴) اس دن ہر انسان کو اس کے اعمال دکھائے جائیں گے اور اس کا صحیحہ اعمال اس کے ہاتھ میں ہوگا اور ہر شخص اپنے عمل سے ملاقات کرے گا۔

(۵) اس دن انسان اپنے رب سے ملاقات کرے گا جیسا کہ قرآن مجید کی یہ کثرت آیات میں ہے:

لَکُنْ کَانَ یَرْجُو الْاِثْمَ ۙ (النہل: ۹۰) (۱۰۰)

فَیَسْتَمِعُ بِیَمِیْنِ الْمَلٰٓئِکَۃِ سَلٰطٰتِہُمْ (الاحزاب: ۴۳) (۱۰۱)

اَلَّذِیْنَ یُظَلُّوْنَ اَلْاِثْمَ فَلَوْ لَا اَنْزَلْنٰہُمْ (البقرہ: ۴۶) (۱۰۲)

جس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے۔

جس دن وہ اللہ سے ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا۔

جو لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

(۶) یہ وہ دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اپنی تمام اولاد سے ملاقات کریں گے۔

(۷) یہ وہ دن ہے جس میں ہر انسان اپنے اعمال کی جزاء یا سزا سے ملاقات کرے گا۔

المومن: ۱۶ میں فرمایا: ”جس دن سب لوگ ظاہر ہوں گے ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی۔“

قیامت کے دن لوگوں کی مستور چیزوں کا ظاہر ہونا

اس آیت میں ”ہارزون“ کا لفظ ہے ہارزون کا معنی ہے: ظہرون قیامت کے دن تمام مردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر ظاہر ہو جائیں گے اور کوئی چیز ان کو چھپا نہیں رہی ہوگی وہ کسی پہاڑ یا ٹیلے کی اوٹ میں ہوں گے نہ ان کے بدن پر لباس ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب تم کو جمع کیا جائے گا تم ننگے پیر، ننگے بدن اور غیر محتون ہو گے“ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے آپ نے فرمایا: اس دن معاملہ اس سے بہت زیادہ سخت ہوگا کہ ان کو ایسا خیال آئے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۵۲۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۹۰)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو ”ہارزون“ اس لیے فرمایا ہو کہ اس دن ان کے تمام اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور تمام دھنکی چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔

ان کی کوئی چیز اللہ سے چھپی ہوئی نہیں ہوگی یعنی جب وہ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوگا کہ ان میں سے ہر شخص نے دنیا میں کیا کام کیے پھر وہ ان کے اعمال کے حساب سے ان کو جزاء دے گا اگر انہوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے تو ان کو نیک جزاء دے گا اور اگر انہوں نے بُرے اعمال کیے ہوں گے تو ان کو سزا دے گا۔ جیسا کہ ان آیات میں ہے:

یَوْمَ تُبٰیِّنُ الشَّرَآءَ (الطارق: ۹) (۱۰۳)

اَفَلَا یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ سَآئِیَہُمْ (النہل: ۶۲) (۱۰۴)

النَّصْنُ دَرِیۡۃً اِلٰی رَبِّہُمْ یَوْمَہُمْ یُؤْتٰیہُمْ نَوَیۡۃً لِّمَا کَانُوْۤا فَعَلُوْۤا (النہل: ۶۲) (۱۰۵)

جس دن پوشیدہ باتوں کی جانچ پڑتال ہوگی

کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ جب ان کو نکال لیا جائے گا جو قبروں میں ہیں اور سینوں کی چھپی ہوئی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی

نیکان کا رب اس دن ان کے تمام احوال سے باخبر ہوگا

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیامت کے دن کی کیا تخصیص ہے اللہ تعالیٰ تو آج بھی ان کے تمام احوال سے باخبر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں کفار کا یہ خیال تھا کہ جب وہ کسی پردے کے پیچھے چھپ جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو پتا نہیں چلتا کہ وہ

کیا کر رہے ہیں لیکن قیامت کے دن ان کو بھی یقین دہانی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی ہر ذرا بھی چھپی بات کا علم ہے۔ قیامت کے دن صرف اللہ کی بادشاہی ہوگی

اس کے بعد فرمایا: ”آج کسی کی بادشاہی ہے؟“ صرف اللہ کی جو واحد سب پر غالب ہے۔“ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے:

قیامت کے دن جب سب ہلاک ہو چکے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟ اس وقت کوئی جواب نہیں دے تو یہ خودی فرمائے گا: اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد سب پر غالب ہے۔

اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ میدانِ محشر میں جب یہ دعا ہوگی: آج کس کی بادشاہی ہے؟ تو سب پکار کر کہیں گے: اللہ ہی کی ہے جو واحد سب پر غالب ہے، مومنین تو بہت خوشی سے اور کف و سرور سے کہیں گے: اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد سب پر غالب ہے اور کفار حسرت اور ندامت سے کہیں گے کہ اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد سب پر غالب ہے۔ اس کی تفسیر میں تیسرا قول یہ ہے کہ بعض فرشتے سوال کریں گے کہ آج کس کی بادشاہی ہے اور دوسرے بعض فرشتے جواب دیں گے: آج اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مضی میں پکڑ لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں پھیلے گا اور پھر فرمائے گا: بادشاہ میں ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(حجۃ النہاری رقم الحدیث: ۶۵۱۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۰ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۵۵ مسند احمد رقم الحدیث: ۸۸۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں پلٹ لے گا پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ (حجۃ النہاری رقم الحدیث: ۶۳۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۸۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۵۵) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں پلٹ لے گا اور تمام زمینوں کو اپنی بائیں مٹھی میں پکڑ لے گا پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں جہارین کہاں ہیں؟ منکبیرین کہاں ہیں؟ (حجۃ النہاری رقم الحدیث: ۶۳۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۸۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۲ جامع السانید و السنن مسند عبد اللہ بن عمر رقم الحدیث: ۲۳۹۳)

(المومن: ۳۰-۱۷)

قلم کی اقسام اور اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے قلم کی نفی

المومن: ۱۷ میں قیامت کے دن انسانوں کے اعمال کی جزاء کا ذکر ہے جس شخص نے جیسے عمل کیے ہوں گے اس کو اسی حساب سے جزاء دی جائے گی اور اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس دن کسی شخص پر کوئی قلم نہیں کیا جائے گا۔
محققین نے کہا ہے کہ قلم کی چار قسمیں ہیں: (۱) ایک شخص ثواب کا مستحق ہو اور اس کو ثواب نہ دیا جائے (۲) ایک شخص کو اس کا حق دیا جائے لیکن اس کو اس کا پورا حق نہ دیا جائے (۳) ایک شخص عذاب کا مستحق نہ ہو اور اس کو عذاب دیا جائے (۴) ایک شخص عذاب کا مستحق ہو لیکن اس کو اس کے جرم سے زیادہ عذاب دیا جائے۔
اللہ تعالیٰ کسی شخص پر قلم کی ان اقسام میں سے کسی قسم کا قلم نہیں کرے گا۔

معزولہ یہ کہتے ہیں کہ تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان میں کفر پیدا کرتا ہے پھر اس کو کفر پر عذاب دیتا ہے اور یہ عین علم ہے ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی شخص میں کفر کو پیدا کرتا ہے جو شخص کفر کا ارادہ کرتا ہے انسان جس فعل کو بھی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے اور انسان کو اس کے اختیار اور ارادہ کے اعتبار سے جزاء اور سزا ملتی ہے۔

”الآزفة“ اور ”کاظمین“ کا معنی

المومن: ۱۸ میں فرمایا: ”اور آپ ان کو بہت قریب آنے والے دن سے ڈرائیے جب دُور دہشت سے دل مونہوں کو آ جائیں گے۔“

اس آیت میں ”آزفة“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: قریب پہنچنے والی جس کے آنے کا بہت کم وقت رہ گیا ہو اس سے مراد قیامت ہے جیسا کہ ان آیتوں میں فرمایا ہے:

أَرَأَيْتَ الَّذِينَ قَالُوا لَيْسَ لَنَا مِنَ الدَّوْنِ حَافِظَةٌ ۚ
(الحج: ۵۸-۵۷)
اپنے وقت پر کوئی متکشف کرنے والا نہیں ہے
قیامت قریب آگئی اور چاند فتن ہو گیا
إِنَّمَا رَمَتْ السَّاعَةُ وَالْمُتَّقُونَ ۚ (القمر: ۱۶)

اس سے مراد یہ ہے کہ کفار کے دوزخ میں داخل ہونے کا وقت قریب آ گیا اس وقت یوں لگے گا جیسے خوف کی شدت سے ان کے دل سینے سے باہر نکل آئیں گے اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد موت کا وقت ہے۔ کیونکہ جب کفار موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کو بہت زیادہ خوف ہوگا اور ان کو یوں لگے گا کہ ان کے دل اکھل کر ان کے حلق میں آ گئے ہیں اور شدت خوف کی وجہ سے وہ بالکل کم سم ہوں گے اور دنیا سے جدا کی غم کو پی کر خاموش ہوں گے اور اس وقت اپنے رنج اور غم کو بیان کرنے کی ہمت نہیں پائیں گے دلوں کا اکھل کر حلق میں آ جانا ایک محاورہ ہے اور اس سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کسی اچانک افتادہ پیش آنے سے انسان پر بہت زیادہ خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ فرط غم سے سب کشتی کی جرات بھی نہیں کر سکتا بعض مفسرین نے کہا: یہ آیت اپنے ظاہر پر محمول ہے یعنی شدت خوف سے واقعہ میں ان کے دل ان کے سینوں سے نکل کر حلق تک پہنچ جائیں گے اور ان کی زبانیں تنگ ہو جائیں گی۔

اس آیت میں ”کاظمین“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: غصہ روکنے والے غصہ لپی جانے والے کظوم کا اصل معنی ہے: سانس روکنا اس سے مراد ہوتا ہے: خاموش ہونا کظوم النہر کا معنی ہے: نہر کا منہ بند کر دیا کظوم الرجل کا معنی ہے: وہ

جلد دوم

آدی خاموش ہو گیا اس آیت میں یہی معنی مراد ہے۔ (المفردات ج ۵ ص ۵۵۸ ملاحظہ فرمائیے) کہ نکرہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم (۳۱۸ھ)

مرتب کبیرہ کی شفاعت پر معتزلہ کے اعتراض کا جواب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ظالموں کا کوئی ایسا شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا جس کی شفاعت قبول کی جائے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے ظالم ہیں سو اس آیت کے یہ موجب ان کا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اس استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں فرمایا ہے: "وَلَا شَفِيعَ بَطَّاعٍ" ظالموں کا ایسا کوئی سفارشی نہیں ہوگا جس کی سفارش کی اطاعت کی جائے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کی اطاعت کرے۔

(۲) اس آیت کا سیاق کفار اور شرکین کے متعلق ہے یعنی کفار اور شرکین کا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔

(۳) اس کے لیے سفارش قبول کی جائے گی جس کی مغفرت ممکن ہو اور شرکین کی مغفرت ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم جو گناہ ہوگا اس کو بخش دے گا۔ اور گناہ کبیرہ شرک سے کم گناہ ہے اس لیے اس کی مغفرت ممکن ہے اس لیے اس کی شفاعت کی جائے گی اور شرک کی مغفرت ممکن نہیں ہے اس لیے اس کی شفاعت ممکن نہیں ہے اور اس آیت میں ظالموں سے مراد شرکین ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ (الاحقاف: ۱۳)

لہذا اس آیت میں شرکین کی شفاعت کی نفی کی گئی ہے نہ کہ ان مسلمانوں کی جنہوں نے گناہ کبیرہ کر لیا ہے اور ان کو توبہ کرنے کا موقع مل سکے اور جب کہ حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۱۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۶۷ الشریعہ ج ۱ ص ۳۳۸ المسند رک ج ۱ ص ۶۹ ج ۲ ص ۲۸۲ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۰۰ جامع المسانید والنسب مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۸۳۱)

المومن: ۱۹ میں فرمایا: "خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور سینہ میں چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے" "آنکھوں کی خیانت اور دل کی چھپی ہوئی باتیں

انسان جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اس کا تعلق ظاہری اعضاء سے بھی ہوتا ہے اور باطنی اعضاء سے بھی ہوتا ہے ظاہری اعضاء سے نافرمانی وہ ہے جو نظر آتی ہے اور باطنی اعضاء سے جو نافرمانی ہوتی ہے وہ سینہ میں چھپی ہوئی ہوتی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس سے بندوں کی کوئی معصیت اور خیانت چھپی ہوئی نہیں ہے خواہ وہ آنکھوں سے نظر آنے والی خیانت ہو خواہ سینہ میں چھپی ہوئی خیانت ہو۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آنکھوں کی خیانت وہ ہے جو انسان اپنی عورتوں کی طرف شہوت سے دیکھتا ہے ہاں اگر اتفاقاً کسی طرف نظر پڑ جائے تو وہ انسان کے لیے معاف ہے لیکن اس کو دوسری نظر ڈالنے کی اجازت نہیں ہے حدیث میں ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! اگر کسی پر اچانک نظر پڑ جائے؟ آپ نے فرمایا: اپنی نظر ہٹا لو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۲۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷۷ ج۱ ص ۱۷۷) (السانید واسنن مسند جریر بن عبداللہ رقم الحدیث: ۱۵۹۱)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! تم ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا کیونکہ پہلی بار تمہیں معاف ہے اور دوسری بار کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۲۸۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷۷ ج۱ ص ۱۷۷)

جب انسان کسی اجنبی عورت کی طرف دیکھتا ہے تو دراصل وہ اس کی نظر میں ہوتی بلکہ شیطان کی طرف سے چھوڑا ہوا ایک تیر ہوتا ہے جو اس کے دل میں جا کر بیوست ہو جاتا ہے اور جب انسان کسی خوب صورت بے ریش لڑکے کی طرف دیکھتا ہے تو شیطان اس کو انسان کی نگاہ میں اجنبی عورت سے سو گنا زیادہ حسین بنا کر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ جب کسی اجنبی عورت کی محبت اس کے دل میں گھر کر جائے تو اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا ایک شرعی جائز طریقہ ہے کہ وہ اس سے نکاح کر لے لیکن اگر وہ کسی بے ریش لڑکے پر فریفتہ ہو جائے تو سوائے گناہ کے اس سے اپنی خواہش پوری کرنے کا کوئی جائز راستہ نہیں ہے۔

انسان کے دل میں خواہشیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کو ان سب کی خبر ہے اور سب کا علم ہے خواہ وہ نیک خواہشیں ہوں یا بُری خواہشیں ہوں لیکن اللہ انسان پر اسی وقت گرفت فرماتا ہے جب وہ اپنی کسی ناجائز خواہش کو پورا کرنے کا عزم مصمم کر لے۔

المومن: ۲۰ میں فرمایا: ”اور اللہ ہی حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر یہ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے“ بے شک اللہ ہی بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے“

اس آیت سے بھی اس طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے اور بڑے جرم کا حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور جب مجرم اور گناہ گار کے دل میں یہ حقیقت جاگزیں ہوگی تو اس کا خوف بہت زیادہ ہوگا۔ کفار کو اپنے باطل معبودوں اور بتوں پر بھروسہ تھا کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمادیا کہ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہیں یہ ان کے کسی کام نہیں آسکیں گے۔ اس کے بعد فرمایا: بے شک اللہ ہی بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی کفار جو اپنے بتوں کی تعریف اور ستائش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو سن رہا ہے اور وہ جو اپنے بتوں کے آگے سجدے کر رہے ہیں اور ان کی عبادت کر رہے ہیں اس کو بھی اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے اور قیامت کے دن ان کی بت پرستی کی ان کو سخت سزا دے گا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کیا ان کافروں نے زمین میں سیر نہیں کیا تاکہ یہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ طاقت ور

الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا

تھے اور زمین میں ان کے اثرات بھی بہت زیادہ تھے اس کے باوجود اللہ نے ان کو ان کے گناہوں

فِي الْأَرْضِ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن

کی وجہ سے پکڑ لیا اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ

اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ﴿٢١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

تھا O اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تھے پھر بھی انہوں نے کفر کیا

فَكَفَرُوا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾

تو اللہ نے ان پر گرفت کی بے شک وہ بہت قوت والا سخت عذاب والا ہے O

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٢٣﴾ إِلَىٰ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن معجزے دے کر بھیجے O فرعون

فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾

اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر سے بہت جھوٹا O

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ

پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری طرف سے برحق دین لے کر گئے تو انہوں نے کہا: جو لوگ ان پر ایمان لا چکے

الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ

ہں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی سازش

الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِيْ اَقْتُلْ

محض گمراہی (بے مبنی) ہے O اور فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو

مُوسٰى وَلْيَدْعُرْ رَبِّهٖ ۚ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ

اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا

اَنْ يُظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوسٰى اِنِّىْۤ اَعُوْذُ

یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ کرے گا O اور موسیٰ نے کہا: میں ہر اس حکیم سے جو روزِ حساب

بِرِّئِي وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

۵ ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں ۵
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان کافروں نے زمین میں سفر نہیں کیا تا کہ یہ اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور زمین میں ان کے اثرات بھی بہت زیادہ تھے اس کے باوجود اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا ۵ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس اللہ کے رسول واضح دلائل کے لئے آئے تھے پھر بھی انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے ان پر گرفت کی بے شک وہ بہت قوت والا سخت عذاب والا ہے ۵
 (المومن: ۲۳-۲۴)

کفار مکہ کو دنیا کے عذاب سے ڈراتا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو عذاب آخرت سے ڈرایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو دنیا کے عذاب سے ڈرایا ہے کیونکہ کفار مکہ مکہ کی سر زمین سے شام اور یمن کی طرف سفر کرتے رہتے تھے اور وہاں گھجلی کافر قوموں کی چٹائی اور بادی کے آثار تھے عاذ شہود اور ان جیسی دوسری قوموں کے اور قریش ان اطراف سے اور ان راستوں سے گزرتے تھے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو یہ بتایا ہے کہ عقل مند وہ ہوتا ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے کیونکہ سابقہ کفار ان موجودہ کافروں سے جسمانی طور پر بھی بہت طاقت ور تھے اور ان کے علاقوں میں بھی ان کی شوکت اور سطوت کے بہت آثار اور نشانات تھے انہوں نے بہت مضبوط اور مستحکم قلعے بنائے تھے اور بڑی بڑی عمارتیں بنائی تھیں ان کے عظیم الشان محلات تھے اور ان کے پاس لشکر جرار تھے اور جب انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا حتیٰ کہ یہ موجودہ کفار بھی اپنے سفروں کے درمیان ان کی چٹائی اور ہلاکت کے آثار کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو ان کے احوال سے ڈرایا کہ اگر وہ اپنے کفر اور ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب سے باز نہ آئے تو ان کو بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح پہلے زمانہ کے کافروں کو ہلاک کر دیا گیا تھا اور جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو ان کو اس عذاب میں کوئی بچانے والا نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کرنے کی وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جنت تمام کر دی تھی اور اپنی توحید کا پیغام دے کر رسولوں کو ان کے پاس بھیجا تھا پھر جب انہوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن معجزے دے کر بھیجا ۵ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا: یہ جادوگر ہے بہت جھوٹا ۵ پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری طرف سے برحق دین لے کر گئے تو انہوں نے کہا: جو لوگ ان پر ایمان لا چکے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی عقیلوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی سازش محض گمراہی (پرہیزی) ہے ۵ (المومن: ۲۵-۲۴)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین کا قصہ بیان فرماتا
 اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گھجلی قوموں کی عموئی تکذیب کا حال سنا کر تسلی دی تھی اور ان آیتوں میں آپ کو بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال سنا کر تسلی دے رہا ہے کہ ان کو قوم فرعون کی طرف

بھیجا گیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم نے ان کے متعدد واضح معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی تکذیب کی۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن معجزے دے کر بھیجا" نشانیاں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزے ہیں (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی گرہ کو کھول دینا پھر وہ روانی سے بات کرنے لگے (۲) قوم فرعون یعنی قبطیوں پر طوفان کا آنا (۳) ان پر جوؤں کی کثرت (۴) ان پر مینڈکوں کی کثرت (۵) ان پر خون کی کثرت (۶) ان پر مڑیوں کی کثرت (۷) بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو چر دینا (۸) پتھر پر لاشی مارنا جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (۹) آل فرعون کو قتل اور بچوں کی کمی میں مبتلا کرنا۔ اس کے بعد سلطان مبین کا ذکر فرمایا اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے اس کا الگ ذکر فرمایا کیونکہ یہ بہت عظیم معجزہ تھا فرعون اور اس کی قوم اس معجزہ سے بہت خائف تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ میں اس کا بہت مؤثر کردار تھا۔

المومن ۲۴: میں فرعون، ہامان اور قارون کا ذکر فرمایا۔ فرعون مصر میں قوم عطاقت کا فرماں روا تھا اس نے اپنی حکومت اور بادشاہی کے قصص میں ربوبیت کا دعویٰ کر دیا تھا ہامان فرعون کا وزیر تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا لیکن اس آیت میں صرف فرعون اور ہامان کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ رعایا اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتی ہے۔ قارون کا ذکر فرعون اور ہامان کے بعد فرمایا کیونکہ قارون اسرائیلی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عم زاد تھا یہ ابتداء میں مومن تھا اور بنی اسرائیل میں سب سے بڑا عالم تھا اور تورات کا حافظ تھا پھر مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے اس کا حال متغیر ہو گیا اور یہ سامری کی طرح منافق ہو گیا اور کفر کر کے فرعون اور ہامان کے ساتھ مل گیا اور ان ہی کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

المومن ۲۵: میں فرمایا: "پھر جب ان کے پاس موسیٰ بناری طرف سے برحق دین لے کر گئے تو انہوں نے کہا: جو لوگ ان پر ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دو۔"

اس آیت میں بنو اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کرنے کا جو ذکر ہے اس سے مراد ان کو دوسری بار قتل کرنے کا حکم دینا ہے کیونکہ پہلی بار ان کو قتل کرنے کا حکم اس وقت دیا تھا جب یوشیہ نے فرعون کو یہ بتایا تھا کہ عقیقہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کی وجہ سے فرعون کی حکومت جاتی رہے گی اور اس کی الوہیت کا دعویٰ باطل ہو جائے گا پھر جب قبطیوں نے شکایت کی کہ اگر بنی اسرائیل کی نسل ختم ہو گئی تو پھر مشکل کام ان کو کرنے پڑیں گے تو پھر اس نے یہ حکم موقوف کر دیا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا اور فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا علم ہوا اور اس کو یہ پتا چلا کہ کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں تو پھر اس نے غیظ و غضب میں آ کر یہ حکم دیا کہ جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اس کو یہ خطرہ تھا کہ اگر یہ بیٹے زندہ رہے تو اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت میں اضافہ ہو گا۔

اس کے بعد فرمایا: "اور کافروں کی سازش محض گم راہی پر مبنی ہے۔"

اس کا معنی یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کو کم کرنے اور ان کے دین کو نیچا دکھانے کے لیے جو تدبیریں اور سازشیں کر رہا تھا وہ انجام کار ناکام اور نامراد ہوں گی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح اور کامرانی حاصل ہوگی اور خود فرعون ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر رحمت فرمائے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ کرے گا اور موسیٰ نے کہا: میں ہر اس مشکبہ سے جو روز

حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں (المومن ۲۵: ۲۶)
فرعون کی قوم فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے کیوں باز رکھنا چاہتی تھی؟

- اس آیت سے یہ ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون حضرت موسیٰ کو قتل کرنا چاہتا تھا اور اس کی قوم اس کو اس اقدام سے روکتی تھی فرعون کی قوم جو فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے روکتی تھی اس کی تفسیر بنے حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:
- (۱) فرعون کی قوم میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کا دل میں یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں وہ مختلف حیلوں اور تدبیروں سے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔
 - (۲) فرعون کے مصاحبوں نے اس سے کہا: تم (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) قتل نہ کرو وہ معمولی سے جادوگر ہیں اگر تم نے ان کو قتل کر دیا تو عوام یہ سمجھیں گے کہ (حضرت موسیٰ) حق پر تھے اور تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے تم نے ان کو قتل کر دیا اور عوام تم سے بدعتن ہو جائیں گے۔
 - (۳) فرعون کے ارکان دولت نے یہ سوچا کہ ابھی فرعون حضرت موسیٰ کے معاملہ میں الجھا ہوا ہے اور اس کی ہماری طرف توجہ نہیں ہے اور ہم ملک میں اپنی من مانی کر رہے ہیں اگر یہ حضرت موسیٰ کو قتل کر کے اس ہم سے فارغ ہو گیا تو پھر اس کی توجہ ہماری طرف ہوگی اور یہ ہمیں اپنی من مانی نہیں کرنے دے گا اس لیے وہ فرعون سے کہتے تھے کہ تم حضرت موسیٰ کو قتل نہ کرو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرعون کو حضرت موسیٰ کو قتل کرنے سے کوئی منع تو نہیں کرتا تھا لیکن وہ یہ سوچتا تھا کہ اگر اس نے حضرت موسیٰ سے مقابلہ کر کے ان کو قتل کرنے کا اعلان کیا اور پھر دوران مقابلہ حضرت موسیٰ سے ایسے معجزات صادر ہوئے کہ وہ ان پر غالب نہ آ سکا تو وہ بہت ذلیل اور رسوا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس مقابلہ میں مارا جائے سو وہ خود اپنی موت سے ڈرتا تھا لیکن اس نے اپنا مجرم رکھنے کے لیے اور اپنا جعلی رب ڈالنے کے لیے یہ کہا کہ ”مجھے (حضرت موسیٰ) کو قتل کرنے دو“ اور یہ ظاہر کیا کہ اس کی قوم اس کو حضرت موسیٰ کے قتل میں ہاتھ رکھنے سے منع کر رہی ہے حالانکہ اس کو کوئی منع نہیں کر رہا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرعون کا یہ قول نقل فرمایا: ”مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا وہ اس ملک میں بڑا ہنگامہ برپا کرے گا۔“

فرعون کا اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ وہ اپنے عوام کو یہ بتائے کہ وہ حضرت موسیٰ کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے اس نے بتایا کہ حضرت موسیٰ سے اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ اس کی قوم کے دین کو فاسد کر دیں گے یا ان کی دنیا کو فاسد کر دیں گے اس کے دہم میں دین کا فساد یہ تھا کہ اس کے نزدیک صحیح دین وہی تھا جس پر وہ اور اس کی قوم تھی اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی الوہیت کا انکار کرتے تھے اور اس کے حقائق اور نظریات کے مخالف تھے اس لیے اس کو خطرہ تھا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو اس کا اور اس کی قوم کا دین فاسد ہو جائے گا اور دنیا کے فساد کا خطرہ یہ تھا کہ اگر تم بنو اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرعون کے خلاف بغاوت کر دی تو ملک میں شورش اور ہنگامہ ہوگا اور امن اور چین جاتا رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ فرعون کی قوم کو جواب اقتدار حاصل ہے وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے بہر حال حضرت موسیٰ کے وجود سے خطرہ ہے ان کے دین کو یا ان کی دنیا کو اور چونکہ ان کے نزدیک دین کا ضرر دنیا کے ضرر سے زیادہ خطرناک تھا اس لیے فرعون نے پہلے ان کو ان کے دین کے ضرر سے ڈرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے اسرار و رموز

المومن ۲۷: میں فرمایا: ”اور موسیٰ نے کہا: میں ہر اس سنگبر سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں“ ۰

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا میں حسب ذیل نکات ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کا معنی یہ ہے کہ دشمن کے شر سے صرف اللہ کی پناہ میں آ کر ہی نجات ملتی ہے سو میں اللہ کی پناہ میں آ رہا ہوں اور جو اللہ کے فضل پر اعتماد کرے اللہ اس کو ہر بلا سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ہر آرزو کو پورا کرتا ہے۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح مسلمان قرآن مجید پڑھنے سے پہلے ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شیطان کے دوسوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کے دین اور اس کے اخلاص کی حفاظت فرماتا ہے اسی طرح جب وہ آفات اور مصائب میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر رنج اور پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں“ گویا کہ بندے کو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی مجھے اور تمہیں ہر شر سے محفوظ رکھا ہے اور ہر خیر تک پہنچایا ہے اور ہمیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مالک اور مولیٰ نہیں ہے تو بندہ پر لازم ہے کہ جب بھی اسے کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اللہ کے سوا کسی اور سے اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے نہ کہے اور جب بھی اسے کوئی ہم درپیش ہو تو اللہ کے سوا اور کسی سے مدد طلب نہ کرے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں اور اپنی قوم کا ذکر فرمایا اس قول میں انہوں نے اپنی قوم کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ بھی ہر شر اور ہر مصیبت میں صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کریں اور جب حضرت موسیٰ اور ان کی قوم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں گے اور جب تمام نیک اور پاک رومیں مل کر ایک مطلوب کی دعا کریں گی تو اس دعا میں قبولیت کی تاثیر زیادہ قوی ہوگی اور باجماعت نمازیں ادا کرنے کا بھی یہی سبب ہے اور ”ایہاک نعبد وایہاک نستعین“ کا بھی یہی نکتہ ہے۔

(۵) ہر چند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ فرعون کی طرف سے آئی ہوئی مصیبت اور اس کے شر میں مبتلا تھے اس کے باوجود انہوں نے یوں نہیں فرمایا: میں فرعون کے شر سے اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں بلکہ فرمایا: میں ہر اس سنگبر سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں لاتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں کیونکہ خصوصیت کے ساتھ فرعون کے شر سے نجات کی دعا کی یہ نسبت عمومی دعا زیادہ مفید تھی کہ میں ہر سنگبر اور ہر منکر حساب کے شر سے اللہ کی پناہ میں ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرعون اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اپنی الوہیت کا دعویٰ دیتا تھا اور اپنے آپ کو رب اپنی کہلاتا تھا اس لیے آپ نے اپنی دعا میں اس گستاخ بارگاہِ مصیبت کا ذکر کرتا پسند نہیں فرمایا بلکہ بالعموم فرمایا: میں ہر سنگبر اور ہر منکر حساب سے تیری پناہ میں ہوں۔

(۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں دو شخصوں سے پناہ طلب کی ہے سنگبر سے اور منکر حساب سے اس لیے کہ جو شخص صرف سنگبر ہو اور یوم حساب کا منکر نہ ہو اس کا سنگبر اس کو لوگوں کی ایذا پر ابھارتا ہے لیکن قیامت اور روزِ حساب کا

خوف اس کو بعض اوقات تکبر کے تھامے پورے کرنے سے باز رکھتا ہے لیکن جس شخص کا قیامت اور یوم حساب پر ایمان نہ ہو وہ بالکل بے مہار اور بے لگام ہوتا ہے اس کو اپنے تکبر کے تھامے پورا کرنے سے کون سی چیز روک سکتی ہے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ تکبر اور مکر حساب سے پناہ میں رہنے کی دعا کی۔

(۷) فرعون نے جب کہا تھا کہ ”مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے دعا کرے“ تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرنے کے لیے استہزاء کہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے مقبوعین کے لیے پناہ کی دعا کر کے یہ ظاہر فرمایا: تو جس چیز کو بہ طریق استہزاء کہہ رہا ہے وہی تو اصل دین ہے اور صریح حق ہے میں اپنے رب سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے تیرے شر کو دور کر دے اور مغرب تو دیکھ لے گا کہ میرا رب کس طرح تجھ پر قہر فرماتا ہے اور کس طرح مجھ کو غلبہ عطا فرماتا ہے۔

یہ عالی قدر نکات امام رازی نے بیان فرمائے ہیں ان نکات کو لکھنے کے بعد امام رازی فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عقل ان تمام نکات کا احاطہ کر لے گی وہ یہ سمجھ لے گا کہ دشمنوں کی سازشوں سے اور ان کے شر سے بچنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ سے حفاظت اور اس کی پناہ طلب کرے۔ (تخیر کبیر، ص ۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۸۵ھ)

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے خطرہ ہوتا تو آپ یہ دعا فرماتے تھے:

اللہم انا نجعلک فی نحورہم ونعوذ
بک من ضرورہم۔

اے اللہ! ان کے مقابلہ میں ہم تجھ کو لاتے ہیں اور ان کے
شر اور فساد سے ہماری پناہ میں آتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۵ طبع قدیم) مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳-۳۹۳ مؤسسہ دارالحدیث بیروت ۱۴۲۰ھ سن ۱۴۰۰ھ تا ۱۴۰۱ھ رقم الحدیث: ۱۵۳۷۱ سن
اکبریٰ للنساء رقم الحدیث: ۱۶۳۶۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۵۷۷ المسند رک ج ۳ ص ۱۳۲ سن ۱۳۲۱ھ سن ۱۳۲۱ھ رقم الحدیث: ۱۵۳۷۱ سن حدیث کے مسند سن
(۷۰۰)

دشمن کے خطرہ کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی سنت ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے اور ہمیں یہ دعا آپ کی سنت کی نیت سے کرنی چاہیے کیونکہ ہمیں آپ ہی کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمارے لیے اسی میں فوز و فلاح ہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ

فرعون کے قہقہوں میں سے ایک مرد مومن جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا اس نے کہا: کیا تم ایک مرد

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ

کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا: میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے

بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ وَإِنْ

نشانیاں لا چکا ہے اگر وہ (بالفرض) مجبور ہے تو اس کے جھوٹ کا وہاں اس پر ہے

تِلْكَ مَادِّغَاتُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي

اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾ يَقَوْمَ لَكُمْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَهَرِينَ

کا بے شک جو مد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے

فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصَرُنَا مِنْ بَنِي اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا ط

کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟

قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ

فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی (راست) دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں صرف کامیابی کی راہ

الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

دکھا رہا ہوں ○ اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر ساتھ امتوں کی طرح

مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ﴿٣٠﴾ مِثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَ

عذاب آ جائے گا ○ جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود

ثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلَمًا

اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ

لِلْعِبَادِ ﴿٣١﴾ وَيَقَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾

نہیں فرماتا ○ اور اے میری قوم! مجھے تم پر سچ و بھار کے دن کا خطرہ ہے ○

يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ وَ

جس دن تم پٹہ پھیر کر بھاگو گے تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا اور

مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ

جس کو اللہ گم راہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے ○ اور بے شک اس سے پہلے

يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا

تمہارے پاس یوسف کمل کمل نشانیاں لے کر آئے تھے پس تم ان کی لائی ہوئی نشانوں

جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنَ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ

میں شک ہی کرتے رہے حتیٰ کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا: اب اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی

بَعْدَهُ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

رسول نہیں بھیجے گا اور اللہ اسی طرح اس کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے تجاوز

مُرْتَابٌ ۝۳۳ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَنٍ

ہو شک میں مبتلا ہو O جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں اللہ کے نزدیک

أَنَّهُمْ طُكُورٌ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ

اور مومنوں کے نزدیک ایسا جھگڑنا سخت غصہ کا موجب ہے

يُطْبِعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٌ ۝۳۴ وَقَالَ فِرْعَوْنُ

اللہ اسی طرح ہر جہار تکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے O اور فرعون نے کہا:

يَهَامُنُ ابْنُ لِي صِرَاحًا عَلَيَّ أَبْلَغُ الْأَسْبَابِ ۝۳۵

اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید کہ میں ان راستوں تک پہنچ جاؤں O جو آسمانوں کے

السَّمَوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا وَ

راستے ہیں پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور ہے شک میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور

كَذَلِكَ زَيِّرَ فِرْعَوْنُ سُوءَ عَمَلِهِ وَصَدَّ عَنِ السَّبِيلِ ط

اسی طرح فرعون کے بُرے عمل کو اس کے نزدیک خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنُ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۝۳۶

سیدھے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی ہر سازش صرف ناکام ہونے والی تھی O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فرعون کے قہقہوں میں سے ایک مرد مومن جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا اس نے کہا: کیا تم ایک مرد کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ اس نے کہا: میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے اگر وہ (بالقرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے گا بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا O اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں تمہیں وہی (راستہ) دکھا رہا ہوں جو میں خود کچھ رہا ہوں اور میں تمہیں کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں O (المومن ۲۹-۳۸)

قوم فرعون کے مرد مومن کا تعارف اور اس کی فضیلت اور اس کے ضمن میں حضرت ابو بکر کی فضیلت

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

المومن ۲۸: میں جس مرد مومن کا ذکر ہے 'سودی' نے کہا: وہ فرعون کا ہم زاد تھا لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اور وہ اپنے ایمان کو فرعون اور اس کی قوم سے مخفی رکھتا تھا کیونکہ اس کو اپنی جان کا خطرہ تھا اور یہی وہ شخص تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات حاصل کی تھی اور دوسرے مفسرین نے کہا: بلکہ وہ شخص اسرائیلی تھا وہ اپنے ایمان کو فرعون اور آل فرعون سے مخفی رکھتا تھا۔ امام ابن جریر نے کہا: ان میں راجح قول سودی کا ہے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۴۳۳-۴۳۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم احمس التتوی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء نے کہا: اس مرد مومن کا نام حریمل تھا وہ ب بن منہر نے کہا: اس کا نام حریال تھا ابن اسحاق نے کہا: اس کا نام خریل تھا ابو اسحاق نے کہا: اس کا نام حبیب تھا۔

(المکلف والایمان ج ۸ ص ۲۴۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۳ھ)

یہ شخص ابتداء میں فرعون اور اس کے درباریوں سے اپنے ایمان کو چھپاتا تھا بعد میں جب ایمان کی حرارت اس کے خون میں چنگاریوں کی طرح گردش کرنے لگی تو اس نے فرعون کے فیکہ و غصب کی پروا کیے بغیر بڑا اپنے ایمان کا اظہار کر دیا اور جب وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے تو ان کو منع کیا اور وہ شخص اس حدیث کا مصداق تھا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! کسی شخص کو جب حق بات کا علم ہو تو وہ لوگوں کے دباؤ اور ان کے خوف کی وجہ سے حق بیان کرنے کو ترک نہ کر دے 'سنو! عالم کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاں ہے۔ اللہ بیٹ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۹ فتح رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۸۸ رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۸۳ مسند ابویعلیٰ رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۱۰ المسند رک ج ۳ ص ۵۰۵ شعب الایمان رحمہ اللہ ج ۲ ص ۸۸۹ مسند ابویعلیٰ رحمہ اللہ ج ۵ ص ۵۲ سنن الترمذی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۸۱ شرح السنہ رحمہ اللہ ج ۳ ص ۳۰۴ سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۰۰ جامع المسانید سنن مسند ابی سعید خدری رحمہ اللہ ج ۲ ص ۱۸۸)

جس طرح قوم فرعون میں سے ایک مرد مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کی تھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حمایت زیادہ تو قی قحی حدیث میں ہے:

عروہ بن الزہر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سی سخت اذیت پہنچائی تھی؟ انہوں نے کہا: میں نے ایک دن دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا اور وہ اپنی چادر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر تختی کے ساتھ آپ کا گاموٹھ لگا، اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آگئے، انہوں نے اس کو دھکا دیا اور اس کو آپ سے دور کر دیا اور یہ کہہ کر کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لا چکا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۷۸۱، مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۹۹۸، عالم الکتب، بیروت)

اس شخص نے کہا: ”اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا دہال اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو جس عذاب سے وہ ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے گا۔“

مدعی نبوت کو قتل نہ کرنے پر ایک اعتراض اور امام رازی کی طرف سے اس اعتراض کا جواب
اس آیت پر بہر حال یہ اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کا یہ کلام نقل فرمایا ہے کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا دہال صرف اسی پر ہوگا یعنی اس کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس آیت کے یہ موجب اگر کوئی جھوٹا نبی اپنے باطل دین کی تبلیغ کر رہا ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے حالانکہ جھوٹے نبی اور زندقہ قتل کرنا واجب ہے۔
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ہم یہ نہیں مانتے کہ اس کے جھوٹ کا ضرر صرف اسی تک محدود رہے گا کیونکہ وہ لوگوں کو اپنے باطل دین کی دعوت دے گا اور لوگ اس کے باطل دین اور فاسد مذہب کو اپنائیں گے اور اس سے بہت فتنہ اور فساد ہوگا اس لیے اس فتنہ کا سد باب کرنے کے لیے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو زندقہ قتل کو انہوں کو اپنے باطل دین کی دعوت دے رہا ہو اس کو قتل کرنا واجب ہے دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس طرح ہر زندقہ اور ہر باطل کو اپنے عقائد باطلہ کی تبلیغ کی اجازت مل جائے گی اور تیسرا اشکال یہ ہے کہ اس طرح تو پھر کفار سے جہاد بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر ان کا کفر جھوٹ ہے تو ان کے اس جھوٹ کا ضرر صرف ان ہی کو ہوگا پھر امام رازی نے ان تینوں اشکالوں کا یہ جواب لکھا ہے: اس مرد مومن کے کلام کا معنی یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰ جھوٹے ہیں تو تم کو ان کے شر کو دور کرنے کے لیے ان کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ان کو تبلیغ کرنے سے روک دو پھر ان کو قتل کرنے سے باز رہو پس اگر یہ جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کا ضرر صرف ان ہی تک محدود رہے گا اور اگر یہ سچے ہیں تو تم ان سے نفع حاصل کرو خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ جھوٹے ہیں تو تمہیں ان کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم ان کو ان کے دین کے اظہار سے روک دو اور اس تقریر سے یہ تینوں اعتراض دور ہو جائیں گے۔

(تفسیر کبیر، ج ۹، ص ۵۱۰-۵۱۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۳۷۵ھ)

اعتراض مذکور کا مصنف کی طرف سے جواب

میرے نزدیک اس تقریر سے یہ اعتراض دور نہیں ہوں گے کیونکہ اصل اور قوی اعتراض یہ ہے کہ جھوٹے نبی اور زندقہ قتل کرنے کے وجوب پر تمام علماء اسلام کا اجماع ہے اور اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹے نبی کو صرف تبلیغ سے روک دیا جائے اس کو قتل نہ کیا جائے اسی طرح کفار اگر اپنے کفر کی تبلیغ نہ کریں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو ان کو بھی قتل نہ کیا جائے حالانکہ کفار کے خلاف مطلقاً جہاد فرض ہے خواہ وہ اپنے کفر کی تبلیغ کریں یا نہ کریں۔

میں نے نہیں دیکھا کہ امام رازی سے پہلے کسی کو یہ اشکال سوچا ہو اور وہ اس کے جواب کے درپے ہوا ہو اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے یہ کہتا ہوں کہ اس آیت میں اس مرد مومن نے مطلقاً کسی زندقہ جھوٹے نبی یا کفار اور منافقین کے لیے یہ حکم اور یہ قاعدہ بیان نہیں کیا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کو قتل نہ کیا جائے اگر وہ جھوٹے ہیں تو ان

کے جھوٹ کا وبال صرف ان پر ہوگا اور اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید میں کفار اور منافقین سے جہاد کرنے کے متعلق اس قدر آیات کیوں نازل ہوئیں بلکہ اس مرد مومن نے یہ حکم صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ ایمان تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور آپ اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہیں لیکن فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا سمجھتے تھے اور آپ کو قتل کرنے کے درپے تھے تو اس مرد مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان بچانے کے لیے کہا کہ اگر حضرت موسیٰ بالقرض جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کا وبال صرف ان پر ہوگا۔ ان کو قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ سچے ہیں تو جس عذاب سے وہ درارہے ہیں اس میں سے کچھ نہ کچھ عذاب تو تم پر آئے گا۔ اس مرد مومن کا یہ کلام قضیہ فحشہ ہے اور صرف حضرت موسیٰ کے متعلق ہے جن کے بارے میں اس مرد مومن کا یہ ایمان تھا کہ آپ صادق ہیں اور اس کا یہ کلام قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جو شخص بھی دعویٰ نبوت کرے اس کو قتل مت کرو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اگر وہ اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو اس کی کئی ہوئی عذاب کی پیش گوئی ضرور پوری ہوگی۔ پھر اپنے کلام کے آخر میں اس مرد مومن نے کہا: بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہوتے اور اپنی حد سے یعنی عام انسان کی حد سے تجاوز کر کے نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس قدر دلائل اور معجزات پیش کرنے کی ہدایت کیوں دیتا؟ ان کو یہ بیضاء اور عصا کیوں عطا فرماتا؟ ان کی مخالفت کرنے والوں پر جوڑوں مینڈکوں اور خون کیوں نازل فرماتا؟ اس سے واضح ہو گیا کہ اس مرد مومن کا یہ کلام بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھا بالعموم ہر مدعی نبوت کے متعلق نہیں تھا کہ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس کو قتل نہ کرو جیسا کہ امام رازی قدس سرہ نے خیال فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ کسی زندیق کو قتل کیا جائے نہ کسی کافر کے خلاف جہاد کیا جائے۔ یہ اعتراض اس وقت لازم آتے جب اس مرد مومن نے عمومی طور پر قاعدہ کلیہ بیان کیا ہوتا۔

اور قرآن مجید میں جس طرح قضایا کلیہ ہیں اسی طرح قضایا فحشہ بھی ہیں مثلاً قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ لِيُذْهِبَ غَمَّكُمُ الَّذِي فِيكُمْ وَيُقْضَىٰ إِلَيْكُمْ مِمَّا بَدَلْتُمْ بِهِ ۚ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿٥١﴾

(ان ازواج میں سے) جس کو چاہیں آپ اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جن ازواج کو آپ اپنے پاس سے الگ کر چکے ہیں ان میں سے کسی کو بھی آپ طلب کر لیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔

(الحزاب: ۵۱)

جن مسلمانوں نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھی ہیں ان پر واجب ہے کہ ان میں عدل سے تقسیم کریں ایک دن ایک بیوی کے پاس رہیں تو دوسرے دن دوسری بیوی کے پاس رہیں ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایک بیوی کو اپنے پاس رکھ لیں اور دوسری کو نہ رکھیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے ساتھ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے ساتھ نہ رکھیں اور یہ حکم عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے اب اگر اس آیت سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے پاس رکھے اور جس کو چاہے نہ رکھے تو اس کا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا جب اس نے ایک سے چار تک متعدد شادیاں کیں ہیں اور متعدد بیویاں رکھی ہیں تو اس کو انہیں باری باری انصاف سے رکھنا ہوگا اسی طرح اس مرد مومن کا چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان تھا تو اس نے فرعون اور اس کے درباریوں سے کہا: تم ان کو قتل کیوں کرتے ہو؟ اگر بالقرض وہ جھوٹے ہیں تو ان کے

جھوٹ کا دباؤ صرف ان پر ہوگا اور اس مرد مومن نے ہر مدعی نبوت کے لیے عام حکم نہیں بیان کیا تھا کہ جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے اس کو قتل مت کرؤ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا دباؤ خود اسی پر ہوگا نیز اس مرد مومن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صادق اور ہدایت یافتہ ہونے پر یہ دلیل بھی قائم کی تھی کہ:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝
بے شک جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو اللہ اس کو (المومن: ۲۸) ہدایت نہیں دیتا۔

وہ مرد مومن اس جملہ سے یہ بیان کر رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اگر وہ اپنی حد سے تجاوز کر کے نبوت کا دعویٰ کرتے اور دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہ دیتا اور دلائل و معجزات سے ان کی تائید نہ فرماتا اور آپ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ اس مرد مومن کے کلام میں حکم عام نہیں ہے۔

علامہ نظام الدین گنجی عیشا پوری متوفی ۷۸۸ھ نے امام رازی کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر چند کہ اس مرد مومن کے کلام سے یہ بات نکلے ہے کہ مدعی نبوت اگر جھوٹا ہو تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے جب کہ علماء اسلام کا اجماع ہے کہ زندگی کو قتل کرنا واجب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت اسلام کے احکام اس قدر واضح نہیں تھے جتنے اب واضح ہیں۔ (غرائب القرآن ۳/۳۷۳ ص ۳۳ دارالکتب المطبعیہ بیروت ۱۳۶۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس جواب کا مآل یہ ہے کہ اس مرد مومن کا یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ جھوٹے نبی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور اگر ایسا ہی تھا تو اللہ تعالیٰ اس مرد مومن کے اس کلام کو رد فرمادیتا کیونکہ اگر جھوٹے نبی کو قتل نہ کیا جائے تو ہدایت گمراہی کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گی جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کے کلام کی تحسین فرمائی ہے اور آل فرعون پر اس کے کلام کے حدود جملوں کو بے طور جھٹ اور نصیحت پیش فرمایا ہے۔ لہذا امام رازی کا جواب صحیح تھا نہ علامہ عیشا پوری کا جواب صحیح ہے صحیح جواب وہی ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے بعض حصہ کے پورا نہ ہونے پر اعتراض کا جواب

اس مرد مومن نے کہا: ”اگر یہ سچے ہوئے تو جس عذاب سے یہ ڈرا رہے ہیں اس میں سے کچھ نہ کچھ (عذاب) تو تم پر آئے گا۔“

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ایسا تو کانہوں کی پیش گوئیوں میں ہوتا ہے کہ ان کی پیش گوئی میں سے کچھ نہ کچھ پورا ہو جاتا ہے سچے نبی کی تو یہ شان ہے کہ وہ جو کچھ کہے وہ پورا کا پورا ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دنیا کے عذاب سے بھی ڈرایا تھا اور آخرت کے عذاب سے بھی ڈرایا تھا سو دنیا میں ان کی پیش گوئی کا ایک حصہ پورا ہوا اور فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اور ان کی پیش گوئی کا دوسرا حصہ آخرت میں پورا ہوگا جب ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اس لیے دنیا میں تو بہر حال موسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کا ایک حصہ ہی پورا ہوگا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کے قول کا یہ حصہ نقل فرمایا:

”اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے کیونکہ تم اس ملک پر غالب ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا میں تمہیں وہی راستہ دکھا رہا ہوں جو میں خود دیکھ رہا ہوں اور میں تمہیں کامیابی کی راہ دکھا رہا ہوں“ (المومن: ۴۰)

اس مرد مومن کی حضرت موسیٰ کو بچانے کی ایک اور کوشش

یعنی اے میری قوم! آج سرزمین مصر میں تمہارا اقتدار ہے اور اس وقت تمہاری نگرانی کوئی قوم نہیں ہے، لیکن اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو تمہاری مدد کو کون آئے گا؟ سنو! تم حضرت موسیٰ کو قتل کر کے اپنے امن اور چین کو برپا نہ کرو! اس مرد مومن کے خطاب سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اسرائیلی نہیں تھا، قبطی تھا اور فرعون کی قوم سے تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کی نبوت پر ایمان لا چکا تھا! اس نے اپنے اس قول میں ملک اور اقتدار کی نسبت اپنی قوم کی طرف کی تاک کہ اس کی قوم خوش ہو اور عذاب کا نکل اور مورد بننے کی اپنی طرف نسبت کی تاک کہ ان کے دل مطمئن ہوں اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ شخص واقعی ہمارا خیر خواہ ہے اور ان کے لیے اسی نفع کے حصول کی کوشش کر رہا ہوں جو نفع اپنے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

فرعون نے اس مرد مومن کی نصیحت سن کر کہا: میں نے جو موسیٰ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا میرے نزدیک وہی بہتر ہے تاکہ اس فتنہ کا مادہ جڑ سے ختم ہو جائے اور میں نے تم سے جو کہا ہے تمہاری کامیابی اسی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ استوں کی طرح عذاب آ جائے گا۔ جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا اور اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار کے دن کا خطرہ ہے۔ جس دن تم پینہ پھیر کر ہمارے گمے تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ (المومن ۳۳-۳۰)

مرد مومن کا قوم فرعون کو بار بار نصیحت کرنا

المومن ۳۰: میں فرمایا: "اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! مجھے خطرہ ہے کہ تم پر سابقہ استوں کی طرح عذاب آ جائے گا۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کے کہے ہوئے کی فکر سے ذکر فرمائے ہیں جو اس نے فرعون سے کہے تھے، یعنی اگر تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو تم پر بھی ان عجیب استوں کی طرح عذاب آ جائے گا جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی۔

المومن ۳۱: میں فرمایا: "جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد کے لوگوں کا طریقہ تھا۔"

اس سے پہلے آیت میں سابقہ استوں کا اہتمام ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کی تفصیل فرمائی ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: "اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا" یعنی اللہ کسی بندہ پر ظلم نہیں فرماتا، جن کو عذاب دیتا ہے وہ اس کا عدل ہے اور جن کو ثواب عطا فرماتا ہے وہ اس کا فضل ہے۔

المومن ۳۲: میں اس مرد مومن کا یہ قول ذکر فرمایا: "اے میری قوم! مجھے تم پر چیخ و پکار کے دن کا خطرہ ہے۔"

التعدادی عذاب کا بظاہر تعلق ہے اور اس کا معنی ہے: ایک دوسرے کو گناہ کرنا اور قیامت کے دن اہل جنت اور اہل دوزخ ایک دوسرے کو گناہ کریں گے قرآن مجید میں ہے:

وَتَأْتِي الْأَصْطَبَاتُ الْقَبَائِلَ الْأَصْطَبَاتُ

(الاحزاب: ۴۳)

وَيَأْتِي الْأَصْطَبَاتُ الْقَبَائِلَ الْأَصْطَبَاتُ

(الاحزاب: ۵۰)

اور اصحاب جنت نے اصحاب دوزخ کو گناہ کی۔

المومن۔ ۳۳ میں فرمایا: ”جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور جس کو اللہ تم راہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔“

جس دن کفار پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اس سے مراد بھی قیامت کا دن ہے جس دن وہ ایک دوسرے کو پکاریں گے پھر وہ ہمارے ان کو اس دن کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ”تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا“ اور ان کی زبردست گم راہی اور پرلے وجہ کی جہالت پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ”اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔“

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو گمراہ کیا ہے تو پھر اس گمراہی میں ان کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب ہم اپنی اس تفسیر میں کئی بار لکھ چکے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے گم راہی کو اختیار کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں گم راہی کو پیدا کر دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں ایسی گستاخیاں کیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے اندر گم راہی کو رائج کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی نکالیاں لے کر آئے تھے پس تم ان کی لائی ہوئی نکالنیوں میں شک ہی کرتے رہے حتیٰ کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا: اب اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا اور اللہ اسی طرح اس کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے تجاوز ہو، شک میں جھکا ہو O جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک ایسا جھگڑا سخت قصہ کا موجب ہے اللہ اسی طرح ہر جہاد شکیر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے O (المومن: ۳۵-۳۳)

حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے زمانہ کے کافروں میں مماثلت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مصر سے خطاب فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمہارے پاس حضرت یوسف علیہ السلام دلائل اور معجزات لے کر آئے تھے ان کا انہم مجرہ یہ تھا کہ وہ خواب کی تعبیر بتاتے تھے اور ان کے صدق اور ان کی عصمت پر ایک نوازندہ بیچے نے شہادت دی تھی مصر کے بادشاہ کے فوت ہونے کے بعد حضرت موسیٰ کو مصیبت کا گیا تھا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں جو مصر کا بادشاہ تھا یہ وہی فرعون تھا جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھا (مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا) یا یہ فرعون اس کی اولاد میں سے تھا (ابن تیمیہ نے ”کتاب المعارف“ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان نو سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان چار سو سال کا عرصہ ہے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مصر کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ”اور بے شک اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی نکالیاں لے کر آئے تھے۔“

اس زمانہ میں صرف ایک بوڑھی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ پایا تھا اور وہ ان کی قبر کو پچپانی تھی اس کے علاوہ کوئی شخص اس زمانہ کا نہ تھا لہذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے آباء و اجداد کے پاس یوسف کھلی نکالیاں لے کر آئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں سے خطاب کر کے فرمایا:

فَلَنْ يَكْفُرُوا لَكَ قُلُوبُهُمْ قُلْ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قُلْ إِنَّ

آپ کہیے: اگر تم واقعی گمراہ (سانی) کہو تو پر ایمان رکھتے ہو تو تم اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے O (البقرہ: ۹۱)

اور اس آیت میں ان یہودیوں کے آباء و اجداد مراد ہیں کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی تھے

انہوں نے نبیوں کو قتل نہیں کیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے اہل معر قبلیوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ”اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے“ حالانکہ حضرت یوسف علیہ السلام ان قبلیوں کے باپ دادا کے پاس آئے تھے۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اب یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو فرعون تھا یہ وہی ہو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔

تمام اگلے اور پچھلے انسانوں کی یہ سرشت رہی ہے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی نئی بھیجا گیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا۔ ماسوا ان چند لوگوں کے جن کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہدایت دی اسی وجہ سے مصر کے اکثر لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت پر ایمان نہیں لائے تھے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو انہوں نے کہا کہ اب ان کے بعد کوئی اللہ کا رسول نہیں آئے گا اور جس طرح یہ لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے اسی طرح ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی میں مبتلا رہنے دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرنے میں حد سے تجاوز کرنے والے ہوں اور اس کے برحق دین میں اور اس کے نبیوں کے معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی نبوت میں شک کرتے ہوں۔

جبار اور متکبر کا معنی اور ان کے متعلق احادیث

المومن ۳۵ میں فرمایا: ”جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑتے ہیں اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک ایسا جھگڑا سخت قصہ کا موجب ہے۔ اللہ اسی طرح ہر جبار متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔“
اس آیت میں جبار متکبر کے الفاظ ہیں: جبر کے معنی ہیں: نقصان کو پورا کرنا جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کو اللہ کی طرف سے کوئی دہجہ حاصل ہے حالانکہ وہ اس دہجہ کا مستحق نہ ہو اس کو جبار کہتے ہیں اس اعتبار سے یہ لفظ یہ طور مذمت استعمال کیا جاتا ہے بادشاہ کو جبار اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے لوگوں پر جبر اور قہر کرتے ہیں اور متکبر اس شخص کو کہتے ہیں جو حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر جانے اور فرعون کی قوم کے لوگ ایسے ہی تھے وہ غوا سرائیل پر قہر اور جبر کرتے تھے ان کو حقیر جانتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ”اللہ ہر جبار متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے“ ان کے دلوں پر مہر لگانے کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں میں جو کچھ گمراہی اور کفر ہے وہ ان کے دلوں سے نہیں نکل سکا اور باہر سے ان کے دلوں میں ہدایت، اخلاص اور ایمان داخل نہیں ہو سکا۔ پس صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ ان اسباب کا دامن تھام لے جو اس کا سینہ کھولنے کے موجب ہوں اور ان اسباب سے بچنے رہے جو اس کے دل پر مہر لگانے کے موجب ہوں۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ قلب کی اصطلاح پانچ چیزوں سے ہوتی ہے: (۱) کم کھانا (۲) کم سونا (۳) قرآن مجید اور احادیث میں غور و فکر کرنا اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنا (۴) رات کے آخر پہر میں اللہ کر اللہ سے توبہ اور استغفار کرنا (۵) اللہ کے نیک بندوں سے محبت کرنا اور ان کی رفاقت کو طلب کرنا۔ اس آیت میں جبار اور متکبر کی مذمت فرمائی ہے احادیث میں بھی ان کی مذمت ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن بعض لوگوں کو چیونٹیوں کی جسامت میں اٹھایا جائے گا اور لوگ انہیں اپنے قدموں سے روندیں گے پھر کہا جائے گا: یہ چیونٹیوں کی صورت میں کون لوگ ہیں؟ تو بتایا جائے گا: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں تکبر کرتے تھے۔

(مسند ابو ارقم الحدیث ۳۳۹۹، امام بیہقی نے کہا: اس حدیث کے ساتھ حضرت جابر سے یہی حدیث مروی ہے جس کی سند میں ایک راوی کا نام ہے)

دو قوی نہیں ہے اور اہل علم نے اس سے حدیث کو ردایت کیا ہے۔ مانند پہلی نے کہا: انعام بن مہدائہ اصریٰ حرک ہے۔ مجمع الروایع: ۳۳۳ (۳۳۳)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تکبیر کا کھڑ
چونیسویں کی صورتوں میں کیا جائے گا۔ (مسند ابو ذر رحمہ اللہ: ۳۳۳) امام بخاری نے کہا ہم نے اس حدیث کا سامع صرف اعلیٰ احمد بن راشد
سے کیا ہے اور مانند پہلی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا مجمع الروایع: ۳۳۳ (۳۳۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ
کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور آپ نے فرمایا: تکبر حق کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔ اللہ حدیث
(مجمع مسلم رحمہ اللہ: ۹۱) سنن الترمذی رحمہ اللہ: ۱۹۹۹-۱۹۹۸ سنن ابو داؤد رحمہ اللہ: ۶۰۹۱ جامع المسانید واسنن مسند ابن مسعود رحمہ
اللہ: ۲۷۹ (۲۷۹)

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر کسی مومن کے دل میں تکبر ہو اور وہ جنت میں داخل نہ ہو تو پھر اس آیت کا کیا
جواب ہوگا جس میں فرمایا ہے: ”جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی جزاء پائے گا“۔ (الزلزال: ۷) اور اس حدیث
کا کیا جواب ہوگا جس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو وہ دوزخ میں داخل
نہیں ہوگا۔ (مجمع مسلم رحمہ اللہ: ۹۱) (الایمان: ۲۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے ایمان لانے سے ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر کیا اور وہ تکبر پر سر گیا وہ جنت میں بالکل داخل
نہیں ہوگا اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں داخل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ مومنین کے دلوں سے تکبر نکال لے گا قرآن
مجید میں ہے:

وَكُنْزُهَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ
اور ان کے دلوں میں جو کچھ کینہ ہوگا ہم اس کو دور کر دیں گے۔ (الزمر: ۳۴)

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ تکبر کی سزا بھگت کر تکبر سے صاف ہو کر جنت میں داخل ہوں گے۔
اور اس کا چوتھا جواب یہ ہے کہ تکبر کی سزا یہ ہے کہ تکبر کرنے والے کو جنت میں داخل نہ کیا جائے لیکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
اس کو معاف کر دے اور تکبر کی سزا نہ دے۔

اور اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ تکبر کرنے والا ابتداءً متعین کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا ان کے بعد جنت
میں داخل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا دے شاید کہ میں ان راستوں تک پہنچ
جاؤں جو آسمانوں کے راستے ہیں پھر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور بے شک میں ضرور گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور
اسی طرح فرعون کے بڑے عمل کو اس کے نزدیک خوش نما بنا دیا گیا اور اس کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا اور فرعون کی ہر
سازش صرف ناکام ہونے والی تھی (الفرعون: ۳۷-۳۸)

فرعون نے خدا کو دیکھنے کے لیے جو بلند عمارت بنوائی تھی اس کی توجیہ
ہامان فرعون کا وزیر تھا اور وہ قطعیں میں سے تھا نہ بنی اسرائیل سے۔ فرعون نے اس سے کہا کہ میرے لیے ایک بلند محل بنا
دو فرعون نے کہا کہ میں یہ محل اس لیے بنوا رہا ہوں کہ میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے آیا واقعی فرعون نے ایک بلند عمارت کے بنانے کا قصد کیا تھا تا کہ اس پر چڑھ کر آسمان

تک پہنچ جائے یا نہیں، بعض مفسرین نے اس آیت کی ظاہر کے موافق تفسیر کی ہے، امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سہری نے روایت کیا ہے: جب وہ بلند قلعہ بنا لیا گیا تو فرعون اس قلعہ پر چڑھا اور آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر غون میں ڈوبے ہوئے واپس کر دیئے گئے تو فرعون نے کہا: میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث ۲۰۹۱۳، تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث ۱۲۹۳۱)

امام رازی نے لکھا ہے کہ فرعون نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا تھا کہ وہ قلعہ بنائے گا لیکن اس نے بنا نہیں تھا کیونکہ ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ وہ بلند سے بلند پہاڑ پر چڑھے پھر بھی اس کو آسمان اتنی ہی دور بلند نظر آتا ہے جتنا زمین سے بلندی پر نظر آتا ہے، سو اس کی حرکت تو کوئی فائز عقل اور جتوں ہی کر سکتا ہے اور سہری بہت ضعیف راوی ہے، اس کی مذکورہ اسناد روایت صحیح نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۶۰۰-۵۹۹، مسطورہ دار احیاء التراث العربی، دہلی ۱۳۸۵ھ)

علامہ اسماعیل حق متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس آیت کی دو توجہیں کی ہیں:

(۱) دراصل فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک بلند رصد گاہ بنائے جس میں وہ آلات رصد سے ستروں کو دیکھ سکے اور ان ستروں کے احوال سے زمین میں ہونے والے حوادث پر استدلال کر سکے، پھر وہ اس پر غور کر سکے کہ آیا یہ ان ستاروں میں کوئی ایسی چیز ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آیا واقعی اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا ہے یا نہیں۔

(۲) وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کے فساد کو دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آسمان کی خبریں دیتے تھے اس کا یہ خیال تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی خبریں اسی وقت موصول ہوں گی جب کسی عمارت کے ذریعہ وہ آسمان تک پہنچ سکیں، وہ ایک بلند عمارت بنا کر یہ تجربہ کرنا چاہتا تھا کہ آیا کسی ذریعہ سے آسمان تک پہنچا جاسکتا ہے یا نہیں اور جب اس نے ایک بلند عمارت بنا کر یہ تجربہ کر لیا کہ آسمان تک نہیں پہنچا جاسکتا تو اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب وہ اس بلند عمارت کے ذریعہ آسمان تک نہیں پہنچ سکتے تو حضرت موسیٰ بغیر کسی عمارت کے آسمان تک کیسے پہنچ سکتے ہیں اور جب وہ آسمانوں تک پہنچ نہیں سکتے تو ان کی دی ہوئی آسمانوں کی خبریں کیسے صحیح ہوں گی اور اس سے اس یقین نے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کی خبریں دی ہیں وہ جھوٹی ہیں۔

اور یہ اس یقین کی حماقت اور جہالت تھی، حضرت موسیٰ نے اس لیے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں نے جو اس کے ذریعہ اللہ کو جانتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سامنے عقلی دلائل پیش کیے تھے اور فرمایا تھا:

وَلَبِ الثَّقَلَيْنِ وَالْغَرْبِ وَمَا بَيْنَهُمَا (الشعرہ ۸۸)

وہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا

رہ ہے

اور یہ کثرت معجزات سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی نبوت پر استدلال فرمایا تھا۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُونِ اِهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝۳۸

اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو، میں تمہاری رہنمائی کروں گا ۝

يَقُومُ اِمَامًا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ

اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی

دَارُ الْقَرَارِ ﴿۱۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى اِلَّا اَمَثْلَهَا وَمَنْ

قیام کی جگہ ہے O جس نے بُرا کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے

عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَوْ لِكَ يَدْخُلُوْنَ

نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت یہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں

الْجَنَّةِ يَدْخُلُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۰﴾ وَيَقُومُ مَالِيْ اَدْعُوْكُمْ

داخل ہوں گے جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا O اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں

اِلَى الْجَنَّةِ وَتَدْعُوْنِيْ اِلَى النَّارِ ﴿۲۱﴾ تَدْعُوْنِيْ لَا كُفْرًا بِاللّٰهِ

جہنم کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو O تم مجھے اللہ کا کفر کرنے کی دعوت

وَأَشْرِكُ بِهِ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ

دے رہے ہوں اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں ہے اور میں تمہیں

الْعَقَّارِ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنِيْ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي

بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوں O اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو

الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَاَنْ مَّرَدُّنَا اِلَى اللّٰهِ وَاَنْ الْمُسْرِفِيْنَ

جو نہ دنیا میں عبادت کا تقویٰ ہے نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے

هُمُ اصْحَابُ النَّارِ ﴿۲۳﴾ فَسْتَذْكُرُوْنَ مَا اَقُولُ لَكُمْ وَاَفَوْضُ

تہاؤز کرنے والے ہی دوزخی ہیں O پس غور فرماتے کہ میں تم کو یاد کروں گے جو میں تم سے کہتا ہوں

اَمْرِيْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِصِيْرٍ بِالْعِبَادِ ﴿۲۴﴾ فَوَقَّهٗ اللّٰهُ سَهَابًا

اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے O سو اللہ نے اس کو ان کی

مَا مَكْرُوهًا وَحَاقَ بِالْأَلْفِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝۵۱

سازشوں (کے شر) سے محفوظ رکھا اور آل فرعون کو سخت عذاب نے گھیر لیا ۝۵۱ صبح اور شام ان کو

عَلَيْهَا عَذَابٌ وَأَوْعَشِيَاءُ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ

دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین

أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝۵۲ وَإِذْ يَتَحَاوَجُونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ

عذاب میں ڈال دو ۝۵۲ اور جب وہ دوزخ میں ایک دوسرے سے بحث کریں گے، پس کمزور لوگ

لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَمَا هُمْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنْكُمْ

تکبرین سے کہیں گے: ہم دنیا میں تمہارے پیروکار تھے کیا تم ہم سے آگ کا کوئی

نَصِيبًا مِّنَ النَّارِ ۝۵۳ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا هَاتِ

حصہ دور کرنے والے ہو؟ ۝۵۳ تکبرین کہیں گے: بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں، بے شک اللہ

اللَّهُ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝۵۴ وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ

بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے ۝۵۴ اور دوزخی جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے

جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۝۵۵ قَالُوا

رب سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب کم کر دے ۝۵۵ محافظ کہیں گے:

أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُم رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا فَاذْعُوا

کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ دوزخی کہیں گے: کیوں نہیں؟ محافظ کہیں گے:

وَمَا دَعَا الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝۵۶

پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض گمراہی میں ہوتی ہے ۝۵۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! میری پیروی کرو میں تمہاری راہ پر تمہاری رہنمائی کروں گا اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی قیام کی جگہ ہے ۝۵۶ جس نے بُرا کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، یہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ

لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو O تم مجھے اللہ کا کفر کرنے کی دعوت دے رہے ہو اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں اور میں تمہیں بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوں O اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی طرف دعوت دے رہے ہو جو دنیا میں مہارت کا مستحق ہے نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں O پس عقرب تم پر ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کرتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے O (المومن: ۳۳-۳۸)

آل فرعون کے مرد مومن کی قوم فرعون کو توحید اور دنیا سے بے رغبتی کی نصیحتیں

اس سے پہلی آیتوں میں آل فرعون کے اس مرد مومن کے کلام کے ان حصوں کو نقل فرمایا تھا جن میں اس نے فرعون اور اس کی قوم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے منع کیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلیل قائم کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی ہے اور اللہ تعالیٰ جموں کو ہدایت نہیں دیتا اور ان کے سامنے پھیلی استخوانوں کے کافروں پر عذاب کا ذکر کیا تھا اور اس رکوع کی آیتوں میں ان کی مزید خبر خواہی کی ہے اور مزید نصیحتیں کی ہیں۔

المومن: ۳۸ میں ہے: "اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! تم میری پیروی کرو میں تم کو نیکی کے راستے کی ہدایت دوں گا" اس میں یہ تعریض ہے کہ قوم فرعون گم راہی کے طریقہ پر ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور اس کے ولیوں کے پاس ہوتی ہے اور ولی کی اتباع کرنے سے نبی کی اتباع نصیب ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قوم فرعون کا وہ مرد مومن اللہ کا ولی تھا اور اس کا مقبول بندہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حصول ہدایت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

المومن: ۳۹ میں ہے: "اس مرد مومن نے کہا: اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو صرف عارضی فائدہ ہے اور بے شک آخرت ہی دائمی قیام کی جگہ ہے O"

متاع اور متاع کا معنی ہے: فائدہ اٹھانا یعنی دنیا میں بہت کم فائدہ ہے کیونکہ یہ بہت جلد زائل ہو جاتی ہے اور لازوال تو صرف آخرت ہے حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سو گئے تھے آپ اٹھے تو اس چٹائی کے نشان آپ کے پہلو پر ثبت ہو گئے تھے ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم آپ کے لیے ایک بستر بنا دیں آپ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا لینا ہے میں دنیا میں صرف ایک سواری کی طرح ہوں جو کسی درخت کے نیچے سامنے کو طلب کرنے پھر اس درخت کے سامنے کو چھوڑ کر روانہ ہو جائے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۶۷ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۱ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۳۶۹۸ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۷۰۳ علیہ السلام ج ۳ ص ۱۰۲ المسند رک ج ۳ ص ۳۱۰ دار الکتب ج ۳ ص ۳۳ جامع المسانید و اسنی مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۴۷۰)

کثیر بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے بیٹے! قرآن کے پڑھنے سے غافل نہ ہو کیونکہ قرآن قلب کو زندہ کرتا ہے اور بے حیائی اور نہ انی اور بے حیاءت سے روکتا ہے اور اے میرے بیٹے! موت کو بہ کثرت یاد کیا کرو کیونکہ جب تم قرآن کو زیادہ یاد کرو گے تو دنیا سے بے رغبتی کرو گے اور آخرت میں رغبت کرو گے کیونکہ آخرت دار قرار ہے اور دنیا والوں کے لیے دھوکا ہے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۲۹۱ رقم الحدیث: ۴۷۰۳)

المومن: ۴۰ میں ہے: ”جس نے نہ کام کیا تو اس کو صرف اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت“ بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے“ جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا“ O

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر کافر نے صرف ایک گھنٹہ کفر کیا تو اس کو دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا اور اگر مومن نے ایک گھنٹہ کوئی نہ کام کیا کھٹا ایک گھنٹہ سودی کاروبار کیا تو اس کو دائمی عذاب نہیں ہوگا۔ تو پھر ہر شخص کو اس کے جرم کے برابر سزا تو نہیں ملی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کافر کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ کافر رہے گا اس لیے اس کو دوزخ میں دائمی عذاب دیا جاتا ہے اور مومن کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ مومن رہے گا اس لیے اس کو جنت میں دایمہ اجر و ثواب دیا جاتا ہے اور اگر وہ کبھی کوئی نہ عمل کرتا ہے تو اس کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ وہ تاحیات یہ نہ کام کرتا رہے گا بلکہ اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ وہ معتزب تو بہ کرے گا اور نہ بے کام کو ترک کر دے گا اور اگر اس کی یہ نیت بھی ہو کہ وہ ہمیشہ کسی نہ بے کام کو کرتا رہے گا پھر بھی چونکہ اس کو اس کے ایمان کی دائمی جزا دی جاتی ہے اس لیے اس کو کچھ عرصہ سزا دینے کے بعد پھر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور یہ بھی اس وقت ہوگا جب اس نے موت سے پہلے اپنے گناہوں پر توبہ نہ کی ہو اور نہ اس کو کسی کی شفاعت ملی ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی ابتداء مغفرت ہوئی ہو اور اگر ان مراحل میں سے کوئی ایک مرحلہ بھی اس کو حاصل ہو گیا تو وہ ابتداء مغفیر کسی سزا کے جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اعمال کے ایمان سے خارج ہونے کی دلیل

اس کے بعد اس آیت میں یہ ارشاد ہے: ”اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت“ بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔“

آیت کے اس حصہ میں ایمان کو نیک اعمال کے لیے شرط قرار دیا ہے اور نیک اعمال کو مشروط قرار دیا ہے اور مشروط شرط سے بالاتفاق خارج ہوتا ہے جیسے نماز مشروط ہے اور وضو اس کے لیے شرط ہے اور نماز وضو سے خارج ہے اسی طرح نیک اعمال بھی ایمان سے خارج ہیں اور یہ احناف کفرم اللہ کی دلیل ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں اس کے برخلاف ائمہ خلافت اور محدثین یہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔

جنت کی نعمتیں اور جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

اس کے بعد فرمایا: ”یہ نیک اعمال کرنے والے مومنین جنت میں داخل ہوں گے اور ان کو بغیر حساب کے جنت میں رزق دیا جائے گا“ جنت میں بے حساب رزق اور جنت کی نعمتوں کے حلقے یہ حدیث ہے:

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ ان کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اللہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کر دے سعید نے کہا: کیا جنت میں بازار بھی ہوں گے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا: ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ جنت میں جب چلتی داخل ہوں گے تو ان کو ان کے اعمال کے اعتبار سے فضیلت دی جائے گی پھر جتنے عرصہ میں دنیا میں جمعہ کا دن آتا ہے اتنا عرصہ گزرنے کے بعد وہ اپنے رب کی زیارت کریں گے اور ان کے لیے اللہ کا عرش ظاہر کیا جائے گا اور وہ عرش جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں ظاہر کیا جائے گا پھر ان کے لیے اس میں کچھ نور کے منبر رکھے جائیں گے اور کچھ موتیوں کے منبر ہوں گے اور کچھ قوت کے منبر ہوں گے اور کچھ زمر کے منبر ہوں گے اور کچھ سونے کے منبر ہوں گے اور کچھ چاندی کے منبر ہوں گے ان میں

سے ادنیٰ درجہ کے جنتی ملک اور کافروں کے ٹیلوں پر بیٹھیں گے حالانکہ ان میں کوئی ادنیٰ درجہ کا نہیں ہوگا اور وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ کرسیوں پر بیٹھنے والے ان سے افضل ہیں حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کیا تمہیں سورج کو دیکھنے سے یا چاند کو دیکھنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ ہم نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: اسی طرح تم کو اپنے رب کے دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی! اس مجلس سے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ بلا حجاب گفتگو فرمائے گا حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ملائکہ! کیا تمہ کو ملائکہ دن یاد ہے جب تو نے ملائکہ ملائکہ بات کہی تھی پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بعض گناہ یاد دلانے کا وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا تھا؟ اللہ فرمائے گا: کیوں نہیں! تم میرے بھٹے ہی کی وجہ سے تو اپنے اس درجہ تک پہنچے ہو لوگ اسی کیفیت میں ہوں گے کہ ان پر ایک بادل چھا جائے گا اور ان پر ایسی خوشبو کی بارش ہوگی کہ اس بھی خوشبو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی ہوگی اور ہمارا رب تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اس انعام و اکرام کی طرف اٹھو جو میں نے تمہارے لیے تیار کر رکھا ہے پھر جس کی تمہیں خواہش ہو وہ لے لو پھر ہم ایک بازار میں جائیں گے جس کو فرشتوں نے گھیرا ہوا ہوگا اس بازار میں ایسی چیزیں ہوں گی جن کو اس سے پہلے آنکھوں نے نہیں دیکھا ہوگا اور نہ کانوں نے سنا ہوگا اور نہ دلوں میں ان کا خیال آیا ہوگا پھر جس چیز کی ہمیں خواہش ہوگی وہ ہمیں دے دی جائے گی اس بازار میں کوئی چیز فروخت کی جائے گی نہ خریدی جائے گی اور اس بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور بلند درجہ والا خود آگے بڑھ کر اپنے سے کم درجہ والے سے ملے گا اور درحقیقت وہاں کوئی ادنیٰ نہیں ہوگا کم درجہ والا بلند درجہ والے کا لباس دیکھ کر تمکین ہوگا! ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوگی کہ وہ دیکھیں گے کہ اس کے اوپر اس سے بھی عمدہ لباس ہے اس کا جب یہ ہے کہ جنت میں کوئی شخص تمکین نہیں ہوگا پھر ہم اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جائیں گے ہماری یہاں ہم سے ملاقات کر کے کہیں گی: مرحبا خوش آمدید! جس وقت آپ یہاں سے گئے تھے اس وقت کی پر نسبت آپ کا حسن و جمال اب بہت زیادہ ہے ہم کہیں گے: آج ہمیں اپنے رب کے دربار میں پیشینہ نصیب ہوا تھا لہذا ہمیں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۴۶ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۲۸۸ الجامع الاوسط رقم الحدیث: ۱۴۱۳)

”لا جرم“ کا معنی

المؤمن: ۳۳-۳۴ میں ارشاد ہے: ”اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو؟ تم مجھے اللہ کا کفر کرنے کی دعوت دے رہے ہو اور یہ کہ میں اس چیز کو اللہ کا شریک قرار دوں جس کے شریک ہونے کا مجھے علم نہیں ہے اور میں تمہیں بہت غالب اور بے حد بخشنے والے کی دعوت دے رہا ہوں! اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مجھے اس کی دعوت دے رہے ہو جو نہ دنیا میں عبادت کا حقیقی ہے نہ آخرت میں اور بے شک ہم سب نے آخرت کی طرف لوٹنا ہے اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں“

اس آیت میں قوم فرعون کو ملامت کی ہے کہ دیکھو یہ کیا حال ہے کہ میں تمہیں خیر کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے شر کی طرف بلا رہے ہو۔

مرزومون نے اس سے براءت کا اظہار کیا کہ وہ بغیر علم اور دلیل کے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہیں اس میں یہ اشارہ ہے کہ بغیر یقینی علم اور بغیر دلیل قطعی کے کسی کے لیے اللہ کو بہت کثرت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس آیت میں ”لا جرم“ کا لفظ ہے لا سے اس کی نفی مطلوب ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے یعنی ان کا مذکور کفر اور شرک

ابھ جسم فعل ماضی ہے جو "حق" اور "نیت" کے معنی میں ہے، یعنی ان کا مجموعہ کفر اور شرک منظمی ہے اور اس کا بطلان حق اور ثابت ہے اور بعض علماء نے کہا: لا جسم "لاہند" کے معنی میں ہے۔ ماسوں میں مذکور ہے کہ "لا جسم" اصل میں لاہند اور لامعادلہ کے معنی میں ہے پھر اس کا کثیر استعمال حم کے معنی میں ہو گیا اس وجہ سے اس کے جواب میں لام آتا ہے جیسے "لا جسم لاہند" اللہ کی قسم! میں تیرے پاس ضرور آؤں گا۔ (القاموس المحیط ج ۳ ص ۱۲۳) اور احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۲ھ کا اس آیت میں "لا جسم" اصل کے اعتبار سے تحقیق کے معنی میں ہے یعنی تحقیق یہ ہے کہ تم مجھے اس چیز کی عبادت کی دعوت دے رہے ہو جو دنیا میں عبادت کی مستحق ہے نہ آخرت میں۔

تفویض کا معنی

المومن ۴۳: میں ارشاد ہے: "پس عنقریب تم ان باتوں کو یاد کرو گے جو میں تم سے کرتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔"

یعنی جب تم آخرت میں دوزخ کے عذاب کو دیکھو گے تو اس وقت تم ایک دوسرے سے میری کہی ہوئی باتوں کا ذکر کرو گے اور اس وقت تم میری نصیحتوں کو یاد کرو گے لیکن اس وقت اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

اس آیت میں مرد مومن کے اس قول کا ذکر ہے: "میں نے اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا۔" مفوض کا لفظ تفویض سے بنا ہے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے اپنے ارادہ کو معطل کر دینا اور کامل تفویض یہ ہے کہ کسی کام کے نفع اور ضرر میں اپنی قدرت کو ملحوظ رکھنا نہ کسی اور مخلوق کی قدرت کا خیال کرنا اور بعض علماء نے کہا کہ قضاء و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا دینا تفویض ہے۔

اور فرمایا: "بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے" یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے اور جو شخص مصائب میں اس کی پناہ طلب کرے اس کی مدد فرماتا ہے۔

تفویض کا جس طرح یہ معنی ہے کہ اپنے معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے اسی طرح تفویض کا یہ بھی معنی ہے کہ دوسروں کے معاملات کے انجام اور عاقبت کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر کوئی شخص بُرا کام کر رہا ہے تو اس کو حتیٰ التوبع برائی سے روکنے کی کوشش کی جائے اگر وہ پھر بھی بُرائی سے باز نہیں آتا تو اس سے یہ نہ کہے کہ اللہ تمہیں دوزخ میں ڈال دے گا اور تم کو عذاب دے گا بلکہ اس کی عاقبت اور انجام کو اللہ پر چھوڑ دے اللہ اس کے ساتھ کیا کرے گا وہ خود ہی جانتا ہے بُندہ اپنی عاقبت کو اور اس کی عاقبت کو اللہ کی طرف مفوض کر دے اس معنی میں یہ حدیث ہے:

۱۔ منضم بن جوس الیمامی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے یمامی! کسی شخص سے یہ ہرگز نہ کہنا کہ اللہ کی قسم! تجھے اللہ نہیں بخشے گا اور نہ یہ کہنا کہ اللہ تجھے کبھی جنت میں داخل نہیں کرے گا میں نے کہا: اے ابو ہریرہ! تمہارا ایک ساتھی جب اپنے بھائی پر غضب ناک ہوتا ہے تو اس سے یہ کہتا ہے "حضرت ابو ہریرہ نے کہا: تم نہ کہنا" کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اسرا نکل میں دو شخص تھے ان میں سے ایک عبادت میں بہت کوشش کرتا تھا اور دوسرا اپنے نفس پر بہت زیادتی کرتا تھا عبادت میں کوشش کرنے والا اپنے بھائی کو ہمیشہ گناہوں پر ملامت کرتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ تم گناہ کم کیا کرو اور وہ کہتا تھا کہ تم مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو کیا تم میرے عجبیاں مقرر کیے گئے ہو؟ ایک دن اس عبادت گزار نے اپنے بھائی کو ایک گناہ کرتے ہوئے دیکھا جو اس کے نزدیک بہت بڑا گناہ تھا اس نے اپنے بھائی سے کہا تم پر انھوں نے گناہ کم کروا اس کے بھائی نے کہا: مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو کیا تم میرے ذمہ دار ہو؟ اس عبادت

مزار نے کہا: اللہ کی قسم! تجھے اللہ نہیں بخشنے گا! یا کہا: اللہ تجھے کبھی جنت میں داخل نہیں کرے گا! پھر اللہ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے دونوں کی رگوں کو قبض کر لیا وہ دونوں رب الغلین کے سامنے حاضر ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس عابد سے فرمایا: کیا تجھ کو میرے فیصلہ کا علم تھا یا میرے قبضہ اور تصرف میں جو کچھ ہے تو اس پر قادر تھا اور اس گناہ گار سے فرمایا: جا میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا اور اس دوسرے شخص کے حلق فرمایا: اس کو دوزخ میں لے جاؤ! حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اس عابد نے ایسی بات کہی تھی جس سے اس نے اپنی دنیا اور آخرت دونوں بر باد کر لی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۰، مسند ابو جرحہ ۳۳۳، مسند احمد ۳۷۷، ۳۷۸، رقم الحدیث: ۸۹۹۳، مسند بارسلونہ ۱۰۷، مسند ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۷۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۹۸۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ نے اس کو ان کی سازشوں (کے شر) سے محفوظ رکھا اور آل فرعون کو سخت عذاب نے گھیر لیا صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو (المومن: ۳۶-۳۵)

آل فرعون کے مرد مومن کو فرعون کے شر سے محفوظ رکھنا

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے آجوں میں یہ بیان فرمایا تھا کہ اس مرد مومن نے بہت جرأت اور حوصلے کے ساتھ حق کو بیان کیا اور کسی کے دباؤ میں آئے بغیر اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلائل بیان فرمائے اور المومن: ۳۵ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد مومن کو فرعون اور اس کے درباریوں کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے فرعون نے اس مرد مومن کو جو عذاب پہنچانا چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ عذاب دور رکھا۔

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ قیادہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مرد مومن قبلی تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کر گیا اور غرق ہونے سے محفوظ رہا اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۳۲۲، دار الفکر بیروت: ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد النادودی المتوفی ۳۵۰ھ نے اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ نقل کیا ہے:

آل فرعون کا وہ مرد مومن فرعون کے پاس سے بھاگ کر ایک پہاڑ پر گیا اور وہاں نماز پڑھ رہا تھا فرعون نے اس کی تلاش میں اپنے سپاہیوں کو بھیجا جس وقت اس کے سپاہی وہاں پہنچے تو وہ مرد مومن نماز میں تھا اور جنگل کے درختوں سے اور وحشی جانوروں سے پرہیز کر رہے تھے وہ سپاہی ان کے پیروں کی وجہ سے اس کے قریب نہ جاسکے انہوں نے جا کر فرعون کو اس واقعہ کی خبر دی فرعون ان کی ناکامی کی خبر سن کر غضب ناک ہوا اور اس نے ان سپاہیوں کو قتل کر دیا۔

(الفتح، جامع ابن جرحہ ۵۹، دار المکتب احمد بیروت: ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ فرعون اور اس کے سرداروں نے یہ سازش کی تھی کہ اس مرد مومن کو حضرت موسیٰ سے برگشتہ کر کے فرعون کے دین کی طرف لایا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور آل فرعون کا وہ مرد مومن تا حیات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر قائم رہا۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۳۱، دار الفکر بیروت: ۱۴۱۵ھ)

آل فرعون کو قبر میں اور آخرت میں عذاب پر پیش کرتا

المومن ۳۶: میں ارشاد فرمایا: ”صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو۔“

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ ابی ہذیل بن اشرعیل سے روایت کیا ہے کہ:

آل فرعون کو دوزخ کی آگ پر پیش کرنے کا معنی یہ ہے کہ آل فرعون کی رو میں سیاہ رنگ کے پرندوں کے بیچوں میں ہیں وہ ان کے ساتھ صبح اور شام دوزخ میں جاتے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۳۳۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: دوزخ کی آگ میں جو ان کا ٹھکانا ہے وہ صبح اور شام ان پر پیش کیا جاتا ہے اور آل فرعون کو ڈانٹتے ہوئے کہا جاتا ہے: یہ تمہارے گھر ہیں۔

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آل فرعون کی رو میں سیاہ پرندوں کے بیچوں میں ہیں وہ پرندے صبح اور شام جہنم پر وارد ہوتے ہیں اور ان کو آگ پر پیش کرنے کا یہی معنی ہے۔

(۳) مجاہد نے کہا: ان کو صبح اور شام ان کی قبروں میں آگ کا عذاب دیا جاتا ہے اور یہ عذاب خصوصاً آل فرعون کے لیے ہے۔ (الفقه والحدیث ج ۵ ص ۱۵۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام محمد اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو صبح اور شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہو تو اہل جنت میں سے (اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے) اور اگر وہ اہل دوزخ میں سے ہو تو اس سے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ تجھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۷۹ ص ۱۲۷ ص ۱۲۸ مسند البیہقی رقم الحدیث: ۳۸۶۱ سنن البیہقی رقم الحدیث: ۲۰۷۳۰ مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۹۳)

عذاب قبر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

ہمارے علماء نے اس آیت سے عذاب قبر پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس آیت میں مذکور ہے کہ آل فرعون کو صبح اور شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان کو قیامت کے دن دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا کیونکہ اس عذاب پر عطف کر کے فرمایا: ”اور قیامت کے دن بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا“ اور عطف تعلق کو چاہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی انہیں دوزخ کی آگ پر پیش کیا جا رہا ہے اور قیامت کے بعد بھی ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جائے گا نیز آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ فرشتوں سے کہا جائے گا کہ آل فرعون کو زیادہ شدید عذاب میں داخل کرو اس سے معلوم ہوا کہ نفس شدید عذاب انہیں پہلے دیا جا چکا ہے اور وہ قبر کا عذاب ہے۔

اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عذاب قبر کے کائنات کے نزدیک عذاب قبر قیامت تک دائمی ہوگا اور اس آیت سے صرف صبح اور شام کے وقت عذاب قبر ثابت ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دن کی دو طرفیں صبح اور شام ہیں پس ان دو طرفوں کا ذکر فرمایا اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو قیامت تک دائمی عذاب ہوتا رہے گا۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کے متعلق ارشاد ہے:

وَمَا تَحْيِلُ لَكُمْ أَغْرَافُكُمْ أَذْهَبُوا نَارًا۔
یہ لوگ اپنے گناہوں کے سبب سے غرق کر دیئے گئے نہیں

(نوح: ۲۵) ان کو فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا گیا۔

اس آیت میں جس دوزخ کی آگ کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد وہ آگ نہیں ہے جس میں کافروں کو قیامت کے بعد ڈالا جائے گا کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: "ان کو غرق ہوتے ہی فوراً دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا جائے گا" اور آخرت میں جو عذاب ہو گا وہ فوراً نہیں ہو گا غرق ہونے کے فوراً بعد جو عذاب ہو گا وہ قبر میں ہی ہو گا۔
خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں عذاب قبر کی صاف تصریح ہے اب ہم وہ احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں عذاب قبر کا ثبوت ہے۔

عذاب قبر کے ثبوت میں احادیث

حضرت ام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر سے پناہ طلب کر رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۶۳ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۰۹۰)
حضرت سعد رضی اللہ عنہ پانچ کلمات پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور ان کلمات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے:
(۱) اے اللہ! میں تجل سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۲) اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۳) اے اللہ! میں ارذل عمر (ناکارہ حیات) سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۴) اے اللہ! میں دنیا کے فتنہ یعنی فتنہ دجال سے تیری پناہ میں آتا ہوں (۵) اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۶۵ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۲ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۳)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودی بوڑھی عورتوں میں سے دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئیں وہ کہنے لگیں کہ قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے میں نے ان کی تکذیب کی اور ان کی تصدیق کرنے کو اچھا نہیں جانا وہ چلی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور ان دو بوڑھی عورتوں کے آنے اور عذاب قبر کی خبر دینے کا ذکر کیا آپ نے فرمایا: ان دونوں نے کج کہا قبر والوں کو انکا عذاب دیا جائے گا کہ اس کو تمام جانور نہیں گئے پھر میں نے دیکھا کہ آپ جب بھی نماز پڑھتے تو عذاب قبر سے پناہ طلب کرتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۶۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۲ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۴ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۶)
حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس سے پہلے آپ پر یہ وہی نہیں کی گئی تھی کہ مومنوں کو بھی عذاب قبر ہو گا آپ کو وہی سے صرف یہ علم تھا کہ یہود کو عذاب قبر ہوتا ہے اور اس موقع پر آپ کے پاس یہ وہی آئی کہ مومنوں کو بھی عذاب قبر ہو گا تب آپ نے عذاب قبر سے پناہ طلب کی۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۸ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں عاجزی سے سستی سے بزدلی سے اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۶۲ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸۳ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۷)
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو قبر میں عذاب دیا جائے گا حتیٰ کہ جانور بھی ان کی آوازوں کو سنیں گے۔

(الحکم الکبیر رقم الحدیث: ۶۰۵۴۰) حاکم الحنفی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۵۲
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم مردوں کو دفن کرنا نہ چھوڑ دو تو میں اللہ سے دعا کروں کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۵۲۱۲، جامع السانید والسنن رقم الحدیث: ۱۲۵۳)
حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے آثار کردہ غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیک جاتی، آپ سے کہا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نہیں روتے اور قبر کو یاد کرتے ہیں تو اس قدر روتے ہیں، آپ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آخرت کی منازل میں شے پہلی منزل قبر ہے، اگر انسان کو اس منزل سے نجات مل جائے تو اس کے بعد کی منازل زیادہ آسان ہوتی ہیں اور اگر اس منزل میں نجات نہ ہو تو بعد کی منازل زیادہ دشوار ہوتی ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میں نے قبر سے زیادہ ڈراؤنا اور وحشت ناک منظر اور کوئی نہیں دیکھا اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۶۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر پر اس کی قبر میں نہ نوے ساپ مسلط کیے جاتے ہیں جو اس کو کاٹنے میں ہیں اور بھجور تے رہیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہوگی، اگر ان میں سے ایک ساپ زمین میں پھونک مارے تو زمین ہلنے لگے گی۔ (اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۸، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۳، رقم الحدیث: ۱۱۳۴۳، مسند ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۷۵، جامع سرمدیہ ولسن سنن ابی سعید الخدری رقم الحدیث: ۳۱۵، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۱۳۲، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۲۲، سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۱۳۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی قبر میں ضرور سرسبز باغ ہوتا ہے اس کی قبر میں سفر باغ وسعت کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور کر دیا جاتا ہے، کیا تم کو علم ہے کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے؟

اور جو میری یاد سے اعراض کرے گا اس کی زندگی جھگی میں
وَمَنْ أَغْضَى عَنْ ذِكْرِى قَوْلَ لَكَ مَعِيشَةٌ كَهَذَا
وَمَنْ أَغْضَى عَنْ ذِكْرِى قَوْلَ لَكَ مَعِيشَةٌ كَهَذَا
گزرے گی اور اسے ہم قیامت کے دن اندھ کر کے اٹھائیں گے۔

آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ جھگی میں زندگی گزارنے سے کیا مراد ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے، آپ نے فرمایا: اس سے مراد کافر کا عذاب قبر ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اس (کافر) کے اوپر ننانوے جنین مسلط کیے جائیں گے، تم کو معلوم ہے جنہیں کیا چیز ہیں؟ وہ سفر ساپ ہیں، ہر ساپ کے سات سر ہیں وہ اس کو قیامت تک کاٹنے اور ڈنک مار تے رہیں گے۔

(مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۶۱۳۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۲۱۲، حاکم الحنفی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۵۵)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو سیاہ روئی آنگھوں والے فرشے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منگر اور دوسرے کو تکبیر کہنا چاہنا ہے، وہ کہیں گے کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے تھے؟ پس وہ شخص وہی کہے گا: جو وہ زندگی میں کہتا تھا وہ ہے، گا، وہ اللہ کے

بندے اور اس کے رسول ہیں وہ فرشتے کہیں گے کہ ہم کو معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے پھر اس کی قبر میں ستر ہاتھ در ستر ساتھ وسعت کر دی جائے گی پھر اس کی قبر منور کر دی جائے گی پھر اس سے کہا جائے گا: سو جاؤ! وہ کہے گا: میں اپنے گھر جا کر گھر والوں کو اس کی خبر دوں! فرشتے کہیں گے: تم اس دن کی طرح سو جاؤ جس کو وہی شخص بیدار کرتا ہے جو اس کو گھر والوں میں سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو اس کی قبر سے اٹھائے گا اور اگر وہ منافق ہو تو وہ کہے گا: میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی اس کی مثل کہہ دیا مجھے کچھ علم نہیں! فرشتے کہیں گے: ہم کو معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے پھر زمین سے کہا جائے گا: اس کو دہاؤ! زمین اس کو دہائے گی تو اس کی پسیلیاں ایک طرف سے دوسری طرف نکل جائیں گی پھر اس کو مسلسل عذاب ہوتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ اس کو اس کی قبر سے اٹھائے گا۔

(سنن ابی ذر، رقم الحدیث: ۱۷۱۰، مسند ابی حنبلہ، رقم الحدیث: ۱۷۱۰، مسند ابی یوسف، رقم الحدیث: ۳۶۵)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پینہ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بخضاعتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تم اس شخص (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں پھر اس سے کہا جاتا ہے: دیکھو اپنے دوزخ کے ٹھکانے کو! اللہ نے اس کو تمہارے لیے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اپنے دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا اور رہا کافریا منافق تو وہ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا! میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے اس سے کہا جائے گا: تم نے نہ کچھ جانتا نہ کہا! پھر اس کے دوکانوں کے درمیان لوہے کے بتھوڑے سے ضرب لگائی جاتی ہے جس سے وہ چیخ مارتا ہے اور جن و انس کے علاوہ سب اس کی چیخ کو سنتے ہیں۔

(بخاری، رقم الحدیث: ۱۳۲۸، مسند مسلم، رقم الحدیث: ۵۸۷۰، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۴۲۱، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۵۱، سنن ابی یوسف، رقم الحدیث: ۳۶۵)

امام ابو نعیم مسلم بن حجاج قشیری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "يُكَلِّفُ اللَّهُ الْقَوْلَ الثَّلَاثَ" (ایہا ہم ۳۷) عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے اس سے پوچھا جائے گا: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ (بخاری، رقم الحدیث: ۱۸۷۰)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان بندہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قبر میں اٹھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ پس اللہ اس کو ان کے جوابات میں ثابت قدم رکھتا ہے! پس وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں! پھر اس کی قبر میں وسعت کی جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں کشادگی کی جاتی ہے پھر حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ آیت پڑھی:

"يُكَلِّفُ اللَّهُ الْقَوْلَ الثَّلَاثَ فِي الْعَبْرَةِ الدَّانِيَةِ فِي الْخَبَرِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ" (ایہا ہم ۳۷)

(بخاری، رقم الحدیث: ۱۳۲۸، مسند ابی یوسف، رقم الحدیث: ۳۶۵، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۴۲۱، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۵۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابراہیم بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے، ہم قبر تک پہنچے، جب لحد بٹائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے تو یہ کہ ہمارے سروں پر پرنسے ہیں آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ زمین کو کرید رہے تھے آپ نے اپنا سر (قدس) اٹھا کر دو یا تین بار فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور فرمایا: جب لوگ بیٹھ پھیر کر جائیں گے تو یہ ضرورت کی جوتوں کی آواز سننے کا جب اس سے یہ کہا جائے گا: اے شخص! تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نیا کون ہے؟ بندہ نے کہا: اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے اور اس کو پوچھا دیں گے اور اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے پھر وہ کہیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میرا دین اسلام ہے پھر وہ کہیں گے: وہ شخص کون تھا جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر وہ کہیں گے: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے کتاب پڑھی، میں اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے: "يُكَلِّمُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الْخَالِصِ فِي الْخُسُوفِ الَّذِينَ يَكُونُونَ أَزْوَاجًا" (برائے ۱۲) پھر آسمان سے ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ میرے بندہ نے جی کہا اس کے لیے جنت سے فرش بچھ دو اور جنت سے لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو پھر اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور جنت کی خوشبو آئے گی اور اس کی منجائے بھر تک اس کی قبر کھول دی جائے گی پھر آپ نے کافر کی موت کا ذکر کیا اور فرمایا: اس کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جائے گی اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو پوچھائیں گے اور اس سے کہیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا پھر وہ اس سے کہیں گے: افسوس! میں نہیں جانتا پھر وہ کہیں گے: یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: اس نے جھوٹ بولا اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو اور اس کو دوزخ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ سے ایک دروازہ کھول دو پھر اس کے پاس دوزخ کی تپش اور دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اور اس پر اس کی قبر تک کر دی جائے گی حتیٰ کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف نکل جائیں گی پھر اس پر ایک اندھا اور گونا گونا مسلط کیا جائے گا اس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہوگا جس کی ضرب اگر پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے پھر وہ گرز اس پر مارے گا جس سے وہ کافر بیچ رہے گا جس کو جن وانس کے سوا بس شیئ گے اور وہ کافر مٹی ہو جائے گا اور اس میں پھر دوبارہ روح ڈال دی جائے گی۔

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ امام احمد متوفی ۲۴۱ھ امام آجری متوفی ۳۶۰ھ اور امام ابوسعید اللہ حاکم مینا پوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس حدیث کو بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۵۳۳، مسند ابوداؤد رقم الحدیث ۳۰۷۳، مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۷، مسند ابوسعید ج ۱ ص ۱۸۷، الترمذی ج ۱ ص ۱۸۷، الترمذی ج ۱ ص ۱۸۷) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے قبر پر بیٹھتے تو آپ اس کی قبر پر کھڑے رہے اور فرمایا: اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۴۵۳۳، مسند ابوسعید ج ۱ ص ۱۸۷، الترمذی ج ۱ ص ۱۸۷، الترمذی ج ۱ ص ۱۸۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میت کو قبر میں داخل کیا جائے تو اسے سب سے سورت کی مثل دکھائی جاتی ہے تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: مجھے نہ پڑھئے دو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۷۲، مسند ابوسعید ج ۱ ص ۱۸۷، الترمذی ج ۱ ص ۱۸۷، الترمذی ج ۱ ص ۱۸۷)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجر پر سوار ہو کر جو بخار کے باغ میں جا رہے تھے ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ایک جگہ پھر نے ٹھوکر کھائی، قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دیتا، وہاں پر پانچ یا چھ چار قبریں تھیں آپ نے فرمایا: ان قبر والوں کو کون بچھاتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں بچھاتا ہوں۔ آپ نے پوچھا: یہ لوگ کب مرے تھے؟ اس نے کہا: یہ لوگ زمانہ شرک میں مرے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس امت کو اپنی قبروں میں آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں تم کو عذاب قبر سنواتا جس کو میں سن رہا ہوں پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو ہم نے کہا: ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں پھر فرمایا: عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو ہم نے کہا: ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں پھر فرمایا: ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو ہم نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں پھر فرمایا: دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرو ہم نے کہا: ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۶۷۷، مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۳)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبد البر نے کہا: اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس امت کو آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں سوال اور جواب اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور امام ابو عبد اللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں کہا ہے کہ میت سے سوال کرنا اس امت کا خاصہ ہے کیونکہ ہم سے پہلی امتوں کے پاس جب رسول اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے اور قوم ان کے پیغام کا انکار کرتی تو رسول ان سے الگ ہو جاتے اور ان پر عذاب بھیج دیا جاتا اور جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت کے ساتھ بھیجا اور فرمایا: ”وَمَا آتَاكَ سُلْطَانٌ مِّن رَّبِّكَ إِلَّا لِيُثَبِّتَكَ“ (الانبیاء: ۱۰۷) تو ان سے عذاب روک لیا اور آپ کو جہاد کا حکم دیا، حتیٰ کہ جہاد کی برکت سے لوگ دین اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلام ان کے دلوں میں رائج ہو گیا، پھر ان کو مہلت دی گئی یہاں سے خفاق کا ظہور ہوا اور بعض لوگ کفر کو چھپاتے اور ایمان کو ظاہر کرتے اور مسلمانوں کے درمیان ان پر پردہ رہتا اور جب وہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قبر میں امتحان لینے والے پیغمبر یا کافر کے سوال کے ذریعہ ان کا پردہ چاک ہو اور خبیث طیب سے ممتاز ہو جائے، سو جو دنیا میں اسلام پر ثابت قدم تھا اللہ تعالیٰ اس کو قبر میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گراہی پر برقرار رکھتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: امام ابو عبد اللہ ترمذی کی یہ تقریر اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ صرف مومن اور منافق سے قبر میں سوال ہوگا، حالانکہ احادیث میں تصریح ہے کہ کافر سے بھی سوال ہوگا۔ (۱۵۲۸ ج ۳ ص ۲۲۸، مسند احمد دار الفکر الدبیۃ ۱۴۰۷ھ)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات (مسلمانوں کی) سرحد کی حفاظت کرنا ایک ماہ کے روزوں اور (نمازوں کے) قیام سے افضل ہے اور اگر وہ اسی حال میں فوت ہو گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جس عمل کو وہ کیا کرتا تھا اس کا رزق جاری رہے گا اور وہ قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۶۵، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۶۱۷، مسند ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۲۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۸، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۶۳، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۷۷۷، المسند ج ۳ ص ۲۸۰، سنن ابی نعیم ج ۴ ص ۲۸، شرح اللہ رقم الحدیث: ۲۶۱۷)

رہا آپ نے فرمایا: اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے پھر اس قبر والے کے متعلق تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۱ طبع قدیم مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۸ھ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت ام مینر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں اس وقت بنو نجار کے باغات میں سے ایک باغ میں تھی اس میں ان لوگوں کی قبریں تھیں جو زمانہ جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے آپ نے ان پر عذاب دیئے جانے کی آوازیں سنیں تو آپ یہ کہتے ہوئے باہر آئے: عذاب قبر سے پناہ طلب کرو میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ان کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس عذاب کو وحشی جانور سن رہے ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۶۶ طبع قدیم مسند احمد ج ۶ ص ۶۴ رقم الحدیث: ۴۴۰۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۱ھ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۰۳ رقم الحدیث: ۲۶۸ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۷۲ باب لا ینزل علی الناس رقم الحدیث: ۵۰۵۵ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۵۰ حافظ ابوشامہ نے کہا: اس حدیث کی سند قوی ہے مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک (بعض) مردوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے حتیٰ کہ جانوروں کی آوازوں کو سنتے ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۰۴۵۹ حافظ ابوشامہ نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

حضرت ابولہامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سخت گرم دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقیع الغرقہ کے پاس سے گزرے اور لوگ آپ کے پیچھے چل رہے تھے جب آپ نے ان کی جوتیوں کی آہٹ سنی تو آپ ظہر گئے حتیٰ کہ لوگوں کو اپنے آگے کر دیا تاکہ آپ کے دل میں تکبر کا کوئی ذرہ نہ آئے حضرت ابولہامہ نے کہا: یہاں پر دو آدمیوں کی قبریں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے آج کن لوگوں کو دفن کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: یا نبی اللہ! فلاں فلاں ہیں آپ نے فرمایا: ان کو اس وقت ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ان میں سے ایک شخص چٹلی کھاتا تھا اور دوسرا شخص پیشاب کے قطروں سے نہیں بچتا تھا پھر آپ نے ایک شاخ کے دو ٹکڑے کر کے ان کو ان کی قبروں پر گاڑ دیا صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: تاکہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے صحابہ نے پوچھا: یا نبی اللہ! ان کو کب سے عذاب دیا جا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ قیاب ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اگر تمہارے دلوں میں وحشت نہ ہوتی تو میں تمہیں وہ آوازیں سنا دیتا جن کو میں سن رہا ہوں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۶۰۴۶۰ حافظ ابوشامہ نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی بخیر ہے مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۶)

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ کی تواضع فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنے قہقین کو بھی اپنے سے آگے چلنے کے لیے فرماتے تھے اور آپ برزخ کے احوال پر بھی نظر رکھتے تھے آپ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور آپ کو یہ بھی علم تھا کہ ان کو کس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور آپ نے ان کی مدد فرمائی اور ان کے عذاب میں تخفیف کر دی اور اس کی فقہ یہ ہے کہ آپ دنیا میں رہتے ہوئے برزخ کے احوال سے غافل نہیں ہیں اسی طرح جب آپ برزخ میں چلے جائیں گے تو دنیا والوں کے احوال سے غافل نہیں ہوں گے اور جس طرح دنیا میں رہتے ہوئے برزخ والوں کی مدد فرماتے ہیں اسی طرح برزخ میں جا کر دنیا والوں کی مدد فرماتے رہیں گے۔

عذاب قبر کی نفی پر قرآن مجید سے دلائل اور ان کے جوابات

عذاب قبر کے منکرین نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ. اهل جنت جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں (المومن ۵۲) پھینک دیں گے۔

منکرین کہتے ہیں کہ قبر میں حیات ہو تو حیات جنت سے پہلے دو موتیں ہوں گی پہلی موت قبر میں جانے سے پہلے اور دوسری موت قبر میں جانے کے بعد حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف پہلی موت کے پھینکنے کا بیان کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل جنت جنت میں موت کو نہیں پھینکیں گے اور جس طرح دنیا میں ان کی نعمتیں موت سے منقطع ہو گئی تھیں جنت میں ان کی نعمتیں موت سے منقطع نہیں ہوں گی لہذا اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ دخول جنت سے پہلے ان پر کوئی اور موت نہیں آتی اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں پھینکیں گے تو یہ جنت میں ان پر موت نہ آنے کی یہ طور طریق بالاحال تاکید ہے یعنی اگر پہلی موت کا چکنا چکنا ہو تو وہ جنت میں پہلی موت پھینک لیتے لیکن پہلی موت کا چکنا تو ممکن نہیں ہے (کیونکہ وہ آجکی) اس لیے اب موت کا چکنا بھی ممکن نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ "الصورة الاولى" جس جس موت مراد ہے اور یہ موت کے حدود کے متناہی نہیں ہے کیونکہ جس حدود کو بھی شامل ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں کئی مردوں کو زندہ کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ بعض جنتی جنت میں آنے سے پہلے کی موتیں پھینک چکے تھے اس لیے ماننا پڑے گا کہ "الصورة الاولى" سے جس موت مراد ہے لہذا قبر میں حیات کے بعد دوبارہ موت آئی ہو اور دخول جنت سے پہلے جنتیوں نے دو موتیں پھینک لی ہوں تو یہ اس آیت کے متناہی نہیں ہے۔ دوسری آیت کہ مرید جس سے منکرین استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے:

وَمَا أَنْتَ بِمُتَّبِعٍ فَمَنْ فِي الْقُبُورِ (طہ: ۴۳) آپ ان کو نہ دیکھ سکتے ہیں جو قبروں میں ہیں

قبر والے اس لیے نہیں سن سکتے کہ وہ حیات سے عاری اور مردہ ہیں اور جب وہ مردہ ہیں تو عذاب قبر ثابت نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل قبور حاضر مع یعنی کانوں سے نہیں سنتے کیونکہ جسم تو کچھ عرصہ بعد گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے صرف ہڈیاں رہ جاتی ہیں اور کچھ عرصہ بعد ہڈیاں بھی نہیں رہتیں۔ اس لیے اس آیت میں حواس سے سننے کی نفی ہے اور اہل قبور حواس سے نہیں روح کی قوت سے سنتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کے سننے کی نفی ہے قبر والوں کے سننے کی نفی نہیں ہے یعنی جس طرح قبر والوں کے لیے ان کی موت کی وجہ سے آپ کی فصاحت کارگر نہیں ہے اسی طرح کفار مکہ پر بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ کی فصاحت کارگر نہیں ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار کو قبر والوں سے تعبیر دی گئی ہے اور یہاں مراد کفار ہیں اور اساماع کی نفی سے سامع کے طلق کی نفی مراد ہے یعنی آپ کفار میں سامع کو پیدا نہیں کرتے تو اگر کفار آپ کی فصاحت کو نہیں سنتے تو آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ الغرض اس آیت سے قبر والوں کے سننے کی نفی نہیں ہے اس لیے یہ آیت عذاب قبر کے خلاف نہیں ہے۔

عذاب قبر کے خلاف عقلی شبہات کے جوابات

علامہ ابی ناگی لکھتے ہیں:

خاصی میاض نے کہا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے اس کے برخلاف خوارج جمہور معتزلہ بعض مرجعہ (اور بعض روافض) عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں اہل حق کے نزدیک ایسے جسم کو عذاب ہوتا ہے یا جسم کے کسی جز میں روح

کولوتا نے کے بعد عذاب ہوتا ہے محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کرام اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ میت کو عذاب دینے کے لیے روح کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے یہ رائے فاسد ہے کیونکہ درد کا احساس صرف زندہ کے لیے مضور ہے اگر یہ اعتراض ہو کہ میت کا جسم اسی طرح بغیر کسی تغیر کے بڑا ہوتا ہے اور اس پر عذاب دیے جانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک آدمی خواب میں دیکھ رہا ہے کہ اس کو مار پڑ رہی ہے اور وہ خواب میں درد اور تکلیف بھی محسوس کرتا ہے لیکن اس کے پاس بیٹھے ہوئے بیدار شخص کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ وہ اس وقت کیا محسوس کر رہا ہے اسی طرح ایک بیدار آدمی کسی خیال کی وجہ سے لذت یا تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو پتا نہیں ہوتا کہ وہ لذت یا تکلیف کے کس عالم میں ہے اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آتی تھی آپ حضرت جبرائیل سے ہم کام ہوتے تھے اور حاضرین کو اس کا کوئی ادراک نہیں ہوتا تھا۔

علامہ ابی کہتے ہیں کہ مگرین عذاب قبر کی دلیل یہ ہے کہ میت سے سوال کرنا اور اس کو عذاب دیا جانا عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو قتل کیا گیا یا سولی پر چڑھایا گیا اور ایک مدت تک اس کی لاش پڑی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کے اجزاء پھٹ جاتے ہیں اور ہم اس پر سوال و جواب یا عذاب دیے جانے کے کوئی آثار نہیں دیکھتے اسی طرح جس شخص کو درد سے یا پرندے (مثلاً کدھ) کھا جاتے ہیں اور اس کے اجزاء ان کے پیٹ یا پاؤں میں ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ واضح یہ ہے کہ جو شخص جل کر راکھ ہو جاتا ہے تو ان کے متعلق سوال اور عذاب کا دعویٰ کرنا عقل کے خلاف ہے۔ ابن ابی قحطانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ مستبعد نہیں ہے کہ جس شخص کو سولی پر چڑھایا گیا ہو اس میں دوبارہ روح لوٹا دی جائے اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا جیسے حضرت جبرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور حاضرین اس کا مشاہدہ نہیں کر پاتے تھے۔ اسی طرح جو شخص درد سے کے پیٹ یا پرندے کے چوٹے میں ہو یا جل گیا ہو اس کے کسی ایک جز میں روح لوٹا دی جائے تو یہ ممکن ہے اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ عرق عادت ہے اور تمام امور اخروی ایسے ہی ہیں۔ (انکال اکمل المصنف ج ۹ ص ۳۸۸ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہم اس سے پہلے بہ کثرت احادیث کے حوالوں سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ قبر میں بندہ کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے فرشتے اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوالات کرتے ہیں اور وہ بندہ جوابات دیتا ہے۔ نہ جانے کیوں علامہ ابی کی ان احادیث کی طرف توجہ نہیں ہوئی اسی طرح دیگر علماء نے بھی قبر میں روح لوٹانے جانے کے مسئلہ میں تردد کیا ہے۔ حالانکہ مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۸-۱۲۸ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۱ میں اس کی صاف تصریح ہے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ نے (قبر میں) روح لوٹانے میں تردد کیا ہے انہوں نے کہا: حیات کے لیے روح لازم نہیں ہے یہ صرف امر عادی ہے بعض احناف میں سے جو معاد جسمانی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ جسم میں روح رکھی جاتی ہے وہ لذت اور الم کا ادراک کرتی ہے اور جن کا قول یہ ہے کہ جب بدن مٹی ہو جاتا ہے تو روح اس مٹی کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے اور روح اور مٹی دونوں کو الم ہوتا ہے اس قول میں یہ احتمال ہے کہ روح ایک جسم (لطیف) ہے اور بدن سے مجرد ہے اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ بعض احناف مثلاً امام ماتریدی اور ان کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ روح (جسم سے) مجرد ہے لیکن امام ماتریدی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! قبر میں گوشت کو روح کے بغیر کس طرح درد پہنچایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: جس طرح تمہارے دانت میں درد ہوتا ہے حالانکہ اس میں روح نہیں ہوتی اسی طرح موت کے بعد

جب روح جسم کے ساتھ متصل ہوگی تو اس میں درد ہوگا اگرچہ اس میں روح نہیں ہوگی اور اس حدیث کے موضوع ہونے کے آچار بالکل واضح ہیں اور یہ عقلی نہ رہے کہ مٹی سے مراد جسم کے پارکے اجزاء ہیں اور ان میں سے بعض اجزاء کے ساتھ بھی روح کا اتصال لذت اور الم کے ادراک کے لیے کافی ہے۔ (المسارح مع المسارح ص ۳۳۳-۳۳۴ دارالعارف للاستاذہ نعمان)

علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی متوفی ۸۸۱ھ لکھتے ہیں:

علامہ قونوی نے کہا کہ کفار کی رو میں ان کے جسموں کے ساتھ متصل ہوتی ہیں ان کی روحوں کو عذاب دیا جاتا ہے اور ان کے جسموں کو الم ہوتا ہے جیسے سورج آسمان میں ہوتا ہے اور اس کی روشنی زمین پر ہوتی ہے اور مومنین کی رو میں علیین میں ہوتی ہیں اور ان کا نور جسم کے ساتھ متصل ہوتا ہے جیسے سورج آسمان پر ہے اور اس کا نور زمین پر ہے۔

(شرح المسارح مع المسارح ص ۳۳۳ نعمان)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

انسان کے جسم کا جز اصلی وہ جز ہے جو اس کے جسم میں اقل عمر سے لے کر آخر عمر تک باقی رہتا ہے اور اس کے بدن کی فزہبی اور لاغری کے ہر دور میں وہ جز مشترک رہتا ہے اسی کی حیات سے سارے بدن کی حیات ہوتی ہے اور جب انسان مر جائے تو خواہ اس کو قبر میں دفن کر دیا جائے یا اس کو درندے کھالیں اس کے بدن کا وہ جز اصلی جس جگہ بھی ہواس کی روح اس جز کے ساتھ متعلق کر دی جاتی ہے اور اس تعلق کی وجہ سے اس میں حیات آ جاتی ہے تاکہ اس سے سوال کیا جائے پھر اس کو ثواب یا عذاب دیا جائے اور اس امر میں کوئی استبعاد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جزئیات اور کلیات کا عالم ہے اس لیے وہ بدن کے تمام اجزاء کو ان کی پوری تفصیل کے ساتھ جانتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون سا جز کس جگہ واقع ہے اور کون سا جز اس کے بدن کا جز اصلی ہے اور کون سا جز زائد ہے اور وہ جز اصلی اس کے عمل بدن میں ہو یا کائنات میں کہیں اکیلا ہو ہر حال میں اللہ تعالیٰ انسان کی روح کو اس جز کے ساتھ متعلق کرنے پر قادر ہے بلکہ اگر ایک انسان کے بدن کے تمام اجزاء مشارق اور مغارب میں منتشر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس انسان کی روح کو ان تمام اجزاء کے ساتھ متعلق کرنے پر بھی قادر ہے۔

(مرقاۃ ص ۲۰۳ ج ۱)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ جس میت کو عذاب دینا چاہتا ہے اس کو عذاب دیتا ہے خواہ اس کو قبر میں دفن کیا جائے یا اس کو کوئی پر لٹکا دیا جائے یا وہ سمندر میں غرق ہو جائے یا اس کو جانور کھالیں یا وہ مل کر رکھ ہو جائے اور اس کے ذرات ہوا میں منتشر ہو جائیں جس کو عذاب ہوتا ہے ہر حال میں عذاب ہوگا اور اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ عذاب اور ثواب کا مکمل روح اور بدن دونوں ہیں۔

(شرح الصدور ص ۶۷-۷۵ دارالکتب العربیہ لکھنؤی مصر)

عذاب قبر کی مزید وضاحت

ایک سوال یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کی قبر نہیں بنتی پھر ان کے حق میں عذاب قبر کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں میت کے اجزاء اصلیہ ہوں خواہ وہ زمین کا گڑھا ہو یا سمندر کی تہ یا جانور کا پیٹ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد بدن گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے پھر بدن پر عذاب کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بدن کے اجزاء اصلیہ کو اللہ تعالیٰ ہر حال باقی رکھتا ہے جن کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے اور ان پر عذاب کی کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ بسا اوقات جنگلی جانور انسانوں کو کھا جاتے ہیں اور اگر ان پر آگ کا عذاب ہوتا ہے تو اس سے

جانوروں کو تکلیف کیوں نہیں ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جانور عالم دنیا میں ہے اور اس کے اندر میت کے اجزاء پر عالم برزخ میں عذاب کی کیفیات گزر رہی ہیں اور ایک عالم کے احوال دوسرے عالم پر متکشف نہیں ہوتے مثلاً ہمارے پیٹ میں جب کیڑے ہوتے ہیں ان پر زندگی اور موت اور درد و راحت کے تمام احوال گزرتے ہیں اور ہم کو پتا نہیں چلتا۔ چوتھا سوال یہ ہے کہ کہا جاتا ہے: میت کو گرز سے مارا جاتا ہے وہ چیخا چلاتا ہے اس کے سر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں جسم جل جاتا ہے لیکن جب قبر کھود کر میت کو دیکھا جائے تو جسم اسی طرح پڑا ہوتا ہے۔ کسی چوٹ کا نشان نہ جلتے کا کوئی اور ٹوٹ پھوٹ نہ مار کی وجہ سے جسم میں حرکت اور اضطراب ہوتا ہے اس کا جواب بھی وہی ہے کہ یہ الگ الگ عالموں کے احوال ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنات اور فرشتوں سے باتیں کرتے تھے اسی مجلس میں صحابہ ہوتے تھے انہیں پتا نہ چلتا خواب میں کسی آدمی کو مار پڑتی ہے اور اسی عالم میں وہ درد و آفت محسوس کرتا ہے لیکن اس کے پاس پیٹھے بیدار شخص کو پتا نہیں چلتا اسی طرح برزخ کے احوال دنیا والوں پر متکشف نہیں ہوتے۔ پانچواں سوال ہے کہ قبر میں انسان زندہ رہ سکتا ہے تو کیا ہے ممکن ہے کہ کسی زندہ آدمی کو قبر میں دفن کر دیں اور وہ زندہ رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں زندگیوں کی نوعیت میں فرق ہے انسانی کے پیٹ میں بچہ زندہ ہوتا ہے لیکن اگر کسی انسان یا جانور کو انسانی کے پیٹ کا آپریشن کر کے اس میں ڈال دیا جائے تو وہ زندہ نہ رہ سکے گا۔

عذاب قبر پر ہم نے اس قدر تفصیلی بحث اس لیے کی ہے کہ شیعہ معتزلہ منکرین حدیث اور بہت سے آزاد خیال لوگ عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اس لیے میں نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے تاکہ اس کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہے اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس میں اثر آفرینی پیدا فرمائے۔ آمین۔ یارب العلمین بجاہ حبیبک سید المرسلین

دوزخ میں کافروں کا مباحثہ

المومن: ۴۷ میں ارشاد ہے: ”اور جب وہ دوزخ میں ایک دوسرے سے بحث کریں گے پس کز دور لوگ منکبہریں سے کہیں گے: ہم دنیا میں تمہارے بچے و کار تھے کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ دور کرنے والے ہو؟“

یعنی اسے سرداروں! کیا تم اس پر قادر ہو کہ ہم سے اس عذاب کا کچھ حصہ کم کر دو۔ ان بی و کاروں کو یہ علم تھا کہ ان کے کافر سردار اللہ تعالیٰ کے عذاب میں بالکل تخفیف نہیں کرا سکتے اس سوال سے ان کا مقصود یہ تھا کہ کافر سرداروں کو زیادہ سے زیادہ شرمندہ کیا جاسکے اور ان کے دلوں کو تکلیف پہنچائی جائے کیونکہ ان کافر سرداروں نے ہی اپنے بی و کاروں کو انواع و اقسام کی گم راہیوں میں جھٹلایا تھا اور جب بی و کار اپنے سرداروں سے یہ فرمائش کریں گے تو وہ جواب میں کہیں گے:

المومن: ۴۸ میں ارشاد ہے: ”منکبہریں کہیں گے: بے شک ہم سب دوزخ میں ہیں بے شک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے“

یعنی ہم سب دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہیں اگر تمہارے عذاب میں کمی کرانا ہماری قدرت میں ہوتا تو ہم اپنے عذاب میں کمی کرا لیتے اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرما چکا ہے اور جس کو اجر و ثواب دینا تھا اور جس کو جزا اور عذاب دینا تھا وہ دے چکا ہے پھر جب بی و کار اپنے سرداروں سے مایوس ہو جائیں گے تو جہنم کے محافضوں سے کہیں گے:

المومن: ۴۹ میں فرمایا: ”اور دوزخی جہنم کے محافضوں سے کہیں گے: تم اپنے رب سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب کم کر دے“

جہنم کے جس حصہ میں انہیں عذاب دیا جائے گا وہاں پر سخت عذاب ہو رہا ہوگا اور وہ جہنم بولنا کہ حصہ ہوگا اسی

لیے وہ جہنم کے محافظوں سے فریاد کریں گے۔

المومن: ۵۰ میں فرمایا: ”محافظ کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ دوزخی کہیں گے: کیوں نہیں؟“ محافظ کہیں گے: پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض گمراہی میں ہوتی ہے“^{۵۰}

محافظوں کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ انسان احکام کا اسی وقت ملکف ہوتا ہے جب اللہ کے رسول احکام شریعہ لے کر آجائیں اور رسولوں کے آنے سے پہلے انسان کے لیے ہر فعل مباح ہے اور کوئی کام اس کے لیے شرعاً ممنوع نہیں ہے کیونکہ ابھی احکام شریعہ نازل ہی نہیں ہوئے اس لیے کہا جاتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

آخرت میں کفار کی دعاؤں کو قبول نہ فرماتا آیا اللہ تعالیٰ کے رحیم و کریم ہونے کے منافی ہے یا نہیں؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس آیت پر ایک اعتراض کر کے اس کا جواب لکھا ہے امام رازی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچنا تو محال ہے اس لیے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ان کفار اور مشرکین کے جرائم سے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچتی ہو اور اس ایذا کا انتقام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کو اس قدر سخت اور دائمی عذاب دے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ان مشرکین کو اس قدر عظیم عذاب دینا محض ان کو ضرر پہنچانا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہے نہ اس کے کسی بندہ کو اور یہ ایسا ضرر ہے جس میں کسی اعتبار سے کوئی نفع نہیں ہے تو اس رحیم و کریم کے یہ کیسے لائق ہے کہ وہ ان مشرکین کو دھما ابد الابد تک درد اور ضرر پہنچائے اور ان کی کسی حاجت پر رحم نہ فرمائے اور ان کی کوئی دعا قبول نہ فرمائے اور ان کے گڑگڑانے اور عاجزی کرنے پر کوئی توجہ نہ فرمائے اور اگر انسانوں میں سے کوئی انتہائی سنگ دل اور شقی انسان بھی اپنے کسی غلام کو ایسی سخت سزا دیتا اور اس کا خادم اس سے درود کر معافی مانگتا تو وہ ضرور اس پر رحم کر کے اس کو معاف کر دیتا جب کہ اس انسان کو اپنے خادم کی خدمت سے نفع ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی سے اس کو نقصان ہوتا ہے اور اس انسان کو اپنے اس خادم کی احتیاج بھی ہوتی ہے تو وہ اکرم الاکرمین جو اپنے بندوں سے بالکل بے نیاز ہے جسے ان کی مطلقاً کوئی احتیاج نہیں ہے اس کو کب زیاہے کہ وہ ان مشرکین کو ابد الابد تک سزا دیتا رہے اور ان کو درد پہنچاتا رہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی غرض نہیں ہوتی اور وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے ”لَا يَسْتَلْ عَنَّا بِعَلْعَلْ وَهُوَ يَسْتَلْ عَنَّا“^{۵۱} (الغیر ۴۳) اور جب اس نے اپنی اس کتاب میں یہ فیصلہ فرمایا تو اس کا اقرار کرنا واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۲۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ امام رازی پر رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے ان کی اس تقریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مشرکین کے اس قدر گڑگڑا کر فریاد کرنے آدھ زاری سے معافی مانگنے اور درود کر تو یہ کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ان کو معاف نہ فرماتا اور ان کو مسلسل ابد الابد تک درد اور اذیت میں مبتلا رکھتا اس کی شان کریمی کے لائق تو نہیں ہے وہ بے نیاز ہے اسے مشرکین کو سزا دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے اس کے مقابلہ میں کوئی سخت سے سخت دل کا انسان ہوتا تو وہ بھی اپنے غلام کو معاف کر دیتا اور وہ اکرم الاکرمین ہو کر اپنے بندہ کو معاف نہیں کر رہا ’سو ایسی بے مہری اس کے لائق تو نہیں ہے لیکن وہ حاکم مطلق ہے اس پر کوئی اعتراض ہو نہیں سکتا اس کی جناب میں کسی چن و چن کی مجال نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام رازی نے اللہ تعالیٰ کی بے رحمی کی تصویر تو بہت تفصیل سے کھینچی ہے کفار اور مشرکین کے جرائم کی عکاسی نہیں بیان کی ’اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ان کی ضرورت اور راحت کی ہر چیز ان کو مہیا کی‘ مسلمانوں اور اپنے فرماں بردار بندوں سے زیادہ ان کو عفتیں عطا فرمائیں۔ دنیا میں ان کو بے پناہ مادی قوتوں سے نوازا ہر طرح کے عیش و آرام میں رکھا اور ان

سے صرف اتنا چاہا کہ وہ اس عظیم محسن اور منعم کو مان لیں صرف اتنا اقرار کر لیں کہ یہ تمام نعمتیں اس نے دی ہیں تو انہیں آیت میں کوئی سزا نہیں ہوگی اور جنت کی دائمی نعمتیں ملیں گی۔ ”مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ“ (انعام: ۱۰۷) میں ان مشرکوں نے یہ اقرار کر کے نہیں دیا کہ ان پر یہ انعام و اکرام کرنے والا وہ واحد لا شریک ہے بلکہ اس کے برعکس وہ کبھی ان نعمتوں کے دینے کی نسبت اپنے جیسے انسانوں کی طرف کرتے، کبھی ان کی تصویروں اور ان کے مجسموں کی طرف نسبت کرتے کبھی اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کی طرف نسبت کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بار بار فرما تا رہا کہ مجھے مانو مجھ سے مدد طلب کرو میرے آگے سر جھکاؤ مگر یہ اوروں کو داتا اور منعم کہتے رہے بتوں کے آگے گڑگڑاتے رہے ان سے فریاد کرتے رہے اس نے ان کو سمجھانے کے لیے بار بار نبیوں اور رسولوں کو بھیجا انہوں نے ایک نئی نئی آیتیں اس نے ان کو نصیحت کرنے کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل کیے انہوں نے کوئی اثر قبول نہ کیا اس نے بار بار کہا یہاں اس دنیا میں تو پہ کرو یہاں معافی مانگو مرنے سے پہلے زندگی میں صرف ایک بار شرک سے برأت کا اظہار کرو اور توحید کا اقرار کر لو میں تم کو بخش دوں گا“ کچھ سارے گناہ معاف کر دوں گا“ تم نے میرے نبیوں اور رسولوں کو ستایا ہو میرے وفادار اور اطاعت گزار بندوں پر ظلم کیا ہو ان کو قتل کیا ہو آسمان کے ستاروں ریت کے ذروں درختوں کے پتوں اور سمندر کے قطرہوں سے زیادہ گناہ کیے ہوں میں سب سے درگزر کر لوں سب گناہوں کو معاف کر دوں گا“ بس زندگی میں مرنے سے پہلے صرف ایک بار توحید کا اقرار کر لو دیکھو یہی اس دنیا میں تو پہ کرو یہیں معافی مانگو یہی تو پہ کی جگہ ہے آخرت میں تو پہ قبول نہیں ہوگی“ تم نے دنیا میں تو پہ نہیں کی اب آخرت میں تو پہ کر رہے ہو یہ چاہتے ہو کہ میں آخرت میں تمہاری تو پہ قبول کر کے اپنی وعید کے خلاف کروں اور جھوٹا ہو جاؤں سنو میں جھوٹا نہیں ہوں۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالدِّينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ

ہے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں (بھی) مدد فرمائیں گے اور اس دن (بھی) جس دن

يَقُومُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذَرَتُهُمْ

گواہ کھڑے ہوں گے ۝ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى

ان کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے بُرا گھر ہو گا ۝ اور بے شک ہم نے موسیٰ کو (کتاب)

وَاورِثَتْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ الْكِتَابِ ۝ هُدًى وَذِكْرَى لِأُولَى

ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا ۝ (وہ) عقل والوں کے لیے

الْاَلْبَابِ ۝ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ

ہدایت اور فصاحت ہے ۝ سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور آپ اپنے بہ ظاہر

وَسَيَرْجِعُ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَنِيِّ وَالْإِنْكَارِ ۝۵۵

غلاف اولیٰ کاموں کے لیے بخشش طلب کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے ۝ بے شک جو لوگ

يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ يَغْيِرُ سُلْطٰنُ اٰتِهِمْ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آتی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کر رہے ہیں ان کے دلوں

اِلَّا كِبْرُ مَا هُمْ بِبِالْغِيَةِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ

میں صرف بڑا بننے کی ہوس ہے جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے بے شک وہ خوب سننے والا

الْبَصِيْرُ ۝۵۶ لَخَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْكِبْرُ مِنْ خَلْقِ

بہت دیکھنے والا ہے ۝ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷ وَمَا يَسْتَوِي

سے ضرور بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۝ اور انہما اور دیکھنے

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ

والا برابر نہیں ہے اور نہ مؤمنین صالحین بدکاروں کے برابر ہیں

لَا الْمُسِيْءُ ۚ قَلِيْلًا مَّا تُذَكَّرُوْنَ ۝۵۸ اِنَّ السَّاعَةَ لَا تِيْءُ

تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو ۝ بے شک قیامت ضرور

لَا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۹ وَقَالَ

آنے والی ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ۝ اور تمہارے رب نے فرمایا:

رَبُّكُمْ اَدْعُوْنِيْ ۙ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ

تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا بے شک جو لوگ ہماری عبادت سے

عَنْ عِبَادَاتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰

تکبر کرتے ہیں وہ عتریب دولت سے جہنم میں داخل ہوں گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگی میں (بھی) مدد فرمائیں گے اور اس دن (بھی) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے O جس دن غالموں کو ان کی حضرت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ان کے لیے لعنت ہو گی اور ان کے لیے نرا گھر ہوگا O اور بے شک ہم نے موسیٰ کو (کتاب) ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا O (وہ) عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے O (المومن ۵۳-۵۴)

رسولوں اور مومنوں کی نصرت کے محامل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور آل فرعون کے مرد مومن کو فرعون کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد فرمائے گا اس آیت میں رسولوں سے اور ایمان والوں سے کون مراد ہیں؟ اس میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ رسولوں سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ایمان والوں سے مراد آل فرعون کا مرد مومن ہے یہ دونوں اگرچہ واحد ہیں لیکن ان کو تفکیکاً جمع سے تعبیر فرمایا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ رسل سے مراد عام رسول ہیں اور "الصلہین امنوا" سے مراد عام مومنین ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی جو مدد فرمائے گا اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ رسولوں اور ایمان والوں کی دلائل اور حجت سے مدد فرمائے گا کیونکہ دلائل اور حجت سے جو مدد کی جاتی ہے وہ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان کی تعریف و تحسین سے مدد فرمائے گا کیونکہ ظالم اس پر قادر نہیں ہے کہ لوگوں کی زبانوں سے ان کی تعریف و تحسین کو سلب کر لے۔

(۳) بعض اوقات مردانِ راہِ خدا کو حق کی راہ میں کچھ مشکلات پیش آتی ہیں لیکن وہ بالآخر ان کے لیے ترقی و درجات کی موجب ہوتی ہیں۔

(۴) اہل باطل کے مرنے کے بعد ان کے آثار مٹ جاتے ہیں اور حق گو ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں "لوگ ان کے نیک اعمال کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں:

(۵) اس نصرت سے مراد انتقام اور انتقام بھی ہو سکتا ہے یعنی جن لوگوں نے رسولوں کو اور مومنوں کو اذیت پہنچائی اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لے گا خواہ ان کے سامنے یا ان کے پس پشت یا ان کی وفات کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ حضرت زکریا اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے اعداء اور قاتلوں سے انتقام لیا اسی طرح نمرود کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا اور جن یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دیا تھا ان پر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے یہودیوں کی اہانت کی اور ان کو ذلیل کر دیا اور قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے وہ عدل و انصاف سے فیصلے کریں گے اور مسیح دجال کو اور یہودیوں کو قتل کریں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے اس وقت اسلام کے سوا کوئی مذہب قبول نہیں کیا جائے گا اور زمانہ قدیم سے اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں یہی سنت ہے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی مدد فرماتا ہے اور جن کو ایذا دے اس سے انتقام لے کر ان کی آنکھیں غمزدی کرتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے مجھ سے اعلان جنگ کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۶۵۰۴) اور

دوسری حدیث میں ارشاد ہے: میں اپنے اولیاء کے لیے اس طرح حملہ کرتا ہوں جس طرح شیر حملہ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو اور عاد اور ثمود کو اور اصحاب الرس کو اور قوم لوط کو اور اہل مدین کو اور ان جیسے دیگر دشمنان اسلام کو ہلاک کر دیا۔ جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان کے درمیان جو مومنین تھے ان کو بھارت دے دی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی نصرت فرمائی اور جن لوگوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ سے عداوت رکھی ان سب کو مغلوب اور آپ کو ان سب پر غالب کر دیا آپ کے دین کو تمام ادیان پر سر بلند کر دیا آپ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا جب آپ مدینہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو آپ کا ایمان اور انصاف بتا دیا پھر جنگ بدر کے دن آپ کی مدد فرمائی اور حملہ آور کافروں کو شکست دی ان میں سے ستر کافر مارے گئے اور ستر قید کیے گئے پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے مکہ پر آپ کو اور مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور اپنے شہر میں پہنچ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس حرمت والے شہر کو کفر اور شرک سے پاک کر دیا اور تمام جریمہ عرب آپ کے زیر فرمان ہو گیا اور لوگ فوج و در فوج اسلام میں داخل ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمائی اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب خلفاء ہوئے انہوں نے اللہ عزوجل کے دین کی تبلیغ کی اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی حتیٰ کہ زمین کے تمام مشرقی اور مغربی میں دین اسلام پھیل گیا اور یوں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا کہ اللہ عزوجل اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد فرماتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۰ دار الفکر ۱۴۱۸ھ)

کفار اور مشرکین کے اندر کار کا ناقابل قبول ہونا

المومن: ۵۳ میں فرمایا: ”جس دن خالوں کو ان کی محذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا“ ان کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے نہ گھر ہوگا“

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مومنوں کے عظیم ثواب کی خبر دی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے دن جب اولین اور آخرین جمع ہوں گے تو مومنین جنت میں بلند درجات پر فائز ہوں گے اور ان کے مخالف اور دشمن ذلت میں ہوں گے۔

اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اپنے شرک پر عذر پیش کریں گے لیکن ان کے عذر سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور قرآن مجید میں دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلَا يُؤْخَذُ عَنْهُمُ الْعَهْدُ وَهُمْ يَمُوتُونَ (المرسلات: ۳۶)

ان دونوں آیتوں میں تضاد نہیں ہے المومن: ۵۳ کا تقاضا ہے کہ وہ عذر پیش کریں گے اور المرسلات: ۳۶ کا تقاضا ہے کہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ المومن: ۵۳ کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ عذر پیش کریں گے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسا عذر نہیں ہوگا جو انہیں فائدہ پہنچا سکے اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے کسی وقت میں وہ عذر پیش کریں گے اور دوسرے وقت میں وہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی دنیا میں نصرت

المومن: ۵۳ میں فرمایا: ”اور بے شک ہم نے موسیٰ کو (کتاب) ہدایت دی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا“ وہ متعل والوں کے لیے ہدایت اور نصرت ہے“

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: ”اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا اور آخرت میں نصرت فرماتا ہے“

دو آجوں میں رسولوں اور ایمان والوں کی دنیا میں نصرت فرمانے کی ایک نوع بیان فرما رہا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی۔

اس ہدایت سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو دنیا میں بہت زیادہ علوم نافع عطا فرمائے اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت پر بہت دلائل اور معجزات عطا فرمائے اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب ہدایت عطا فرمائی جو تورات ہے۔

المومن ۵۳: میں ایمان والوں کی نصرت کا ذکر فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔

اس سے تورات کی وراثت بھی مراد ہو سکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی تو بنی اسرائیل نے تورات میں مذکور احکام شرعیہ اور دیگر سورتوں اور آجوں کا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل کیا پھر نسل در نسل یہ علم ان میں منتقل ہوتا رہا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے صرف تورات کی وراثت مراد نہ ہو بلکہ وہ تمام کتابیں مراد ہوں جو انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوئی ہیں یعنی تورات زبور اور انجیل۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ”یہ کتاب عقل والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے“ ہدایت اور نصیحت میں یہ فرق ہے کہ ہدایت کا معنی ہے کہ ایک ایسی چیز بتائی جائے جو کسی دوسری چیز پر دلیل ہے اور اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس سے وہ چیز یاد آ جائے جو پہلے بھول چکی ہو اور ذکر کی اور نصیحت سے مراد عام ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی سادہ کتابوں کی وہ آیات جو عقائد صحیحہ اور احکام شرعیہ پر دلیل ہیں اور وہ آیات جن میں انہیں عقائد اور احکام کو یاد دلایا ہے اور ان کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی نصیحت فرمائی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں یہ دونوں چیزیں ہیں عقائد اور احکام پر دلائل بھی ہیں اور ان پر عمل کرنے کی نصیحتیں بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ صبر کیجئے“ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور آپ اپنے یہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے O بے شک جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آجوں میں جھگڑا کر رہے ہیں ان کے دلوں میں صرف بڑا بے کی ہوس ہے جس تک وہ جھنجھنے والے نہیں ہیں سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے بے شک وہ خوب سننے والا بہت دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (المومن: ۵۵-۵۵)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت

اس سے پہلی آجوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کی مدد فرماتا ہے اور اس کی مثال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا اب اس کے بعد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرما رہا ہے کہ آپ صبر کیجئے“ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے“ اللہ تعالیٰ آپ کی اس طرح مدد فرمائے گا جس طرح پہلے رسولوں کی مدد فرمائی تھی اور اللہ آپ سے کیا ہوا وعدہ اسی طرح پورا فرمائے گا جس طرح پہلے رسولوں سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمایا تھا اور آپ سے فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ رہیں جس سے آپ کو دنیا اور آخرت میں نفع ہوگا کیونکہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ پھر جامع اطاعت یہ ہے کہ جو کام نہیں کرنے چاہئیں بندہ ان سے توبہ کرے اور جو کام کرنے چاہئیں بندہ ان میں مشغول رہے اس لیے اول الذکر کے متعلق آپ سے فرمایا: ”اور آپ اپنے یہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے“ اور ثانی الذکر کے متعلق فرمایا: ”اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ صبح اور شام تسبیح کیجئے“۔

(نہادی رضوی ج ۵ ص ۵۷۷ مکتبہ رضویہ کراچی)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں مجازاً شکر کی ادائیگی میں کسی کو ذنب فرمایا ہے اور وہ گناہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور متناہی وقت میں غیر متناہی نعمتوں پر شکر ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے یہ مجاز مرسل ہے۔

(۲) (۵) بلکہ خود نفس عبارت گناہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقت ذنب بمعنی گناہ نہیں "ما تقدم" سے کیا مراد اولیٰ اونیٰ وتر نے سے پیشتر کے اور گناہ کے کہتے ہیں مخالفت فرمان کو اور فرمان کا ہے سے معلوم ہو گا وہی سے توجہ تک وہی نہ اوتری تھی فرمان کہاں تھا جب فرمان نہ تھا مخالفت فرمان کے کیا معنی اور جب مخالفت فرمان نہیں تو گناہ کیا؟ (نہادی رضوی ج ۵ ص ۷۷۷) اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ الفتح ۲: میں "ما تقدم" کو گناہ فرمایا ہے حالانکہ نزول وہی سے پہلے آپ نے جو کام کیے وہ گناہ ہو ہی نہیں سکتے اس لیے ان پر گناہ کا اطلاق مجازی ہے یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

(۳) (۶) جس طرح "ما تقدم" میں ثابت ہو گیا کہ حقیقت ذنب نہیں ہو ہیں "ما تلاحق" میں نقد وقت ہے قبل ابتداء نزول فرمان جو افعال جائزہ ہوئے کہ بعد کو فرمان لو گئے منع پر اوتر اور اوتیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ اولیٰ اونیٰ حقیقت گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا یہ ہیں بعد نزول وہی و عہد رسالت بھی جو افعال جائزہ فرمائے اور بعد کو لوگی ممانعت اوتری اونیٰ طریقے سے ان کو "ما تلاحق" فرمایا کہ وہی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعہ۔ (نہادی رضوی ج ۵ ص ۷۷۷) اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ الفتح ۲: میں "ما تلاحق" کو بھی گناہ فرمایا حالانکہ جن کاموں کے کرنے کے بعد ان کی ممانعت نازل ہوئی وہ کیسے گناہ ہو سکتے ہیں لہذا "ما تلاحق" پر بھی گناہ کا اطلاق مجازی ہے یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

ساتواں بندہ کسی کو وید کی عبارت پر مشتمل الزامی جواب ہے اس کو ہم نے ترک کر دیا آٹھواں جواب یہ ہے:

(۳) (۸) استدلال بڑی ذمہ داری کا کام ہے آری یہ پیچھا کیا کھا کر اوس سے عہدہ ہوا ہو سکتا ہے۔

نہا شد بہ آئین تحقیق وال

شرط تہائی استدلال قطع ہر احتمال ہے علم کا قاعدہ مسلمہ ہے "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" "سورۃ مؤمن و سورۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیت کریمہ میں کوئی دلیل قطعی ہے کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مؤمن میں تو آتا ہے "واستعصم للذنبک" اسے شخص اپنی خطا کی معافی چاہ کسی کا خاص نام نہیں کوئی دلیل شخصیت کا کام نہیں قرآن عظیم تمام جہاں کی ہدایت کے لیے اوترانہ صرف اوس وقت کے موجود ہیں بلکہ قیامت تک کے آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے "اقیموا الصلوۃ" نماز پر پارکھو یہ خطاب جیسا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تہا قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی اسی قرآن عظیم میں ہے "لا تسلموکم سمہ و من بلغ" کتب کا عام قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے ہاں اسعدک اللہ تعالیٰ میں کوئی خاص شخص مراد نہیں خود قرآن عظیم میں فرمایا: "ارایت الہدیٰ ینہی عبدا اذا صلی ارایت ان کسان علی الہدیٰ او امر بالانصواء" "ابو جہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا اوس پر یہ آیات کریمہ اوتریں کہ کیا تو نے دیکھا اوسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھ تو اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا پر بیہزار گاری کا حکم فرمائے یہاں بندے سے مراد حضور اقدس ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور خطاب کی ہر سامع کی طرف بلکہ فرماتا ہے: "فما یکنذبک بعد بالذین" "ان روشن دلیلوں کے بعد کیا چیز تجھے روز قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہو رہی ہے یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ اون میں بھی خاص منکران قیامت مثل مشرکین آری وہ بندہ سے

یو ہیں دونوں سورہہ کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لیے ہے کہ اے سننے والے! اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ (تذاتی رضویہ ص ۷۹)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت (المومن: ۵۵) اور (محمد: ۱۹) میں بالخصوص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ ہر سننے والے مسلمان سے خطاب ہے کہ تم اپنے اور سب مسلمانوں کے گناہوں کے لیے استغفار کرو۔ یہ تقریباً ہے۔ (۹) بلکہ آیت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں اس کی ابتداء یوں ہے "فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" چنانچہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی معافی چاہ تو یہ خطاب اس سے ہے جو ابھی لا الہ الا اللہ نہیں جانتا ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے سننے والے! تجھے ابھی تو حید پر یقین نہیں کئے باشد تو حید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ محمدؐ آیت میں اس عموم کو واضح فرما دیا کہ "وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُقَبِّحُكُمْ وَمُنَظِّمٌ" اللہ جانتا ہے جہاں تم سب لوگ کروٹیں لے رہے ہو اور جہاں جہاں تم سب کا ٹھکانہ ہے اگر "فَاعْلَمْ" میں تاویل کرے تو "ذَنْبُكَ" میں تاویل سے کون مانع ہے اور اگر "ذَنْبُكَ" میں تاویل نہیں کرتا تو "فَاعْلَمْ" میں تاویل کیسے کر سکتا ہے دونوں پر ہمارا مطلب حاصل اور مدعی معافہ کا استدلال زائل۔

(تذاتی رضویہ ص ۷۹-۷۷)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ "وَأَسْتَغْفِرُ لَذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" (محمد: ۱۹) میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ کافر سے خطاب ہے کہ تو اللہ کی تو حید پر ایمان لا پھر اپنے لیے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے استغفار کر۔ یہ بھی تقریباً ہے۔

(۶) (۱۰) دونوں آیت کریمہ میں صیغہ امر ہے اور امر انشاء ہے اور انشاء وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بغرض وقوع استغفار واجب نہ ہے کہ معاذ اللہ واقع ہوا ہے کسی سے کہنا: "احکوم حیفک" "اپنے مہمان کی عزت کرنا اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے نہ یہ خبر ہے کہ خواہی خواہی کوئی مہمان آئیگا ہی بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔ (تذاتی رضویہ ص ۷۷)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ فرض محال آپ سے گناہ ہو جائے تو آپ اپنے گناہ پر استغفار کریں اور یہ قضیہ واقعی نہیں ہے بلکہ غرضیہ انشاء ہے۔ یہ المومن: ۵۵ اور محمد: ۱۹ دونوں کا جواب ہے یہ مجاز مرسل ہے۔

(۷) (۱۱) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عہد ہی سے خاص نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ "وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ" آدم نے اپنے رب کی معصیت کی حالانکہ خود فرماتا ہے: "فَنَسِيَ" ولم نجد له عزماً "آدم بھول گیا ہم نے اس کا قصہ نہ پایا لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اس پر مواخذہ خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی: "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَاْنَا" اے ہمارے رب! ہمیں نہ چڑا اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔ (تذاتی رضویہ ص ۷۷)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ المومن: ۵۵ اور محمد: ۱۹ میں امر ایہ ہے کہ جو گناہ بھولے سے ہو جائے اس پر آپ استغفار کریں اور گناہ کی حقیقت عہد معصیت اور تا فرامی کرنا ہے سو ان دونوں آیتوں میں ذنب کا اطلاق مجازی ہے یہ بھی مجاز مرسل ہے۔

(۸) (۱۲) جتنا قرب زائد اوی قدر احکام کی شدت زیادہ ع جن کے رجبے ہیں سوا اودن کو سوا مشکل ہے۔ بادشاہ جہار طویل القدر ایک جنگلی گنوا کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا شہریوں میں بازار یوں

سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے اس لیے وارد ہوا "حسنات الابرار مہیات المعرین" نیکوں کے جو تک کام ہیں معرینوں کے حق میں گناہ ہیں وہاں ترک کوئی کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک کوئی ہرگز گناہ نہیں۔

(نہادی رضویہ ج ۷ ص ۷۷)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں آجوں میں اسی طرح "لَيَسْفِرَنَّ لَكَ اللَّهُ مَا تَكْتُمُ مِنْ دَنَائِكَ وَمَا تَكْتُمُ" (فتح ۲) میں خلاف کوئی کاموں پر ذنب کا اطلاق فرمایا ہے اور خلاف کوئی گناہ نہیں ہوتا یہ اطلاق مجازی ہے یہ بھی مجاز مرسل ہے۔ (۱۳) آری یہ پیچھے جس کے باپ دادا نے بھی کبھی عربی کا نام نہ سنا اگر نہ جانے تو ہر کوئی طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لیے کوئی طلبتہ بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی اردو ہندی سب زبانوں میں رائج ہے مکان کو جس طرح اوس کے مالک کی طرف نسبت کریں یوں یہاں کی طرف۔ یوں ہیں جو عاریت لے کر بس رہا ہے اوس کے پاس ملنے آئے گا بھی کہے گا کہ ہم ملانے کے گھر گئے تھے بلکہ یہ پیش کرنے والے جن کھیتوں کو باپ رہے ہوں ایک دوسرے سے پوچھتے گا: تمہارا کھیت کسے جریب ہوا یہاں نہ ملک نہ اجارہ نہ عاریت اور اضافت موجود یوں ہیں بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں سے یہ عطا ہوا تھا تو "ذنبک" سے مراد اہل بیت کرام کی اغوشیں ہیں اور اوس کے بعد "وللمؤمنین والمؤمنین" تعیم بعد تخصیص ہے یعنی شفاعت فرمائیے اپنے اہل بیت کرام اور سب مسلمان مردوں عورتوں کے لیے اب آریہ کے اوس جنون کا بھی علاج ہو گیا کہ بیرونوں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے تعیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے: "وب اغفر لی ولوالدی ولعن دخلی یعنی مؤمنانہ وللمؤمنین والمؤمنات" اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔ (نہادی رضویہ ج ۷ ص ۷۷-۷۸)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ "وَالسَّافِرُونَ لِلْأَنْفَاقِ" (نور ۱۹) میں اہل بیت کی اغوشیں مراد ہیں "وللمؤمنین والمؤمنات" سے عام مسلمان مردوں اور عورتوں کی اغوشیں مراد ہیں اور یہ تعیم بعد تخصیص ہے اس میں مجاز بالخلف ہے۔ (۱۰) (۱۳) اسی وجہ پر کریمہ سورہ فتح میں لام لک لقلیل کا ہے اور "ما تقدم من ذنبک" تمہارے انگوں کے گناہ واقعی سیدنا عبد اللہ و سیدنا آمنہ رضی اللہ عنہما سے متعلق ہے نسب کریم تک تمام آباء کے کرام و امہات طیبات باشتائے انبیائے کرام مثل آدم و شیث و نوح و یونس و ایشیل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور "ما تلاحو" تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہل بیت و امت مرحومہ تو حاصل کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے فتح میں فرمائی تاکہ اللہ تمہارے سب سے بخش دے تمہارے علاقہ کے سب انگوں پچھلوں کے گناہ۔ والحمد للہ رب العالمین (نہادی رضویہ ج ۷ ص ۷۸)

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ: ۲۰ میں "ما تقدم" سے آپ کے تمام آباء کرام کے گناہ اور "ما تلاحو" سے آپ کے تمام اہل بیت کے گناہ مراد ہیں اور اس میں بھی مجاز بالخلف ہے۔

(۱۱) (۱۵) "ما تقدم وما تلاحو" سے قبل و بعد نزول وحی کا ارادہ جس طرح عبارت تعبیر میں مصرع تھا آیت میں قطعاً محتمل اور ہم بیت کر چکے ہیں کہ اب حقیقت ذنب خود منقطع و اللہ الحمد و علی شفیق الرحمن و بارک وسمی الی یوم الدین و علی آلہ و صحبہ اجمعین واللہ تعالیٰ اعلم۔ (نہادی رضویہ ج ۷ ص ۷۸)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ: ۲۰ میں ذنب سے مراد نزول وحی سے پہلے یا نزول وحی کے بعد کے کام مراد

ہیں اسی طرح المؤمن: ۱۵۵ اور محمد: ۱۹ میں بھی یہ احتمال ہے کہ ان ہی ناموں پر مجازاً ذنب کا اطلاق ہو اور یہ بھی مجاز مرسل ہے۔
 حقیقت میں مفسرین اور اہل اہلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے جوابات کی بناء تفریض پر ہے یعنی ذکر آپ کا ہے اور مراد عام مخاطب ہے یا جوابات کی بناء مجاز مرسل پر ہے یعنی ذنب سے مراد یہ ظاہر خلاف اولیٰ کا کام ہیں یا مجاز بالخلف پر ہے یعنی یہ ظاہر ذنب کی اضافت آپ کی طرف ہے اور مراد آپ کے اقارب یا آپ کے اگلے پچھلے (آباء اور اقارب) ہیں اور ان کے ذکر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک راجح جواب وہ ہے جس کی بناء مجاز مرسل پر ہے یعنی گناہ کی اضافت آپ کی طرف ہے اور گناہ سے مراد حقیقتاً گناہ نہیں ہیں بلکہ یہ ظاہر خلاف اولیٰ کا کام ہیں اور باقی دونوں جواب مروج ہیں فتاویٰ رضویہ میں اہل حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس اعتراض کے اصل گیارہ جواب ذکر کیے ہیں جن میں سے دو کی بناء تفریض پر ہے دو کی بناء مجاز بالخلف پر ہے اور سات جوابات کی بناء مجاز مرسل پر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حضرت کے نزدیک بھی مختار جواب یہی ہے اتفاق سے اہل حضرت کے ترجمہ قرآن کنز الایمان میں اللع: ۲ المؤمن: ۱۵۵ اور محمد: ۱۹ کا ترجمہ مجاز بالخلف کے طریقہ پر کیا گیا ہے اس وجہ سے عوام میں یہی جواب مشہور ہو گیا حالانکہ یہ اہل حضرت کا مختار جواب نہیں ہے۔ اسی لیے فتاویٰ رضویہ میں ان جوابوں کو بالکل آخر میں ذکر فرمایا ہے حالانکہ اہل حضرت کا مختار جواب وہ ہے جس کی بناء مجاز مرسل پر ہے اور ان آیات میں ذنب سے مراد مجازاً یہ ظاہر خلاف اولیٰ کا کام ہیں اور ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ کا مختار بھی یہی جواب ہے اسی لیے آپ نے اللع: ۲ المؤمن: ۱۵۵ اور محمد: ۱۹ آیات کا ترجمہ اسی اعتبار سے فرمایا ہے اور ہم نے بھی یہ غور تحقیق کرنے کے بعد شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۶۶ اور ج ۷ میں اس ترجمہ کو راجح قرار دیا ہے اور اس ترجمہ کی وجہ ترجیح بھی بیان کر دی ہے اور بیان القرآن میں بھی اس ترجمہ اور اسی تحقیق کو برقرار رکھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ جب ذنب کی نسبت آپ کی طرف ہو تو اس سے مراد خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ تہذیبی ہے اور اہل حضرت نے فتاویٰ رضویہ میں متعدد جگہ یہ تصریح کی ہے کہ مکروہ تہذیبی اور خلاف اولیٰ گناہ نہیں ہے۔

دیکھئے فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱ ج ۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی۔ اسی طرح فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۲۵۶ اور ج ۱ ص ۳۵۰-۳۴۹ طبع رضا فاؤنڈیشن لاہور میں بھی اس کی تصریح ہے۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کرنے کا حکم دیا اور احادیث میں ذکر ہے کہ آپ ایک دن میں ستر بار اور بعض میں سے کہ آپ دن میں سو بار توبہ فرماتے تھے اس توبہ اور استغفار سے مراد آپ کے درجات میں اضافہ اور ترقی ہے۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز تفتی بار استغفار کرتے تھے اور آپ کے استغفار کا محمل

اہل حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

وہ خود کثیر التوبہ ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے: میں روز اللہ سبحانہ سے سو بار استغفار کرتا ہوں۔ شرح الشفا والمرقاۃ واللمعات والجمع پر رح (ط) اللطیف والزرقاتی ہر ایک کی توبہ اس کے لائق ہے۔ حسنات الابوار مسينات العقوبین (نیکیوں کی خوبیاں مقربین کے گناہ ہیں) حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن ترقی مقامات قرب و مشاہدہ میں ہیں۔ "وللاصغرہ خیر لک من الاولی" (آپ کے لیے ہر چھٹی ساعت سے دوسری افضل ہے۔ ت) جب ایک مقام اجل و اعلیٰ پر ترقی فرماتے گزشتہ مقام کو یہ نسبت اس کے ایک نوع تصحیر تصور فرما کر اپنے رب کے حضور توبہ و استغفار لاتے تو وہ ہمیشہ ترقی اور ہمیشہ توبہ بے تقصیر میں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم مطالع مع بعض زیادات مثنیٰ۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۵۳-۶۵۴ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اہل حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے صحیح بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں روز سو بار اللہ سبحانہ سے استغفار کرتا

تقریباً ہے اور ان کو اس طرح متوجہ کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حمد اور تسبیح کا حکم دے رہا ہے جو دائمی حمد اور تسبیح کرنے والے ہیں تو تم کو کتنی زیادہ حمد اور تسبیح کی ضرورت ہے۔

تسبیح کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی عیوب اور نقائص سے برکت بیان کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور عیب سے بری ہے اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں تو اس کا اثر ہم پر یہ ہوتا ہے کہ ہمارے عیوب اور نقائص کم ہو جاتے ہیں اور حمد کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات کمائیہ کو بیان کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کے ساتھ موصوف ہے بلکہ وہ ہر کمال کا خالق اور موجد ہے اور جب ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کمائیہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا اثر ہم پر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی صفات کمائیہ کو پیدا فرما دیتا ہے۔

تسبیح کرنے اور حمد کرنے کا اثر یہ ہوگا کہ ہم نہ کے کاموں سے باز رہیں گے اور نیک کاموں کو کریں گے اور نیک کاموں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں اور ان پر شفقت کریں اور ان نیک اعمال کی برکت سے آخرت میں ہماری مغفرت متوقع ہے حدیث میں ہے:

حضرت عبدالرحمن بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ نے فرمایا: آج رات میں نے بہت تعجب خیر چیز دیکھی میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو فرشتوں سے بہت گھبرا رہا تھا اس کا وضو آیا اور اس نے اس کو ان سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا اس پر عذاب قبر مسلط کیا گیا اس کی قبر آگ لگی اور اس نے اس کو عذاب قبر سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا اس کو شیطان متوحش کر رہے تھے اس کے پاس اللہ کا ذکر آیا اور اس نے اس کو ان سے چھڑا لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا اس کے آگے اندھیرا تھا اور اس کے پیچھے اندھیرا تھا اور اس کی دائیں طرف اندھیرا تھا اور اس کی بائیں طرف اندھیرا تھا اور اس کے اوپر اندھیرا تھا اور اس کے نیچے اندھیرا تھا پھر اس کا حج اور عمرہ آیا اور اس کو اندھیرے سے نکال لیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تو اس کا رشتہ داروں سے تعلق جوڑا آیا اس نے اس فرشتہ سے بات کی اور اس کو اپنے ساتھ لے گیا پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو آگ کے شعلوں سے اپنے آپ کو بچ رہا تھا تو اس کے پاس اس کا صدقہ آیا وہ اس کے سر کے اوپر سایا ہو گیا اور اس کے چہرے کی ڈھال بن گیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا اس کے پاس دوزخ کے عذاب کے فرشتے آئے تو اس کے پاس نیکی کے حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کا عمل آیا اور اس نے اس کو عذاب سے چھڑا لیا پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو دوزخ میں گر گیا تھا تو اس کے پاس اس کے وہ آسودے جو خوف خدا سے نکلے تھے انہوں نے اس کو دوزخ سے نکال لیا پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں تھا تو اس کا خوف خدا آیا اور اس نے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑا دیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا تھا تو اس کا قرض دینے کا عمل آیا اور اس نے اس کی نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کر دیا پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا جو بہت کچھ بارہا تھا پھر اس کا اللہ کے ساتھ سخن مٹن آیا تو وہ پرسکون ہو گیا پھر میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو پل صراط پر گھٹ گھٹ کر چل رہا تھا تو اس کے مجھ پر درود پڑھنے کا عمل آیا اور اس نے اس شخص کو پل صراط سے پار کر دیا اور میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ جب وہ جنت کے نزدیک پہنچا تو اس کے دروازے بند ہو گئے پھر اس کا کلہ شہادت آیا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ (حافظ البیہقی نے کہا اس حدیث کو امام طبرانی نے درودناں سے روایت کیا ہے ایک سند میں سلیمان بن احمد الداعقی نے اور دوسری سند میں خالد بن عبدالرحمان الخولانی ہے اور یہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۸ حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے الطحاوی ص ۱۴۱ رقم

الحديث ۲۶۵۲ نور الاحوال ج ۳ ص ۳۶۷

ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف السنہ احادیث مسخر ہوتی ہیں اس لیے ہم نے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے تاکہ مسلمانوں کو نیک اعمال کے بحالانے میں رغبت ہو قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ أَلْسِنَتَكُمْ لَفِي أَيْدِيهِمْ أَتَدْرِكُونَ (مومنون: ۱۱۳)

بے شک تمہاری زبانیں انہیں ہاتھوں میں کر رہی ہیں۔

یعنی تمہارے کاموں کے نتیجہ میں جس عذاب کا خطرہ ہوتا ہے وہ نیک کاموں سے زائل ہو جاتا اور اس حدیث میں بھی یہی فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آجوں میں جھگڑا کر رہے ہیں ان کے دلوں میں صرف بڑا بے نیکی کی ہوس ہے جس تک وہ پہنچنے والے نہیں ہیں سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے بے شک وہ خوب سننے والا بہت دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہے O اور نہ مومنین و المؤمنین ہر کاروں کے برابر ہیں تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو O (المومن: ۵۸-۵۶)

قتلہ باز لوگوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا

اس سورت کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا:

مَنْ يُضْلِكِ فِي آيَاتِ الظُّلُمَاتِ لَا يَكُنْ مِنْ غَافِلِينَ

اللہ کی آجوں میں صرف کفار ہی جھگڑتے ہیں۔

(المومن: ۳)

اس کے بعد اسی سے مربوط کلام کا ذکر فرمایا اور اب المومن: ۵۶ میں پھر ان کافروں کا ذکر فرمایا جو اللہ کی آجوں میں بغیر کسی ایسی دلیل کے جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آچکی ہو اس کے بعد اس سے حاصل یہ وجہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی آجوں میں کس مقصد کے لیے جھگڑتے ہیں۔ سو فرمایا: "ان کے دلوں میں صرف بڑا بے نیکی کی ہوس ہے" کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے آپ کو نبی مان لیا تو انہیں آپ کے احکام کی اطاعت کرنی ہوگی آپ کو مقتدا اور پیشوا ماننا ہوگا اور پھر آپ کے سامنے ان کی چودھراہٹ کا چراغ نہیں جلے گا اور کل تک جن لوگوں کے سامنے وہ بڑا اپنے چلے آئے تھے اب ان کے سامنے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی ہوگی تو وہ اس لیے آپ کو نبی نہیں مانتے تھے کہ اگر آپ کو نبی مان لیا تو ان کو بڑائی نصیب نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس بڑائی کی یہ ہوس کر رہے ہیں وہ کبھی ان کے ہاتھ نہیں آئے گی کیونکہ ہاں اگر خدا کریم آپ کے ہاتھوں فتح ہوگا اور آج جو لوگ چودھری اور دیر سے بنے ہوئے ہیں کل وہ سب آپ کے ماتحت ہوں گے اور ان سب کی گردنیں آپ کی کمر کے نیچے ہوں گی سو آپ ان کی سازشوں کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں بے شک اللہ ان کی باتوں کو خوب سننے والا ہے اور ان کے کاموں کو اچھی طرح دیکھنے والا ہے پس وہ آپ کو ان کی سازشوں کے شر سے محفوظ اور مامون رکھے گا اور آپ کو ان کے اوپر غالب کر دے گا اس کا وعدہ ہے:

كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلِيَّيْنَ أَنَاذَرُكَ إِنَّا لَنَشُدُّكَ ظُهُورَ ظُلُمَاتٍ

اللہ کھچکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول ضرور غالب

ہوں گے بے شک اللہ بہت قوی اور بے حد غالب ہے O (الاحقاف: ۳۳)

ہر چند کہ یہ آیت ان کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو اپنی بڑائی کی ہوس میں اللہ تعالیٰ کی آجوں کا انکار کرتے تھے لیکن دراصل یہ آیت ان تمام بد مذہب اور متبعین کو شامل ہے جن کے سامنے مذہب حق پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں اور وہ

ان کو صرف اس لیے نہیں مانتے کہ اگر ان دلائل کو تسلیم کر لیا تو ان دلائل پر مبنی مذہب حق کو بھی ماننا ہوگا اور اس کو ماننے سے ان کی بددلی میں فرق آئے گا اور ایسے ہٹ دھرم لوگ صرف مکہ کے کنارے نہیں تھے بلکہ ہر دور میں ایسے ضدی معاند اور جھگڑا لولوگ ہوتے رہے ہیں خود مصنف کو ایسے ہٹ دھرم اور جھگڑا لولوگ کا سامنا ہے یہ بہت بڑا فتنہ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایسے لوگوں کے فتنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ایسے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی ہے اور ہم کو بھی ان سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے حدیث میں ہے:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے ایک باغ میں ٹھہرے سواریوں پر سوار ہو کر جا رہے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے اچانک وہ ٹھہر کر لڑکھڑایا پس قریب تھا کہ وہ آپ کو گرد دیتا وہاں پر چھ یا چار پانچ قبریں تھیں آپ نے پوچھا: ان قبر والوں کو کون پچھانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا: میں پچھانتا ہوں آپ نے پوچھا: یہ لوگ کب مرے تھے؟ اس نے کہا: یہ زمانہ شرک میں مر گئے تھے آپ نے فرمایا: ان کی قبروں میں آ زائش ہوتی ہے پس اگر تم (دہشت کی وجہ سے) مردوں کو دفن کرنا نہ چھوڑ دیتے تو میں تم کو بھی عذاب قبر کی وہ آوازیں سنوا دیتا جو میں سن رہا ہوں پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آگ سے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو مسلمانوں نے کہا: ہم عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں پھر آپ نے فرمایا: ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو مسلمانوں نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں آپ نے فرمایا: دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرو مسلمانوں نے کہا: ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۸۶۷، تفسیر زوار، صفحہ ۱۳۶)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دور کے ضدی ہٹ دھرم اور معاند لوگ بہت بڑا فتنہ ہیں اور ان کا فتنہ دجال کے فتنے سے کم نہیں ہے سو ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان کے فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

حشر و فتنہ پر دلیل

المومن ۵۵ میں فرمایا: ”آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“

مشرکین کہہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقوع اور حشر و فتنہ کے متعلق بھی جھگڑا کرتے رہتے تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو دوبارہ پیدا کرنا ممکن نہیں ہے وہ یہ مانتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو ایک چیز کے بنانے پر قادر ہو وہ اس جیسی دوسری چیز کے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے اور جو ایک چیز کے بنانے پر قادر ہو وہ اس سے کم درجہ کی چیز کے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے اور یہ اصول ہیں جو ہر صاحب عقل کے نزدیک مسلم ہیں اور ان اصولوں کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بڑا ہے اور آسمان اور زمین تم کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت ضرور بہت بڑے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے تو تم اس مسئلہ میں کیوں جھگڑ رہے ہو؟

پھر فرمایا: ”اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہے“ یعنی جو شخص اس کائنات میں بکھری ہوئی نشانیاں سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر اور قیامت اور حشر و فتنہ پر استدلال کرتا ہے وہ اس شخص کے برابر نہیں ہے جو اپنے مشرک آباء و اجداد کی انہمی عقیدہ میں ان حقائق کا انکار کرتا ہے۔

المؤمن: ۵۸: میں فرمایا: ”اور نہ مؤمنین صالحین بدکاروں کے برابر ہیں تم بہت کم صحبت حاصل کرتے ہو“

المؤمن: ۵۷: کے آخری حصہ سے مراد یہ ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہیں المؤمن: ۵۸: کے ابتدائی حصہ سے مراد یہ ہے کہ نیک عمل کرنے والے اور بُرے عمل کرنے والے برابر نہیں ہیں۔

پھر فرمایا: ”تم بہت کم صحبت حاصل کرتے ہو“ یعنی ہر چند کہ انہیں معلوم ہے کہ علم اور استدلال، جہل اور اندھی تقلید سے بہتر ہے اور نیک عمل کرنا بُرے عمل کرنے سے بہتر ہے، مگر بھی یہ توحید کے دلائل اور رسالت کے نبوتات سے ہدایت اور صحبت حاصل نہیں کرتے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حد اور بغض رکھنے کی وجہ سے اپنے گم راہ کن نظریات پر پٹے رہ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے O اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا“ بے شک جو لوگ میری عبادت سے غمگین کرتے ہیں وہ معترب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے O (المؤمن: ۶۰-۵۹)

ایمان کا مکمل معیار

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے امکان پر دلائل قائم فرمائے تھے اور اس آیت (المؤمن: ۵۹) میں قیامت کے وقوع کی خبر دی ہے، لیکن کفار اس کی تصدیق نہیں کرتے، کیونکہ یہ اپنے شرک آباد و اجداد کی تقلید میں اس قدر راسخ ہیں کہ محسوسات سے معقولات پر استدلال نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ”لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے“ کافروں میں تو اصلاً ایمان نہیں ہے، لیکن اکثر مسلمانوں میں ایمان کامل نہیں ہے، ہم یہاں پر ان احادیث کا ذکر کر رہے ہیں جن میں کمال ایمان کا معیار مذکور ہے اس کوئی پر پک کر ہمیں جانچنا چاہیے کہ آیا ہمارا ایمان کامل ہے یا نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پانچ چیزیں ایمان سے ہیں: جس شخص میں ان میں سے کوئی چیز نہ ہو اس میں ایمان پانچواں نہیں ہے: (۱) اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا (۲) اللہ کی قضاء (قدر) پر راضی رہنا (۳) اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کر دینا (۴) اللہ پر توکل کرنا (۵) جب پہلی بار صدمہ پہنچے تو اس پر صبر کرنا اور وہ شخص ایمان کی حقیقت کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا جس نے لوگوں کی جائیں اور ان کے مال، مamon اور محفوظ نہ ہوں۔ کسی شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! ایمان کا کون سا نصف سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس شخص کی زبان اور اس کے ہاتھوں سے لوگ سلامت رہیں، جس طرح راستہ پر چلنا علامت ہوتا ہے، اسی طرح ایمان کی علامت ہے یہ چلنا رہیں: (۱) لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) کتاب اللہ کے موافق حکم دینا (۵) نبی امی کی اطاعت کرنا (۶) جب بخود آدم سے ملاقات ہو تو ان کو سلام کرنا۔

(ماہنامہ ایشیائی نے کہا اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں سعید بن مسعود کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاتا، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۹۰ دارالکتب المعرفۃ بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا کوئی دین نہیں اور جو شخص اپنے عہد کو پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں اور اس ذات کی قسم جس کے بغیر قدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اس وقت تک کسی بندہ کا دین درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان اس وقت تک درست نہیں ہوگی جب تک اس کا دل درست نہ ہو اور اس وقت تک کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے بواقی سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! بواقی کیا ہیں؟ آپ نے

فرمایا: اس کا دھوکا دینا اور اس کا ظلم کرنا اور جس شخص نے حرام مال حاصل کیا اور اس کو خرچ کیا اس میں برکت نہیں ہوگی اور اگر اس سے صدقہ کیا تو وہ قبول نہیں ہوگا اور اس مال میں جو اضافہ کیا وہ دوزخ میں جائے گا اور غیبت چیز سے غیبت کام کا کفارہ نہیں ہوتا۔ لیکن طیب چیز سے کفارہ ہوتا ہے۔ (الحکم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۵۳ حافظ احمی نے کہا: اس کی سند میں حسین بن ذریجہ جو فرس محلی سے روایت کرتا ہے میں نے ان کا ذکر نہیں دیکھا۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی گلیوں میں ایک شخص سے ملے جس کا نام حارث بن مالک انصاری تھا آپ نے اس سے پوچھا: اے حارث! تم نے کس حال میں صبح کی؟ اس نے کہا: میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں برحق مومن تھا آپ نے فرمایا: ہر ایمان کی حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے اس نے کہا: میں نے دنیا سے اپنے نفس کا منہ موڑ لیا میں نے دن میں پیاس کو برداشت کیا اور رات کو جاگن رہا اور گویا کہ میں نے اپنے رب کے عرش کو بالکل سامنے دیکھا اور گویا کہ میں نے اہل جنت کو جنت کی نعمتوں میں دیکھا اور اہل دوزخ کو دوزخ کے عذاب میں دیکھا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے درست کہا تم اس پر لازم ہو مومن کے دل کو اللہ نے منور کر دیا ہے۔ (حافظ احمی نے کہا: اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اس کی سند میں یوسف بن علیہ ہے جس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاتا مجمع الزوائد ج ۵ ص ۵۷)

(ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں ضعیف معتبر ہوتی ہیں نیز ان احادیث کی اصل احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔)

المؤمن: ۶۰ میں دعا کا معروف معنی مراد ہے یا دعا سے عبادت کرنے کا معنی مراد ہے؟

المؤمن: ۶۰ میں ارشاد ہے: ”اور تمہارے رب نے فرمایا: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا“ بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ مغرب ذلت سے جہنم میں داخل ہوں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد دعا ہے یا اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں دعا سے مراد عبادت ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”وَكَلَّمَ رَجُلًا لَّدُنِّي اَسْتَجِبْ لَكَ“ (المؤمن: ۶۰) کی تفسیر میں فرمایا: ہر عبادت دعا میں منحصر ہے اور آپ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ: ”بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ مغرب ذلت سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔“)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۹۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۷۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۸۸ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۵۷ طبع قدیم سند احمد ج ۳ ص ۲۹۸ رقم الحدیث: ۱۸۳۵۲ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳۹۷ھ الحکم الکبیر رقم الحدیث: ۳۹۰۱ کتاب الدعاء للطبرانی رقم الحدیث: ۳۹۰۱ الحکم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۳۱۱ المسند رک ج ۳ ص ۳۹۱ طبع الادبیات ج ۵ ص ۵۷)

میں کہتا ہوں کہ اگر دعا سے اس کا معروف معنی مراد لیا جائے تو وہ بھی درست ہے اور اس حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا بھی اس کی عبادت کرتا ہے۔

دعا کرنے کی ترتیب اور اس کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

دعا کی ترتیب اور فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا: میں

اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ سے دعا کرتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵) صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: (۳۱۰۳)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کسی چیز میں فضیلت نہیں ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۲۹ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۶۷۷ المسند رک ج ۱ ص ۴۹۰)
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ اس سے عافیت کا سوال کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر کوئی مصیبت آئے یا نہ آئے دعا ہر حال میں تمہیں نفع دیتی ہے سوائے اللہ کے بندو! دعا کو لازم رکھو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۸ المسند رک ج ۱ ص ۴۹۸ جامع المسانید ولسن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۷۸۳)
حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ بہت حیا فرماتے والا بہت کریم ہے جب بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ ان ہاتھوں کو خالی اور ناکام لوٹانے سے حیا فرماتا ہے۔
(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۸۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۱۵ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۷۳ المسند رک ج ۱ ص ۴۹۷)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پر صرف دعا سے خلق ہے، عرش صرف نیکی سے اضافہ ہوتا ہے اور انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۸۷۳ المسند رک ج ۱ ص ۴۹۷)
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ اللہ سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے اور سب سے افضل عبادت کشاہدی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۷۱ علیہ السلام ج ۱ ص ۱۲۸ جامع المسانید ولسن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۱۵۵)
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۳۲۰ جامع المسانید ولسن مسند انس رقم الحدیث: ۲۰)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۲۷ مسند ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۰ مسند ابی ج ۱ ص ۲۳۲ مسند ابی یحییٰ رقم الحدیث: ۱۶۵۵ المسند رک ج ۱ ص ۴۹۸ شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۲۸۰)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تمہیں تمہارے دشمنوں سے نجات دے اور تمہارے رزق کو زیادہ کرے۔ تم دن رات اللہ سے دعائیں کیا کرو کیونکہ دعا مومن کو جتھار ہے۔ (مسند ابی یحییٰ رقم الحدیث: ۱۸۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رب عزوجل کے سر سے زیادہ قرب مجھو میں ہوتا ہے پس تم (مجھو میں) یہ کثرت دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم رقم اللہ ہے: ۳۸۴ سنن ابوداؤد رقم اللہ ہے: ۸۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کر دوں۔

(صحیح البخاری رقم اللہ ہے: ۳۹۳ صحیح مسلم رقم اللہ ہے: ۵۸۸ سنن الترمذی رقم اللہ ہے: ۳۹۸۸ مسوالم امام مالک رقم اللہ ہے: ۳۹۹ مصنف مہد الرزاق رقم اللہ ہے: ۱۹۲۵۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۳ سنن دارمی رقم اللہ ہے: ۱۳۸۷ سنن ابوداؤد رقم اللہ ہے: ۱۳۱۵ سنن ابن ماجہ رقم اللہ ہے: ۱۳۶۶ مسند ابویعلیٰ رقم اللہ ہے: ۱۱۵۵ صحیح ابن حبان رقم اللہ ہے: ۹۱۹)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کس وقت کی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

(سنن الترمذی رقم اللہ ہے: ۳۹۹۹ مصنف مہد الرزاق رقم اللہ ہے: ۳۹۸۸)

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور قبولیت دعا کی شرائط

اس آیت میں یہ ارشاد ہے: "اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا"۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قطعی مرتبہ لوگ دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کے قبول ہونے کی چند شرائط ہیں جب ان شرائط کے مطابق دعا کی جائے تو پھر دعا ضرور قبول ہوتی ہے وہ شرائط اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) دعا کرنے والے کا کھانا، پینا اور لباس رزق حلال سے ہونا چاہیے اگر اس کا رزق حرام ہو تو پھر اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ طیب (پاک) ہے وہ طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا: ایک آدمی لباس فرماتا ہے اس کے پال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام ہوتا ہے اور اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے اور اس کی غذا حرام ہوتی ہے اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم رقم اللہ ہے: ۱۱۵۱ سنن الترمذی رقم اللہ ہے: ۲۹۸۹ مصنف مہد الرزاق رقم اللہ ہے: ۸۸۳۹ مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۸ سنن الدارمی رقم اللہ ہے: ۱۷۷۰۰ انکال ابن عدی ج ۲ ص ۲۶۳ سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۳۶ شرح المستدرک رقم اللہ ہے: ۲۰۲۸)

(۲) دعا کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور حاضر کر کے دعا کرے قلب غافل سے دعا نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ سے اس طرح دعا کرو کہ تمہیں دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو یا دیکھو: اللہ اس دل کی دعا قبول نہیں فرماتا جو غافل ہو اور اس کا دھیان ابو ولعب میں ہو۔ (سنن الترمذی رقم اللہ ہے: ۳۷۷۹ مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۸ مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۳ تاریخ بلد بن ج ۲ ص ۳۵۶)

(۳) دعا کرنے والا راحت کے ایام میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اس سے خوشی ہو کہ اللہ مشکلات اور مصائب میں اس کی دعا قبول کرے اس کو چاہیے کہ وہ آسانی اور راحت کے ایام میں اس سے زیادہ دعا کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۲، المعجم رک ص ۴۳۳)

(۳) بے نیازی سے دعا نہ کرنے بلکہ اصرار سے اور گڑگڑا کر دعا کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو پورے عزم کے ساتھ دعا کرے اور یہ ہرگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۰۰۳ جامع المسانید وائسن مسند انس رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

(۵) دعا کے قبول ہونے میں جلدی نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت قبول کی جاتی ہے جب وہ دعا کی قبولت میں جلدی نہ کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۲۸۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۳)

(۶) کسی گناہ کے حصول یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص بھی اللہ سے دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کا سوال عطا کر دیتا ہے یا اس سے کسی مصیبت کو نال دیتا ہے یہ شرطیکہ وہ کسی گناہ کی دعا نہ کرے یا رشتہ منقطع کرنے کی دعا نہ کرے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۲، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۶)

(۷) گڑگڑا کر عاجزی سے ڈارتے ہوئے اور مسکین بن کر دعا کرے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو رکعت نماز پڑھو اور ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھو پھر گڑگڑاؤ عاجزی کرو مسکین بنو پھر اپنے دونوں ہاتھ اللہ عزوجل کی طرف اس طرح اٹھا کر دعا کرو کہ وہ تجھ پر قبلیں تمہاری طرف ہوں اور کہو: اے میرے رب! اے میرے رب! اور جو اس طرح نہیں کرے گا اس کی نماز ناقص ہوگی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۶، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۶۹۵، کتاب الدعاء رقم الحدیث: ۲۱۰۰)

(۸) دنیا میں کسی مصیبت کے نزول کی دعا نہ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان شخص کی عیادت کی جو چوڑے کی طرح بہت کم زور ہو چکا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم اللہ سے کوئی دعا یا کوئی سوال کرتے تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! اگر تو مجھے آخرت میں کوئی سزا دینے والا ہے تو مجھے دنیا میں ہی سزا دے دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تم یہ دعا کیوں نہیں کرتے: اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا پھر آپ نے اس کے لیے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے اس کو شفا دے دی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۷، سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۰۹۴، جامع المسانید وائسن مسند انس رقم الحدیث: ۱۸۶۰)

(۹) اپنے مسلمان بھائی کے لیے پس پشت دعا کرے تو جو دعا وہ اس مسلمان بھائی کے لیے کرے گا وہ اس کے حق میں بھی

قبول ہو جائے گی۔

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان فرض اپنے بھائی کے پس پشت اس کے لیے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: اے اللہ! اس کو بھی اس کی مثل عطا فرما۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۴۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۳)

(۱۰) دعا کی ابتداء میں اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کرے تو اس کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے یہ پانچ کلمات پڑھ کر دعا کی وہ اللہ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا اللہ اس کو وہ عطا فرما دے گا (وہ پانچ کلمات یہ ہیں: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ لا الہ الا اللہ ولہ الحمد وهو علی کل شیء قدير لا الہ الا اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ (الحکم بکثیر ج ۱ ص ۶۹۱ بحکم ج ۱ ص ۱۵۳ رقم الحدیث: ۶۶۳۳ دارالکتب البعلبہ ۱۳۳۰ھ حافظہ بخشی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۵۲۶۳)

(۱۱) دعا میں سب سے پہلے اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کرے پھر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے پھر اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے اور ثناء کرے جو اس کے شایان شان ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے پھر دعا کرے تو اس کا قبول ہوتا اور کامیاب ہوتا زیادہ متوقع ہے۔ (معنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۳۱ مطبع قدیم مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۹ رقم الحدیث: ۱۵۸۱۳ دارالکتب البعلبہ بیروت ۱۳۲۱ھ الحکم بکثیر رقم الحدیث: ۵۸۰۰ حافظہ بخشی نے کہا: اس حدیث کو حضرت ابو سعید نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے اور ان کا سماع حضرت ابن مسعود سے ثابت نہیں ہے مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۵۲۵۰ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود سے ان کا سماع ثابت ہے۔ عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۳ (مصر)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی وہیں تھے۔ جب میں (نماز پڑھ کر) بیٹھا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوالی کرو تم کو عطا کیا جائے گا سوالی کرو تم کو عطا کیا جائے گا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۰ شرح اللہ رقم الحدیث: ۱۳۰۱ ج ۱۰ الامام رقم الحدیث: ۱۳۰۱)

(۱۳) دعا گئے اول اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے تو وہ دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے اور اس کا کوئی لفظ اوپر نہیں پہنچتا حتیٰ کہ تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لو۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۰ ج ۱۰ الامام رقم الحدیث: ۱۳۰۱ جامع المسانید و السنن منہ عمر بن الخطاب رقم الحدیث: ۱۳۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دعا کے اور آسمان کے درمیان قجاب ہوتا ہے حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے اور جب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے تو وہ قجاب پست جاتا ہے اور دعا قبول ہو جاتی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے تو وہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

(القرودیں بھانور الخطاب رقم الحدیث: ۶۱۳۸) زہر القردیں حج ۳۳ ۱۲۳ اکال لائن حدیث حج ۳۳ ۱۶۰۳ بحکم المصطفیٰ رقم الحدیث: ۶۲۵۰
حافظ ابھی نے کہا اس حدیث کے تمام راوی نقد ہیں: مجمع الزوائد حج ۱۰ ص ۱۶۰ (۱۶۰)
(۱۳) روزہ دار امام عادل اور مظلوم کی دعا روئیں کی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا روئیں کی جاتی 'روزہ دار جب روزہ و نفاذ کرتا ہے اور امام عادل اور مظلوم کی دعا اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو بادلوں کے اوپر اٹھالیتا ہے اور ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں تیری ضرورت و درکروں کا خواہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۶-۳۵۹۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۵۲۱ مسند احمد حج ۳۳۵ مجمع ابن خزيمة رقم الحدیث: ۶۰۰۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۹۹ مسند ابوارقم الحدیث: ۳۱۱۹ مجمع الزوائد حج ۱۰ ص ۱۵۱)
(۱۳) مسافر کی دعا اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا بھی روئیں کی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) اور والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔ (اس حدیث کی سند حسن ہے) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۶۲)
(۱۵) جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے اس کی قبولیت پر مہر لگ جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے ہم ایک شخص کے پاس آئے جو بہت گڑبڑا کر دعا کر رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس کی دعا سننے لگے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے دعا پر مہر لگا دی تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی! ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس چیز سے مہر لگے گی؟ آپ نے فرمایا: آمین سے! اگر اس نے دعا کو آمین پر ختم کیا تو اس کی قبولیت واجب ہو جائے گی! پھر وہ آدمی چلا گیا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا پھر آپ اس شخص کے پاس آئے جو دعا کر رہا تھا پس آپ نے فرمایا: اے فلاں! دعا کو آمین پر ختم کرو اور بشارت لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)

(۱۶) دعا کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص دعا کرے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرتا ہو قرآن مجید میں ہے:
يُحْيِي دَعْوَةَ الْقَائِمِ اِذَا دَعَا اِلَيْهِ تَتَجَيَّبُوْنَ
(البقرہ: ۱۸۶) دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو بھی تو چاہے کہ یہ بھی میرا کہا مانا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سے مستثنیٰ ہے وہ پھر بھی تارا کہا مان لیتا ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں سو ہم کو تو بہت زیادہ اس کا کہا ماننا چاہیے ہوتا تو یہ چاہیے تھے کہ ہم اس کا کہا ماننے رچے خواہ وہ تارا کہا ماننا یا نہ ماننا کیونکہ وہ مالک ہے اور ہم مملوک ہیں۔ لیکن یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے کہا: آؤ ہمراہ کا سلوک کرلو۔

فَلَا تَدْرُوْنِيْ اَ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ: ۱۵۴)
وَاَذْكُرْ اِيْتَعِدْتُمْ اَوْ فِىْ يَمِيْنِكُمْ
تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔
تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔

اور تم میرا حکم مانو میں تمہاری دعا قبول کروں گا (البقرہ: ۱۸۶) اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم خواہ اس کا حکم مانیں یا نہ مانیں وہ ہماری دعا میں قبول کرتا رہے! گویا ہم اس کے ساتھ براہ کا سلوک کرنے پر بھی تیار نہیں ہیں۔

انہوں نے لکھ دی کہ قدرت کی جیسی اس کی قدر کرنی چاہیے تھی۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات اور دعا کی شرائط اور اوقات کے متعلق علماء اور فقہاء کے اقوال

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

سہل بن عبد اللہ تسری نے کہا: دعا کی سات شرطیں ہیں (۱) گڑگڑانا (۲) خوف (۳) امید (۴) دوام یعنی ہمیشہ دعا کرنا (۵) خشوع (۶) عموم یعنی عموم کے میٹھوں سے دعا کرنا (۷) حلال رزق کھانا۔

ابن عطاء نے کہا: دعا کے ارکان ہیں یا پر ہیں اور اسباب ہیں اور اوقات ہیں اگر دعا اپنے ارکان کے موافق ہو تو وہ قوی ہوتی ہے اور اگر اپنے پروں کے موافق ہو تو آسمان پر اڑ کر پہنچتی ہے اگر اپنے وقت کے موافق ہو تو کامیاب ہوتی ہے اور اگر اپنے اسباب کے موافق ہو تو غریب ہوتی ہے دعا کے ارکان یہ ہیں: حضور قلب، تواضع اور انکسار اور خشوع اور اس کے پر صدق ہیں اور اس کا وقت رات کا پچھلا پہر ہے اور اس کا سبب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوات و سلام پڑھنا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ دعا کی چار شرطیں ہیں: (۱) تنہائی میں دل کی حفاظت کرنا (۲) لوگوں کے سامنے زبان کی حفاظت کرنا (۳) نظرم کی محارم سے حفاظت کرنا (۴) ہیئت کی قہر حرام سے حفاظت کرنا۔

ابراہیم بن اوسم سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی انہوں نے کہا: کیونکہ تم اللہ کو پچھانتے ہو پھر اس کی اطاعت نہیں کرتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو پھر آپ کی اتباع نہیں کرتے اور تم قرآن کریم کو پڑھتے ہو پھر اس پر عمل نہیں کرتے اور تم اللہ کی نعمتیں حاصل کرتے ہو اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے اور تم جہنم جنت کا علم ہے اور تم اس کو طلب نہیں کرتے اور تمہیں دوزخ کی معرفت ہے اور تم اس سے نہیں بھاگتے اور تم شیطان کو جانتے ہو پھر بھی تم اس سے بھاگ کرنے کے بجائے اس کی موافقت کرتے ہو اور تمہیں موت پر یقین ہے پھر بھی تم اس کی تیاری نہیں کرتے اور تم مردوں کو دفن کرتے ہو پھر بھی تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور تم اپنے میوے کو نظر انداز کرتے ہو اور لوگوں کے میوے میں مشغول رہتے ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوف البکائی سے کہا: اے نوف! اللہ عزوجل نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ آپ بنی اسرائیل سے کہئے: میرے گھر میں صرف پاک دل، خائف نظر اور صاف ہاتھوں کے ساتھ داخل ہوں اور جب تک کوئی شخص میری مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم کرنے سے نہ ہو میں اس کی دعا قبول نہیں کرتا اور نوف اتم شاعر نہ بنو (یعنی جموئے خیالی قصے اور لوگوں کی خوشامد پر مشتمل اشعار کہئے والا اس سے اللہ اور رسول کی حمد اور نعت اور وعظ و نصیحت کے اشعار مستثنیٰ ہیں) اور نہ گری پڑی چیز کا اعلان کرنے والا اور نہ (ظالم) سپاہی اور نہ (ظالم) رئیس موصول کرنے والا اور نہ (ظالم) عشر وصول کرنے والا کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام رات کی ایک ساعت میں کھڑے ہوئے اور کہا: اس ساعت میں اللہ تعالیٰ ہر بندے کی دعا قبول فرماتا ہے سو اس کے جو اعلان کرنے والا ہو یا سپاہی ہو یا رئیس موصول کرنے والا ہو یا عشر وصول کرنے والا ہو یا موصول بھانے والا ہو یعنی منویہ قرار۔

موصطیٰ امام مالک میں ہے جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو پورے عزم سے دعا کرے یہ نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما۔ (صحیح بخاری ۳۳۳۸) صحیح مسلم ۶۷۷۸، مسند امام مالک ۳۴۳۸، تہذیب علماء نے کہا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ پورے عزم سے سوال کرے اس میں یہ دلیل ہے کہ مومن کو دعا میں خوب کوشش کرنی چاہیے اور اس کو دعا کے قبول ہونے کی امید رکھنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ کریم سے دعا کر رہا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: انسان اپنی کسی جائز خواہش کی دعا کرنے سے باز نہ رہے کیونکہ بدترین مخلوق ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے شریک کی مہلت دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے اور دعا کے لیے ایسے اوقات اور احوال ہوتے ہیں جن میں دعا کے قبول ہونے کا عین غالب ہوتا ہے اور وہ اوقات یہ ہیں: وقت محروقت افطار اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت بدھ کے دن ظہر اور عصر کا درمیان کا وقت (مجموعہ) کا وقت حالت سحر حالت مرض بارش نازل ہونے کا وقت جہاد کا وقت اور ان تمام اوقات کے متعلق آثار وارد ہیں۔ (ان اوقات میں ساعت جمعہ کو بھی ذکر کرنا چاہیے تھا)

شہر بن حوشب نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے شہر! کبھی خوف خدا سے تمہارے روکنے کفرے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! انہوں نے کہا: اس وقت اللہ سے دعا کیا کرو کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہے۔

(المجامع لا حکام القرآن ج ۳ ص ۲۹۱-۲۹۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کے متعلق امام رازی کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ”تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا“ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہم دعا کرتے ہیں اور ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ امام رازی فرماتے ہیں: میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ پس ہر وہ شخص جو اللہ سے دعا کرے اور اس کے دل میں اپنے مال اپنے اقتدار اپنے رشتہ داروں اپنے دوستوں اور اپنی جدوجہد پر اگر ذرہ برابر بھی اعتماد ہو تو وہ حقیقت اس نے صرف زبان سے دعا کی ہے اور دل سے اس کا اعتماد چیزوں پر ہے جو اللہ کی غیر ہیں تو اس شخص نے کسی وقت بھی اللہ سے ایسی دعا نہیں کی جس میں اس کے دل کی توجہ غیر اللہ کی طرف نہ ہو پس ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دعا اسی وقت قبول ہوگی جب اس کا دل غیر اللہ سے بالکل منقطع ہو اور انسان کا دل غیر اللہ سے بالکل اسی وقت منقطع ہوتا ہے جب اس کی موت قریب ہو کیونکہ اس وقت انسان کو قطعی طور پر اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کو اللہ کے فضل کے سوا کوئی چیز نفع نہیں دے گی لہذا اس قاعدہ کے مطابق جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اللہ کے نزدیک انسان کی دعا صرف اسی وقت قبول ہوگی جب اس کی موت قریب ہوگی اور ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص اور گراں گزرائے سے مفرور ہوگی۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زندگی میں بہت دفعہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں ہوتی کیونکہ ہم کو دوسری چیزوں پر بھی اعتماد ہوتا ہے اور اخلاص کے ساتھ ہماری دعا اس وقت ہوگی جب موت قریب ہوگی اور اس وقت ہماری دعا قبول ہو جائے گی۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۸۸-۵۸۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے جواب پر مصنف کی نقد و نظر

میرے نزدیک امام رازی کا یہ جواب حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

(۱) یہ لازم نہیں ہے کہ انسان اخلاص کے ساتھ اللہ سے صرف اسی وقت دعا کر سکتا ہے جب اس کی موت کا وقت قریب ہو اگر ایسا ہوتا تو قرآن اور حدیث میں ہم کو صرف اسی وقت دعا کرنے کی ہدایت دی جاتی جب ہماری موت کا وقت قریب ہو۔

(۲) یہ قاعدہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ زندگی میں متعدد بار ایسی صورت پیش آتی ہے کہ جب انسان کے تمام سہارے ختم ہو جاتے ہیں اور وہ اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے سوا اس کی اور کسی کی طرف نظر نہیں ہوتی۔

(۳) قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا مَنَّ اللَّهُ عَلَى عَبْدٍ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّهُ يُسْرِئَ الْيَمِينَ
عَوَّلَهُ رِيضَةً مِّنْهُ لِيَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوَ إِلَيْهِ مِنَ الْجَلِيلِ

(الزمر: ۸)

اور انسان کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب سے رجوع کرتے ہوئے دعا کرتا ہے پھر جب اس کو اللہ اپنے پاس سے نعمت عطا فرمادیتا ہے تو وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے کیا دعا کرتا رہا تھا۔

اس آیت میں انسان کے دعا کرنے اور اس دعا کے قبول کیے جانے کا ذکر ہے اور یہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۴) وَإِذَا مَنَّ اللَّهُ عَلَى عَبْدٍ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّهُ يُسْرِئَ الْيَمِينَ

أَوْفَىٰ كَيْمًا فَكَلَّمَا كَسَفَتْ عَنْهُ غُرَّتُهُ مَرْكَانَ كَتِيبَيْهِ فَذَكَرَ إِلَىٰ مَوْضِعٍ قَسَمَةٍ (ع: ۱۳)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو فہم ہوئے بھی پکارتا ہے پیٹھے ہوئے بھی اور کمرے ہوئے بھی پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزر جاتا ہے گویا کہ اس نے ہمیں بھی اس تکلیف میں پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی تھی۔

اس آیت میں بھی انسان کے دعا کرنے اور اس کی دعا کے قبول ہونے کا ذکر ہے اور یہ بھی قرب موت کے وقت کی دعا نہیں ہے۔

(۵) أَهَنُّ رُحُوبِ الْمُنْكَرِ إِذَا عَاكَ وَتَشَفَّ الشُّوَبِ

(اھل: ۶۲)

وہ کون ہے جو مجبور کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اس سے مصیبت کو دور کرتا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ جب کوئی شخص مجبور ہو کر اس سے دعا کرے تو وہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور وہ قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۶) فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَا إِلَهُهُ مُخْلِصِينَ لَهُ دِينَهُ

فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِ لَمَّا هُمْ يَفْرَحُونَ (النبی: ۶۵)

اور جب مشرکین کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں ○ اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین بھی اخلاص کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور اللہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور کشتی میں سوار ہونے کا وقت قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۷) وَإِذَا مَنَّ اللَّهُ عَلَى عَبْدٍ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّهُ يُسْرِئَ الْيَمِينَ

فَلَمَّا دَاخَهُمُ وَهْنُهُمْ رَحِمَهُ إِلَافِينَ فَلَمَّا يَفْرَحُونَ (الزمر: ۲۳)

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے دعا کرتے ہیں پھر جب اللہ ان کو اپنی رحمت کا لہر لگا دیتا ہے تو پھر ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے ○

اس آیت میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ جو انسان بھی تکلیف کے وقت اللہ سے دعا کرے اللہ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس میں بھی قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۸) وَإِذَا غَشِيَهمُ غَوْرَةُ الْفُلِ دَعَا إِلَهُهُ مُخْلِصِينَ لَهُ

نَفْسَهُمْ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمَا يَجْحَدُ

بِآيَاتِنَا إِلَّا جُلُودٌ شَقِيحٌ مُّغْوِي (الفرقان: ۳۲)

اور جب ان پر موجیں سا بانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں پھر جب اللہ انہیں خشکی کی طرف بچا کر لے آتا ہے تو ان میں سے

بعض احتیاج پر رچے ہیں اور ہماری آجوں کا انکار صرف وہی

کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں ○

جب سمندر میں موجوں کے اٹھنے کے وقت مشرکین بھی اللہ سے اخلاص کے ساتھ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرمالتا ہے اور یہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا موت اس وقت ان کے قریب ہوتی جب موجوں کے چھینروں سے کشی ان کے ہاتھ سے نکل جاتی اور وہ صرف لہروں کے رحم و کرم پر ہوتے اور ڈوب رہے ہوتے۔

(۹) وَلَا اَتَاكُمْ الظُّرِّيَّ الْبَصْرَ هَلْ مِنْ تَدُنُونَ وَلَا اَتَاكُمْ فَلَمَّا لَجَلْتُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا
(فی اسرائیل: ۶۷)

اس آیت میں بھی یہ بتایا ہے کہ جب مشرک بھی مصیبت کے وقت اخلاص کے ساتھ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمالتا ہے حالانکہ وہ بھی قرب موت کا وقت نہیں ہوتا۔

(۱۰) قُلْ مَنْ يُغْنِيكُمْ عَنْ طُلُوبِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْكُمْ تَعْتَذِرًا وَخُفْيَةً ۚ لَّيْسَ الْاٰمِسْتَامِنْ هٰذَا كَمَا تَكُوْنُوْنَ مِنْ الشُّكْرِ ۝ (الانعام: ۶۳)

آپ کہے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور سمندر کے اندھروں سے نجات دیتا ہے تم اس سے گڑگڑا اور چپکے چپکے دعا کرتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں ان اندھروں سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ○

اندھروں سے نجات کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالتا ہے حالانکہ وہ قرب موت کا وقت نہیں ہے۔

(۱۱) قُلِ اللّٰهُ يَغْنِيْكُمْ وَهٰذَا مِنْ كَيْفِ كُرْبِ كُمْ اَنْتُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (الانعام: ۶۴)

آپ کہے کہ اللہ ہی تم کو ان اندھروں سے نجات دیتا ہے تم بھی شکر کرتے ہو ○
یعنی مشرکین جب مصائب سے نجات کی دعا کرتے ہیں تو اللہ قبول فرماتا ہے اور دعا قبول کرنے کے موقع پر ان میں سے کسی سے کسی آیت میں بھی قرب موت کا وقت بیان نہیں فرمایا کسی قسم کی تکلیف ہو مصیبت ہو بیماری ہو کشتیوں میں سوار ہونے کا وقت ہو موجوں کا سامنا ہو بحر و بر کے اندھیرے ہوں جس وقت بھی اس سے اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے وہ دعا قبول فرمالتا ہے خواہ دعا کرنے والا مسکین ہو یا مشرک اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اخلاص صرف موت کو سامنے دیکھ کر ہو کسی بھی وقت اخلاص ہو سکتا ہے اور جب بھی اخلاص کے ساتھ دعا کی جائے گی اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائے گا صرف وہ دعا قبول نہیں ہوگی جس میں اخلاص نہ ہو۔

ہم نے پہلے اس آجوں سے امام رازی کے اس قول کا رد کیا ہے کہ صرف موت کو قریب دیکھ کر جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے اب ہم صحیح اور صریح احادیث سے اس قول کا رد کرتے ہیں۔ فقہول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانة بلیق.

(۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ (۱) روزہ دار جب روزہ افطار کرتا ہے اور (۲) امام عادل (۳) اور مظلوم کی دعا۔ اللہ بیٹ (سنن ترمذی ۲۵۲۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین آدمیوں کی دعا کے قبول ہونے کی گارنٹی دی ہے اور ان میں سے کسی کی بھی دعا اس وقت نہیں ہے جب موت قریب ہوتی ہے۔

(۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی دعا قبول ہونے میں

کوئی شک نہیں ہے (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) والد کی اپنی اولاد کے لیے دعا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۱۲)
 اس حدیث میں بھی یہ قید نہیں ہے کہ جب موت قریب ہو تو ان کی دعا قبول ہوگی بلکہ مطلقاً فرمایا: ان کی دعا قبول ہوگی۔
 (۱۳) حضرت ابو زہیر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دعا کے آخر میں آمین کہا جائے وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۳۸)
 اس حدیث میں بھی قریب موت کی قید نہیں ہے۔
 (۱۵) حضرت عمرؓ نے فرمایا: جس دعا کے اوّل اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۸۶)
 ان احادیث سے بھی واضح ہو گیا کہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف وہی دعا قبول ہوتی ہے جو قرب موت کے وقت کی جائے۔
 (۱۶) امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اخلاص کے ساتھ تو یہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب موت قریب ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ تلقین کی ہے کہ انسان سے جب گناہ سرزد ہو جائے وہ اسی وقت توبہ کرے۔

اور جب لوگ کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں یا اپنی جانوں پر ظلم کر لیں پھر فوراً اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا اور اپنے کاموں پر دانستہ اصرار نہ کیا ہو

(آل عمران: ۱۳۵)

اللہ پر صرف ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادم و اذیت سے کوئی گناہ کر لیں پھر فوراً توبہ کر لیں پس اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ بہت علم والا ہے حد حکمت والا ہے۔

(امام رازی نے جو قرب موت کے وقت دعا کی تلقین کی ہے وہ ان آیات کے خلاف ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(۱۸) وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ. (الشوری: ۲۵)

وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

اور بے شک میں اس کو ضرور بے حد بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے۔

(۱۹) وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ. (فہ: ۸۴)

ان آجوں کا تقاضا ہے کہ بندہ جس وقت بھی توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اس کو معاف فرمادیتا ہے اور حدیث میں ہے:

(۲۰) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰۹۷ سنن کبیری رقم الحدیث: ۱۱۳۵)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ক্ষاء یہ ہے کہ بندہ دن کے گناہ کی رات آنے سے پہلے توبہ کر لے اور رات کے گناہ کی دن آنے سے پہلے توبہ کر لے اور اگر اس نے بندہ کی توبہ اور اس کی دعا صرف قرب موت کے وقت قبول کرنی ہوتی

تو وہ بندوں کو جلد توبہ کرنے کی تلقین کیوں فرماتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَمَّا نَسَبَ الْكُوفَةُ لِكُلِّ ذِي نَفْسٍ مِمَّنْ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ
حَتَّىٰ إِذَا أَخَذُوا أُحُدَهُمْ اِلْمَوْتَ قَالُوا إِنِّي أَتِيْتُهُمُ الْطَّنَ
(اشعار: ۱۸)

امام رازی نے جو اس آیت کی تفسیر کی ہے اور بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ اخلاص سے تو یہ صرف قرب موت کے وقت ہوتی ہے اور اسی وقت کی دعا قبول ہوتی ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم اللہ کے فضل اور احسان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو وہ ہمیں ایسی دعا کرنے کی توفیق دے گا جو اخلاص کے ساتھ ہوگی۔ امام رازی کی یہ تقریر اور متعلمین اور ان کی یہ توقع بہ کثرت آیات اور احادیث کے خلاف ہے اور اللہ ہی صحیح تفسیر کی ہدایت اور توفیق دینے والا ہے۔ ہم نے اس سے پہلے بھی دعا کے موضوع پر لکھا ہے اور اس کے یہ عنوانات ہیں:

اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیثِ قاطعہ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیثِ فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیثِ فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء دعا قبول ہونے کی شرائط اور آیات۔

(تجلی القرآن ج ۵ ص ۴۶-۴۷)

ماہمین دعا کے دلائل ماہمین دعا کے دلائل کے جوابات دعا قبول نہ ہونے کے فوائد دعا کی ترفیہ اور فضیلت میں احادیث آہستہ دعا کرنے کے فوائد اور نکات خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق مذاہب فقہاء خارج نماز دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانے کے متعلق احادیث ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حرف آخر (تبیان القرآن ج ۳ ص ۱۸۳-۱۸۴)

دعا کے موضوع پر تبیان القرآن میں جس قدر اباحت آگئی ہیں شاید کسی اور کتاب میں نہ مل سکیں اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید ہے واللہ رب العالمین۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۗ

اللہ ہی نے تمہارے لیے رات بنا کی ہے تاکہ تم اس میں سکون اور آرام پاؤ اور دیکھنے کے لیے دن بنا دیا۔

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

ہے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے سبیلِ انحراف

لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ لَآ إِلَهَ إِلَّا

لوگ شکر نہیں کرتے یہی اللہ ہے جو تم سب کا رب ہے ہر چیز کا خالق ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

هُوَ زَعَامِي كُفُّوكُونُ ﴿٢٦﴾ كَذَلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِينَ كَانُوا لِآيَاتِنَا

نہیں ہے جس م لہاں بھٹک رہے ہو اسی سرس و کوٹ بھٹک رہے ہے جو اللہ کی اسیر ہے

اللَّهُ يَجْعَدُونَ ﴿٣٠﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَرَارًا

انکار کرتے تھے O اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان

وَالسَّمَاءَ بَنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ وَرَزَقَكُمْ

کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ

مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَرَّكُ اللَّهُ رَبُّ

چیزوں سے رزق دینا یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے ' سو اللہ بہت برکتوں والا ہے جو تمام

الْعَالَمِينَ ﴿٣١﴾ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ

جہانوں کا رب ہے O وہی (ہمیشہ) زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے ' سو تم اسی کی اطاعت کرتے ہوئے

لَهُ الدِّينُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾ قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ

اغلام کے ساتھ اس سے دعا کرو تمام قومیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O آپ کہیے کہ مجھے اس سے

أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي

منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے

الْبَيْتُ مِنْ رَبِّي وَأَمَرْتُ أَنْ أُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾

ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں آچکی ہیں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے سامنے جھک جاؤں O

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر جسے ہوئے خون سے پھر وہ تم کو بچہ کی حالت میں (ماں کے پیٹ سے)

عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ ثُمَّ لَتَكُونُوا

لکڑی کے پھر (تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم جوانی کو پہنچو پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو

شُيُوخًا وَمِنْكُمْ مَنْ يَتَوَقَّى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا

اور تم میں سے بعض اس سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور (تمہیں اس لیے بھی زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی

مَسَّتْ وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ

مقررہ ميعاد تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل سے کام لو ○ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے یہی

فَإِذَا قُضِيَ أَمْرُ أَفَّا مَآ يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۲۹﴾

جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ ”ہو جا“ سو وہ جاتی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون اور آرام پاؤ اور دیکھنے کے لیے دن بنایا ہے خشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ○ یہی اللہ ہے جو تم سب کا رب ہے ہر چیز کا خالق ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے یہی تم کہاں بھگ رہے ہو ○ اسی طرح وہ لوگ بھگ رہے تھے جو اللہ کی آجوں کا انکار کرتے تھے ○ (المومن: ۲۸-۲۹)

رات کو عبادت، غفلت اور معصیت میں گزارنے والے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اپنی ہر ضرورت کا سوال مجھ سے کرو میں تمہارے سوال کو پورا کروں گا اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں اس پر دلائل قائم فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر سوال کو پورا کرنے پر قادر ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر اس کی توحید پر اور اس کی قدرت پر دلائل ہیں۔ پہلی تین آجوں کا تعلق آسمان سے ہے اور بعد کی آجوں کا تعلق زمین اور زمین کی مخلوق سے ہے۔

المومن: ۲۸ میں فرمایا: ”اللہ ہی نے تمہارے لیے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں سکون اور آرام پاؤ“ کیونکہ رات میں خشک اور تڑپاوت ہوتی ہے اس وجہ سے انسان کی حرکت کرنے والی قوتیں رات میں ساکن ہو جاتی ہیں اور رات میں چونکہ اندھیرا ہوتا ہے اس لیے انسان کے حواس بھی کام کرنے سے رک جاتے ہیں اور یوں انسان کے اعصاب اور حواس کو آرام کا موقع مل جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ”اور دیکھنے کے لیے دن بنایا“ انسان بالطبع تمدنی زندگی گزارتا ہے اسے انسانی معاشرہ میں مل جل کر رہنے کی ضرورت ہے اور اپنی معاشی ضروریات کے حصول کے لیے کام کاج کرنے کی حاجت ہے اس لیے اس کے کام کاج کی آسانی کے لیے دن کو روشن بنایا تاکہ وہ دن کی روشنی میں اپنے لیے رزق فراہم کر سکے۔

اللہ کے نیک بندے رات میں بہ قدر ضرورت آرام کرتے ہیں تاکہ دن کی مشقت سے جو اعصاب کو تھکا دیتا ہے وہ زائل ہو جائے اور بہ قدر ضرورت آرام کے بعد وہ رات کے آخری حصہ میں بھر عبادت کے لیے کھڑے ہو جائیں ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يَذْكُرُونَ لَوْ يَرَوْهُمْ سَبَّحُوا بُكْرَةً

اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزار

دیتے ہیں ○

(الفرقان: ۲۳)

(متقین) رات کو بہت کم سوتے تھے ○

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّذِينَ كَانُوا عِبَادًا

(الزمر: ۱۷)

اور عری کے وقت اللہ کو وہ استغفار کرتے تھے ○

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا

اور غافل لوگ ساری رات سو کر یا اپنی ازواج کے ساتھ دوا و عیش میں گزار دیتے ہیں اور فساد اور فحار ساری رات لہو د

لعب اور معصیت میں گزار دیتے ہیں کراچی اور لاہور ایسے بڑے شہروں میں لوہا بش نو جوان اپنی راتیں کلبوں میں جوئے کے اڈوں اور شراب خانوں میں گزار دیتے ہیں اور موسیقی کی دھنوں پر اپنے قماش کی لڑکیوں کے ساتھ ناچتے گاتے اور ناچانز لذت اندوزی میں گزارتے ہیں اور راتوں کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے دن سکون آدر گولیاں کھا کر گزارتے ہیں اور یوں وہ رات اور دن کے مقصد تخلیق کو بدل ڈالتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل اور احسان کرتے ہوئے دن کام کرنے کے لیے اور رات آرام کے لیے بنائی تھی لیکن وہ اس نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے رات لہو و لعب اور معصیت میں اور دن سونے میں گزارتے ہیں اسی لیے فرمایا: ”بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔“

المومن: ۶۳-۶۴ میں فرمایا: ”یہی اللہ ہے جو تم سب کا رب ہے ہر چیز کا خالق ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے پس تم کہاں بھگ رہے ہو O اسی طرح وہ لوگ بھگ رہے تھے جو اللہ کی آجوں کا انکار کرتے تھے O“

یعنی جس طرح مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی آجوں کا انکار کر رہے ہیں اور اپنے آباء و اجداد کی انجمنی تقلید میں بت پرستی کر رہے ہیں اسی طرح ان سے پہلی امتوں کے کفار بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید کی آجوں میں غور و فکر نہیں کرتے تھے اور بے چارہ عناد اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کی آجوں کا انکار کرتے تھے سو آپ ان کی تکذیب سے طول خاطر اور افسردہ نہ ہوں ایسا تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے سو اللہ بہت برکتوں والا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے O وہی (ہمیشہ) زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سو تم اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے O آپ کہیے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو جب کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں آچکی ہیں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العظیم کے سامنے جگ جاؤں O (المومن: ۶۴-۶۵)

اللہ تعالیٰ کی انسان پر تین قسم کی نعمتیں

المومن: ۶۳ میں فرمایا: ”اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا“ اس آیت میں ٹھہرنے کی جگہ فراق کا لفظ ہے اور اس سے مراد موضع قرار اور منزل ہے جہاں انسان زندگی میں بھی سکونت رکھے اور مرنے کے بعد اس کو وہاں رکھا جائے اور یہ زمین انسانوں کے لیے بالذات موضع قرار ہے اور باقی مخلوق کے لیے بالبعث موضع قرار ہے اسی طرح آسمان کو تمہارے لیے بالذات چھت بنایا ہے اور باقی مخلوق کے لیے بالبعث چھت بنایا ہے یہ پہلی نعمت کا ذکر ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ”اور تمہاری صورتیں بنائیں سو سب سے اچھی صورتیں بنائیں“ انسان کی صورت تمام مخلوق میں سب سے اچھی ہے کیونکہ انسان کی قامت سیدھی ہے اس کے اعضاء متناسب ہیں وہ سر اٹھا کے چلا ہے اور اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کر اپنے منہ تک لے جاتا ہے اپنے منہ کو کھانے تک نہیں پہنچاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ O

(اتین: ۴)

انسان کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا ہے اس کے دو دو عضو بنائے ہیں اور ان میں مناسب فاصلہ رکھا ہے اور انسان کو حواس خمسہ ظاہرہ کے علاوہ حواس خمسہ باطنیہ بھی دیئے ہیں اس میں عقل تدبر اور فہم و فراست رکھی ہے حدیث میں ہے:

امین حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی سے لڑے تو چہرے سے اعتبار کرے کیونکہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلاہ رقم الحدیث: ۱۱۵۰/۱۱۵۱/۱۱۵۲/۱۱۵۳)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت کی نسبت جو اپنی طرف کی ہے یہ تحریف، تحکیم اور عزت افزائی کے لیے ہے یہ دوسری نعمت کا ذکر ہے اور تم کو طیب اور پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا یہ انسان کے اوپر تیسری نعمت کا ذکر ہے طاهر اور طیب میں فرق ہے طاهر اس چیز کو کہتے ہیں جس میں ظاہری نجاست نہ ہو اور طیب اس چیز کو کہتے ہیں جس میں معنوی اور باطنی نجاست نہ ہو اللہ تعالیٰ خود طیب ہے اس نے ہم کو رزق بھی حلال اور طیب عطا فرمایا ہے۔

پھر فرمایا: ”یہی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے“ سو اللہ بہت برکتوں والا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔“

یعنی جس ذات نے تمہیں یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہی تمہارا رب ہے وہ اپنی ذات اور صفات میں شرک سے منزہ ہے۔

المومن: ۶۵ میں فرمایا: ”وہی (ہمیشہ) زندہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔“

یعنی اس کی حیات منفرد ہے وہ ازل سے ابد تک زندہ ہے اس کی زندگی ذاتی ہے نہ کہ عطا کی وہ اپنی زندگی میں ہر قسم کے عرض اور نقص سے مبرا اور منزہ ہے۔

قرآن اور ذکر میں مشغول ہونا زیادہ افضل ہے یا دعا کرنے میں؟

اس کے بعد فرمایا: ”سو تم اس کی اطاعت کرتے ہو اخلاص کے ساتھ اس سے دعا کرو۔“

اس سے پہلے المومن: ۶۰ میں بھی دعا کی ترغیب دی تھی اور اس آیت میں بھی دعا کی ترغیب دی ہے اس ترغیب پر ایک حدیث سے اعتراض ہوتا ہے وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن اور میرے ذکر کی مشغولیت نے مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھا اس کو میں سوال کرنے سے افضل عطا فرماؤں گا اور اللہ کے کلام کی باقی کلاموں پر ایسی فضیلت ہے جیسے اللہ کی تمام مخلوق پر فضیلت ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۶/۲۹۲۷/۲۹۲۸/۲۹۲۹)

رقم الحدیث: ۳۳۵۹ کتاب الامارۃ والصفات ج ۱ ص ۲۷۲ جامع السانید والنسب مسند ابی سعید اللہری رقم الحدیث: ۷۰۰)

قرآن مجید کی آیات اور بہت احادیث میں دعا کرنے کی فضیلت ہے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور ذکر میں مشغول رہنا دعا کرنے سے افضل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنے پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور دعا کرنے پر قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے اور ذکر اور دعا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ذکر دعا ہے اور دعا ذکر ہے کیونکہ جب جب کریم کی حمد و ثناء کی جائے تو وہ دراصل اس سے اس کے کرم کا سوال ہوتا ہے اور جب کوئی شخص کسی کریم سے سوال کرتا ہے تو وہ اس سے اس کا تحریف و توصیف کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرنے سے بندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ ”سبحان اللہ وبحمدہ“ پڑھا اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۸ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۰۹۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۹۸)

”سبحان اللہ وبحمدہ“ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اس ذکر سے بندہ کے تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور دعا سے بھی یہی مقصود ہوتا ہے کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں سو انسان اگر اللہ کا ذکر کرے اور اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے دعا نہ کر

سکے پھر بھی اس کا مقصود پورا ہو جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی ہے اور اس کا ذکر بھی کیا ہے اور دونوں عظیم مقام ہیں اور ان میں باہم کسی ایک کو افضل کہنا بہت مشکل ہے، پس بندہ کو چاہیے کہ وہ اللہ کا ذکر بھی کرے اور اللہ سے دعا بھی کرے اور ان شاء اللہ وہ ان دونوں پر کیے ہوئے وعدہ کو پالے گا۔ اس حدیث میں قرآن کی مشغولیت کو ذکر کی مشغولیت پر مقدم رکھا ہے اور قرآن میں مشغول ہونا عام ہے، خواہ قرآن پڑھنے میں مشغول ہو یا قرآن میں تدبر کرنے اور اس کی تفسیر میں مشغول ہو۔ یہاں کا ردہ ۱۹۹۳ء سے قرآن مجید کی تفسیر میں مشغول ہے، دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے بہت نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید واثق ہے کہ وہ آخرت میں بھی محروم نہیں فرمائے گا، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ المؤمن: ۲۶ میں فرمایا: ”آپ کہیے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، جب کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں آچکی ہیں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ رب العالمین کے سامنے جھک جاؤں۔“

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات جلال اور جمال بیان فرمائی تھیں اور مخلوق پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا، جن کا تقاضا تھا کہ مشرکین اپنے بتوں کی پرستش چھوڑ کر اللہ واحد کی عبادت کرتے، کیونکہ ہر عقل والا جانتا ہے کہ بت پرستی کی جن صورتوں کو کفار نے خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر بنایا تھا وہ ان کا خدا نہیں ہو سکتا، پھر فرمایا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ رب العالمین کے سامنے جھک جاؤں، کیونکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ انسان اپنے لیے اسی چیز کو پسند کرتا ہے جو ہر لحاظ سے افضل اور مکمل ہو اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے خدائے واحد کی عبادت کو پسند کیا اور اسی کو اختیار کیا تو معلوم ہوا کہ اسی کی عبادت کرنا صحیح ہے، سو مشرکین پر لازم ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھرتے ہوئے خون سے پھر وہ تم کو بیج کی حالت میں (ماں کے پیٹ سے) نکالتا ہے پھر (تمہاری پرورش کرتا ہے) تاکہ تم جوانی کو پہنچو، پھر (تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو اور تم میں سے بعض اس سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں اور (تمہیں اس لیے بھی زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی مقررہ میعاد تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل سے کام لو، وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ ”ہو جا“، سودہ ہو جاتی ہے O (المومن: ۶۸-۶۷)

تحلیق انسان کے مراحل

المومن: ۶۷ میں فرمایا: ”وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھرتے ہوئے خون سے“۔ الایہ اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا نہیں کیا؟ اس کا مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے ضمن میں ہر انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا، کیونکہ ہر انسان حضرت آدم کی اولاد ہے اور ان کی تمام اولاد ان کی پشت میں تھی۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر انسان کو مٹی اور حیض کے خون سے پیدا کیا ہے اور مٹی اور خون انسان کے جسم میں غذا میں بنتا ہے اور غذا زمین سے حاصل ہوتی ہے اور زمین مٹی ہے اس سے واضح ہوا کہ ہر انسان کی اصل مٹی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے تین مراحل بیان کیے ہیں: ایک حالت طفولیت ہے، ایک حالت جوانی ہے اور ایک حالت بڑھاپا ہے۔

حالت طفولیت میں انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتیں وصول کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے کسی حکم کا مکلف نہیں کرتا اور بلوغت سے بڑھاپے تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مکلف ہوتا ہے، جوانی میں وہ بہت آسانی سے عبادت کر سکتا ہے اور بڑھاپے میں

مشکل ہوتی ہے لیکن ہمارے ہاں لوگ جوانی کو غفلت میں گزار دیتے ہیں اور بڑھاپے میں مسجد کا رخ کرتے ہیں جب ان کی بیویوں، بہنوں اور ختیوں پر ان کا وجود ناگوار ہونے لگتا ہے بڑھاپے میں انسان ویسے بھی چڑچڑاہو جاتا ہے اور یہ بڑھے لوگ مسجدوں میں آکر بات بات پر امام اور مؤذن پر نکتہ چینی کرتے ہیں بڑھاپے میں انسان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اس کے چہرے سے کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کے آثار

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بڑھے ہو گئے! آپ نے فرمایا: مجھے حمور الواقعہ و الصرمات اور "عم یتساء لون" نے اور "واذا الشمس کورت" نے بڑھا کر دیا۔ (امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے) (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷ جامع المسانید و السنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۲۵۷۰) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کا وقت آنے سے پہلے بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے تھے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کے بال زیادہ سفید ہو گئے تھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے گنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور سر کے بالوں میں بیس (۲۰) سے بھی کم بال سفید تھے۔ (سوانح امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۵۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ بڑھاپے میں جس طرح خوف خدا کی شدت ہوتی ہے اور آدمی کا چہرہ خوف سے زور رہتا ہے آپ پر وہ کیفیت بڑھاپے کا وقت آنے سے پہلے ہی ظاہر ہو گئی ہے آپ نے فرمایا: مجھے سورۃ حمزہ سورۃ الواقعة و الصرمات عرفا "عم یتساء لون اور "واذا الشمس کورت" نے بڑھا کر دیا۔ یعنی ان سورتوں میں قیامت کے احوال اور قیامت کی سنگینیوں اور ختیوں کا ذکر ہے اور ان کے ذکر نے میرے اندر خوف خدا کی ایسی شدت پیدا کی جس نے مجھے کہلا کر اور دلہا کر رکھ دیا اور وہ دن ایسا ہے جس کے حلقی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَ تَأْتِي سَعْلٌ يَوْمَئِذٍ النَّاسُ يُرْجَوْنَ فِي غِيَابِكُمُ الْوَحْيَ وَالْغَيْبُ (الاحزاب: ۷۷)

المومن: ۶۸ میں فرمایا: "وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے" یمن جب وہ کسی چیز کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس سے صرف یہ فرماتا ہے کہ "ہو جا" "سو وہ ہو جاتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ انسان کو پہلے دنیا میں زندہ کرتا ہے اور پھر مرنے کے بعد آخرت میں زندہ کرے گا اور ایک مرتبہ دنیا میں مارے گا اور دوسری بار صور قیامت سے مارے گا۔

اس آیت سے یہ بتا مقصود ہے کہ کسی چیز کو جو دو میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی وہ جب چاہتا ہے جس کو پیدا فرماتا چاہتا ہے اس کو پیدا فرماتا ہے تو پھر اس کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے وہ قیامت کے بعد صرف ایک لفظ "سمن" فرمائے گا اور تم سب جیتے جاگتے انسان بن کر کھڑے ہو جاؤ گے۔

لَمْ تَرَالِيَ الْآدِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنْ يَقْرَأُوا (۶۹)

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑ رہے ہیں وہ کہاں پھیرے جا رہے ہیں؟

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا فَسَوْفَ

جن لوگوں نے کتاب اللہ کی تکذیب کی اور اس پیغام کی تکذیب کی جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا انہیں

يَعْلَمُونَ ۝ اِذَا الْاَغْلُلُ فِيْ اَعْنَاْقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُونَ ۝

عقرب انہیں معلوم ہو جائے گا O جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ کھینچے جائے گا O

فِي الْحَيِيَّةِ ۝ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ اَيْنَ

خنت گرم پانی میں پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا O پھر ان سے پوچھا جائے گا اب او کہاں ہیں

مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ مِنْ دُونِ اللّٰهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا

جن کو تم (دنیا میں اللہ کا) شریک قرار دیتے تھے O جو اللہ کے سوا تھے وہ کہیں گے وہ ہم سے تم ہو گئے ہم نہ

بَلْ لَّمْ تَكُنْ نَّدَا عَوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا كَذٰلِكَ يُفْضِلُ

اس سے پہلے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے اسی طرح اللہ کافروں کو

اللّٰهُ الْكَافِرِيْنَ ۝ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ

تم راہ کرتے ہو O (اے کافرو!) تمہارا یہ مذاپ اس وجہ سے ہے کہ تم زمین میں

بَغْيٍ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝ اَدْخُلُواْ اَبْوَابَ

اپنی عارض کا سیلاب پر ناحق اترتے تھے اور بے جا اڑتے پھرتے تھے O اب جہنم کے دروازوں میں

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوٰى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

بیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جائے پس تکبر کرنے والوں کا کیسا برا ٹھکانہ ہے O

فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

پس آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچ ہے ہم نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا ہوا ہے خواہ ہم اس میں سے آپ کو کچھ

الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَقَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝

دکھائیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وقات دے دیں سو ان کو تو بہر حال ہماری طرف لوٹنا پڑے گا O

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا

بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے ہم نے ان میں سے

عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ تَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ

بعض کے قصے آپ کے سامنے بیان کیے اور بعض کے قصے بیان نہیں کیے اور کسی رسول کے لیے

لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَ

یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے پھر جب اللہ کا حکم

أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْبَاطِلُونَ ﴿٢٩﴾

ہو گا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس وقت باطل پرست نقصان اٹھانے والے ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آجوں میں جھگڑ رہے ہیں وہ کہاں پھیرے جا رہے ہیں O جن لوگوں نے کتاب اللہ کی تکذیب کی اور اس پیغام کی تکذیب کی جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا پس مغرب انہیں معلوم ہو جائے گا O (المومن: ۶۹-۷۰)

المومن: ۶۹ میں مجاہدین سے مراد مشرکین ہیں یا منکرین تقدیر؟

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ نے ان معاندین اور تکذبن کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا رد کرنے کے لیے بے جا حجت بازی کر رہے ہیں جب کہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی رسالت کے ثبوت میں بالکل واضح ہیں اور اگر انصاف سے ان آیات کو پڑھا جائے اور ان پر غصہ دل سے غور کیا جائے تو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہیں رہے گا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جہال اور جھگڑا کرنے والوں کی اس سورت میں بھی کئی جگہ مذمت کی ہے اور اس کے علاوہ دیگر سورتوں میں بھی مذمت کی ہے دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ یہ آپ کی اور اللہ کے پیغام کی تکذیب کرتے ہیں اور چونکہ وہ آپ کے کذب تھے اسی لیے آپ سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ کی آجوں میں جہال اور جھگڑا کرنے والے منکرین تقدیر ہیں جن کو قدر یہ کہتے ہیں اور بعض نے کہا: اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔

ابن سیرین نے کہا: اگر یہ آیت قدریہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی تو پھر مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر الجعفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب میری امت میں سے اہل کتاب اور اہل لئین ہلاک ہو جائیں گے حضرت عقبہ نے پوچھا: یا رسول اللہ اہل کتاب کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ کا علم حاصل کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جہال اور بحث کرتے ہیں پھر حضرت عقبہ نے پوچھا: یا رسول اللہ اہل لئین کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں اور غمازوں کو ضائع کرتے ہیں ابو قبیل نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ تقدیر کے منکرین وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں سے جہال اور بحث کرتے ہیں اور اہل لئین میرے گمان میں وہ لوگ ہیں جن کا کوئی امام جماعت ہوتا ہے اور نہ وہ رمضان کے مہینہ کو پہچانتے ہیں۔

اور ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: مسلمانوں سے جہال اور بحث کرنے والے مشرکین تھے۔

مکرمین تقدیر کے متعلق احادیث اور ان سے تعلقات کا شرعی حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر (مکرمین تقدیر) اس امت کے مجھوں ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۹۴ جامع المسند والسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۶۳۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر کو مجھوں اس لیے فرمایا کیونکہ مجھوں دو خدا مانتے ہیں: یزداں اور ہرمن یزداں نور ہے وہ خیر کا خالق ہے اور ہرمن ظلمت ہے وہ شر کا خالق ہے اسی طرح تقدیر بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف خیر کا خالق ہے اور شر کا خالق کوئی اور ہے حالانکہ اللہ سبحانہ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے اور اس نے شر کو کسی حکمت کی وجہ سے پیدا کیا ہے نیز تقدیر یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان کے افعال کا خود انسان خالق ہے ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ انسان کا بھی خالق ہے اور اس کے افعال کا بھی خالق ہے البتہ انسان کے افعال کا کسب اور قصد انسان کرتا ہے اور جس چیز کا انسان کسب اور قصد کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انسان کا سبب ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر امت میں مجھوں ہوتے ہیں اور اس امت کے مجھوں وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں ان میں سے جو مر جائے تم اس کے جنازہ پر نہ جاؤ اور جو ان میں سے بیمار ہو جائے تم اس کی عیادت نہ کرو یہ دہال کا گروہ ہے اور اللہ پر حق ہے کہ وہ ان کو دجال کے ساتھ ملا دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۹۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر کا جو حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر یہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور اگر یہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو تمام گمراہ فرقوں کا یہی حکم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لیے میرے اصحاب کو اور میرے سرسری رشتہ داروں اور دلدادوں کو پسند فرمایا اور غریب کچھ لوگ آئیں گے جو ان کو بُرا کہیں گے اور ان کا نقص بیان کریں گے تم ان کے ساتھ نہ بیٹھنا اور نہ ان کے ساتھ کھانا چننا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔ (کتاب الفضل الکبیر ج ۱ ص ۲۶ رقم الحدیث: ۶۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۸ء) صحیح ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۸

المسند رک ج ۳ ص ۶۲۸ صحیح ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۵ سنن ابی یوسف ج ۲ ص ۲۸۳ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۱۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گا O سخت گرم پانی میں پھران کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا O پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ اب وہ کہاں ہیں جن کو تم (دنیا میں اللہ کا) شریک قرار دیتے تھے O جو اللہ کے سوا تھے وہ کہیں گے: وہ ہم سے تم ہو گئے بلکہ ہم اس سے پہلے کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے O (اے کافرو!) تمہارا یہ عذاب اس وجہ سے ہے کہ تم زمین میں اپنی کامیابی پر باحق اتراتے تھے اور بے جا اُکڑتے پھرتے تھے O اب جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ پس تکبر کرنے والوں کا کیسا بُرا ٹھکانہ ہے O پس آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے ہم نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا ہوا ہے خواہ ہم اس میں سے کچھ آپ کو دکھائیں یا ہم اس سے پہلے آپ کو وفاستہیجئے دیں سو ان کو تو بہر حال ہماری طرف لوٹنا پڑا جائے گا O (المومن ۷۷-۷۸)

مشکل الفاظ کے معانی

المومن ۱: میں "اضلال" کا لفظ ہے یہ نسل کی جمع ہے نسل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے وسط میں اعضاء کو باندھا جاتا ہے جس چیز سے اس کے ہاتھوں اور گردن کو باندھ دیا جائے اس کو نسل کہتے ہیں اس کا معنی طوق ہے۔ اہل حق صحن کی جمع ہے اس کا معنی گردن ہے۔ السائل سلسلہ کی جمع ہے اس کا معنی زنجیر ہے "یسجرون" سب سے بنا ہے اس کا معنی ہے۔ بختی کے ساتھ ٹھیکہ اسی سے حساب بنا ہے جس کا معنی بادل ہے کیونکہ ہوا بادل کو بختی کے ساتھ ٹھیکہ ہے۔ اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ ملا کر باندھ دیا جائے گا پھر ان کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کر ٹھیکہ کیا جائے گا۔

المومن ۲: میں "الحمیم" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے بھولا ہوا گرم پانی "یسجرون" کا لفظ بھر سے بنا ہے اس کا معنی ہے: بنور میں اپنے صحن بھر کر اس کو گرم کرنا۔

المومن ۵: میں "تسرحون" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: خوشی سے اترنا "تسرحون" طرح سے بنا ہے اس کا معنی ہے: بہت زیادہ خوش ہو کر اکڑنا۔

آخرت میں کفار کا عذاب

المومن ۳۰-۷۱ کا معنی ہے: مشرکین کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ ملا کر طوق میں جکڑ دیا جائے گا پھر ان کو زنجیروں کے ساتھ باندھ کر کھولتے ہوئے پانی میں ٹھیکہ کیا جائے گا پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی مشرکین کے عذاب کو بیان فرمایا ہے:

بے شک مجرمین تم راہی اور عذاب میں ہوں گے ○ جس دن ان کو ان کے سونہیوں کے مل دوزخ کی آگ میں ٹھیکہ کیا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کی آگ کا مزہ چکھو ○ (آخر ۳۸: ۷۸)

بے شک ہم نے خالوں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی تھمیں ان کا احاطہ کر لیں گی، اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد ہی اس پانی سے کی جائے گی جو نیل کی چھت کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا وہ کیسے نہرا پانی ہے اور وہ کیسی نری آرام کی جگہ ہے ○

○ دُفَعُوا إِلَىٰ حَبِيبَاتٍ لَّهُنَّ مَعَدَّةٌ حُمْرٌ مُّطَهَّرَةٌ ○ ان کو بھولا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنکھوں کے ٹکڑے ٹکڑے (۱۵: ۱۵) ٹکڑے کر دے گا ○

المومن ۷۱-۷۳ کا خلاصہ یہ کہ ہے پھر مشرکین سے پوچھا جائے گا: اب وہ کہاں ہیں جن کو تم دنیا میں اللہ کا شریک قرار دیتے تھے؟ وہ کہیں گے: اب وہ ہم کو دکھائی نہیں دے رہے کہ ہم ان کی سطرش کرائیں اور اب ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ کوئی چیز نہ تھے اور نہ رہے کسی کام نہیں آ سکتے تھے اور اس وقت اس کا انکار کر دیں گے کہ وہ دنیا میں ان کی عبادت کرتے تھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے بنوں کو ان سے گمراہ کر دیا تھا یعنی ان کی آنکھوں سے دور کر دیا تھا اسی طرح اللہ ان کو بھی ان کے بنوں سے دور کر دے گا اگر ہم راہ کر دے گا حتیٰ کہ اگر وہ ایک دوسرے کو طلب کریں تو اس کو نہیں پائیں گے اور ان کو آخرت میں ایک دوسرے سے اس لیے غم راہ کیا جائے گا کہ مشرکین دنیا میں اپنے شرک اور بت پرستی پر اترتے تھے اور اکڑتے تھے۔

المجر ۳۳ میں ہے: "دوزخ کے سات دروازے ہیں سو کافروں سے کہا جائے گا: تم ان سات دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ، پس یہ نکیر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانا ہے۔"

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے والوں کا عذاب بیان فرمایا ہے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ان جھگڑنے والوں کی ایذا پر صبر کریں اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کی نصرت فرمائے گا اور ان جھگڑنے والوں کو سزا دے گا اس کا یہ وعدہ برحق ہے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور غزوہ بدر میں آپ کو فتح اور ان کو شکست سے دو چار کیا اور آخرت کا عذاب دکھانے سے پہلے ہم ان کو وفات دے دیں گے تو بہر حال انہوں نے ہماری طرف لوٹا ہے اور ہم ان کو وہاں عذاب میں مبتلا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے ہم نے ان میں سے بعض کے قصے آپ کے سامنے بیان کیے اور بعض کے قصے بیان نہیں کیے اور کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے پھر جب اللہ کا حکم ہوگا تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس وقت باطل پرست نقصان اٹھانے والے ہوں گے ○ (المومن: ۷۸)

مشرکین کے فرمائشی معجزات عطا نہ کرنے کی وجہ

مشرکین میں سے جو آپ کی نبوت میں جدال اور بحث کرتے تھے وہ آپ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے مثلاً آپ جنسے جاری کر دیں یا انگوروں اور دیگر پھلوں کے باغ لکھا دیں یا آسمانوں پر چڑھ جائیں وغیرہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے ہیں خواہ ان کا قصہ آپ سے بیان کیا ہے یا نہیں سب نبیوں کو اتنے ہی معجزات عطا کیے ہیں جتنے معجزات ان کی نبوت اور رسالت کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھے اور کسی نبی کو اس کی کافرقوم کے فرمائشی معجزات عطا نہیں کیے اور نہ کسی نبی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر از خود کوئی معجزہ پیش کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور علم ماکان و مایکون پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے بہت رسول بھیجے ہیں اور بعض کے قصے آپ سے بیان کیے ہیں اور بعض کے قصے بیان نہیں کیے بعض علماء اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ آیت اس باب میں نص قطعی ہے کہ آپ کو کل رسولوں کا علم نہیں تھا تو آپ کے حق میں علم کلی کا یا علم ماکان و مایکون کا دعویٰ کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے زمانہ ماضی میں آپ کے سامنے بعض رسولوں کے قصے بیان نہیں کیے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کے بعد مستقبل میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ سے باقی رسولوں کے قصے بیان نہیں کیے جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

لَا تَنْفُتُ عَنْكَ مِنْ أَتْبَاعِ الرَّسُولِ۔ ہم آپ کے سامنے تمام رسولوں کی خبریں بیان فرما رہے ہیں۔ (حور: ۱۲۸)

پس زمانہ ماضی میں آپ کو بعض رسولوں کی خبریں نہیں بیان فرمائیں اور مستقبل میں آپ کو تمام رسولوں کی خبریں بیان فرمائیں سو المومن: ۷۸ آپ کے علم کلی کا یا علم ماکان و مایکون کے منافی نہیں ہے جب کہ حور: ۱۲۸ میں تمام رسولوں کے علم کا اثبات ہے۔

اور صحابہ کرام کو بھی اس پر اعتماد تھا کہ آپ کو تمام رسولوں کا علم ہے اس لیے وہ آپ سے پوچھتے تھے کہ نبیوں اور رسولوں

کی تعداد کتنی ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔
نبیوں، رسولوں، کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق

امام ابو نعیم اسماعیلی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کر رہے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے عرض کیا: یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں میں نے کہا: بہت اچھے ہیں میں نے کہا: یا رسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدمؑ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی پھر ان کو اپنے سامنے بنایا پھر آپ نے فرمایا: اسے ابو ذر! چار نبی سرانی ہیں: آدمؑ، شیثؑ اور خنوخؑ یہ اور ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قوم سے خط کھینچا اور لوح اور چار نبی عرب ہیں: موسیٰؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور قہارؑ نبیؑ اسے ابو ذر! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا: سو بیس چار کتابیں شیثؑ پر پچاس بیس نازل کیے گئے، خنوخؑ پر تیس بیس نازل کیے گئے، ابراہیمؑ پر دس بیس نازل کیے گئے اور موسیٰؑ پر تورات سے پہلے دس بیس نازل کیے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (طحاوی الاہتمام ج ۱ ص ۶۷ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی اپنی تصحیح میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(سورۃ القلم ج ۱ ص ۵۳-۵۴ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت)

امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابو ذر سے روایت کیا ہے مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر

ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۶۶۶-۶۶۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ طبع قدیم)

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۸-۳۳۹ رقم اللہ ج ۵ ص ۶۱۹-۶۱۸ رقم اللہ ج ۵ ص ۲۲۸۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں سنن ابو داؤد رقم اللہ ج ۵ ص ۵۸۵ المسد رک ج ۴ ص ۵۷۴ تصحیح ابن خزیمہ رقم اللہ ج ۵ ص ۳۸۱ مشکلی الاثر للشمسادی رقم اللہ ج ۵:

۱۶۷۸ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۹۱-۳۹۲ ج ۲ ص ۶۶۶ ج ۳ ص ۳۰۰ سنن الترمذی رقم اللہ ج ۵ ص ۵۹۱ المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم اللہ ج ۵ ص ۲۶۹-۲۷۰ معصف ابن

علی شیبہ ج ۳ ص ۲۰۳ معصف عبدالرزاق رقم اللہ ج ۵ ص ۱۷۸۸)

امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۳۵۶-۳۵۷ مطبوعہ دارالاجلۃ للاثرائ العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

حافظ البیہقی نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف لکھا

ہے۔ (تصحیح ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی نے الجامع الکبیر میں اس حدیث کو امام ابن حبان، امام اسماعیلی اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے لکھا ہے اور

اس میں تین سو تیرہ رسولوں کا ذکر ہے۔

(جامع الصحاح ج ۶ ص ۲۰۶-۲۰۷ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۱۳ھ جامع ج ۵ ص ۵۳۶-۵۳۷ رقم اللہ ج ۵ ص ۱۵۰۷)

علامہ علی متقی نے بھی اس حدیث کا حافظ سیوطی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۱۳۳-۱۳۴ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ سیوطی نے الدر المنثور میں لکھا ہے: امام عبد بن حمید امام حکیم ترمذی نے فتاویٰ الاصول میں امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں امام حاکم اور امام ابن عساکر نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انبیاء کتنے تھے؟ فرمایا: ایک لاکھ اور چوبیس ہزار نبی تھے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان میں سے رسول کتنے تھے؟ فرمایا: تین سو تیرہ کا جم غفیر تھا اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے موضوعات میں وارد کیا ہے اور یہ دونوں متصاد ہیں اور صحیح بات یہ ہے: یہ حدیث ضعیف ہے نہ موضوع ہے نہ صحیح ہے جیسا کہ میں نے مختصر الموضوعات میں بیان کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۲۳۶ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران الدر المنثور ج ۳ ص ۲۳۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۳۷۷ھ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت دو جگہ ذکر کی ہے اس میں ذکر ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور تین سو پندرہ رسول ہیں۔ (ماہج السانیہ ولسن رقم الحدیث: ۱۰۲۳۳-۱۰۲۳۴ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ) امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی مبعوث کیے۔ چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی لوگوں کی طرف۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۳ ص ۷۵ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام حاکم نے اس حدیث کو حضرت انس سے متوفی روایت کیا ہے۔ (المسند رک ج ۳ ص ۷۵ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۴۰۵ھ) امام ابو یعلیٰ اور امام حاکم نے جن سندوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان میں ابراہیم اور یزید رقاشی نام کے دو راوی ہیں۔ امام ذہبی نے ان دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ضعیف راوی ہیں۔ (تخفیف المسند رک ج ۳ ص ۷۵ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۴۰۵ھ) علامہ بدر الدین یعنی نے امام ابن حبان کی صحیح میں اور امام ابن مردیہ کی تفسیر کے حوالوں سے حضرت ابو ذر کی حدیث ذکر کی ہے اور امام ابو یعلیٰ اور حافظ ابو بکر اسماعیلی کے حوالوں سے حضرت انس کی روایت ذکر کی ہے اور کوئی محاکمہ نہیں کیا۔

(عمدة القاری ج ۵ ص ۲۰۳ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۴۳۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حضرت ابو ذر نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ (معجم البحاری ج ۶ ص ۳۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

حافظ ابن حجر نے امام ابو یعلیٰ اور امام حاکم کی روایت کا ذکر نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک معتبر نہیں ہے اور امام ذہبی نے اس کے راویوں کی جو تصدیق کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور انہوں نے امام ابن حبان کی صحیح کو بابتصرہ نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے اور حدیث کی تحقیق کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی بہت معتد ہیں اس لیے یہی صحیح ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔ علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہیں۔

(شرح معانی ص ۷۹ مطبوعہ مکتبۃ سعید ایڈیشن کراچی)

علامہ پرہاروی نے لکھا ہے کہ میرا گمان ہے کہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ میں اس روایت سے واقف نہیں ہوں۔

(نہج اس ص ۲۳۷ مطبوعہ مکتبۃ قدوسیہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

میں نے اس سلسلہ میں تمام متداول کتب حدیث اور علماء کی تصانیف کو دیکھا ہے لیکن دو لاکھ کی روایت کہیں نہیں ملی

حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی نے اس سلسلہ میں تمام روایات کو جمع کیا ہے لیکن دولاکھ کی روایت ان میں نہیں ہے اور حافظ ابن کثیر اور حافظ سیوطی کے مقابلہ میں علم روایت حدیث پر علامہ تھکارتانی کی نظر بہت کم ہے بلکہ علامہ تھکارتانی نے کئی ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کا کوئی وجود نہیں مثلاً یہ حدیث ”جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا“۔

(شرح مظاہر ۱۰۶، شرح قصاص ص ۳۹۹)

حافظ ابن کثیر نے ان تمام احادیث کو تفصیل اور سندوں کے ساتھ لکھا ہے جن کے ہم نے حوالہ دیے ہیں اور ان سب کو ضعیف قرار دیا ہے پھر اس کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ امام احمد اور امام ابو یوسف نے حضرت ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہزار یا اس سے زیادہ نبیوں کا خاتم ہوں، امام احمد کی یہ سنہ زیادہ صحیح ہے اور اس حدیث کو امام بزار نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۶۳، دار الفکر بیروت ۱۳۹۷ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۳، مطبعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ)

ہر چند کہ حافظ ابن کثیر کی تحقیق یہی ہے لیکن زیادہ تر محدثین کا اجماع حضرت ابو ذر کی اس روایت پر ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں۔

جن نبیوں کا قرآن مجید میں صراحتاً نام ہے اور جن کا اشارتاً نام ہے

بہر حال اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی رسول بھیجے وہ سب صادق اور برحق ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو جو پیغام دے کر بھیجا وہ صحیح اور صادق ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے معجزات دے کر بھیجا جو ان کے صدق پر دلالت کرتے تھے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی انبیاء پر اس طرح ایمان ہوگا کہ ان کی شریعت ان کے زمانہ میں نافذ العمل تھی اور اب ان کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ آپ خاتم الانبیاء و المرسلین ہیں اور جو شخص آپ کے رسول ہونے پر ایمان لایا اور آپ کے خاتم المرسل ہونے پر ایمان نہیں لایا وہ مومن نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں اٹھائیس (۲۸) انبیاء علیہم السلام کے نام مذکور ہیں: (۱) حضرت آدم (۲) حضرت نوح (۳) حضرت ابراہیم (۴) حضرت موسیٰ (۵) حضرت ہود (۶) حضرت ابراہیم (۷) حضرت اسماعیل (۸) حضرت اسحاق (۹) حضرت یعقوب (۱۰) حضرت یوسف (۱۱) حضرت لوط (۱۲) حضرت موسیٰ (۱۳) حضرت ہارون (۱۴) حضرت شعیب (۱۵) حضرت زکریا (۱۶) حضرت یحییٰ (۱۷) حضرت عیسیٰ (۱۸) حضرت داؤد (۱۹) حضرت سلیمان (۲۰) حضرت الیاس (۲۱) حضرت الیسع (۲۲) حضرت ذوالکفل (۲۳) حضرت ایوب (۲۴) حضرت یونس (۲۵) حضرت محمد علیہم السلام ان کے علاوہ تین ناموں کا اور ذکر ہے: ذوالقرنین، عزیر اور لقمان لیکن ان کی نبوت میں اختلاف ہے بعض نبیوں کا قرآن مجید میں اشارہ ذکر ہے ”وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ“ (البقرہ ۲۵۷) اس میں اشمول کی طرف اشارہ ہے ”أَوَكُلَّا لَا يُلْقِي عَلَى قُلُوبِهِمْ“ (البقرہ ۲۵۸) اس میں ارمیاء کی طرف اشارہ ہے ”وَلَقَدْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ“ (الکہف: ۶۰) اس میں حضرت یونس کی طرف اشارہ ہے۔ ”فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا“ (الکہف: ۶۵) میں حضرت یونس کی طرف اشارہ ہے۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَكُلُونَ ﴿۷۹﴾

اللہ ہی نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے تاکہ ان میں سے بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو تم کھاتے ہو

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ

اور تمہارے لیے ان چوپایوں میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تاکہ تم ان کے ذریعے اپنی ان ضروریات کو پورا کرو

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۖ

جو تمہارے دلوں میں ہیں اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو O اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں

فَإِنَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنَكِّرُونَ ﴿٨١﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

دکھاتا ہے پس تم اللہ کی کون کون سی آیتوں کا انکار کرو گے O کیا پس انہوں نے زمین میں سفر نہیں کیا

فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَانُوا

کہ وہ دیکھتے ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے تعداد میں زیادہ تھے

أَكْثَرِمِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ

اور قوت میں بھی بہت سخت تھے اور ان کی زمین میں یادگاریں بھی بہت تھیں پس ان کے

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

کارناموں نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا O پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل

بِالْبَيِّنَاتِ فَرَحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ

لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترنے لگے جو ان کے پاس تھا اور اس عذاب نے انہیں گھیر لیا

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا

جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے O پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے:

أَمَّا بِإِلَهِ اللَّهِ وَحْدَهُ ۚ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ

ہم اللہ پر ایمان لائے جو واحد ہے اور اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک قرار دیتے تھے O پس

يَكُ يَنْفَعُهُمْ ۚ إِنَّمَا نُهُمُ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُبَّتِ اللَّهُ الَّتِي قَدْ

ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا یہ اللہ کا

(حجۃ النہری رقم الحدیث: ۵۵۰۰) حج مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹۳۱ سنن ابوالقاسم
 رقم الحدیث: ۳۷۲۷ سنن البکری رقم الحدیث: ۱۲۸۴۰ جامع المسند واسنن مسند ابن عبد اللہ رقم الحدیث: ۸۶۳)
 ان حدیثوں سے یہ واضح ہو گیا کہ انھل: ۸ میں جو خصوصیت کے ساتھ گھوڑوں کا الگ ذکر کیا گیا ہے اس کی یہ وجہ نہیں
 ہے کہ گھوڑوں کا کھانا حرام ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں گھوڑوں کا غالب استعمال سواری کے لیے کیا جاتا ہے اور
 وہ اس قدر خوب صورت، سفید اور گراں قیمت جانور ہے کہ خوراک کے طور پر اس کا استعمال بہت نادر ہے اور بھیڑوں اور
 بکریوں کی طرح اس کو عام طور پر ذبح کر کے کھایا نہیں جاتا۔
 توحید اور رسالت پر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

المومن: ۸۱ میں فرمایا: ”اور وہ جنہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے“ پس تم اللہ کی کون کون سی آیتوں کا انکار کرو گے؟“
 اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی توحید اور اس کی قدرت کی نشانیاں صرف آسمانوں اور زمینوں میں بکھری ہوئی نہیں ہیں بلکہ
 تمہارے اپنے وجود میں بھی یہ نشانیاں مسمیٰ ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نشانیاں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذوات
 قدسیہ میں ہیں اور اس سے بڑھ کر منکر کون ہو گا جو ان چمکتی ہوئی واضح نشانوں کا انکار کرے گا اور مسلمانوں کے لیے سب سے
 عظیم معجزہ قرآن مجید ہے جس نے یہ چیلنج کیا کہ اس کی کوئی مثال نہیں لاسکتا اور آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی اس
 کی مثال نہیں لاسکتا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس میں
 کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ ہو یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا معجزہ یا حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام کے مردود کو زندہ کرنے کا معجزہ ہو یہ تمام معجزات ان نبیوں کے ساتھ چلے گئے آج کسی یہودی یا عیسائی کے پاس
 کوئی معجزہ نہیں ہے جس سے وہ اپنے دین کی صداقت منوائے مگر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید ہے
 وہ جس طرح کل اسلام کی صداقت کی دلیل تھا آج بھی اسلام کی حقانیت پر دلیل ہے اور قیامت تک رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا پس انہوں نے زمین میں سڑ نہیں کیا کہ وہ دیکھتے ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے
 تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں بھی سخت تھے اور ان کی زمین میں یادگاریں بھی بہت تھیں پس ان کے کارناموں نے انہیں کوئی
 فائدہ نہ پہنچایا پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترنے لگے جو ان کے پاس تھا
 اور اس عذاب نے انہیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم اللہ پر
 ایمان لائے جو واحد ہے اور اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک قرار دیتے تھے پس ان کے ایمان نے ان کو
 اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا یہ اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت
 کا فر بہت نقصان میں رہے (المومن: ۸۵-۸۶)

کفار مکہ کو عبرت حاصل کرنے کی نصیحت

یعنی جب کفار مکہ سفر کرتے ہیں اور مکہ سے شام یا یمن کی طرف جاتے ہیں تو وہ پچھلی امتوں مثلاً عاد اور ثمود کی بربادی
 کے آثار اور ان کے کھنڈرات وغیرہ دیکھتے ہیں تو کیا وہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے ان لوگوں کے پاس بہت مال تھا ان
 کی اولاد بھی بہت زیادہ تھی بڑے بڑے لشکر تھے اور بلند و بالا عمارتیں تھیں لیکن جب ان کے کفر اور شرک اور رسولوں کی
 مذہب کی وجہ سے ان کے اوپر عذاب آیا تو ان میں سے کوئی چیز ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

المومن: ۸۳ میں فرمایا: ”پس جب ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترنے لگے جو ان

کے پاس تھا۔

یعنی انہوں نے اللہ کے رسولوں کے علم کے مقابلہ میں اپنے علم کو معکم اور برتر خیال کیا اور رسولوں کے علم کو کم تر اور حقیر جانا ان کے علم سے مراد ان کے باطل عقائد اور اندھی تقلید ہے جو دراصل جہل ہے اور اس کو استہزاء علم فرمایا ہے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے اور نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا نہ قیامت قائم ہوگی یا ان کے علم سے مراد ہے ان کو اپنے پیشوں اور اپنی صنعتوں کا علم تھا یا ان کو ستارہ شناسی کا علم تھا یا ان کو شعر و شاعری کا علم تھا اور وہ ان علوم کو بہت بڑی چیز سمجھتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے اور اپنے ان علوم کے مقابلہ میں علم شریعہ کو کم تر خیال کرتے تھے۔

موت کے فرشتہ یا آثار عذاب کو دیکھ کر توبہ قبول نہ ہونے کی حقیقت

المومن: ۸۴ میں فرمایا: ”پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لائے جو واحد ہے اور اب ہم ان کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک قرار دیتے تھے“

یعنی جب انہوں نے ہمارے عذاب کا معائنہ اور مشاہدہ کر لیا تو عذاب کی شدت دیکھنے کے بعد کہنے لگے: ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں جو وحدہ لا شریک ہے اور جن بتوں کو ہم پہلے اللہ کی عبادت میں شریک کرتے تھے ان کا کفر اور انکار کرتے ہیں۔

المومن: ۸۵ میں فرمایا: ”پس ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا“ یہ اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کا فر بہت نقصان میں رہے۔

یعنی وہ اس وقت میں ایمان نہیں لائے جس وقت میں انہیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے پہلی استوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ کا عذاب دیکھ کر اس پر ایمان لاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس ایمان کو قبول نہیں فرماتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان وہ معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو اور موت کے وقت کافر کو عذاب کے فرشتے دکھائی دیتے ہیں تو جو کافر عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے اس کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا اسی وجہ سے فرعون جو مرتے وقت ایمان لایا تھا اس کا ایمان قبول نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَجُودُ ثَائِبَةٍ إِلَىٰ السَّعِيرِ ﴿١٠٠﴾ أَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْبَهِيمَةُ فَتَعْبَهُمْ ﴿١٠١﴾ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّا كَانَتْ تَرْتَابُهُمْ ﴿١٠٢﴾ وَجُودُ ثَائِبَةٍ إِلَىٰ السَّعِيرِ ﴿١٠٣﴾ أَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْبَهِيمَةُ فَتَعْبَهُمْ ﴿١٠٤﴾ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّا كَانَتْ تَرْتَابُهُمْ ﴿١٠٥﴾

(پس: ۹۰-۹۱)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار گزار دیا پس فرعون اور اس کے لشکر نے (ان پر) ظلم اور زیادتی کرنے کے ارادے سے ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں اس پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (فرمایا:) اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً توبہ قبول کرنے کی خبر دی ہے فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ رِبِّيعَا دِهٍ وَيَعْفُو عَنْهَا

(الشعرات: ۲۵) (اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔)

اس کا جواب یہ ہے کہ گناہوں کی توبہ کرنا موت سے پہلے پر محمول ہے اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بیان فرما دیا ہے کہ اگر کوئی شخص موت کے وقت توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی قرآن مجید میں ہے:

وَلَيْسَتِ الشُّبُهَاتُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالَاتِ
حَتَّىٰ إِذَا أَحْصَاهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبِّيتُ النَّفْسَ
وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كَذَّابُونَ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ
عَذَابًا أَلِيمًا (النساء: ۱۸)

ان لوگوں کی توہ قبول نہیں ہوتی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے
ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آتی ہے تو وہ کہتا
ہے کہ میں نے اب توہ کی اور نہ ان لوگوں کی توہ قبول ہوتی ہے جو
حالت کفر پر مرتے ہیں لیکن وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے درد
ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۵

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان مسلسل گناہ کرتا رہے اور مرتے وقت توہ کرے یا جو شخص مسلسل کفر کرتا رہے اور
مرتے وقت ایمان لائے اس کی توہ قبول ہوتی ہے نہ اس کا ایمان قبول ہوتا ہے نہ حدیث میں ہے:
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توہ قبول فرماتا ہے جب تک فرغہ موت نہ
ہو۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۵۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲ طبع قدیم مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۰ رقم الحدیث:
۲۵۶۰ مؤسسۃ الرسالۃ ج ۱ ص ۱۲۶ مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۹ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۸۸ اکمال دین ج ۳ ص ۳۹۹ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۰
الحدود ج ۳ ص ۲۵۰ شعب الایمان رقم الحدیث: ۶۰۶۳ شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۰۶ جامع المسانید وائسین مسند ابن عمر رقم الحدیث:
(۸۷)

فرغہ موت کا معنی ہے: جب آدمی کی روح نکل کر اس کے معلقوں تک پہنچ جائے اور اس کو موت کا یقین ہو جائے اس
وقت آدمی کی توہ قبول نہیں ہوتی اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جب آدمی ملک الموت کو دیکھ لے لیکن یہ اکثری حکم ہے کلی نہیں ہے
کیونکہ بعض لوگ ملک الموت کو نہیں دیکھتے اور بعض موت سے پہلے دیکھ لیتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان کی روح اس کے
معلقوں تک پہنچ جائے یا وہ آثار عذاب کو دیکھ لے اس وقت اس کی توہ قبول نہیں ہوتی۔
اس پر اس حدیث سے اعتراض ہوتا ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا ہم علی الصبح
قبیلہ جہدہ کی بیٹوں میں پہنچ گئے میں نے ایک آدمی پر حملہ کیا اس نے کہا: لا الہ الا اللہ لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا پھر مجھے
اپنے اس فعل کے متعلق پکھڑو دیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: کیا تم نے اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود اس کو قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس شخص نے جان کے خوف
سے کلمہ پڑھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا جس سے تم کو پتا چل جاتا کہ اس
نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی کلمات دہراتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ کاش! میں
اسی وقت اسلام لایا ہوتا (تاکہ اس شخص کا قتل زمانہ جاہلیت کے افعال میں شمار کیا جاتا اور میرے اسلام لانے سے وہ گناہ
معاف ہو جاتا)۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۵ ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۳۳ اسنن الکبیری فی السنن رقم الحدیث:
۸۵۹۳ مسند ابوعوانہ رقم الحدیث: ۱۹۲ مسند احمد ج ۵ ص ۲۷ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲ رقم الحدیث: ۲۸۸۲ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۱ سنن
کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۹۲ شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۲۱۶ مسند ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸)

اعتراض یہ ہے کہ اس شخص پر جب حضرت اسامہ نے حملہ کیا اور اس نے موت کو اپنے سامنے دیکھا تو اس نے کلمہ پڑھا لیا
اور جب موت کو سامنے دیکھ کر ایمان قبول نہیں ہوتا تو چاہیے تھا کہ اس کا ایمان بھی قبول نہ ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص
نے ملک الموت کو دیکھا تھا نہ آثار عذاب دیکھے تھے اور اگر حضرت اسامہ اس کو کلمہ پڑھنے کا موقع دیتے تو اس کا ایمان بالغیب

ہی ہوتا اس کو اپنی موت کا یقین نہیں تھا بلکہ اس کے برعکس اس کو یہ یقین تھا کہ اس کے کلمہ پڑھنے کی وجہ سے حضرت اسامہ اس کو قتل نہیں کریں گے۔

سورۃ المومن کا خاتمہ

آج ۲۲ شعبان ۱۴۲۳ھ ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء بروز ہفتہ۔ وقت صبح سورۃ المومن کی تفسیر ختم ہوگئی فالحمد للہ رب العالمین۔ اس سورۃ کی ابتداء ۱۸ ستمبر کو ہوئی تھی گویا ایک ماہ میں اس کی تفسیر مکمل ہوگئی رب العالمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر کو مواتقین کے لیے موجب طمانیت و استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنادیں میری میری والدین کی اس کتاب کے معاونین اس کے مصلح ناشر اور اس کے قارئین کی مغفرت فرمادیں۔ ۷ اگست ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو میری والدہ کا انتقال ہو گیا قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ایک بار سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری والدہ کو پہنچادیں اور ان کی مغفرت کی دعا کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین
امام المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجه وذریائہ
واولیاء امتہ و علماء ملتہ وامتہ اجمعین۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

حکم السجده

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

برصغیر اور دیگر مشرقی ممالک میں اس سورت کا نام 'خم' السجده مشہور ہے 'خم' کی وجہ یہ ہے کہ المومن سے ان حواف تک سات سورتوں کی ابتداء 'خم' سے ہوئی ہے اور السجده اس لیے کہ اس سورت میں ایک سجدہ قرآن ہے اور مغربی ممالک اور تونس میں اس سورت کا نام 'فصلت' ہے کیونکہ اس سورت کی تیسری آیت میں ہے:

يَكْتُمُ الْفُصْلَتُ (خم السجده ۳۶)

یہاں کتاب ہے جس کی آیات کی تفصیل کی گئی ہے۔

تاکہ یہ سورت ان دوسری سورتوں سے ممتاز رہے جن کی ابتداء 'خم' سے کی گئی ہے۔

یہ سورت ۱۱۴ آیتوں کی ہے ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۱ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۱ ہے یہ سورت المومن کے بعد اور الفرقہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

خم السجده کا زمانہ نزول

یہ سورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ابتدائی دور تبلیغ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ سب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۳۴۵ھ امام ابو یوسف احمد بن علی متوفی ۱۷۵ھ امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اور امام علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۵ھ اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن قریش اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ کسی بڑے جادوگر کا بن اور شاعر کو لاؤ وہ اس شخص کے پاس جائے جس نے ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور ہمارے دین کی خدمت کی ہے وہ ان سے بحث کرے اور دیکھے کہ وہ ان کو کیا جواب دیتے ہیں انہوں نے کہا: ہمیں تو عقبہ بن ربیعہ کے سوا کوئی شخص نظر نہیں آتا پھر عقبہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا: اے محمد! آیا تم افضل ہو یا عبد اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر اس نے کہا: تم افضل ہو یا عبد المطلب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش رہے اس نے کہا: اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ تم سے افضل ہیں تو ان لوگوں نے تو ان بتوں کی عبادت کی ہے جن کی تم خدمت کرتے ہو اور اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ تم ان سے افضل ہو تو تم اپنی دلیل بیان کرو حتیٰ کہ ہم اس کو سنیں اور اللہ کی قسم! ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اپنی قوم کے

لے تم سے زیادہ بے برکت ہو تم نے ہماری جماعت کو منتشر کر دیا اور ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور تم نے ہمارے دین کی مذمت کی اور ہم کو تمام عرب میں رسوا کر دیا حتیٰ کہ پورے عرب میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ قریش میں ایک جادوگر ہے اور قریش میں ایک کاہن ہے اگر تمہیں کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش ہو تو تم ہمیں بتاؤ کہ تم قریش کی کسی عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو ہم تمہاری اس عورت سے شادی کر دیں گے اور اگر تمہیں مال و دولت کی خواہش ہو تو ہمیں بتاؤ ہم تمہیں اتنا مال دیں گے کہ تم قریش کے سب سے زیادہ مال دار شخص بن جاؤ گے آپ نے جب سے پوچھا کیا تمہاری تقریر ختم ہو گئی؟ اس نے کہا: ہاں! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم اسجد کی آیتوں کو پڑھنا شروع کیا اور اس کی ابتدائی تیرہ آیتوں کی تلاوت کی (ان کا ترجمہ یہ ہے):

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے O تم یہ ارضین الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے O یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی تفصیل کی گئی ہے علم والوں کے لیے عربی قرآن ہے O ثواب کی خوش خبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا پس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ نہیں سنیں گے O اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے سو آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کرنے والے ہیں O آپ کہیے میں محض تمہاری شکل بشر ہوں میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود واحد معبود ہے تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو اور شریکین کے لیے بلاکت ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوگا O آپ کہیے کیا واقعی تم اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکا قرار دے رہے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے O اور اس نے زمین میں بھاری پہاڑوں کو نصب کر دیا اور اس میں برکت رکھی اور اس نے چار دنوں میں اس کے رہنے والوں کے لیے غذا نہیں پیدا کیس جو تمام طلب گاروں کے لیے مساوی ہیں O پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا پھر اس (آسمان) سے اور زمین سے فرمایا: تم خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو ان دونوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہیں O پس اس نے دو دنوں میں پورے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اسی سے متعلق حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چٹانوں سے مزین فرما دیا اور اسے محفوظ فرما دیا یہ بہت غالب ہے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اعزاز ہے O پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیں کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا O (ختم اسجدہ: ۳۱)

جب نے ان آیات کو سن کر کہا: بس کریں! بس کریں! کیا آپ کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! پھر جب قریش کے پاس واپس گیا انہوں نے پوچھا: تم کیا جواب لائے ہو جب نے کہا: میں نے ان سے ہر وہ بات کہی جو تم خود اس سے اس موضوع پر کہہ سکتے تھے انہوں نے پوچھا: پھر انہوں نے تم کو کیا جواب دیا؟ اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آسمان اور زمین کو قائم کیا میں ان کی کوئی بات نہیں سمجھ سکا سوا اس کے کہ انہوں نے کہا: میں تم کو ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرا رہا ہوں جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاد اور ثمود پر آیا تھا انہوں نے کہا: افسوس ہے ایک شخص تم سے عربی زبان میں بات کرتا رہا اور تم نہیں سمجھ سکتے کہ اس نے کیا کہا ہے اس نے پھر کہا: انہیں خدا کی قسم! میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکا کہ انہوں نے ہولناک کڑک والے عذاب کا ذکر کیا تھا۔

(مستف ان ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷-۲۹۸ طبع کراچی مسند ابی حنن رقم الحدیث: ۱۸۱۸ ذیل ۱۸۱۷ ابی حنن رقم الحدیث: ۱۸۱۷ مسند رک ج ۳ ص ۲۹۷)

۲۵۳ طبع قدیم: کہ مکرمہ المسد رک رقم الحدیث: ۲۰۰۲ طبع جدید: المکتبۃ المصریۃ لحدیث و دلائل الخیرۃ للتحقیق ج ۲ ص ۲۰۵-۲۰۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت
پاریش و حق النکیر ج ۳ ص ۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰ رقم الحدیث: ۲۰۰۳ دار الایضاد اثراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ

حم المسجد کے مشمولات

- (۱) اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے تقاضے سے قرآن مجید نازل فرمایا ہے جو نیک کام کرنے والوں کو ثواب کی بشارت دیتا ہے اور نیکے کام کرنے والوں کو عذاب سے ڈراتا ہے چاہے یہ تھا کہ مشرکین نے اسے کاموں کو ترک کر کے عذاب سے بچ جاتے وہ اس کے بجائے آپ سے نزول عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں آپ کہیے کہ میں بشر ہوں خدا نہیں ہوں عذاب کو نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔
- (۲) اس کا نکتہ کو بتانا کوئی کھیل اور تماشا نہیں ہے یہ اس عظیم الشان خالق کی حکمت کا ساختہ پر واضح ہے اس میں کسی دیوی یا دیوتا کا تعاون نہیں ہے یہ صرف اس خدائے واحد کی تخلیق ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔
- (۳) کفار مکہ کو سرزنش کی ہے کہ اگر تم ہمارے رسول کی تکذیب سے باز نہ آئے تو تم پر بھی اسی طرح عذاب آئے گا جیسا عذاب تم سے پہلی تکذیب کرنے والی قوموں پر آتا رہا ہے۔
- (۴) مشرکین اس امید پر بتوں کی پرستش کر رہے ہیں کہ وہ بت قیامت کے دن اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے یہ ان کا خیال خام ہے ایسا کچھ نہیں ہوگا۔
- (۵) اللہ تعالیٰ دوزخ میں کافروں کو جمع کرے گا ان کافروں میں سردار بھی ہوں گے اور ان کے ہیرو و کار بھی وہ اپنے عذاب کا الزام ایک دوسرے پر عائد کریں گے اور ایک دوسرے کو لعنت کریں گے۔
- (۶) جو لوگ کفار کی زیادتیوں اور ان کے ظلم کے باوجود توحید پر قائم رہیں گے قیامت کے دن فرشتے ان کو رحمت کی بشارت دیں گے۔
- (۷) کفار کی ریشہ دوانیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تحقیر اور شیطان کی دوسرے انداز کی پر اللہ کی پناہ طلب کرنے کی ہدایت۔
- (۸) توحید قیامت اور حشر و نشر پر دلائل۔
- (۹) قرآن مجید کی عظمت کا بیان اور منافقین کے اعتراضات کے جوابات۔
- (۱۰) قیامت کا مذاق اڑانے والوں کو عذاب کی وحید۔

اس مختصر تعارف اور تفسیر کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے 'حم المسجد' کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کو شروع کر رہا ہوں۔ اللہ اعلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم اور باطل سے گریز ان رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

غلام الحدیث دارالعلوم نعیمیہ

بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی۔ ۳۸

موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹ / ۰۳۰۰-۲۱۵۶۱۷۷ / ۰۳۳۵-۲۱۵۶۱۷۷ / ۰۳۳۱-۲۰۲۱۷۷

۲۳ شعبان ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ اکتوبر ۲۰۰۳



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سو ہم اسجدہ کی ہے ہندی کے ہم سے (شروع کرتا ہوں) کہ نہایت درخشاں ہے اور بہت مہربان ہے اور اس میں چون آیتیں چھوڑیں ہیں

حَمْدٌ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ کِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهُ

ما ہم ۵ یہ الرحمن الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے ۵ یہ ایسی کتاب ہے جس کی

قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِیْرًا وَّاُنْذِیْرًا ۝ فَاَعْرَضْ

آجوں کی تفصیل کی گئی ہے علم والوں کے لیے عربی قرآن ہے ۵ ثواب کی خوش خبری دینے والا اور عذاب

اَکْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوا قُلُوْبُنَا فِیْ اَکْثَرِہُمْ مِّمَّا

سے ڈرانے والا انہیں ان میں سے اکثر نے نہ سمجھ لیا سو وہ نہیں سنیں گے ۵ اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں

تَدْعُوْنَا اِلَیْہِ وَفِیْ اٰذَانِنَا وَقَدْ وَّعَدْنَا وَبَیْنَکَ

جا رہے ہیں ہمارے دلوں میں اس پر 'پودے ہیں اور ہمارے کانوں میں ذات

حِجَابٍ فَاَعْمَلْ اِنَّا عَمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ

ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے سو آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کرنے والے ہیں ۵ آپ کہیں:

یٰوْحٰی اِلَیَّ اَتَمَّ اِلَہُکُمْ اِلَہٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْا اِلَیْہِ وَ

میں کھنٹ تہماری مثل بشر ہوں 'میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ ہے شک تمہارا معبود واحد معبود ہے' تم اسی کی طرف

اَسْتَغْفِرُوْہُ ۝ وَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ

مستغفر رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے ۵ جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے

الزَّکٰوۃَ وَہُمْ بِالْاٰخِرَةِ ہُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں ۵ ہے شک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَسْنُوْنٍ ۝

اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو قسم نہیں ہوگا

الذین

۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O یہ الرحمن الرحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے O یہ ایسی کتاب ہے جس کی آجوں کی تفصیل کی گئی ہے علم والوں کے لیے عربی قرآن ہے O ثواب کی خوش خبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا ایس ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ نہیں سنیں گے O اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلارہے ہیں ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے آپ کے درمیان حجاب ہے سو آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کرنے والے ہیں O (خمسہ: ۱۵۰)

حتم کے معانی

دو سات سو تیس جن کو حتم سے شروع کیا گیا ان میں حتم اسجدہ دوسری سورت ہے مفسرین نے کہا ہے کہ حتم اس سورت کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حتم قرآن مجید کا نام ہے اور اس کا قرآن مجید پر اطلاق حقیقتاً ایک قول یہ ہے کہ حتم سے حبیب کی طرف اور حتم سے محبوب کی طرف اشارہ ہے گویا کہ یوں فرمایا: یہ حبیب سے محبوب کی طرف خطاب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حتم سے حکمت کی طرف اور حتم سے منت کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر منت اور احسان ہے کہ اس نے اپنی حکمت سے معمور کلام کو ان کی طرف نازل فرمایا اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کی رحمت ہر چیز کو محیط اور شامل ہے اسی وجہ سے اس نے تمام موجودات کو پیدا فرمایا۔

قرآن مجید کی دس صفات

ہم نے حتم کے معانی میں ایک یہ معنی بیان کیا ہے کہ حتم قرآن مجید کا نام ہے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تین آجوں میں قرآن مجید کی دس صفات بیان فرمائی ہیں:

(۱) قرآن مجید کا نام حتم ہے اور اس کی صفت یہ ہے کہ یہ منزل ہے یعنی اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت و مصلحت نازل کیا گیا ہے۔

(۲) اس کو نازل کرنے والا الرحمن اور الرحیم ہے اور جس طرح اس نے اپنی رحمت کے تقاضے سے صحت مند لوگوں کے لیے مقوی غذائیں پیدا فرمائی ہیں اور بیماروں کے لیے دوائیں پیدا فرمائی ہیں اسی طرح قرآن مجید میں اپنی رحمت کے تقاضے سے بندوں کو اس واحد ذات کی طرف ہدایت دی ہے جو ان کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے اور دنیا میں صالح حیات گزارنے کے لیے جامع دستور عطا فرمایا ہے جس پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں فوز و صلاح حاصل کر سکتا ہے۔

(۳) اس کلام کو کتاب فرمایا ہے اور کتاب اس چیز کو کہتے ہیں جو چند مضامین کی جامع ہو اور یہ کلام اولین اور آخرین کے اہم اور ضروری نقص اور واقعات کا جامع ہے (ب) یہ کلام ہدایت کی تمام انواع اور اقسام کا جامع ہے (ج) انسان کو اپنی دائمی فوز و صلاح کے حصول میں جن چیزوں سے بگڑتا ہو یا ضروری ہے اور جن چیزوں سے متصف ہونا ضروری ہے یہ کلام ان تمام چیزوں کا جامع ہے۔

(۴) اس کلام کی آیات کی تفصیل کی گئی ہے یعنی اس کی آیات متعدد انواع کی ہیں: (۱) بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے وجود کا بیان ہے (ب) بعض آیات میں اللہ کی ان چیزوں سے تشریح بیان کی گئی ہے جو اس کے لیے موجب نقص ہیں اور اس کی شان کے لائق نہیں ہیں (ج) بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کو بیان فرمایا ہے (د) بعض آیات میں اس کے وجود پر دلائل ہیں (ه) بعض آیات میں اس کی توحید کے دلائل ہیں اور اس کے استحقاق عبادت کے

براین ہیں (و) بعض آیات میں نبیوں اور رسولوں کی ضرورت اور ان کی صفات کا بیان ہے (ذ) بعض آیات میں احکام شریعہ کا ذکر ہے (ح) بعض آیات میں قیامت اور حشر و نشر کے دلائل ہیں (ط) بعض آیات میں گزشتہ امتوں کے صالحین اور فاسقین کے قصص ہیں (ی) بعض آیات میں اعمال کے حساب میزان و قیامت جنت و دوزخ اور ثواب اور عذاب کی تفصیلات ہیں سو یہ آیات کی دس انواع ہیں۔

(۵) تم سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ قرآن ہے قرآن لفظ قرء سے بنا ہے یا قرن سے یا قرقرء سے بنا ہو تو قرء کا معنی ہے پڑھنا اور اس کو قرآن اس لیے فرمایا کہ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے قرآن مجید کے سوا دنیا میں کسی کتاب کا کوئی حافظہ نہیں ہے ایک بار چنڑت رام چند نے صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی سے کہا کہ مجھے تمہارے قرآن کے چودہ پارے حفظ ہیں تم بتاؤ تمہیں ہمارا دیکھنا حفظ ہے؟ صدر الافاضل نے فرمایا: یہ تو میرے قرآن کا کمال ہے کہ وہ دشمن کے سینہ میں بھی چلا گیا اور یہ تمہارے دیکھ کا نقص ہے کہ تمہیں خود بھی وہی کی عبارت حفظ نہیں ہے مکمل دیکھو حفظ کرنا تو آگ رہا تم مجھے اس کے چند صفحات کی عبارت ہی زبانی سنا دو یہ سن کر چنڑت رام چند لا جواب ہو گیا اور اگر قرآن کا لفظ قرن سے بنا ہو تو اس کا معنی ہے ملنا اور ملانا سو اس کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی تمام سورتیں اور آیتیں باہم مربوط اور ملی ہوئی ہیں اور یہ قرآن ہندوں کو خدا سے ملا دیتا ہے۔

(۶) قرآن عربی زبان میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلٍ إِلَّا يَرْسِلُنَ قُرْآنًا

ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں مبعوث فرمایا

(ابراہیم ۴) ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ”الْقُرْآنُ“ کا لفظ ہے (التکویف ۳۱) اس کا معنی ہے رستم اور سونے کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا اور یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ”تَجْزِئُ“ کا لفظ ہے (عمر ۸۴) اس کا معنی ہے ٹکڑے اور یہ بھی فارسی کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ”وَشُكْرًا“ کا لفظ ہے (انور ۳۵) اس کا معنی ہے طاق اور یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ”الْمُتَكَلِّمِينَ“ کا لفظ ہے (نبی اسرائیل ۳۵) اس کا معنی ہے ترازو اور یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ”الْقُرْآنُ“ کا لفظ ہے (انور ۲) اس کا معنی ہے پیاز اور یہ سریانی زبان کا لفظ ہے اور قرآن مجید میں ”السنور“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے تندور اور یہ ہندی زبان کا لفظ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ لغات خدا علیہ السلام سے ہیں یعنی ان زبانوں میں بھی مستعمل ہیں اور عربی میں بھی مستعمل ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ الفاظ دوسری زبانوں کے تھے لیکن جب عربوں نے ان الفاظ کو قبول کر لیا اور عربوں میں یہ الفاظ بولے جانے لگے تو گویا کہ عربی زبان ہی کے الفاظ ہو گئے بعض علماء نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ”قُرْآنًا عربیًا“ کا یہ معنی نہیں ہے کہ یہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے بلکہ اس کا یہ معنی ہے کہ یہ عربی اسلوب پر نازل ہوا ہے لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے اور بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کے تمام الفاظ عربی ہیں بلکہ اس کا یہ معنی ہے کہ اس کے اکثر الفاظ عربی ہیں یہ جواب صحیح تو ہے لیکن عمدہ جواب نہیں ہے۔

(۷) علم والوں کے لیے عربی قرآن ہے علم والوں کے لیے اس وجہ سے فرمایا کہ عربی اسلوب اور عربی قواعد کے اعتبار سے جو اس کے نکات ہیں ان کو علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں مثلاً مبتداء کسی جگہ مقدم ہوتا ہے کسی جگہ مؤخر ہوتا کہیں اسم ظاہر کو لایا جاتا ہے کہیں اسم ضمیر کو لایا جاتا ہے کہیں مصدر ہوتا ہے کہیں فعل اور وصل ہوتا ہے کہیں افعال اور کہیں تفصیل ہوتی

ہے کہیں کسی نقطہ سے حقیقت مراد ہوتی ہے کہیں اس سے مجاز مرسل اور کہیں مجاز بالا استعارہ مراد ہوتا ہے کہیں کسی چیز کو ذکر کیا جاتا ہے اور کہیں حذف کر دیا جاتا ہے کہیں متعین ظاہر حال کے موافق کلام ہوتا ہے کہیں خلاف متعین ظاہر حال کلام ہوتا ہے "علیٰ ہذا التماس اور یہ ایسے امور ہیں کہ ان کو فصاحت و بلاغت اور فن عربیہ کے جاننے والے ہی سمجھ سکتے ہیں اسی لیے فرمایا ہے:

وَلَوْلَا الْإِنشَاءُ لَفُتِرَ بَعْضُ الْبَلَاغِ وَمَا يَتَوَلَّاهَا إِلَّا الْعُلَمَاءُ ۝ (الحیوت: ۳۳)

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں ان کو صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں ۝

(۸) یہ قرآن بشارت دینے والا ہے یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور نہ بے کاموں سے بچتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان کے لیے قرآن مجید آخرت میں دائمی نعمتوں اور اجر و ثواب کی بشارت دینے والا ہے۔

(۹) یہ قرآن ڈرانے والا ہے یعنی جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان نہیں لاتے شرک اور کفر کرتے ہیں اور فسق و فجور کے کام کرتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرتے ہیں ان کے لیے قرآن مجید آخرت میں دائمی عذاب اور دوزخ کی وعید سنانے والا ہے۔

(۱۰) کافروں نے قرآن مجید کے پیغام پر کان نہیں دیا اور اس سے اعراض کیا یہ ظاہر وہ قرآن مجید کو سنتے ہیں لیکن وہ اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور جس کو وہ گمراہی میں چھوڑ دے وہ گمراہ ہے اس سے پہلے قرآن مجید کی جو توصیات بیان فرمائی ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی میں غور و فکر کیا جائے تدبر اور فکر کیا جائے کیونکہ اس کو الرحمن اور الرحیم نے نازل کیا ہے اس لیے اس میں لوگوں کی دائمی رحمت کا سامان ہے اور یہ عربی زبان میں ہے اس لیے اس سے استفادہ کرنا آسان ہے اور اس میں ثواب کی خوشخبری اور عذاب کی وعید ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ان احکام کو جانے جن پر عمل کرنے سے وہ ثواب کا مستحق ہوگا اور ان کاموں کی واقعیت حاصل کرے جن کے نتیجہ میں وہ عذاب کا مستحق ہوگا اس کے باوجود انہوں نے قرآن مجید سے اعراض کیا اور اس کی طرف توجہ نہیں کی اللہ تعالیٰ کو یہ شکوہ کافروں سے ہے لیکن اب اکثر مسلمانوں نے بھی عملاً قرآن کریم سے اعراض کیا ہوا ہے وہ قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہیں اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں عمل کے خلاف میں اس کو لپیٹ کر رکھتے ہیں لیکن اس کی تلاوت نہیں کرتے کوئی عزیز فوت ہو جائے تو بس سورہ یسین کی تلاوت کر لیتے یا کسی دینی مدرسہ سے کچھ طلبہ بلوا کر قسم قرآن کریم پڑھ لیتے ہیں اس کے معانی کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے اس کے احکام پر عمل کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

کفار کے دلوں پر پردوں اور کانوں میں ڈاٹ کا سبب

تم السجدہ: ۵ میں ہے: "اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے آدھ آپ کے درمیان حجاب ہے سو آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کرنے والے ہیں ۝"

اس آیت میں "اکنہ" کا لفظ ہے یہ کنان کی جمع ہے کنان اس پردے کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپا لیتا ہے یعنی اس کی غایت کرتا ہے اور اس تک دوسری چیزوں کے کھینچنے سے مانع ہوتا ہے "شرکین کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے دلوں پر ایسے پردے ہوئے ہیں جو آپ کی دعوت اور پیغام کی فہم اور اس کو سمجھنے سے مانع ہیں اور اس آیت میں "وقہر" کا لفظ ہے اس کا معنی

ہے ذات اور کارک برحق کے اوپر ایک مضبوط کارک لگا ہوا ہوتا ہے جو باہر کی کسی چیز کو بدل کے اندر جانے نہیں دیتا، انہوں نے کہا: ہمارے کانوں میں بھی اسی طرح ذات اور کارک ہے جس کی وجہ سے آپ کی آواز ہمارے کانوں میں نہیں پہنچتی دراصل ان کے دلوں پر دنیا کی گونا گوں رنگینوں اور اس کی زیب و زینت کی محبت کے قفل گھمے ہوئے تھے اس لیے وہ کوئی ایسی بات سننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کی ناجائز خواہشوں کے پورا ہونے میں کوئی کمی آتی یا غیر شرعی لذت اندوزی میں کوئی فرق پڑتا، قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوا أَفَلَوْا بِنَا غُلِقَ ابْنُ آدَمَ اللَّهُ بَلْغَىٰ هُوَ
(البقرہ: ۸۸) ہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے۔

اور اس آیت میں فرمایا: ”اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے“ یہ حجاب ان کی اندھی تقلید اور باطل خواہشوں کا ہے اور کفر اور شرک کے ساتھ ان کی شدید وابستگی اور سخت محبت کا ہے۔

اس آیت میں صرف ان کے دلوں اور کانوں کا ذکر فرمایا ہے اور دل سے مراد عقل ہے اور عقل اور داک کا اصل ذریعہ ہے اور کانوں کے ذریعہ کوئی بات عقل تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اور داک کے تمام ذرائع جو انہیں حاصل تھے وہ ان کی ناجائز خواہشوں اور اندھی تقلید کی وجہ سے معطل ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے کہا: ”آپ اپنا کام کیجئے ہم اپنا کام کر رہے ہیں“ یعنی ہم آپ کے پیغام پر عمل نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کیجیے میں محض تمہاری مثل بشر ہوں میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ بے شک تمہارا معبود واحد معبود ہے تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے O جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے اور دو آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا O (ختم السجدہ: ۸-۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ ختم السجدہ: ۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ یوں فرمائیں کہ میں اس پر قادر نہیں ہوں کہ میں تم کو جو اور قبر سے ایمان کے ساتھ متصف کروں کیونکہ میں تمہاری مثل بشر ہوں اور میرے اور تمہارے درمیان صرف یہ امتیاز ہے کہ اللہ عزوجل نے میری طرف وحی نازل فرمائی ہے اور تمہاری طرف وحی نازل نہیں کی پھر اگر اللہ تم کو توحید پر ایمان لانے کی توفیق دے تو تم ایمان لے آؤ اور اگر وہ تم کو اس توفیق سے محروم رکھے تو تم اس پر ایمان لانے کو رد کرو۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۳۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میں فرشتہ نہیں ہوں اولاد آدم سے ہوں۔ حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس قول سے آپ کو تاضیع کی تعلیم دی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۰۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عربی شاہی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

میں فرشتہ یا جنی نہیں ہوں کہ تمہارے لیے مجھ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہو اور نہ میں تمہیں کسی ایسی چیز کی دعوت دیتا ہوں جس سے عقل اور کان متغیر ہوں میں تو تم کو صرف توحید کی اور نیک عمل کی دعوت دیتا ہوں جن کی صحت پر عقل دلالت کرتی ہے اور نقل بھی اس کے درست ہونے پر شاہد ہے۔ (تفسیر بیضاوی مع الخطابی ج ۸ ص ۲۹۳، ۲۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی نے علامہ بیضاوی کی اس عبارت کو نقل کر دیا ہے۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۴۹) دار الفکر بیروت ۱۳۹۷ھ

میں دیکھا بھی جاتا ہوں اور میری بات سنی بھی جاتی ہے اور میرے اور تمہارے درمیان یہ ظاہر کوئی جنسی مغررت بھی نہیں ہے تو تمہارا یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سننے میں آئے اور میرے اور تمہارے درمیان کوئی روک ہو نہ بجائے میرے کوئی غیر جنسی یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ تمہارے دیکھنے میں آئیں نہ ان کی بات سننے میں آئے نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں تمہارے اور ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں کیونکہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا تو تمہیں مجھ سے مانوس ہونا چاہیے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنی چاہیے کیونکہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے اس لیے کہ میں وہی کہتا جو مجھے وحی ہوتی ہے

قائدہ: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ لحاظ ظاہر ”انا بشرو مثلكم“ فرمانا حکمت ہدایت و ارشاد کے لیے یہ طریق تو اضع ہے اور جو حکمت تو اضع کے لیے کہے جائیں وہ تو اضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتے ہیں چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری و صوفیانہ ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی احمق کو روانہ نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معاش ہونے کا دعویٰ کرنے لگے یہ بھی غلط و ہٹا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ہماری بشریت کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ (حضرت اصرقان رکنِ کراچی ۱۵ جولائی ۱۹۷۹ء تا ۷ اگست ۱۹۷۹ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا بھی ایک معجزہ الٰہی ہے اور اس میں بہت تعریف کی گئی ہے۔ بعض لوگ اس میں غلو کرتے ہیں اور آپ کو نور محض مانتے ہیں اور آپ کے بشر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور بعض اس مسئلہ میں تعظیم کرتے ہیں اور آپ کو اپنا سا بشر کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ بشر ضرور ہیں لیکن افضل البشر ہیں اور آپ کے کسی وصف میں آپ کا کوئی مماثل نہیں ہے۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

معتقدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ ملائکہ بھی رسول ہیں۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد نہ کوئی جن نہی ہوا نہ عورت۔ (بہار شریعت ج ۱ ص ۱۷۷ مطبوعہ دارالعلوم دیوبند)

صدرالافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

نمیا وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے یہ وحی کبھی فرشتہ کی معرفت آتی ہے کبھی بے واسطہ۔

(کتاب العقائد خمس) (مطبوعہ دارالکتاب کراچی)

ان حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت بشر اور انسان ہے اور آپ کا مادہ ملکت چاند اور سورج کی طرح حسی نور نہیں ہے۔ آپ نور ہدایت ہیں اور نور ہدایت ہی حسی نور سے افضل ہے۔ ہاں بعض اوقات آپ کے ادوات کی جھریوں سے حسی نور کی شعاعیں نظر آتی تھیں۔ آپ بشر ہیں اور بے مثل بشر ہیں۔ قرآن مجید میں جو ہے آپ کہیے: میں تمہاری مثل بشر ہوں۔ "تو یہ مماثلت کسی وجودی وصف میں نہیں ہے یہ مماثلت صرف مدعی وصف میں ہے۔ جی۔ صرف اس چیز میں ہماری مثل ہیں کہ نہ ہم خدا ہیں نہ آپ خدا ہیں اور پوری کائنات میں وجودی وصف میں کوئی آپ کا

مماش نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا ہونا بھی ایک اہم مسئلہ ہے ہمارے زمانہ میں بعض دماغین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نور تھی اور بشریت آپ کا لباس تھی جب کہ اس کے برخلاف قرآن مجید کی حدود و خصوص میں تصریح ہے کہ آپ بشر تھے اور نوع انسان سے تھے اگر آپ کی حقیقت بشر اور انسان نہ ہوتی تو آپ انسانوں کے لیے اسوۂ اور نمونہ نہ ہوتے اور آپ کے اعمال انسانوں پر حجت نہ ہوتے اور انسانوں کے لیے آپ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔

استقامت کا معنی اور اس کی اہمیت

اس کے بعد فرمایا: ”تم اسی کی طرف مستقیم رہو اور اسی سے استفادہ کرو۔“

اس آیت میں ہے: ”تم اسی کی طرف مستقیم رہو۔“ استقامت کا معنی ہے: متوسط طریقہ پر دائم اور مستمر رہنا، یعنی تم عقیدہ توحید پر اور نیک اعمال پر مستقیم رہو اور اس سے سرمو اعرف نہ کرو استقامت کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو اور تم ہر گز نہ رہ سکو گے اور یاد رکھو تمہارا سب سے اچھا عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کر سکتا ہے (اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۷۷۰، مسند احمد ج ۵ ص ۴۷۷، مسند احمد ج ۳ ص ۶۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۵۷، سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۵۵، السنن رک ج ۱ ص ۱۳۰، سنن کبریٰ للبخاری ج ۱ ص ۱۸۲، المعجم الکبیر للنسائی رقم الحدیث: ۶۱۷۰، کتاب المغنی للبخاری ج ۳ ص ۶۶۸، المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۶۹۳، معجم الجوامع رقم الحدیث: ۶۹۷۰)

علامہ شمس الدین محمد عبدالرؤف منادی حوتی ۱۰۳۱ھ استقامت کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا: استقامت سے مراد ہے حق کی اتباع کرنا، نیک کام کرنا اور سیدھے راستے کو لازم رکھنا اور یہ بہت مشکل کام ہے اس کو وہی شخص کر سکتا ہے جس کا قلب کدورات بشریہ اور ظلمات نفسانیہ سے صاف ہو اور تجلیات قدسیرہ سے روشن ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے اس کی تائید کی ہو اور اس کو شیطان کی تحریکات، تخریصات اور ترغیبات سے محفوظ رکھا ہو۔

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ کامل استقامت سے صرف وہی شخص متصف ہو سکتا ہے جس کا بہت ارفع اور بلند مقام ہو اور یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ استقامت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئے لوگوں سے خندہ پیشانی سے اور مسکراتے ہوئے ملاقات کرے اور ان کے ساتھ ایسے سلوک کے ساتھ پیش آئے جیسے سلوک کو وہ اپنے ساتھ پسند کرتا ہو علامہ طیبی نے کہا ہے کہ استقامت کی دو قسمیں ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ استقامت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور دوسری بندوں کے ساتھ استقامت ہے یعنی بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو اور تم ہر گز نہ رہ سکو گے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استقامت کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اور تم یہ حق ادا نہیں کر سکو گے کیونکہ اس کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے اور تم اپنی پوری طاقت خرچ کرنے کے بعد بھی اس کا حق ادا نہیں کر سکتے پس تم حتی الوسع نیک کام کرتے رہو اور نیکی کرنے کے قریب رہو کیونکہ تم تمام نیک اعمال کا احاطہ نہیں کر سکتے اور مخلوق سے کوئی نہ کوئی تقصیر اور کوتاہی ضرور ہوتی ہے جس پر اسے بعد میں ملال ہوتا ہے اور اس سے آپ کا مقصد اس پر صحیحہ کرنا ہے کہ پوری کوشش کرنے کے باوجود تم سے کوئی نہ کوئی تقصیر ضروری ہوگی۔

قاضی نے کہا: آپ نے یہ اس لیے فرمایا ہے تاکہ تم اس سے غافل نہ ہو اور نیکی کے حصول میں حد سے زیادہ مشقت میں

نہ پڑو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو تم اپنے بچے اور قصور کی بنیاد پر جو نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے گا۔
 علامہ مجلسی نے کہا: آپ نے جو فرمایا ہے تم ہرگز نہ کر سکو گے یہ اس لیے ہے کہ اگر استقامت پر رہنا تمہارے لیے دشوار ہو تو سنو اللہ تعالیٰ کی جو تم پر شفقت اور رحمت ہے وہ بے حساب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا تھا:
اَتَقْوُوا اللہَ حَقَّ تَقْوٰیہ (آل عمران: ۱۰۳)
 اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

یعنی کما حقہ تقویٰ حاصل کرنا اور کما حقہ اس سے ڈرنا واجب ہے پھر اس پر صحیحہ فرمائی کہ عام مسلمانوں کے لیے اس مرتبہ کو حاصل کرنا مشکل اور دشوار ہے اس لیے ان پر آسانی کرتے ہوئے فرمایا:
فَاتَّقُوا اللہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التعاون: ۱۷)
 ستم اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرو اور تقویٰ حاصل کرو۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: استقامت پر رہو اور چونکہ ہر چیز میں استقامت پر رہنا امت کے لیے مشکل اور دشوار تھا۔ اس لیے فرمایا: اور تم ہرگز نہ رہ سکو گے (اور امت کے لیے آسان حکم بیان فرمایا) اور یاد رکھو تمہارے لیے سب سے اچھا عمل نماز ہے یعنی اگر ہر معاملہ میں تمہارے لیے استقامت پر رہنا دشوار ہو تو تم بعض کاموں میں استقامت کو لازم کرو اور وہ کام نماز ہے جو عبادت کی تمام انواع کی جامع ہے اس میں قرآن مجید کی تلاوت ہے، تسبیح تحمید اور جلیل ہے اور لوگوں سے بات چیت سے اپنے آپ کو روکنا ہے (نماز کے دوران کھانے پینے اور خواہش نفس سے رکتا ہے اور یہ روزہ کا ذائقہ ہے) پاکیزہ چیزوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنا ہے اور یہ زکوٰۃ کی جھلک ہے بیت اللہ کی طرف منہ کرنا ہے اور یہ حج کا نمونہ ہے آرام کا رد بار اور دوستوں اور بیوی بچوں کی مجلس چھوڑ کر مسجد میں آنا ہے اور یہ نفس سے جہاد اور جہاد اکبر ہے اور یہ مؤمنوں کی معراج ہے اور اللہ کی بارگاہ اقدس کی طرف قریب کرنے والی ہے اور نماز کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جس کا تقویٰ میں قدم راجح ہو سو تم نماز کو لازم رکھو اور اس کی حدود کو قائم کرو خصوصاً نماز کے مقدمہ کو جو کہ وضو ہے اور نصف ایمان ہے اور آپ نے فرمایا: وضو کی حفاظت صرف مؤمن ہی کر سکتا ہے ظاہری طہارت تو اعضاء وضو کو دھونا ہے اور باطنی طہارت نا جائز خواہشوں سے اپنے دل کو پاک رکھنا ہے اور انہما کی محبت سے دل کو صاف رکھنا ہے اور استقامت کے حصول میں کوشش بھی غالب ہوتی ہے اور یہ بھی مطلوب ہوتی ہے یعنی اپنے باطن کو گناہوں کے سیل بجیل سے صاف رکھنے کی کوشش اور اس میں استقامت کا کما حقہ حصول تمہارے لیے بہت مشکل اور دشوار ہے لیکن تم اپنے باطن کو صاف رکھنے کے لیے بار بار کوشش کرتے رہو جیسے تمہارا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو تم پھر دوبارہ وضو کرتے ہو اسی طرح نیک اور پاکیزگی کے حصول میں اگر تم سے لغزش ہو جائے تو پھر دوبارہ وضو کرنا ہو جیسے تم بارہ کوشش کرو اور ہمت نہ ہارو اور شیطان سے شکست کو قبول نہ کرو اور استقامت کے حصول میں تادم مرگ لگے رہو کیونکہ تم استقامت کے معاملہ میں بشریت کے بجز اور ربوبیت کی اعانت کے درمیان ہو اور غفلت اور تقصیر اور کوشش اور ہمت کے مابین ہو جیسا کہ تم ہمیشہ با وضو رہنے کی لگن کے باوجود وضو توڑنے اور وضو کرنے کے درمیان رہتے ہو۔

علامہ ذہبی نے کہا: امام ابن ماجہ کی سند میں منصور اور سالم کے درمیان اتفاق ہے حافظ عراقی نے کہا: اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں حافظ مغطائی نے کہا: اس کی سند میں کوئی خالی نہیں علامہ دیمیری نے کہا: اس کی سند ثابت ہے اس حدیث کو جوامع الکفر سے شمار کیا گیا ہے۔ (فیض القدر ج ۱ ص ۹۷۸-۹۷۹) کتبہ دار مصطفیٰ الہادیہ لاہور (۱۳۸۸ھ)

استقامت کو استغفار پر مقدم کرنے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: اور اسی سے استغفار کرو پہلے فرمایا: تم اسی کی طرف مستقیم رہو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت و انما کرتے رہو

پھر فرمایا: اور اسی سے استغفار کرو یعنی اسی سے اپنے گناہوں کی معافی پاؤ گا۔ یہ ہے کہ انسان پہلے روزاں سے خالی ہوتا ہے پھر فضائل سے شغف ہوتا ہے اس لیے پہلے استغفار کا حکم دینا چاہیے تھے پھر تقسیم رہنے کا حکم دینا چاہیے تھے اور یہاں خلاف ظاہر اس لیے ہے کہ بندہ کو استقامت کا حکم دیا لیکن چونکہ استقامت پر رہنا بہت مشکل اور دشوار ہے اس لیے استقامت پر رہنے میں کوئی نہ کوئی خطا اور تقصیر ضرور ہوگی اس لیے یہ ہدایت دی کہ اگر استقامت پر رہنے میں تم سے کوئی کمی یا کوتاہی ہو جائے تو تم اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہت استغفار کرتے تھے ہر چند کہ آپ ہر نوع کی تقصیر سے ہر اور منزہ تھے۔ حدیث میں ہے:

حضرت اغر مزی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بعض صحابہ کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے) میرے قلب پر حجاب چھا جاتا ہے اور میں ہر روز اللہ سے سورت استغفار کرتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۲۰)

زکوٰۃ نہ دینے پر مشرکین کی مذمت کی توجیہ

تم اسجد: ۷۰ میں فرمایا: "اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے O جو زکوٰۃ (خیرات) ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں O"

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سورہ تم اسجد کی ہے اور زکوٰۃ مدینہ منورہ میں دوہجری کو فرض ہوئی تھی پھر اس سورت میں جو مشرکین کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) مجاہد اور ربیع نے کہا: اس آیت میں زکوٰۃ کا معروف اور اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ترکہ فیس ہے یعنی وہ اپنے اعمال کا ترکہ نہیں کرتے اور ایمان لا کر اپنے اعمال کو پاک اور صاف نہیں کرتے۔

(۲) حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ لا الہ الا اللہ نہیں کہتے یعنی اپنے نفس کو شرک سے پاک نہیں کرتے۔

(۳) اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد نفل صدقات ہیں یعنی وہ صدقات اور خیرات نہیں کرتے۔

(۴) ہر چند کہ تفصیل کے ساتھ زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی ہے لیکن ایمان زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہو گئی تھی جس طرح آغا ز اسلام میں نماز فرض ہو گئی تھی اسی طرح ایمان زکوٰۃ بھی ابتداء اسلام میں فرض ہو گئی تھی ابتداء میں زکوٰۃ کا لفظ صرف خیرات کا مترادف تھا اس کی مقدار نصاب سال گزرنے کی قید اور شرح زکوٰۃ کی تفصیلات مدینہ میں فرض کی گئیں۔ سورہ منزل ابتدائی سورت ہے اس میں ہے:

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي كَانَتْ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَنِيفًا ۚ (الزلزلہ: ۲۰)

آیا کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں؟

شواہد کا موقف یہ ہے کہ کافر اور مشرک جس طرح ایمان لانے کے مکلف ہیں اسی طرح وہ احکام شریعہ پر عمل کرنے کے بھی مکلف ہیں اور احکام کا مشہور مذہب اس کے خلاف ہے اس آیت میں چونکہ مشرکین کی اس بات پر مذمت کی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین زکوٰۃ ادا کرنے کے بھی مکلف ہیں اور یہی شافعیہ کا مذہب ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی حنفی ۶۰۶ ح فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار بھی فروع اسلام کے مکلف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کے لیے ہلاکت ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور یہ وعید شدید ان کے شرک کی بناء پر بھی ہے اور ان کے

ذکوۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے بھی ہے۔ (تیسرے کیرجہ ص ۳۳۱ دارالاجلہ لائبریری نورث ۱۳۵۵ء)

فقہاء احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں:

کفار اس چیز کے مخاطب ہیں کہ وہ ذکوۃ اور نماز کی فریضت کا اعتقاد رکھیں نہ کہ ذکوۃ ادا کرنے اور نماز پڑھنے کے مخاطب ہیں۔

اور بعض فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ وہ اس چیز کے مکلف ہیں کہ ایمان لانے کے بعد نماز پڑھیں اور ذکوۃ ادا کریں جیسے مسلمان نماز پڑھنے کے حکم کے مخاطب ہیں کہ وہ وضو کرنے کے بعد نماز پڑھیں۔

اس آیت میں مشرکین کے تین جرائم کی وجہ سے ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے ایک جرم ان کا شرک ہے دوسرا جرم یہ ہے کہ وہ خیرات اور صدقات نہیں دیتے تھے اور تیسرا جرم یہ ہے کہ وہ آخرت کا انکار کرتے تھے

مومن کی صحت کے ایام کے نیک اعمال کا سلسلہ مرض اور سفر میں بھی منقطع نہیں ہوتا

تم اس جہد ۸: میں فرمایا: ”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔“

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی وعید بیان فرمائی تھی اور اس آیت میں مومنوں کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا ہے مومن صحت کے ایام میں جو نیک عمل کرتا ہے اگر وہ مرض یا سفر کی وجہ سے وہ نیک عمل نہ کر سکے اللہ تعالیٰ اس کو مرض اور سفر کے ایام میں بھی ان نیک اعمال کا اجر عطا فرماتا رہتا ہے اور اس کے اجر کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اس پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے جسم میں کوئی بیماری ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے: میرا بندہ جو نیک عمل کرتا تھا اس کے صحیفہ اعمال میں ہر روز وہ عمل لکھتے رہو۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۶، مجمع البحرین ص ۸۸)

نیز حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کسی ایسے طریقے سے عبادت کر رہا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو جو فرشتہ اس پر مامور ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تندرستی کے ایام میں جو عمل کرتا تھا اس کا وہ عمل لکھتے رہو حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۹، جامع البحرین ص ۸۸)

عون بن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اور اس کی بیماری پر بے قراری تجب خیر ہے اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کی بیماری میں کتنا اجر ہے تو وہ یہ چاہے گا کہ وہ تا حیات بیمار ہی رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگے: آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کس وجہ سے آسمان کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے دو فرشتوں کو دیکھ کر تعجب ہوا کہ ایک جائے نماز میں اس کے نمازی کو ڈھونڈ رہے تھے اس جگہ وہ نمازی نہیں ملا تو وہ واپس چلے گئے پھر انہوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم تیرے ملائے بندہ کا نیک عمل دن رات لکھتے تھے اب ہم کو معلوم ہوا تو نے اس کو اپنی (نقدیری) کسی سے باندھ لیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم میرے بندے کے اسی عمل کو لکھتے رہو جو وہ دن رات کیا کرتا تھا اور اس میں کوئی کمی نہ کرو اور میں نے جتنے ایام اس کو روک لیا ہے ان ایام کا اجر میرے ذمہ ہے اور جو عمل وہ کیا کرتا تھا اس کا اجر اس کو ملتا رہے گا۔

(المجموع الاوسط ج ۳ ص ۲۳۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۰ھ، مسند ابو ارجح ص ۳۶۵، مجمع البحرین ص ۸۸، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ چار ہو جائے یا کسی سفر پر جائے تو اس کو اس کے ان نیک اعمال کا اجر ملتا رہے گا جو وہ صحت کے ایام میں حالت اقامت میں کیا کرتا تھا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۹۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۱، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۱۱۵، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۵۳۳)

قُلْ اَیُّكُمْ لَکُفْرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ
آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شرکاء
وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ۚ ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ وَجَعَلَ فِیْهَا
قرار دے رہے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ ۵ اور اس نے زمین
رَوَاسِیٍّ مِّنْ فَوْقِهَا وَبَرٰکَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا
کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا
فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ۚ سَوَآءٌ لِّلْسَآبِلِیْنَ ۙ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلٰی
بھی چار دنوں میں مقدر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے ۵ پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا
السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اِئْتِیَا طَوْعًا
اور وہ اس وقت دھواں تھا پھر اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی
اَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَا اَتَيْنَا طَآعِیْنِ ۙ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمَوٰتٍ
سے حاضر ہو ان دونوں کے کہہ: ہم دونوں پہ خوشی حاضر ہیں ۵ تو اس نے دو دن میں ان کو پورے
فِیْ یَوْمَیْنِ ۚ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۚ وَنَزَّلْنَا السَّمَآءَ
سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اسی کے حقائق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو
الدُّنْیَا بِسَبْعَیْنِ ۙ وَحَفِظَّا ۚ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۙ
چنانچوں سے حزن فرما دیا اور اس کو محفوظ فرما دیا یہ بہت غالب ہے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اعجاز ہے ۵
فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ
پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے

وَتَمُودَ ۝ اِذْ جَاءَهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ وَمِنْ

ڈرلیا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عاوا اور قصور پر آیا تھا O جب ان سے پہلے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں

خَلْفَهُمْ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ۝ قَالُوْا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ

(متواتر) رسول آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے کہا: اگر ہمارا

مَلٰٓئِكَةٌ فَاْتَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ كُفْرُوْنَ ۝ ۱۴ ۝ فَاَمَّا عَادُ

رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل فرمادیتا سو تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں O پس رہے

فَاَسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا اَمِنْ اَشَدُّ

عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟

مِنَّا قُوَّةٌ ۝ اَوْ لَمْ يَدْرُوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ

کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت

مِنْهُمْ قُوَّةٌ ۝ وَكَانُوْا بِآيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ ۱۵ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلِيْمٌ

والا ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تھے O سو ہم نے (ان کے) مٹھوں

رِيْحًا صَرَصَرًا فِیْ اَيَّامٍ نَّحْسٰتٍ لِّنُنذِرَیْكُمْ عَذَابَ الْخٰزِیْ فِی

دوں میں ان پر خوفناک آواز والی آمدنی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں

الْحٰیوۃ الدُّنْیَا وَلِعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اُخْزٰی وَهُمْ لَا یَنْصَرُوْنَ ۝ ۱۶ ۝

ذلت کے عذاب کا حرا جھکا لیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی (پاکل) مدد نہیں کی جائے گی O

وَاَقَاتِمُوْذِفِهْدِیْنِہُمْ فَاَسْتَحَبُّوا الْعٰلٰی عَلٰی الْهُدٰی فَاَخَذَتْہُمْ

اور رہے قصور تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے کم راہی کو ہدایت پر ترجیح دی سو ان کے کرماتوں کے باعث سخت

صِعْقَۃ الْعَذَابِ الْہُوْنِ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ ۱۷ ۝ وَنَجَّیْنَا الَّذِیْنَ

ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا O اور ہم نے ان لوگوں کو

اَسْتَوَادُ کَالْوَايْتَقُونِ ۱۸

(اس عذاب سے) بچا لیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دو دنوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شر کا روبرو رہے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے ۵ اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقدر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے ۵ پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا پھر اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہو ان دونوں نے کہا: ہم یہ خوشی حاضر ہیں ۵ تو اس نے دو دن میں ان کو پورے سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اسی کے متعلق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو چھ انھوں سے مزین فرمایا اور اس کو محفوظ فرمادیا یہ بہت غالب ہے حد علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے ۵ پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عا اور خود پر آیا تھا ۵ (تم اسجد: ۱۳-۹)

مشرکین کے کفر کی تفصیل

اس سے پہلے تم اسجد: ۶ میں فرمایا تھا: ”آپ کہیے میں تمہاری مثل بشر ہوں میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف واحد معبود ہے ۵“ اب اسی کے موافق یہ فرمایا ہے کہ عبادت کے استحقاق میں تمہارا ان بتوں کو اللہ کا شریک قرار دینا جائز نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم الشان آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان سب چیزوں کو بہت قلیل مدت یعنی چھ دنوں میں پیدا فرمادیا ہے، پس جس ذات کی یہ شان ہے اس کی عبادت کے استحقاق میں اس نے جان لکڑی اور پتھر کی صورتوں کو اس کا شریک قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

تم اسجد: ۹ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے کفر اور شرک دو گناہوں کا ذکر فرمایا ہے ان کے کفر کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) مشرکین یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنا کفر ہے۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ کے مکلف ہونے کا انکار کرتے تھے رسولوں کی بعثت کا انکار کرتے تھے خصوصاً انسان اور بشر کے رسول ہونے کا انکار کرتے تھے اور یہ تمام چیزیں کفر ہیں۔

(۳) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی اضافت کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے اور یہ تمام باتیں کفر ہیں۔

اور ان کا شرک واضح تھا وہ اپنے ہاتھوں سے تراش کر بت بناتے تھے پھر ان کو اللہ کا شریک کہتے تھے اللہ تعالیٰ ان کا رد فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے چھ دنوں میں یہ پوری جیتی جاگتی کائنات کھڑی کر دی تم ایسے عظیم الشان خالق کو چھوڑ کر لکڑی اور پتھر کے بے جان اور حقیر مجسموں کی پرستش کر رہے ہو۔

زمین آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کی تفصیل

تم اسجد: ۱۳-۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان اور اس میں رہنے والوں کی ضروریات کو پیدا کرنے کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے تاکہ وہ اپنے محور پر گردش کرتی رہے اور اپنے مرکز سے ادھر ادھر نہ ہو اور اس میں برکت رکھی برکت کا معنی ہے: کسی چیز میں خیر کثیر کا حاصل ہونا یعنی اس نے زمین میں دریا پیدا کیے درخت پیدا کیے اور درختوں میں پھل پیدا کیے اور مختلف قسم کے حیوانات پیدا کیے اور اس میں ہر وہ چیز پیدا کی جس کی جان داروں کو

زندگی گزارنے کے لیے ضرورت ہو سکتی ہے۔

نیز فرمایا: "اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقدر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے O" اس کا معنی یہ ہے کہ جانداروں کو اپنی زندگی میں جن چیزوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے وہ سب چیزیں پیدا کیں اس نے زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی "نہروں اور دریاؤں سے پانی میا کیا" آسمان سے بارش نازل فرمائی سورج کی تہاتز اور حرارت سے غلہ اناج اور پھلوں کو پکایا اور چاند کی کرنوں سے ان میں ڈال دیا اور یوں جانداروں کے لیے غذا فراہم کی۔

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں زمین پیدا کی چار دنوں میں زمین والوں کے لیے غذا پیدا کی اور دو دنوں میں آسمان پیدا کیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے آٹھ دنوں میں پیدا کیا حالانکہ دوسری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے: **اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ** (المجادہ: ۳ الفرقان: ۵۹: ۶۸)

درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چار دنوں میں زمین والوں کے لیے غذا پیدا کرنے کا جو ذکر ہے اس میں وہ دو دن بھی شامل ہیں جن دو دنوں میں زمین پیدا کی گئی ہے۔

تم المجدہ: ۱۱ میں فرمایا ہے: "پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا" اس آیت سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین بنائی گئی پھر آسمان بنایا گیا حالانکہ دوسری آیت میں ہے کہ پہلے آسمان بنایا پھر زمین بنائی ارشاد ہے:

وَقَدْ سَخَّرَهَاكُمْ لِلسَّاعَةِ وَالْآخِرَةِ وَهَبَ لَكُمُ الْيَوْمَ وَالْآخِرَةَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ (الفرط: ۳۰: ۶۸)

اللہ نے آسمان کو بلند کیا پھر اس کو برابر کیا O اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے روشن دن کو نکالا O اور اس کے بعد زمین کو ہموار کیا اور اس کو پھیلا دیا

اس کا جواب یہ ہے کہ تم المجدہ: ۱۱ میں جو زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نفس زمین اور اس کے بادے کو آسمان سے پہلے بنایا اور فطر صحت: ۳۰ میں جو آسمان کے بعد زمین کے بنانے کا ذکر ہے اس سے مراد ہے زمین کو پھیلاتا اور اس کو ہم دار کرنا۔

نیز تم المجدہ: ۱۱ میں فرمایا ہے: "پھر اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے حاضر ہونا نہیں" کہا: ہم خوشی سے حاضر ہیں "اس سے زمین اور آسمان کا آنا جانا معروف طریقہ سے حاضر ہونا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان سے فرمایا: تم وجود میں آ جاؤ سو وہ وجود میں آ گئے جیسے اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے متعلق فرمایا: ہو جاؤ وہ ہو جاتی ہے۔

زمین آسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتے کے دن پیدا فرمایا اور اتوار کے دن اس میں پہاڑوں کو پیدا کیا اور ہجر کے دن درختوں کو پیدا فرمایا اور مکروہ چیزوں کو منگل کے دن پیدا فرمایا اور نور کو بدھ کے دن پیدا فرمایا اور جمعرات کے دن اس میں چوپایوں کو پھیلا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب کے بعد جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا اور وہ سات ساعیات جمعہ میں آخری ساعت تھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۸۰ مکتبہ نزہۃ صوفی، مکتبہ مدینہ ۱۳۷۷ھ)

اس روایت میں آسمانوں کے پیدا کرنے کا ذکر نہیں ہے، امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں پوری تفصیل ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے حقائق سوال کیا، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور منگل کے دن پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان نفع آور چیزوں کو پیدا کیا جو پہاڑوں میں ہیں اور بدھ کے دن درختوں کو اور پانی کو اور شہروں کو اور آبادیوں کو اور دیرالوں کو پیدا کیا یہ وہ چار دن ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے: ”آپ کہے: کیا تم واقعی اس ذات کا کفر کر رہے ہو جس نے دونوں میں زمین کو پیدا کیا اور تم اس کے شر کا مقرر دے رہے ہو حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے“ اور اس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑ نصب کر دیئے اور اس میں برکت رکھی اور زمین میں رہنے والوں کی غذا بھی چار دنوں میں مقرر کی جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے“ O ”(تم اس حدیث: ۹۱۰۰) اور اس نے جمرات کے دن آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں کا چاند سورج اور فرشتوں کو تین ساعتوں تک پیدا کیا اور ان تین ساعتوں میں سے پہلی ساعت میں لوگوں کی مدت حیات مقرر فرمائی اور دوسری ساعت میں جن چیزوں سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں ان پر آفت کو پیدا کیا اور تیسری ساعت میں حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان کو جنت میں رکھا اور انہیں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرے اور آخری ساعت میں اس کو جنت سے نکال دیا یہودی نے پوچھا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: پھر اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا یہودی نے کہا: اگر آپ پوری بات بتا دیتے تو آپ کی بات صحیح تھی، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضب ناک ہوئے اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ النَّاسَ الرِّسَالَ وَاللَّحْمٰنَ وَمَا يَنْهٰهُمْ عَنْ رِيسٰلِیْ رَبِّیْ
آیَاتِیْہُمْ وَمَا تَعْلَمُ مِنْ غُیُوبٍ ۚ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا یُفْرَقُونَ
ہم نے آسمانوں کو اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور میں کوئی تصاویر نہیں ہوئی سو جو کچھ یہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے۔ (۳۸: ۳۹-۴۰)

(جامع البیان رقم الحدیث: ۶۳۷۷ کتاب التفسیر ص ۶۹ رقم الحدیث: ۷۷۹۷ الحدیث: ۷۷۹۷ ج ۳ ص ۲۳ طبع قدیم المصحف رقم الحدیث: ۷۷۹۷ المکتبۃ البصریہ ۱۳۸۸ھ الدر المنثور ج ۷ ص ۷۷ کنز العمال ج ۱۳ ص ۱۱۳)

نیز اس آیت میں ہے: ”جو طلب کرنے والوں کے لیے مساوی ہے“ امام ابن جریر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: جس شخص کو بھی رزق کی حاجت ہو اور وہ اپنے رب سے اس کے حقائق سوال کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ضرورت کے اعتبار سے زمین میں اس کی روزی کو مقرر کر دیا ہے اور اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے رزق کو مقرر کر دیا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۱۳)

زمین اور آسمان کو جو حاضر ہونے کا حکم دیا اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے فرمایا: میرے سورج اور چاند کو اور میرے ستاروں کو طالع کر دو اور زمین سے فرمایا: میرے دریاؤں کو جاری کر دو اور میرے پہلوں کو نکالو تو انہوں نے کہا: ہم اطاعت کرتے ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۶۳۷۷)

تم اس حدیث: ۱۳ میں ہے: ”اور ہر آسمان میں اسی کے حقائق احکام بھیجے اور ہم نے آسمان دنیا کو چھ انگوٹوں سے حریں فرما دیا اور اس کو محفوظ فرما دیا“ O

لہو نے کہا: آسمان میں سورج، چاند، ستاروں اور ان کے نمودوں کو پیدا کیا اور ہر آسمان میں فرشتوں کو پیدا کیا اور اولوں کو اور برف کو پیدا کیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہر آسمان میں ایک بیت ہے جس کے گرد فرشتے طواف کرتے ہیں اور وہ بیت کعبہ کی سمت پر ہے اور آسمان دنیا میں اکیسیت المعبود ہے اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کی آسمان میں وحی فرماتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہر آسمان میں روشن سیارے ہیں اور آسمان کو اللہ تعالیٰ نے ان شیطانوں سے محفوظ فرمادیا جو فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر جاتے تھے ان کے اوپر آگ کے گولے مارے جاتے ہیں جو دور سے شہاب ثاقب دکھائی دیتے ہیں۔ (الملائکۃ کا مقام القرآن ج ۵ ص ۲۸۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

کفار مکہ کو آسمانی عذاب سے ڈرانے کی توجیہ

تم اسجد ۱۳ میں فرمایا: ”پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب جو عباد اور مشرک پر آیا تھا“

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں کفار مکہ کو اس عذاب سے ڈرایا ہے جو عباد اور مشرک پر آیا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے ”صاعقۃ العذاب“ فرمایا، یعنی بجلی کا ایک کڑکا آیا اور اس نے ان کو ہلاک کر دیا اور یہ آسمانی عذاب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امت کے کافروں کو آسمانی عذاب سے مامون اور محفوظ کر دیا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَقَالُوهَا اللَّهُ مَنَّانٌ كَانَ هَذَا مِنْهُ الْحَقُّ مِنْ
عِنْدِكَ فَأَمْضِ عَنِيتَاجَارَافَتِنَ السَّمَاءِ أَوْ ارْتُوتَا
بَعْدَ آبِ الْيَنبُوتِ وَمَا كَانَ اللَّهُ يُضَيِّعُكُمْ وَأَنْتُمْ فِيهِمْ
وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

(الأنفال ۳۳-۳۴)

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل کر دے ○ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ آپ ان کے درمیان ہوں اور وہ ان پر عذاب نازل کر دے اور نہ اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ انہیں اس حال میں عذاب دے جب وہ استغفار کر رہے ہوں ○

ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ اہل مکہ پر آسمانی عذاب آنے والا نہیں تھا پھر ان کو عباد اور مشرک کے عذاب کی شکل سے کیوں ڈرایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اس بات سے ڈرایا گیا ہے کہ کفار مکہ اپنے کفر اور تکبر کی وجہ سے اسی عذاب کے مستحق ہیں جو عباد اور مشرک پر آیا تھا اور ان کا کفر اور تکبر فی نفسہ اس عذاب کا موجب ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے درمیان ہونا اس عذاب سے لمان کا باعث ہے نیز اس عذاب سے مانع یہ چیز ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان تشریف فرما ہیں تو کفار مکہ کو اس بات سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے درمیان سے کہیں لے جائے اور پھر ان کے اوپر اس طرح کا آسمانی عذاب نازل کر دے اور اللہ تعالیٰ کا کفار مکہ کو آسمانی عذاب سے ڈرانا بالکل سبھا اور برحق ہے۔

امام رازی کی توجیہ اور اس پر مصنف کا تبصرہ

امام فخر الدین رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ جب کفار مکہ نے یہ جان لیا کہ اس آسمانی عذاب کے استحقاق میں وہ عباد اور مشرک کی شکل میں تو انہوں نے اس بات کو جائز قرار دیا کہ ان پر بھی اس عذاب کی پھس سے کوئی چیز آجائے خواہ وہ عباد اور مشرک کے عذاب سے کم درجہ کا عذاب ہو اور اسی مقدار ان کو عباد اور مشرک کے عذاب سے ڈرانے کے لیے کافی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۸۸۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

جائے گا (۱۳) اور آلات موسیقی کا رواج ہو گا (۱۵) اور اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو نہ اکیس گئے ان حالات میں تم سرخ آنکھوں کا انتظار کرو یا حنف (زمین میں دھنساے جانے) کا اور صخ (محل تبدیل کرنے) کا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۲۱۰ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے رقم الحدیث ۲۲۱۱ اور حضرت عمران بن حصین سے بھی مروی ہے رقم الحدیث ۲۲۱۲ جامع الترمذی السنن منہ علی بن ابی طالب رقم الحدیث: ۸۹۶)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس امت سے صرف آسمانی عذاب اٹھایا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں دو امانیں تھیں ایک امان پٹلی گئی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درمیان سے چلے گئے) اور دوسری امان باقی ہے (یعنی تمہارا اپنے رب سے استغفار کرنا) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ○ (اعل ۲۳)

(الجامع لعلم ایمان رقم الحدیث: ۲۲۵) اس حدیث رک ج ۳ ص ۵۲۲ اور الامم ماکم نے بھی روایت کیا ہے اس حدیث کو حضرت ابو موسیٰ شعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رقم الحدیث ۳۰۸۲ اور الامم ماکم نے بھی روایت کیا ہے اس حدیث رک ج ۳ ص ۵۲۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ان سے پہلے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں (متواتر) رسول آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے کہا: اگر تمہارا رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل فرما دیتا تو تمہیں جو بیعتام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں ○ پس رہے عادی تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے اور وہ ہماری آجوں کا انکار کرتے رہے ○ سو ہم نے (ان کے) انھوں میں ان پر خوفناک آواز والی آدمی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا حذا چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی (بالکل) مدد نہیں کی جائے گی ○ اور رہے خود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے ہم راہی کو ہدایت پر ترجیح دی سو ان کے کفو توں کے باعث سخت ذلت کے عذاب کی تکڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا ○ اور ہم نے ان لوگوں کو (اس عذاب سے) بچالیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے ○ (تم اس حدیث: ۱۳۱۸)

قوم عادی کی طرف متعدد رسول آنے کے محال

اس سے پہلی آجوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور اپنی قدرت پر دلائل قائم فرمائے تھے کہ جو ذات اتنی عظیم الشان قدرت والی ہے اس کو چھوڑ کر تم ان بھڑکی بے جان صورتوں کی پرستش کر رہے ہو اور اب بھی اگر تم اپنی جبلت اور ہمت دھری پر قائم رہو گے اور توحید سے اعراض کرو گے تو تم اسی طرح کے عذاب کے مستحق ہو جو یہاں عذاب عادی اور خود پر آتا تھا۔

تم اس حدیث: ۱۳۱۸ کا معنی علامہ قرطبی نے اسی طرح کیا ہے جس طرح ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے یعنی جب ان سے پہلے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں (متواتر) رسول آئے۔ رج جامع الامم المکران ج ۵ ص ۳۰۹ اور الامم رازی نے کہا: اس کے معنی کے دو محمل ہیں:

(۱) جو رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے وہ ان کے پاس ہر جانب سے آئے اور انہوں نے ان کے ایمان کے لیے تمام حق کے لیکن ان رسولوں نے ان سے سرکشی اور ہمت دھری کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھی اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے: فَذَلِكُنَّ كُنَّ قَبْلَ بَيْنِ الْيَوْمِ وَمِنْ خَلْقِهِمْ۔ پھر میں ان پر ضرور حملہ کروں گا ان کے سامنے سے ورنہ

(الاعراف: ۱۷۴) کے پیچھے سے۔

یعنی میں ہر طرف سے ان پر حملہ کروں گا اور ان کو گرانا کرنے کے لیے ہر جگہ کو پر دے گا۔

(۲) رسول ان کے پاس ان سے پہلے زمانہ میں بھی آئے اور ان کے بعد کے زمانہ میں بھی آئے۔

اگر اس معنی پر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو رسول ان سے پہلے زمانہ میں آئے اور ان کے بعد کے زمانہ میں آئے ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ وہ ان کے پاس آئے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے پاس حضرت حمود اور حضرت صالح اسی پیغام کو لے کر آئے تھے جو پیغام ان سے پہلے اور ان کے بعد تمام رسول لے کر آتے رہے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۵۵۱)

اس کے بعد فرمایا: ان رسولوں نے یہ پیغام دیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو ان کو وحید پر ایمان لانے اور شرک کا انکار کرنے کا حکم دیا اور ان کافروں نے ان رسولوں کی تکذیب کی اور یہ کہا کہ ”اگر ہمارا رب چاہتا تو ضرور فرشتے نازل فرما دیتا سو تمہیں جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں“ ان کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے دعویٰ رسالت کی تکذیب کے لیے یہ کافی ہے کہ اگر اللہ نے واقعی کسی کو اپنا پیغام دے کر بھیجا ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا اور جب تم بشر ہو اور فرشتے نہیں ہوتو پھر تم رسول بھی نہیں ہو لہذا تمہارا کام ہم پر جھٹ نہیں ہے اور ہم تمہاری رسالت کا انکار کرنے والے ہیں۔ سو اسی طرح کفار مکہ نے بھی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تھا اور پھر جب بن ربیعہ کو آپ کے پاس خدا کرہ کرنے کے لیے بھیجا تھا جس کی تفصیل ہم متعدد حوالوں کے ساتھ اس سورت کے مقدمہ میں لکھ چکے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بن ربیعہ کے دلائل کے جواب میں تم اسجدہ کی تیرہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور ان کے آخر میں ہے: ”پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو آپ کہیے کہ میں نے تمہیں ایسے ہولناک کڑک والے عذاب سے ڈرایا ہے جیسا ہولناک کڑک والا عذاب عا اور حمود پر آیا تھا“

اس آیت میں ”صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود“ فرمایا ہے ”صاعقة“ کا معنی ہم تم اسجدہ: ۱۷ میں بیان کریں گے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ

قوم عاد کا تکبر

تم اسجدہ: ۱۵ میں فرمایا: ”پس رہے عاد تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟“ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد اور قوم ثمود کا اجمالی طریقہ سے کفر بیان فرمایا تھا اور اب ان آیتوں میں تفصیلی طور پر ان کا کفر بیان فرما رہا ہے ”پہلے قوم عاد کا کفر بیان فرمایا کہ انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا“ ان کا تکبر یہ تھا کہ وہ اپنی بڑائی، طاقت اور شان و شوکت کا اعہاد کرتے تھے اور اپنے مقابلہ میں دوسروں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور دوسروں پر اپنا تفوق اور اپنی برتری ظاہر کرتے تھے ”انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت قد آور اور عظیم تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: ”کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے“ یعنی ہر چند کہ وہ دوسروں سے زیادہ طاقت ور ہیں لیکن اللہ بزرگ و برتر جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے کہیں زیادہ قوت والا ہے“ پس اگر زیادہ طاقت ور ہونے کا یہ قصاص ہے کہ اس سے کم طاقت والے زیادہ طاقت والے کی اطاعت اور اس کی بندگی کریں تو پھر چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ بہر حال ان سے زیادہ طاقت والا ہے بلکہ سب سے زیادہ طاقت والا ہے اور سب کو وہی طاقت دینے والا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اسم تفخیل میں دو مخصوص کے درمیان تقابل ہوتا ہے ”یعنی اللہ ان سے زیادہ طاقت والا ہے حالانکہ ان کی طاقت اور تمام مخلوق کی طاقت متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طاقت غیر متناہی ہے اور متناہی اور غیر متناہی میں کوئی

تخلی ہی نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح فرمایا: وہ ان سے زیادہ طاقت والا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب مشرکین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی فہم کے اعتبار سے یہ کلام فرمایا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے کسی وصف میں بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی تخلی نہیں ہے لیکن بعض اوقات صرف ظاہر کے اعتبار سے بھی کلام کیا جاتا ہے جیسے بہ کثرت احادیث اور آثار میں ہے اللہ اکبر اللہ بزرگ سے بڑا ہے۔

نیز فرمایا: ”اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے“ ایسے اخلاق کا مدار دو چیزوں پر ہے (۱) مخلوق پر شفقت کرنا (۲) خالق کی تعظیم کرنا وہ ناحق تکبر کرتے تھے اس لیے مخلوق پر شفقت نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اس لیے خالق کی تعظیم نہیں کرتے تھے۔

رتع مصرصر کا معنی

حم اسجدہ: ۱۶ میں فرمایا: ”سو ہم نے (ان کے) منھوں دونوں میں ان پر خوف ناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی (بالکل) مدد نہیں کی جائے گی۔“

چونکہ قوم عاد نے ناحق تکبر کیا اور اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور اپنی مٹ دھری سے بالکل رجوع نہیں کیا اور یہ ایسے امور تھے جو نزول عذاب کا موجب تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف ناک آواز والی آندھی کا عذاب بھیجا۔

اس آیت میں رتع مصرصر کے الفاظ ہیں رتع کا معنی ہے: ہوا یا آندھی اور مصرصر کا معنی میں تفصیل ہے: اس کا ایک معنی یہ ہے کہ جب بہت تیز آندھی چلتی ہے تو کانوں میں مصرصر کی آواز آتی ہے

اس لیے اس کا معنی ہے: خوف ناک آواز والی آندھی ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ ”صوۃ“ سے ماخوذ ہے اور صوۃ کا معنی ہے: چیخا اس لیے اس کا معنی ہے: ایسی آندھی جس سے زبردست چیخ کی آواز سنائی دیتی ہو۔ اس کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ مصرصر کا لفظ ”صوۃ“ سے ماخوذ ہے اور مصرصر کا معنی ہے: سخت سردی اور خشک یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر بہت زیادہ سرد اور خشک ہوا بھیجی اور ان پر سخت ہواؤں نے ہر چیز کو تجمد کر دیا۔ ہر چیز سے زندگی کی حرارت زائل ہو گئی اور ہر چیز خاکستر ہو گئی ہواؤں کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

قوم عاد پر آندھی کا عذاب بھیجنے کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری صبا سے مدد کی گئی ہے اور قوم عاد کو دبور سے ہلاک کر دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰۰۰ جامع المسند والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۷۰)

جو ہوا مشرق سے مغرب کی طرف چلے اس کو باد صبا کہتے ہیں اور جو ہوا مغرب سے مشرق کی طرف چلے اس کو باد دبور کہتے ہیں۔ غزوۂ خندق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باد صبا سے مدد کی گئی تھی جب شوال ۵ھ میں قریش کی متعدد جماعتوں اور یہودیوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا اس وقت مشرق کی طرف سے بہت زور کی آندھی آئی جس سے کفار کے غیصے اکٹھے ہو گئے ان کی دلچسپیاں اونٹنیوں کی ہو گئیں اور ریت اور ٹکڑوں کے تھیلوں سے ان کے چہرے خراب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ان کو اپنی ہلاکت نظر آنے لگی سب سے پہلے ابوسفیان واپسی کے لیے اپنی سواری پر سوار ہوا پھر پورا لشکر وہاں سے کوچ کر گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول کی مدد تھی اور اس آندھی نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا تھا

اور فرمایا:

وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ مَا نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً.

اور ہم نے برساتنے والی ہوا کو جو ہمیں نہیں پہنچے تھی اور ہم نے پانی برساتا۔

(الحجر: ۲۲)

فَكُنْ لِلرِّيحِ بَيِّنَاتٍ أَنْ تَبْلُغَ الرِّيحُ مَبْنِيَّاتٍ.

اللہ کی نشانیں میں سے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجنا ہے۔

(الرحم: ۳۶)

(مسند الشافعی ج ۱ ص ۵۷۱ رقم الحدیث: ۵۰۲ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۷۵۶۲ المسجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۵۳۳ المطالب العالیٰ رقم الحدیث: ۱۱۵۳۳) کی سند میں الخطاء بن راشد مہجول ہے اس نے اس حدیث کو براہِ اجماع ابن ابی کثیر السیسی سے روایت کیا ہے اور وہ حتم ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

علامہ ابو عبد اللہ فضل اللہ بن الصمد السعید الحسن الثوری یحییٰ التوفیقی ۶۶۱ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ریح (ہوا نہیں) جب کثیر ہوں تو وہ بادلوں کو کھینچ لیتی ہیں اور پھر زیادہ بارش ہوتی ہے اور اس سے غلہ اور پھل وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں اور جب ریح (ہوا نہیں) زیادہ نہ ہوں تو ایک ریح (ہوا) ہوتی ہے اور وہ بانجھ ہوتی ہے عرب کہتے ہیں کہ بادل کو صرف ریح ہی پھیل کرتی ہیں اور میں نے دیکھا کہ امام طحاوی نے ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ ہم نے قرآن مجید میں ریح اور ریح کے لفظ کا تتبع کیا تو جب ریح کی جمع ریاہ کا لفظ ہو تو درحمت کے معنی میں ہوتا ہے اور جب یہ لفظ واحد ہو یعنی ریح تو یہ عذاب کے معنی میں ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک اس قاعدہ کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے کہ اے اللہ! اس ہوا کو ریاہ بنانا ریح نہ بنانا۔

اس کے بعد امام طحاوی نے کہا کہ ابو سعید نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ میں اس قاعدہ کو کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف قرآن مجید میں ریح کا لفظ رحمت والی ہوا کے معنی میں بھی ہے:

هَٰذَا الَّذِي رُسِّيَتْ لَهُ فِي السَّمَاءِ الْبَحْرُ حَتَّىٰ رَفَا كُنُفُهُ
فِي السَّحَابِ وَجَزَيْنَ بِهِمَا بِرِيحٍ كَثِيرَةٍ. (جولس: ۲۲)

وہی اللہ ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں سفر کرتا ہے حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور ان کشتیوں کو رحمت والی ہوا سے لڑھکتی ہے۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ریح (ہوا) کو بُرا نہ کہو! پس جب تم کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو دعا کرو: اے اللہ! ہم تجھ سے اس ریح (آندھی) کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس چیز کی خیر کا سوال کرتے ہیں جس کا تو نے حکم دیا ہے اور ہم اس ریح کے شر سے اور جس چیز کا تو نے حکم دیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۳ مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۳ مسند ابی داؤد ج ۵ ص ۱۳۳ مسند ابی یوسف ج ۲ ص ۱۳۳ مسند ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۳)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب تیر ریح (آندھی) آتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں اس کی خیر کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور جس چیز کو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کی خیر کا تجھ سے سوال کرتا ہوں اور میں اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جس چیز کو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹۹ صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۰)

امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں: ہم نے جو قرآن مجید کی آیت پیش کی ہے (یونس ۲۲) اور دیگر احادیث مجھ کو بیان کی ہیں ان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ میں ریح اور ریاح کا ایسا فرق نہیں ہے کہ ریح کا لفظ عذاب کے ساتھ خاص ہو اور ریاح کا لفظ رحمت کے ساتھ خاص ہو بلکہ قرآن مجید اور احادیث ثابتہ میں ریح کا لفظ جس طرح عذاب کے لیے آیا ہے اسی طرح ریح کا لفظ رحمت کے لیے بھی آیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس حدیث سے ریح اور ریاح میں فرق پر استدلال کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف ہے۔

علامہ تورنیشی فرماتے ہیں کہ امام ابو جعفر نے جو یہ فرمایا ہے کہ ریح اور ریاح میں یہ فرق نہیں ہے کہ ریح عذاب کے ساتھ خاص ہو اور ریاح رحمت کے ساتھ خاص ہو یہ بالکل بجا اور برحق ہے لیکن ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو رد کرنے کی جرأت نہیں کرتے اور اس حدیث کی سند کے ضعیف ہونے کے باوجود یہ حدیث ساقۃ الاعتبار نہیں ہے اس کی تاویل ممکن ہے اور اس کا معنی صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے: اے اللہ! اس ریح کو رحمت بنا دے اور اس کو عذاب نہ بنا دے اور اے اللہ! اس کو ریاح بنا دے اور اس کو ریح نہ بنا۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ نے ہلاکت سے نجات کی دعا کی ہے کیونکہ اگر یہ ریح ہلاک کرنے والی ہے تو اس کے بعد ادھر ادھر سے اور ہوا کیں کیں نہیں چلیں گی اور اگر یہ ہوا ہلاک کرنے والی نہیں ہے تو اس کے بعد شمال اور جنوب سے اور ادھر ادھر اور ادھر سے اور ہوائیں آتی رہیں گی تو گویا کہ آپ نے یوں فرمایا: اے اللہ! ہمیں اس ریح سے ہلاک نہ کر دینا کہ اس کے بعد اور کسی طرف سے ہوا نہ چلے بلکہ ہمیں زندگی میں تو بہ کرنے اور اپنی طرف رجوع کرنے کی سہلت اور توفیق دینا اور اس ریح کے بعد بھی ہم پر ریاح کثیرہ اور ہر طرف سے ہوائیں چلائے رکھنا۔

(کتاب البسیر فی شرح صراح السراج ص ۳۶۳-۳۶۴ مکتبہ زہد مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۳۳۲ھ)

”ایام نحسات“ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ”سو ہم نے (ان کے) منھوں دنوں میں ان پر خوف ڈاک آواز والی آندھی بھیجی۔“ اس آیت میں ”ایام نحسات“ کے الفاظ ہیں یعنی ان کے منھوں ایام منھوں کا معنی ہے: بے برکت اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: نجومیوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ بعض ایام منھوں ہوتے ہیں اور بعض ایام مبارک ہوتے ہیں اور متکلمین نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ ”ایام نحسات“ کا معنی یہ ہے کہ وہ گرد و غبار والے ایام تھے اور بہ کثرت خاک اور مٹی اڑنے کی وجہ سے کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی نیز ”ایام نحسات“ کا یہ معنی بھی ہے کہ ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا تھا تو ان کے حق میں یہ ایام منھوں ثابت ہوئے نجومیوں نے کہا: منھوں کا معنی لغت میں نامبارک اور بے برکت ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں سعد کا لفظ ہے اور سعد کا معنی مبارک ہے اور متکلمین کے دوسرے جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس نے منھوں دنوں میں ان پر عذاب نازل کیا یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ ان پر ان دنوں میں عذاب ہوا اس لیے وہ دن منھوں ہو گئے۔ (تفسیر کبرج ص ۵۵۳ در ایام الفرائض العربیہ ص ۱۳۵ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ایام نحسات (منھوں دنوں میں) کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

بہنے کا دن ہے اور اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں خون نہیں رکتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۲۲ اسنن الکبیری ج ۱ ص ۳۳۶)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہفتہ کا دن کرو اور دھوکے کا دن ہے اور اتوار کاشت کاری اور تعمیرات کا دن ہے اور ہر سفر اور طلب رزق کا دن ہے اور منگل لوہے کے کام کا دن ہے اور بدھ کے دن میں چیزیں جانے کا دن ہے چیزیں نٹنے کا دن نہیں ہے اور جمعرات کا دن سلطان کے پاس جانے اور ضروریات طلب کرنے کا دن ہے اور جمعہ کا دن خطبہ اور نکاح کا دن ہے۔ (اس حدیث کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن اعطاء ہے اور وہ متروک الحدیث ہے سو یہ حدیث ضعیف ہے) (الفرودیں بیاثر للعلما رقم الحدیث: ۸۹۹۲ مسند ابی یحییٰ رقم الحدیث: ۲۲۳۳ الطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۳۳۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہار منہ فصہ لگوانا زیادہ بہتر ہے اس سے عقل تیز ہوتی ہے اور قوت حفظ زیادہ ہوتی ہے پس جو شخص فصہ لگوائے وہ اللہ کا نام لے کر جمعرات کے دن فصہ لگوائے اور جمعہ ہفتہ اور اتوار کے دن فصہ لگوانے سے احتراز کرو اور ہر اور منگل کے دن فصہ لگواؤ اور بدھ کے دن فصہ لگوانے سے احتراز کرو کیونکہ یہی دن ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام مرض میں مبتلا ہوئے تھے اور جذام اور برص کی ابتداء جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات سے ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۸۸ جامع المسند واسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۱۷۷۰ اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے اور وہ عثمان بن عبد الرحمن الطرکی ہے انجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۶۳۸ الفرودیں بیاثر للعلما رقم الحدیث: ۸۷۸۸۱ الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۸۷۸۵۷ الکفای لابن عدی ج ۱ ص ۳۸۸)

یہ وہ احادیث ہیں جن میں بعض ایام میں کسی کام کا موجب نقصان یا موجب مرض ہوتا بیان فرمایا ہے اور اب ہم وہ احادیث بیان کر رہے ہیں جن میں بعض ایام میں کسی کام کو موجب شفا فرمایا ہے۔

بعض ایام کے مبارک ہونے کے ثبوت میں احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نہار منہ فصہ لگوانا زیادہ بہتر ہے اور اس میں شفا اور برکت ہے اور یہ عقل اور قوت حفظ کو زیادہ کرتی ہے پس اللہ کی برکت سے جمعرات کے دن فصہ لگواؤ اور بدھ جمعہ ہفتہ اور اتوار کے دن فصہ لگوانے سے احتراز کرو اور ہر اور منگل کے دن فصہ لگواؤ کیونکہ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مرض سے صحت عطا فرمائی اور بدھ کے دن ان کو مرض میں مبتلا فرمایا تھا کیونکہ جزام اور برص کی ابتداء بدھ کے دن یا بدھ کی رات کو ہوتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۸۸ مسند ابی یحییٰ رقم الحدیث: ۲۳۸۸ جامع المسند واسنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۲۱۷۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہفتہ کے دن ناخن کاٹے اس سے بیماری نکل جائے گی اور اس میں شفا داخل ہوگی اور جس شخص نے اتوار کے دن ناخن کاٹے اس سے فقر و قاتل نکل جائے گا اور تو گھری داخل ہوگی اور جس نے ہیر کے دن ناخن کاٹے اس سے جنون نکل جائے گا اور صحت داخل ہوگی اور جس نے منگل کے دن ناخن کاٹے اس سے مرض نکل جائے گا اور شفا داخل ہوگی اور جس نے بدھ کے دن ناخن کاٹے اس سے دوسرا اور خوف نکل جائے گا اور امن اور شفا داخل ہوگی اور جس نے جمعرات کے دن ناخن کاٹے اس سے جذام نکل جائے گا اور عافیت داخل ہوگی اور جس نے جمعہ کے دن ناخن کاٹے اس میں رحمت داخل ہوگی اور گناہ نکل جائیں گے۔

(اس حدیث کو امام بیہقی نے مسند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مہینہ کی سترہ اور انیس اور ایکس تاریخ کو فصد لگوائی اس کو ہر نیاری سے شفا حاصل ہوگی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۲، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۷، سنن الکبیری للبخاری ج ۵ ص ۳۳۰، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۸۳۲۹، جامع الجوامع رقم الحدیث: ۲۸۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۷۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتوار کے دن فصد لگوانا شفا ہے۔

(انہر دوس برائو رافط رقم الحدیث: ۸۷۷۷، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۲۷۷۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۷۲)

بعض ایام کی نخواست کے ثبوت میں پیش کی گئی احادیث کی تحقیق

علامہ عس الدین عبدالرؤف المناوی التتوی ۱۰۳۱ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: جس نے بدھ کے دن یا ہفتہ کے دن فصد لگوائی اور اس کے جسم میں برص کے داغ ہو گئے وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (انہر دوس برائو رافط رقم الحدیث: ۵۹۰۵)

امام دہلی نے ابو جعفر ثیسا پوری سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک دن کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور میں نے بدھ کے دن فصد لگوائی تو مجھ کو برص ہو گیا مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو میں نے آپ سے اس کی شکایت کی آپ نے فرمایا: میری حدیث کی اہانت کرنے سے احتراز کیا کرو۔ اس حدیث کی بناء پر امام احمد نے ہفتہ اور بدھ کے دن فصد لگوانے کو مکروہ کہا ہے۔

امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے حافظ ذہبی نے اس حدیث کو تخفیف میں رد کر دیا ہے کہ اس کی سند میں سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے مہذب میں لکھا ہے کہ سلیمان ضعیف راوی ہے ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے کہ امام ابن حبان نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔

نیز ایک اور حدیث میں ہے: جس نے جمعرات کے دن فصد لگوائی اور وہ بیمار ہو گیا تو وہ مر جائے گا۔ (الجامع البصیر رقم الحدیث: ۸۳۲۹) علامہ مناوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر نے ان تمام احادیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا: ان احادیث میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے ضبل بن اسحاق نے کہا کہ امام احمد کا خون جس دن اور جس وقت بھی جوش میں آتا وہ فصد لگوا لیتے تھے۔ (فیض اللہ بر ج ۱ ص ۵۵۹، حیدر زعفرانی، تذکرہ ص ۱۲۱۸)

علامہ اسماعیل بن محمد الجلو فی التتوی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی چیز سے بدقالی نکالی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کو ترک کر دیا اور جس کا توکل کم ہو گیا اسی کو اس کے تعصبات میں نخواست ضرور دے گی علامہ مناوی نے کہا: حاصل یہ ہے کہ جو شخص بدقالی کی وجہ سے بدھ کے دن فصد لگوانے کو ترک کرے گا اور جو یوں پر اعتقاد رکھے گا تو یہ بہت شدید حرام ہے کیونکہ تمام ایام اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور کوئی چیز اپنی ذات سے نفع اور ضرر نہیں پہنچاتی اور جس کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لذن کے بغیر کوئی چیز کسی چیز میں اثر نہیں کرتی اس پر کسی بدگلوئی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ (کنف اللہ ج ۱ ص ۱۲۰، تفسیر القرآن و تفسیر)

بعض دنوں کے منحوس ہونے کے متعلق مصنف کی تحقیق

نبوی اور بعض غیر متعلق علماء یہ کہتے ہیں کہ بعض دن نامبارک اور منحوس ہوتے ہیں ہم اس کی تحقیق کرتے ہوئے پہلے شخص کا معنی بیان کریں گے پھر قرآن مجید سے یہ بیان کریں گے کہ کسی چیز کو منحوس اور نامبارک اعتقاد کرنا کفار اور جاہلیت کا طریقہ ہے پھر اس کے عدم جواز پر احادیث پیش کریں گے اور فقہاء اسلام کی عبارات پیش کریں گے اور آخر آج ۱۵ ش ایام نحسات کے

جس لفظ سے جموں نے بعض ایام کے منوں ہونے پر استدلال کیا ہے اس کا محمل ہم بیان کر چکے ہیں اور اس سلسلے میں جو احادیث پیش کی گئی ہیں ان کا جواب بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ فقول وباللہ التوفیق وہ الاستعانة بالیق
منحوس کا معنی

امام طہیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ نے لکھا ہے: جس خلاف سد کو کہتے ہیں یعنی بے برکت چیز۔

(کتاب الامین ج ۱ ص ۶۵ ۱۷۵ھ قہم بہن ۱۳۲ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوبیری التوفی ۳۹۸ھ نے لکھا ہے: جس سد کی ضد ہے یعنی نامبارک۔

(اصحاح ج ۳ ص ۹۸ دارالاحکام بیروت ۱۴۰۳ھ)

علامہ حسین بن محمد راجب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

نحسات کا معنی ہے: مشقومات یعنی وہ چیزیں جن سے بُرا شگون لیا جائے ایک قول ہے: سخت خشکی چیزیں جس کی اصل یہ ہے کہ آسمان کے کنارے سرخ ہو جائیں جیسے بغیر دھوئیں کے آگ کے شعلے ہوں پھر یہ لفظ نحوست اور بد شگونی کے لیے ضرب المثل ہو گیا۔ (المفردات ج ۳ ص ۱۷۷ مکتبہ دارالمطبعی بیروت ۱۳۱۸ھ)

علامہ محمد بن ابی بکر رازی متوفی ۶۶۰ھ نے لکھا ہے: جس کا معنی ہے سد کی ضد یعنی نامبارک۔

(فی الصحاح ج ۳ ص ۷۷ دارالاحکام بیروت ۱۳۱۹ھ)

علامہ محمد بن کرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ نے لکھا ہے: نحسات کا معنی ہے: مشقومات یعنی جن چیزوں سے بُرا شگون

لیا جائے۔ (المفردات ج ۳ ص ۱۷۷ مکتبہ دارالاحکام بیروت ۱۳۱۹ھ)

علامہ محمد طاہر عثمانی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں: نحسات کا معنی ہے: مشقومات یعنی نامبارک اور بُرے شگون والی چیزیں۔

(مجمع البحار ج ۲ ص ۶۸۹ مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

نحوست اور بد شگونی کے رد میں قرآن مجید کی آیات

ہم نے متعدد کتب لغت کے حوالوں سے بیان کیا ہے کہ منحوس کا معنی ہے: مشقوم اور مشقوم اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بد شگونی لی جائے عربی میں اس کو طیرۃ طائر اور طیر کہتے ہیں اور قرآن مجید نے طیر کا رد فرمایا ہے:

حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق ان کی قوم قمود نے کہا:

قَالُوا الْكَافِرُ يَا أَبَا نُوَيْسٍ مُّعَلِّقٌ عَلَىٰ الْقَلْبِ وَكَافِرٌ

لَقَوْلِ بْنِ آدَمَ قَوْمٌ مُّشْكُونُونَ ○ (نمل: ۲۷)

لوگ قند پرور ہو

قمود کا مطلب تھا: آپ کی نحوست سے ہم پر قحط آ گیا اور آپ کے آنے کے بعد ہم پر قحط آ گیا اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تمہاری بد شگونی کا سبب اللہ کے پاس ہے یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی مڑھوم نحوست کی وجہ سے تم پر قحط نہیں آیا بلکہ تمہاری اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے تم پر قحط آیا ہے۔

اور ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور بچلوں کی کم پیداوار میں

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالنَّبَاتِ وَالْحَبِّ وَالْمُخْتَلِفِ

جلا کیا تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ○ پس جب ان کے پاس خوش

الطَّيْبُ لَمْ يَكُنْ يَكُونُ ○ فَلَا آجَالَ لَهُمُ الْعَذَابُ ○ فَالْوَالِدَا

حالی اور زرخیزی آتی تو کہتے: یہ ہماری محنت کا ثمرہ ہے اور جب ان

هَذِهِ ذُرِّيَّتُكُمْ سَوْفَ نُكَبِّدُ الْيَهُودَ وَمَنْ قَعَا

الْاِذَا مَا يَدْعُوهُ سَرَعْدًا اِنَّهُ يَذْكُرُ اَنْ اَكْفَرْتُمْ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَكْفُرَنَّ عَنْكُمْ
 پر بدحالی آتی تو وہ اس کو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی دعوت قرار
 دیتے سنو ان کی دعوت کا سبب اللہ ہی کے پاس ہے لیکن ان میں
 سے اکثر لوگ نہیں جانتے

(۱۷ اعراف: ۱۳۱-۱۳۲)

یعنی ان کی بدحالی اور تک دلی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حرمہ دعوت نہیں ہے۔ بلکہ ان کا کفر اور فسق ہے اور
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرنا ہے۔

فَاَلَا اَنَّكُمْ تَكَفِّرُونَ بِالْكَفْرِ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَكْفُرَنَّ عَنْكُمْ
 وَلَئِنْ لَمْ تَنْتَهُوا لَنَكْفُرَنَّ عَنْكُمْ
 اور تاکہ سزا پہنچے گی رسولوں نے کہا: تمہاری دعوت تو تمہارے
 ساتھ ہے کیا تم نصیحت کیے جانے کو دعوت کہتے ہو بلکہ تم لوگ حد
 سے بڑھنے والے ہو

(نہین: ۱۸-۱۹)

ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان سے بارش کو روک دیا تھا جس کو اہل اطمینان نے رسولوں کی دعوت کہا رسولوں نے بتایا
 کہ تمہاری بدحالی تمہارے کفر کی وجہ سے ہے جو تمہارے ساتھ ہے۔

ان آیات میں دعوت اور بدگھوٹی کے لیے تلمیح اور طائر کا لفظ آیا ہے اس کا مادہ طیر ہے جس کا معنی اڑنا ہے عرب جب
 کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پہلے کو اڑاتے اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اس سے وہ نیک گھون لیتے تھے اور وہ کام کر
 گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر وہ بائیں جانب اڑتا تو اس سے وہ بدگھوٹی مراد لیتے تھے اور اس کام سے رک جاتے نیک
 گھون کو وہ فساد کہتے تھے اور بدگھون اور دعوت کو وہ تلمیح طائر اور تلام کہتے تھے اسلام میں کسی چیز سے بدگھوٹی لینا یا کسی چیز کو
 منحوس قرار دینا جائز نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کو منحوس کہنا کفار اور جاہلیت کا طریقہ ہے جیسا کہ مذکور الصدر احادیث سے واضح ہو
 گیا اور اسلام میں کسی دن کو یا کسی چیز کو منحوس قرار دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ معتزلیہ احادیث سے واضح ہوگا۔

دعوت اور بدگھوٹی کے درمیان احادیث اور ان کی شروح کی عبارات

امام محمد بن اسماعیل بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا عدوی ولا طيرة ولا هامة ولا صفر.
 (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۰) دعوت کی کوئی تاثیر ہے اور نہ انوکھی دعوت کی کوئی تاثیر ہے اور نہ
 سفر کے مہینے کو آگے پیچھے کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی حنفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
 عرب یہ سمجھتے تھے کہ ایک شخص بیمار ہو تو خود پہ خود اس سے بیماری دوسرے شخص کو لگ جاتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
 کو یہ تعلیم دی ہے کہ کوئی مرض خود پہ خود متعدی نہیں ہوتا اور آپ نے فرمایا: طیرہ کی کوئی تاثیر نہیں ہے عرب جب پرندہ اڑتا یا
 رن بھاگتا تو اگر وہ دائیں جانب اڑتا یا بھاگتا تو اس کو سواغ کہتے تھے اور اگر بائیں جانب اڑتا یا بھاگتا تو اس کو بوارح کہتے
 تھے اور اس سے بدگھوٹی لیتے اور اپنے مقصود کی طرف نہیں جاتے تھے شریعت اسلام نے اس کی نفی کی اس کو باطل قرار دیا اور
 اسے منع فرمایا اور یہ بتایا کہ کسی نفع کو حاصل کرنے میں یا کسی ضرر کو دور کرنے میں اس حرمہ دعوت کے خلاف کرنے کی کوئی

تاخیر نہیں ہے اور آپ نے فرمایا: اور نہ ان کی غصت کی کوئی تاخیر ہے، کیونکہ عرب والے ان کو منحوس کہتے تھے اور اس سے بدگھوٹی لیتے تھے اور عرب والے صفر کے مہینے کو بھی منحوس سمجھتے تھے اور عرم کو صفر تک موز کر دیتے تھے اور عرم کو صفر قرار دیتے تھے، اسلام نے اس کو باطل کر دیا۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۳۶ ص ۳۶۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا عدوی ولا طيرة وبعبجی الفال الصالح ہے اور مجھے اچھی فال پسند ہے اور وہ نیک الفاظ ہیں۔

(معجم الفتاویٰ رقم الحدیث: ۵۶۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۵۰ المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۶۹۱۰ جامع المسانید و السنن رقم الحدیث: ۴۳۷۸)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی حنفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ہر طیرہ (بدگھوٹی) میں کوئی خیر نہیں ہے اور نیک فال میں خیر ہوتی ہے جب کوئی شخص کوئی اچھی بات سن کر اس سے مستقبل میں کوئی بات نکالے تو وہ فال ہے طیرہ اور فال میں فرق یہ ہے کہ فال ایک خبر ہے جو غیب سے حاصل ہوتی ہے اور طیرہ میں کسی پرندے یا جانور کی حرکت ہوتی ہے اور اس میں کسی چیز کا بیان نہیں ہوتا، ایک اور فرق یہ ہے کہ فال میں اللہ کے ساتھ حسن عمن ہوتا ہے اور طیرہ میں بُرا گمان ہوتا ہے اس لیے وہ مکروہ (تحریمی) ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ فال عام ہے خیر اور شروخوں میں مستعمل ہے اور طیرہ کا استعمال صرف بدگھوٹی میں ہوتا ہے اور شریعت میں فال خوشی کے لیے ہے اور طیرہ رنج اور افسوس کے لیے ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ نیک اور اچھی بات کو سن کر خوش ہوتے ہیں جیسا کہ وہ صاف پانی اور خوشگوار منہر کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، سنن ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے جاتے تو آپ یہ سننا پسند کرتے تھے کہ کوئی شخص کہے: ینالجبیع یا راشد (اے کامیاب! اے ہدایت یافتہ!) اور اس سے آپ کامیابی کی فال نکالتے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۱۶)

اور امام ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے بدگھوٹی نہیں لیتے تھے اور جب آپ کسی حال کو پہنچتے تو اس سے اس کا نام پوچھتے، اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے اور اگر آپ کو اس کا نام نا پسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۲۰)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں طبعی سے روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: زمانہ جاہلیت میں عرب کسی کام کے لیے روانہ ہوتے اس وقت کسی پرندے کو دھکیلا جاتا تو وہ اس سے بُرا گھوٹی لیتے اسی طرح وہ کوئے کی آواز سے اور ہرن کے گزرنے سے بھی بُرا گھوٹی لیتے تھے اور ان چیزوں کو منحوس قرار دیتے تھے اور ان سب کو وہ طیر کہتے تھے اور عرم میں یہ روایات تھا کہ جب وہ کسی کام کے لیے جاتے اور اس وقت کوئی بچہ استاد کے پاس پڑھنے کے لیے جا رہا ہوتا تو اس کو وہ غصت سمجھتے اور اگر وہ استاد کے پاس سے آ رہا ہوتا تو اس کو مبارک سمجھتے، بدگھوٹی لینا اس وقت منع ہے جب انسان اس بدگھوٹی کو سوتل جانے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مدد پر ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن اس کو تجربہ سے معلوم ہے کہ اس کے کام کے وقت اگر فلاں چیز پیش آ جائے تو کام نہیں ہوتا (مثلاً اگر سفر کے وقت مٹی راستہ کاٹ جائے تو سفر کا کام رہتا ہے) پس اگر ایسے مواقع پر وہ اپنے کام کو ترک کر دے (اور سفر پر نہ جائے) تو یہ مکروہ ہے اور اگر ایسے موقع پر وہ اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرے اور شر سے پناہ طلب

کرتے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کام کو گزرنے بھر خواہ اس کے دل میں یہ خیال آتا رہے کہ اب چونکہ وہ چیز پیش آگئی ہے لہذا کام نہیں ہوگا تو اس سے اس کو ضرر نہیں ہوگا اور اگر وہ ایمان نہ کرے تو اس سے مواخذہ ہوگا (یعنی لمبی کے راستے کاٹنے کی وجہ سے سفر پر نہ جانے تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس نے غصہ اور بدشگونی کو مؤثر بنا جانا) اور کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کی غصہ کے اعتقاد کی وجہ سے اس کو وہ متوقع ضرر پیش آ جاتا ہے جیسا کہ اکثر جاہلوں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے اور یہ دراصل اس کو غصہ کے اعتقاد کی وجہ سے اللہ کی طرف سے سزا ملتی ہے۔ علامہ طحطاوی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیک قال اس لیے پسند تھی کہ بدقالی اور بدشگونی میں بغیر کسی تحقیق سبب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے اور نیک قال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہے (مثلاً وہ تجارت کرنے جا رہا ہے کوئی شخص اس سے ملنے آیا پوچھا آپ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: نافع تو وہ اس سے یہ قال نکالے کہ اللہ اس کو اس تجارت میں نفع دے گا) اور مومن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے۔

علامہ طحطاوی نے کہا ہے کہ نیک قال کی اجازت دینے اور بدشگونی سے منع کرنے کا معنی یہ ہے کہ اگر ایک شخص کوئی چیز دیکھے اور اس سے پہ نیک گمان کرے کہ اس کو دیکھنے کی وجہ سے اس کا مقصود حاصل ہو جائے گا تو اس کو وہ کام کر لینا چاہیے اور اگر اس نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس کو دیکھ کر اس کے دل میں خیال آئے کہ اس کو دیکھنے یا اس کے سامنے آ جانے کی وجہ سے وہ ناکام ہو جائے گا تو اس کو اس بدگمانی کو قبول نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے مقصود کے لیے جانا چاہیے اور اگر اس نے اس چیز کی غصہ کے اعتقاد کو قبول کر لیا اور اپنے مقصود پر جانے سے رک گیا تو یہی وہ بدقالی اور بدشگونی ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

(انکشاف من حقہ فی السنن الطحطاوی ج ۸ ص ۳۱۳-۳۱۴) (فتح الباری ج ۶ ص ۶۷۷ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ)

امام ابو داؤد و مسلم بن الحنفیہ جتانی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: الطیرہ و شرک ہے (یعنی بدشگونی اور غصہ کا اعتقاد شرک ہے) حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ہم میں سے ہر شخص بدشگونی کے اعتقاد میں مبتلا ہے لیکن اللہ اس کی وجہ سے توکل لے جاتا ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۶۵۵ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۳۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۶۹-۳۶۸ مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۳ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۵۵ المسند رک ج ۳ ص ۱۶۶ سنن کبریٰ المصنوع ج ۹ ص ۱۵۳ شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۶۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۳۸ شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۶۷ جامع السانید و السنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۱۱۳)

ماطی بن سلطان محمد القاری التوفی ۱۰۱۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرک اس وجہ سے فرمایا ہے کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ جب بدشگونی کے تقاضے پر عمل کریں گے تو ان کو نفع حاصل ہوگا اور ان سے ضرر دور ہوگا تو گویا انہوں نے اس کو اللہ کے ساتھ شریک کر لیا اور یہ شرک خفی ہے شارح نے کہا: یعنی جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کے سوا کوئی چیز بالذات نفع پہنچاتی ہے یا ضرر پہنچاتی ہے تو اس نے شرک علی کیا علامہ طحطاوی نے کہا: اس کو شرک اس لیے فرمایا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ جس چیز کو وہ شخص سمجھتے ہیں وہ نقصان دینے میں سبب مؤثر ہے اور فی نفسہ اسباب کو مؤثر جانتا شرک خفی ہے تو جب اس کے ساتھ بدعتیگی اور جہالت بھی شامل ہو جائے تو وہ شرک کیوں نہ ہوگی۔ (شرح الطحاوی ج ۹ ص ۳۲۰) (مرقاۃ ج ۸ ص ۲۳۹ مکتبہ مدینہ منورہ)

حضرت حمید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور انطریق اور الطیرہ جبت سے ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۹۵۰۲ مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۷ صحیح ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۶۷ مسند ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۳۶)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطبری الترمذی ۳۳۰ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

السجدة کا معنی ہے: پرندے کو اڑانے یا بھاگنے کی کوشش کرنا تاکہ دیکھا جائے کہ وہ دائیں طرف جاتا ہے یا بائیں طرف اور پھر اس سے ٹیک یا دفال نکالی جائے، الطروق کا معنی ہے: مل یعنی گیسریں ڈال کر زانچہ کھینچنا اور اس سے قیاب کی بات معلوم کرنا اور الطریقہ کا معنی ہے: نحوست اور بدشگونی کا اعتقاد رکھنا اور جبت کا معنی ہے: جاوہ اور کہانت کا مکمل کرنا یا غیر اللہ کی عبادت کرنا۔ غلام یہ ہے کہ طمیرہ یعنی بدشگونی کا مکمل کرنا غیر اللہ کی عبادت کے قبیل سے ہے یا شرک ہے اور اس کی تائید سنن ابوداؤد کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عین بار فرمایا: طمیرہ شرک ہے۔

(الکاشف من حقائق السنن ج ۸ ص ۳۱۹-۳۱۸ اور الفرائد ج ۱ ص ۱۲۳)

علامہ الحسن التوربشٹی متوفی ۶۶۱ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ افعال کائناتوں کے افعال سے ہیں (یعنی حرام ہیں)۔ (کتاب البیہر فی شرح معارج التوحید ج ۳ ص ۱۰۱۳ مکتبہ ذہب مصلیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۲۲ھ)

نحوست اور بدشگونی کے رد میں دیگر احادیث یہ ہیں:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سند حسن کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی چیز کو نحوست سمجھنے یا بدشگونی کی وجہ سے کسی کام سے رک گیا اس نے شرک کیا مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ دعا کرے: اے اللہ! تیری خیر کے سوا اور کوئی خیر نہیں ہے اور تیری تقدیر کے سوا اور کوئی تقدیر نہیں ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۰ مجمع تہذیب مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳ رقم الحدیث: ۴۵۰۰ سند ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۰۳۶ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۰۵)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طمیرہ (نحوست چیز) کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان میں اچھی چیز ٹیک قال ہے اور وہ مسلمان کو کسی کام سے روکتی نہیں ہے پھر جب تم کوئی نحوست چیز دیکھو تو یہ دعا کرو:

اللهم لا یاتی بالحبسات الا انت ولا يدفع
السیات الا انت ولا حول ولا قوة الا باللہ.
اے اللہ! صرف تو ہی اچھائیوں کو لانے والا ہے اور صرف تو
ہی برائیوں کو دور کرنے والا ہے، گناہ سے بچنا اور نیک کی طاقت
صرف اللہ کی مدد سے حاصل ہوگی۔

(المناہع لعبد الایمان رقم الحدیث: ۱۲۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۱۹ سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۹۹ مسند عبدالرزاق ج ۱ ص ۳۰۶)

حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کہانت کا مکمل کیا یا قال کا تیر نکالا یا بدشگونی کی وجہ سے سفر پر نہیں گیا وہ قیامت کے دن جنت کے درجہات کو نہیں دیکھ سکے گا۔

(المناہع لعبد الایمان ج ۲ ص ۲۰۶ رقم الحدیث: ۱۱۳۳)

عورت، گھوڑے اور مکان میں نحوست کی روایت کے جوابات

نحوست اور بدشگونی کی بحث میں یہ حدیث بھی قابل غور ہے امام محمد بن اسماعیل متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شوم

بعض عورتیں بعض گھوڑے اور بعض گھر ہیں اور بعض عورتیں بدخلق عریض ہاشمی یا بامحہ ہوتی ہیں یہ عورتوں کی نحوست ہے اور بعض گھوڑے سرکش اور اکڑ ہوتے ہیں وہ اپنی پشت پر کسی کو سوار نہیں ہونے دیتے یہ گھوڑوں کی نحوست ہے اور بعض مکان ٹھک اور غیر ہواوار ہوتے ہیں یا ان مکانوں کے پڑوسی بد اخلاق اور بے دین ہوتے ہیں یہ گھروں کی نحوست ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض عورتوں، بعض گھوڑوں اور بعض مکانوں میں یہ محبوب اور غافل ہوتے ہیں اور یہی ان کی نحوست ہے۔ اس نحوست سے یہ مراد نہیں ہے کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے انسان پر کوئی آفت یا مصیبت آ جائے گی۔ نیز امام ترمذی نے حضرت حکیم بن معاذ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو بھی روایت کیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

لا شوم وقد يكون البعير في الدار والعرة
والسورس. (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۳۳ ج ۳ ص ۵۱۵ رد)

کوئی نحوست نہیں ہے اور یہی مکان میں عورت اور گھوڑے میں برکت بھی ہوتی ہے۔

الحلی: (بروت: ۱۹۹۸ء)

اس حدیث سے ہمارے اس جواب کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے بعض عورتوں کے متعلق نحوست (بہ معنی نقص اور صیب) کی خبر دی ہے نہ کہ کل عورتوں کے بارے میں۔

اس روایت کا چھٹا جواب درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے:

حضرت کمال بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی چیز میں (نحوست) ہوتی تو عورت، گھوڑے اور مکان میں ہوتی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۹۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۹۳)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں نحوست ہوتی اور جب ان چیزوں میں نحوست نہیں ہے تو پھر کسی چیز میں نحوست نہیں ہے اور حکوم اور طیرہ (نحوست اور بدگھوٹی) دونوں ایک چیز ہیں اور بدگھوٹی شرک ہے کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: الطیرہ (بدگھوٹی) شرک ہے نہ پایہ کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ شوم اور طیرہ واحد ہیں تو اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں ہے: اگر کسی چیز میں شوم ہو تو گھوڑے، مسکن اور عورت میں ہوگی۔ (صحیح مسلم کتاب السلام رقم الحدیث: ۵۱۹۰ رقم الجامع: ۲۲۳۲-۲۲۳۵) اور امام طحاوی کی روایت میں ہے کوئی مرض (فی نفس) متعدی نہیں ہوتا اور نہ کوئی طیرہ ہے اگر کسی چیز میں طیرہ ہو تو عورت، گھوڑے اور مکان میں ہوگی۔

ایک حدیث میں ان تین چیزوں کے لیے شوم کا ثبوت ہے اور دوسری حدیث میں طیرہ کا ثبوت ہے پس ضروری ہوا کہ ان دونوں سے مراد واحد ہو۔ (عمد البخاری ج ۳ ص ۳۲۳-۳۲۴ دارالکتب العلمیہ: (بروت: ۱۳۲۲ء)

نحوست اور بدگھوٹی کے بحث میں خلاصہ کلام

نجومیوں کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بعض ایام اپنی ذات میں نحوس ہوتے ہیں اور بعض ایام اپنی ذات میں مبارک ہوتے ہیں کیونکہ زمانہ کے اجزاء اپنی ذات میں مساوی ہیں بعض ایام بعض لوگوں کے اعتبار سے نحوس ہوتے ہیں اور وہی ایام دوسرے لوگوں کے اعتبار سے مبارک ہوتے ہیں مثلاً بدھ کے دن کسی شخص کو بار بار کوئی خوشی یا نعمت حاصل ہو تو وہ کہے گا: میرے لیے یہ مبارک دن ہے جب بھی بدھ کا دن آتا ہے مجھے کوئی نعمت ملتی ہے اور کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے اور دوسرے شخص کو بدھ کے دن بار بار کسی نقصان یا کسی مصیبت کا سامنا ہو تو وہ کہے گا: میرے لیے بدھ کا دن نحوس ہے جب بھی یہ دن آتا ہے میرا کوئی

تکلف ہو جاتا ہے یا پھر اسے ہنسی کوئی مرگ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ فی نفسہ اس دن میں کچھ نہیں ہے، ایک شخص کے لیے اللہ نے اس دن میں خوشیاں مقدر کر دیں اور دوسرے کے لیے اس دن میں غم مقدر کر دیے، پس بعض ایام میں غم اور خوشی کا حاصل ہونا تقدیر کے اعتبار سے ہے اس میں دنوں کی خصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اور دنوں کو مخصوص قرار دینا قرآن مجید کی متعدد آیات کے خلاف ہے، بعض آیات ہم نے پہلے ذکر کی ہیں اور بعض آیات اب ذکر کر رہے ہیں، جو لوگ بعض دنوں کو مخصوص کہتے ہیں وہ ان دنوں میں کام کرنے کو باعث ضرر اور ان دنوں میں کام نہ کرنے کو باعث نفع سمجھتے ہیں، حالانکہ نفع اور ضرر پہنچانے کا مالک صرف اللہ عزوجل ہے، قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَعْمَلُوا صَالِحًا ۚ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۚ

(پس ۲۹۰) نہیں مگر جتنا اللہ چاہے۔

نیز جب انسان بعض دنوں کو مخصوص قرار دے کر ان دنوں میں کسی کام کو ترک کر دے گا تو اس کا اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں رہے گا، حالانکہ مومن کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے، قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (التوبہ: ۵۱) اور مومنوں کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے ○

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز شامی حنفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ حامد آفریدی سے سوال کیا گیا: کیا بعض دن اور راتیں مخصوص یا مبارک ہوتی ہیں جو سفر اور دیگر کام کی صلاحیت نہیں رکھتیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص یہ سوال کرے کہ کیا بعض دن مخصوص ہوتے ہیں اس کے جواب سے اعراض کیا جائے اور اس کو جاہل اور بے وقوف قرار دیا جائے، ایسا سمجھنا بیہودہ کا طریقہ ہے، مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اس سلسلہ میں روایت منقول ہے وہ جھوٹ اور باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں پس ایسے عقیدے سے احتراز کرنا چاہیے۔ (استقراء الدلہ علی صحیح النجاشی المادہ ۶ ص ۳۷۷ المکتبۃ المحمدیہ، کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی حنفی ۱۳۳۰ھ سے سوال کیا گیا:

جو شخص قال کھولنا ہو لوگوں کو کہتا ہو: تمہارا کام ہو جائے گا یا نہ ہوگا، یہ کام تمہارے واسطے اچھا ہوگا یا بُرا ہوگا یا اس میں نفع ہوگا یا نقصان اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اگر یہ احکام قطع و یقین کے ساتھ لگائے جائیں تو وہ مسلمان ہی نہیں اس کی تعمید یق کرنے والے کو صحیح حدیث میں فرمایا: "لَقَدْ نَكَّرَ بِمَا نَزَلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتاری گئی اور اگر یقین نہیں کرتا جب بھی عام طور پر جو قال و کینار لگے ہے معصیت سے خالی نہیں ایسے شخص کی امامت ناجائز۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۱۹ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۳۲۱ھ)

صدر المشریع مولانا امجد علی حنفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں:

ابو داؤد نے عروہ بن عامر سے مسند روایت کی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدھشونی کا ذکر ہوا حضور نے فرمایا: قال: اچھی چیز ہے اور بُرا انگھون کسی مسلمان کو داپس نہ کرے یعنی کہیں چار ہاتھ اور بُرا انگھون ہوا تو واپس نہ آئے، چلا جائے جب کوئی شخص اسکی چیز دیکھے جو ناپسند ہے یعنی بُرا انگھون پائے تو یہ کہے: اللهم لا ياتني بالחסنات الا انت ولا ياتني بالسفاهات الا انت ولا حول ولا قوة الا بالله۔ (بہار شریف ص ۱۵۵، نیا القرآن ج ۱، ج ۱، کتب خانہ دار)

حکم اسجدہ ۱۶ میں "اہام نجات" کا لفظ وارد ہے اور اس لفظ سے نجومی یہ استدلال کرتے ہیں کہ بعض ایام نجات ہوتے ہیں اور میں نے ابھی نامے پڑھے تھے لوگوں سے سنا ہے کہ فلاں دن کپڑا نہیں ملوانا چاہیے اور فلاں دن سفر نہیں کرنا چاہیے اور فلاں دن علاج نہیں کرنا چاہیے وغیرہ وغیرہ اس لیے میری خواہش تھی کہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھوں سو اس آیت کی تفسیر میں یہ موقع آیا اور میں نے اس پر بحث سے لکھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

میرے عزیز محترم علامہ صاحبزادہ حبیب الرحمن محبوبی زید خیم و عظیم نے مجھے بریڈ فورڈ سے ایک کتاب لکھ کر بتایا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے کہ کوئی دن نیکو نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ الاحزاب کی مہارت کا ترجمہ یہ ہے:

سورۃ اسجدہ ۱۶ میں جو "اہام نجات" کا لفظ وارد ہے یہ گذشتہ آیتوں کی پر نسبت ہے اور فقیر کا عمل بھی یہی ہے وہ کسی دن کو دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا جب تک کہ شارع علیہ السلام سے اس کی ترجیح معلوم نہ ہو جیسا کہ مجد اور رمضان وغیرہ ہیں۔ (کتاب ۲۵۶ جز ۱ ص ۴۴۴ ج ۱ ص ۶۷ دارالمراد)

ختم اسجدہ ۱۷ میں فرمایا: "اور رہے خود تو ہم نے ان کو ہدایت دی تھی لیکن انہوں نے تم راہی کو ہدایت پر ترجیح دی سو ان کے کرتوتوں کے باعث سخت ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔"

اس سوال کا جواب کہ قوم خود کو ہدایت پانے کے بعد کیسے گم راہ ہو گئی

خود اس قبیلہ کا نام ہے جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دے دی تھی تو پھر انہوں نے تم راہی کو ہدایت پر کیسے ترجیح دی اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ تاحیات ایمان پر قائم رہتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت کے دو معنی ہیں:

(۱) ایسے راستے کو دکھانا جو انسان کو مطلوب تک پہنچا دے خواہ انسان اس راستے پر چل کر مطلوب تک پہنچے یا نہ پہنچے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَا تَكُن مِّنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۷﴾

(۱۷) (۱۶)

(۲) ایسی رہنمائی کرنا جو انسان کو مطلوب تک پہنچانے والی ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۸﴾ (البقرہ ۲۷۳)

ایمان نہیں ملتا

اس تہمید کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ہدایت کا دوسرا معنی مراد نہیں ہے بلکہ پہلا معنی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات پر دلائل قائم کر دیئے تھے اور ان کو حاصل عطا کی تھی جس سے وہ ان نشانوں کو کچھ کر منزل تک پہنچ سکتے تھے پھر عقل کی مدد کے لیے رسولوں کو بھیجا اور ان کی معجزات سے تائید فرمائی لیکن انہوں نے اس ہدایت کو قبول کرنے کے بجائے اپنے آپ کو باوجود اہدایہ اندھی تقلید میں رہنا پسند کر لیا۔ اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم یہاں ہدایت کا دوسرا معنی بھی مراد لے سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے سے وہ ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی انوشی معجزہ دیکھنے کے بعد ان کی تصدیق کر دی تھی لیکن بعد میں وہ شیطان کے بہکانے میں آ گئے اور انہوں نے حضرت صالح کی اطاعت پر ان کی نافرمانی کو ترجیح دی اور ان کی انوشی کی کوئی بھی کاٹ ڈالیں۔

فرمایا: ”تو پھر سخت ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا“ اس آیت کے الفاظ ہیں: ”صاعقة العذاب الہون“۔ حون کے معنی ہیں: اہانت اور ذلت اور صاعقة کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ حسین بن محمد راغب صنفانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

اجسام طویہ (جیسے بادل اور بجلی وغیرہ) سے جو سخت گڑگڑاہٹ کی آواز آئے اس کو صاعقة کہتے ہیں پھر اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) صق پر معنی موت جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ۔ (الزمر: ۶۸)

(۲) صاعقة پر معنی عذاب جیسا کہ اس آیت میں ہے:

أَذَلَّ نَارُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ (نہ اہجد: ۱۳)

(۳) صاعقة پر معنی آگ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَيُرْسِلُ السَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ۔ (الرعد: ۱۳)

یہ تمام چیزیں صاعقتیں یعنی فضا سے آنے والی سخت گڑگڑاہٹ والی ہولناک آواز سے حاصل ہوتی ہیں۔ کبھی بجلی گرتی ہے تو اس سے فقط آگ حاصل ہوتی ہے جس کا ذکر الرعد: ۱۳ میں ہے اور کبھی اس ہولناک آواز کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے جس کا ذکر نہ اہجد: ۱۳ میں ہے اور کبھی اس ہولناک آواز کے نتیجہ میں موت آتی ہے جس کا ذکر الزمر: ۶۸ میں ہے۔

(المفردات ج ۳ ص ۳۶۹: کتبہ زار مطلق) مذکر ۱۳۸ھ

نہ اہجد: ۱۸ میں فرمایا: ”اور ہم نے ان لوگوں کو (اس عذاب سے) بچا لیا جو ایمان لے آئے تھے اور وہ اللہ سے ڈرتے تھے“

اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لے آئے تھے یعنی ہم نے ان کو کفار سے ممتاز اور تمیز کر دیا تھا۔ سو ان پر وہ عذاب نازل نہیں ہوا جو کفار پر نازل ہوا تھا۔ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اہم اسی طرح آپ کے قبیلین کے ساتھ اور قوم کفار کے ساتھ معاملہ کریں گے، اگر کفار مکہ اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اور ان پر عذاب آنا چاہے تو ہو گیا تو ہم آپ کو اور آپ کے قبیلین کو ان کے درمیان سے نکال دیں گے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۱۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا

اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف لایا جائے گا پھر ان کو جمع کیا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ

مَآجَاءُ وَهَآ شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا

دورخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوا اِجْلُوْهُمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا

دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے O اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف

اَنْطَقْنَا اللّٰهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ

گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اسی نے

مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَدْرُونَ اَنْ يَّشْهَدَا

تم کو پہل بار پیدا کیا تھا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ

عَلَيْكُمْ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْذُكُمْ وَلَكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنْ اللّٰهَ

تمہارے خلاف تمہارے کان تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی لیکن تمہارا یہ گمان

لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ

تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا O اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے

بِرَّيْكُمْ اَرَدَكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصِدُّوْا فَاَلْتَارُ

تمہیں ہلاک کر دیا پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے O اب اگر یہ مبر کریں تب بھی ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے

مَتَّوٰى لَّهُمْ وَاِنْ يَّسْتَعْثِبُوْا فَمَا لَهُمُ مِنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا

اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی O

لَهُمْ قُرْاٰءٌ فَرِيْتُوْا لَهُمْ قَابِيْنٍ اٰيِدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ

اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے

عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ اَمْرِ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاِنْسِ

کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

جوان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا اور بے شک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O

ﷲ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس دن اللہ کے دشمن کو آگ کی طرف لایا جائے گا پھر ان کو جمع کیا جائے گا حتیٰ کہ جب وہ دوزخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم سب اسی کی طرف لوٹنا چاہو گے (خمسہ: ۱۱-۱۹)

انسان کے اعضاء کے نطق کے ثبوت میں احادیث

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس عذاب کو بیان فرمایا تھا جو دنیا میں ان پر نازل کیا گیا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کفار کے اس عذاب کو بیان فرما رہا ہے جو آخرت میں ان پر نازل کیا جائے گا۔

خمسہ: ۱۹ میں فرمایا ہے: ”فہم یوزعون“ یہ لفظ وزع سے بنا ہے اس کا معنی ہے: باز رکھنا، یعنی تمام کافروں کو انزل سے آخر تک روک لیا جائے گا اور پہلے آنے والے کافروں کو دوزخ کے پاس روک لیا جائے گا حتیٰ کہ بعد والے کافر بھی وہاں پہنچ جائیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جب تمام کافروں پہنچ جائیں تو پھر ان سے باز پرس کی جائے۔

خمسہ: ۲۱-۲۰ میں فرمایا ہے: ”حتیٰ کہ جب وہ دوزخ کی آگ تک پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم دوپہر کے وقت جب ہادل نہ ہوں تو سورج کو دیکھنے میں کچھ ٹپکی محسوس کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: جب چودھویں رات کو ہادل نہ ہوں تو تم چاند کو دیکھنے میں کوئی ٹپکی محسوس کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تم اپنے رب کو دیکھنے میں صرف اتنے ٹپک ہو گے جتنے سورج یا چاند کو دیکھنے میں ٹپک ہوتے ہو پھر اللہ اپنے بندہ سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا: اے فلاں شخص! کیا میں نے تجھ کو عزت نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تجھ کو سرداری نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تجھ کو بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تجھ کوڑے اور اونٹ تیرے تابع نہیں کیے تھے اور تجھ کو ریسانہ ٹھاٹھ یا ٹھٹھ میں نہیں چھوڑا تھا؟ وہ شخص کہے گا: کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھ کو مجھ سے ملاقات کی توقع تھی؟ وہ بندہ کہے گا: نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں بھی تجھے اسی طرح بھلا دوں گا جس طرح آج تو نے مجھے بھلا دیا ہے! پھر اللہ تعالیٰ دوسرے شخص سے ملاقات کرے گا اور اس سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی اور کیا میں نے تجھے سرداری نہیں دی تھی اور کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی اور کیا میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ سخر نہیں کیے تھے اور کیا میں نے تجھے ریسانہ ٹھاٹھ یا ٹھٹھ میں نہیں چھوڑا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں! اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یہ توقع تھی کہ تو مجھ سے ملاقات کرے گا؟ وہ کہے گا: نہیں! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک میں تجھے اسی طرح بھلا دیتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا! پھر اللہ تعالیٰ تیسرے بندے سے ملاقات کرے گا اور اس سے بھی اسی طرح کلام فرمائے گا وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر ایمان لایا اور تیری کتاب پر ایمان لایا اور تیرے رسول پر ایمان لایا اور میں نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا اور صدقہ کیا اور بخشی اس کی طاقت ہوگی وہ اتنی حمد و ثناء کرے گا پھر اس بندے سے کہا جائے گا: ہم ابھی تیرے خلاف گواہ بھیجے ہیں وہ اپنے دل میں غور و فکر کرے گا کہ میرے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگائی جائے گی اور اس کی ران سے اور اس کے گوشت سے اور اس کی ہڈیوں سے کہا جائے گا: اب تم کلام کرؤ پھر اس کی ران اس کا

گوشت اور اس کی ہڈیاں بتائیں گی کہ اس نے کیا کام کیے تھے اور یہ اس لیے کہ وہ خود اپنا طہر بیان کرے اور یہ شخص منافق ہوگا اور اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۶۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ ہنسنے لگے آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کیوں ہنس رہا تھا؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے والا ہے آپ نے فرمایا: میں بندہ کی اس کے رب کے ساتھ بات چیت پر ہنس رہا تھا بندہ کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے بچاؤ نہیں دی اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں بندہ کہے گا: آج میں اپنے خلاف صرف اپنے نفس کی شہادت کی اجازت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آج صرف تیری ہی حیرے خلاف شہادت ہوگی اور کرنا کاتبین گواہ ہوں گے آپ نے فرمایا: پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی پھر اس کے اعضاء سے کہا جائے گا: اب تم کلام کرو پھر اس کے اعضاء اس کے اعمال کو بیان کریں گے پھر وہ بندہ اپنے اعضاء سے کہے گا: تم دور رہو میں تمہارے لیے ہی تو بھڑک رہا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۶۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۸، جامع السانید والنسب رقم الحدیث: ۱۷۳۳)

انسان کے اعضاء کے نطق کی کیفیت میں اقوال مفسرین

انسان کے اعضاء جو اس کے خلاف شہادت دیں گے اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ ان اعضاء میں فہم قدرت اور نطق پیدا کر دے گا اور وہ اس طرح شہادت دیں گے جس طرح انسان کسی ایسے واقعہ کی شہادت دیتا ہے جس کو وہ دیکھتا ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان اعضاء میں آوازیں اور حروف پیدا کر دے گا جو معانی پر دلالت کرتے ہیں جس طرح اللہ نے درخت میں کلام پیدا کر دیا تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ انسان کے اعضاء میں ایسی علامات پیدا کر دے گا جو انسان سے ان افعال کے صدور پر دلالت کریں گی۔
مؤخر الذکر دونوں قول ظاہر قرآن کے خلاف ہیں اور ہمارے نزدیک پہلا قول برحق ہے کیونکہ اعضاء سے جو تصرفات ظاہر ہوتے ہیں ان میں اعضاء کی خصوصیت کا کوئی دخل نہیں ہے مثلاً زبان جو نطق کرتی ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ زبان میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے اس سے نطق صادر ہوتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان میں نطق پیدا کر دیا اگر وہ چاہتا تو آنکھوں میں نطق پیدا کر دیتا کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ مکہ میں ایک چمڑا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۳۸) اور جب آپ مکہ کے راستے میں جاتے تھے تو جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۸) اور صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے طعام کی تسبیح سنتے تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۸) تو جب اللہ تعالیٰ چمڑوں میں پہاڑوں میں اور درختوں میں کلام پیدا کر سکتا ہے تو انسان کے اعضاء میں کلام کا پیدا کر لینا کب زیادہ عجیب انگیز ہے۔

کان آنگھ اور کھال کی خصوصیت کی توجیہ

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں کان آنگھ اور کھال کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ کلام کریں گی اور باقی اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس شخص کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حواس پانچ ہیں: قوت سامعہ، قوت باصرہ، قوت شامہ، قوت ذائقہ اور قوت لاسہ اور قوت لاسہ کا آلہ کھال ہے کیونکہ جب کھال سے کوئی چیز لمس ہوتی ہے تو وہ اوراک کرتی ہے کہ یہ سرد ہے یا گرم نرم ہے یا سخت وغیرہ۔ لہذا کھال میں قوت لاسہ آگئی اور قوت ذائقہ کا اوراک بھی قوت لاسہ سے حاصل ہو جاتا ہے

ہر چند کہ کمال نہیں ہوتا اور قوت شامہ بہت کم زور جس سے اس کے حرکات پر حلال اور حرام کا زیادہ تعلق نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ وہ لوگ اعضاء سے نہیں گئے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی تو وہ کہیں گے: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم کو پہلی بار گویائی دی تھی! پھر اس نے تم کو دوبارہ پیدا کیا اور دوبارہ تم کو گویائی دی تو اب اس نے تمہارے اعضاء کو گویائی دے دی ہے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اس وجہ سے اپنا گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا O اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے O اب اگر یہ مبر کریں تب بھی ان کا نقصان دوزخ ہی ہے اور اگر وہ اللہ کی ناراضگی دور کرنے کو طلب کریں تب بھی وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی O اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنت اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا اور بے شک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے O (نہم اسجدہ: ۲۵-۲۴)

اللہ کے ساتھ اس گمان کی مذمت کہ اس کو بندوں کے اعمال کا علم نہیں ہوگا

نہم اسجدہ: ۲۴ میں فرمایا ہے: "اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی لیکن تمہارا گمان یہ تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان کو اللہ نہیں جانتا O"

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کفار کوئی بُرا اور شرم ناک کام کرنے لگتے تو وہ اپنے کام کو چھپاتے تھے لیکن ان کا چھپانا اس لیے نہیں ہوتا تھا کہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کی کھال اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کے بُرے کاموں کی شہادت دیں گی کیونکہ وہ نہ قیامت کے قائل تھے اور نہ مرنے کے بعد اٹھنے کے اور نہ حساب اور کتاب کے معترف تھے بلکہ ان کا چھپ کر گناہ کرنا اس لیے تھا کہ ان کا یہ گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان اعمال کا پتا نہیں چلا جو چھپ کر کیے جائیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بیت اللہ کے پاس دو قرشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قرشی جمع ہوئے یہ بہت مونہ اور جیم تھے اور ان کے دلوں میں نقد بہت کم تھی پس ان میں سے ایک نے کہا: کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سن رہا ہے دوسرے نے کہا: اگر ہم زور سے باتیں کریں گے تو وہ سنے گا اور اگر آہستہ باتیں کریں گے تو وہ نہیں سنے گا دوسرے نے کہا: اگر وہ ہماری زور سے کی ہوئی باتیں سن سکتا ہے تو وہ ہماری آہستہ سے کی ہوئی باتیں بھی سن سکتا ہے تب اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل فرمائی: اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۲۸)

۳۲۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۲۸ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۳۶۸ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸ سنن مسعود رقم الحدیث: ۳۲۸

نہم اسجدہ: ۲۴ میں فرمایا ہے: "اور تمہارا اپنے رب کے ساتھ یہی گمان ہے جس نے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے O"

اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کے متعلق احادیث

یہ آیت اس باب میں نازل ہوئی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ اللہ کو اس کے کاموں کا علم نہیں ہوگا ان لوگوں میں سے ہوگا جو ہلاک ہونے والے ہیں اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

معصین باب افعال کا اسم مفعول ہے اور ”لمصاحم من المعصین“ کا معنی ہے: وہ ان لوگوں سے نہیں ہوں گے جن سے ناراضگی دور کی جائے گی اور اگر یہ باب استعمال سے ہو تو اس کا معنی ہوگا: ناراضگی کے ازالہ کو طلب کرنا۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۱۷ کنز العمال معنی: کنز کرم ۱۳۱۸ھ)

اگر یہ دوزخ کے عذاب اور تکلیف کو ضبط کر لیں اور اس پر بے چینی اور اضطراب کا اظہار نہ کریں اور وردی شدت سے آہ و بکا اور فریاد نہ کریں تب بھی ان کا ٹھکانا وہی دوزخ کی آگ ہے اور اگر یہ اس عذاب کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے شرک اور کفر پر عذر پیش کریں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ازالہ کی کوشش کریں تو ان کی یہ کوشش رائیگاں جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہوگا سو ان سے عذاب دور نہیں کیا جائے گا پس ان کا صبر کرنا اور بے صبری کا اظہار کرنا برابر ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے: دوزخ میں کفار یہ کہیں گے:

سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجُوزْنَا أَمْ كُنَّا فِيهَا كَاظِمِينَ ۝
ہمارے لیے برابر ہے خواہ ہم بے قراری کا اظہار کریں یا صبر کریں ہمارے لیے عذاب سے نجات کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ (الہجرات: ۲۴)

قیض کا معنی

تم اسجد: ۲۵ میں فرمایا: ”اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا اور بے شک وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے تھے“ ۝
”قبضاً“ کا مادہ قیض ہے قیض کا معنی ہے: اٹھنے کے اوپر والا چمکانا جو اٹھنے کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے اس مناسبت سے تھقیض کا معنی ہے: کسی کو کسی کے ساتھ کا دینا لازم کر دینا چمکانا مسلط کر دینا قیض کا معنی بدل اور عوض بھی ہے۔ اسی مناسبت سے فتح مقابلہ کا معنی ہے: وہ فتح جس میں سامان کا سامان کے عوض تبادلہ ہو۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۱۷ کنز العمال معنی: کنز کرم ۱۳۱۸ھ)

اس آیت کا معنی ہے: ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بعض شیاطین کو ان کافروں کا دوست بنا کر ان پر مسلط کر دیا جو ان کے لیے دنیا اور آخرت کی چیزوں کو خوش نما بنا کر دکھاتے ہیں دنیا کی چیزوں میں سے گناہوں کی لذتوں کو اور آخرت کی چیزوں میں سے حشر و نشر اور حساب و کتاب کے انکار کو پیش کرتے ہیں جیسے کسی ٹھہرے گا: ہاں یہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست یعنی اسے باہر عیش و عشرت میں زندگی گزار دو کہ یہ جہاں دوبارہ نہیں آئے گا۔ سامنے کے امور سے مراد دنیا ہے اور بعد کے امور سے مراد آخرت ہے۔

جہاد بانفس اور جہاد اکبر کے متعلق احادیث

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسے خیر خواہ ساتھی مسلط کر دیتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اس میں اس کی مدد کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسے بدخواہ ساتھی مسلط کر دیتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی دعوت دیتے ہیں اور فسق و فجور میں اس کی مدد کرتے ہیں اور ان بدخواہ ساتھیوں میں سے لڑنے والے شیطان (ہم زاد) ہے جو اس کو بُرے کاموں کے دوسے ڈال رہتا ہے اور گناہ کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے تاکہ انسان اپنا آخر دوزخ کے عذاب کا مستحق ہو جائے اور اس سے نجات اس طرح حاصل ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے نفس اللہ اور اس کے احکام اور اس کی خواہشات کی مخالفت

کرے اور اپنے نفس سے جہاد کرے۔

حدیث میں ہے امام ابو نعیم احمد بن محمد اللہ صنفانی حوالی ۳۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے سوال کیا: کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ عزوجل کی اطاعت میں اپنے نفس سے اور اس کی خواہشات سے جہاد کرو۔

علامہ ابن زیاد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ مجاہدین میں سے کون افضل ہے؟ انہوں نے کہا: جو شخص اللہ عزوجل کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرنے میں اس کے لئے کہے: یہ آپ کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے؟ انہوں نے کہا: بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

(طیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۲۹ طبع قدیم طبع دارالایمان ج ۳ ص ۱۸۲ رقم الحدیث: ۲۲۳۳-۲۲۳۴)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ ایک روایت میں ہے: جو اللہ کے لیے یا اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (مسند احمد) (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۲۱ مسند ابن ماجہ ج ۶ ص ۲۸۰ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۵ رقم الحدیث: ۲۳۹۵۱ مسند ابی یوسف) (مسند ابی یوسف ج ۱ ص ۱۲۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۶۶۳۳ لکھنؤ کنز العمال ج ۱۸ رقم الحدیث: ۸۰۳۰۰-۸۰۳۰۲ مسند ابی یوسف ج ۳ ص ۱۳۳ رقم الحدیث: ۲۳۹۳۳ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۳۷۵۳)

اور اسی معنی میں یہ حدیث مشہور ہے۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین حوالی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجاہدین کا ایک گروہ آیا تو آپ نے فرمایا:

لقد متهم خير مقدم قدمتم من الجهاد الا صغر
الى الجهاد الا كبر مجاهدة العبد هواه. (الدری)
تم آئے ہو تمہارا آقا مبارک ہے تم جہاد اصر سے جہاد
اکبر کی طرف آئے ہو اور وہ بندہ کا اپنی خواہشات کے خلاف جہاد
کرنے ہے اس حدیث کو درمی نے روایت کیا ہے۔

(کنز العمال ج ۳ ص ۱۱۶ رقم الحدیث: ۷۷۷۹۹ مسند ابی یوسف ج ۳ ص ۱۳۳ رقم الحدیث: ۷۷۷۹۸)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا: جو شخص اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس پر غضب ناک ہو اللہ اس کو اپنے غضب سے مامون رکھے گا۔

(کنز العمال ج ۳ ص ۱۱۶ رقم الحدیث: ۷۷۷۹۸)

مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا جو قول ثابت ہے اس کا بیان

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اور ان کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا جو ان سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا" اس قول سے مراد یہ آیات ہیں:

وَكُنْتُمْ كَكَلْبٍ لَّيْلًا لَا تُغْنِي عَنْكُمْ الْجِهَادُ وَالْكَافِرِينَ
أَجْعَلُونِ ۝ (حور: ۱۱۹)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ضرور جہاد یافتہ بنا دیتے
جس میں میرا یہ قول برحق ہے کہ میں ضرور یہ ضرور جنہم کو جنات سے اور
انسانوں سے سب سے مجروروں کا

وَلَوْ شِئْنَا لَازَعْتُمْ أَنْفُسَكُمْ فَلَمْ تُدْرِكُوا وَلَئِنْ كُنْتُمْ
الْقَوْلُ مَوْفَىٰ أَفْئِدَتِكُمْ فَلَا تُغْنِي عَنْكُمْ الْجِهَادُ وَالْكَافِرِينَ ۝ (احمد: ۱۳)

فرمایا: (اے ابلیس!) تو یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا
ان میں سے جو شخص تیری پیروی کرے گا تو میں ضرور بہ ضرورت

سب سے جہنم کو بھروں گا

اللہ تعالیٰ کے گناہ کا ارادہ کرنے کے متعلق امام رازی اور ابوعلی جہانی کی معرکہ آرائی

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں فرمایا ہے: "اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی ان پر مسلط کر دیے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نمادیا تھا۔"

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرسے کفر کا ارادہ فرماتا ہے انہوں نے کہا: اس موقف کی تفسیر اس طرح ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ جب وہ کافروں کے لیے ایسے ساتھیوں کو ان پر مسلط فرمائے گا تو وہ ان کے لیے باطل کو خوش نمادیں گے اور ہر وہ شخص جو کوئی ایسا کام کرے جس پر لامحالہ ایک اثر مرتب ہوگا تو ضروری ہے کہ اس فعل کا قائل اس اثر کا ارادہ کرنے والا ہو پس ثابت ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے لیے ایسے ساتھیوں کو ان پر مسلط کیا تو اس نے ان کافروں سے کفر کا ارادہ کیا۔ اس کا جہانی نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا ارادہ کرے تو پھر کفار گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہوں گے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کافروں سے ان کے کفر اور مصیبت کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے جب کہ اس نے خود فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ

(الانعام: ۵۴) میری عبادت کریں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے صرف عبادت کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے کفر اور مصیبت کا ارادہ نہیں کرتا اور یہی یہ آیت تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے کافروں کے لیے ان کے ساتھیوں کو ان پر اس لیے مسلط کیا ہے کہ وہ ان کے لیے دنیا اور آخرت کی چیزوں کو حرام اور خوش نما کریں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ان ساتھیوں کو ان کافروں پر مسلط کر دیا تو انہوں نے ان کے لیے دنیا اور آخرت کی چیزوں کو حرام کر دیا پس طور کہ ہر ایک نے دوسرے کی طرف اپنی جس سے کوئی چیز نکالی۔ پس شوہر اور بیوی میں سے ایک کو دوسرے پر مسلط کر دیا اور غنی کو فقیر کے لیے اور فقیر کو غنی کے لیے مسلط کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ان میں سے بعض نے بعض دوسروں کے لیے گناہوں کو حرام کر دیا۔

امام رازی نے جہانی کے رد میں پھر اپنی اس دلیل کو دہرایا ہے کہ جب ایک قائل کو قطعی طور پر معلوم ہو کہ وہ کوئی کام کرے گا تو اس سے فلاں اثر برآمد ہوگا اور پھر وہ اس کام کو کرے تو اس کا لازماً یہی مطلب ہے کہ اس نے اس اثر کا ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ جب وہ کافروں پر ان کے ساتھیوں کو مسلط کرے گا تو وہ ساتھی ان کو کفر اور گمراہی میں مبتلا کریں گے تو اس کا لازماً یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور گمراہی کا ارادہ کیا ہے اور جہانی نے اس کے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان سے معاصی کا ارادہ کیا اور انہوں نے وہ معاصی کر لیے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہو گئے حالانکہ وہ اللہ کے نافرمان ہیں جہانی کے اس جواب سے ہماری دلیل کاربند نہیں ہوتا کیونکہ اگر کوئی شخص دوسرے کے ارادہ کے موافق کام کرنے سے اس کا اطاعت گزار ہو جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے ارادہ

کے موافق افعال کو پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ بندوں کا اطاعت گزار ہو جائے حالانکہ یہ پابندی اصل ہے نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ الزام نفی ہے کیونکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اطاعت سے اگر یہ مراد ہے کہ ارادہ کے موافق فعل کیا جائے تو جس طرح یہ لازم آ رہا ہے کہ کافر اللہ کے اطاعت گزار ہو جائیں اسی طرح یہ بھی لازم آ رہا ہے کہ اللہ بندوں کا اطاعت گزار ہو جائے اور اگر اطاعت سے کوئی اور معنی مراد ہے تو اس کو بیان کیا جائے تاکہ دیکھا جائے کہ وہ صحیح ہے یا نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۵۵۸ درامیہ اثر اث العربیہ ص ۱۳۵)

امام رازی اور ابوعلی جبائی کے درمیان مصنف کا محاکمہ اور اللہ تعالیٰ کی تشریح اور تعظیم

امام رازی نے جبائی کی اس دلیل کو کوئی جواب نہیں دیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے گناہ کرنے کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خود فرمایا ہے:

وَمَا عَلَّمْتُ الْإِنسَانَ شَيْئًا وَلَا يَعْْبُدُونِ

(الذاریات: ۵۲) میری عبادت کریں

دوسری بات یہ ہے کہ امام رازی کا بیان کر دہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جب کوئی قائل ایسا فعل کرے جس پر لاحالہ ایک اثر مرتب ہو اور وہ اس چیز کے علم کے باوجود ایسا فعل کرے تو اس کا لازماً معنی یہ ہے کہ اس نے اس فعل کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن تحفہ اسجد: ۲۵ پر اس قاعدہ کا الحاق اور الحاق صحیح نہیں ہے اس آیت میں فرمایا ہے: "اور ہم نے ان کے لیے کچھ ایسے ساتھی مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے ان کے سامنے کے اور ان کے بعد کے امور کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا تھا۔" کیونکہ اگر مثلاً شیطان یا اس کے چیلوں نے انسانوں کے لیے دنیا میں گناہوں کو اور آخرت میں حشر و نشر کے انکار کو مزین کر دیا ہے تو اس سے یہ کہ انسان اس کے دوسروں کو قبول کر لے تمام انبیاء علیہم السلام اور اکابر صحابہ کرامؓ اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک اور ثابت قدم بندوں کے لیے بھی شیطان دنیا کو اور اس کی بے مصیبت لذتوں کو خوش نما بنا کر دکھاتا ہے لیکن وہ اس کے دام فریب میں نہیں آتے اور شیطان ناکام رہتا ہے اور شیطان نے خود اعتراف کیا کہ وہ لوگوں کے سامنے گناہوں کو مزین کرے گا اور انہیں خوش نما بنا کر دکھائے گا لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے نیک بندوں کو راہ استقامت سے نہیں ہٹا سکے گا قرآن مجید میں ہے:

قَالَ رَبِّ مَا آتَوْنِي مِنْ لَدُنْكَ فَتَكُنْ فِي الْآخِرِينَ
وَلَا تُلْهِمْهُمْ بُهْمًا يُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرَهُمْ وَلَا يُنْفَعُونَ

(الجمہ: ۳۹)

انہیں نے کہا: اے میرے رب! جو کچھ تو نے مجھے تم راہ کیا ہے تو قسم ہے میں ضرور ان کے لیے زمین میں گناہوں کو مزین کروں گا اور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا ان میں سے باوجود

تیرے ان بندوں کے جو اصحاب اخلاص ہیں

اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ شیطان جب انسانوں کے لیے گناہوں کو مزین کرتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان ضرور وہ گناہ کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جب کافروں کے لیے کچھ ایسے ساتھی مسلط کر دیئے تھے جنہوں نے ان کے لیے گناہوں کو خوش نما بنا دیا تھا تو یہ لازم اور ضروری نہیں تھا کہ وہ ان کے بہکانے میں آ کر کفر یا گناہ کر لیتے اور یہ ایسا فعل نہیں ہے کہ اس کے نتیجہ میں وہ لازماً کفر یا گناہ کریں حتیٰ کہ یہ کہا جائے کہ جب اللہ کو علم تھا کہ وہ اس فعل کے بعد کفر کریں گے تو ثابت ہوا کہ اللہ نے ان کے کفر کا ارادہ کر لیا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے صرف کفر اور گمراہی کے داعی نہیں بھیجے ایمان اور اطاعت کے داعی بھی بھیجے ہیں اگر دنیا میں شیطان اور

اس کے جنٹیل کو مسئلہ کیا ہے تو ان کے دوسروں کے ازالہ کے لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی مقرر کیا ہے اور ہر انسان کے ساتھ غلّی کی ترغیب دینے کی ایک روح پیدا کی اور بُرائی کی تحریک کے لیے بھی ایک روح پیدا کی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۱۴)

وَهَذِهِ نَتِجَةُ التَّجَدُّدِ ۝ (الجزء: ١٠)

وَتَقْنِصْ وَمَا سُوِّبَهَا ۖ قَالَ لَهَا بِأَجْوَدَ هَذَا وَتَقْنِصْهَا ۖ

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۖ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ۖ

(4-1-2) $\frac{1}{2}$

○ اور ہم نے اس کو دونوں راستے دکھا دیے ○

اور قسم ہے نفس کی اور اس کو درست بنانے کی ○ پس اس کو

اس کے نرے کاموں کی اور نرے کاموں سے اجتناب کی فہم عطا

کی ○ جس نے اپنے باطن کو صاف کر لیا وہ کامیاب ہو گیا ○ اور

جس نے اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں نہ لگایا وہ ناکام ہو گیا ○

سوال: اللہ تعالیٰ نے صرف یہ نہیں کیا کہ کافر کے اوپر صرف شیطانی ساتھیوں کو مسلح کر دیا کہ وہ اس کو گمراہ کر ڈالیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کو شیطانی وسوسوں کے ازالہ کے لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو ہدایت دیں اگر شیطانی انسان کے سامنے گناہوں کو مزین کر کے دکھاتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام اس کے سامنے ایمان اور نیکیوں کو مزین کر کے دکھاتے ہیں اور جس طرح انبیاء علیہم السلام کے نیکیوں کو مزین کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان ضرور مومن اور صالح ہو جائے اسی طرح شیطانوں کے گناہوں کو مزین کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان ضرور کافر اور فاسق ہو جائے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور شر ایمان اور کفر اطاعت اور معصیت کے دونوں راستے دکھا دیئے اور اس کو عقل اور فہم عطا کر دی وہ اپنے لیے جس چیز کو بھی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہی چیز پیدا کر دیتا ہے اور اسی اعتبار سے اس کو جزاء اور سزا ملتی ہے بہر حال امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے لیے گناہ کا ارادہ ثابت کرنے کے لیے جو بنیاد قائم کی تھی وہ منہدم ہو گئی امام رازی نے جو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنیادوں کے کفر اور ان کے گناہوں کا ارادہ کرتا ہے یہ اس لیے غلط ہے کہ پھر اس نے ہدایت دینے کے لیے انبیاء اور رسل کیوں بھیجے گناہوں پر ملامت اور مذمت کیوں کی 'جزاء اور سزا کا نظام کیوں قائم کیا' اللہ تعالیٰ امام رازی کی مغفرت فرمائے ان کے درجہات بلند فرمائے' انہوں نے بہت سنگین بات کہی ہے اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے۔

ہم اس سے پہلے الزمرہ: ۶۳ میں ”اللہ خالق کل شے“ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ اصول یہ ہے کہ ہر چند کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ لیکن صحیح چیزوں کو خلق کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد کرنا جائز نہیں ہے اس لیے یہ کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ایمان اور اطاعت کا خالق ہے لیکن یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ کفر اور معصیت کا خالق ہے نیز اگر یہ کہا جائے گا کہ کافر کے کفر کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا تو اس سے منکروں اور ظہروں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ جب کافر کے کفر کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا تو اس میں کفر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا تو پھر کافر کے کفر کرنے میں اس کا کیا قصور ہے اور پھر اس کو کفر کی سزا دینے میں کیا اس علم نہیں ہے؟

اس لیے صحیح یہی ہے اور اسی میں سلامتی ہے کہ یہ کہا جائے گا کہ ہر انسان خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر وہ اپنے افعال میں آزاد و مختار ہے وہ جس فعل کو اختیار کرتا ہے اور جس کام کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں اسی فعل اور اسی کام کو پیدا کرتا ہے اور اسی اعتبار سے وہ انسان جزاء اور سزا کا مستحق ہوتا ہے اور ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جب بندوں کو اختیار دیا جائے گا تو وہ اپنے اختیار سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے۔

میں نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اہم رازی کی تعلیل یا تنقیص مقصود نہیں ہے۔ مقصود صرف اتفاق

حق اور ابطال باطل ہے اللہ تعالیٰ کی عزت پر اور تنظیم کو بیان کرتا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلیٰ العظیم والحمد لله رب العلمین

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ

اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قرأت کے وقت) لغو باتیں کیا کرو تاکہ تم

لَعَلَّكُمْ تَعْلَبُونَ ﴿۳۶﴾ فَلَنَذِقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا

غالب آ جاؤ O بے شک ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا حرا بھجائیں گے

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْرَٰءَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۷﴾ ذَلِكَ جَزَاءُ عَادٍ

اور ان کو ہم ان کے بدترین کاموں کی سزا ضرور دیں گے O یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی

النَّارِ النَّارِ لَكُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءُ لِّمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۳۸﴾

آگ ہے اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آجوں کا انکار کرتے تھے O

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذِينَ أَضَلْنَا مِنَ الْجَنِّ

اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں

وَالْإِنْسِ نَجْعَلُهُم تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونُوا مِنَ الْآسَفِينَ ﴿۳۹﴾

گم راہ کیا تھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے رکھ کر پامال کریں تاکہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ سے ہو جائیں O

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے)

السَّلَامَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ

نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنا جس کا تم

تُوعَدُونَ ﴿۴۰﴾ نَحْنُ أُولَٰئِكَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ

سے وعدہ کیا گیا ہے O ہم اُن کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس جنت میں

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُوْنَ ۝۳۱ تَزْلَا

ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو (یہ) بہت

فِنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝۳۲

بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کافروں نے کہا: تم اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قرأت کے وقت) الفاہاتیں کیا کر دتا کہ تم غالب آ جاؤ۔ بے شک ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا حزا پکھا نہیں گے اور ان کو ہم ان کے بدترین کاموں کی سزا دیں گے۔ یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی آگ ہے اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جہنم اور انسانوں میں سے وہ دونوں مردہ دکھا جنہوں نے ہمیں گم راہ کیا تھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے رکھ کر پامال کریں تاکہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ سے ہو جائیں۔

(نجم السجدہ: ۳۱-۳۲)

کفار کے جرائم اور ان کی سزا

اس آیت میں ”والہوا“ کا لفظ ہے اس کا مادہ لغو ہے اس کا معنی ہے: بے فائدہ کلام جو اس لائق ہو کہ اس کو ساقط کر دیا جائے۔ لغو کلام وہ ہوتا ہے جو ناقابلِ شمار ہو بغیر فوراً فخر کے جو کسی سے بات کی جائے اور وہ غرافات اور ہذیان پر مشتمل ہو یا جو ملے قسے کہانیاں جیسے کفار نے رسم اور اسفندیار کے قسے گڑ رکھے تھے جب مسلمان قرآن پڑھتے تھے تو وہ بلند آواز سے ایسی فضول باتیں سناتے اشعار پڑھتے اور تالیماں بجاتے تاکہ قرآن پڑھنے والوں کو تشویش ہو ان کا ذہن مضطرب ہو اور وہ بھول جائیں کہ وہ کیا پڑھ رہے تھے۔

ان کے لغو باتیں کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ کو یہ معلوم تھا کہ قرآن مجید لغوی اور معنوی اعتبار سے کامل ہے اور جو شخص بھی اس کے الفاظ کی فصاحت اور بلاغت میں غور کرے گا اور اس کے معانی میں تدبر کرے گا تو اس کی عقل یہ فیصلہ کرے گی کہ یہ برحق کلام ہے اور کسی انسان یا جن کے بس میں ایسا کلام پیش کرنا ممکن نہیں ہے یہ انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے پھر جو شخص یہ کلام سنے گا وہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہے گا بلکہ فوراً اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آئے گا۔

نجم السجدہ: ۳۲ میں فرمایا: ”بے شک ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا حزا پکھا نہیں گے“

اس آیت میں بدترین عذاب پکھانے کا ذکر ہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس چیز کو پکھا جاتا ہے وہ بہت کم ہوتی ہے تو جب اللہ کے سخت عذاب کے چمکنے کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہے تو جب ان کو اس سخت عذاب کی پوری مقدار میں جھٹکا جائے گا تو پھر اس کی شدت کا کیا عالم ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: ”اور ان کو ہم ان کے بدترین کاموں کی سزا دیں گے۔“ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کو ان کے زیادہ تر کاموں کی سزا دی جائے گی اور جو کام ان کے نسبتاً کم ترے ہوں گے ان کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ ان کو ان کے ہر قسم کے کم ترے کاموں کی سزا دی جائے گی اور جو کام زیادہ ترے ہوں گے ان میں عذاب کی کیفیت نسبتاً زیادہ شدید ہوگی اور دنیا

میں انہوں نے جو نیکی کے کام کیے ہوں گے، مثلاً غلاموں کو آزاد کرنا، یتیموں کو کھانا کھانا، مظلوموں کی مدد کرنا وغیرہ وہ تمام کام ضائع کر دیئے جائیں گے اور ان کو آخرت میں ان پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا کیونکہ توحید و رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔

حجۃ الاسجد: ۳۸ میں فرمایا: "یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی آگ ہے اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آفتوں کا انکار کرتے تھے" O

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ ان کو ان کے بُرے کاموں کی سزا دی جائے گی اس آیت میں اس سزا کا بیان ہے کہ وہ سزا دوزخ کی آگ ہے اور فرمایا: "اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے" یعنی دوزخ میں ایک مخصوص طبقہ ہے جس میں ان لوگوں کو ہمیشہ عذاب دیا جائے گا کیونکہ بعض فساق مؤمنین کو بھی تکبیر کے لیے دوزخ میں رکھا جائے گا لیکن ان کا دوزخ میں عارضی قیام ہوگا بعد میں ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اس کے برخلاف کفار کے لیے دوزخ میں دائمی عذاب کا گھر بنایا جائے گا۔

نیز فرمایا: "یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آفتوں کا انکار کرتے تھے" اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن مجید کی قرأت کے وقت بلند آواز سے لغو باتیں کرتے تھے اس کو خود اور انکار سے اس لیے تعبیر فرمایا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ قرآن مجید بجز کلام ہے اور ان کو خطرہ تھا کہ جب لوگ اس کلام کو سن لیں گے تو اس پر ایمان لے آئیں گے پس وہ جانتے تھے کہ قرآن مجید بجز کلام ہے لیکن وہ حسد، بغض اور عناد سے اس کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔

حجۃ الاسجد: ۳۹ میں فرمایا: "اور کافر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جہنم اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں گم راہ کیا تھا کہ ہم انہیں اپنے پاؤں سے رکھ کر پامال کریں تاکہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے سے ہو جائیں" O

اس آیت میں ماضی کے صیغے کا ذکر ہے: "وقال الہٰیمن کھروا" اور کفار نے کہا اور اس سے مراد مستقبل کا زمانہ ہے یعنی کفار دوزخ میں یہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جہنم اور انسانوں میں سے وہ دونوں گروہ دکھا جنہوں نے ہمیں گم راہ کیا تھا جہنم میں سب سے پہلے جس نے گم راہ کیا تھا وہ ابلیس ہے اور ابن آدم میں سے جس نے سب سے پہلا گناہ کیا اور بعد کے لوگوں کو گمراہ کیا وہ قاتل ہے جس نے حائل کو قتل کیا تھا۔

حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے گناہ میں سے ایک حصہ قاتل کو بھی ملے گا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۱۱-۶۸۷۷-۳۳۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۳ جامع المسند والسنن)

مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۷۳۳)

عارفین نے کہا ہے کہ جب انسان اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اور اس کو معرفت حاصل ہوتی ہے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات متکسر ہوتی ہیں تو اس وقت وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی وہ صفات دکھائے جن میں جلی طور پر شیطانیات اور حیوانیت کے نشانے ہوتے ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ وہ ان صفات کو فنا کر دے تاکہ جب وہ اس دنیا سے جائے تو بالکل پاک اور صاف ہو اور اس کے دل میں شیطانیات اور حیوانیت کے نشانوں میں سے کوئی ذرہ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے O تم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو O (یہ) بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے O
(تم ۱: ۳۲-۳۰)

استقامت کا لغوی اور شرعی معنی

قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ دو ضدوں کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے کیونکہ ایک ضد کے ذکر سے دوسری ضد پہچانی جاتی ہے اور خوب واضح ہو جاتی ہے اس سے پہلی آجوں میں کفار کی وعید کا ذکر تھا اور اس آیت میں مسلمانوں سے وعدہ کا ذکر ہے۔
اس آیت میں ان لوگوں کی تحسین فرمائی ہے جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر مستقیم رہے یعنی اس عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہے جسے وہ ارڈے رہے۔

مستقیم اس راستہ کو کہتے ہیں جو افراط اور تفریط کے درمیان متوسط ہو مستقیم عقیدہ وہ ہے کہ نہ تو دہریوں کی طرح خدا کا انکار کیا جائے اور نہ مشرکین کی طرح متعدد خدا مانے جائیں بلکہ کہا جائے کہ خدا ہے اور وہ ایک ہی ہے نہ قدر یہ کہ طرح یہ کہا جائے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور نہ جبر یہ کہ طرح یہ کہا جائے کہ انسان مجبور شخص ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے افعال کا خالق ہے اور انسان کا سب سے اور نہ برہمنوں کی طرح نبوت کا انکار کیا جائے اور نہ مرزائیہ کی طرح نبوت کو قیامت تک کے لیے جاری رکھا جائے بلکہ یہ کہا جائے کہ نبی کا آنا ضروری ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ ضرورت ختم ہو گئی اور نہ رافضیہ کی طرح صحابہ کی مذمت کی جائے اور نہ ناصبیہ کی طرح اہل بیت کو برا کہا جائے بلکہ صحابہ اور اہل بیت دونوں کی تکریم کی جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس

اور استقامت کا معنی ہے: انسان کا صراطِ مستقیم کو لازم رکھنا اور ہر حال میں اس پر رہنے اور ڈٹے رہنا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استقامت کی تفسیر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا" (نعلت: ۳۰) پھر آپ نے فرمایا: لوگوں نے یہ کہا: یعنی ہمارا رب اللہ ہے پھر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے پس جو شخص اسی قول پر ڈٹا رہا حتیٰ کہ مر گیا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اس قول پر مستقیم رہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۰ کمال لابن عدی ج ۳ ص ۱۸۸ جامع السانید وائسن سند انس رقم الحدیث: ۵۱۱)
حضرت سفیان بن عبد اللہ اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات بتائیے کہ میں آپ کے بعد کسی اور سے سوال نہ کروں آپ نے فرمایا: تم کہو: میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر مستقیم رہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸ سنن ابن عبد ربہ رقم الحدیث: ۶۷۴۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۳ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۱ مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۹ھ شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۹۳۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہو: میں اللہ پر ایمان لایا اس کا معنی ہے کہ تم زبان سے اللہ کی توحید کا اقرار کرو اور اپنے باقی اعضاء سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور فرمایا: پھر اس پر مستقیم رہو یعنی تادمِ مرگ توحید پر قائم رہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے رہو۔ نیز آپ کا یہ ارشاد تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرتے رہو اور ہر اس کام

سے اجتناب کرتے رہو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم پر بھی عمل نہیں کیا یا کسی ایک بھی ممنوعہ کام سے باز نہیں رہا تو وہ مراد مستقیم سے منحرف ہو گیا، پس جس نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے تو اس کے رب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی رضا جوئی میں نگارہے اور اس کی وہی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی التوتنی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مسائل کے لیے اسلام اور ایمان کے تمام معانی جمع کر دیئے ہیں آپ نے مسائل کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے ایمان کی تجدید کرنے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرے اور زبان سے اس کا ذکر کرے اور اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت پر مستقیم رہے اور ہر قسم کی نافرمانی اور حکم عدولی سے باز رہے کیونکہ اس وقت تک کسی چیز پر استقامت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی مخالف چیزوں سے رکا نہ جائے اور آپ کا یہ ارشاد قرآن مجید کی اس آیت سے مستنبط ہے: "إِنَّ الْإِنْسَانَ كَذِبٌ قَالَ لَوْ أَدْبَرَ إِلَهُهُ لَفُتِكَ مَا مَعَا" (نہ اسجدہ: ۳۰) یعنی اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کو واحد مانو پھر تادم مرگ اس عقیدہ پر اور اس کے احکام کی اطاعت پر جتنے رہو جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی اطاعت پر مستقیم رہو اور کوسری کی طرح فریب دی کرتے ہوئے جاوہ استقامت سے منحرف نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے رہو اس کی توحید کا اقرار کرتے رہو اور اپنے اعضاء سے دھما اس کی بندگی کرتے رہو۔

(المجموع ج ۳ ص ۲۲۲-۲۲۱ دارالمنیٰ کثیرہ روت ۱۴۳۰ھ)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ ہود میں فرمایا:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ. (ہود: ۱۱۳)

سو آپ اسی طرح مستقیم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا: مجھے ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

(المجموع ج ۷ ص ۲۸۶-۲۸۷ رقم الحدیث: ۹۰۰ و ناظرین ج ۵ ص ۳۵۸ شکل ترمذی رقم الحدیث: ۳۳)

علامہ بخاری بن شرف نوادی متوفی ۶۷۷ھ لکھتے ہیں:

تمام قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے زیادہ سخت اور دشوار آیت اور کوئی نازل نہیں ہوئی اسی لیے جب آپ کے اصحاب نے آپ سے پوچھا کہ آپ پر بڑھا پا بہت جلد طاری ہو رہا ہے تو آپ نے فرمایا: مجھے سورہ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ (مجمع مسلم شرح النوادی ج ۳ ص ۶۰۶ مکتبہ نزار مصطفیٰ روت ۱۴۱۷ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مستقیم رہو اور تم مکمل استقامت ہرگز حاصل نہیں کر سکو گے اور یاد رکھو تمہارے اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور صرف مومن (کامل) ہی دھما پا و ضرور سکتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۷۸-۴۷۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۶۰۶ مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۵-۲۸۶ سنن دارمی رقم الحدیث: ۶۶۱-۶۶۲ المجموع البصیر ج ۳ ص ۸۸ مسند رک ج ۱ ص ۱۳۸ سنن ابی بکر بن الصمیم ج ۱ ص ۳۷۷ جامع المسانید السنن مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۷۱۹)

صحابہ کرام اور فقہاء تابعین سے استقامت کی تفسیر

حضرت ابو بکر نے یہ آیت چامی: "إِنَّ الْإِنْسَانَ كَذِبٌ قَالَ لَوْ أَدْبَرَ إِلَهُهُ لَفُتِكَ مَا مَعَا" (نہ اسجدہ: ۳۰) اور کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو

اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتے۔ ایک اور روایت میں ہے: نہ کوئی اور معصیت کرتے ہیں۔

(جامع البیان ۲/۳۳۲ رقم الحدیث: ۲۵۵۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کی منبر پر تلاوت کی اور کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر مستقیم رہے اور لوہڑی کی طرح فریب دہی سے صراطِ مستقیم سے ابھر اور نہیں نکلے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۵۸)

حسن بصری جب اس آیت کو پڑھتے تو دعا کرتے: اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت عطا فرما۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۵۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا تقاضا ہے کہ تم فرماؤ کہ میں اللہ کی اطاعت پر مستقیم رہوں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۵۶۰)

ابوالعالیہ نے کہا: دین میں اخلاص کے ساتھ عمل کرنے پر تادمِ مرگ مستقیم رہو۔

ایک قول ہے: جس طرح تم اپنے اقوال میں مستقیم ہو اسی طرح اپنے اعمال میں بھی مستقیم رہو۔

ایک اور قول ہے: جس طرح تم جلوت میں مستقیم ہو اسی طرح خلوت میں بھی مستقیم رہو۔

فضیل بن عیاض نے کہا: دنیا سے بے رغبتی کرو اور آخرت میں رغبت کرو۔

نیز ایک قول یہ ہے کہ اطاعت کے تمام افعال کے ساتھ ساتھ تمام گناہوں سے بھی محتجب رہو کیونکہ انسان خواب کی رعبت میں اطاعت کرتا ہے اور عذاب کے خوف سے گناہوں سے اجتناب کرتا ہے۔ ربیع نے کہا: ناسوی اللہ سے اعراض کرو۔

(المعجم وجامع ج ۵ ص ۱۸۰ ج ۶ الجامع ۱۰۰۰ احکام القرآن ج ۵ ص ۳۲۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

استقامت کے حصول کا دشوار ہونا

دو نقصان کو طمانے والے سب سے چھوٹے خط کو قلت میں صراطِ مستقیم کہتے ہیں اور شریعت میں صراطِ مستقیم سے مراد وہ عقائد ہیں جو سعادت دارین تک پہنچاتے ہیں یعنی وہ دین اسلام جس کو دے کر تمام انبیاء اور رسل کو مبعوث کیا گیا اور ان تمام کی نبوت اور رسالات کو حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ختم کر دیا گیا جس دین سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح معرفت ہو اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو وہ صراطِ مستقیم ہے۔ یہ صراطِ مستقیم کا خاص معنی ہے اور اس کا عام معنی یہ ہے: تمام اخلاق و اعمال اور امور میں افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ۔

خواصِ مسلمین کے نزدیک صراطِ مستقیم کا معنی یہ ہے:

کفر، فسق، جہل، بدعت اور ہوائے نفسانیہ کے جہنم کی پشت پر علم، عمل، خلق اور حال کے اعتبار سے شریعت پر استقامت کا ہونا۔

اس معنی میں صراطِ مستقیم سے ذہن آخرت کے پہلے صراط کی طرف متوجہ ہونا ہے پہلے صراط کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور کھوار سے زیادہ تیز ہے اور شریعت پر استقامت بھی بال سے زیادہ باریک اور کھوار سے زیادہ تیز ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں عام طور پر دیور اور بھائی میں پردہ نہیں ہوتا حالانکہ شریعت میں ان کے درمیان پردہ کی سخت تاکید ہے سرکاری ملازمتیں رشوت سود اور بے ایمانی کی آمدنی کے بغیر ممکن نہیں یونینوں میں اعلیٰ تعلیم مخلوط طریقہ تعلیم کے بغیر ممکن ہے دکاندار اور غیلے والے پولیس کو بھتہ دینے بغیر اپنا کاروبار نہیں چلا سکتے۔ فنی اداروں اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اسٹاف ہوتا ہے استقبالیہ اور معلوماتی کاؤنٹر پر بے پردہ خواتین سے گفتگو کرنی پڑتی ہے سرکاری ٹینڈرز پر کوئی خشک رشوت کے

بغیر منظور نہیں ہو سکتا پولیس اور دیگر سرکاری محکموں میں کوئی شخص رشوت میں ملوث ہوئے بغیر ملازمت نہیں کر سکتا فریڈک پورا معاشرہ شریعت کی خلاف ورزیوں اور اخلاقی پستیوں میں ڈوبا ہوا ہے ایسے معاشرہ میں اگر کوئی شخص شریعت پر مستقیم رہتا چاہے تو یہ صراط مستقیم ہال سے زیادہ پار یک اور نکور سے زیادہ تیز ہے اور جو اس صراط مستقیم پر آسانی سے گزر گیا وہ آخرت کی ہل صراط سے بھی آسانی سے گزر جائے گا۔

اور عوام مسلمین کے اعتبار سے صراط مستقیم کا یہ معنی ہے:

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا اور ہر اس کام سے رکنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

خواص جب اہلنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے: اے اللہ! ہمیں سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ عطا فرما اور ہم پر اپنے جمال اور جلال کی صفات غیر متناہیہ مشکف کر دے اور جب عوام اہلنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنی ہے: اے اللہ! ہمیں اپنے تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

اس کے بعد فرمایا: ”ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے“ اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

مجاہد اور زید بن اسلم نے کہا: موت کے وقت ان کے اوپر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

ثابت اور مقاتل نے کہا: جب حشر کے میدان میں لے جانے کے لیے ان کو قبروں سے نکالا جائے گا اس وقت ان کے اوپر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

”ان سے کہا جائے گا: تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو“ اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

نکمرہ نے کہا: جو حالات تمہارے آگے پیش آنے ہیں تم ان کا اندیشہ نہ کرو اور جو کچھ تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اس کا غم نہ کرو۔

مجاہد نے کہا: تم موت کے متعلق فکر مند نہ ہو اور اپنی اولاد کا غم نہ کرو۔

”اور جنت کی بشارت سنو“ ایک قول یہ ہے کہ جنت کی بشارت تین مواقع پر دی جائے گی: موت کے وقت، قبر میں اور حشر میں۔ (تفسیر جامع، ج ۵، ص ۱۸۰ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

عباد صالحین پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

میرے ایک محترم فاضل دوست علامہ عبدالحکیم نقشبندی (بریل، برطانیہ) زید علمہ وجہ نے مجھے چند رجال صالحین کے تراجم لکھ کر ارسال کیے ہیں جن کو موت کے بعد بشارات دی گئیں یا کسی اور نوع کی عزت اور کرامت عطا کی گئی، قارئین کی علمی ضیافت کے لیے میں ان رجال کا یہاں باحوالہ تعارف پیش کر رہا ہوں۔ ان سب کا تذکرہ حافظ جمال الدین یوسف الموی التوفیقی ۳۲ھ نے کیا ہے۔

(۱) وکیع بن جراح متوفی ۱۹۶ھ

امام احمد بن حنبل ان کے متعلق کہتے تھے کہ میں نے علم حفظ اور اسناد میں اور خوف خدا میں وکیع کی مثل کوئی شخص نہیں دیکھا۔

داؤد بن یحییٰ بن یحیمان نے بیان کیا کہ مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ابدال کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: جنہوں نے اپنے ہاتھ سے کسی کو ضرب نہیں پہنچائی اور وکیع بھی ابدال

میں سے ہے۔

علی بن عظام بیان کرتے ہیں کہ کعب بن جراح بیمار ہو گئے ہم ان کے پاس ان کی عیادت کے لیے گئے و کعب نے کہا کہ سفیان ثوری میرے پاس خواب میں آئے تھے اور انہوں نے مجھے اپنے جوار میں مدفون ہونے کی بشارت دی سو میں ان کی طرف سبقت کرنے والا ہوں۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۳۰۳-۳۰۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

(۲) ثابت بن اسلم البتانی المتوفی ۱۲۳ھ

حماد بن سلمہ نے کہا کہ ثابت یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو کسی شخص کو قبر میں نماز پڑھنے کی نعمت عطا کرے تو مجھے قبر میں نماز پڑھنے کی نعمت عطا فرماتا، کہا جاتا ہے کہ یہ دعا ان کے حق میں قبول ہو گئی اور ان کی موت کے بعد ان کو قبر میں نماز پڑھتا ہوا دیکھا گیا۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۲۷۷ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

(۳) وہب بن منہ بن کافل متوفی ۳۶ھ

حضرت حمادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں جس کا نام وہب ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو نکت عطا فرمائے گا۔

ابن ابی بن صباح نے کہا: وہب بن منہ نے چالیس سال تک کسی کو برا نہیں کہا اور انہوں نے بیس سال تک نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان وضو نہیں کیا۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۳۹-۳۹۸ ملخصاً)

(۴) یحییٰ بن سعید القطان متوفی ۱۲۰ھ

زہیر بن قہم بیان کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو خواب میں دیکھا انہوں نے جو قمیص پہنی ہوئی تھی اس کے کندھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ اللہ العزیز العظیم کی طرف سے مکتوب ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان دوزخ کی آگ سے نجات یافتہ ہے۔

عطاء بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید کی موت سے بیس سال پہلے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ یحییٰ بن سعید کو بشارت دو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ایمان میں رکھے گا۔

علی بن مدینی بیان کرتے ہیں کہ ایک مدت سے مجھے خواہش تھی کہ میں یحییٰ بن سعید القطان کو خواب میں دیکھوں وہ کہتے ہیں: ایک دن میں نے عشاء کی نماز پڑھی پھر وتر پڑھے پھر میں بکلیہ پر سر رکھ کر لیٹ گیا پھر خواب میں میں نے خالد بن الحارث کو دیکھا میں نے کھڑے ہو کر ان کو سلام کیا اور ان سے معاف کیا پھر میں نے پوچھا: آپ کے ساتھ آپ کے رب نے کیا سلوک کیا؟ انہوں نے کہا: مجھے میرے رب نے بخش دیا حالانکہ معاملہ بہت سخت تھا میں نے کہا: معاف کہاں ہیں؟ وہ بھی حدیث میں آپ کے ساتھی تھے؟ انہوں نے کہا: وہ مجھوں ہیں میں نے پوچھا: اور یحییٰ بن سعید القطان کا کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم ان کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح روشن ستارہ آسمان میں نظر آتا ہے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۱۰۰)

(۵) امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۱۵۰ھ

حزنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی میں نے آپ سے امام شافعی کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا: جو شخص میری محبت اور میری سنت کا ارادہ رکھتا ہو وہ محمد بن ادریس شافعی کی مجلس کو لازم رکھے کیونکہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔

ربیع بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا میں نے پوچھا: اے

ابو عبد اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے سونے کی کرسی پر بٹھایا اور مجھ پر تہذیب موقیٰ بکھیر دیئے۔ (تہذیب الکمال فی السیرۃ الجلالہ ج ۱ ص ۵۳)

(۶) سلیمان بن طرخان حمی انصاری متوفی ۱۸۳ھ

رقیہ بن مصطفیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں رب اعزت کی زیارت کی 'فرمایا: میں ضرور سلیمان حمی کا اکرام کروں گا اس نے میرے لیے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔

ابراہیم بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ سلیمان حمی نے ایک شخص سے عاریفہ چوتھیں لی اور پینے کے بعد واپس کر دی 'اس شخص نے کہا: مجھے اس سے مستقل ملک کی خوشبو آتی رہی۔ (تہذیب الکمال فی السیرۃ الجلالہ ج ۱ ص ۵۱-۵۰)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں جو حالات تمہارے سامنے آنے والے ہیں ان کا اندیشہ نہ کرو اور جن چیزوں کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کا تم نہ کرو اور اس جنت کی خوش خبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا 'زید بن اسلم نے کہا: یہ خوش خبری تین مواقع پر دی جائے گی 'موت کے وقت' قبر میں اور حشر میں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۹۹ رقم الحدیث: ۳۵۳۶۱ دارالکتب العلمیہ 'بیروت' ۱۴۱۶ھ)

منہال بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا: ہر نفس پر دنیا سے نکلنا اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ اس کو یہ نہ

معلوم ہو جائے کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۲۲ رقم الحدیث: ۳۵۶۹۱ دارالکتب العلمیہ 'بیروت')

فرشتوں کا مؤمنین کے لیے معاون اور مددگار ہونا

حجۃ الہدیٰ ۳۴-۳۵ میں فرمایا: "ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے مددگار ہیں اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو" یہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے "O"

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے مؤمنوں سے کہیں گے: ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے اولیاء تھے اور آخرت میں بھی تمہارے اولیاء ہیں۔

امام راوی فرماتے ہیں: یہ آیت 'حجۃ الہدیٰ: ۲۵ کے مقابلہ میں ہے جس میں فرمایا تھا: ہم نے کفار کے لیے ان کے ساتھیوں کو ان پر مسلط کر دیا اور یہ جو فرمایا ہے کہ فرشتے مؤمنین کے لیے اولیاء (مددگار) ہوں گے 'اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتے مؤمنوں میں انھما 'مکاشفات' عقیدے اور مقامات عقیدے کی تاثیرات کرتے ہیں 'جس طرح شیاطین ارواح میں دوسرا انداز کرتے ہیں اور باطل خیالات کا القاء کرتے ہیں 'خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے متعدد جہات سے ارواح طیبہ ظاہرہ کی مدد کرتے ہیں جس کا رباب مکاشفات اور اصحاب مشاہدات کو علم ہوتا ہے 'پس فرشتے یہ کہتے ہیں: جس طرح ان کی مدد دنیا میں مؤمنوں کو حاصل تھی اسی طرح ان کی مدد ان کو آخرت میں بھی حاصل رہے گی 'بلکہ مؤمنوں کی موت کے بعد ان کی مدد زیادہ قوی ہو جائے گی کیونکہ جو ہر نفس ملائکہ کی جنس سے ہے اور نفس اور ملائکہ کے درمیان وہ نسبت ہے جو شعلہ اور آفتاب میں ہے یا قطرہ اور سمندر میں ہے 'نفس انسان اور ملائکہ کے درمیان تعلقات جسمانیہ اور تدبیرات بدنیہ حائل ہوتی ہیں اور انسان کی موت کے بعد یہ جاپ اٹھ جاتا ہے پھر اثر مؤثر کے ساتھ اور قطرہ سمندر کے ساتھ اور شعلہ آفتاب کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے اور اس آیت میں فرشتوں کے جس قول کا ذکر ہے اس سے بھی مراد ہے۔

پھر فرشتوں نے مؤمنوں سے کہا: ”اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور اس میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو“
 یعنی تم جس چیز کی بھی تمنا کرو گے وہ اللہ تعالیٰ تم کو عطا فرما دے گا مگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کے پہلے جملہ میں ہے: جس چیز کو تمہارا دل چاہے اور دوسرے جملہ میں ہے: جس چیز کو تم طلب کرو ان میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ سے مراد لذات جسائیہ ہیں جیسے جنت کے پھل اور میوے اور حور و قصور اور دوسرے جملہ سے مراد لذات روحانیہ ہیں جیسے ذکر اذکار اور تسبیح اور تہلیل وغیرہ۔

اس کے بعد فرمایا: ”یہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے“
 اس میں یہ بتایا کہ یہ تمام نعمتیں جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کے قائم مقام ہیں اور کریم جب کسی کی مہمانی کرتا ہے تو ضیافت کے بعد نفیس تحائف پیش کرتا ہے سو جنت میں اللہ تعالیٰ پہلے جسائی اور روحانی لذتیں عطا فرمائے گا پھر اس کے بعد اپنی ذات کی تخلیقات دکھائے گا اور اپنا دیدار عطا فرمائے گا میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے قارئین کو جنت کی ان تمام نعمتوں کا اہل بنادے اور محض اپنے فضل اور کرم سے ہم کو یہ نعمتیں عطا فرمائے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۶۲-۵۶۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)
 حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۷ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
 مؤمنوں کی موت کے وقت فرشتے ان کے پاس آ کر کہیں گے: ہم دنیا میں بھی تمہارے معاون تھے تم کو صحیح راہ دکھاتے تھے اور اللہ کے حکم سے تمہاری حفاظت کرتے تھے اور اسی طرح ہم تمہارے ساتھ آخرت میں رہیں گے اور قبروں کی وحشت اور گھبراہٹ میں تمہارا دل بہلائیں گے اور جس وقت صور پھونکا جائے گا اس وقت بھی تم کو تسلی دیں گے اور حشر کے دن تم کو مامون رکھیں گے اور تم کو آسانی کے ساتھ ہل صراط سے گزاریں گے اور تم کو جنات النعیم میں پہنچائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل چاہے گا یعنی جس چیز کو بھی تم پسند کرو گے اور جس چیز سے بھی تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور فرمایا: اس جنت میں تمہارے لیے ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو گے یعنی جس چیز کو بھی تم طلب کرو گے وہ تمہارے سامنے ہوگی اور جس چیز کو بھی تم پسند کرو گے اس چیز کو تم پالو گے اور فرمایا: یہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے یعنی اس کی طرف سے ضیافت ہے اور عطا ہے اور انعام ہے اور تمہارے گناہوں کی مغفرت ہے وہ تم پر رؤف اور رحیم ہے اس نے تمہارے گناہوں پر پردہ رکھا تم کو بخش دیا اور تم پر لطف و کرم فرمایا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار الفکر ۱۴۱۸ھ)

فرشتے موت کے وقت مؤمنین کو جن انعامات کی بشارت دیتے ہیں

امام ابو یوسف محمد بن یحییٰ ترمذی ۲۴۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کر دے میں نے پوچھا: کیا جنت میں بازار ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان کو ان کے اعمال کی فضیلت کی وجہ سے جنت لے لی پھر ایمان دنیا کے اعتبار سے جتنے عرصہ میں حمد کا دن آتا ہے اتنے عرصہ بعد وہ اپنے رب کی زیارت کریں گے اور ان کے لیے اللہ کا عرش ظاہر ہوگا اور جنت کے باغات میں ایک باغ ان کے سامنے ہوگا اور ان کے لیے

نور کے منبر رکھے جائیں گے اور یاقوت کے اور زمرد کے اور سونے کے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے اور ان میں سے
 اونٹنی درجہ کے شخص کو ملے گا اور کافور کے نیلے پر بٹھایا جائے گا حالانکہ اس میں کوئی دناہ نہیں ہوگی اور ان کو یہ خیال نہیں آئے گا
 کہ جو لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہیں ان کی نشست ان سے زیادہ افضل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں
 نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم سورج کو دیکھنے میں اور
 چاند کو شب کو چاند کے دیکھنے میں کوئی تردد کرتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: اسی طرح تم اپنے رب کے دیکھنے میں
 کوئی تردد نہیں کرو گے اور اس مجلس میں ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے بالشفاعہ موجود ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص سے فرمائے گا:
 اے فلاں بن فلاں! کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے ایک دن فلاں فلاں بات کہی تھی؟ پھر اس کو اس کی دنیا میں کی ہوئی بعض عہد
 شکلیاں یاد دلانے کا وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں تو میری
 بخشش کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس مرتبہ کو پہنچا ہے۔ پھر جس وقت ان میں یہ گفتگو ہو رہی ہوگی! اہل جنت کو اوپر سے ایک
 بادل ڈھانپ لے گا! پھر ان پر ایسی خوشبو کی بارش ہوگی کہ انہوں نے اس سے پہلے ایسی خوشبو نہیں سونگھی ہوگی اور ہمارا رب
 تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: انھوں! اگر ام و انعام کی چیزوں کی طرف جو میں نے تمہارے لیے تیار کی ہیں! میں جو چیز تمہیں پسند
 آئے وہ لے لو! پھر ہم ایک بازار میں آئیں گے جس کا فرشتوں نے احاطہ کر رکھا ہوگا! اس بازار میں ایسی چیزیں ہوں گی کہ
 آنکھوں نے ایسی چیزوں کو بھی نہیں دیکھا ہوگا اور نہ کانوں نے بھی سنا ہوگا اور نہ بھی دلوں میں ان کا خیال آیا ہوگا سو جو چیز
 ہمیں پسند آئے گی وہ ہمیں اٹھا کر دے دی جائے گی اور اس بازار میں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی اور اس بازار میں اہل جنت
 ایک دوسرے سے ملیں گے! پھر جو شخص بلند درجہ والا ہوگا وہ کم درجہ والے شخص سے ملے گا حالانکہ اس شخص میں کوئی کمی نہیں ہوگی
 وہ کم درجہ والا بلند درجہ والے شخص کے بہترین لباس کو دیکھ کر حیران ہوگا اور ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوئی کہ وہ دیکھے گا اس کے
 اوپر اس سے بھی زیادہ بہترین لباس ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں کوئی شخص غمگین نہیں ہوگا! پھر ہم اپنے اپنے گھروں کی
 طرف چلے جائیں گے۔ پھر جب ہماری بیویاں ہم سے ملاقات کریں گے تو کہیں گی: مرحبا! خوش آمدید ہو! تم اس قدر حسن و
 جمال کے ساتھ آئے ہو کہ جب تم یہاں سے گئے تھے اس وقت اتنے حسین و جمیل نہیں تھے! وہ شخص کہے گا: آج ہم اپنے رب
 جہار کی مجلس سے ہو کر آئے ہیں اور ہمیں یہی چاہیے تھے کہ ہم ایسی ہی کیفیت سے واپس آئیں جیسی کیفیت سے ہم واپس ہو کر
 آئے ہیں۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۳۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۳۳۶، مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۷۱۳۰)
 حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی ملاقات سے محبت کرتا
 ہے اللہ بھی اس کی ملاقات سے محبت کرتا ہے اور جو شخص اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے
 ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم سب موت کو پسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا: یہ موت کی پائندہ یاد کی نہیں ہے! لیکن جب مومن کے
 پاس موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ان انعامات کی بشارت دینے والا آتا ہے جن انعامات کی طرف وہ
 جانے والا ہے! پھر اس مومن کے نزدیک اللہ سے ملاقات کرنے کے مقابلہ میں کوئی چیز پسندیدہ نہیں ہوتی! سو وہ اللہ سے
 ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور قافراں کو کافر کے پاس جب موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آ کر اس عذاب کی خبر دیتے
 ہیں جس عذاب کی طرف وہ جانے والا ہوتا ہے سو وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملاقات کو پسند کرتا
 ہے! (یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے)۔ (مسند احمد، ج ۳، ص ۷۷، مسند احمد، ج ۱۰، ص ۱۰۳، رقم الحدیث: ۱۳۴۷۷)
 کتاب التہجد، باب المبارک، رقم الحدیث: ۱۷۱۳۰، مسند احمد، ج ۱۰، ص ۱۰۳، رقم الحدیث: ۱۷۱۳۰

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا لِّمَنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ

اور اس سے عمدہ کلام کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک

إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط

میں مسلمانوں میں سے ہوں O اور نیک اور بدی برابر نہیں ہے سو آپ برائی کو اچھے طریقے سے دور کریں

إِذْفَعُ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ

پہن اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے

كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٣﴾ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِيهَا

وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے O اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہوں اور یہ صفت

إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّمَا يَنزِعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ

ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوں O اور (اے مخاطب!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں

بِاللَّهِ ط إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ

کوئی دوسرا آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو بے شک وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے O اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ط لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا

دن اور سورج اور چاند ہیں اور تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو سجدہ کرو

بِاللَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿٣٦﴾ فَإِنِ اسْكَبُوا

جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو O پھر بھی اگر یہ لوگ تکبر

فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا

کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں

يَسْمُونَ ﴿٣٧﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا

اور وہ جھٹکتے نہیں O اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور غیر آباد

اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنْ الَّذِي اَحْيَا مَا لَمْ يَحْيِ

دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تڑتا رہ کر لپھٹا ہے اور ابھرتی ہے بے شک جس نے اس زمین کو

الْمَوْتِ اِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ اِنَّ الَّذِي يُلْحِدُونَ

زندہ کیا ہے وہی (قیامت کے دن) مردوں کو زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ۝ بے شک جو لوگ ہماری

فِيْ اٰيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا اَفَمَنْ يُلْقٰى فِي السَّارِ خَيْرًا مِّنْ

آنچوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جمونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص

مَنْ يَّاتِيْ اٰمَنًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا تم جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کاموں کو

بَصِيْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ

خوب دیکھنے والا ہے ۝ بے شک جن لوگوں نے قرآن کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا (ان کو عذاب

عَزِيْزٌ ۝ لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط

دیا جائے گا) بے شک یہ بہت معزز کتاب ہے ۝ اس میں باطل کبھی سے نہیں آ سکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ مَا يَقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيلَ

یہ کتاب بہت حکمت والے امر کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہے ۝ (اے رسول کریم!) آپ کے خلاف وہی باتیں کہی

لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَّبِّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ

جاری ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کے خلاف کہی جاتی رہی ہیں بے شک آپ کا رب (مومنوں کے لیے) ضرور مغفرت

اِلَيْهِمْ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَبِيَّا لَقَالُوْا الْوَلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُ

والا ہے اور (کافروں کے لیے) اور تاک عذاب والا ہے ۝ اور اگر ہم اس قرآن کو عجیب زبان میں کر دیتے

ءَاَعْجَبٰى وَعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هٰدٰى وَشَفَآءٌ لِّلَّذِيْنَ

تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں کیا کتاب کی زبان

لَا يُؤْمِنُونَ فِيْ اِذَا دُعِيَ لَهُمْ وَقَدْ وَهَّوْا عَلَيْهِمْ عَسَىٰ اُولٰٓئِكَ يَنْتَادُوْنَ مِنْ

مجی ہو اور رسول کی زبان عربی ہو؟ آپ کہتے ہیں کہ اب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے

تَكَانَ بَعِيْدًا

ان کے کانوں میں ڈالت ہے اور یہ ان پر اندھا پن ہے ان لوگوں کو بہت دور سے ندا کی جارہی ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے عمدہ کلام اور کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے اور کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں ○ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہے سو آپ بُرائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے ○ اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہوں اور یہ صفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوں ○ اور (اے مخاطب!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو بے شک وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○ (نجم امجد: ۳۶-۳۳)

سابقہ آیات سے مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایسے اقوال نقل فرمائے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے سخت امراض کرتے ہیں مثلاً انہوں نے کہا: آپ ہمیں جس دین کی طرف بلا رہے ہیں اس کے خلاف ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ (نجم امجد: ۵) اور انہوں نے کہا: اس قرآن کو مت سنو اور اس کی قرأت میں لغو باتیں کرو۔ (نجم امجد: ۲۶) اب گویا اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا: ہر چند کہ اہل مکہ نے بہت دل آزار اور تکمیل باتیں کہی ہیں لیکن آپ ان باتوں سے متاثر نہ ہوں اور ان کو اسی طرح پیچہ تلخ کرتے رہیں کیونکہ دین حق کی دعوت دینا سب سے بڑی عبادت اور سب سے اہم اطاعت ہے اس لیے فرمایا: اور اس سے عمدہ کلام اور کس کا ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے اور نیک کام کرے۔

سابقہ آیات سے مناسبت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی فضیلت کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ وہ بُری صفات کو ترک کر کے اور نیک صفات کو اپنا کر خود کمال ہو جائے اور اس سے بھی بڑی فضیلت یہ ہے کہ خود کمال ہونے کے بعد دوسروں کو کمال بنائے تو اس سے پہلی آیت میں انسان کے کمال ہونے کا مرتبہ بیان فرمایا تھا کہ بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر مستقیم رہے۔ (نجم امجد: ۳۰) اور اس آیت میں انسان کے کمال گزرنے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ انسان کی زیادہ بڑی فضیلت ہے۔ اعظم اور مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے وعظ پر خود بھی عمل کرے

اس آیت میں فرمایا ہے: "جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے" یعنی اللہ پر ایمان لانے اور اس کے تمام احکام پر عمل کرنے کی دعوت دے اس کے بعد فرمایا: "اور نیک کام کرے" کیونکہ جو شخص خود نیک کام نہ کرے اور لوگوں کو نیک کام کرنے کی دعوت دے نہ وہ اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا مستحق ہے قرآن مجید میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ تَعَالَىٰ ۖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل

(انقص: ۲) نہیں کرتے ○

(۱) میں مومن ہوں کے ساتھ اللہ کا ذکر تحرک کے لیے کیا جاتا ہے اور ادب کا تقاضا یہی ہے کہ تمام کام اللہ کی مشیت کے حوالے کر دیئے جائیں اور خود ستائی سے گریز کیا جائے اور رہا یہ کہ ان شاء اللہ کہنے سے شک اور تردد کا وہم ہوتا ہے تو وہ مستقبل کے اعتبار سے ہے، یعنی جس طرح میں اب مومن ہوں ان شاء اللہ مستقبل میں بھی مومن رہوں گا، لیکن یہ دلیل صرف یہ قائمہ دیتی ہے کہ ان شاء اللہ میں مومن ہوں کہنا جائز ہے نہ یہ کہ یہ کہنا میں بے شک اور بالیقین مومن ہوں کہنے پر راجح ہے اور ”میں ان شاء اللہ مومن ہوں“ کہنے سے جو یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت مومن نہیں ہے اس دلیل سے یہ وہم بھی دور نہیں ہوتا اور باقی رہا تحرک اور ادب کی وجہ سے ”میں ان شاء اللہ مومن ہوں“ کہنے کا جواز تو اس میں ایمان کی کیا تخصیص ہے دیگر اعمال اور طاعات کے ساتھ بھی یہ کہنا چاہیے مثلاً ان شاء اللہ میں نمازی ہوں ان شاء اللہ میں روزہ دار ہوں وغیرہ وغیرہ۔

(۲) جس تصدیق پر نجات کا مدار ہے وہ ایک عقلی چیز ہے اور شیطان اس کے زوال کے ورپے رہتا ہے اسی لیے انسان کو ہر چند کہ ایمان کے حصول کا یقین ہے لیکن اس کو یہ اطمینان نہیں ہے کہ اس کا ایمان سلامت رہے گا ہو سکتا ہے کہ بے خبری میں اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے جو ایمان کے خلاف ہو اس لیے اسے چاہیے کہ وہ ایمان کو اللہ کے حوالے کر دے اور یوں کہے: میں ان شاء اللہ مومن ہوں اس دلیل میں یہ سقم ہے کہ اگر بے خبری میں اس کے منہ سے کوئی کلمہ کفر نکل گیا ہے تو ”میں ان شاء اللہ مومن ہوں“ کہنے سے اس کا تدارک نہیں ہوگا اس کا تدارک صرف تو بہ سے ہوگا اور کلمہ کفر نکلنے کے بعد ”میں ان شاء اللہ مومن ہوں“ کہنا تو صحیح ہوگا لیکن وہی الواقع مومن نہیں ہوگا۔

(۳) امام الحرمین نے کہا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اس وقت مومن ہے لیکن جس ایمان پر نجات اور فوز و صلاح کا مدار ہے وہ یہ ہے کہ اس کا ایمان پر خاتمہ ہو، پس حقد میں کہتے ہیں کہ ایمان پر خاتمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کر دینا چاہیے خواہ بغیر کسی شک اور تردد کے وہ فی الحال مومن ہے اور وہ ”ان شاء اللہ میں مومن ہوں“ یہی اعتبار سے کہنے یعنی مرتے وقت کا ایمان اللہ کی مشیت پر موقوف ہے نہ کہ اس وقت کا ایمان۔ اب اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ جب وہ اس وقت ایمان سے متصف ہے تو ”میں ان شاء اللہ مومن ہوں“ کہنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ اس وقت وہ زندہ ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان شاء اللہ میں زندہ ہوں، کیونکہ وہ ان شاء اللہ مومن ہوں جو کہہ رہا ہے وہ خاتمہ کے اعتبار سے کہہ رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کو اس وقت ایمان کے تحقق اور حصول میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس پر یقین نہیں ہے کہ اس کا ایمان آخر تک ثابت اور قائم رہے گا وہ نہ بے خاتمہ سے ڈرتا ہے اور ایمان پر خاتمہ کی امید رکھتا ہے اس لیے جس ایمان پر اس کی مذاب سے نجات اور اخروی فوز و صلاح کا مدار ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کر دیتا ہے تاکہ اس آیت کے نکلنے پر عمل ہو۔

وَلَا تَحْزَنْ بِنَافِثِي هَٰذَا ۖ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ
 کہوں گا O مگر اس کام کے متعلق ہرگز یوں نہ کہیں کہ میں اس کوکل
 (تفسیر القرآن، ۱۳-۱۴)

(شرح التلخیص ص ۱۵۷، مستند العزیز، قمر ابن ۱۴۰۰ھ، شرح مائتہ ۹۶، کراچی)

واضح رہے کہ اس دلیل کا مفاد بھی صرف اتنا ہے کہ ایمان پر خاتمہ کی تاویل سے ”میں ان شاء اللہ مومن ہوں“ کہنا صحیح ہے نہ کہ مطلقاً ”میں ان شاء اللہ مومن ہوں“ کہنا صحیح ہے، کیونکہ جب وہ کہے گا: ”میں ان شاء اللہ مومن ہوں“ تو اس سے متبادر ہی ہوگا کہ اس کو اس وقت ایمان کے حصول میں شک ہے اور اس آیت سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت

میں مستقبل میں کچھ جانے والے کاموں کے متعلق ان شاء اللہ کہنے کی ہدایت دی ہے نہ کہ ان کاموں کے حلقہ جن سے وہ اس وقت متصف ہے۔

قرآن اور سنت سے انبیاء اور مرسلین کی دعوت کا ثبوت

اس آیت میں اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کا ذکر ہے اور اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والا سب سے پہلے (۱) انبیاء علیہم السلام کا گروہ ہے (۲) اس کے بعد علماء دین اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں (۳) اور ان کے بعد حکام اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں (۴) اور ان کے بعد مؤمنین ہیں (۵) اور آخری مرتبہ ہر مومن کا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے 'سو یہ کل پانچ اقسام ہیں: ہم قرآن اور حدیث کی روشنی میں ہر داعی الی الخیر کی تصویر تھوڑی تفصیل ذکر کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق۔

(۱) انبیاء علیہم السلام لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف معجزات سے دلائل سے اور جہاد کے ذریعہ دعوت دیتے ہیں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَدْبَارِهِمْ وَأَوَّلِهِمْ

(الحزاب: ۴۶-۴۵)

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے
گوایا دینے والا ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے
ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اس کے دین کی طرف دعوت
دینے والا اور دشمن چمکا کر

أَذْهَبَ لِي سَيْئِلِي رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالنُّصْحَةِ وَالْهَدْيِ
وَجَاءَ لِي بِالْغَيْبِ الَّذِي هُوَ أَحْسَنُ (آل عمران: ۱۷۵)

لوگوں کو اپنے رب کی طرف محنت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت
کے ساتھ دعوت دینے اور ان کے سامنے بہترین طریقہ سے دلائل
پیش کیجئے۔

اور اس سلسلہ میں بعض احادیث یہ ہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اللہ نے جس دین کو
دے کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص کسی قوم کے پاس گیا اور ان سے چا کر کہا: میں نے تمہارے خلاف
ایک فکرا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں سو نجات حاصل کرو نجات حاصل کرو نہیں ایک
جماعت نے اس کی بات مان لی اور وہ اپنی سہولت سے کسی طرف نکل گئے اور انہوں نے نجات پالی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۸۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۲ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳۳۲ عالم اکتب بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری
مثال اور لوگوں کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک شخص نے آگ جلائی اور جب اس آگ سے اس کے ارد گرد روشنی ہو گئی تو اس
پر پروانے اور حشرات الارض ٹوٹ کر گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں آگ میں گرنے سے روکنے لگا لیکن وہ اس کے
قابو میں نہیں آئے اور آگ میں گرتے رہے اسی طرح میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر تمہیں آگ سے نکالوں اور تم اس
آگ میں گر رہے ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۸۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۸۲ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۴۷۴)

قرآن اور سنت سے علماء دین کی دعوت کا ثبوت

(۲) اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں میں دوسرا درجہ علماء کا ہے علماء کی دعوت الی الخیر اور ان کی اطاعت کرنے کے

حلق قرآن مجید کی سی آیات ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ. (النساء: ٥٩)

وَلَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَاقِينَ أَذْكُرُ الْكِتَابَ لَقَدْ مَنَعْنَا
لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۚ قَدْ أَفْلَحَ لِقَوْمِ آدَمَ إِذْ هُمْ
عَلَى الشَّرَافِ ۖ لَمَّا كَانُوا إِذْ قِيلَ لَهُمْ مَا يَشْكُرُونَ ۝

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحبانِ امر ہیں یعنی علماء کی۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب (کے علماء) سے یہ عہد کیا کہ تم اس کتاب (کے احکام) کو ضرور لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اس میں سے کسی حکم کو نہیں چھپاؤ گے تو انہوں نے اس عہد کو اپنی چونچ بکچھے ڈال دیا اور اس کتاب کے بدلے میں تعویذی قیمت لے لی انکس نری ہے وہ چیز جس کو وہ خریدتے تھے ○

اور علماء دین کے ذمہ جو دین کی دعوت دینے کے فرائض ہیں اس کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 صرف دو شخصوں پر رشک کرنا محسن ہے: ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور اسے اس مال کو حق کے راستے میں خرچ
 کرنے پر مسلط کر دیا ہو اور ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکمت (علم) عطا کی ہو اور وہ اس حکمت سے لوگوں کے فیصلے کرے اور
 لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔

(محکم دقاری رقم الحدیث: ۷۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۲۴ جامع الترمذی و السنن مستدرک مسعودی رقم الحدیث: ۵۰۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کے علم کو چھپایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لکڑیاں ڈال دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم (احکام شرعیہ) سننے ہو اور دو تم سے بھی سننے جائیں گے اور جو تم سے (احکام شرعیہ) سننے ہیں ان سے بھی سننے جائیں گے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحديث: ۳۵۹۰ جامع المسانید و السنن مسند ابن عباس رقم الحديث: ۵۴۸)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ شخص کو تہذیب و تمدن سے جو ہم سے کسی حدیث کو سنے پھر اس کو یاد رکھے حتیٰ کہ اس حدیث کی تبلیغ کرے پس بعض حامل فقہ اس حدیث کو اپنے سے زیادہ فقیر تک پہنچا دیں گے اور بعض حامل فقہ خود فقیر نہیں ہوتے۔

سنن ابن ماجہ میں ان الفاظ کے بعد یہ اضافہ ہے:

تین مسلمانوں کے دلوں میں کھوٹ نہیں آتا جو اللہ کے لیے اخلاص سے عمل کرے جو ائمہ مسلمین کی خیر خواہی کرے اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہے۔

عام وین کی اقسام

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی حنفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علماء کی تین اقسام ہیں: (۱) علماء باللہ (۲) علماء بصفات اللہ اور (۳) علماء بأحكام اللہ۔

رہے علماء باللہ تو یہ وہ حکماء ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرہ ۲۶۹)

وہ جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی

اس کو خیر کثیر دی گئی۔

اور رہے علماء و صفات اللہ تو وہ علماء اصول ہیں (اصول سے مراد اصول فقہ، اصول تفسیر اور اصول حدیث ہے اور علم کلام بھی اسی میں داخل ہے)۔

اور رہے علماء باحکام اللہ تو اس سے مراد فقہاء ہیں (یعنی وہ علماء جو احکام شرعیہ کے عالم ہیں اور ہر عیش آدمہ مسئلہ کامل قرآن اور سنت سے نکال سکتے ہیں اور اپنے امام کے اصول کے موافق اجتہاد کرنے اور مسائل کے استخراج پر قادر ہیں)۔

(تخیر کبیر ج ۹ ص ۵۶۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۵ھ)

علماء اسماعیل حنفی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

علماء کی تین اقسام ہیں: (۱) عالم باللہ غیر عالم بامر اللہ (۲) عالم بامر اللہ غیر عالم باللہ (۳) عالم باللہ و بامر اللہ۔ عالم باللہ غیر عالم بامر اللہ سے مراد وہ علماء ہیں جن کے دل پر معرفت الہیہ کا قلب ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہوں اور اس کی صفات کبریاء کے مطالعہ میں منہمک رہتے ہوں اور ان کو احکام شرعیہ کا تفصیلی علم حاصل کرنے کا موقع نہ ملے اور انہوں نے صرف قدر ضروری علم کے حصول پر اکتفاء کر لی ہو (جیسا کہ غوث عبد المعز دہ باغ رحمہ اللہ یہ امی بزرگ تھے)۔

عالم بامر اللہ غیر عالم باللہ سے مراد وہ علماء ہیں جن کو حلال اور حرام کی معرفت ہو اور وہ احکام شرعیہ کے اسرار اور دقائق کے جاننے والے ہوں لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کی جمال ذات کے اسرار کی معرفت نہ ہو اور نہ وہ اس کے جمال کے محرم ہوں خواہ وہ عارفین کے ماننے والے ہوں یا ان کا انکار کرنے والے ہوں (ان کو ظاہر شریعت کا عالم کہا جاتا ہے جیسا کہ آج کل کے معروف علماء ہیں)۔

عالم باللہ و بامر اللہ سے مراد وہ علماء ہیں جو پہلی دونوں قسموں کے نقصان کے جامع ہوں وہ بھی اللہ کی محبت میں وارفتہ ہوتے ہیں اور کبھی مخلوق پر شغفت اور رحمت کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں وہ جب اللہ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں تو گویا کہ مخلوق کو نہیں پہنچاتے اور جب مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں تو لگتا ہے ان ہی میں سے ایک ہیں گویا کہ انہیں اللہ کی کوئی معرفت نہیں ہے، یہی عارف مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے اسرار بیان کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت ڈالتا ہے۔ پھر اس قدر کمال سے متصف ہونے کے باوجود تواضع اور انکسار سے کہتا ہے: بے شک میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اور یہ مرسلین اور صدیقین کا طریقہ ہے۔

(درج البیان ج ۸ ص ۳۳۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۱ھ)

قرآن اور سنت سے امراء اور حکام کی دعوت کا ثبوت

(۳) اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں میں تیسرا درجہ امراء اور حکام کا ہے یہ قوت اور اقتدار سے اور ہر دور کے مرد و امرا و موثر چھبیاروں سے کفار کے خلاف جہاد کرتے ہیں اور اللہ کے دین کو سر بلند کرتے ہیں اور اسلام کی نشر و اشاعت کرتے ہیں اسلام کی سرحدوں کا دفاع کرتے ہیں اور اپنے ملک میں اسلامی نظام کو قائم کرتے ہیں اللہ کی حدود کو نافذ کرتے ہیں نمازوں کی ادائیگی اور زکوٰۃ کی وصولیابی کا نظام قائم کرتے ہیں فوج کا حکمہ عداوتیں اور دینی درسگاہیں قائم کرتے ہیں اور

بیت المال سے ناداروں و یتیموں کی دواؤں اور بے روزگاروں کے وظائف جاری کرتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

الَّذِينَ إِذَا فُتِحَتْ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ حَتَّىٰ أَتَوْا الزَّكَاةَ ۚ وَكَانُوا مِنَ الْمُنْكَرِينَ
عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (٢١: الحج)

یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمادیں تو یہ نماز کی ادائیگی اور زکوٰۃ کی وصولیابی کا نظام قائم کریں گے اور نیک کاموں کا سہم دیں گے اور نہ بے کاموں سے روکیں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے ○

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَّا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ إِنَّمَا نُصَلِّفُ الْأُمُورَ لَكَم مِّنْ عِلْمٍ وَكَانَ فَاكِهَةً وَكَانَ يُؤْتِيهِمُ الْوَيْلَ الَّذِي أَنفَقُوا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِّنْ قَبْلِ هَٰذَا هُوَ فِيمَا كَانُوا
(النور: ٥٥)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اللہ ان سے وعدہ فرما چکا ہے کہ ضرور پہ ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ضرور ان کے لیے اپنے پسندیدہ دین کو حکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

حضرت زہیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدل اور انصاف کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے اللہ کی دائیں جانب ہوں گے اور اس کی دونوں جانب دائیں ہیں جو لوگ اپنی رعیت میں عدل کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۷۳ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۴۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کے انبیاء ان کا نظام حکومت چلاتے تھے جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، مقرر یہ میرے خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے پس تم ازل کی بیعت پوری کرؤ پھر ازل کی بیعت پوری کرو اور ان کے حقوق ادا کرو وہ اپنے عوام کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اس کا اللہ ان سے سوال کرے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۸۶۱)

قرآن اور سنت سے مؤذنین کی دعوت کا ثبوت

(۴) اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں میں چوتھا درجہ مؤذنین کا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ اذان دیتے ہیں تو ہر جگہ کہ یہ بالذات نماز کی دعوت دیتے ہیں لیکن اذان کے الفاظ اپنے اندر معانی کے وسیع سمندر کو سموئے ہوئے ہیں اول تو نماز تمام عبادات کی جامع ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت ہے نماز کے لیے صاف اور پاک کپڑا خدیۃ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے اور یہ زکوٰۃ کے قریب ہے حالت نماز میں کھانے پینے اور لذات نفسانیہ سے اجتناب ہے اور یہ روزے کے قریب ہے قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے اور اس میں حج بیت اللہ کی روح ہے اپنے کاروبار اور آرام کو چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف جانا ہے اور یہ نفس کے ساتھ جہاد ہے اور یہ جہاد اکبر ہے اس میں قرآن کی تلاوت ہے تسبیحات کا پڑھنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا پڑھنا ہے مسلمانوں کی اور فرشتوں کی خیر خواہی ہے ذکر اذکار ہے توبہ ہے گناہوں سے استغفار ہے اعتکاف ہے اور دعا ہے غرض اسلام کی تمام اہم عبادات کا خلاصہ نماز میں ہے نہیں جب مؤذن نماز کی طرف بلاتا ہے تو وہ اسلام کی تمام عبادات کی طرف بلاتا ہے اور اذان میں مؤذن فلاح کی طرف بلاتا ہے اور دین اور دنیا کی فلاح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہے مؤذن اذان جب دعوت دیتا ہے تو وہ بھی دین کی ایک اہم دعوت ہے قرآن اور سنت میں اس کا ذکر ہے:

امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
 از اذان نے کہا: اگر لوگوں کو اذان کی فعالیت کا علم ہو جائے تو وہ اذان دینے کے لیے ایک دوسرے سے تلواریں کے
 ساتھ لڑیں گے۔ (معتمد ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳ رقم الحدیث: ۲۳۳۵ دارالکتب الخلیفہ بیروت ۱۴۱۶ھ)
 حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے اذان دینے کی طاقت ہو تو وہ میرے نزدیک حج عمرہ اور جہاد
 سے زیادہ محبوب ہے۔ (معتمد ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳ رقم الحدیث: ۲۳۳۶ دارالکتب الخلیفہ بیروت ۱۴۱۶ھ)
 حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں مؤذن ہوتا تو مجھے حج کرنے یا جہاد کرنے کی پروا نہ ہوتی۔

(معتمد ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳ رقم الحدیث: ۲۳۳۷ دارالکتب الخلیفہ بیروت)
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا وَقَدْ قَالَ اللَّهُ“ رُج: (نہم: ۳۳) میری رائے میں
 صرف مؤذنین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (معتمد ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳ رقم الحدیث: ۲۳۳۸-۲۳۳۷)
 اذان میں ”اشہد ان محمدا رسول اللہ“ سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا
 علامہ شمس الدین محمد انصاری القصبانی التوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:
 اذان کے کلمات سن کر ان کے جواب میں وہی کلمات کہنا مستحب ہے اور جب رسالت کی شہادت سنے تو پہلی شہادت سن
 کر کہے: ”صلی اللہ تعالیٰ علیک یا رسول اللہ“ اور دوسری شہادت سن کر کہے: ”قوة عیسیٰ بک یا رسول اللہ“
 پھر اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے: ”اللہم معنی بالسمع والبصر“ (اے اللہ امیری ساعت اور
 بصارت سے مجھ کو فائدہ پہنچا)۔ (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۵۵ ایچ ایم سعید کتب خانہ)
 علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اس عبارت کو اپنی تفسیر میں علامہ قصبانی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۳۳۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۳۱ھ)
 علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز ابن عابد بن شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے مذکورہ عبارت کو نقل کرنے کے بعد ”کنز
 العباد“ کے حوالے سے لکھا ہے جو انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جنت کی طرف قیادت کریں گے
 اور لکھا ہے کہ کسی طرح قناتوں صوفیہ میں بھی ہے اور کتاب الفردوس میں ہے: جس نے اذان میں ”اشہد ان محمدا رسول
 اللہ“ سننے کے بعد اپنے انگوٹھوں کو چومائیں اس کی قیادت کروں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۳-۶۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۶ھ)
 علامہ سید احمد بن محمد الخطاوی متوفی ۱۳۶۱ھ نے ”کنز العباد“ اور قصبانی کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: امام دیلمی نے
 ”کتاب الفردوس“ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ذکر کی ہے کہ جس نے اذان میں ”اشہد ان محمدا
 رسول اللہ“ سن کر انگشت شہادت کو چوم کر آنکھوں پر لگایا میں اس کی شفاعت کی شہادت کروں گا کسی طرح حضرت خضر علیہ السلام
 سے بھی منقول ہے اور فضائل میں اس قسم کی احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ (معارف الخطاوی ج ۱ ص ۲۰۶-۲۰۵ دارالکتب الخلیفہ بیروت ۱۴۱۸ھ)
 علامہ قصبانی ”علامہ اسماعیل حنفی“ علامہ شامی اور علامہ الخطاوی نے ”کنز العباد“ اور امام دیلمی کی ”مسند الفردوس“ کے حوالے
 سے جس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی التوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:
 امام دیلمی نے ”مسند الفردوس“ میں روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق نے مؤذن سے ”اشہد ان محمدا

عنہ سے ثابت ہے تو یہ عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: تم پر میری سنت اور میرے خلفاء اور اشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۶) ایک قول یہ ہے کہ نہ یہ عمل کیا جائے نہ اس سے منع کیا جائے اور اس قول کا غریب ہونا اصحاب فہم پر مبنی نہیں ہے۔ (الاسرار للرفوفی لاخبر الوضو ص ۶۲ رقم الحدیث: ۸۲۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ) میں کہتا ہوں: علامہ قجستانی متوفی ۹۶۲ھ علامہ اسماعیل حقّی متوفی ۱۱۳۷ھ علامہ سید احمد خطاوی متوفی ۱۳۳۱ھ علامہ شامی متوفی ۱۳۵۲ھ نے اس عمل کو مستحب کہا ہے اور ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابو بکر کی سنت ہے اور ہمارے عمل کے لیے کافی ہے نیز اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس عمل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے ادب اور اجلال کا اظہار ہے اور ہر وہ فعل جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور اجلال کا اظہار ہوتا ہو اس کا کرنا فقہاء کے نزدیک مستحسن ہے۔

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگ مدینہ کے قریب سواری سے اتر جاتے ہیں اور پیدل چل کر مدینہ میں داخل ہوتے ہیں ان کا یہ فعل مستحسن ہے اور ہر وہ فعل جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور اجلال میں زیادہ دخل ہو اس کو کرنا مستحسن ہے۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۱۶۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ)

مدینہ کے قریب سواری سے اتر جانا اور پیدل چل کر مدینہ میں داخل ہونا اس فعل کی کسی حدیث میں اصل نہیں ہے اس کے باوجود فقہاء کے نزدیک یہ فعل مستحسن ہے تو جس فعل کی احادیث میں اصل ہو اور اس فعل کا حضرت ابو بکر کی سنت ہونا ثابت ہو تو اس کا مستحسن ہونا کسی قدر زیادہ ہوگا۔

مسجد میں اذان دینے کا شرعی حکم

ہمارے بعض فقہاء نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اس سلسلہ میں پہلے ہم اذان دینے کی جگہ کے متعلق احادیث کا ذکر کریں گے اس کے بعد عبارات فقہاء کا ذکر کریں گے۔

امام ابو داؤد و سلیمان بن اوصیف جعفی متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن الزہیر بیان کرتے ہیں کہ بنو نجار کی ایک عورت نے بیان کیا کہ مسجد (نبوی) کے گرد میرا گھر سب سے اونچا تھا پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے اوپر فجر کی اذان دیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۹)

السائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ جاتے تو مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی تھی اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے دور میں بھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۸۸)

اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت کے متعلق فقہاء کی حسب ذیل تصریحات ہیں:

علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی متوفی ۵۳۲ھ لکھتے ہیں:

اذان مسجد کے جینار یا مسجد سے باہر دینی چاہیے اور مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۹ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ عثمان بن علی الزلیعی حنفی متوفی ۷۳۳ھ لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ اذان منارہ میں ہو اور اقامت مسجد میں۔ (تجلیات الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۳۹ مکتبہ کبیری کراچی پاکستان ۱۴۳۱ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اذان مستند (جینار) میں دینی چاہیے اور اگر وہ نہ ہو تو فقہاء مسجد میں دینی چاہیے فقہاء نے کہا ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی

جائے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۶۵۰ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد انصاری اہمستانی التوفیق ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں اصل یہ ہے کہ اذان بلند جگہ پر دی جائے تاکہ سب لوگوں کو خبر ہو جائے اور یہ سنت ہے جیسا کہ فقہ میں مذکور ہے اور یہ کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے کیونکہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ علم میں ہے لیکن جلالی میں مذکور ہے کہ مسجد میں اذان دی جائے گی یا اس جگہ میں جو مسجد کے حکم میں ہو اور مسجد سے بعید جگہ میں اذان نہ دی جائے۔

(جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۳ ح ۱۔ المصنف کبھی کراہی پاکستان)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ اذان بلند جگہ پر دی جائے اور اقامت زمین پر کی جائے۔ (المحرر الرائق ج ۱ ص ۲۵۵ مکتبۃ المادہ بیروت)

علامہ سید احمد بن محمد الخطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

اور بخاریہ یہ ہے کہ مغرب کی اذان بھی بلند جگہ پر دی جائے جیسا کہ السراج میں مذکور ہے اور مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ تہستانی نے العلم سے نقل کیا ہے اور اگر وہاں کوئی بلند جگہ اذان دینے کے لیے نہ ہو تو قنات مسجد میں اذان دی جائے جیسا کہ فتح القدیر میں مذکور ہے۔ (ماہیہ الخطاوی علی مرقا القلاح ص ۱۹۸۔ ۱۹۷ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ فقہاء نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے لیکن اس پر ایک اشکال یہ ہے کہ سنن ابوداؤد کی حدیث میں یہ تو مذکور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک اونچے مکان کی چوٹ پر چڑھ کر صبح کی اذان دیتے تھے لیکن کسی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اذان دینے سے منع فرمایا ہو اور فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ کوئی چیز اس وقت تک مکروہ متربی نہیں ہو سکتی جب تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس چیز سے منع نہ فرمایا ہو۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

ولا یسزم من ترک المستحب لبوت مستحب کو ترک کرنے سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ

ولا یسزم من ترک المستحب لبوت

ثبوت کراہت کے لیے خاص دلیل ضروری ہے۔

الکراهة اذا لا بدلها من دليل خاص.

(المحرر الرائق ج ۱ ص ۱۶۳ مکتبۃ المادہ بیروت)

دوسرا اشکال یہ ہے کہ بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان مسجد کے مینار میں دی جائے حالانکہ عہد رسالت میں مساجد میں مینار نہ تھے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں مینار نہیں تھے نہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں نہ حضرت عمر کے زمانہ میں حضرت عثمان کے زمانہ میں مقام زوراء پر اذان دی جاتی تھی پھر بنو امیہ کے زمانہ میں مینار بنائے گئے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بھی چار مینار بنائے گئے۔ (شرح سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۷ مکتبۃ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ)

اس پر تیسرا اشکال یہ ہے کہ سنن ابوداؤد کی جس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت بلال ایک بلند مکان کی چوٹ پر کھڑے ہو کر اذان دیتے تھے وہ حدیث ضعیف ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو احمد بن محمد بن ابوبکر سے روایت کیا ہے علامہ یعنی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن یحییٰ نے کہا یہ کذاب ہے لیکن الجوزی نے اس کا شفاء میں ذکر کیا ہے۔

(شرح سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۷ مکتبۃ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ)

اس پر چھٹا اشکال یہ ہے کہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ اذان مسجد میں بھی دی گئی ہے:
امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن هشام عن ابیہ قال قال امرؤ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلالا ان یؤذن یوم الفتح فوق الکعبۃ۔
وہم نے حضرت بلال کو فتح مکہ کے دن حکم دیا کہ وہ کعبہ کے اوپر (مصحف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۰۳) دارالکتب احلیہ بیروت ۱۳۷۲ھ) چڑھ کر اذان دیں۔

علامہ سید محمد امین عمر بن عبدالعزیز ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:
حافظ سیوطی نے "اوائل" میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مسجد کے مینار پر چڑھ کر اذان دی وہ شریعی بن عامر المرادی تھا اور بخسوسہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے اذان کے لیے مینار بنائے اس سے پہلے مینار نہیں تھے امام ابن سعد نے حضرت ام زید بن ثابت کی سند سے روایت کیا ہے "وہ بیان کرتی ہیں کہ مسجد کے گرد میرا گھر سب سے اونچا تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابتداء میں اس کے اوپر چڑھ کر اذان دیتے تھے" حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد تعمیر فرما لی اس کے بعد حضرت بلال مسجد کی چھت کے اوپر اذان دیتے تھے اور چھت کے اوپر کوئی بلند چیز رکھ لیتے تھے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۹ھ)
امام ابن سعد کی اس روایت کو علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور "الفقہ الاسلامی" کے مخرج نے بھی ذکر کیا ہے۔

(روح البیان ج ۸ ص ۳۵۰-۳۵۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۱ھ مطبعہ مطبعہ السامی ج ۳ ص ۵۳۶)
امام ابن سعد کی جس روایت کا علامہ شامی وغیرہ نے ذکر کیا ہے یہ روایت ہم کو "المطبوعات الکبیری" میں نہیں ملی لیکن امام ابن سعد کی اور بھی تصانیف میں مثلاً تاریخ اور المطبوعات العصری ہو سکتا ہے کہ یہ روایت ابن سعد سے کسی کتاب میں ہو اس پر پانچواں اشکال یہ ہے کہ بعض فقہاء نے مسجد میں اذان دینے کو بلا کراہت جائز کہا ہے جیسا کہ علامہ جہتہ نے نقل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں چھٹی اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ فقہاء نے جو بلند جگہ پر اور مینار پر اذان دینے کا طریقہ بتایا ہے اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اذان کی آواز تمام جگہوں پر پہنچ جائے اور اب جب کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان کی آواز زیادہ آسانی سے دور دور تک پہنچ جاتی ہے تو مینار پر چڑھ کر اذان دینے کی ضرورت نہیں ہے جب کہ مینار بھی چالیس بجری کے بعد بنائے گئے ہیں آج کل عموماً مسجد کے محراب میں اذان دینے کے لیے ایک جگہ بنائی جاتی ہے اور وہاں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دی جاتی ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اذان دینے سے منع نہیں فرمایا یہ ممانعت صرف چھٹی صدی ہجری اور بعد کے بعض فقہاء سے منقول ہے جب کہ اس کے برخلاف احادیث سے مسجد میں اذان دینا ثابت ہے اور بعض فقہاء نے بھی مسجد میں اذان دینے کو بلا کراہت جائز کہا ہے نیز اذان میں اللہ کا ذکر ہے اور مسجد میں اللہ کے ذکر سے روکنے پر سخت وعید ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ قَتَلَ مَسْجِدًا اللَّهُ أَنْ يَكُنْ فِيهَا
اسْمُهُ (البقرہ ۱۱۳)
اور اس شخص سے بڑھ کر کون عالم ہو جو اللہ کی مسجد میں اللہ کے نام کے ذکر کرنے سے منع کرے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا منع ہے اس لیے مسجد میں آواز بلند نہیں کرنی چاہیے اور اذان بلند آواز سے دی جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے سب سے بڑی مسجد یعنی کعبہ کی چھت پر حضرت بلال سے اذان دلوائی

مساجد میں دینی جلسے کیے جاتے ہیں جن میں بلند آواز سے تلاوت کی جاتی ہے، لہٰذا ہمیں جانتی ہیں، نعرہ بکجیر اور نعرہ رسالت لگائے جاتے ہیں جن سے ساری مسجد گونگ اٹھتی ہے نمازوں کے بعد ذکر یا کجیر کیا جاتا ہے، جلسوں میں اور ہر جمعہ کی نماز کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے، مذکورہ صدر حدیث اور اہل سنت کے معمولات سے معلوم ہوا کہ مساجد میں اللہ کے نام اور اس کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا ممنوع نہیں ہے البتہ مساجد میں بلند آواز سے جو ذکر ممنوع ہے وہ یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص یہ سنے کہ کوئی شخص اپنی گم شدہ چیز کا بلند آواز سے مسجد میں اعلان کر رہا ہے، اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے کہ اللہ تیری گم شدہ چیز کو واپس نہ کرنے کیونکہ مساجد کو اس لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۸، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۷۰۶)

اور ہمارے ہاں رواج ہے کہ گم شدہ چیزوں کا مساجد کے لاؤڈ آئینکس سے اعلان کیا جاتا ہے، سو اگر خطرہ ہے تو ان اعلانات کو خطرہ ہے، اللہ کے نام کے ذکر اور اذان کو کیا خطرہ ہے، ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حنفیہ میں مسجد کے مینار میں اذان دینے کے لیے اس وجہ سے کہتے تھے کہ بلند جگہ پر اذان دینے سے آواز سب لوگوں تک پہنچ جاتی ہے اور اب لاؤڈ آئینکس کے ذریعہ یہ مقصد زیادہ اچھے اور بہتر طریقہ سے پورا ہو جاتا ہے، اس لیے عراب مسجد میں جو لاؤڈ آئینکس پر اذان دی جاتی ہے یہ بالکل شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اذان کے مباحث میں سے ایک بحث اذان کے بعد دعا ہے، اس کی تحقیق ہم نے تجلیان القرآن ج ۳ ص ۱۵۵-۱۵۴ میں کر دی ہے۔

ایک اور بحث ہے: اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا، اس کی تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۵۱-۵۴۹ میں کر دی ہے، نیز ذکر بالجبرص ۲۳۵-۲۳۴ میں بھی ہم نے اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے پر مفصل بحث کی ہے

(۵) قرآن اور سنت سے عام مومنین کی دعوت کا ثبوت

کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْتُونَ بِالنُّطْرِ

(آل عمران: ۱۱۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا رَسُولَهُ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ لَا تَجَاوِزُهَا

الْفُتُوحُ وَلَا تَمْسُكُوهَا (آل عمران: ۶۰)

اور اس سلسلہ میں احادیث یہ ہیں:

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھا وہ مروان تھا، اس کی طرف ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: نماز خطبہ پر مقدم ہے، مروان نے کہا: وہ طریقہ ترک کر دیا گیا، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے اپنا فرض ادا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جس شخص نے کسی بُرائی کو دیکھا وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے اس کو نہ اکیے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے اس کو نہ اچانے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۵۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۱۷۳)

سنن الدیلمی رقم الحدیث: ۵۰۰۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۳۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم

میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا سربراہ مملکت اپنے عوام کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے عوام کے متعلق سوال ہوگا اور گھر کا سربراہ اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے گھر والوں کے متعلق سوال ہوگا اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کے گھر کے متعلق سوال ہوگا اور نوکر اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے مالک کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے باپ کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۳۳ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۳۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۷۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۹ جامع الترمذی و سنن صدیق بن عمر رقم الحدیث: ۱۳۹۸)

نیکی اور بدی کے متعلق مفسرین کے اقوال

ترمذی جلد ۳۳ میں فرمایا: "اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں سو آپ بُرائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے O"

- نیکی اور بدی کی تفسیر میں علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی نے حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:
- (۱) ابن مسعود نے کہا: نیکی سے مراد نرم بات ہے اور بدی سے مراد سخت اور تلخ بات ہے
 - (۲) نیکی سے مراد صبر کرنا ہے اور بدی سے مراد انتقام لینا ہے۔

- (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نیکی سے مراد ایمان ہے اور بدی سے مراد شرک اور کفر ہے۔
- (۴) ابن عمر نے کہا: نیکی سے مراد معاف کرنا ہے اور بدی سے مراد انتقام لینا ہے۔

- (۵) ضحاک نے کہا: نیکی سے مراد عظم اور بردباری ہے اور بدی سے مراد تندہی اور بد مزاجی اور فحش کلام ہے۔

- (۶) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: نیکی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے محبت کرنا ہے اور بدی سے مراد ان سے بغض رکھنا ہے۔ (المکمل دلائل ج ۵ ص ۱۸۸ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۷۸ھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے تم اس کے ساتھ بردباری سے پیش آؤ امام ابو بکر بن العربی نے کہا: نیکی سے مراد معافی کرنا ہے حدیث میں ہے:

عطاء بن ابی مسلم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک دوسرے سے مصافحہ کرو یہ کینہ کو دور کرتا ہے اور ایک دوسرے کو تجھے دو اور ایک دوسرے سے محبت رکھو اس سے بغض دور ہوتا ہے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۳۱۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۷۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۳۲۸)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب دو مسلمان ملاقات کرتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر محبت اور خیر خواہی سے مصافحہ کرتا ہے تو ان کے گناہ جُز جاتے ہیں۔

(سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۳۱۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۷۷۷ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۸۵۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت بھی ہے کہ اگر کوئی شخص تم کو بُرا کہے تو تم اس سے کہو: اگر تم صادق ہو تو اللہ مجھے معاف کرے اور اگر تم کا بڑا ہو تو اللہ تمہیں معاف فرمائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے بُرا کہا تو انہوں نے اس کو اسی طرح جواب دیا تھا۔ (الجامع لا حکام القرآن ج ۵ ص ۲۲۲-۲۲۳ دارالقرآن بیروت ۱۴۱۵ھ)

حسن اخلاق کے متعلق احادیث

اس کے بعد فرمایا: ”سو آپ بُرائی کو اچھے طریقہ سے دور کریں، پس اس وقت جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسے وہ آپ کا خیر خواہ دوست ہے۔“

اس آیت میں حسن اخلاق کی تلقین کی گئی ہے اور حسن اخلاق کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آخری وصیت اس وقت کی جب میں گھوڑے کی رکاب میں بیٹھ رہا تھا آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(موطائام مالک رقم الحدیث: ۱۷۱۶ ج ۳ ص ۲۰۳ درالمعز فیہودت: ۱۳۳۰ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا آپ ان میں سے آسان کام کو اختیار کرتے تھے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو اگر وہ گناہ نہ ہو تو آپ اس کام سے سب سے زیادہ دور ہونے والے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا لایا یہ کہ اللہ کی حدود توڑی جائیں اگر اللہ کی حدود توڑی جائیں تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۹۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۵ جامع المسانید واسنن معاذ رقم الحدیث: ۱۸۸۳)

حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ فضول اور بے مقصد باتوں اور کاموں کو ترک کر دے۔

(سنن ابوترکیب رقم الحدیث: ۳۳۱۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۷۶)

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ انسان اپنے حسن اخلاق سے رات کو نماز میں قیام کرنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کے اجر کو پالیتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۹۸ موطائام مالک رقم الحدیث: ۱۷۲۱)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں: کیا میں تم کو اس کام کی خبر نہ دوں جس میں نماز اور صدقہ سے بہت زیادہ خیر ہے؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! انہوں نے کہا: دو آدمیوں میں صلح کرنا اور تم بغض رکھنے سے اجتناب کرنا یہ نیکیوں کو کاٹ ڈالنا ہے۔

(موطائام مالک رقم الحدیث: ۱۷۲۳ ج ۳ ص ۲۰۳ بیہودت)

امام مالک فرماتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ حسن اخلاق کو مکمل کروں۔ (موطائام مالک رقم الحدیث: ۱۷۲۳ ج ۳ ص ۲۰۳)

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے چند ایسی باتیں بتائیں جو زندگی میں میرے کام آئیں اور زیادہ باتیں نہ بتائیں ورنہ میں بھول جاؤں گا! آپ نے فرمایا: تم قصہ نہ کیا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲۲ سنن ابوترکیب رقم الحدیث: ۳۰۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص زور آور نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے زور آور وہ شخص ہے جو قصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۲۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۸۲)

حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے نہ وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس سے گزریں! ایک اس

طرف منہ کر کے دوسرا طرف منہ کر کے ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کے ساتھ ابتدا کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۱۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۲)

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ قتل شخص سے گفتگو کرے گا اور اس سے راہِ دہرہ رکھے گا تو اس سے اس کے دین میں ضرر پہنچے گا یا اس کے ساتھ میل ملاپ رکھنے سے اس کو کوئی دنیاوی نقصان پہنچے گا تو وہ تین دن کے بعد بھی اس سے قطعِ تعلیق رکھ سکتا ہے نیز قرآن اور سنت میں یہ حکم ہے کہ ظالموں بدعتوں اور فساد اور فحار سے قطعِ تعلیق کرنا لازم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور نہ حسد کرو اور نہ ناپسندیدگی سے ان سے پیچھے موڑو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلیق رکھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۱۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۳۵، جامع المسانید والسنن منہ انس بن مالک رقم الحدیث: ۳۸۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بدگمانی کرنے سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور لوگوں کے متعلق تجسس نہ کرو اور دنیا میں رغبت نہ کرو اور حسد نہ کرو اور بغض نہ کرو اور ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۱۵، مسوط امام مالک رقم الحدیث: ۱۷۳۰)

بدگمانی نہ کرنے کا عمل یہ ہے کہ بغیر کسی دلیل کے کسی کی دین داری میں بدگمانی نہ کرو اور تجسس نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے محبوب تلاش نہ کرو اور دنیا میں رغبت نہ کرو کا معنی یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں کی وجہ سے دوسروں کو حقیر اور کم تر نہ جانو اور حسد نہ کرو کا معنی ہے: کسی کے پاس دنیاوی نعمتیں دیکھ کر اس سے حسد نہ کرو یا کسی کی دینی نعمتوں پر رشک کرنا مستحسن ہے کہ اس کے پاس یہ نعمت رہے اور مجھے بھی مل جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے اعمال ہر جمعہ کو دو بار پیش کیے جاتے ہیں اور جبر کو اور جمعرات کو پھر ہر عہد مومن کی مغفرت کر دی جاتی ہے سو اس بندے کو جو اپنے بھائی سے (غیر شرعی) بغض رکھتا ہو (فرشتوں سے) کہا جاتا ہے: ان دونوں کو رہنے دو حتیٰ کہ یہ صلح کر لیں۔ (صحیح مسلم ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲، مسوط امام مالک رقم الحدیث: ۱۸۳۳)

لوگوں کی زیادتی پر صبر کرنا اور انہیں جواب نہ دینا اولوالعزم لوگوں کا طریقہ ہے
تم اسجود: ۳۵ میں فرمایا: "اور یہ مفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہوں اور یہ مفت ان ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوں۔"

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی ماتحت اس کی مافرمائی کرے یا اس کے مزاج کے خلاف کوئی کام کرے تو وہ جوشِ غضب میں آ کر اس کو سخت سزا دیتا ہے یا کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو وہ اس سے انتقام لینے پر تل جاتا ہے اور ایسے مواقع پر ضبط کرنا اور اپنے سرکش نفس کو صبر اور ضبط کے ساتھ قابو میں رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَدَاكُمْ فَأَصْلَحْ ۚ فَاِذَا جَاءَ

حُكْمُكَ فَلَا تَنْفِرْ ۚ فَاِنْ كُنْتَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۝ (الشوریٰ: ۴۰)

اور بُرائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اور بے شک

اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَكِنْ صَبَرُوا عَلَيْهِمْ إِنَّ ظِلَّكَ لَيَنْ تَرْتَمِ الْأَعْمُورُ

(ابن جریر: ۴۱) کے کاموں میں سے ایک کام ہے O

اور صبر کا یہ عظیم مقام وہی لوگ پاسکتے ہیں جو بڑے نصیب والے ہوں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے گالی دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھ رہے تھے پہلی ساعت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے معاف کر دیا پھر ان کا غضب جوش میں آیا اور انہوں نے بھی اس کو برا کہا "تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ گئے" حضرت ابو بکر آپ کے پیچھے گئے اور کہا: اس شخص نے مجھے گالی دی تھی پہلے تو میں نے اس کو معاف کر دیا اور درگزر کیا اس وقت آپ بھی تشریف فرما تھے پھر جب میں اس سے بدلہ لینے لگا تو آپ اللہ کے نبی اللہ! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری طرف سے ایک فرشتہ اس کو جواب دے رہا تھا اور جب تم بدلہ لینے لگے تو وہ فرشتہ چلا گیا اور شیطان آ گیا۔ پس اے ابو بکر! میں شیطان کے ہوتے ہوئے وہاں پر نہیں جینے سکتا تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۶۳۵۷۹ دار الفکر بیروت)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص نفسانی نفسانیت اور قوت روحانیہ سے متصف ہو اور وہ صاحب نفس مطہر ہو وہی غضب کے موقع پر صبر کر سکتا ہے کیونکہ وہی شخص انتقام لینے میں مشغول ہو گا جس کا نفس ضعیف ہو بلکہ جو صاحب نفس امارہ ہو کیونکہ جس کا نفس قوی ہوتا ہے اور وہ صاحب نفس مطہر ہو وہ ایسے واقعات سے متاثر نہیں ہوتا جو موجب غضب ہوں خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے باطن کو صاف کرے حتیٰ کہ اس کے نزدیک شیخ اور شریں اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ امور برابر ہو جائیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نفس قوی نہیں تھا اور وہ صاحب نفس مطہر نہیں تھے پھر انہوں نے بعد میں اس شخص کو جواب دینا کیوں شروع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کا یہ فعل بد ظاہر خلاف اولیٰ تھا لیکن حقیقت میں ہماری نیکیوں سے افضل تھا کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل ہی اس کا سبب بنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشاہدہ کیا کہ جب انسان کسی کی زیادتی پر صبر کرے اور خود بدلہ نہ لے تو فرشتہ اس کی طرف سے جواب دیتا رہتا ہے۔

بعض لوگوں نے بعض مسائل میں مجھ سے اختلاف کیا ہے اور اس اختلاف کی بناء پر وہ مجھے سب و شتم کرتے رہتے ہیں اور انہوں نے میرے خلاف مضامین شائع کیے اور مختلف کتابچے بھی لکھے جن میں مجھے جی بھر کر کوسا میں نے ان میں سے کسی کو جواب نہیں دیا میں صرف یہ دعا کرتا ہوں کہ اگر وہ اپنے غیظ و غضب میں برحق ہیں تو اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے اور اگر میں حق پر ہوں تو اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہتا

تم اسجد: ۳۶ میں فرمایا: "اور (اے صاحب!) جب کبھی شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کر دے شک وہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے O"

اس آیت میں "نزع" کا لفظ ہے علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے اس کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:

کسی چیز میں طعن کرنا کسی کی غیبت کرنا لوگوں کے درمیان لساؤ ڈالنا کسی کو بھگانا اور درگھانا اور کسی کو دوسرا ڈالنا۔

(القاموس المحیط ج ۳ ص ۶۶۹ دار احیاء التراث الاسلامی بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ محمد بن کرم ابن منظور افریقی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

تم اسجدہ ۳۶ میں اس کا معنی ہے: انسان کے دل میں دوسرے انسان اور اس کو کتاہ کرنے کے لیے بہکا۔

(انسان العرب ج ۸ ص ۳۵۴ انحراب الخوذة ایران ۱۳۵۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اسے خطاب! اگر شیطان تمہارے دل میں کوئی دوسرے آدمی کو اس حکم پر عمل کرنے سے روکے کہ تم بدی کا جواب نیکی سے اور نیکائی کا جواب اچھائی سے دو تو تم اس کے دوسرے اللہ کی پناہ طلب کرو۔

ہم نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ اس میں عام انسان سے خطاب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے دوسرے آدمی سے محفوظ ہیں حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ جنات میں سے ایک ساتھی مسلط کر دیا جاتا ہے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: میرے ساتھ بھی مگر یہ کہ اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۸۴ مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۵ طبع قدیم مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۹ رقم الحدیث ۳۱۶۸ مسند ابی نعیم ج ۱ ص ۱۳۶ رقم الحدیث ۲۸۳۸ الکبیر رقم الحدیث ۱۰۵۲۳ مسند ابی نعیم رقم الحدیث ۱۲۴۳ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث ۶۳۱۱ دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۰۹ مسند ابی نعیم رقم الحدیث ۲۳۳۸ صحیح ابی داؤد ج ۱ ص ۲۲۵ جامع المسند واسنی مسند عبداللہ بن مسعود رقم الحدیث ۸۴۳)

قاضی عیاض متوفی ۵۲۳ھ اور علامہ نووی متوفی ۷۶۷ھ نے لکھا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم میں شیطان کے ڈالے ہوئے مرض سے اور اپنے دل میں اس کے دوسرے اور اپنی زبان میں اس کے کلام سے معصوم ہیں۔ (امکال المعجم ج ۱ ص ۳۵۵ صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۰۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت آدم کے اوپر دو فضیلتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے (۱) میرا شیطان کا فرقہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد کی وہ مسلمان ہو گیا اور میری ازواج میری (نیکیوں میں) مددگار ہیں۔ (۲) حضرت آدم کا شیطان کا فرقہ اور ان کی بیوی ان کی (ظاہری) معصیت پر ان کی مددگار تھیں۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۸۸ طبع الجوامع رقم الحدیث ۱۳۷۹۶ طبع الجامع البصیر رقم الحدیث ۸۸۵۵ کنز العمال رقم الحدیث ۳۱۶۸۶ ج ۱ ص ۳۳۱)

غصہ نہ کرنے اور معاف کر دینے کی فضیلت میں قرآن اور سنت کی تصریحات

انسان جو کسی پر غضب ناک ہوتا ہے تو دراصل یہ بھی شیطان کے دوسرے وجہ سے ہوتا ہے انسان کو چاہیے کہ جب اسے کسی بات پر غصہ آئے تو وہ اپنے غصہ کو ضبط کرے اور صبر کرے اور جس پر غصہ آیا ہے اس کو معاف کر دے اور اس کی قرآن اور سنت میں بہت فضیلت ہے۔

وَالْكَلِمَاتُ الطَّيِّبَاتُ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّكَائِسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○ (آل عمران ۱۳۴)

وَالَّذِينَ يَبْكُونَ بِحُبِّهِ الْإِسْفُ وَالْعَوَاجِلُ يُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ○ (شوری ۲۵۷)

معاف کر دیتے ہیں ○ اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے اور جب وہ (کسی بات پر) غضب ناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں ○

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے

اور وہ کھڑا ہو تو بیٹہ جائے پھر اگر اس کا خضر ختم ہو جائے تو فیہا اور شدہ لیٹ جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۳، مسند ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۵۹۰، جامع الترمذی واسنن مسند ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۸۶)

حضرت سلیمان بن مرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمی ایک دوسرے سے لڑنے ان میں ایک غضب ناک ہوا اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: مجھے ایک ایسے جملہ کا علم ہے کہ اگر وہ یہ جملہ کہے تو اس کا غضب فرو ہو جائے گا وہ جملہ یہ ہے: اھوذ باللہ من الشیطن الرجیم 'ایک شخص جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی وہ اس شخص کے پاس گیا اور اس سے کہا: تم جانتے ہو کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا؟ اس نے کہا: نہیں اس نے کہا: آپ نے فرمایا تھا: مجھے ایسے جملہ کا علم ہے کہ اگر اس نے وہ جملہ کہہ دیا تو اس کا خضر ختم ہو جائے گا وہ جملہ یہ ہے: اھوذ باللہ من الشیطن الرجیم 'اس شخص نے کہا: کیا تم مجھے دیکھتا دیکھتے ہو۔ (مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۶۰۳۸، مسند مسلم رقم الحدیث: ۶۷۱۰)

ابو داؤد بیان کرتے ہیں کہ ہم عروہ بن محمد کے پاس گئے ان سے ایک شخص نے ایسی بات کہی جس سے وہ غضب ناک ہو گئے پھر انہوں نے اٹھ کر وضو کیا اور کہا: میرے والد نے میرے دادا علیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک غضب شیطان کی جانب سے ہوتا ہے اور بے شک شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ صرف پانی سے بجھائی جاتی ہے نہیں جب تم میں سے کوئی شخص غضب ناک ہو تو وہ وضو کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۸۳، مسند ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۸۶)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے خضر کے قاتل کو پورا کرنے پر قادر ہو اس کے باوجود وہ اپنے خضر کو ضبط کر لے تو قیامت کے دن اللہ سبحانہ اس کو تمام حلقوں کے سامنے بلا کر فرمائے گا: تم بڑی آنکھوں والی عورتوں میں سے جس عورت کو چاہو لے لو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۷۷، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۸۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور قیامت تک جو کچھ بھی ہوئے والا تھا اس کی ہم کو خبر دے دی اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جو اس کو بھول گیا وہ بھول گیا اس اثناء میں آپ نے فرمایا: بے شک دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور بے شک اللہ تم کو اس دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے پھر وہ دیکھنے والا ہے کہ تم اس دنیا میں کیا کرتے ہو 'منو دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو نیز آپ نے فرمایا: سنو کسی آدمی کا رعب تمہیں حق بات کہنے سے ڈرو کہ دے جب کہ تم کو اس کا علم ہو پھر حضرت ابوسعید رونے لگے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم نے بہت سی ایسی چیزیں دیکھیں جن سے ہم مر گوب ہو گئے آپ نے مزید فرمایا: سنو! ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا جس کی مقدار اس کی عہد شکنی کے برابر ہوگی اور سربراہ مملکت سے عہد شکنی سے بڑی اور کوئی عہد شکنی نہیں ہے اس کی عہد شکنی کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑ دیا جائے گا اور اس کی احادیث میں ہم کو یاد ہے آپ نے فرمایا: سنو! بنو آدم کو مختلف طبقات میں پیدا کیا گیا ہے 'ستوان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو دیر میں خضر آتا ہے اور جلدی چلا جاتا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو جلد خضر آتا ہے اور جلد چلا جاتا ہے اور یہ برابر برابر ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو جلد خضر آتا ہے اور دیر سے جاتا ہے 'ستوان میں سب سے افضل وہ لوگ ہیں جن کو دیر میں خضر آئے اور جلد چلا جائے اور سب سے بدتر وہ ہیں جن کو جلد خضر آئے اور دیر میں جاتے 'ستونا بے شک غضب ابن آدم کے دل میں

ایک چنگاری ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ غضب ناک شخص کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور اس کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں پس جس شخص کی یہ کیفیت ہو اس کو چاہیے کہ وہ زمین پر لیٹ جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۹۱، مسند احمدی رقم الحدیث: ۵۲، مسند ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۲۸۷۳، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۰۳۵)

غصہ کرنے کے دینی اور دنیاوی نقصانات

غصہ نہ کرنے اور غیظہ و غضب کے تقاضوں کو ترک کرنے اور معاف کرنے کے حسب ذیل فوائد ہیں۔

(۱) غصہ کرنے سے ہلڈ پریشتر بڑھتا ہے اور ہلڈ پریشتر کا مریض غصہ کرے تو اس کو قافح ہونے کا خطرہ ہے یا دماغ کی رگ پھٹ جائے گا، ہرے علاقے میں ہائی ہلڈ پریشتر کے ایک مریض ہیں، وہ کئی بات پر غصہ ہوئے اور ان کے چارے جسم پر قافح ہو گیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔

(۲) جب آدمی غصہ کو ترک کرتا ہے اور انتقام نہیں لیتا تو وہ صبر کرنے کی اعلیٰ صفت سے متصف ہوتا ہے۔

(۳) غیظہ و غضب میں وہی شخص آتا ہے جس میں تقاضا اور تکبر ہو اور یہ جاہلیت کی صفت ہے اور غصہ میں نہ آنا انسان کے مفکر المراجع اور متواضع ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) شیطان انسان کے خون کو جوش میں لاتا ہے تاکہ انسان کو دینی اور دنیاوی نقصان ہو اور مسلمان اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر غصہ کو دور کرتا ہے اور عظم اور صبر کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔

(۵) غصہ نہ کرنے پر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے مدد حاصل کرنی چاہیے اور وضو کرنے سے پانی پیئے سے اور اپنی حالت بدلنے سے کہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

(۶) وہ غصہ نہ موم ہے جو دنیاوی امور اور اپنے ذاتی معاملات میں ہو اور جو غصہ اللہ اور اس کے رسول کے مخالفوں اور دشمنوں پر ہو اور اللہ کی حدود کے توڑنے پر ہو اور دین کی سر بلندی اور احیاء سنت کے لیے ہو وہ غصہ محمود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں اور تم نہ سورج کو عبادت کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو عبادت کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو پھر بھی اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ جھکتے نہیں اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور غیر آباد دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے بے شک جس نے اس زمین کو زندہ کیا ہے وہی (قیامت کے دن ہزاروں کو زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے) (احزابہ: ۳۹-۴۰)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر دلیل

حم السجدہ: ۳۳ میں یہ بیان فرمایا تھا کہ ”اور اس سے عمدہ اور کس کا کلام ہو سکتا ہے جو اللہ (کے دین) کی دعوت دے“ اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی الوہیت اس کی توحید اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلائل پیش کیے جائیں رات اور دن اور سورج اور چاند وغیرہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ سورج اور چاند کا طوق اور غروب ایک مقرر شدہ نظام کے تحت تسلسل سے وجود میں آ رہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کسی ناظم کے تابع ہیں اور چونکہ پوری کائنات میں یہ نظام واحد ہے اس سے واضح ہوا کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے اور اس پوری دنیا میں سورج سے عظیم اور قوی چیز ہمیں کوئی نظر نہیں آتی وہ اگر اپنے

مقام سے ڈرا نیچے ہوتا تو اس کی تپش سے روئے زمین پر کوئی زندہ نہ رہتا اور اگر اوپر ہوتا تو سب سر کی سے نچھو ہو جاتے تو جس ذات نے اس عظیم سیارے کو اپنے نظام کا پابند کیا ہوا ہے وہی خلاق عالم ہے مگر وہ جب چاہتا ہے تو اس عظیم آفتاب کو گھنٹا کر بے نور کر دیتا ہے اور یہ اس کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے اور اس میں اس پر متحیر کرنا ہے کہ جو اتنے عظیم سورج کے نور کو سبب کرنے پر قادر ہے وہ ہماری آنکھوں سے بصارت کے نور کو اور ہمارے دلوں سے بصیرت کے نور کو دھکیل کرنے پر بہترین اولیٰ قادر ہے اس لیے سورج گھنٹن کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صلوٰۃ کسوف پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے حدیث میں ہے:

سورج گھنٹن کے وقت نماز پڑھنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گھنٹن لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھائی اور اس میں بہت طویل قیام کیا اور سورۃ بقرہ کے لگ بھگ قرأت کی پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا پھر رکوع سے سر اٹھا کر بہت دیر کھڑے رہے مگر یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا پھر آپ نے (دوبارہ) رکوع کیا اور بہت طویل رکوع کیا پھر آپ نے سجدہ کیا پھر دوسری رکعت میں بہت طویل قیام کیا اور یہ پہلی رکعت کے قیام سے کم تھا پھر آپ نے بہت طویل رکوع کیا اور یہ پہلی رکعت کے رکوع سے کم تھا پھر آپ نے رکوع سے کھڑے ہو کر قیام کیا یہ بھی طویل قیام تھا پھر پہلے قیام سے کم تھا پھر اس کے بعد دوبارہ رکوع کیا پھر آپ نے سجدہ کیا اس کے بعد آپ نماز سے فارغ ہو گئے اور سورج سے گھنٹن دور ہو گیا اور سورج چمکنے لگا پھر آپ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گھنٹا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے پس جب تم ان نشانوں کو دیکھو تو اللہ کو یاد کرنا صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ اپنے مقام سے کسی چیز کو ہٹانے لگے تھے پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا اور میں انھوروں کا ایک خوشا پھرنے لگا اور اگر میں اس کو لے لیتا تو تم راجی دنیا تک اس کو کھاتے رہتے اور مجھے دوزخ دکھائی گئی اور میں نے اس سے زیادہ دہشت ناک منظر آج تک نہیں دیکھا اور میں نے دوزخ میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: ان کی ناشکری کی وجہ سے صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ خداوند کی ناشکری کرتی ہیں اور اس کے احسان کا انکار کرتی ہیں اگر تم ان کے ساتھ ساری عمر احسان کرتے رہو پھر وہ تم سے کوئی معمولی کمی دیکھ لیں تو کہتی ہیں: میں نے تو تم سے کبھی کوئی خیر نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۵۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۸۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۹۳ سنن ابن خلد رقم الحدیث: ۱۳۶۱ مسند احمد ج ۶ ص ۵۳)

سورج گھنٹن کی نماز کے طریقہ میں مذاہب ائمہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۷ھ نماز کسوف (سورج گھنٹن کی نماز) میں رکوع کی تعداد میں مذاہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے مذاہب میں نماز کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے ہیں (جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں ہے) اور امام مالک امام احمد اسحاق ابو ثور اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مذاہب ہے اور ابراہیم نخعی ثوری اور امام اعظم ابو حنیفہ نے کہا کہ نماز کسوف جمعہ کی نماز اور صبح کی نماز کی طرح دو رکعت ہے۔

(المجموع شرح المہذب ج ۶ ص ۱۳۳-۱۳۴ و اکتب احلیہ ج ۲ ص ۱۳۳)

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ نماز کسوف میں رکوع کی تعداد میں اضطراب ہے مذکور الصدر حدیث میں ہر رکعت میں

رکوع کرنے کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں ایک رکعت میں تین رکوع کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں ایک رکعت میں چار رکوع کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں ایک رکعت میں پانچ رکوع کا ذکر ہے اور جو حدیث مضطرب ہو وہ لائق استدلال نہیں ہے اس لیے ہم نے ان مضطرب روایات کو ترک کر دیا اور اس حدیث پر عمل کیا جس حدیث میں اصل کے مطابق ایک رکعت میں ایک رکوع کا ذکر ہے۔

ایک رکعت میں تین رکوع کرنے کی حدیث یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گھن گگ گیا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز میں چھ رکوع اور چار سجدے کیے۔ (صحیح مسلم: ۱۰۰۔ رقم بخاری: ۹۰۳۰۔ رقم المسلسل: ۲۰۶۷۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۸۰ ابن کثیر فی المسنی رقم الحدیث: ۱۸۳۳ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۵۱۸۰)

ایک رکعت میں چار رکوع کرنے کی یہ حدیثیں ہیں:

طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب سورج کو گھن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت میں آٹھ رکوع اور چار سجدے کیے۔

(صحیح مسلم: ۱۸۰۔ رقم بخاری: ۹۰۸۰۔ رقم المسلسل: ۲۰۶۷۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸۳۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۵۲۰۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھائی آپ نے قرأت کی پھر رکوع کیا پھر قرأت کی۔ پھر رکوع کیا پھر قرأت کی پھر رکوع کیا پھر قرأت کی پھر رکوع کیا اور دوسری رکعت پھر اسی طرح پڑھی۔ (صحیح مسلم: ۱۹۰۔ رقم بخاری: ۹۰۹۰۔ رقم المسلسل: ۲۰۶۷۰ سنن المسنی رقم الحدیث: ۱۳۶۷۰)

ایک رکعت میں پانچ رکوع کرنے کی یہ حدیث ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کسوف پڑھائی آپ نے لمبی سورتوں میں سے قرأت کی اور ایک رکعت میں پانچ رکوع کیے اور دو سجدے کیے پھر دوسری رکعت بھی آپ نے اسی طرح پڑھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸۳۰)

فقہاء احناف کے نزدیک سورج گھن کی نماز کا طریقہ

فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز کسوف میں باقی نمازوں کی طرح دو رکعت میں سے ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عہد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گھن لگ گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اتنا لمبا قیام کیا کہ گلتا قناب رکوع نہیں کریں گے پھر آپ نے رکوع کیا اور اتنا لمبا رکوع کیا کہ گلتا قناب رکوع سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور اتنی دیر کھڑے رہے کہ گلتا قناب رکوع نہیں کریں گے پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور اسی طرح دوسری رکعت میں اتنی دیر بیٹھے رہے کہ گلتا قناب دوسرا سجدہ نہیں کریں گے پھر آپ نے دوسرے سجدہ سے سر اٹھایا اور اسی طرح دوسری رکعت پڑھی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۸۳۰ ابن کثیر فی المسنی رقم الحدیث: ۱۸۶۷۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۱۱ المسند رک ج ۱ ص ۳۲۹)

آیت مجیدہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور تم سورج کو مجیدہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ ہی کو مجیدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے“
اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو مجیدہ کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ہر چند کہ وہ دو عظیم سیارے ہیں لیکن یہ ان کی ذاتی فضیلت نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ مجیدہ کیے جانے کے مستحق ہوں ان کا خالق تو اللہ عزوجل ہے وہ جب چاہے سورج اور چاند کو فنا کر دے یا ان کی روشنی کو زائل کر دے اور تم اللہ کو مجیدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور اپنے نظام قدرت کو سحر کر دیا ہے اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔

فرشتوں کی دائمی تسبیح پر ایک اشکال کا جواب

تم اسجد: ۳۸ میں فرمایا: ”پھر بھی اگر یہ لوگ تکبر کریں تو جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں تو وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ جھٹکتے نہیں“

یہ آیت مجیدہ ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک یہ قرآن مجید میں گیارہویں آیت مجیدہ ہے۔
اس آیت میں فرشتوں کی صفت میں فرمایا ہے کہ وہ رات اور دن اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ جھٹکتے نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں تو وہ باقی کام کس وقت کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید نے ان کے اور کاموں کا بھی ذکر فرمایا ہے مثلاً:
تَنْزِيلُ بَعْلِ الْوَدُوخِ الْأَخْيَرِ ۖ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ
جبریل امین نے قرآن مجید کو آپ کے قلب پر نازل کیا۔

(اشعر: ۱۹۳-۱۹۴)

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْهُمْ لَمَتَّكَةً (اشعر: ۹۷)
فرشتے اور جبریل اپنے رب کی اجازت سے شب قدر میں

نازل ہوتے ہیں۔ (القدر: ۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جن فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں وہ فرشتوں کی خاص نوع ہیں وہ اکابر ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ دوسرے فرشتے ان کاموں میں مشغول رہتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذمہ لگا دیے ہیں۔

بشر اور فرشتوں میں باہمی افضلیت کی تحقیق اور امام رازی کی تفسیر پر بحث و نظر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:
کیا یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتے بشر سے افضل ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! کیونکہ اعلیٰ درجہ والوں سے ادنیٰ درجہ والوں کے حال پر استدلال کیا جاتا ہے پس یوں کہا جائے گا کہ اگر یہ کفار اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے اکابر ملائکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس نوع میں اعلیٰ درجہ والوں کے حال کے حسن سے ادنیٰ درجہ والوں کے خلاف استدلال ہے۔ (تخیر کیرج ص ۶۷۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)
میں کہتا ہوں اس دلیل سے مطلقاً فرشتوں کا بشر سے افضل ہونا لازم نہیں آتا بلکہ فرشتوں کا کفار سے افضل ہونا لازم آ رہا ہے باقی فرشتوں اور بشر کے درمیان افضلیت کی تحقیق اس طرح ہے:

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر قشقرانی متوفی ۹۱۷ھ لکھتے ہیں:

معتزلہ فلاسفہ اور اشاعرہ کا مسلک یہ ہے کہ فرشتے بشر سے افضل ہیں حتیٰ کہ نبیوں اور رسول سے بھی افضل ہیں اور جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ بشر فرشتوں سے افضل ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے:

رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامۃ البشر سے افضل ہیں اور عامۃ البشر (یعنی مؤمنین نہ کہ کفار) عامۃ الملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عامۃ البشر سے بالا جماع افضل ہیں بلکہ بالضرورة افضل ہیں۔

رسل بشر کی رسل ملائکہ سے افضلیت اور عامۃ البشر کی عامۃ الملائکہ سے افضلیت پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم اور نگریم کے لیے ان کو سجدہ کریں اور سخت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان کی کو اس کی تعلیم کا حکم دیا جاتا ہے۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کے اسماء کی تعلیم دی تو اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ حضرت آدم کی تعلیم اور نگریم کی وجہ استحقاق بیان کی جائے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آدَمَ فَكُنَّا آلَهُ بَنَّا ذُنُوْدَهُ أَفْئِدَةً مِّنْ عَصَائِرِ الْمَشَارِقِ ۖ إِذْ يُؤَفِّكُنَا ۖ وَنُوْثِقُنَا ۖ وَإِنَّ رَبَّنَا لَشَدِيدُ ۝ (آل عمران ۳۳)

اور تمام جہان میں فرشتے بھی شامل ہیں۔

(۴) انسان میں شہوت اور غضب ہے اور اس کو کھانے پینے اور لباس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں اس کو جسمی اور عملی کمال کے حصول سے مانع ہوتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان عواض اور موائع کے باوجود عبادت کرنا اور عملی کمال حاصل کرنا ان کی عبادت سے بہت افضل ہے جن کو عبادت کرنے سے کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں ہے اس لیے انسان کا عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت کرنے سے بہت افضل ہے۔ (شرح مفاتیح تفسیر ص ۱۶۹ کراچی)

حشر و نشر کے امکان پر ایک دلیل

حم اسجد ۳۹۶ میں فرمایا: "اور (اے مخاطب!) اس کی نشانیں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو خشک اور ٹھیرا ہوا دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے بے شک جس نے اس زمین کو زندہ کیا ہے وہی (قیامت کے دن) مردوں کو زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن اور سورج اور چاند سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر استدلال فرمایا ہے کہ جو ذات مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے وہ ذات مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اس لیے مشرکین کا مشر و شر کا انکار کرنا باطل ہے نیز جب اللہ تعالیٰ نے پہلی بار انسان کو بلکہ اس پوری کائنات کو پیدا کر دیا تو اس کے لیے دوبارہ اس انسان کو جیتا جا سکتا کھڑا کر دینا کیا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے غلطی نہیں ہیں آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا تم جو چاہو کر بے شک وہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے قرآن کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا (ان کو عذاب دیا جائے گا) بے شک یہ بہت معزز کتاب ہے اس میں باطل کہیں سے نہیں آ سکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے یہ کتاب بہت

حکمت والے اسم کے ہونے کی طرف سے نازل شدہ ہے ۵ (۳۱: ۳۲: ۳۳)

الحاد کا معنی اور اس کا مصداق

اس سے پہلے ۳۱: ۳۲: ۳۳ میں یہ بتایا تھا کہ انسان کا سب سے عمدہ منصب اور مرجعہ اللہ کے دین کی دعوت دینا ہے پھر ۳۱: ۳۲: ۳۳ میں یہ بتایا کہ اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات اور صفات پر دلائل قائم کیے جائیں اور ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں شبہات ڈالتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے غفلت نہیں ہیں پھر ان کو ڈراتے ہوئے اور دھمکاتے ہوئے فرمایا: ”تم جو چاہو کرو بے شک وہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔“

اس آیت میں کج بحثی کے لیے ”یصلحون“ فرمایا ہے یصلحون الحاد سے ماخوذ ہے علامہ حسین بن محمد رافع اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ الحاد کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الحاد کا مادہ لحد ہے لحد اس گڑھے کو کہتے ہیں جو درمیان سے بظنی جانب جھکا ہوا ہوتا ہے الحاد کا معنی ہے: حق سے انحراف کرنا الحاد کی دو قسمیں ہیں: (۱) کسی کو اللہ کا شریک قرار دینا (۲) ان اسباب کو ماننا جو شرک کی طرف پہنچائیں پہلی قسم ایمان کے متنافی ہے اور دوسری قسم ایمان کی گروہ کو کمزور کر دیتی ہے لیکن ایمان کو باطل نہیں کرتی قرآن مجید میں ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ (الاعراف: ۱۸۰)

جو لوگ اللہ کے اسما میں اللہ کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اسما میں اللہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت بیان کی جائے جو اس کے لیے جائز نہیں ہے مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے یا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (۲) اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں (مثلاً اللہ مہیاں یا اللہ سائیں کہنا)۔ (الفرقان ج ۳ ص ۷۷ تفسیر زمر مصطفیٰ ص ۳۸۸)

اس آیت میں فرمایا ہے: ”جو لوگ ہماری آجوں میں اللہ کرتے ہیں“ یہاں اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس کے حقیقی مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے: جو لوگ ہماری آجوں کی کذب کرتے ہیں (۲) ابو مالک نے کہا: جو لوگ ہماری آجوں سے انحراف کرتے ہیں (۳) ابن زید نے کہا: جو لوگ ہماری آجوں کا کفر کرتے ہیں (۴) سدی نے کہا: جو لوگ ہمارے رسولوں سے عداوت رکھتے ہیں (۵) مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے: جب مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو کفار بیٹیاں بجاتے ہیں اور تالیاں پیٹتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ”آیا جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونکا دیا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو اطمینان سے قیامت کے دن آئے گا۔“

اس کی تفسیر میں مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) عکرمہ نے کہا: جو شخص دوزخ کی آگ میں جھونکا دیا جائے گا وہ ابو جہل ہے اور جو شخص قیامت کے دن اطمینان سے آئے گا وہ حضرت عمار بن یاسر ہیں۔

(۲) ابن زیاد نے کہا: جس کو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا وہ ابو جہل ہے اور جو قیامت کے دن اطمینان سے آئے گا وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۳) مقاتل نے کہا: جن کو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا وہ ابو جہل اور اس کے ساتھی ہیں اور جو اطمینان کے ساتھ

قیامت کے دن آئیں گے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۴) ابن حجر نے کہا: اس آیت میں عموم مراد ہے دوزخ میں جھونکا جانے والا کافر ہے اور قیامت کے دن مطمئن ہو کر آنے والے مؤمنین ہیں۔ (المعجم للنسائی ج ۵ ص ۱۸۴-۱۸۵ دارالکتب العلمیہ بیروت)
اور یہ جو فرمایا ہے: تم جو چاہو کرو نہ دھمکانے کے لیے فرمایا ہے یعنی تمہارے کفر پر اصرار کی وجہ سے تمہارے لیے دوزخ کا عذاب واجب ہو چکا ہے اب تم جو چاہو کرو تمہاری کسی کوشش سے یہ عذاب ٹل نہیں سکتا۔
جعلی پیروں اور بتاؤنی صوفیوں کا الحاد

اس آیت میں فرمایا ہے: ”جو لوگ ہماری آجوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے جنتی نہیں ہے“ اس سے ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو علم اور معرفت سے خالی ہوتے ہیں اور زہد اور تقویٰ کا اظہار کرتے ہیں وہ کشف اور الہام کا دھوٹی کرتے ہیں اور لوگوں کو ہیبت کرتے ہیں اور اپنی روحانیت اور کراتوں کا چمکا کر کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اغیاء اور حکام ان کے پاس آئیں اور ان کے زہد اور تقویٰ سے متاثر اور مرعوب ہوں وہ علماء دین کی تحقیر کرتے اور لوگوں کو ان سے خطر کرتے ہیں اور بغیر علم کے قرآن اور حدیث کی تفسیر کرتے ہیں اور وعظ اور تقریریں کرتے ہیں لوگ ان سے مسائل معلوم کرتے ہیں اور وہ بغیر علم کے فتاویٰ جاری کرتے ہیں لوگ ان کو بھاری بھاری نذرانے دیتے ہیں اور وہ مال و دولت سے اپنے مریدوں میں اضافہ کرتے ہیں حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اپنے بندوں کے سینے سے نہیں نکالے گا لیکن اللہ تعالیٰ علماء کو اذکار علم کو اٹھائے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیر اور پیشوا بنائیں گے ان سے سوال کیا جائے گا اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے پس وہ خود بھی گم راہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گم راہ کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۴ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۲ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۶۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دین کے بدلہ میں دنیا کو طلب کریں گے وہ لوگوں کے سامنے درویشی ظاہر کرنے کے لیے بھیڑی نرم کمال کا لباس پہنیں گے ان کی زبانیں چٹنی سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں کی طرح ہوں گے کیا وہ (بھری مہلت دینے سے) دھوکا کھا کرے ہیں یا وہ (میری مخالفت پر) جرأت کر رہے ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۵ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۸۶۵۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۳۳ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۳۳۳)

ملائی بن سلطان محمد القاری التتوی ۱۰۱۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ لوگ صوفیاء اور درویشوں کا لباس پہن کر اور ریاکاری سے عبادت کر کے لوگوں کو دھوکا دیں گے اور لوگوں کو اپنا معتقد اور مرید بنانے کے لیے اور دنیا کا مال بنانے کے لیے زہد و تقویٰ کا اظہار کریں گے اور وہ نیک اور خدا ترس علماء سے عداوت رکھیں گے ان پر حیوانی صفات اور شہوات کا غلبہ ہوگا اور وہ اپنے نام و نمود کے لیے کارروائی کریں گے۔

(مرآۃ المفاتیح ج ۹ ص ۸۳-۸۴ مکتبہ خانیہ بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی مخلوق کو پیدا کیا ہے جن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل ایلے سے زیادہ کڑوے ہوں گے پس میں اپنی ذات اور

صفات کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے ان کے لیے ایسا فتنہ مقرر کر دیا ہے جس میں جلا ہو کر مرد بار آدی بھی حیران ہوگا کیا یہ لوگ مجھ پر دھوکا کھا رہے ہیں یا مجھ پر جرأت کر رہے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۴ المسند الطابع رقم الحدیث: ۸۴۷۹ جامع المسانید و السنن مسند عبد اللہ بن عمر رقم الحدیث: ۷۶۰)

ایلوے کا معنی ہے: تمھیکوار کے گودے کا خشک کیا ہوا رس۔ (تاکم اللغات ص ۱۳۶ (نیروز اللغات ص ۱۵)

تمھیکوار ایک قسم کا پودا ہے جس کے پتے بہت لمبے ہوتے اور ان سے لیس دار مادہ نکلتا ہے۔ (نیروز اللغات ص ۱۰۳۵)
ختم السجدہ: ۴۱ میں فرمایا: ”بے شک جن لوگوں نے قرآن کا اس وقت کفر کیا جب وہ ان کے پاس پہنچ چکا تھا (ان کو عذاب دیا جائے گا) بیشک یہ بہت معزز کتاب ہے“

اس آیت میں قرآن مجید کو عزیز فرمایا ہے اس کا معنی ہے: اس کتاب کی کوئی مثال نہیں ہے یا اس کا معنی ہے: یہ کتاب تمام کتابوں پر غالب ہے۔

ختم السجدہ: ۴۲ میں فرمایا: ”اس میں باطل کہیں سے نہیں آ سکتا نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے“ یہ کتاب بہت حکمت والے حمد کیے ہوئے کی طرف سے نازل شدہ ہے“

قرآن مجید کے سامنے اور پیچھے سے باطل نہ آنے کے محال

اس آیت میں فرمایا ہے: ”اس کتاب کے سامنے اور پیچھے سے باطل نہیں آ سکتا“ اس کی متعدد تفسیریں ہیں:

(۱) نہ اس سے پہلی آسانی کتابوں مثلاً تورات زبور اور انجیل میں اس کی تکذیب ہے اور نہ اس کے بعد کوئی آسانی کتاب آئے گی کہ اس کی تکذیب ہو سکے۔

(۲) قرآن مجید نے جس چیز کے حق ہونے کی تصریح کر دی ہے وہ باطل نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید نے جس چیز کے باطل ہونے کی تصریح کر دی ہے وہ حق نہیں ہو سکتی۔

(۳) قرآن مجید محفوظ ہے نہ اس سے کوئی آیت کم ہو سکتی ہے نہ اس میں کوئی اپنی طرف سے کسی آیت کا اضافہ کر سکتا ہے۔

(۴) پہلے زمانہ میں کوئی ایسی کتاب تھی جو اس کا معارضہ کرتی اور نہ آئندہ کوئی ایسی کتاب آ سکے گی جو اس کا معارضہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول کرم!) آپ کے خلاف وہی باتیں کہی جا رہی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کے خلاف

کہی جاتی رہی ہیں بے شک آپ کا رب (مؤمنوں کے لیے) ضرور مغفرت والا ہے اور (کافروں کے لیے) دردناک عذاب

والا ہے O اور اگر ہم اس قرآن کو بھی زبان میں کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں کیا

(کتاب کی زبان) عجیبی ہو اور (رسول کی زبان) عربی ہو؟ آپ کہیے: یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے اور

جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈالتا ہے اور یہ ان پر اندھا حایل ہے ان لوگوں کو بہت دور سے خدا کی جارحی ہے O

(ختم السجدہ: ۴۳-۴۴)

کفار کی دل آزار باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

اس سے پہلی آجوں میں اللہ تعالیٰ نے طہرین کو ڈرایا اور دھوکا دیا تھا پھر قرآن مجید کی آیات کی عظمت اور شرف کو بیان

فرمایا اور کتاب اللہ کے درجہ کی بلندی کا ذکر فرمایا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے مضمون سابق کو دہرایا اور وہ یہ ہے:

”اور کافروں نے کہا: آپ ہمیں جس دین کی طرف بلا رہے ہیں ہمارے دلوں میں اس پر پودے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے

کانوں میں ڈالتا ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے سو آپ اپنا کام کریں اور بے شک ہم اپنا کام کرنے

والے ہیں O" (تم اسجدہ: ۵) پھر اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ کے خلاف وہی باتیں کہی جا رہی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کے متعلق کہی جاتی رہی ہیں یعنی جس طرح پہلے رسولوں پر طعن کیا جاتا تھا اور ان کے متعلق دل آزار باتیں کی جاتی تھیں سو ایسی ہی باتیں آپ کے متعلق بھی کی جا رہی ہیں لہذا آپ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیجئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور دعوت میں مشغول رہیے۔

قرآن مجید کو غور سے نہ سننے کی وجہ سے کفار کا قرآن کی ہدایت سے محروم ہونا

تم اسجدہ: ۳۳ میں فرمایا: "اور اگر ہم اس قرآن کو بھی زبان میں کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں کیا (کتاب کی زبان) عجبی ہو اور (رسول کی زبان) عربی ہو؟"

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت بیان کر دی اور اس کے احکام شریعہ کو وضاحت سے بیان فرما دیا اس کے باوجود کفار مکہ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ ان کا کفر محض ضد عناد سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے ان کے پاس ایمان نہ لانے کا کوئی منطقی جواز نہیں ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ عَلِمُوا بِبَعْضِ آيَاتِ الْكِتَابِ الْكَرِيمِ
يَهْتَابُوا وَيَخْلَعُوا (اشعرا: ۱۹۸)

ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو یہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے

اسی طرح اگر ہم پورا قرآن عجیب زبان میں نازل فرما دیتے تب بھی یہ کہتے کہ اس کی آیتیں تفصیل سے کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ یعنی وہ یہ کہتے کہ پورے قرآن کو لغت عرب میں کیوں نہیں نازل کیا گیا اور وہ اس کا انکار کرتے اور یہ کہتے کہ عربی مخاطب کے اوپر عجیب قرآن کیوں نازل کیا گیا ہے جس کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتا حضرت ابن عباسؓ، مجاہد اور مکرّمہ وغیرہم نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "آپ کہیے: یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے یعنی اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے دلوں کے لیے یہ قرآن ہدایت ہے اور ان کے سینوں سے شکوک اور شبہات دور کرنے کے لیے یہ قرآن شفاء ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں ڈالت ہے وہ قرآن مجید کی آیات میں غور کرتے ہیں نہ ان کو سمجھتے ہیں اور یہ ان پر اندھا پن ہے وہ اس سے ہدایت نہیں حاصل کر سکتے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْقُرْآنِ نَفْعٌ لِّأُولَئِكَ وَلَئِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَغَافِلُونَ
وَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْقُرْآنِ نَفْعٌ لِّأُولَئِكَ (بوسرا: نکل: ۸۳)

شفاء اور رحمت ہے اور وہ غافلوں کے لیے صرف نقصان کو زیادہ کرتا ہے

"اور ان لوگوں کو بہت دور سے ندا کی جا رہی ہے O" مجاہد نے کہا: یہ ندا ان کے قلوب سے بہت دور ہے امام ابن جریر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جو ان کو پکار رہا ہے اور ان سے خطاب کر رہا ہے وہ گویا کہ ان سے بہت دور ہے صفاک نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کو ان کے بہت قریب ناموں سے پکارا جائے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ سَبَقَتْ مِنْ

ہوے جب ہم نے موسیٰ کو کتاب مافریقی تو اس میں (بھی) اختلاف کیا گیا لہذا آپ کے کتب کی طرف سے ایک یہ حد پہلے سے مقرر ہوئی تو

لَيْسَ لِقَاضِي بَيْنَهُمْ وَإِنَّكُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٌ ۝۳۵ مَن عَمِلْ

ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہے اور بے شک یہ لوگ اس قرآن کے حلقِ سخت غلبان اور شک میں ہیں ۵ جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو وہ اپنے

صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَن أَسَاءَ فَعَلِيَهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝۳۶

نفس کے فائدہ کے لیے کیا ہے۔ جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کا ضرر (بھی) اسی کو ہو گا اور آپ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ تم نے ایمان لیا ہے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو اس میں (بھی) اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک میعاد پہلے سے مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک یہ لوگ اس قرآن کے حلقِ سخت غلبان اور شک میں ہیں ۵ جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو وہ اپنے نفس کے فائدہ کے لیے کیا ہے اور جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کا ضرر (بھی) اسی کو ہو گا اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ۵ اہل مکہ کی دل آزار باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلی دینا

یعنی جب ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا، بعض لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور بعض لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور جب ہم نے آپ کے اوپر قرآن کریم کو نازل کیا تو یہی حال آپ کی قوم کا ہے، بعض لوگ اس پر ایمان لائے اور بعض لوگوں نے اس کا تکذیب کیا، سو اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کی قوم کے کچھ لوگ قرآن مجید پر ایمان نہیں لائے تو آپ اس پر غم نہ کریں، یہ صاحب کتاب نبی کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے۔

کفار کہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں تو ہماری مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ”اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک میعاد پہلے سے مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔“

کفار کہ یہ ایسا عذاب نہیں آیا جس سے پورا مکہ ملیا سمٹ کر دیا جاتا اور کفار کہ کوئی دین سے اکھاڑ دیا جاتا اور شہر کہ قوم عاد اور ثمود کی بستیوں کی طرح ٹکڑا کر اور دیواروں میں تبدیل ہو جاتا، کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت ہیں اور مکہ وہ شہر ہے جس کی طرف انبیاء اور مرسلین نے ہجرت کی ہے اور طائفہ مقررین اس شہر میں نازل ہوتے رہے، اس شہر میں اللہ نے اپنا گھر بنا دیا اور اس کے ظلیل اور ذبیح نے اس شہر کو بسایا، اس کے ظلیل نے اس شہر کے لیے دعا کی: اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو اس شہر کی طرف پھیر دے، اس کے کعبہ کے حلقہ فرمایا: جو اس میں داخل ہو گا وہ مامون ہو جائے گا، اس لیے اللہ کی رحمت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ عاد اور ثمود کی بستیوں کی طرح اس شہر میں بھی عذاب نازل کر کے اس شہر کو تباہ نہیں کر دے۔

عظیم کی خدمت میں احادیث

تمہید: ۳۶: ۳۷ میں فرمایا: ”جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو وہ اپنے نفس کے فائدہ کے لیے ہے اور جس نے کوئی نیک کام کیا ہے تو اس کا ضرر (بھی) اسی کو ہو گا“

قرآن مجید کی متعدد آجوں کی طرح اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہر شخص کو اس کے عمل کا سلسلہ طے گا اور اللہ تعالیٰ کسی شخص پر ظلم نہیں کرے گا، اللہ سے عظیم کی نفی اور عظیم کی خدمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ عز و جل ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور تمہارے درمیان بھی آپس میں ظلم کو حرام کر دیا سو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۷۷، جامع المسانید و السنن من ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۷۵۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظلم کرنے سے بچو! کیونکہ ظلم کرنے سے قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے اور کل کرنے سے بچو! کل کرنے سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ کل نے انہیں خوریزی کرنے پر اور حرام کاموں کو حلال کرنے پر ابھارا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۷۷۷، جامع المسانید و السنن من ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۷۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے کہا: مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو نہ کوئی سامان ہو آپ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے اور اس نے اس شخص کو گالی دی ہو اور اس شخص پر جہمت لگائی ہو اور اس شخص کا مال کھایا ہو اور اس شخص کا خون بہایا ہو اور اس شخص کو مارا ہو پھر وہ اس کو اپنی نیکیاں دے پھر جو اس پر حقوق ہیں ان کے ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں جمونک دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۱، جامع المسانید و السنن من ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۷۵۷)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عز و جل ظالم کو اصل دیتا رہتا ہے پھر جب وہ اس کو اپنی گرفت میں لے گا تو پھر اس کو نہیں چھوڑے گا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَكُلُّ لَيْتٍ أَخَذْتُ نَفْسَكَ إِذَا أَخَذْتُ الْغُرَىٰ وَحِينَ كَالَيْتٍ ۖ
لَا أَخَذُكَ لَيْتِي مَعِي ۖ (معر: ۱۰۳)

پاس حالت میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں بے شک اس کی گرفت سخت دردناک ہے

حضرت اوس بن شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ظالم کی مدد کرنے کے لیے اس کے ساتھ گیا جب کہ اس کو ظلم تھا کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

(المجموع المکرم ج ۱ ص ۹۰، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۹۰۰۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۷۵۹۶)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی ظالم کے ساتھ گیا اس نے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُ مِنْكُمْ فَلْيَمُوتُوا ۖ (سجده: ۲۲)

بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں

(جامع المسانید و السنن من ابی ذر رقم الحدیث: ۱۱۷۵۷)

إِلَيْهِ يُرْدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۖ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹا جائے گا اور جو پھل اپنے ٹکڑوں سے نکلے ہیں اور جس مادہ کو کوئی حمل ہوتا ہے

أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا يَعْلَمُ ۖ وَ يُؤْمَرُ

اور اس کے ہاں جو بچہ ہوتا ہے ان سب کا اس کو ظلم ہے اور جس دن اللہ ان سب (مشرکوں) کو بلا کر فرمائے گا: میرے

يُنَادِيهِمْ اَيْنَ شُرَكَائِيَ قَالُوا اِذْ تَلَكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ﴿٣٧﴾

شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم تجھے بتا چکے ہیں کہ ہم میں سے تو کوئی ان کو دیکھنے والا نہیں ہے O

وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَكُنْتُمْ اَلَمْ هُمْ مِنْ

اور ان سے وہ سب کم ہو جائیں گے جن کی اس سے پہلے وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے اور وہ یہ سمجھ لیں گے کہ اب

فَحِصْ ﴿٣٨﴾ لَا يَسْمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ قَسَّهُ الشَّرُّ

ان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے O انسان خیر کی دعا کرنے سے کبھی نہیں ٹھکتا اور اگر اسے کوئی شر پہنچ جائے تو وہ

فَيُوسِقِنُوطٌ ﴿٣٩﴾ وَلَئِنْ اَذَقْتَهُ رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرْاءٍ

بائیں اور ناسید ہو جاتا ہے O اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ

مَسَّتُهُ لِيَقُولَنَّ هَذَا اِلَىٰ وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ

ضرور کہے گا کہ میں بہر صورت اس کا حق دار تھا اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں

رُجِعْتُ اِلَىٰ رَبِّي اِنَّ اِلٰى عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّتَنَّ الْاَشْيٰى

اپنے رب کے پاس لوٹا یا بھی گیا تو بے شک اس کے پاس میری خیر ہوگی پس ہم ضرور کافروں کو ان کے کاموں

كُفْرًا وَاِيَّاهُمْ عَمِلُوْا وَلَنُنَادِيَنَّهُمْ فِىْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٤٠﴾ وَاِذَا اَنْعَمْنَا

کی خبر دیں گے اور ہم ان کو ضرور سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے O اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر

عَلٰى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَتَوَلَّ اٰجَانِبَهُ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَوَدَّ اَنْ يَّعْرِضَ ﴿٤١﴾

لیتا ہے اور پہلو پھا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے اور جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ کسی چھڑی دھکیں کرنے والا ہو جاتا ہے O

قُلْ اَرَاَيْكُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ

آپ کہیے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا انکار کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون

اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿٤٢﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاَفَاقِ

کم راہ ہو گا جو مخالفت میں حق سے بہت دور چلا جائے O ہم عترتِ نبی کو اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں بھی

وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۖ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ

دکھائیں گے اور خود ان کے نفسوں میں بھی حتیٰ کہ ان پر مشکف ہو جائے گا کہ یہ قرآن

أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۚ ۝۱۰۱ إِلَّا أَنْتُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّكُمْ

برحق ہے کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے ۱۰۱ سنا ہے شک ان کو اپنے رب سے

إِلَّا أَنْتُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّكُمْ ۚ ۝۱۰۲

ملاقات کے متعلق شک ہے سنا وہ ہر چیز پر محیط ہے ۱۰۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹا یا جائے گا اور جو پھل اپنے ٹھکانوں سے نکلے ہیں اور جس مادہ کو کوئی حمل ہوتا ہے اور اس کے باطن جو بچہ ہوتا ہے ان سب کا اس کو علم ہے اور جس دن اللہ ان سب (مشرکوں) کو بلا کر فرمائے گا: میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم تجھے بتا چکے ہیں کہ ہم میں سے تو کوئی ان کو دیکھنے والا نہیں ہے ۱۰۱ اور ان سے وہ سب گم ہو جائیں گے جن کی اس سے پہلے وہ دنیا میں پرستش کرتے تھے اور وہ یہ سمجھ لیں گے کہ اب ان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے ۱۰۲ انسان خبری کی دعا کرنے سے کبھی نہیں ٹھکتا اور اگر اسے کوئی شریک بن جائے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے ۱۰۲ اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ذائقہ چکھائیں تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں بہر صورت اس کا حق دار تھا ۱۰۲ اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹا یا بھی گیا تو بے شک اس کے پاس میری خبر ہوگی پس ہم ضرور کافروں کو ان کے کاموں کی خبر دیں گے اور ہم ضرور ان کو سخت عذاب کا حرا چکھائیں گے ۱۰۲ (ختم السہدہ: ۵۰۰-۴۷۷)

اللہ تعالیٰ کا علم غیب قطعی اور ذاتی ہے اور مخلوق کو بالواسطہ غیب کا علم ہو سکتا ہے

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قیامت کس وقت قائم ہوگی اس کا بالذات اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے اسی طرح اس کائنات میں جو بھی حوادث رونما ہوتے ہیں کسی مادہ کو جب بھی حمل ہوتا ہے یا وضع حمل ہوتا ہے جب بھی باغات میں پھل نکلے ہیں اور پھول کھلتے ہیں سب چیزوں کا اللہ کو علم ہوتا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کیا یہ بات نہیں ہے کہ نبوی اپنے حساب سے سال میں ہونے والے اکثر واقعات کو جان لیتے ہیں اسی طرح رمل سے اور غراب کی تعبیروں سے مستقبل میں ہونے والے اکثر واقعات کا پیشگی علم ہو جاتا ہے اور غیب کی باتوں کا پتا چل جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان علوم کے ماہرین کو قطعی اور قطعی طور پر کسی غیب کی بات کا علم نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ بات یہ ہے کہ ان کو کمزور دہک کا علم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ قطعی اور قطعی ہے۔ (تفسیر کبرج ۱/۱۷۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۵ء) میں کہتا ہوں کہ اسی طرح حکمہ موسیات والے پیشگی بتا دیتے ہیں کہ بارش کب ہوگی اور کل موسم کا درجہ حرارت کیا ہوگا لیکن یہ پیش گوئیاں ۹۰ فی صد درست ہوتی ہیں اس لیے ان کے معاملہ میں امام رازی کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ پیش گوئیاں قطعی اور قطعی نہیں ہوتیں۔ لیکن سورج کہیں نکلے اور چاند کہیں نکلے کی جو سالوں پہلے خبر دی جاتی ہے اور پوری دنیا میں ان کا نظام الاوقات بتا دیا جاتا ہے یہ پیش گوئیاں سو فی صد صحیح ہوتی ہیں اور آج تک ان کی کوئی خبر غلط ثابت نہیں ہوئی اسی طرح

التراساؤ کے ذریعے پیشگی بتا دیا جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں خربے یا مادہ اور یہ پیشگی خبر بھی سونی صدیج ہوتی ہے اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ علم آلات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ بغیر کسی آلہ کے ہے اسی طرح جو فرشتہ ماں کے رحم میں لگتا ہے کہ یہ بچہ مذکر ہے یا مؤنث اس کی مدت حیات کتنی ہے اس کا رزق کتنا ہے اور یہ سعید ہے یا شقی ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے غلام ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم قطعی اور قطعی ہے اور بغیر کسی آلہ اور سبب کے ہے اور بغیر تعلیم کے اور ذاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی وحی اور الہام کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے اور ان کے لیے بالواسطہ غیب کا علم ملتا تھا اے ایمان کا ایک حصہ ہے اور اس کا انکار کرنا عدا اور کفر ہے۔

انسان کی ناسپاسی اور ناشکری

تم اسجد: ۳۹ میں فرمایا: "انسان خیر کی دعا کرنے سے کبھی نہیں جھکتا اور اگر اسے کوئی شر پہنچ جائے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے" O

سدی نے کہا: خیر سے اس آیت میں مالِ صحت، سلطنت اور عزت مراد ہے اور انسان سے مراد کافر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان سے ولید بن مغیرہ مراد ہے ایک قول ہے: ربیبہ کے دو بیٹے تھے اور شبیر مراد ہیں اور ایک قول ہے: اسے بن عقیق مراد ہے اور اس آیت میں جو شر کا ذکر کیا گیا اس سے فقر اور مرض مراد ہے۔

تم اسجد: ۵۰ میں فرمایا: "اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا ڈانٹہ چکائیں تو وہ یہ ضرور کہے گا کہ میں بہر صورت اس کا حق دار تھا" O

اس آیت میں ضرر اور تکلیف سے مراد بیماری، سختی اور فقر ہے اور رحمت سے مراد وسعت، کشادگی اور دولت ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اس رحمت کا مستحق تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ میرے اعمال سے راضی تھا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان نعمتوں کا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب تھا اور وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں دے کر اس کو امتحان میں مبتلا کیا ہے تاکہ مصائب پر اس کا صبر اور انعامات پر اس کے شکر کا اظہار ہو۔

اس کے بعد فرمایا: "اور میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹا یا بھی گیا تو بے شک اس کے پاس میری خیر ہوگی" O

اس آیت میں حسنی اور خیر سے مراد جنت ہے وہ بغیر کسی نیک عمل کے جن کی تمنا نہیں کرتا ہے۔ حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے کہا: کافر کی دو تمنائیں ہوں گی: دنیا میں اس کی یہ تمنا ہوگی کہ اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹا یا بھی گیا تو اس کے پاس میری خیر یعنی جنت ہوگی اور آخرت میں اس کی یہ تمنا ہوگی: اے کاش! ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کریں اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں۔ (الانعام: ۲۷)

پھر فرمایا: "پس ہم ضرور کافروں کو ان کے اعمال کی خیر دیں گے" یعنی کافروں کو ان کے اعمال کی سزا دیں گے اس آیت میں لامِ قسمیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ قسم کھا کر یہ بات فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو پچا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے اور جب اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا ہو جاتا ہے O آپ کہیں کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا تکذیب کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون کم راہ ہوگا جو مخالفت میں حق سے بہت دور چلا

جسے ہم مقرر رب ان کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے نفسوں میں بھی 'حق' کہ ان پر مشکف ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ان کا رب ہر چیز پر گواہ ہے O سنو بے شک ان کو اپنے رب سے ملاقات میں شک ہے سنو اور ہر چیز پر محیط ہے O (خمسجہ ۵۳: ۵۴)

خمسجہ ۵۱: میں فرمایا ہے: "اور جب ہم انسان (یعنی کافر) پر کوئی انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بچا کر ہم سے دور ہو جاتا ہے O"

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس آیت میں انسان سے مراد عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف ہیں جنہوں نے اسلام سے منہ پھیر لیا اور اس سے دور ہو گئے اور یہ جو فرمایا ہے: "اور پہلو بچا کر (ہم سے) دور ہو جاتا ہے" اس کا معنی ہے: وہ حق کی اطاعت اور اتباع کرنے سے خود کو بلند سمجھتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے سامنے تکبر کرتا ہے اور جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر لمبی چوڑی دعا کہتا ہے یعنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے اور فریاد کرتا ہے اور کافر مصیبت میں اپنے رب کو پکارتا ہے اور راحت میں اپنے رب کو نہیں پکارتا۔

قرآن پر ایمان لانے کی کافروں کو نصیحت

خمسجہ ۵۳: ۵۴ میں فرمایا: "آپ کیسے ابھلائے بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا کفر کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون گم راہ ہوگا جو مخالفت حق میں بہت دور چلا جائے O ہم مقرر رب ان کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے نفسوں میں بھی 'حق' کہ ان پر مشکف ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ان کا رب ہر چیز پر گواہ ہے O" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر یہ جہت قائم کی ہے کہ تم لوگ جب بھی قرآن مجید کو سنتے ہو تو اس سے اعراض کر لیتے ہو اور اس میں غور و فکر نہیں کرتے اور توحید کو قبول کرنے سے گھبراتے ہو اور دور بھاگتے ہو اور یہ تو واضح بات ہے کہ بداہت عقل یہ نہیں کہتی کہ قرآن مجید منزل من اللہ نہیں ہو سکتا اور نہ بداہت عقل یہ کہتی ہیں کہ اللہ واحد نہیں ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول نہیں ہیں پس دلیل سے قطع نظر یہ بات صحیح ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی پھر جب قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے نزول ہو سکتا ہے تو پھر تم اس کا انکار کیوں کرتے ہو اور اس کے انکار پر اصرار کر کے اللہ تعالیٰ کے عظیم عذاب کے مستحق کیوں ہوتے ہو پھر تم کو چاہیے کہ اس معاملہ میں غور و فکر کرو اگر دلائل سے یہ ثابت ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم اس کو ترک کر دو اور اگر دلائل سے یہ ثابت ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے تو پھر تم اپنی ضد چھوڑ دو اور اس سے اعراض کرنے کو اور اس کے ترک پر اصرار کرنے کو ترک کر دو۔

انسان کے اپنے نفسوں میں اور اس کائنات میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں

اور اس آیت میں فرمایا ہے: "ہم مقرر رب ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی 'حق' کہ ان پر مشکف ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے۔"

امام رازی نے واحدی سے نقل کیا ہے کہ آفاق افق کی جمع ہے اور افق آسمان اور زمین کے کناروں کو کہتے ہیں۔

(تفسیر کبرج ص ۳۷۵ دارالمنار ماہرات العربیہ ج ۱ ص ۱۵۵)

آفاق سے مراد ہے: آسمانوں اور ستاروں کی نشانیاں اور دن اور رات کی نشانیاں اور درختیں اور ائمہ حیروں کی نشانیاں عالم متناہی اور عالم سواد علیہ السلام کی نشانیاں اور ان میں سے اکثر کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور اپنے نفسوں سے مراد یہ ہے انسان اپنی ماں کے رحم میں کس طرح غطفہ مضطرب اور ہڈیوں کے تشکل کے مراحل سے گزر کر پیکر انسان میں ڈھلتا ہے پھر کس

طرح دودھ پیتا چمکتا ہوتا ہے پھر کم سن لڑکا ہوتا ہے پھر بالغ مرد پھر جوان پھر اوجیز عمر کا پھر بوڑھا اور پھر خاک کا ڈبیر بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں جو عجائب اور اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں وہ غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ انسان کو ان عجائب پر یسوعا فیہو ما مطلق فرماتا رہتا ہے اور دن بدن انسان کو نئے نئے حقائق معلوم ہوتے رہتے ہیں ایک زمانہ تھا جب یہ معلوم نہیں تھا کہ شوگر اور بلڈ پریشر کیا مرض ہے یہ انسان کو کیسے لاحق ہوتا ہے اور اس کا کیا علاج ہے اور کیا پرہیز ہے پھر رفتہ رفتہ یہ حقائق معلوم ہو گئے پھر ایک زمانہ تھا جب چربی کا علاج معلوم نہ تھا اب اس کا علاج دریافت ہو گیا ہے۔ پہلے چچک کا علاج معلوم نہیں تھا اب پاکستان سے چچک ختم کر دی گئی ہے اگر بچہ ماں کے پیٹ میں اڑا ہوا تو پہلے وضع حمل کی کسی صورت کا علم نہیں تھا اور ماں اور بچہ دونوں مر جاتے تھے اب سرجری کے ذریعہ اس کا علاج ہو رہا ہے اگر دل کی چاروں شریاں ہلاک ہو جائیں تو پہلے اس کا علاج ممکن نہیں تھا اب معلوم ہوا کہ انسان کی پٹلیوں میں کچھ شریاں نہیں زندہ ہوتی ہیں جنہیں پٹلیوں سے نکال کر دل کی شریاں ان کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے اس کو آپریشن ہائی پاس کہتے ہیں اور انکی بہت مثالیں ہیں۔ کینسر اور ایڈز کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا ہے۔ ہو سکتا ہے آئندہ اس کا علاج دریافت ہو جائے اسی طرح پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ ہوا کہاں تک ہے اور چاند زمین سے کتنے فاصلہ پر ہے اب یہ معلوم ہو گیا کہ دو سو میل تک ہوا ہے کہ اس کے بعد ہوا نہیں ہے اسی وجہ سے خلا نور اپنے ساتھ آکسیجن کی تھیلیاں لے کر جاتے ہیں اور اب یہ معلوم ہو گیا کہ چاند زمین سے پونے دو لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ خلا محال ہے اب ثابت ہو گیا ہے کہ خلا ایک حقیقت ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اشیاء کا وزن زمین کی کشش کی وجہ سے ہوتا ہے اور خلا میں کسی چیز کا کوئی وزن نہیں ہوتا زمین کی رفتار اور سورج اور چاند کی رفتار سے پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سورج یا چاند کو گرہن کس تاریخ کو لگے گا اور کتنی دیر گہن لگا رہے گا اور دنیا کے کس کس حصے میں اور کس کس شہر میں کتنی دیر تک دیکھا جاسکے گا غرض یہ کہ زمین اور آسمان کے متعلق سیاروں اور ستاروں کے متعلق جو پہلے ہمیں معلومات نہیں تھیں اب حاصل ہو چکی ہیں انسان کے جسم کے بارے میں جو معلومات پہلے نہیں تھیں وہ اب حاصل ہو چکی ہیں سائنسی آلات کے ذریعہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث ہے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ لنگڑا، لولا یا پانچ ہوگا یا کسی خطرناک بیماری کا حامل ہوگا۔ انسان کے جسم میں جو سیال خون ہے اس کے ٹیسٹ کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں کون کون سی بیماریاں ہیں غرض ہمیں اس عالم کبیر (خارجی کائنات) اور عالم صغیر (خود انسان) کے متعلق دن بدن نئے نئے حقائق معلوم ہو رہے ہیں۔

قرآن عقلیہ اور شواہد کے خلاف شہادت کا غیر معتبر ہونا

سائنسی علم کے ذریعہ چاند کی رویت اور پہلی تاریخ کے قصین میں بھی مدد ملتی ہے اور اس سے ہمیں شہادوں کے پرکھنے کا بھی موقع ملتا ہے کہ یہ شہادت سچی ہے یا جھوٹی ہے جب سائنسی آلات کے ذریعہ یہ معلوم ہو جائے کہ آج چاند کی تولید نہیں ہوئی ہے اور اس کی رویت ممکن نہیں ہے اور مطلق بالکل صاف ہو اور پورے ملک میں کہیں چاند نظر نہ آیا ہو اور ایسے میں چند آدمی یہ گواہی دے دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی جھوٹی ہوگی اور سائنسی حقیقات کے خلاف ان کی گواہی کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ قرآن اور شواہد کے خلاف جو گواہی دی جائے وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔

علامہ ابن قیم جوزیہ (متوفی ۷۵۱ھ) نے اس مسئلے پر کافی بحث کی ہے اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ عقلی شواہد اور دلائل کے خلاف گواہوں کی گواہی کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ علامہ ابن قیم جوزیہ کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ہمیشہ سے انہما اور خلفاء اس صورت میں چہرہ کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کرتے رہے ہیں جب اس شخص سے مال برآمد ہو جائے

جس پر چوری کا الزام ہو اور یہ قرینہ گواہوں اور اقرار سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ گواہوں میں صدق اور کذب کا احتمال ہے اور جب چور کے پاس سے مال برآمد ہو جائے تو یہ نص صریح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

(المرقۃ البکریہ ص ۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

(۲) بہت سے قرآن اور علامتیں انکار قسم سے زیادہ قوی ہوتی ہیں تو ان کو معطل کرنا کسی طرح جائز ہوگا۔ (المرقۃ البکریہ ص ۶)
(۳) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گواہوں کے علاوہ دوسرے دلائل گواہی سے زیادہ قوی ہوتے ہیں جیسے وہ حال جو صدق مدعی پر دلالت کرتا ہو کیونکہ وہ گواہ کی خبر سے زیادہ قوی دلیل ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد اور دیگر ائمہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کی طرف سفر کا ارادہ کیا جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا کہ میرا خیبر کی طرف جانے کا ارادہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے ۱۵۰ سق مجھوڑیں لے لینا (ایک وحق ساتھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار کلو کا ہوتا ہے) اور جب وہ تم سے کوئی نکاحی طلب کرے تو تم اپنا ہاتھ اپنے گلے پر رکھ دینا۔ اللہ ریث

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۶۳۲ سنن ترمذی ج ۶ ص ۸ مشکوٰۃ رقم الحدیث ۲۹۳۵)

اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات اور قرآن کو گواہی کے قائم مقام قرار دیا ہے پس شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن علامات اور دلائل احوال کو لغو قرار نہیں دیا بلکہ ان پر احکام شرع کو مرتب کیا۔ (المرقۃ البکریہ ص ۱۰)
(۴) نیز اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم جوزی نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا جس پر یہ الزام تھا کہ اس نے آپ کی ام ولد سے زنا کیا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ غصبی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر عمل کرنے کو ترک کر دیا۔ (المرقۃ البکریہ ص ۱۰)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا تہمت سے بری ہونا

علامہ ابن قیم جوزی نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد کے ساتھ مقیم کیا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: جاؤ اس کی گردن اڑاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے تو وہ ششک حاصل کرنے کے لیے ایک کنویں میں غسل کر رہا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: نکلو اور اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو نکالو دیکھا تو اس کا عضو تناسل کٹا ہوا تھا پھر حضرت علی اس کو قتل کرنے سے رک گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ عرض کیا اور کہا: یا رسول اللہ! اس کا عضو تناسل تو کٹا ہوا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۴۱۷۷ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۱ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۵ رقم الحدیث ۳۸۹۹ مؤسسۃ الرسل بیروت ۱۴۱۹ھ لکھنؤ رک ج ۳ ص ۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس ام ولد کا ذکر ہے وہ حضرت ہاریرہ قبیلہ تمیم ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت امیر المومنین پیدا ہوئے تھے۔ (الطبقات البکریہ ج ۸ ص ۷۷ دارالکتب العلمیہ بیروت)
علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وہ شخص منافق تھا اور کسی وجہ سے قتل کا مستحق تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خنایا کسی اور سبب سے اس کے قتل کا حکم دیا تھا نہ کہ زنا کے سبب سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سمجھ کر اس کے قتل سے رک گئے کہ آپ نے اس کے زنا کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم دیا تھا اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اس نے زنا نہیں کیا ہے۔ (شرح مسلم نووی ج ۳ ص ۳۸۸ مع الطالع کراچی ۱۳۷۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ نووی اور دیگر شارحین کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے اس کے خلاف یا کسی اور سبب سے اس کے قتل کا حکم دیا تھا نہ کہ زنا کے سبب ہے، کیونکہ اگر یہ وجہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو دوبارہ اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجتے اور صحیح بھی ہے کہ اس شخص پر یہ تہمت تھی کہ اس نے حضرت ماریہ سے زنا کیا ہے اور آپ کے نزدیک یہ بات گواہوں سے ثابت ہو گئی تھی اس لیے آپ نے حضرت علی کو اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوگوں نے اس شخص پر حضرت ماریہ قبلیہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اس تہمت کا بھی کوئی سبب ہونا چاہیے اور اس کو قتل کرنے کی بھی کوئی وجہ ہونی چاہیے تہمت کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص قبلی تھا اور چونکہ حضرت ماریہ بھی قبلیہ تھیں اس لیے ہم جنس اور ہم زبان ہونے کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے سے ملے جلتے تھے اور ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے تھے اس وجہ سے لوگوں نے اس پر تہمت لگا دی اور یہی اس کو قتل کرنے کی وجہ تو امام رازی نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں اس کا مصداق کر دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے آپ کے نزدیک گواہوں سے یہ ثابت ہو گیا ہو کہ اس شخص نے حضرت ماریہ کے ساتھ زنا کیا ہے اس لیے آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔ لیکن جب حضرت علی نے یہ دیکھا کہ اس کا مصداق ہوا ہے تو انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور اس پورے واقعہ میں حکمت یہ تھی کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور آپ کی ام ولد اس تہمت سے بری ہیں (جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے حضرت صفوان بن محصل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی حالانکہ حضرت صفوان نے بعد میں بتایا کہ وہ نامرد ہیں اور اس فعل کے اہل ہی نہیں ہیں صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۷۵۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۳۸ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۰) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے حقیقتاً اس کو قتل کرنے کا حکم نہ دیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہو کہ اس کا آلہ کتا ہوا ہے اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے اس کے قتل کا حکم دیا ہوتا کہ اس کا معاملہ مخفی ہو جائے اور آپ کے حرم سے تہمت دور ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو قتل نہیں کریں گے اور حضرت علی پر اس شخص کا نااہل ہونا مخفی ہو جائے گا جیسا کہ اس کنویں میں اس کو برہنہ دیکھنے سے حضرت علی پر مخفی ہو گیا اور ہاؤ جو علم کے آپ نے حضرت علی کو اس لیے حکم دیا تھا کہ حضرت علی بھی اس چیز کو دیکھ لیں اور ان کے نزدیک بھی آپ کی حرم محترم حضرت ماریہ قبلیہ رضی اللہ عنہا کی اس تہمت سے برأت ثابت ہو جائے۔ (اکمال المعجم ج ۸ ص ۲۱۷-۲۱۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ) بیروت ۱۴۱۵ھ اکمال المعجم ج ۸ ص ۲۱۷-۲۱۹ اکمال المعجم ج ۸ ص ۲۱۷-۲۱۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

قاضی عیاض مالکی کی شرح کی تائید امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ کی اس روایت میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں ان کے بالا خانے میں ایک قبلی آیا کرتا تھا وہ ان کو پانی اور ٹکڑیاں لا کر دیتا تھا لوگ اس کے متعلق چہ چہ گوئیاں کرنے لگے کہ ایک گجھی مرد گجھی عورت کے پاس آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو بھیجا اس وقت وہ قبلی ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا اس نے جب حضرت علی کے ہاتھ میں کھوار دیکھی تو وہ گھبرا گیا اور گھبراہٹ میں اس کا تہبند کھل کر گر گیا اور وہ عریاں ہو گیا حضرت علی نے دیکھا اس کا آلہ کتا ہوا تھا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی اور کہنا یا رسول اللہ! جب آپ ہم میں سے کسی شخص کو کسی

کام کا حکم دیں پھر وہ شخص اس کام میں اس کے خلاف کوئی معاملہ دیکھے تو کیا وہ شخص آپ کے پاس (وہ کام کے بغیر) واپس آ جائے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر حضرت علی نے بتایا کہ انہوں نے دیکھا کہ اس قبیلے کا تو آلہ کتا ہوا تھا حضرت انس نے کہا: پھر حضرت مارہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت ابو نعیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی پھر حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: السلام علیک اے ابو نعیم! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو گئے (کہ حضرت مارہ پاک دامن ہیں اور ان سے آپ ہی کے بیٹے کا تولد ہوا ہے)۔ (المطالعۃ الکبریٰ ج ۸ ص ۷۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

ہر چند کہ مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ قبیلے کی کنوین میں نہا رہا تھا اور امام ابن سعد کی روایت میں ہے کہ وہ گھوڑے کے درخت پر تھا لیکن بنیادی چیز میں دونوں روایتیں متحد ہیں کہ اس قبیلے کی وجہ سے لوگوں نے حضرت مارہ کو تہم کیا تھا اور لوگوں نے اس کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہادت دی جیسا کہ شارحین نے ذکر کیا ہے اور اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر کے آئیں اور اس موقع پر حضرت علی نے اس کو برہنہ دیکھ لیا اور معلوم ہو گیا کہ اس کا آلہ کتا نہ تھا اس لیے اور اس سے حضرت مارہ قبیلہ رضی اللہ عنہا کی برائت ثابت ہو گئی۔

تاہم ان دونوں حدیثوں سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جب کوئی شہادت قرآن اور شواہد کے خلاف ہو تو اس شہادت کا شرعاً اعتبار نہیں کیا جاتا فقہاء اسلام بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اگر گواہوں کی گواہی قرآن اور شواہد کے خلاف ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا۔ فقہاء اسلام کی تصریحات حسب ذیل ہیں۔

قرآن عقلیہ اور شواہد کے خلاف شہادت کے غیر معتبر ہونے کے متعلق فقہاء اسلام کی تصریحات

علامہ ابن قدامہ حنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کلام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہ موقف ہے کہ اگر چار گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں عورت نے زنا کیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عورت کنواری ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر چار گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں شخص نے زنا کیا ہے لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اس کا آلہ کتا ہوا ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

(المغنی ج ۸ ص ۷۷ دارالمنیر بیروت ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کی تصریحات حسب ذیل ہیں:

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

الحرمی نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر چار آدمیوں نے کسی عورت کے خلاف زنا کی شہادت دی اور چار

نیک عورتوں نے یہ بتایا کہ وہ کنواری ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ (المواہب اللکبریٰ ج ۷ ص ۸۱ دارالمنیر بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۷۶ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۷ ص ۳۱۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

فقہاء احناف نے اپنی متعدد کتب میں یہ لکھا ہے کہ کسی عورت کے خلاف چار مردوں نے گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے

پھر بعد میں ثابت ہو گیا کہ وہ کنواری ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی مرد کے خلاف چار مردوں نے گواہی

دی کہ اس نے زنا کیا ہے پھر بعد میں ثابت ہوا کہ اس کا آلہ کتا ہوا ہے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ یہ تصریحات فقہاء

احناف کی درج ذیل کتب میں مذکور ہیں۔ (المبسوط ج ۱ ص ۷۰۰؛ البدایہ والنہای ج ۲ ص ۲۳۹؛ التلخیص ج ۱ ص ۱۳۶؛

فتح القدیر ج ۵ ص ۲۷۳؛ البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲؛ تبیین الحقائق ج ۳ ص ۵۹۸؛ تالیف شامی ج ۳ ص ۲۲؛ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۵۵؛ المستدرک ج ۱ ص ۲۵۳؛

المحرر الحنفی ج ۳ ص ۱۲۵؛ البیان ج ۶ ص ۲۸۷؛ حاشیہ المصنف علی الدر المختار ج ۳ ص ۳۰۰؛ عالمگیری ج ۳ ص ۱۵۳)

فقہاء اسلام کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ جب کوئی شہادت قرآن عظیمہ اور شواہد کے خلاف ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا اسی طرح اگر ماہرین فلکیات اور محکمہ موسمیات والے بتائیں کہ آج چاند کی تولید نہیں ہوئی ہے اور اس کی رویت ممکن نہیں ہے اور چند آدمی یہ گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی مردود ہوگی۔

اسی طرح اس مسئلہ پر عقلی دلیل یہ ہے کہ:
اگر کسی مقتول کے پاس ایک فحش پستول بدست کھڑا ہو اور دو گواہ یہ گواہی دیں کہ اس نے اپنے پستول سے فائر کر کے اس کو ہلاک کیا ہے اور بعد میں پستول مارٹر کی رپورٹ ہے یہ کہ اس مقتول کے جسم سے جو گولی برآمد ہوئی ہے وہ اس کے پستول سے نہیں چلائی گئی تو ان گواہوں کی گواہی جموئی قرار پائے گی اور اس فحش پستول کو ہار کر دیا جائے گا۔
اس ضمنی بحث کے بعد اب ہم پھر اصل تفسیر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

آفاق اور انفس کی نشانیوں کا تجزیہ

اس آیت میں جو فرمایا ہے: ”ہم عترتِ ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں اور خود ان کے انفس میں“۔ اس آیت سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں اور حسب ذیل فوائد مستنبط ہوتے ہیں:

- (۱) حقوق اس وقت تک اللہ کی نشانیاں کو از خود نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نشانیاں نہ دکھائے۔
- (۲) اللہ تعالیٰ نے آفاق کو پیدا کیا اور انسان کو اپنی آیات کا مظہر بنایا۔
- (۳) انسان کا انفس اللہ تعالیٰ کی آیات کی مظہریت کے لیے آئینہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی نشانیاں دکھانا چاہتا ہے تو اس کے انفس میں اپنی نشانیاں دکھا دیتا ہے۔

(۴) عوام کے اعتبار سے جب انسان کا نکات میں بار بار دن اور رات کے توار کو دیکھتا ہے اسی طرح اس کا نکات میں واقع اور حادث ہونے والی چیزوں کو دیکھتا ہے اور اپنے اندر تغیرات کو دیکھتا ہے کہ وہ پیدا ہوا پھر اس پر بچپن آیا پھر جوانی آئی پھر بڑھاپا آیا اس سے اس پر یہ مشکلف ہو جاتا ہے کہ وہ خود بھی حادث ہے اور یہ سارا جہان بھی حادث ہے اور ہر حادث کا کوئی پیدا کرنے والا ہوتا ہے اور انسان کی اپنی زندگی کا یکساں نظام اور اس کا نکات کے نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس کا نکات کا ناظم اور خالق بھی واحد ہے۔

(۵) خواص کے اعتبار سے جب وہ اپنے قلوب پر مشاہدہ حق کی مختلف تجلیات دیکھتے ہیں اور ان پر قبض اور بسط کی مختلف تجلیات وارد ہوتی ہیں، سمجھی ان کے قلوب پر حجاب اور ستر ہوتا ہے اور کبھی غلی اور انکشاف ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ ان پر غیب کے اسرار کھول دیتا ہے اور کبھی ان کو دلائل اور براہین کا مطالعہ کراتا ہے تو ان کو اس میں شک نہیں رہتا کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

(۶) اور انفس الخواص کے اعتبار سے انفس کا بشری حجابات کے اندھیروں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات اور اس کی صفات کے جلال اور جمال کی روشنی کی طرف نکلتا ہے اسی لیے فرمایا: ”کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ان کا رب ہر چیز پر شہید (گواہ) ہے“ یعنی اس نے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھا کر اپنی ذات اور صفات سے حجابات دور کر دیئے ہیں اور ہر چیز پر اللہ کے گواہ ہونے پر جو غفلت اور جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے ان پر وہوں کو اٹھا دیا ہے اور ان کو اس میں کوئی شک نہیں رہے گا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور وہ ہر چیز کو محیط ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی چیز کے لیے

مجی فرماتا ہے تو وہ چیز اس کے سامنے عاجزی کرتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۲ مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۹۳ صحیح ابن خزیمرہ رقم الحدیث: ۱۲۰۳)

ختم السجدہ: ۵۴ میں فرمایا: ”سنو بے شک ان کو اپنے رب سے ملاقات میں شک ہے“ سنو وہ ہر چیز پر محیط ہے ”O“
اس آیت میں شک کے لیے ”موبہ“ کا لفظ ہے۔ مرید اس قوی شک کو کہتے ہیں جس سے تردد پیدا ہو جائے۔ کفار مکہ کو
مرکز دوبارہ اٹھنے کے متعلق بہت شکوک اور شبہات تھے قرآن مجید کی متعدد آیات میں ان شکوک اور شبہات کو اللہ تعالیٰ نے
زائل فرما دیا ہے۔

نیز فرمایا: سنو وہ ہر چیز پر محیط ہے یعنی وہ معلومات غیر متناہیہ کا عالم ہے، پس وہ کفار کے ظاہر اور باطن کو جاننے والا ہے اور
ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا اگر اس نے نیک عمل کیے ہوں گے تو اس کو نیک جزاء ملے گی اور اگر اس کے
اعمال برے ہوں گے تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

ختم السجدہ کا خاتمہ

آج بروز جمعہ ۲۵ رمضان ۱۴۲۳ھ ۲۶ نومبر ۲۰۰۲ء بدقت محروسہ ختم السجدہ کی تفسیر ختم ہو گئی فالحمد للہ رب العالمین۔
اللہ العظیم! اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرماتا اور قیامت تک اس کو اثر آفرین رکھنا اور موانعین کے لیے اس کو موجب
طمانیت و استقامت بنانا اور مخالفین کے لیے اس کو موجب رشد و ہدایت بنانا اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرما دینا۔
اس سال ۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ ۷ اگست ۲۰۰۲ء شب جمعہ کو میری والدہ رحمہا اللہ رحلت فرما گئیں (اللہ تعالیٰ ان کی
مغفرت فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادے)۔ قارئین سے اتنا اس ہے کہ ایک بار سورۃ فاتحہ اور
تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری والدہ کو پہنچادیں اور ان کی مغفرت کی دعا کریں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا
ہوں کہ اسے بارالہ! جس طرح آپ نے یہاں تک قرآن مجید کی تفسیر مکمل کرا دی ہے باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

غلام رسول سعیدی غفرلہ
کراچی۔ ۳۸



سُورَةُ الشُّورَى

(۴۲)

سُورَةُ الزُّحُرْفِ

(۴۳)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ ونصلیٰ ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

الشوریٰ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الشوریٰ ہے 'شوریٰ' کا معنی مشورہ ہے اس سورت کی ایک آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمان اپنے کام یا بھی مشورے سے کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے:

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْوَالُهُمْ
شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَهُمْ لَا يَسْتَفْخِمُونَ ○ (الشوریٰ: ۳۸)

اور وہ لوگ جو اپنے رب کے احکام کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے (ہر) کام کو باہمی مشورے سے کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خفیہ کرتے ہیں ○

اس آیت میں یہ جہید کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو زندگی کا ہر اہم کام یا بھی مشورہ سے کرنا چاہیے کیونکہ ہر شخص نہ عقل کل کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہر شخص کی ہر رائے صائب اور صحیح ہوتی ہے ایک گھرانے کے سربراہ کو گھر کے دوسرے بڑوں سے مشورہ کرنا چاہیے ایک شہر کے سربراہ کو اور اسی طرح ایک ملک کے سربراہ کو دوسرے بڑوں سے مشورہ کرنا چاہیے اور جو کام اور جو ہم درپیش ہوں اس کام میں اس کے ماہرین اور ارباب حل و عقد سے مشورہ کرنا چاہیے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے لیے ان چھ اصحاب کی کئی مقرر فرمادی تھی جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے وقت راضی تھے حدیث میں ہے:

عمر و بن یمن اودی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ذبحی ہونے کے بعد) فرمایا: میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس خلافت اور حکومت کا ان سے زیادہ مستحق ہو جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے پس جس کو وہ لوگ خلیفہ مقرر کر دیں وہی شخص خلیفہ ہو گا سو تم لوگ اس کے احکام کو غور سے سنا اور اس کی اطاعت کرنا پھر حضرت عمر نے ان اصحاب کے نام لیے: حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ اللہ عیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۲)

اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں حکومت کی تشکیل اور اجتماعی نظام کی اساس شورا ایت پر ہے خواہ یہ حکومت عام انتخابات کے ذریعہ وجود میں آئی ہو جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو عام مسلمانوں نے منتخب کیا تھا یا سابق خلیفہ نے کسی اہل فہم کو نامزد کر دیا ہو جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تھا یا ارباب حل و عقد نے کسی اہل فہم کو اپنا امیر اور سربراہ مقرر کر لیا ہو جیسے ان چھ اصحاب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر اور سربراہ حکومت مان لیا تھا اسلام میں حکومت کے تقرر کی یہی تین صورتیں ہیں تاہم ملوکیت اور بادشاہت کی بھی اسلام میں صحیحائش ہے کہ کوئی مسلمان شخص اپنی طاقت سے غالب ہو کر اقتدار پر قابض ہو جائے اور مسلمان اس کو اپنا امیر اور سربراہ

تکلیفوں کی تکلیفوں کو قبول کرنا اور انہوں کی نمائندوں سے درگزر کرنا حضرت معاویہ نے کہا: جب سے مجھے یہ توقع تھی کہ مجھے اقتدار پہلے کا حتیٰ کہ میں اس منصب پر فائز ہو گیا وہ (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱ ص ۶۳) نے رقم اللہ ص ۱۳۵ (تبرہ)

ہمارے زمانہ میں شوریائیت اور طوکیٹ کی بحث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت زبان طعن و راز کی جاتی ہے اس لیے میں نے مناسب جانا کہ میں اس مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چند احادیث کا ذکر کروں۔

اس سورت کے شروع میں تم ۵ عقیق کے الفاظ ہیں اس وجہ سے اختصار اس سورت کو "عقیق" بھی کہا جاتا ہے۔

الشوریٰ کا زمانہ نزول

جمہور علماء اور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے "قل لا اسئلكم علیہ اجر الا المودة فی القربی" (الشوریٰ: ۲۳-۲۴) کو مدنی آیات میں شمار کیا ہے۔ مقال نے کہا ہے کہ "ولو بسط اللغة الرزق لعباده" (الشوریٰ: ۲۷) مدنی ہے نیز انہوں نے کہا ہے کہ "والسین اذا اصابهم البلی" (الشوریٰ: ۳۰-۳۱) مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے 'الشوریٰ' سورۃ الکہف کے بعد اور سورۃ ابراہیم سے پہلے نازل ہوئی ہے نزول قرآن کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۲ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۴ ہے۔

مقال نے کہا ہے کہ اس سورت کا نزول بیٹھ نبوی کے آٹھویں سال میں ہوا ہے جب اہل مکہ سے ہارش روک لی گئی تھی اور بیٹھ نبوی کے نویں سال تک اس کا نزول جاری رہا اس وقت نقباء انصار مدینہ سے مکہ حاضر ہو کر لیلۃ العقبہ میں مشرف پا اسلام ہو چکے تھے۔

الشوریٰ کے مقاصد اور مباحث

اس سورت کے مقاصد اور مباحث حسب ذیل ہیں:

☆ اس سورت کے شروع میں تم عقیق لاکر یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ قرآن بھی ان ہی الفاظ سے مرکب ہے جن الفاظ سے تم کلام بتاتے ہو اگر تمہارے دعویٰ کے مطابق یہ قرآن کسی انسان کا بتایا ہوا کلام ہے اور اللہ کا کلام نہیں ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ۔

☆ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی ہے جیسا کہ اس سے پہلے رسولوں پر وحی نازل فرماتا رہا ہے تاکہ آپ مکہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو قیامت سے ڈرائیں۔

☆ بے شک تمام آسمانوں اور تمام زمینوں کی چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی زیر سلطنت ہیں اور اس کی قدرت کا کوئی حرام اور مخالف نہیں ہے اور نہ اس کی حکمت میں کوئی شک ہے اور تمام زمین و آسمان اس کے حکم کے تابع فرمان ہیں پس وہ جس شخص کو چاہے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب فرما لیتا ہے سو جس طرح اس نے اس سے پہلے زمانوں میں رسولوں کو منتخب فرمایا تھا اسی طرح اس نے اس زمانہ کے لوگوں کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے لیے منتخب فرمایا ہے اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی رسول بھیجے تھے تو اگر اس نے اہل مکہ کے لیے ایک انسان اور بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو اس میں کون سی عجب کی یا انہونی بات ہے۔

☆ مشرکین جو آپ کی دعوت سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لارہے ان کے پاس سوائے اپنے آباء و اجداد کی انہی تھلید کے اور کوئی دلیل نہیں ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر دلائل قائم فرمائے کہ جب تم صلح سمندر پر کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے ہو تو وہی تمہاری کشتیوں

کوروں دواں رکھتا ہے اور تم کو سلامتی کے ساتھ ساحل پر پہنچاتا ہے اور انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی دی ہے کہ کفار کی تکذیب سے آپ پریشان نہ ہوں ان کافروں کی تکذیب کا اللہ تعالیٰ حساب لے گا اور ان کی مخالفت کی ان کو سزا دے گا۔

☆ جو شخص آخرت کے لیے عمل کرے گا اور نہ کرے گا اور اہل علم سے بچے گا اور انتقام پر قدرت کے باوجود معاف کر دے گا اور اپنے رب کے احکام کو مانے گا اور نماز کو قائم کرے گا اور اہل علم سے خیر کے کاموں میں مشورہ کرے گا اور غلاموں اور سرکشوں کو سزا دے گا اور اگر بدلہ لینے کی نوبت آئی تو اس میں تجاوز نہیں کرے گا سوائے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

☆ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے اور اس کے احکام کو قبول نہیں کرتے وہی دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

سورۃ الشوریٰ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے سورۃ الشوریٰ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اللہ المصلحین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم اور باطل سے مجتنب رکھتا۔ (آمین)

قلام رسول سعیدی غفرلہ

۲ شوال ۱۴۲۴ھ ۲۷ نومبر ۲۰۰۳ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۳۵-۲۱۲۰۶۱۷

۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۶۳





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



سورہ اعراس کی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان ہے اور اس میں تدریجاً آیتیں پڑھائی گئی ہیں

حَمْدٌ ۝ عَسَىٰ ۙ كَذٰلِكَ يُوْحٰى اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۝

۝ محسن ۝ اللہ بہت غالب اور بہت حکمت والا ہے وہ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے رسولوں

اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ

کی طرف وحی نازل فرماتا رہا ہے ۝ اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور وہ

الْعَلِیُّ الْعَظِيْمُ ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَقَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ

بہت بلند اور بہت عظیم ہے ۝ عنقریب آسمان (اس کی ہیبت سے) اپنے اوپر پھٹ پڑیں گے اور فرشتے اپنے

الْمَلٰئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۝

رہب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں اسنوا ہے شک اللہ ہی

اَلَا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ

بہت بچھے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے ۝ اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنا لیا ہے

اَوْ لِيَّاءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۙ وَكَذٰلِكَ

اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ۝ اور ہم نے اسی طرح

اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۝

آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو عذاب

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لَا رَيْبَ فِیْهِ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی

سے ڈرا جائیں اور اسی طرح آپ یوم حشر کے عذاب سے ڈرائیں جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے (اس دن) ایک گروہ

السَّعِیْرِ ۙ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلْنٰهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّٰكِنْ يُّدْخِلُ

جنت میں ہو گا اور ایک گروہ دوزخ میں ہو گا ۝ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک گروہ بنا دیتا لیکن اللہ جس کو

مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرنا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار ۝

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي

کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے؟ پس اللہ ہی مددگار ہے اور وہی

الْمَوْتِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَنْ﴾ ۝ ﴿عَلَّمَ﴾ اللہ بہت غائب اور بہت حکمت والا ہے وہ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف وہی نازل فرماتا رہا ہے ۝ اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے ۝ (الشمس: ۱-۳)

﴿مَنْ﴾ ۝ ﴿عَلَّمَ﴾ کی تاویلات

الشمس: ۱-۳ میں جو حروف مقطعات ذکر کیے گئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے اسماء کی طرف اشارہ ہے ح سے عظیم حافظ اور حکیم کی طرف اشارہ ہے 'م' سے ملک 'ماجد' 'مجید' 'مٹان' 'مؤمن' اور ممکن کی طرف اشارہ ہے اور ح میں ان سب اسماء کے ابتدائی حروف ہیں اور عین سے عالم 'عظیم' عدل اور عالی کی طرف اشارہ ہے اور سین سے سید 'سیح' اور سرچ 'الصاب' کی طرف اشارہ ہے اور قاف سے قادر 'قدیر' 'قادر' قریب اور قدس کی طرف اشارہ ہے اور صق میں ان سب اسماء کے ابتدائی حروف کی طرف اشارہ ہے۔ (لغات الاشارات ج ۳ ص ۱۵۸ و ۱۵۹ کتاب الخطبہ 'نور' ص ۱۳۳) .

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے ان حروف مقطعات کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ اس روایت کا ذکر کیا ہے:

ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اس وقت ان کے پاس حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اس شخص نے حضرت ابن عباس سے ان حروف کی تفسیر پوچھی حضرت ابن عباس نے کچھ دیر سر جھٹکایا پھر فرمایا 'بجیر لیا' اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا حضرت ابن عباس نے پھر اس سے منہ پھیر لیا اور اس کے سوال کو نہ جواب دیا اس شخص نے پھر تیسری بار سوال کیا انہوں نے اس کو پھر کوئی جواب نہیں دیا تب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا: میں تو کو ان حروف کی تفسیر بتاتا ہوں اور یہ بھی بتاتا ہوں کہ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر کے سوال کو کیوں نہ کیا جانا دراصل یہ حروف مقطعات ان کے اہل بیت میں سے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئے ہیں اس شخص کو عبد اللہ یا عبد اللہ کہا جائے گا وہ مشرق کے دریاؤں میں سے ایک دریا کے پاس اترے گا وہ وہاں دوشہر بسائے گا ان دوشہروں کے درمیان دریا بہتا ہوگا جب اللہ تعالیٰ اس شخص کے ملک اور اس کی حکومت کے زوال کا ارادہ فرمائے گا تو ان دونوں شہروں میں سے ایک شہر پر رات کے وقت ایک آگ آئے گی جس شہر کو جلا کر رکھ دے گی وہاں کے لوگ اس شہر کو کچھ کر توجہ کریں گے اسے کچھ کریں گے گا جیسے یہاں پر کبھی کبھار تھای نہیں اس شہر میں صبح کے وقت تمام سرکش اور تکبر لوگ جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان تکبرین سے

اس فقرہ کے تمام نو کوئی کو جلا کر خاکستر کر دے گا۔ ہم کا معنی یہ ہے کہ یہ عزیمت ہے اور ایسا ہونا ضروری ہے اور عسقلیٰ میں سین سے مراد عدل ہے، سین سے مراد ہے "میسکون" یعنی مغرب ایسا ہوگا اور قاف سے مراد ہے یہ واقعہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حروف مقطعات میں ان دو شہروں کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۱۰-۱۱۱ رقم الحدید: ۲۳۹۳۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو اسحاق اصفہانی التوفی ۳۲۷ھ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(المکتف والبیان ج ۸ ص ۳۰۲ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۱۵ الحدید اشکور ج ۷ ص ۲۸۹ روح البیان ج ۸ ص ۲۸۱ روح المعانی ج ۲ ص ۱۷۷) تاہم کسی مستند ماخذ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون سے دو شہر ہیں جن کی ہلاکت کا ان حروف میں اشارہ ہے اور نہ کسی اور معتبر ذریعہ سے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تائید ملے گی۔

علامہ اسماعیل حقی نے لکھا ہے کہ اس دریا سے مراد دریا و جلد ہے عراق میں و جلد کے کنارے و جلد اور و جلد نام کے دو شہر تھے ان کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا اس روایت میں وہی مراد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب علامہ ابو الحسن علی بن محمد الحدادی التوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

ان حروف مقطعات کی سات تاویلات ہیں:

(۱) قتادہ نے کہا: ہم O حق قرآن مجید کے اسماء میں سے اسم ہیں (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اللہ عزوجل کے اسماء میں سے وہ اسم ہیں جن کی اس نے قسم کھائی ہے (۳) مجاہد نے کہا: یہ اس سورت کے افتتاحی الفاظ ہیں (۴) عبد اللہ بن ربیعہ نے کہا: یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو تمام دنیا کو محیط ہے (۵) محمد بن کعب نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے قطعات ہیں اور اسم رحمن کا قطعہ ہے "مین عظیم کا" سین قدوس کا اور قاف قاهر کا قطعہ ہے (۶) عطاء نے کہا: ان حروف میں مستقبل کے حوادث کی طرف اشارہ ہے "عاسے حرب یعنی لڑائیوں کی طرف اشارہ ہے اور میم سے ٹھکوں کے متعلق ہونے کی طرف اشارہ ہے "مین سے عدو یعنی دشمنوں کی طرف اشارہ ہے "مین سے سینین یعنی قتلوں کے سال کی طرف اشارہ ہے اور قاف سے زمین کے بادشاہوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف اشارہ ہے (۷) ان حروف سے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حکایت کی طرف اشارہ ہے کہ مشرق میں دریا کے کنارے ایک شہر ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دے گا "ہم کی تاویل ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے عزیمت ہے یعنی ایسا ضرور ہوگا اور مین کی تاویل ہے کہ وہ اس کا عدل ہے سین کی تاویل ہے میسکون یعنی مغرب ایسا ہوگا اور قاف کی تاویل ہے: یہ خبر واقع ہوگی۔

(المکتف والبیان ج ۸ ص ۱۹۴-۱۹۵ دار الفکر بیروت)

دراصل علماء کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر نقطہ کے اسرار اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے ہر عالم نے اپنے ذوق اور حراج کے مطابق ان حروف مقطعات کی حقیقت تک رسائی کی کوشش کی ہے اور میرا نظریہ یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں اور ان کا علم ان ہی کو ہے۔

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

الثوری: ۳ میں فرمایا: "اللہ بہت حکمت والا ہے وہ اسی طرح آپ کی طرف اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی نازل فرماتا رہا ہے۔"

یعنی جس طرح اس سورت میں آیات کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام سورتوں میں آیات کو بیان فرمائے گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ پہلے رسولوں کی طرف بھی اپنی آیات کی وحی نازل فرماتا رہا ہے۔

اس آیت میں وحی کا لفظ ہے ہم اس کی تفسیر میں وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور وحی کے حلق احادیث ذکر کریں گے۔ وحی کا لغوی معنی ہے: غیبی طریقہ سے خبر دینا نیز وحی کا معنی ہے اشارہ کرنا لکھنا پیغام دینا الہام کرنا اور پرشیدہ طریقہ سے کلام کرنا۔

اور اصطلاح شرع میں وحی کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس نے اپنے انبیاء میں سے کسی نبی پر نازل فرمایا اور رسول اس نبی کو کہتے ہیں جس پر کتاب یا صحیفہ نازل کیا گیا ہو اور نبی اسے شخص کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے خبریں دے خواہ اس کے پاس کتاب نہ ہو رسول کی مثال ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کی مثال ہے جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۳۹ دارالکتب المصریہ، ص ۱۳۲)

وحی کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی میرے پاس وحی کھنکی کی آواز کی طرح آتی تھی اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی تھی جب وہ وحی مجھ سے منتقل ہوتی تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا تھا اور کبھی میرے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں آتا تھا وہ مجھ سے کلام کرتا رہتا اور میں اس کو یاد کرتا رہتا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ سخت سردی کے دن بھی جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو وحی منتقل ہونے کے بعد آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۳، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۲۲، جامع المسانید واسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۸۱۸)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح ظاہر ہو جاتی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تمنا کی محبت پیدا کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر تنہائی میں عبادت کرنے لگے۔ کئی کئی راتیں غار میں رہتے اور خود رویش کا سامان ساتھ لے جاتے (جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جاتیں تو) حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے آ کر اور چیزیں لے جاتے۔ اسی دوران غار حرا میں اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی۔ فرشتے نے آ کر آپ سے کہا: پڑھئے! آپ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاپا کہ پھر فرشتے نے زور سے گلے لگا کر مجھے بھیجتا پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھئے! میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں حضور فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے دوبارہ مجھے پکار کر دیا حتیٰ کہ مجھے تنہا دیا پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھئے! میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے تیسری بار مجھے پکار کر دیا حتیٰ کہ مجھے تنہا دیا پھر مجھے چھوڑ کر کہا: "اقرأ باسم ربك الذي خلق" (اے رب کے نام سے پڑھئے جو خلق O اقرأ O الذي علم بالقلم O علم الانسان ما لم يعلم) (اے رب کے نام سے پڑھئے جو خالق ہے جس نے انسان کو گوشت کے ٹکڑے سے پیدا کیا پڑھئے! آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے جس نے لکھنا سکھایا اور انسان کو وہ باتیں بتائیں جو وہ نہیں جانتا تھا)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کو لے کر حضرت خدیجہ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ آپ پر لگی طاری تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کپڑا اڑھاؤ مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ مگر

والوں نے آپ کو پکڑے اور دعائے "حقی" کہ آپ کا خوف ڈور ہو گیا۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو تمام ماجرا سنایا اور فرمایا: اب میرے ساتھ کیا ہوگا؟ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا: ہرگز نہیں! آپ کو یہ نیک مہارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ خدا کو ادا ہے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں بچ بچہ بچہ ہیں کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں نادار لوگوں کو مال دیتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور اور حلق میں معصیت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں پھر حضرت خدیجہ حضور کو اپنے بچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب پر تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور چٹائی جاتی رہی تھی حضرت خدیجہ نے ان سے کہا: اے چچا! اپنے بھتیجے کی بات سنے ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وحی ملنے کا تمام واقعہ سنایا ورقہ نے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس وحی لے کر آیا تھا۔ کاش! میں جو ان ہوتا کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھ کو واقعی نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں۔ جس شخص پر بھی آپ کی طرح وحی نازل ہوئی لوگ اس کے دشمن ہو جاتے تھے اگر زمانہ نے مجھ کو موقع دیا تو میں اس وقت آپ کی انتہائی قوی مدد کروں گا پھر کچھ دنوں بعد ورقہ فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۰۰ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۷۱ جامع المسانید والنسخ مسند: لشکر رقم الحدیث: ۱۳۷۹) حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! مجھے قرآن دینا گیا ہے اور اس کی مثل اور وحی کی گئی ہے سنو! عترتِ ایک حکم میری آدمی اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ہے کہ اس قرآن کے احکام کو لازم رکھو اس میں جن چیزوں کو حلال فرمایا ہے ان کو حلال قرار دو اور اس میں جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے ان کو حرام قرار دو۔ حالانکہ جن چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے وہ چیزیں اسی طرح حرام ہیں جس طرح اللہ نے حرام فرمایا ہے اور سنو میں تمہارے لیے پانچ گدھوں کو حلال نہیں کرتا اور تمہارے لیے چکلیوں سے کھانے والے درندوں کو حلال کرتا ہوں اور نہ ذمی کی گری پڑی چیز کو حلال کرتا ہوں ماسوا اس صورت کے کہ اس کا مالک اس سے مستغنی ہو اور جو شخص کسی علاقے کے لوگوں کے پاس جائے اس کی ضیافت کرے ان لوگوں پر لازم ہے اگر وہ اس کی ضیافت نہ کریں تو اس کے لیے ہرگز ہے کہ وہ اپنی ضیافت کی مقدار پر طور سزا اس سے وصول کر لے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۰۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۶۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۱-۱۳۰) یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب وہ شخص حالتِ اضطراب میں ہو اور اس کو ذوقِ حیات برقرار رکھنے کے لیے کھانے کی کوئی چیز نہ مل سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجال کذاب ہوں گے جو تم کو انکی احادیث سنائیں گے جو تم نے اس سے پہلے نہیں سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے تم ان سے جنتِ ربنا کہیں وہ تمہیں گم راہ نہ کر دیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (صحیح مسلم: المقدیم ص ۱۵۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو لازم رکھا اس کو سوشیدوں کا اجر ملے گا۔

(انکال لابن عدی ج ۳ ص ۷۲ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۰۰ الترمذی ج ۱ ص ۸۰)

اللہ تعالیٰ علی الاطلاق عظیم اور بلند ہے

اشعری ۳۲ میں فرمایا: "اسی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے۔" آسمانوں اور زمینوں میں جس قدر حقوق ہے سب کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے اور وہی سب کا مالک ہے اور ہر ظاہر اور ہر غیبی چیز کا عالم ہے اور وہ بہت بلند ہے یعنی لوگوں کے ادراک اور ان کی عقل اور فہم سے وہ بہت بلند ہے کیونکہ کسی کی ذات اس کی ذات کی مثل ہے اور نہ کسی کی کوئی صفت اس کی صفات کی مثل ہے اور نہ کسی کا نام اس کے نام کی مثل ہے اور نہ کسی کا کوئی فعل اس کے افعال کی مثل ہے۔

نیز فرمایا کہ وہ عظیم ہے کیونکہ اس کے ذکر کے سامنے ہر چیز کا ذکر صغیر ہے، نبی اپنی امت میں عظیم ہوتا ہے اور شیخ اپنے سریدوں میں عظیم ہوتا ہے اور استاد اپنے شاگردوں میں عظیم ہوتا ہے اور عظیم مطلق صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے اس کائنات میں ہر چیز کی عظمت اور بلندی اضافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے علی الاطلاق عظیم اور بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مقریب آسمان (اس کی قیبت سے) اپنے اوپر پست پڑیں گے اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں" سونبے شک اللہ ہی بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا تہذیب و گناہ لایا ہے اللہ ان سے خیردار ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو عذاب سے ڈرائیں اور اسی طرح آپ یوم حشر کے عذاب سے ڈرائیں جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے (اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا (اشعری: ۷۵)

فرشتوں کا تسبیح اور حمد کرنا

اشعری: ۵۵ میں "بفطرون" کا لفظ ہے اس کا ضد و نظیر ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کا طول کی جانب پھلنا اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال اور اس کی شہیت سے مقریب آسمان پست پڑیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **لَوْ اَنَّ كُنُوزَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا لَّنَا یَوْمَئِذٍ حَاشِیۡمًا** اگر ہم قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اسے غلبہ) تو دیکھنا کہ وہ اللہ کے خوف سے پست کرکھوے ٹھوے ہو جاتا۔ (المشر: ۸)

اس آیت میں فرمایا ہے: "آسمان اپنے اوپر پست پڑیں گے" یعنی آسمان کے پھٹنے کی ابتداء اوپر کی جانب سے نیچے کی جانب ہوگی اوپر کی جانب کی شخصیں اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی عظمت اور جلال پر ولادت کرنے والی عظیم نشانیاں اوپر کی جانب ہیں جیسے عرش کرسی اور عرش کے گرد تسبیح، جلیل، تمجید اور جلیل کرنے والے فرشتے جن کی حقیقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لیے مناسب یہ تھا کہ آسمانوں کے پھٹنے کی ابتداء اوپر کی جانب سے ہوتی "پایں بطور کہ پہلے سب سے اوپر کا آسمان پست کر چلے آسمان پر مگر تا علیٰ ہذا التقدیس ترتیب وار سب آسمان ایک دوسرے پر ٹوٹ کر گرتے۔

اس کے بعد فرمایا: اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا شریک اور اس کی اولاد اور دیگر صفات جسمانیہ سے اس کی عزت پر بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں تسبیح کو حمد پر اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ مناسب چیزوں سے خالی ہوتا مناسب چیزوں کے ساتھ متصف ہونے پر مقدم ہوتا ہے۔

فرشتے صرف مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں یا تمام روئے زمین والوں کے لیے؟

اس کے بعد فرمایا: "اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں" زمین والوں میں تو مؤمنین اور کافرین سب داخل ہیں لیکن فرشتے صرف مؤمنین کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا (المومن ۷)

اور فرشتے مؤمنین کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اس لیے اس آیت میں زمین والوں سے مراد مؤمنین ہیں اور مطلق مقید پر محمول ہے یا اس آیت سے مراد یہ ہے کہ فرشتے مؤمنین کے لیے تو مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لیے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ مغفرت کے لہل ہو جائیں اور ایمان لے آئیں اور کافروں اور قاصتوں سے عذاب مؤخر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق عطا کر دے اور یوں وہ تمام زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں مؤمنین کے لیے طلب مغفرت کی دعا کرتے ہیں قاصتوں کے لیے توبہ کی توفیق کی دعا کرتے ہیں اور کافروں کے لیے حصول ایمان کی دعا کرتے ہیں اور ہر ایک کے لیے حسب حال دعا کرتے ہیں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے کہ فرشتے کفار پر لعنت کرتے ہیں اور ان کے لیے حصول ایمان کی دعا تو لعنت کے مترادف ہے قرآن مجید میں ہے:

أُولَئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (البقرہ: ۱۷۱)

○ کی

اس کا جواب یہ ہے کہ لعنت ان کافروں پر ہے جو کفر پر مر گئے یہ پوری آیت اس طرح ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَمَّاؤُوا هُمْ كَفَّارٌ أُولَئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

○ پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ○

(البقرہ: ۱۷۱)

خلاصہ یہ ہے کہ مردہ کافروں پر فرشتے لعنت کرتے ہیں اور زندہ کافروں کے لیے حصول ایمان اور طلب توبہ کی دعا کرتے ہیں اور مؤمنین کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں اور اس اعتبار سے اس آیت میں فرمایا کہ فرشتے زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ المومن: ۷ میں فرمایا ہے: "جو فرشتے عرش کو اٹھائے بھٹے ہیں اور جو فرشتے اس کے گرد ہیں وہ مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں" اس آیت میں دو قیدیں ہیں اور انشوری کی اس آیت میں مطلقاً فرمایا ہے: "فرشتے زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں ترقی ہے پہلے فرمایا تھا کہ حاملین عرش استغفار کرتے ہیں اس آیت میں فرمایا: "تمام فرشتے مؤمنین کے لیے استغفار کرتے ہیں"۔

اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: "سوائے شک اللہ ہی بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے" ○ یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کے ساتھ اور بغیر توبہ کے بھی مؤمنوں کے گناہ بخش دیتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے ہاں خور کہ ان کو جنت عطا فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے ان کو قرب اور وصال عطا فرماتا ہے اور فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بخور آدم کے لیے استغفار کریں کیونکہ وہ بہت زیادہ گناہ کرتے ہیں اور ہر چند کہ کفار شرک کرتے ہیں اور بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کا رزق منقطع نہیں کرتا اور نہ دنیا میں ان کے عیش اور آسائش کو ختم کرتا ہے اور دنیا میں ان سے عذاب مؤخر کر کے ان کو ذلیل و متارہتا ہے اور آخرت میں ان کو عذاب دے گا۔

اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مستقل مددگار بنالینا گم راہی ہے

انشوری: ۶ میں فرمایا: "اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنالیا ہے اللہ ان سے خبردار ہے اور آپ ان کے

ذمہ دار نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان فاسقوں کے اعمال اور احوال پر مطلع ہے وہ ان سے غافل نہیں ہے اور مغرب ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا اسی طرح اس آیت میں ہے:

قُلْ لِّمَن مَّا عَصَيْتُمْ نَفْسِي لَا يَكُنْ لَّيْلٌ لَا يُمْسِي نَفْسِي وَلَا
يَمْسِي نَفْسِي (۵۳)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتا اور اس سے کیے ہوئے عہد کو فراموش کر دیتا ہے وہ شیاطین کو اپنا کارساز اور مددگار بنانے والا ہے اور شیاطین کے احکام پر عمل کرتا ہے اور ان کے طریقہ کی اتباع کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر اور باطن کی نگرانی فرما رہا ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ ان کو ان کے بُرے اعمال سے جبراً روک دیں، پس صاحب عقل کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ سے مدد چاہے اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد طلب نہ کرے بلکہ خاص اللہ سے دوستی اور محبت رکھے، ہاں اللہ کے مقرب اور نیک بندوں کے وسیلے سے دعا کے مقبول اور مستجاب ہونے کی دعا کرنی چاہیے، اولیاء اللہ کی تقسیم اور تحریم کرنا بھی ایمان کے تقاضوں سے ہے۔

الشوریٰ: ۷ میں فرمایا: "اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو عذاب سے ڈرائیں اور اسی طرح آپ یوم حشر کے عذاب سے ڈرائیں جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے" (اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا۔

اس آیت میں مکہ کو ام القریٰ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب ہر چیز کی اصل کو ام کہتے ہیں اور مکہ کو ام القریٰ اس کی عظمت اور جلال کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا ہے کیونکہ مکہ مکرمہ بیت اللہ اور مقام ابراہیم پر مشتمل ہے کیونکہ روایت ہے کہ تمام زمین مکہ کے نیچے سے نکال کر پھیلائی گئی ہے، پس مکہ کے مقابلہ میں تمام شہر اس طرح ہیں جس طرح ماں کے مقابلہ میں اس کی بیٹیاں ہوتی ہیں اور اس کے گرد و نواح سے مراد ہے وہ تمام بستیاں اور حدود قبائل جو مکہ کے گرد مکانات بنا کر رہتے تھے۔ یہ آیت مجبلیٰ آیت سے مربوط ہے اور اس کا معنی ہے: جس طرح ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی ہے کہ آپ ان لوگوں کے وکیل اور حفیظ نہیں جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنالیا ہے اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی میں قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اہل مکہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہو اور آپ تمام جہان والوں کے لیے رسول نہ ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مفہوم مخالف مجتہد نہیں ہے۔ جیسے محمد رسول اللہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ اللہ کے رسول نہیں ہیں اس طرح جب یہ فرمایا کہ آپ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والوں کو عذاب سے ڈرائیں تو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ باقی دنیا والوں کو عذاب سے ڈرائیں، خصوصاً جب کہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کی بشت تمام دنیا والوں کے لیے ہے اور آپ کو تمام جہان والوں کے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے قرآن مجید میں ہے:

شَهِدْنَا أَنِّي نَزَّلْنَا الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ

اللہ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے حکم بندے پر

قرآن کو چائل کیا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہو جائیں۔

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے صرف ثواب کی بشارت دیئے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کیسے: اسے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کی طرف صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے: مجھے مختار اور جامع کام دیا گیا ہے اور میری رعب سے مدد کی گئی ہے اور میرے لیے غصوں کو طلال کر دیا گیا ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: میری صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا ہوا تھا اور مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے لیے غصوں کو طلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے غصہیں طلال نہیں تھیں اور میرے لیے تمام روئے زمین کو پاکیزہ اور آلہ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے، پس جس شخص پر جس وقت اور جس جگہ بھی لڑکا وقت آئے وہ وہیں نماز پڑھ لے اور ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے اور مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا قَالِيًا يَنْذِرُ الْبَاطِلَ وَيُخَوِّفُ الْكَافِرِينَ

(سہ: ۲۸)

كُلُّ نَبِيٍّ مِّنْهُم مَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ مَوْعِيًا

(الاعراف: ۱۵۸)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الأنبياء: ۱۰۷)

فضلت علی الانبیاء بست اعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طهورا ومسجدا وارسلت الی الخلق كافة وختم بی النبیون

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۶۷۰ مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲)

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعطيت خمسا لم يعطهن احد قبلي ' كان كل نبي يبعث الي قومه خاصة وبعثت الي كل احمر واسود واحلت لي الغنائم ولم تحل لاحد قبلي وجعلت لي الارض طيبة وطهورا ومسجدا فابما رجل ادر كنه الصلوة صلى حيث كان ونصرت بالرعب بين يدي مسيرة شهر واعطيت الشفاعة. (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۳۰ جامع الترمذی واسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۸۳۰)

نیز قرآن مجید اور دیگر کتب مجزوات سے ثابت ہے کہ آپ صادق القول ہیں اور ان احادیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں پس ثابت ہوا کہ آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔

ایک فریق کے جتنی اور دوسرے فریق کے دوزخی ہونے کے ثبوت میں احادیث

نیز اس آیت میں فرمایا: "آپ یوم الحج کے عذاب سے ڈرائیں" یوم الجمع سے مراد یوم الحشر ہے اور یوم الحشر کو یوم الحج فرمانے کی وجہ ہیں: (۱) اس دن تمام مخلوق جمع ہوگی جیسے فرمایا:

يَوْمَ تَجُوزُ السُّبُحَاتُ لِلْمُتَجَمِّعِ. (الحج: ۹)

جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا۔

اس دن اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو جمع فرمائے گا (۲) اس دن اللہ تعالیٰ رحوں اور جسموں کو جمع فرمائے گا (۳) اس دن اللہ تعالیٰ عمل کرنے والوں اور ان کے اعمال کو جمع فرمائے گا (۴) اس دن اللہ تعالیٰ ظالم اور مظلوم کو جمع فرمائے گا۔
اس کے بعد فرمایا: ”(اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں ہوگا“ ایک گروہ کے جنتی اور ایک گروہ کے دوزخی ہونے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بلایا گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس بچہ کے لیے خوشی ہو یہ تو جنت کی چیزوں میں سے ایک چیز ہے اس نے کوئی بُرا کام کیا نہ کسی بُرائی کو پایا، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اس کے سوا اور کوئی بات بھی ہو سکتی ہے، بے شک اللہ نے جنت کے لیے ایک گروہ کو پیدا کیا اور جس وقت ان کو جنت کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اور دوزخ کے لیے ایک گروہ کو پیدا کیا اور جس وقت ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶۶۲ جامع المسانید واسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۲۵۰۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اس وقت آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کبھی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! اس صورت کے کہ آپ ہم کو اس کی خبر دیں؟ آپ کے دائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی آپ نے اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العظیم کی طرف سے کتاب ہے اس میں اہل جنت کے اسماء ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں پھر ان کے آخر میں میزبان کر دیا گیا ہے اب ان میں کبھی بھی کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی کمی ہوگی پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی یہ رب العظیم کی طرف سے کتاب ہے اس میں اہل دوزخ کے اسماء ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں اور ان کے آخر میں میزبان کر دیا گیا ہے میں اس میں کوئی زیادتی ہوگی نہ کوئی کمی ہوگی پھر آپ کے اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! جب ہر چیز کو لکھ کر فراغت ہوگئی ہے تو پھر عمل کس لیے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تم درست کام کرو اور صحت کے قریب کرو کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ اہل جنت کے اعمال پر ہوگا خواہ اس نے کیسے ہی عمل کیے ہوں اور دوزخی شخص کا خاتمہ اہل دوزخ کے اعمال پر ہوگا خواہ اس نے کیسے ہی عمل کیے ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ دیئے پھر فرمایا: تمہارا رب قارخ ہو چکا ہے ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۱ مسند احمد ج ۲ ص ۶۷ جامع المسانید واسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۲۴۷۷)

اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کے اسماء اہل جنت کی کتاب میں لکھے ہیں جن کے متعلق اس کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے اہل جنت کے کام کریں گے، علیٰ ہذا التماس ان ہی لوگوں کے اسماء اہل دوزخ کی کتاب میں لکھے جن کے متعلق اس کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے اہل دوزخ کے کام کریں گے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو ان کے دائیں کندھے پر ہاتھ مارا تو اس سے بیعتیں ہوئیں جس امت میں ان کی سفید اولاد کو لکھا اور ان کے بائیں کندھے پر ہاتھ مارا تو اس سے ان کی سیاہ اولاد کو لکھا گویا کہ وہ لوگوں کی طرح تھے پھر دائیں جانب والی اولاد کے متعلق فرمایا: یہ جنت کی طرف ہیں اور بائیں کندھے والی اولاد کے متعلق فرمایا: یہ دوزخ کی طرف ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۹ ص ۲۲۱ صحیح ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۲۸۱ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۲۵۷ مسند ابی حاتم رقم الحدیث: ۲۲۲۱)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص تھا جس کا نام ابو عبد اللہ تھا اس کے اصحاب اس کی عبادت کے لیے مجھے تو وہ رو رہا تھا اس کے اصحاب نے پوچھا تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ کیا تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا تم اپنی مونچیں کم کرو پھر ان کو برقرار رکھو حتیٰ کہ تمہاری مجھ سے قیامت کے دن ملاقات ہو اس نے کہا: کیوں نہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے ایک مٹھی بند کی پھر دوسری مٹھی بند کی اور فرمایا: یہ مٹھی اہل جنت کی ہے اور یہ مٹھی اہل دوزخ کی ہے اور مجھے کوئی پروا وہ نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ میں ان دو مٹھیوں میں سے کون سی مٹھی میں ہوں گا۔ (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۷، ۱۵۸، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۹، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۷۷)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں پہلے فرمایا ہے: اس دن وہ سب جمع ہوں گے پھر فرمایا: ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا اور یہ ان کے جمع ہونے کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے وہ حساب کے لیے میدان محشر میں جمع ہوں گے پھر حساب کتاب کے بعد ایک فریق جنت میں چلا جائے گا اور ایک فریق دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک گروہ بنا دیتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور خالموں کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ کوئی مددگار O کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے پس اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O (الشوری: ۸۰)

بہتوں کو ولی اور کارساز بنانے کی خدمت

اس آیت میں الشوری: ۶ کی تاکید ہے جس میں فرمایا تھا: ”اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے اللہ ان سے خیر دار ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں O“ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ان کو بے زور اور جبراً مومن اور موعود بنانے والے نہیں ہیں ہاں! اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو اپنی قدرت سے جبراً مومن اور موعود بنا دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ قادر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بعض کو مومن بنایا اور بعض کو ان کے کفر پر چھوڑ دیا اس لیے فرمایا: ”اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے“ اس قول میں یہ بتایا ہے: اللہ تعالیٰ ہی بندوں کو ایمان اور اطاعت میں داخل کرتا ہے اور اس کے بعد جو فرمایا ہے: ”اور خالموں کا نہ کوئی کارساز ہوگا نہ کوئی مددگار O“ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خالموں کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کیا اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہے اس کے ولی اور نصیر ہیں یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ان کے دنیا اور آخرت میں کارساز اور مددگار ہیں جن کے وسیلہ سے ان کو دنیا میں نعمتیں حاصل ہوں گی اور ان کی دعا میں قبول ہوں گی اور آخرت میں ان کی شفاعت ان کے کام آئے گی اور ان کو عذاب سے نجات ملے گی اور جنت طے کی اور دوسرا گروہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں داخل نہیں کیا وہ آخرت میں بے یار و مددگار ہوگا۔

الشوری: ۹ میں فرمایا: ”کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے پس اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے O“

پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو مددگار بنالیا ہے پھر اس کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: آپ ان کے حافظ اور نگران نہیں ہیں اور نہ ان کو جبراً مومن بنانے والے ہیں اور آپ پر یہ واجب نہیں ہے کہ آپ ان کو مومن بنائیں خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں کیونکہ اگر ان کا ایمان لازماً ضروری ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو مومن بنا دیتا اللہ تعالیٰ آپ سے زیادہ ان پر قادر ہے۔ اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی اور کارساز بنالیا ہے اور اگر وہ حقیقی کارساز اور

ولی بنانے کا ارادہ کرتے تو حقیقی ولی اور کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی حقیقی کارساز اور ولی نہیں ہے کیونکہ وہی سرِ دون کو زندہ کرتا ہے اور وہی اس بات کا سچ ہے کہ اسی کو ولی بنایا جائے نہ کہ ان کو ولی اور کارساز بنایا جائے جو کسی چیز پر قادر نہیں ہیں جیسا کہ کفار نے کیا ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي

اور جس چیز میں تمہارا کچھ بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف راجع کرو یعنی اللہ (حاکم) ہے جو میرا رب ہے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَالْيَهُ أَنِيبُ ۖ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ

اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں O وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اس نے

لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُّكُمْ

تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں سے جوڑے بنائے وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے اس کی

فِيهِ طَيْرٌ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۖ لَهُ مَقَالِيدُ

مخل کوئی چیز نہیں ہے وہ ہر بات کو سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O آسمانوں اور زمینوں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ

کی گنجیوں کا وہی مالک ہے وہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے بے شک

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۖ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا

وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اس نے تمہارے لیے اسی دین کو شروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى

نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ

وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ

اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرق نہ ڈالنا جس دین کی طرف آپ مشرکین کو دعوت دے رہے

مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ط اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ

ہیں وہ ان پر بہت شاق اور بھاری ہے اللہ ہی اس دین کی طرف جن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف

مَنْ يُنِيبْ ۝ وَمَا تَقْرَءُ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا ۝

ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے O اور انہوں نے اسی وقت تفرقہ ڈالا تھا جب ان کے پاس علم آ

بَيْنَهُمْ ۝ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَفَقَضَىٰ

چکا تھا اور وہ تفرقہ بھی باہمی سرکشی کی وجہ سے تھا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے (نزل عذاب کی)

بَيْنَهُمْ ۝ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ

ایک ميعاد مقرر نہ ہو چکی ہوئی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد

مِنْهُ مُرِيبٌ ۝ فَبِذَلِكَ فَادَعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ وَلَا

کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کے متعلق الجھن میں ڈالنے والے شک میں ہیں O پس اسی قرآن کی طرف آپ دعوت

تَتَّبِعْ ۚ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ أَمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ

دیں اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور آپ کہیے:

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالٌ نَأْوِيكُمْ

میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور مجھے تمہارے عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اللہ ہمارا

أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حِجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ

رب ہے اور تمہارا رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی

الْمُصِيزُ ۝ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ

ذلتی جھگڑا نہیں ہے اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹا ہے O اور جو لوگ اللہ کی دعوت کے مقبول ہونے

لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةً عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ

کے باوجود اس میں جھگڑا کرتے ہیں ان کی کٹ گئی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور سخت عذاب

شَدِيدٌ ۝ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْبَيِّنَاتِ ۖ وَمَا

ہے O اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا اور میزبان کو قائم فرمایا اور (اے مخاطب!)

يُذَرِّبُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۖ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا

تجھے کیا چاہتا ہے کہ قیامت قریب ہو O اس کے جلد آنے کا وہی مطالبہ کرتے ہیں جو اس پر ایمان

يُؤْمِنُونَ بِهَا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا

نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں

الْحَقُّ أَكْرَأُ ۚ الَّذِينَ يُتَارَدُونَ فِي السَّاعَةِ لَئِي ضَلُّ

اور ان کو یقین ہے کہ وہ برحق ہے سنا جو لوگ قیامت کے وقوع میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے وہج کی

بُعِيدٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ بَعِيدٌ ۖ يَزْنُقُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ

کرم راعی میں ہیں O اللہ اپنے بندوں پر بہت نرمی کرنے والا ہے وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بہت

الْعَزِيزُ ۙ

قوت والا ہے مدظلہ والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس چیز میں تمہارا کچھ بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف راجع کرو یعنی اللہ (حاکم) ہے جو میرا رب ہے اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں O وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے اور مومنینوں سے جوڑے بنائے وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے وہ ہر بات کو سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O (احقری ۱۱-۱۰)

نظامی اور اختلافی امور کو اللہ پر چھوڑ دینے کی متعدد تفسیریں

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ کافروں کو مومن بنادینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ کسی معاملہ میں بھی بحث نہیں کرنی چاہیے ان کافروں کے ساتھ جس چیز میں بھی اختلاف ہو ان کو چاہیے کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن اہل حق کو جزاء دے گا اور اہل باطل کو سزا دے گا اس آیت کے مضمین نے حسب ذیل محال بیان کیے ہیں:

(۱) مسلمانوں کا جس سے بھی کوئی اختلاف ہو تو وہ اس معاملہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرائیں کسی اور سے فیصلہ نہ کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَمَّا مَنِ اعْتَصِمَ بِهِ فَإِنَّهُ يُبَدِّلُ إِلَى اللَّهِ وَالْكَافِرِينَ" (۵۹: ۵۹) اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لو۔

(۲) جب تمہارا کسی ایسی چیز میں اختلاف ہو جس کے علم اور اس کی حقیقت تک رسائی کا تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہ ہو تو اس چیز کے فیصلہ کو تم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو جیسے روح کی حقیقت کو جاننے کا مسلمانوں کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے قرآن مجید میں ہے:

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْإِذْحَاقِ قُلِ الْإِذْحَاقُ مِنْ أَمْرِ مَرْبِي. اور یہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کیسے

(بخاری، ترمذی، ۸۵)

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ مسلمانوں سے یہ فرمائیں کہ جب تمہارا کسی معاملہ میں کفار سے اختلاف ہو تو ان سے بحث نہ کرو اور اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو۔

(۴) اس آیت میں علماء کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی نیا مسئلہ آئے تو اس کا حل قرآن مجید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اجماع امت میں تلاش کریں۔

(۵) عام مسلمانوں کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہو اور ان کو اس کا شرعی حکم معلوم نہ ہو تو وہ خود اپنی عقل سے اس کا حکم نہ تلاش کریں بلکہ اہل علم اور اہل فتویٰ علماء سے اس کا حل دریافت کریں قرآن مجید میں ہے:

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○ اگر تم کو کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہل علم سے اس کو دریافت کرو ○

(النہا: ۷۰)

کیونکہ عقل کے ساتھ وہم اور خیال کی آمیزش اور آویزش ہے اور شیطان انسان کی عقل میں شبہات ڈالتا رہتا ہے اور توحید میں اگر معمولی سا شبہ بھی پڑ جائے تو انسان کا دین اور ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے بد مذہب اور گمراہ فرماتے اسی طرح وجود میں آئے کہ انہوں نے محض اپنی رائے اور سوچ سے نئے نئے نظریات اپنالے اور دین میں طرح طرح کی بدعات نکال لیں ہمارے زمانہ میں بعض جاہل بیرون نے اپنی وضع اور اپنا شخص قائم کرنے کے لیے مخصوص وضع کو دین میں لازم اور ضروری قرار دے دیا خود ساختہ طریقوں کو روایت دیا۔ بعض مباحات اور مستحبات کے ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ کیا آج کل ان جھگڑاؤں کا غلبہ ہے اور ان کی طاقت کے سامنے اہل حق بہت کم زور دکھائی دیتے ہیں۔

قیاس کی نفی پر امام رازی کے نقل کردہ دلائل

اس آیت سے بعض علماء نے قیاس کی نفی پر استدلال کیا ہے امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو احتمال ہیں یا تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہر مسئلہ کامل اللہ تعالیٰ کے منصوص اور صریح حکم میں موجود ہے اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ ہر مسئلہ کامل قیاس سے ثابت ہے دوسرا احتمال تو باطل ہے کیونکہ ہم بدلتے جاتے ہیں کہ ہر مسئلہ کامل قیاس سے ثابت نہیں ہے پس ضروری ہوا کہ ہر مسئلہ کامل اور تمام احکام اللہ تعالیٰ کی نص اور صریح حکم سے ثابت ہوں اور اس سے قیاس کی نفی ہو جاتی ہے اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ ہر مسئلہ کامل اللہ تعالیٰ کے بیان اور دلیل شرعی سے حاصل ہو خواہ وہ بیان اور دلیل شرعی نص صریح پر مشتمل ہو یا قیاس پر مشتمل ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو ظرف ہے کہ تم اپنے اختلافات کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو اس سے مقصود اختلاف کو ختم کرنا ہے اور جب کسی معاملہ کے فیصلہ میں قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا تو اس سے اختلاف ختم نہیں ہوگا بلکہ اختلاف اور زیادہ قوی ہوگا پس واجب ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی نصوں اور صریح احکام کی طرف رجوع کیا جائے (اور قیاس کی طرف نہ کیا جائے)۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۸۸، ذخیرۃ القراءات العربیۃ، ۱۳۱۵ھ)

نفی قیاس کی امام رازی کی دلیل پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی نے یہ فرمایا ہے کہ تمام احکام اور مسائل میں اللہ تعالیٰ کی نصوں کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور کسی مسئلہ میں قیاس نہیں کرنا چاہیے یہ ظاہر یہ بہت مشکل ہے کیونکہ تمام مسائل اور معاملات میں اللہ تعالیٰ کے صریح احکام مذکور نہیں ہیں

بلکہ تمام مسائل اور معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات بھی مذکور نہیں ہیں اور نہ تمام غشی آمدہ مسائل میں اجماع علماء کا ثبوت ہے اور نہ ہر تازہ مسئلہ میں فقہاء حنفیہ کے تصریحات مذکور ہیں نہ ملائکہ حجاز و عراق ترقی اور سائنس کی ایجادات سے ایسے نئے نئے مسائل سامنے آ گئے ہیں جن کے صریح ذکر سے ہماری فقہ کا ذخیرہ خالی ہے مثلاً ٹیلی فون پر نکاح کے جواز یا عدم جواز کا معاملہ خانہ عائلی منصوبہ بندی کی تاخیر پر صورتیں ٹیسٹ ٹیوب ہے بی کے طور پر پیدا نش کا حصول یا نہ جواز اور فی وی کے اطلاق پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا جواز یا عدم جواز پر اتار پاشور اور انشورنس کے احکام پچھلی فرین اور اڑتے ہوئے طیارہ میں نماز پڑھنے کا معاملہ انگلشمن سے روزہ ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا مسئلہ انتقال خون پوسٹ مارٹم اور ایسے بہت سے مسائل جن کے حل کا صراحت سے ذکر قرآن مجید میں ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہ آثار صحابہ میں نہ اجماع علماء میں نہ فقہاء حنفیہ کے فتاویٰ میں تو ایسے مسائل اور معاملات میں اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ان تمام معاملات میں قیاس سے ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور امت کی رہنمائی کی جائے اور قیاس کی شروعات پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

قیاس کی مشروعیت پر دلائل

قلینے یزیدنا لولی الاخصار ○ (بخاری ۲۰) اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو ○

اس آیت میں قیاس کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹنا، یعنی جو حکم اصل شے کے لیے ثابت ہوگا وہی حکم اس کی نظیر کے لیے ثابت ہوگا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو عبرت پکڑنے کا حکم دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس کام کے سبب سے کفار اہل کتاب پر عذاب نازل ہوا ہے تم وہ کام نہ کرنا ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہوگا اور یہی قیاس ہے کہ ملت کے اشتراک کی وجہ سے حکم مشترک ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: میری بہن فوت ہوگئی اور اس پر مسلسل دو ماہ کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: تو اللہ کا حق ادا کیجی گا زیادہ حق دار ہے۔

(صحیح البخاری ج ۲ رقم الحدیث: ۱۹۵۳ صحیح مسلم میام ص ۱۵۳ (۱۱۳۸) ۲۶۵۱ سنن ترمذی ج ۲ رقم الحدیث: ۱۶۱۶ سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۳۳۱۰ سنن ابن ماجہ ج ۱ رقم الحدیث: ۱۷۵۹ سنن کبریٰ المصنوع ج ۲ رقم الحدیث: ۲۹۱۳ جامع الترمذی و السنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۵۱۱)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندے کے حق پر قیاس کیا ہے اور جس شخص پر روزے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے فدیہ دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حج کی بذریعہ بھروسہ فوت ہوگئی۔ اس کا بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا حق ادا کرو وہ ادا کیجی کے زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح البخاری ج ۲ رقم الحدیث: ۱۸۵۲ ج ۲ رقم الحدیث: ۲۹۹۹ ج ۲ رقم الحدیث: ۳۱۵۰ سنن ابی داؤد ج ۲ رقم الحدیث: ۲۹۱۳ جامع الترمذی و السنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۵۹)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر (وہ مسئلہ) کتاب اللہ میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا: پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر (وہ مسئلہ) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا: پھر قیاس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر (وہ مسئلہ) قیاس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

علیہ وسلم میں نہ ہو؟ انہوں نے کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول کو توفیق عطا فرمائی۔ (سنن الترمذی ج ۳، رقم الحدیث ۱۲۳۲، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث ۲۵۹۲، مسند احمد ج ۵، ص ۲۳۶-۲۳۷)

عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ سوالات کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: ایک زمانہ تھا کہ ہم بالکل فیصلہ نہیں کرتے تھے اور ہم اس مقام پر غائر نہ تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے ہمارے لیے وہ چیز مقدور کی جو تم دیکھ رہے ہو۔ سو آج کے بعد جس شخص کو فیصلہ کرنا پڑے وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو جس طرح صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا امر درپیش ہو جس کا حل نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو اور نہ صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو پھر وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور میں خوف زدہ ہوں! کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں تو جس چیز میں تمہیں شک ہو اس کو چھوڑ کر غیر مشکوک امر کو اختیار کرو۔ امام ابو عبد الرحمن نسائی نے کہا: یہ حدیث بہت جدید (محدہ) ہے۔ (سنن ابی داؤد ج ۲، رقم الحدیث ۵۲۱۲-۵۲۱۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ مسائل کے استنباط اور احکام کے اثبات کے لیے کتاب سنت اجماع اور قیاس کی ترتیب کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

علاوہ ازیں اس آیت میں یہ معنی متعین نہیں ہے کہ اسے مسلمانوں نے ہر پیش آمدہ مسئلہ کے حل کے لیے اللہ کی طرف رجوع کر دیا بلکہ یہ معنی اس آیت کے متعدد محال میں سے ایک محال ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے پہلے کفار کا ذکر تھا تو اس کا محال یہ ہے کہ جب تمہارا کفار سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو تو تم ان سے بحث مت کرو بلکہ اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو اور اگر یہ آیت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ جب کسی آیت کی تاویل تم پر مشتبہ ہو جائے تو تم اپنی عقل سے اس کا معنی تلاش نہ کرو بلکہ کتاب اور سنت کی طرف رجوع کرو یا آیات متشابہات کی تاویل نہ کرو اور ان کی مراد کو اللہ پر چھوڑ دو یا اگر تمہارا کسی سے جھگڑا ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی اور کو حاکم نہ بناؤ اس طرح اس آیت کے متعدد صحیح محال ہیں اور اس آیت کا یہ معنی معین نہیں ہے کہ اپنے ہر پیش آمدہ معاملہ میں صرف اللہ کی طرف رجوع کرو حتیٰ کہ پھر نہ احادیث جنت رہیں نہ اجماع نہ قیاس۔

اللہ تعالیٰ امام رازی پر رحم فرمائے انہوں نے کیسی عجیب بات کہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنے کی تحقیق

علامہ محمود بن عمر دحیری متوفی ۵۳۸ھ اور ان کی اتباع میں علامہ نظام الدین حسین بن محمود نیشاپوری متوفی ۶۲۸ھ علامہ محمد بن مصلح الدین القوجی التونی ۹۵۱ھ اور علامہ اسماعیل حق متوفی ۱۱۳۷ھ نے اسی آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد جائز نہیں ہے۔

(الکشاف ج ۳، ص ۲۱، غرائب القرآن ج ۲، ص ۲۵، حاشیہ شیخ زادہ علی البیہاوی ج ۵، ص ۳۰۹، روح البیان ج ۸، ص ۳۰۹)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ اجتہاد عقلاً جائز ہے اور بعض علماء نے اس کو محال کہا ہے اور جن علماء

نے آپ کے زمانہ میں اجتہاد کو جائز کہا ہے ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس اجتہاد پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، ہوا علیٰ جبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم اور زہری کا یہی مذہب ہے اور بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا کہ اس اجتہاد پر عمل ہوا ہے ایک قول یہ ہے کہ یہی صحیح ہے اور ایک قول توقف کا ہے اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کی ممانعت پر استدلال کرنا قطعی نہیں ہے ہاں اس آیت میں یہ احتمال ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۶۶ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ء)

عہد رسالت میں اجتہاد کے ثبوت پر احادیث

میں کہتا ہوں کہ ان تمام لوگوں کا کلام اندازوں پر مبنی ہے ان کی احادیث پر نظر نہیں ہے کیونکہ یہ کثرت احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے عہد میں اجتہاد کرتے تھے ہم اس سلسلہ میں چند احادیث پیش کر رہے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (غزوہ تبوک) میں جا رہے تھے کہ زوارہ ختم ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ بعض اونٹ ذبح کر دیے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش! آپ لوگوں کے بچے کچھ کھانے کو جمع کر کے اس پر برکت کی دعا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ پھر جس شخص کے پاس گندم تھی وہ گندم لے آیا اور جس کے پاس بھجوریں تھیں وہ بھجوریں لے آیا۔ مجاہد نے کہا: اور جس کے پاس گھٹلیاں تھیں وہ گھٹلیاں لے آیا۔ راوی کہتا ہے: میں نے مجاہد سے پوچھا کہ گھٹلیوں کا وہ لوگ کیا کرتے تھے؟ مجاہد نے کہا: ان کو چوس کر پانی پی لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کو اکٹھا کر کے دعا فرمائی جس کی برکت سے وہ کھانا اس قدر زیادہ ہو گیا کہ تمام لوگوں نے اپنے برتنوں کو بھر لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۷۱ رقم المسلسل: ۱۳۷۱ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۸۷۹۳)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی مجلس میں اجتہاد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف اپنی رائے پیش کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے پر عمل فرمایا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر کو اپنی رائے کے خلاف مسافر کے مشورہ پر عمل کرنا چاہیے اور اس کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ غزوہ تبوک کے سفر میں لوگوں کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم پانی لا لے والے اونٹوں کو ذبح کر کے کھالیں اور چربی کا تیل بنالیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ نے ایسا کیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی البتہ آپ لوگوں کا بچا ہوا کھانا منگوا لیجئے اور اس پر برکت کی دعا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ برکت عطا فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے اور ایک دسرخوان بچھا دیا پھر لوگوں کا بچا ہوا کھانا منگوا لیا کوئی شخص اپنی پھلی میں جوار اور کوئی بھجوریں اور کوئی روٹی کے ٹکڑے لیے چلا آ رہا تھا یہ سب چیزیں مل کر بہت تھوڑی مقدار میں جمع ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب اپنے اپنے برتنوں میں کھانا بھر لیں۔ چنانچہ تمام لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے یہاں تک کہ لشکر کے تمام برتن بھر گئے اور سب نے مل کر کھانا کھایا اور ہر ہو گئے اور کھانا پھر بھی بچ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور

جو جس بھی اس کلمہ پر یقین کے ساتھ اللہ سے ملاقات کرے گا وہ جنتی ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم السلسلہ: ۳۸)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی مجلس میں اجتہاد کیا اور آپ نے ان کے اجتہاد کو برقرار رکھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے اور کافی دیر تک تشریف نہ لائے تو ہمیں خوف ہوا کہ کہیں خدا نخواستہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو اس خیال سے ہم سب کھڑے ہو گئے سب سے پہلے میں گھبرا کر آپ کی تلاش میں نکلا اور انصار بنی نجرار کے باغ تک پہنچ گیا میں باغ کے چاروں طرف گھومتا رہا لیکن مجھے اندر جانے کے لیے کوئی دروازہ نہ ملا اتفاقاً ایک نالہ دکھائی دیا جو باہر کے کنوئیں سے باغ کے اندر کی طرف جارہا تھا میں لومڑی کی طرح کھست کر اس نالہ کے راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: جی یا رسول اللہ! حضور نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف فرماتے پھر آپ اچانک اٹھ کر تشریف لے گئے آپ کی واپسی میں دیر ہوگئی اس وجہ سے ہمیں خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں دشمن آپ کو تہاد کچھ کر پریشان نہ کریں۔ ہم سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں آپ کی تلاش میں نکلا۔ پس میں اس باغ تک پہنچا اور لومڑی کی طرف کھست کر باغ کے اندر آ گیا باقی صحابہ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! میری یہ دونوں جوتیاں لے کر چلے جاؤ اور باغ کے باہر جو شخص تم کو اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے یہ کہتا ہو کہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبداً ورسولہ" اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ باغ کے باہر سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! یہ کیسی جوتیاں ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں ہیں جو حضور نے مجھے اس لیے دی ہیں کہ جو شخص بھی مجھے اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے یہ کہتا ہو کہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبداً ورسولہ" اس کو میں جنت کی بشارت دے دوں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے میرے سینہ پر ایک تھپڑ مارا جس کی وجہ سے میں چیونٹے کے تل گر پڑا پھر حضرت عمر نے مجھ سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جاؤ۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر رونے لگا ساتھ ہی حضرت عمر بھی پہنچ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر سے ہوئی میں نے ان کو آپ کا پیغام پہنچایا انہوں نے میرے سینہ پر تھپڑ مار کر مجھے چیونٹے کے تل گرا دیا اور کہا: واپس چلے جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا واقعی آپ نے ابو ہریرہ کو اپنی جوتیاں دے کر بھیجا تھا کہ جو شخص اسے اس حال میں ملے کہ وہ صدق دل سے یہ کہتا ہو کہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبداً ورسولہ" اس کو یہ جنت کی بشارت دے دے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! حضرت عمر نے عرض کیا: حضور! یہ نہ کریں کیونکہ مجھے ایسا یقین ہے کہ لوگ پھر کلمہ پڑی بھروسہ کر کے چیونٹے جائیں گے ان کو قتل کرنے دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اچھا پھر انہیں قتل کرنے دو۔

(صحیح مسلم رقم السلسلہ: ۳۸۱۶۱۲۶ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۹)

اس حدیث میں بھی اس کی تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کی

مجلس میں اجتہاد کیا۔

صریح حدیث پر عمل کرنے سے حضرت عمر کے منع کرنے کی توجیہات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے خلاف اپنی رائے پیش کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے کی طرف رجوع فرمایا اس کی توجیہ اور تخریج میں شارحین حدیث کی متعدد عبارات ہیں جن کو ہم بطور ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی بشارت پہنچانے سے منع کیا تھا اور حضور کو بھی یہی مشورہ دیا تھا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہیں تھا اور نہ انہوں نے آپ کے حکم کو رد کیا تھا حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ اس بشارت کو عام لوگوں سے چھپانا ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے اور ان کے اعمال کو زیادہ پاکیزہ کرنے والا ہے اور ان کے اجر و ثواب کو زیادہ کرنے والا ہے ورنہ یہ غرض ہے کہ لوگ اسی بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک کر دیں گے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی یہ رائے پیش کی تو آپ نے اس رائے کو صحیح اور درست قرار دیا۔ حضرت عمر کی رائے عام لوگوں کے اعتبار سے تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت دینے کا حکم دیا تھا وہ خاص لوگوں کے اعتبار سے تھا اور حضرت عمر کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ بشارت خاص لوگوں سے نکل کر عام لوگوں تک نہ پہنچ جائے۔

اس حدیث سے یہ فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ علماء کو چاہیے کہ وہ امام اور سربراہ مملکت کو مشورہ دیا کریں اور اس کی خیر خواہی کیا کریں خواہ امام اور سربراہ ان سے مشورہ نہ کریں اور امام اور سربراہ کو چاہیے کہ وہ علماء اور اہل خیر کے مشورہ پر عمل کر کے اپنی سابق رائے اور سابق حکم سے رجوع کر لیا کریں۔ (اکمال المعظم ج ۳ ص ۳۵۵-۳۵۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ دشتانی ابلی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ محمد بن محمد السوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی قاضی عیاض کی اس عبارت کا خلاصہ نقل کر کے اس پر اعتماد کیا ہے۔

(اکمال المعظم ج ۳ ص ۳۵۵ مکمل اکمال اکمال ج ۳ ص ۳۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی مالکی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مارا تھا وہ ان کو ایذا دینے کے لیے نہ تھا بلکہ اس وقت تک ان کو اس بشارت دینے سے روکنے کے لیے تھا جب تک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں مشورہ نہ کر لیں اور یہ حضرت عمر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہ تھا اور نہ آپ کے حکم کو رد کرنا تھا بلکہ وہ اس حکم کی مصلحت جاننے کی ایک کوشش تھی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کا غلط اپنے اصحاب اور اپنی امت کے دلوں کو خوش کرنا تھا اور حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ اس بشارت سے سکوت کرنا امت کے حق میں زیادہ مفید ہے تاکہ وہ اسی بشارت پر اعتماد کر کے اپنے نیک اعمال کو کم نہ کر لیں اور اجر و ثواب نہ محروم نہ ہو جائیں اور ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے اس بشارت سے سکوت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا ہو جب آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: جو شخص بھی صدق دل سے یہ شہادت دے گا کہ "لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله" اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کو حرام کر دے گا حضرت معاذ نے پوچھا: میں لوگوں کو یہ بشارت نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ اسی بشارت پر اعتماد کر لیں گے تب حضرت معاذ نے موت سے پہلے یہ حدیث بیان کی تاکہ وہ علم

کو چھپانے کی وعید میں داخل نہ ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۵۸۰ صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۳) تو گویا حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا کہ آپ تو خود عام لوگوں تک اس بشارت کے پہنچانے سے منع فرما چکے تھے کہ کہیں وہ اس بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک یا کم نہ کریں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی وجہ سے عام میں تخصیص کرنا جائز ہے اور یہ کہ امام اور سربراہ کو مشورہ دینا چاہیے خواہ انہوں نے مشورہ طلب نہ کیا ہو۔ (المجموع ج ۲۹۸ ص ۲۰۸ دار ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۲۰)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جب امام اور سربراہ کوئی حکم مطلق دے اور اس کے تبصیر میں سے کسی شخص کی رائے کے خلاف ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ امیر اور سربراہ کے سامنے اپنی رائے پیش کرے تاکہ امیر اس پر غور کرے، پس اگر امیر پر یہ مشکف ہو کہ اس تبصیر کی رائے صحیح ہے تو وہ اس کی طرف رجوع کرے ورنہ اس تبصیر کے شبہ کو اڑا کر دے اور اس کی قسم کرے۔ (جیسے جزیۃ الوداع کے موقع پر عرفات سے واپس ہوتے ہوئے حضرت اسامہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز یاد دلانی تو آپ نے فرمایا: نماز آگے چل کر پڑھتی ہے یعنی مزدلفہ میں صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۳۹۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۸۳۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۰۱۹ صحیح مسلم شرح ابوداؤد ج ۵ ص ۵۸۱ مکتبہ دار صوفی، مدینہ منورہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ مخصوص لوگوں کو بشارت دیں جو اس معرفت ہوں اور جن کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ اس بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک نہیں کریں گے اور اس بشارت سے دھوکا نہیں کھائیں گے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۱۶۳ اور اوردۃ القرآن کراچی ۱۴۱۲ھ)

علامہ حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیسی الشافعی المتوفی ۴۳۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کا حضرت ابو ہریرہؓ کو روکنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی رائے پیش کرنا آپ پر اعتراض نہیں تھا اور نہ آپ کے حکم کو رد کرتا تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو صرف اس لیے بھیجا تھا کہ اس بشارت کے پہنچانے سے آپ کی امت کے دل خوش ہوں اور حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اس بشارت کو امت سے چھپانا امت کے حق میں زیادہ مفید ہے تاکہ وہ اس بشارت پر اعتماد کر کے نیک اعمال کو ترک نہ کریں۔

(الکاشف عن خاتمی السنن (شرح الطیسی) ج ۶ ص ۱۷۶ اوردۃ القرآن کراچی ۱۴۱۳ھ)

ملاطی بن سلطان محمد القادری متوفی ۱۰۱۳ھ علامہ غیبی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ رحمۃ اللعالمین ہیں اور مؤمنین پر رحم ہیں اور بہ طریق کمال مظہر جمال ہیں اور ہر حال میں اپنی امت کے طیب ہیں اور آپ ان کے خوف اور شدید اضطراب پر مطلع تھے تو آپ نے اس بشارت سے ان کے علاج کا ارادہ کیا تاکہ ان کا اضطراب اور خوف زائل ہو جائے کیونکہ علاج خد سے ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلال کے مظہر تھے اور ان کو یہ علم تھا کہ لوگوں پر سستی اور اعتماد غالب ہے اس لیے ان کی رائے یہ تھی کہ لوگوں کے لیے زیادہ مفید بخون مرکب ہے بلکہ لوگوں کے حال کے اعتبار سے خوف اور اضطراب ان کے حق میں زیادہ مفید ہے اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعلیمات ہے۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۰۶ مکتبہ حقانیہ پشاور)

یہاں تک ہم نے احادیث اور شارحین احادیث کی عبارات سے یہ واضح کیا ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے اجتہاد کرتے تھے اب ہم مجدد رسالت میں صحابہ کرام کے اجتہاد کرنے کے حلق چند احادیث پیش کر رہے ہیں۔

مجدد رسالت میں اجتہاد کرنے کے ثبوت میں مزید احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب سے واپس آئے تو ہم سے فرمایا: تم میں سے ہر شخص بنو قریظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھے یہیں مسلمانوں کو راستہ میں صبح کی نماز کا وقت آگیا، بعض نے کہا: ہم بنو قریظہ میں پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے اور دوسروں نے کہا: بلکہ ہم یہیں نماز پڑھیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے ان میں کسی کو ملامت نہیں فرمائی۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۱۰۳۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۷ جامع المسانید و السنن مع ابن عمر رقم الحدیث: ۱۱۱۱)

اس حدیث میں صحابہ کرام کے دو گروہوں کے اجتہاد کا ذکر ہے ایک گروہ نے کہا: حضور نے جو فرمایا ہے: تم بنو قریظہ میں پہنچتے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا اس سے آپ کا خشاء یہ تھا کہ تم جلدی روانہ ہونا اور آپ کا خشاء یہ نہیں تھا کہ عصر کی نماز مؤخر کی جائے لہذا انہوں نے راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے کہا: ہم حضور کے الفاظ کے پابند ہیں ہم بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نماز نہیں پڑھیں گے ہر ایک صحابی نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ملامت نہیں فرمائی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سردرات میں تھیں ہو گئے انہوں نے حتم کیا اور یہ آیت پڑھی:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي لَكُمْ وَاللّٰهُ كَانَ يَكْفُرُ عَلَيْكُمْ ۚ

(البقرہ: ۲۹)

پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح بخاری کتاب التہجد باب: ۷)

اس حدیث کی تفصیل یہ ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذات السلاسل میں ایک رات کو مجھے احکام ہو گیا مجھے خطر تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا پس میں نے حتم کر کے اپنے اصحاب کو نماز پڑھادی میرے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم نے اپنے اصحاب کو حالت جنابت میں نماز پڑھادی پھر میں نے اپنے اس عذر کا ذکر کیا جس کی وجہ سے میں نے غسل نہیں کیا تھا اور میں نے کہا: میں نے اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي لَكُمْ وَاللّٰهُ كَانَ يَكْفُرُ عَلَيْكُمْ ۚ

(البقرہ: ۲۹)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۱۱)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا آپ نے اس کو مقرر رکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم ایک سفر میں گئے ہم میں سے ایک شخص نے چتر آ کر لگا اور اس کا سر پھٹ گیا پھر اس کو احکام ہو گیا اس نے اپنے اصحاب سے پوچھا: کیا میرے لیے حتم کی رخصت ہے انہوں نے کہا: ہم تمہارے لیے حتم کی رخصت نہیں پاتے کیونکہ تم پانی کے حصول پر قادر ہوؤ اس شخص نے غسل کیا جس سے فوت ہو گیا جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو ہم نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے تو

کو قتل کر دیا۔ اللہ ان کو ہلاک کر دے! ان کو جب مسئلہ کا علم نہیں تھا تو انہوں نے کسی اور سے سوال کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ اسلامی علاج سوال کرنا ہے اس کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ ختم کر لیتا یا اپنے زخم پر پٹی باندھ کر باقی جسم کو دھو لیتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۶۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۷۲ جامع المسانید والنسب مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۶۹۷) اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ عہد رسالت میں صحابہ کرام نے اجتہاد کیا اور ان کو اجتہاد میں خطہ ہوئی اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مجتہد کی خطا سے کوئی مر جائے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دیت لازم نہیں کی۔ بہر حال ان متعدد احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے عہد میں اجتہاد ہوتا تھا۔

اسی طرح اس سلسلہ کی یہ حدیث ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سات ہجری میں) ہمیں ایک لشکر میں بھیجا، ہم نے بھی الصبح جہاد کی بستیوں پر حملہ کیا، میں نے ایک شخص کو پکڑ لیا، اس نے کہا: لا الہ الا اللہ، میں نے اس کو نیزہ اٹھوٹ دیا، پھر میرے دل میں اضطراب ہوا، میں نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا؟ پھر تم نے اس کو قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے حملہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، آپ نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا حتیٰ کہ تم جان لیتے کہ اس نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا ہے یا نہیں؟ آپ بار بار یہی بات فرماتے رہے، حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش! میں اسی دن اسلام لایا ہوتا۔

(مکتبہ انصاری رقم الحدیث: ۶۸۷۶۲-۳۳۶۹، مکتبہ مسلم رقم الحدیث: ۹۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۳۳، سنن الکبریٰ للبخاری رقم الحدیث: ۸۵۹۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ پر نہ قصاص کو واجب کیا نہ دیت کو نہ کفارہ کو اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ یہ تمام چیزیں ساقط ہو گئیں لیکن کفارہ واجب ہے اور شہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہے کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ وہ کافر ہے اور اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ لیا ہے اس نکتہ پڑھنے سے وہ مسلمان نہیں ہوا اور دیت کے واجب ہونے میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ (مجموع بشرح النووی ج ۱ ص ۵۵۸، مکتبہ دار المعرفۃ، بیروت)

اور موسیٰ سے جوڑے بنائے وہ تمہیں اس میں پہلا ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے وہ ہر بات کو سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O“

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے مماثلت کی نفی

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی جنس میں سے جوڑے بنائے اور موسیٰ میں کی جنس میں سے بھی جوڑے بنائے اس آیت میں فرمایا ہے: "یسئلوہ کسم" اس کا معنی ہے: وہ تم کو رقم میں پیدا کرتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ تم کو پیٹ میں پیدا کرتا ہے اگر حاجان نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ تمہاری کثرت کرتا ہے اور تم کو زمین میں پھیلاتا ہے تمہارے جوڑے بنائے تاکہ تمہاری نسل اور افزائش میں اضافہ ہو۔

اور فرمایا: "اس کی شکل کوئی چیز نہیں ہے" یعنی اللہ عزوجل اپنی عظمت اور کبریا میں اور اپنے اسماء کی بلندی میں اور اپنی صفات کی برتری میں بے مثل اور بے نظیر ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ اور مماثل نہیں ہے ہر چند کہ بعض صفات اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں بہ ظاہر مشترک ہیں مثلاً اس آیت میں فرمایا: "هو السميع البصير" اور انسان کے جہل فرمایا: "فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا" (نور: ۲۰) لیکن انسان کی سماعت اور بصارت حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصارت قدیم ہے انسان کی سماعت اور بصارت کا زوال ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصارت کا زوال متعین ہے۔ انسان بھی دوسروں پر رحم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی مخلوق پر رحم فرماتا ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم اپنی رحم کرو جو زمین میں ہیں تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

(۱) انجمن التعمیر رقم اللہ ع: ۲۵۰۴ حافظہ لکھنی نے لکھا: اس حدیث کے درجہ اول میں ہے۔
 رقم اللہ ع: ۲۵۸۱ کنز العمال رقم اللہ ع: ۵۹۷۵ جامع المسانید السنن مسند جریر بن عبد اللہ رقم اللہ ع: ۱۵۸۷

لیکن اللہ تعالیٰ بالذات اور بغیر واسطہ کے رحم فرماتا ہے اور لوگ بالعرض اور متعدد وسائط سے رحم کرتے ہیں وہ بغیر کسی عرض اور بغیر کسی عوض کے رحم فرماتا ہے اور لوگ کسی نہ کسی عرض اور کسی نہ کسی عوض سے ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ اس کی ذات کی مثل کوئی ذات نہیں ہے اور اس کے اسم (اللہ) کی مثل کوئی اسم نہیں ہے اور اس کی صفت کی مثل کوئی صفت نہیں ہے اور اس کے فعل کی مثل کسی کا فعل نہیں ہے۔ سچ "بسمیتہ" میں غا و جہ اور رحم وغیرہ لفظ ایک جیسے ہیں لیکن ان کے معانی اور مصداق میں متعدد جہات سے فرق ہے۔

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ”لیس کمطہ شیء“ کا لفظی معنی ہے اس کی مثل کے کوئی شیء مثل نہیں ہے، کیونکہ کاف کا معنی بھی مثل ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ سے مماثلت کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کی مثل سے مماثلت کی نفی ہے۔ اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ اس آیت میں کاف زائد ہے، بعض نے کہا: یہ کاف تاکید کے لیے ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عرب کے محاورہ کے موافق ہے، عرب کہتے ہیں: ”مطلق لا یسحل“ آپ جیسا شخص نکل نہیں کرتا اور مراد ہوتا ہے: آپ نکل نہیں کرتے، سو یہ آیت محاورہ عرب کے موافق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کا وہی مالک ہے وہ جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O اس نے تمہارے لیے اسی دین کو شروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس نے لوہ کو وصیت کی تھی اور جس دین کی تم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی تم

نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا جس دین کی طرف آپ مشرکین کو دعوت دے رہے ہیں وہ ان پر بہت شاق اور بھاری ہے اللہ ہی اس دین کی طرف چن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے (الشوریٰ: ۱۳-۱۴)

آسمانوں اور زمینوں کی چابیوں کے محامل اور رزق کی اقسام

اس آیت میں کتبوں کے لیے ”مقالید“ کا لفظ ہے یہ تقلید کی جمع ہے اور خلاف قیاس ہے اور کتبیاں یا چابیاں خزانوں سے کہنا یہ ہے اور اس سے مراد ہے: خزانوں پر قدرت اور اس کی حفاظت اور خزانوں میں وہی تصرف کرتا ہے جس کے پاس خزانوں کی چابیاں ہوتی ہیں رزق کی چابی اللہ کی ذات پر سچ توکل ہے اور قلب کی چابی اللہ کی صحیح معرفت ہے اور علم کی چابی تواضع ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فرشتوں کے دلوں میں جو غیب کے احکام ہیں وہ آسمانوں کی چابیاں ہیں اور اولیاء اللہ کے دلوں میں جو غائب و بعیت کیے گئے ہیں وہ زمین کی چابیاں ہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے کہا ہے کہ دلوں کے آسمانوں کی چابیاں اللہ کے پاس ہیں اور اس میں اس کے لطف اور رحمت کے خزانے ہیں اور نفوس کی زمینوں کی چابیاں اس کے پاس ہیں اور اس میں اس کے قہر اور غلبہ کے خزانے ہیں پس ہر قلب میں اس کے الطاف کی ایک نوع کے خزانے ہیں بعض دلوں میں معرفت کے خزانے ہیں اور بعض دلوں میں محبت کے خزانے ہیں اور بعض دلوں میں شوق کے خزانے ہیں اور بعض دلوں میں ارادہ کے خزانے ہیں اسی طرح احوال ہیں مثلاً وحید ہے اور بہیت ہے اور انس ہے اور رضا ہے اسی طرح ہر نفس میں اس کے قہر کے اوصاف کی ایک قسم ہے بعض نفوس میں جہالت کے خزانے ہیں بعض میں ضد اور کفر کے خزانے ہیں۔ اسی طرح مذموم اخلاق ہیں پیسے شرک اور فحشاء ہے اور حرص اور تکبر ہے اور غضب اور شہوت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نفوس کے رزق کو وسیع کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے اسی طرح قلوب کے رزق کو وسیع کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور مخلوق کی طاقت میں یہ نہیں ہے۔ ظاہری رزق کھانے پینے کے اور عیش و عشرت کے سامان ہیں اور باطنی رزق علوم وحیچہ اور معارف الہیہ ہیں۔

الشوریٰ: ۱۳ میں فرمایا: ”اس نے تمہارے لیے اسی دین کو شروع (مقرر) کیا ہے جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس دین کی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ کو وصیت کی تھی کہ تم دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا“۔

تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہونا اور شریعتوں کا متعدد ہونا

جن انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی گئی ان میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اکابر مشاہیر اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام ہیں یہ سب عظیم شریعتوں والے تھے اور ان کے قبیحین اور بیحدکار بہت زیادہ تھے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمیت ان سب پر یہ وحی کی گئی تھی کہ وہ سب دین کو قائم رکھیں اور تفرقہ نہ ڈالیں۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: اے محمد! ہم نے آپ کو اور نوح کو دین واحد کی وحی کی ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الايمان باب ۱)

اس کا معنی یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

وَمَا آتَاكَ مِنْ خَبْرٍ فَسَبِّحْ لِلَّهِ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

جلد دوم

آئۃ الکرلہ اَلَا اَنَّا كَاخْبَرُکُمْ (الانبیاء: ۲۵)

طرف یہ دیکھی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے سو ہم سب میری ہی عبادت کرو

لہذا تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے البتہ ان کی شریعتیں مختلف ہیں جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے:

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَظِعًا لَّشَرْعِهِ وَفَوَضَلْنَا لَهَا (المائدہ: ۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور دستور بنایا ہے۔

اور اس کی تائید میں یہ حدیث ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الانبياء اخوة لعلات امهاتهم شتى ودينهم واحد. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۳۳)

انبیاء آپس میں باپ شریک بھائی ہیں ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے۔

دین اور شریعت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

قرآن مجید کی آیات اور مذکورہ الصدر اثر اور حدیث سے واضح ہو گیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور ان کی شریعتیں مختلف ہیں اس لیے ضروری ہے کہ دین اور شریعت کی تعریف کی جائے۔ دین کا لغوی معنی ہے: اطاعت اور شریعت کا لغوی معنی ہے: راستہ دین ان اصول اور فقہاء کو کہتے ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک رہے ہیں مثلاً اللہ کے وجود اس کی توحید اور اس کی صفات پر ایمان لانا تمام نبیوں رسولوں آسمانی کتابوں پر فرشتوں پر تقدیر اور قیامت پر اور حشر و نشر پر ایمان لانا اللہ کے شکر اور اس کی عبادت کا فرض ہونا شرک، کفر، قتل، زنا اور جھوٹ کا حرام ہونا یہ تمام امور دین ہیں۔

اور شریعت کا معنی یہ ہے کہ ہر نبی نے اپنے زمانہ کی خصوصیات کے اعتبار سے عبادت کے جو طریقے مقرر کیے چند چیزوں کو فرض کیا اور چند چیزوں کو حرام کیا اور چند چیزوں کو مستحب قرار دیا اور چند چیزوں کو مکروہ قرار دیا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مال نفیس حلال نہ تھا ہماری شریعت میں حلال ہے ان کی شریعت میں مسجد کے سوا نماز جائز نہ تھی ہماری شریعت میں تمام روئے زمین پر نماز جائز ہے ان کی شریعت میں حج کی سبوت نہ تھی ہماری شریعت میں عذر کے وقت حج کرنا جائز ہے۔

دین اور شریعت کے علاوہ ملت مذہب اور مسلک کی بھی اصطلاحات ہیں ان کی مفصل بحث ہم نے الفاتحہ ۳۱ میں بیان کر دی ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔

اس کے بعد فرمایا: ”جس دین کی آپ مشرکین کو دعوت دے رہے ہیں وہ ان پر بہت شاق اور بھاری ہے اللہ ہی اس دین کی طرف جن لیتا ہے جس کو چاہے اور اسی کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے“

مشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ

مشرکین مکہ کے اوپر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بہت بھاری تھا کیونکہ اوّل تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے اور ان کے لیے یہ بات باعث عار تھی کہ وہ اپنے جیسے انسان پر ایمان لے آئیں اور اس کی اطاعت کریں ان کے خیال میں نبی کو انسان کی بجائے فرشتہ ہونا چاہیے تھے دوسرے یہ کہ ان کا تکبر اس بات سے مانع تھا کہ وہ ایسے شخص کی اطاعت کریں جو بہت زیادہ دولت مند ہے نہ کسی قبیلہ کا سردار ہے۔ جب کہ ان میں بہت دولت مند اور چوہدری اور وڈیرے قسم کے لوگ تھے اس لیے وہ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے منصب رسالت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس کے اس رسول کی اطاعت اور اتباع

کریں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لیے منتخب فرمایا۔

اجتہاء کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: "اللہ یجتبی الیہ من یشاء" اس کا مصدر اجتہاء ہے اور اس کا مادہ جہی ہے، جہی کا معنی ہے: جمع کرنا، عرب کہتے ہیں: "حبیب الماء فی الحوض" یعنی میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا اسی طرح کہا جاتا ہے: "حبیب الخراج" میں نے ٹیکس جمع کر لیا اور ٹیکس کو جہا یہ کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

يَجْبِي الْيَتَامَىٰ مَالَهُمْ وَيُؤْتِي السَّكِينَةَ حِينَ يُشَاءُ ۖ (انعام: ۵۷)

ہیں۔

اور الاجتہاء کا معنی ہے: کسی چیز کو جن کر اور منتخب کر کے جمع کرنا اور اپنے ساتھ ملانا قرآن مجید میں ہے:

كَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ. (سج: ۲)

اسی طرح تمہارا رب تم کو منتخب فرمائے گا۔

(المغرب: ج ۱ ص ۱۱۲ مکتبہ زار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

لہذا اس آیت کا معنی ہے: اللہ جس کو چاہے منتخب فرما کر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور رحمت اور نگریم کے ساتھ اپنے قریب کر لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو اس دین کی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس دین کی طرف رجوع کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کی طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو اللہ کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے اللہ اس کی طرف چار ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو اللہ کی طرف چل کر آتا ہے اللہ اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۷ مجمع قدیم مسند احمد ج ۷ ص ۲۵۵ رقم الحدیث: ۱۳۷۱۱ مؤسسۃ الرسلہ ۱۴۲۰ھ مسند انوار رقم الحدیث: ۳۷۳۶۰ مجمع بخاری ج ۱ ص ۱۵۰ مجمع انوار ج ۱ ص ۱۹۶)

مہذب اور سالک کی تعریفات

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے منتخب فرما کر اپنی بارگاہ میں شرف فرماتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے منتخب فرمانے کا معنی یہ ہے کہ بندہ کی کسی سعی اور استحقاق کے بغیر اللہ تعالیٰ اپنے فیض سے اس کو عفتیں عطا فرماتا ہے یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے اور ان کے بعد صدیقین، شہداء اور عباد صالحین کا مرتبہ ہے۔ علامہ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۲۵ھ فرماتے ہیں:

مہذب اس خاص بندہ کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ازل میں منتخب فرمایا ہے اور اس کو اپنے محبوبین کے راستہ پر چلاتا ہے اور اس کو اپنے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اس کو دارین (دنیا اور آخرت) سے بچھنچھن کر اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔

سالک ان عام بندوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے محبین کے راستہ پر چلاتا ہے جن کو ہدایت کی توفیق دی جاتی ہے وہ اپنی لغزشوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔ (روح البیان ج ۱ ص ۲۸۸)

خلاصہ یہ ہے کہ صاحب الاجتہاء مہذب ہے اور صاحب الانابت سالک ہے۔

علامہ عبدالحی بن عبدالمسلم الاحمد غری لکھتے ہیں:

مہذب بخون ہے اور صوفیاء کے نزدیک مہذب وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے پسند اور منتخب فرمایا ہے اور اس کو اپنی بارگاہ اس کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اس کو اپنی جناب قدس پر مطلع فرماتا ہے تو اس کو سب کی مشقت کے بغیر تمام مقامات اور مراتب حاصل ہو جاتے ہیں۔ (دخول العلماء ج ۳ ص ۱۵۳-۱۵۴ دارالکتب المصریہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عبدالحی نے یہ تعریف میر سید شریف حنفی ۸۱۶ھ کی کتاب "اترعات" ص ۱۳۲ سے نقل کی ہے۔ البتہ میر سید شریف نے مجذوب کی تعریف میں مجنون کا لفظ نہیں لکھا۔

نیز علامہ عبدالحی احمد گری لکھتے ہیں:

سائلک وہ شخص ہے جو اپنے حال کے سبب سے مقامات پر گمراہ نہ ہو نہ کہ اپنے علم کی وجہ سے اس کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ مشاہدہ سے ہوتا ہے اور اس کے علم میں گمراہی میں ڈالنے والے شہادت نہیں ہوتے۔ (دستور العلماء ج ۱ ص ۱۱۵ بیروت)

علامہ عبدالحی نے یہ تعریف بھی میر سید شریف کی کتاب "اترعات" ص ۸۲ سے لفظ بہ لفظ نقل کی ہے۔

مجنوب اور سکر کا معنی سکر اور محو کے قریب ہے علامہ عبدالحکیم قسری حنفی ۳۶۵ھ سے سکر اور محو کے معنی بیان کیے ہیں ہم ان کا خلاصہ لکھ رہے ہیں:

جب اللہ کے بندوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور اس کے خوف کا قلب ہوتا ہے تو ان کے دل لوگوں سے دور ہو جاتے ہیں اور یہ حالت سکر ہے نیز لکھتے ہیں: جب ان پر اللہ تعالیٰ کے جمال کا قلب ہوتا ہے اور ان کی روح خوش ہوتی ہے تو یہ حالت سکر ہے اور جب بندہ کے دل پر قوی واردات ہوں تو وہ لوگوں سے منقطع ہو جاتا ہے اور یہ حالت سکر ہے اور جب یہ کیفیت منقطع ہو جاتی ہے اور وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یہ حالت محو ہے اور بندہ حالت سکر میں حال کا مشاہدہ کرتا ہے اور حالت محو میں علم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ (اربعۃ المقیرین ص ۱۰۶، ۱۰۷ ملخصاً دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

شیخ شہاب الدین عزمین محمد سروردی لکھتے ہیں:

جب بندہ پر حال کا قلب اور اس کا تسلط ہو تو وہ سکر ہے اور جب وہ اپنے اقوال اور افعال کی ترغیب کی طرف لوٹ آئے تو وہ محو ہے۔ محمد بن خلیف نے کہا: جب محبوب کے ذکر سے دل میں جوش پیدا ہو تو وہ سکر ہے اور الواسطی نے کہا: وجد کے چار مقام ہیں: (۱) وصول (۲) حیرت (۳) سکر (۴) پھر کو جیسے ایک آدمی پہلے سمندر کے متعلق صرف سنتا ہے پھر اس کے قریب ہوتا ہے پھر اس میں داخل ہوتا ہے پھر اس کو سمجھیں پکڑ لیتی ہیں پس اس بناء پر جس شخص کے دل میں وجد کا اثر باقی رہے اس پر سکر کا اثر ہے اور جس کی ہر چیز اپنے مستقر کی طرف لوٹ آئے وہ صاحب محو ہے۔

(معارف المعارف ص ۲۳۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

امام رازی کے نزدیک اصول اور عقائد میں قیاس جائز نہیں اور فروع اور احکام میں قیاس جائز ہے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی حنفی ۶۰۶ھ نے نقلی قیاس پر ایک اور دلیل ذکر کی ہے وہ لکھتے ہیں:

قیاس کا انکار کرنے والوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الشوری: ۱۳ میں یہ خبر دی ہے کہ تمام احکام پر انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ دین کو اس طرح قائم کرنا واجب ہے کہ اس سے اختلاف اور تنازع نہ پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ طور احسان یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ان کی اس دین کی طرف رہنمائی کی ہے جو تفرق اور مخالفت سے خالی ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ قیاس بہت زیادہ افتراق اور انتشار کا دروازہ کھولتا ہے کیونکہ مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کی بنیاد قیاسی دلائل پر رکھی وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور قیامت تک ان کے درمیان اتفاق پیدا ہونے کی کوئی امید نہیں ہے پس واجب ہوا کہ قیاس کو حرام اور ممنوع ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۸۷ دارالمنار، التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی اس تفسیر سے یہ تاثر نہ لیا جائے کہ وہ مطلق قیاس کے منکر ہیں وہ درحقیقت دین کے اصول اور عقائد میں قیاس کو باطل کہتے ہیں اور فروع اور احکام میں قیاس کو جائز کہتے ہیں بشرط: کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

ہم نے اپنی کتاب "المحصل من اصول الفقہ" میں یہ لکھا ہے کہ قیاس حجت ہے سو ہم ان دلائل کو یہاں ذکر نہیں کریں گے۔ (تیسرے کیرج ۵۰۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے "المحصل" میں قیاس کے حجت ہونے پر جو دلائل پیش کیے ہیں ہم بہت اختصار کے ساتھ ان کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں تاکہ اس مسئلہ میں امام رازی کا موقف واضح ہو جائے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

قاضی ابو بکر اور ہمارے جمہور محققین کے نزدیک قیاس کی اعتبار قریف یہ ہے:

ایک معلوم کو دوسرے معلوم پر کسی حکم کے اثبات یا نفی کے لیے محمول کرنا جب کہ ان دونوں میں کوئی امر جامع اور مشترک

۵۰۲

اس کی دوسری قریف حسن بصری سے منقول ہے کہ اصل کے حکم کو فرع پر لاگو کرنا کیونکہ مجتہد کے نزدیک دونوں میں حکم کی علت مشترک ہے۔ یہ قریف زیادہ واضح ہے۔ (المحصل ج ۳ ص ۱۰۷-۱۰۸ مکتبہ دار المعرفۃ بیروت ص ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے حسب ذیل آیات سے قیاس کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے:

فَلَا تَقْرَءُوا لَیْلًا ذِیَ الْاَبْصَارِ (البشر: ۲)

اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔

وہ استدلال یہ ہے کہ اعتبار اور عبرت کا معنی ہے: عبور کرنا اور تہاؤز کرنا یعنی اصل کے حکم سے فرع کے حکم کی طرف تہاؤز کرو اس کے علاوہ مزید یہ آیات ہیں:

إِنِّیْ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةٌ لِّذِیَ الْاَبْصَارِ (آل عمران: ۱۳۰ البقرہ: ۲۴)

بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے (یعنی نصیحت ہے)۔

إِن تَتُوبَا فِی الْاَعْلَامِ لَعِبْرَةٌ لِّذِی الْاَبْصَارِ (آل عمران: ۱۳۰ البقرہ: ۲۴)

بے شک تمہارے لیے سویشوں میں ضرور عبرت ہے (یعنی نصیحت ہے)۔

۵۰۳

(المحصل ج ۳ ص ۱۰۹-۱۰۸)

امام رازی نے حسب ذیل احادیث سے بھی قیاس کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: آیا روزہ دار بوساے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر تم پانی سے غرارے کرو پھر کلی کر دو تو کیا تم اس پانی کو پینے والے ہو؟ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۵۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۶۰)

۱۰۔ مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۱ المسند رک ج ۳ ص ۲۳۱ سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳۱ جامع المسانید و السنن مسند عربین الفہم ج ۲ ص ۶۲)

وہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غرارے کو بوسے پر قیاس فرمایا کہ جس طرح پانی کو نکلے بغیر غرارے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح بغیر انزال کے بوسے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (المحصل ج ۳ ص ۱۰۳-۱۰۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا کہ میری ماں فوت ہوگئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے تھے کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۵۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۸۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۰ جامع المسانید و السنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۷۷۲)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حق کو بندہ کے حق پر قیاس کیا ہے۔ (المحصل ج ۳ ص ۱۰۵)

کیونکہ عباداتِ بدنیہ میں نیابت جائز نہیں ہے اس لیے یہ حدیث روزے کے فدیہ پر محمول ہے عباداتِ بدنیہ میں نیابت جائز نہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: کیا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے یا کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ رکھتا ہے اور نہ کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

(سوطا امام مالک ج ۱ ص ۲۹۹ کتاب المغامیہ رقم الحدیث ۱۳۳۱ رقم المسلسل: ۶۸۸ دارالعرفۃ بیروت: ۱۳۲۰ھ)

اور فدیہ کے وجوب پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہوں تو اس کے ہر روزے کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۱۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۵۴ جامع الترمذی و السنن منہ لکن عمر رقم الحدیث: ۶۴۱۳)

امام رازی فرماتے ہیں:

قیاس سے استدلال کرنے پر صحابہ کا اجماع ہے، کیونکہ بعض صحابہ نے قیاس پر عمل کیا ہے اور کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا بعض صحابہ کے قیاس پر عمل کرنے کی دلیل یہ ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا: اشاہ اور نقار کی معرفت حاصل کرو اور اپنی رائے سے دوسرے امور کو ان پر قیاس کرو۔

(المحصل ج ۳ ص ۱۰۶)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ امام رازی احکام شرعیہ فرعیہ میں قیاس سے استدلال کرنے کے قائل ہیں اور الشوری: ۱۳ میں جو انہوں نے قیاس پر انکار کیا ہے اس سے مراد اصول اور عقائد میں قیاس سے استدلال کرتا ہے البتہ انہوں نے الشوری: ۱۰ میں جو قیاس کا رد کیا ہے اس کی توجیہ مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے اسی وقت تفرقہ ڈالا تھا جب ان کے پاس علم آچکا تھا اور وہ تفرقہ بھی باہمی سرکشی کی وجہ سے تھا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے (نزدول عذاب کی) ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کے متعلق الجھن میں ڈالنے والے شک میں ہیں O پس اسی قرآن کے متعلق آپ دعوت دیں اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ پر مستقیم (بقرار) رہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور آپ کہیے: میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹا ہے O

(الشوری: ۱۳-۱۵)

انبیاء علیہم السلام کے بعد دین میں تفرقہ ڈالنے والے کون تھے؟ عرب یا اہل کتاب؟

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس دین پر ایمان لائیں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر تمام نبیوں اور رسولوں میں مشترک رہا ہے اور جن لوگوں نے بھی اس حقیق علیہ دین کی مخالفت کی وہ جان بوجھ کر کی حالانکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ یہی دینِ برحق ہے اور اس کی مخالفت گم راہی ہے لیکن انہوں نے محض سرکشی اور اپنی ریاست

قائم کرنے کے لیے اس دین کی مخالفت کی اور انہوں نے محض اپنا حقوق اور برتری ظاہر کرنے کے لیے اور لوگوں کو اپنے خود ساختہ نظریات کا قیود کار بنانے کے لیے اس دین کی مخالفت کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ وہ اس دین کی مخالفت کرنے کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر فورا عذاب نازل نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عذاب کو نازل کرنے کی ایک مہاجد مقرر ہے، نزول عذاب کی وہ مہاجد کوں سی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں عذاب نازل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وقت مقرر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے۔

پاٹی رہا یہ کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اس اتفاقی دین کی مخالفت کی، بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد عرب ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے اہل کتاب میں سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں جیسا کہ حسب ذیل آیات سے واضح ہے۔

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ اُولَئِكَ الْكِتَابَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَهُمْ الْحُكْمُ بِمَا بَيَّنَّاهُمْ (آل عمران: ۱۹)

اور اہل کتاب نے آپس میں سرکشی کی وجہ سے اس کے بعد ہی اختلاف کیا ہے جب ان کے پاس علم آ چکا تھا۔
اور اہل کتاب نے اس کے بعد ہی تفرقہ کیا ہے جب ان کے پاس کتاب آ چکی تھی

اس لیے اس آیت (الشوری: ۱۳) سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے، وہ اس کتاب کے متعلق انہیں میں ڈالنے والے شک میں جتا تھے۔

الشوری: ۱۵ سے دس مسائل کا استنباط

الشوری: ۱۵ میں فرمایا: ”پس آپ اسی قرآن کے متعلق دعوت دیں اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور آپ کہیے: میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا، اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے، اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹا ہے“

یہ آیت کریمہ دس مستقل کلمات پر مشتمل ہے اور ہر کلمہ دوسرے سے منفصل ہے اور آیت انکری کے علاوہ اس آیت کی اور کوئی نظیر نہیں ہے اس میں بھی دس فصول ہیں، اب ہم ان دس کلمات کی تفصیل کر رہے ہیں۔

(۱) پس آپ اسی قرآن کے متعلق دعوت دیں کیونکہ اہل کتاب نے اپنی ہوائے نفس سے دین میں مختلف فرقے بنا لیے ہیں، اس لیے آپ صرف ملت اسلام کی دعوت دیں، جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور آپ سے پہلے ان رسولوں کی طرف وحی کی ہے جن کی شرائط کی پیروی کی جاتی ہے اور تمام لوگوں کو اسی دین کی پیروی کی دعوت دیں۔

(۲) اور جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اسی پر مستقیم (برقرار) رہیں۔ یعنی آپ اور آپ کے قبیلین صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مستقیم رہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے اور اس سے سرواغراف نہ کریں اور یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے آپ ہی اللہ تعالیٰ کے احکام پر اس طرح عمل کر سکتے ہیں کہ اس کے حکم سے بالکل ادھر ادھر نہ ہوں، ورنہ آپ نے امت کے لیے فرمایا:

استقيموا ولن تحصوا۔ مستقیم رہو اور تم ہرگز نہ دہ سکو گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۷۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۶)

یعنی تم اللہ تعالیٰ کے احکام پر اس طرح جیسے نہیں رہ سکتے جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے، پس استقامت کی حقیقت کی طاقت صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے یا اکابر اولیاء کو۔

(۳) اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔ یعنی اہل کتاب کی باطل خواہشوں اور مشرکین کے کذب و افتراء کی پیروی نہ کریں۔ کیونکہ مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ ان کے بتوں کی تعظیم کریں یا کم از کم ان کو بُرا نہ کہیں اور یہود و نصاریٰ کی خواہش تھی کہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کریں اور تورات اور انجیل کے احکام کو منسوخ نہ کریں اور سب سے بڑی مصیبت اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی خواہش پر عمل کرنا ہے قرآن مجید میں ہے:

أَرَأَيْتَ مِمَّنْ اخْتَلَفُوا فِي الدِّينِ مَا كُونُوا لَهُ (آل عمران: ۴۳)

معبود بنالیا۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ فَبُخِلِيَ فِي دِينِهِ (الصافات: ۲۷)

اور اس سے زیادہ گم راہ اور کون ہو گا جو اللہ کی طرف سے

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دانا کی کی آفت تھی بھارت اور ڈیک مارنا ہے اور بہادری کی آفت بغاوت ہے اور سخاوت کی آفت احسان جلتانا ہے اور جمال کی آفت تکبر ہے اور عبادت کی آفت سستی ہے اور باتوں کی آفت جھوٹ بولنا ہے اور علم کی آفت علم کی آفت جہالت ہے اور حسب و نسب کی آفت فخر ہے اور سخاوت کی آفت فضول خرچی ہے اور دین کی آفت نفسانی خواہشوں پر عمل کرنا ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۳۳) یہ حدیث ائمہ الکبیر شعب الایمان الجامع البصیر اور مجمع الجوامع میں بھی ہے لیکن ان میں دین کی آفت کا ذکر نہیں ہے)

(۴) اور آپ کہیے: میں ان تمام چیزوں پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں اور صحائف نازل کیے ہیں میں ان سب پر ایمان لایا ان لوگوں کی طرح نہیں جو بعض کتابوں پر ایمان لائے اور بعض پر نہیں۔ (۵) اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا۔ یعنی احکام شرعیہ کو نافذ کرنے میں معزز لوگوں اور پست طبقہ کے لوگوں کے درمیان فرق نہ کیا جائے اور مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کسی کی رو رعایت نہ کی جائے اور امیر اور غریب کا فرق نہ کیا جائے۔

(۶) اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ یعنی ہمارا خالق اور ہمارا مالک اور ہمارے تمام معاملات کا والی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہماری عبادات کا مستحق ہے نہ کہ بت اور نفسانی خواہشیں۔

(۷) ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں یعنی ہم نے جو نیک اعمال کیے ہیں ہم اللہ کے فضل سے ان کی جزاء کے امید وار ہیں اور ہم نے جو بُرے کام کیے ہیں ہم ان کی سزا کے مستحق ہیں اللہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمادے اور ہم نے جو اعمال کیے ہیں تم ان کے انجام کے مستحق ہو ہمیں تمہاری نیکیوں سے کسی فیض کی توقع نہیں اور نہ تمہاری برائیوں سے ہمیں کوئی ضرر ہو گا۔

(۸) ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان جو مخالفت ہے وہ صرف اللہ کے لیے ہے اگر تم اللہ کی توحید کا اقرار کر لو تو تم ہمارے بھائی ہو۔ یہ حکم آیت جہاد کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے آپ

ہمارے اور ان کے درمیان گوارہ ہے نیز اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب کفار کے سامنے دلائل نہیں پیش کیے جائیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کفار دلائل سے آپ کا صدق جان چکے ہیں اور محض ہٹ دھرمی کر رہے ہیں اس لیے اب ان کے سامنے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۹) اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا۔ یعنی قیامت کے دن اور اس دن ان باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا جن میں تم ہماری مخالفت کرتے ہو۔

(۱۰) اور اسی کی طرف سب کو لوٹا ہے اس دن اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہوگا اور وہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اللہ کی دعوت کے مقبول ہونے کے باوجود اس میں جھگڑا کرتے ہیں ان کی کٹ جھٹی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور سخت عذاب ہے O اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا اور میزان کو قائم فرمایا اور (اسے مخاطب!) تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو O اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ وہ برحق ہے سنو! جو لوگ قیامت کے وقوع میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجہ کی گم راہی میں ہیں O اللہ اپنے بندوں پر بہت نرمی کرنے والا ہے وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بہت قوت والا ہے حد غلبہ والا ہے O (الشوریٰ ۱۶-۱۹)

اسلام کے خلاف یہود کا اعتراض اور امام رازی کی طرف سے اس کا جواب

جب عام لوگوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا اس کے باوجود یہودی اسلام پر اعتراض کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت پر سب کا اتفاق نہیں ہے اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر اور تورات کے آسمانی کتاب ہونے پر سب متفق ہیں اور مختلف فیہ کے بجائے متفق علیہ شخص کو نبی ماننا چاہیے اور اس کے دین اور اس کی کتاب کو تسلیم کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہودی حجت باطل ہے یہودی حجت باطل ہونے کی ایک وجہ وہ ہے جو امام رازی نے بیان فرمائی ہے اور چند وجوہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس ناکارہ کے ذہن میں القاء فرمائی ہیں پہلے ہم امام رازی کی بیان کی ہوئی وجہ بیان کر رہے ہیں۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ بیان فرماتے ہیں:

تمام یہود اس پر متفق ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس لیے ایمان لانا واجب ہے کہ انہوں نے معجزات پیش کیے تھے اور یہود نے ان معجزات کا مشاہدہ کیا پس اگر معجزہ کا مشاہدہ نبی کے صدق کی دلیل ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق بھی واجب ہے کیونکہ آپ نے بھی معجزات پیش کیے ہیں اور نہ حضرت موسیٰ کی تصدیق بھی ثابت نہیں ہوئی اور جب معجزہ نبی کے صدق کو مستلزم ہے تو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوئی تو اسی طرح معجزات کی بناء پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی ثابت ہوئی (امام رازی کے جواب سے شریعت محمدی شریعت موسیٰ پر ترجیح ثابت نہیں ہوئی بلکہ دونوں شریعتوں کا برابر ہونا ثابت ہوتا ہے)۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۹۹ و احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۵ھ)

یہود کے اعتراض کا جواب مصنف کی طرف سے

مصنف کے نزدیک یہودی دلیل حسب ذیل وجوہ سے باطل ہے:

(۱) یہود نے یہ کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی کتاب یعنی قرآن مجید مختلف فیہ ہے اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان کی کتاب یعنی تورات متفق علیہ ہے ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ تورات کا تو

نفس وجود اور نبوت مختلف فیہ ہے۔ ہر چند سال بعد اس کے ایلیٹن میں ترمیم اور تحریف ہو جاتی ہے تو رات کے ۱۹۷۷ء کے ایلیٹن میں لکھا ہے: دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔ (استقام باب: ۳۳ آیت: ۲: مطبوعہ لاہور) اور ۱۹۹۲ء کے ایلیٹن میں لکھا ہے: لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ (مطبوعہ لاہور)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب میں خود تعارض اور اختلاف ہے جس زبان میں یہ کتاب نازل ہوئی اب وہ زبان بھی موجود نہیں ہے غرض یہ کہ یہ کتاب فی نفسہ مختلف فیہ ہے اس کے برخلاف قرآن مجید متفق علیہ ہے کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ قرآن مجید کی فلاں آیت پہلے اس طرح تھی اب اس طرح نہیں ہے اور تورات کی بہت سی آیات کے متعلق ثابت کیا جا چکا ہے کہ وہ بدل چکی ہیں پس تورات کا تو اپنا وجود اختلافی ہے اور قرآن کا اپنا وجود اتفاقی ہے لہذا تورات کے مقابلہ میں قرآن مجید پر ہی ایمان لانا چاہیے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بجائے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ایمان لانا چاہیے۔

(۲) موجودہ تورات میں لکھا ہے کہ: نوح نشر میں اپنے ذریعہ میں برہنہ ہو گیا۔ (یدائش باب: ۱۰ آیت: ۲۰) لوط کی بیٹیوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی اور اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ (یدائش باب: ۱۹ آیت: ۳۸-۳۷) لوط نے ایک عورت کو برہنہ دیکھا اس پر عاشق ہوئے اس کے خاوند کو لڑائی میں مردا دیا اور اس کو بیوی بنا لیا۔ (سورہ باب: ۱۰ آیت: ۷۷-۷۶) سلیمان انہی عورتوں سے محبت کرتا تھا۔ (سلاطین باب: ۱۱ آیت: ۱) موجودہ تورات نے انبیاء علیہم السلام کو عیاش اور بدکردار بتایا ہے سو تورات کی تعلیم سے لوگ کس طرح نیک بنیں گے اس کے برخلاف قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرماتا ہے: ”مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا“ (الاحقاف: ۸۵) تمام انبیاء صالح اور نیک ہیں اس لیے ضروری ہے کہ موجودہ تورات کے مقابلہ میں قرآن مجید پر ایمان لایا جائے کہ اسی کی آیات نیکی کی تہنیں میں مؤثر ہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی دنیا کے تمام لوگوں کے لیے تھی یہی وجہ ہے کہ اب بھی یہودی بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی شخص کو تبلیغ کرتے ہیں نہ اپنے دین میں داخل کرتے ہیں اس کے برعکس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دنیا کے تمام لوگوں اور تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے اس لیے تورات کے بجائے قرآن مجید پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سخت احکام ہیں: اگر گناہ ہو جائے تو اس کی توبہ قتل کرنا ہے اور کپڑے پر نجاست لگ جائے تو پاک کرنے کے لیے اس حصہ کا کٹنا ضروری ہے مال قیمت حلال نہیں ہے پانی نہ ملنے کی صورت میں حجم کی سہولت نہیں مسجد کے سوا کہیں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اس کے برعکس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں توبہ کے لیے صرف صدقہ دل سے معافی مانگنا کافی ہے کپڑے پر نجاست لگ جائے تو اسے پاک کرنے کے لیے صرف پانی سے دھو لینا کافی ہے مال قیمت حلال ہے پانی نہ ملنے کی صورت میں حجم کی گنجیم کرنا کافی ہے اور تمام روئے زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے تو جس شریعت میں احکام آسان ہوں وہ اس شریعت پر راجح ہے جس کے احکام آسان نہ ہوں سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت جن معجزات سے ثابت ہوئی مثلاً عصا اور یہ بیضاء آج دنیا میں وہ معجزات نہیں ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد علیہ السلام کی نبوت قرآن سے ثابت ہوئی اور وہ جس طرح چودہ سو سال پہلے مجر تھا آج بھی مجر ہے نہ چودہ سو سال پہلے اس کی کوئی نظیر لا سکتا تھا نہ آج لا سکتا نہ چودہ سو سال پہلے اس میں کوئی کمی یا زیادتی ہوئی نہ آج تک

ہو سکتی نہ قیامت تک ہو سکے گی۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہی واجب الاجار ہے۔

(۶) موجودہ قورات میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم موجود ہے:
خداوند تبارک و تعالیٰ نے میرے ہی درمیان سے یعنی میرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا (استغنا باب: ۱۸ ایت: ۱۵)

اور حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب سے کسی چیز کا سوال نہ کرو وہ تم کو ہرگز ہدایت نہیں دیں گے وہ خود گم راہ ہو چکے ہیں تم (ان کی اپیل میں) یا کسی باطل چیز کی تصدیق کرو گے یا کسی حق کا انکار کرو گے پس بے شک اگر حضرت موسیٰ تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے کوئی چیز جائز نہ تھی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۸ سوسے ارسلاۃ نبوت ص ۱۲۹ مسند ابو ذر رقم الحدیث: ۱۳۳ مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۵ سنن نسائی ج ۳ ص ۱۱۰ شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۰۷ معصف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۰۵۸ جامع السانید و اسنن مسند جابر: ۳۱۰ اس کی بعض اسانید میں جابر بھی ہے اور وہ ضعیف روایت ہے لیکن امام بزار کی سند میں جابر بھی نہیں ہے اس میں بزار ہے لہذا اس سند پر کوئی اعتراض نہیں ہے)

بہر حال اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بجائے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو قبول کرنا واجب ہے اور یہودیوں نے جو اسلام کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ کی شریعت کی ترجیح پر جہت قائم کی ہے وہ باطل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيعُوْا اَمْرَ اللّٰهِ وَاَطِيعُوْا اَمْرَ الرَّسُوْلِ وَاَطِيعُوْا اَمْرَ اللّٰهِ وَاَطِيعُوْا اَمْرَ الرَّسُوْلِ (النور: ۶۴)
”ادحضہ“ کا معنی

اس آیت میں ”ادحضہ“ کا لفظ ہے یہ وحی سے بنا ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کا زائل ہونا اور پھسلنا۔ علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے: ”دحض ہر جملہ“ کا معنی ہے: اس کا بے پھسل گیا اور ”والشمس زالت“ کا معنی ہے: دھوپ زائل ہو گئی۔ ”والحجۃ دحوضا“ کا معنی ہے: دلیل باطل ہو گئی۔ (القاموس ص ۶۳۳ سوسے ارسلاۃ نبوت ص ۱۲۳) علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اس کے معنی ہے: باطل ہونا زائل ہونا قرآن مجید میں ہے:
وَيَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَأْتِيَنَّكُم مِّنْ رِّبٍّ مَّاۤیْمَنَۃً وَّلَا يَأْتِيَنَّكُم مِّنْ رِّبٍّ مَّاۤیْمَنَۃً
یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَأْتِيَنَّكُم مِّنْ رِّبٍّ مَّاۤیْمَنَۃً وَّلَا يَأْتِيَنَّكُم مِّنْ رِّبٍّ مَّاۤیْمَنَۃً (النور: ۵۶) (المکمل: ۵۶)

(المطروحات ج ۱ ص ۲۳۱ مکتبہ زار معنی: نبوت ص ۱۳۸) علامہ محمد بن کرم بن منکوار فریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں: وحی کا معنی ہے: پھسلنا حدیث میں ہے:
ان دون جسر جهنم طريقا ذا دحض۔
دورخ کے پاس پھسلنے والا راستہ ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۹)

کروہت ان اصحر جکم فتمشون فی الطین
الدهض۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۹۰۱) میں نے جنہیں مگر سے ٹالنے کو ٹاپند کیا کہ تم کچھ اور پھسل
میں چلو گے۔

(اسان الحرب ج ۵ ص ۲۳۳ دار صادر بیروت ۲۰۰۳ء)

علامہ ابن منظور کی نقل کردہ احادیث دراصل علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے پیش کی ہیں۔

(النبایہ ج ۳ ص ۹۸-۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

الشوری: ۱۸-۱۷ کا خلاصہ

الشوری: ۱۸-۱۷ میں فرمایا: ”اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو نازل فرمایا اور میزان کو قائم فرمایا اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو“ اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں ”واللہ اعلم“

اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کے برحق ہونے پر دلائل قائم فرمادیئے تو اسلام کے مخالفین کو قیامت کے وقوع سے ڈرایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جس میں انواع و اقسام کے دلائل اور براہین ہیں سابقہ امتوں کے نیک لوگوں کے اعمال صالحہ اور بدکاریوں اور منکروں کے عبرت ناک انجام کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے میزان کو نازل کیا ہے جس میں اعمال کا وزن کیا جائے گا اور کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور قیامت آنے کے بعد کسی شخص کو نہ بے کاموں سے بچنے اور ان پر توبہ کرنے اور نیک کاموں کے کرنے کی مہلت نہیں ملے گی اس لیے ہر صاحب عقل شخص پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کی ہوئی آیات میں غور و فکر کرے اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید اور روایت پرستی کے روگ کو ترک کرے اور اللہ تعالیٰ کی اولویت اور اس کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے نہ بے کاموں اور رسم و رواج کے جھوٹے بندھنوں کو توڑ دے اور نیک کاموں کو اختیار کرے۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں اور مشرکوں کو عموماً قیامت کے اچانک واقع ہونے سے ڈراتے رہتے تھے اور اہل مکہ نے ابھی تک وقوع قیامت کی علامات سے کوئی علامت نہیں دیکھی تھی اس لیے وہ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ کاش قیامت ہو جاتی تھی کہ ہم کو بھی پتا چل جاتا کہ آیا ہم حق پر ہیں یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق پر ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اس کے آنے سے ڈرتے ہیں۔

میزان کا لغوی اور شرعی معنی

اس آیت میں ”میزان“ کا لفظ ہے علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں: میزان کا معنی ہے: عدل اور مقدار۔ (القاموس المحیط ص ۱۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

علامہ محمد بن حکیم بن منکور افریقی متوفی ۱۱۷۷ھ لکھتے ہیں:

میزان اس آیت کو کہتے ہیں جس سے چیزوں کا وزن کیا جاتا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَنَقُصُّ الْقِصَّةَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ

(النبا: ۴۷)

پس رہا وہ جس (کی نکیوں) کے پلاؤں سے ہماری ہوں

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنذَرُوا بِاللَّعْنَةِ وَالنَّارِ الَّتِي هُمْ فِيهَا يَدْخُلُونَ

گے تو وہ پندہ زندہ کی میں ہوگا اور ہا وہ جس (کی نکیوں)

(الزمر: ۶-۷)

کے پلاؤں سے جگہ ہوں گے تو وہ حادہ (دورخ کی گہرائی) سے

زجاج نے کہا: قیامت کے دن جس میزان کا ذکر ہے اس کی تیسر میں علماء کا اختلاف ہے ایک تفسیر یہ ہے کہ میزان کے دو پلڑے ہیں اور دونوں میں میزان (ترازو) کو اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ عدل کریں اور قیامت کے دن اس میں لوگوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا بعض علماء نے کہا: میزان اس کتاب کا نام ہے جس میں مخلوق کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ ابن سیدہ نے کہا: حدیث میں ہے کہ میزان کے دو پلڑے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۰)

(لسان العرب ج ۵ ص ۲۵۵ دار صادر بیروت ۲۰۰۳ء)

میزان کا شرعی معنی یہ ہے: وہ چیز جس میں حقوق واجبہ کا وزن کیا جائے عام ازیں کہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں اور اس کا لغوی معنی ہے: عدل کا آلہ اور وزن کا معنی ہے: کسی چیز کی مقدار کی معرفت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر میزان عقل رکھ دی ہے جس سے خیر اور شر اور حسن اور قبح کا ادراک کیا جاتا ہے اسی میزان عقل کو عرف میں ضمیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہر مسلمان کے دل میں ایک میزان شرع ہوتی ہے جس سے وہ احکام شریعہ کا وزن کرتا ہے اور کسی بھی کام کے ارادے کے وقت وہ میزان اس کو بتاتی ہے کہ وہ کام اس کے لیے شرعاً جائز ہے یا ناجائز قرآن مجید میں ہے:

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۚ وَلَٰكِن لَّا يَشْكُرُ (الانسان کو اپنے نفس پر بصیرت حاصل ہے) خواہ وہ کتنی

طاہرات کرے

(المائدہ: ۱۵-۱۴)

عجلت کی مذمت اور اطمینان سے کام کرنے کی فضیلت

الشرعی: ۱۸ میں فرمایا: ”اس (قیامت) کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔“ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کام میں جلدی کرنا مذموم ہے حدیث میں ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

التَّائِمِي مِنَ اللَّهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ (الایمان سے کام کرنا اللہ کی جانب سے ہے اور عجلت شیطان کی طرف سے ہے۔)

عجلت مذموم ہونے کے عموم سے چھ چیزیں مستثنیٰ ہیں: (۱) نماز کا مستحب وقت آنے کے بعد نماز پڑھنے میں جلدی کرنا (۲) جب جنازہ تیار ہو جائے تو اس کی تدفین میں جلدی کرنا (۳) جب کنواری لڑکی کا کھنوا میں رشیدل جائے تو اس کے نکاح میں جلدی کرنا (۴) جب قرض ادا کرنے کی گنجائش ہو تو اس کی ادائیگی میں جلدی کرنا (۵) جب مہمان آئے تو اس کو کھانا کھلانے میں جلدی کرنا (۶) شامت ٹپس سے اگر گناہ ہو جائے تو اس کے بعد توبہ کرنے میں جلدی کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکمت کی وجہ سے وقوع قیامت کی خبر نہ دینا

اس آیت میں فرمایا ہے: ”اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا شاید کہ قیامت قریب ہو۔“ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب اس میں ”وما اذراک“ کا لفظ ہوتا اس چیز کا بیان متوقع ہوتا ہے اور جب ”وما بدربک“ کا لفظ ہوتا اس کا بیان متوقع نہیں ہوتا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَأْتِيكَ إِلَّا بَغْتَةً (بغیر اعلان کے) (الاعراف: ۱۸۷)

قیامت تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔ اس لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ قیامت کب آئے گی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا اور جب بھی آپ سے قیامت کے متعلق سوال کیا جاتا تھا آپ طرح دے جاتے تھے اور ہال جاتے تھے اس سلسلہ

میں یہ احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے حلق سوال کیا، میں نے کہا: قیامت کب واقع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: تم نے قیامت کی کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا: کچھ نہیں سوا اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا: تم جس کے ساتھ محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ رہو گے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اور حضرت ابوبکر سے اور حضرت عمر سے اور مجھے امید ہے کہ میں ان ہی کے ساتھ ہوں گا کیونکہ میں ان سے محبت کرتا ہوں خواہ میں ان جیسے عمل نہ کروں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۸، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۳۱۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۹۹۹، عالم الکتاب، مسند عیدي رقم الحدیث: ۱۱۹۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۵۶۳۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۶۶، جامع الترمذی واسنن مسند انس رقم الحدیث: ۸۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! قیامت کب واقع ہوگی؟ اس وقت آپ کے پاس انصار میں سے ایک لڑکا بھی تھا، آپ نے فرمایا: اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو جب تک یہ یوزھا نہیں ہوگا قیامت نہیں آئے گی (یعنی یہ لڑکا یوزھا ہونے سے پہلے مر جائے گا)۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۹، جامع الترمذی واسنن مسند انس رقم الحدیث: ۲۰۶، در المنثور ج ۱ ص ۵۳۲)

کون سا علم باعث فضیلت ہے؟

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: "اور جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ قیامت کے آنے سے ڈرتے ہیں سنو! جو لوگ قیامت کے وقوع میں جھگڑتے ہیں وہ بے درجے کی گم راہی میں ہیں۔"

آیت کے اس حصہ میں علم یقین کی مدح اور فضیلت ہے اور تردد اور شک کی مذمت ہے، سو مسلمان کو چاہیے کہ وہ علم یقین کو حاصل کرے اور تردد اور شک سے نکل آئے، تاہم علم اس وقت قابل تعریف ہے جب اس کے ساتھ خوف خدا بھی ہو اور علم کے تقاضے پر عمل بھی ہو ورنہ ایسی کو حضرت آدم کی نبوت کا علم تھا، فرعون کو حضرت موسیٰ کی نبوت کا علم تھا، ابوجہل اور یہود کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا، لیکن چونکہ ان کو خوف خدا نہ تھا اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے اور کتنے ہی خوف خدا سے خالی علماء قیامت کے دن عذاب میں گرفتار ہوں گے، کیونکہ وہ اپنے علم کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے۔

الشوری: ۱۹ میں فرمایا: "اللہ اپنے بندوں پر بہت نری کرے والا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ بہت قوت والا ہے حد غلبہ والا ہے۔"

بندوں پر اللہ تعالیٰ کے لطیف ہونے کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: "اللہ اپنے بندوں پر لطیف ہے۔"

علامہ عبد القادر رازی حلی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں: جو چیز باریک ہو اس کو لطیف کہتے ہیں اور کسی کام میں نرمی اور ملاہمت کرنے کو لطیف عمل کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لطیف ہونے کا معنی ہے: وہ نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور گناہوں سے حفاظت فرمانے والا ہے۔ (فتح الرحمن ج ۳ ص ۳۳، در احیاء الآثار العرفی ج ۱ ص ۱۲۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر شفیق ہے، عکرمہ نے کہا: وہ بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے۔ سدی نے کہا: وہ ان کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ نیکی اور بددلوں کے ساتھ لطیف ہے، کیونکہ وہ بدکاروں کے گناہوں کی وجہ سے ان کو بھوکا نہیں مارتا، کیونکہ اس نے فرمایا ہے: وہ جس کو چاہتا

ہے رزق دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ مومن اور کافر میں سے جس کو چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رزق عطا فرمانے میں دو اعتبار سے لطیف ہے ایک یہ کہ اس نے تم کو طہیات سے رزق عطا فرمایا ہے دوسرے یہ کہ اس نے تم کو ایک ہی بار سب رزق نہیں عطا فرمایا بلکہ وہ تم کو بتدریج رزق عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ قوی اور عزیز ہے یعنی وہ ہر اس چیز پر قادر ہے جس کو چاہے اور وہ سب سے زیادہ اور سب پر غالب ہے۔

(الطب فی علوم الکتاب ج ۷ ص ۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)
امام غزالی نے فرمایا: لطیف وہ ہے جو اشیاء کی باریک ترین مصلحتوں کو جاننے والا ہو اور ہر مصلحت کو اس کے مستحق تک نری اور آسانی سے پہنچانے والا ہو اللہ تعالیٰ کے لطف کے آثار میں سے یہ ہے کہ اس نے ماں کے پیٹ میں بچے کو رحم کے تپن تار یک پردوں میں پیدا کیا اور پیٹ میں اس کی حفاظت فرماتا رہا اور ناف کے ذریعہ سے ماں کے پیٹ میں اس کو غذا پہنچاتا رہا حتیٰ کہ وہ ماں کے پیٹ سے باہر آ گیا اور اپنے منہ کے ذریعہ غذا کو کھانے پر قادر ہو گیا پھر اس کے اندر یہ بات ڈالی کہ وہ ماں کا دودھ پیتا رہا خواہ وہ بچہ ہو یا رات ہو اور یہ کام اس بچہ کو کسی نے سکھایا تھا نہ اس نے کسی کو پہلے اس طرح دودھ پیتے ہوئے دیکھا تھا اسی طرح مرغی کے انڈے سے جیسے ہی چڑھ باہر آتا ہے وہ دانہ دنگا چھینے لگتا ہے کہتے ہیں کہ فطرت ہر جاندار کو جینے کے طور طریقے سکھا دیتی ہے لیکن اس فطرت کا خالق کون ہے انسان پر اللہ تعالیٰ کا پہلا کرم یہ ہے کہ اس نے انسان کو جمادات کے عالم سے نباتات کے عالم کی طرف منتقل کیا یعنی انسان اپنی خلقت کے پہلے مرحلہ میں فقر و آس کی طرح جلد تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں نشوونما رکھ کر اس کو نباتات کے عالم میں منتقل کیا۔ پھر عالم نباتات سے اس کو حیوانات کے عالم میں داخل کیا اور اس کے اندر حس اور حرکت ارادہ رکھی پھر اس میں فطرت رکھ کر اس کو انسان بنایا پھر اس کو کمال مدت کی فانی اور مٹائی زندگی دی اور اس کمال مدت میں نیک اعمال کرنے کے بعد اس کو غیر مٹائی اور لاقانی زندگی کا حلقہ دار بنایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا انسان پر بے حد لطف و کرم ہے۔

مَنْ كَانَ يَرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے

كَانَ يَرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ

ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں

مِنْ تَصِيْبٍ ۚ اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ

کوئی حصہ نہیں ہے ۚ کیا ان کے لیے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے

يَاْذَنُ بِهِ اللّٰهُ وَلَوْ اَنَّ كَلِمَةَ الْفَصْلِ لَقَضٰى بَيْنَهُمْ ط وَاِنْ

جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر (قیامت کا) فیصلہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک

الظَّالِمِينَ لَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۹﴾ تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا

ظالموں کے لیے درد ناک عذاب ہے ۲۹ آپ دیکھیں گے کہ ظالم اپنے کړوتوں سے خوف زدہ ہوں گے

كَسَبُوا وَهُوَ وَاَقْرَبُ بِهِمْ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي

اور ان کے کړوتوں کا وبال ان پر چڑل ہو گا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے

رَوْضَتِ الْجَنَّةِ لَكُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴿۳۱﴾ ذَلِكَ هُوَ

وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہو گی

الْفُضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۲﴾ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ

جس کی وہ خواہش کریں گے یہی بہت بڑا فضل ہے ۳۲ یہی وہ چیز ہے جس کی اللہ اپنے بندوں کو بشارت دیتا ہے جو

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے آپ کہیے کہ میں اس (تلفیظ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت

فِي الْقُرْبَىٰ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ط إِنَّ

طلب نہیں کرتا سوا قربت کی محبت کے اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس نیکی کے حسن کو اور بڑھا دیں گے بے شک

اللَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۳﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِنْ

اللہ بہت بخشنے والا اور بہت قدر کرنے والا ہے ۳۳ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے؟

يَشَاءُ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُخَيِّسُ الْحَقَّ

پس اگر اللہ چاہے گا تو آپ کے دل پر مہر لگا دے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت رکھتا ہے بے شک وہ

بِكَلِمَةٍ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۴﴾ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ

دلوں کی باتوں کو خوب جانتے والا ہے ۳۴ اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے

عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۳۵﴾ وَ

اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے ۳۵ اور ایمان والوں

يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ

کی اور نیک کام کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے ان کی نعمتیں

فَضْلُهُ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ

میں اضافہ فرماتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے ۳۷ اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق

لِعِبَادِهِ لَبَغْوًا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزِلُ بِقَدَرِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ

کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے لیکن اللہ جتنا چاہے ایک انداز سے رزق نازل فرماتا ہے بے شک

بِعِبَادِهِ خَيْرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۸﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا

وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے ۳۸ وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے

قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۖ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۳۹﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ

اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہی مددگار ہے بہت حمد کیا ہوا ۳۹ اور اس کی نشانیوں میں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا مِنْ دَابَّةٍ ۖ وَهُوَ عَلَى

سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرتا ہے اور ان جانداروں کو پیدا کرتا ہے جو اس نے آسمانوں اور زمینوں میں پھیلا دیے

جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۴۰﴾

ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے ۴۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے ۴۰ کیا نہ ہے کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر قیمت کا فیصلہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے ۴۰ آپ دیکھیں گے کہ تم اپنے کرتوتوں سے خوف زدہ ہوں گے اور ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے یہی بہت بڑا فضل ہے ۴۰ (الشوری: ۲۷-۲۸)

حرف کا معنی

الشوری: ۲۰ میں ”حسوت“ کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے کھیتی کیا ہے علامہ محمد بن کرم بن منظور افراہی متوفی ۱۱۷۱ھ لکھتے

ہیں: حرت کا معنی ہے: زمین میں اگانے کا عمل کرنا یعنی زمین میں بیج ڈالنا اور فصل اگانے کی تیاری کرنا اور اس کا اطلاق فصل اور کھیت پر بھی ہوتا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَتَوَكَّلْ عَلَى الْبَشَرِ فِي الْأَرْضِ يَنْبَغِي عَلَيْهَا أَوْفَاقُكَ
الْحَرْثَ وَالْأَنْسَلْ (البقرہ: ۲۵۵)

اور حرت کا معنی کب کرنا بھی ہے یعنی کوئی کام کرنا اور حارت کا معنی کاسب ہے علامہ ابن منظور نے حرت کے اور بھی کئی معانی ذکر کیے ہیں۔ (لسان العرب ج ۳ ص ۳۵۳ غرر الدرر ص ۲۰۳)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: حدیث میں ہے:

”احسرت لندنيك كانك تعيش ابدا“ واعمل لآخرتك
پاڑی کرو گویا تم دنیا میں ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کے لیے اس طرح عمل کرو جیسے تم کل مر جاؤ گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر براہین دیا ہے کہ دنیا کو آباد کیا جائے اور لوگ اس میں باقی رہیں اور جو لوگ تمہارے بعد دنیا میں آئیں وہ تمہاری خدمت سے اس طرح استفادہ کریں جس طرح تم اپنے سے پہلے لوگوں کی خدمات سے استفادہ کر رہے ہو کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کی زندگی طویل ہے تو وہ دنیا کی تعمیر میں حریص ہوگا اور آخرت کے معاملہ میں آپ نے اعمال میں اخلاص کی ترغیب دی اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال پر ابھارا کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ اس نے کل مر جاتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔ بعض علماء نے کہا: اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تر دنیا سے زہد اور بے رغبتی کی ترغیب دی ہے اور اس حدیث کا بھی یہی معنی ہے کیونکہ جب انسان کو یہ علم ہوگا کہ اس نے دنیا میں ہمیشہ رہتا ہے تو اس کو دنیا کی حرص نہیں ہوگی وہ سوچے گا کہ دنیا کی فلاں چیز مجھے اگر آج نہیں ملی تو کل مل جائے گی میں کون سا ابھی مر رہا ہوں اور آخرت کے لیے اس طرح عمل کرو جیسے کل مر جانا ہے سو نیک اعمال پر زیادہ سے زیادہ حریص کرو۔ (المحیط ج ۱ ص ۳۳۷-۳۳۸ دارالکتب البصری بیروت ۱۴۱۸ھ)

دنیا کے طالب اور آخرت کے طالب کا فرق

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ وہ اپنے بندوں پر لطیف ہے اور ان پر بہت زیادہ احسان کرنے والا ہے اب اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بندوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نیک کاموں کی طلب میں بہت کوشش کریں اور نہ سے کاموں سے بچنے کی کوشش کریں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے طالب اور دنیا کے طالب میں حسب ذیل وجوہ سے فرق کیا ہے۔

- (۱) آخرت کے طالب کو دنیا کے طالب پر مقدم فرمایا۔
- (۲) آخرت کے طالب کے متعلق فرمایا: ہم اس کی تکفیر میں اٹھائیں گے اور دنیا کے طالب کے متعلق فرمایا: ہم اس کی تکفیر میں سے اس کو کچھ حصہ دیں گے۔
- (۳) آخرت کے طالب کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ اس کو دنیا میں سے کچھ دیں گے یا نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کو دنیا میں سے کچھ حصہ دیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو دنیا میں سے کچھ بھی نہ دیا جائے اور دنیا کے طالب کے متعلق فرمایا کہ اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔
- (۴) دنیا کا حصہ نقد ہے اور آخرت کا حصہ احوال ہے لیکن آخرت کے حصہ میں زیادتی اور دوام ہے اور دنیا کے حصہ میں نقصان

اور بطلان ہے۔

(۵) کھیتی سے جو حصہ حاصل ہوتا ہے اس میں مشقت کرنی پڑتی ہے پہلے انسان زمین میں مل جلاتا ہے پھر اس میں بیج ڈالتا ہے پھر پانی لگاتا ہے پھر فصل پختے کے بعد دانے کو بھوسے سے الگ کرتا ہے اور جو آخرت کی کھیتی میں مشقت کرتا ہے اس کو بچا حاصل ہوتی ہے اور جو دنیا کی کھیتی میں مشقت کرتا ہے اس کو فنا حاصل ہوتی ہے قرآن مجید میں ہے:

وَالْبَنِيَّاتُ لِلطَّالِفِينَ وَالْبَنِيَّاتُ لِلطَّالِفِينَ وَالْبَنِيَّاتُ لِلطَّالِفِينَ وَالْبَنِيَّاتُ لِلطَّالِفِينَ

اور بانی رہنے والی بنکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب (الکہف: ۳۶) اور نیک توقع کے لحاظ سے بہتر ہیں

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ”ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے“ اس کے دو معنی ہیں: (۱) ہم اس کو نیک کاموں کی زیادہ توفیق دیں گے (۲) ہم اس کے اجر و ثواب میں اضافہ کریں گے قرآن مجید میں ہے:

لِيُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ أَجْرَهُمْ بِلَا حِسَابٍ وَلَا يَنْقُصُهُمْ فِيهِمْ حِسَابٌ

تاکہ ہم ان کو پورے اجر دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور (فاطر: ۳۰) زیادہ دیں۔

اس آیت میں دنیا کے حصول کے لیے مشقت اٹھانے کی مذمت کی ہے اور آخرت کے حصول کے لیے مشقت اٹھانے کی مدح فرمائی ہے حسب ذیل احادیث میں بھی اس معنی کی تائید ہے۔

دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت کے متعلق احادیث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص (صرف) دنیا کی فکر میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو پراگندہ کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے فقر اور تنگ دستی کر دیتا ہے اور اس کو دنیا سے صرف اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا حصہ اس کے لیے پہلے سے مقدر کر دیا گیا ہے اور جو آخرت کا قصد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو مجتمع کر دیتا ہے اور اس کے دل میں خفاہ رکھ دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس خاک آلودہ ہو کر آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۶۵۶ مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۳ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۷۷ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۳۳۵ الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۹۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے اپنے تمام افکار کو صرف ایک فکر بنادیا اور وہ آخرت کی فکر ہے اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کی فکر کے لیے کافی ہے اور جس کے افکار دنیا کے احوال میں مشغول رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہو رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۰۱ اس حدیث کی سند ضعیف ہے جامع الترمذی سنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۳۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا جس تیرے دل کو خفاہ سے بھر دوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو میں تیرے دل کو مشغولیات سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کو دور نہیں کروں گا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷۷۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۱ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۳۳۵ مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۳ المسند رک ج ۳ ص ۱۳۳ ج ۳ ص ۲۲۶)

الشوری: ۲۱ میں فرمایا: ”کیا ان کے لیے کچھ اشریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر قیامت کا فیصلہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بے شک خالوں کے لیے درد ناک عذاب ہے“

خود ساختہ شریعتوں کی مذمت

اس سے پہلی آیت میں دنیا اور آخرت کے لیے کوشش کرنے والوں کے احوال اور ان کے انجام بتائے۔ اس آیت میں گمراہی کی اصل بتائی ہے جس کی وجہ سے انسان آخرت کی بجائے دنیا کو اپنا مقصود بنالیتا ہے اور اس آیت میں کفار کے شرکاہ کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیل میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) شرکاہ سے مراد کافروں کے دو شیطین ہیں جنہوں نے ان کے لیے شرک اور کفر کو قیامت کے انگارہ اور دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو کھانے پینے اور جنس کی ناجائز لذات کو حرام کیا۔

(۲) شرکاہ سے مراد ان کے وہ بت ہیں جن کو کفار استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے ہیں ان کی پرستش کرتے تھے ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے ان کے سامنے جانوروں کو قربان کرتے تھے اور مصائب اور شدائد میں ان کے نام کی ودھائی دیتے تھے رہا یہ کہ بت تو بے جان ہیں ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ انہوں نے ان کافروں کو گمراہ کر دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بت ان کے گمراہ ہونے کا سبب تھے اس لیے ان کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت کر دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

رَبِّیْ اِنِّیْ اُفِیْکُ اَنْ اُشْرَکَ بِکَ فَاَنْتَ عَلَیْمُ الْغُیُّوْبِ

اے میرے رب! بے شک ان بتوں نے بہت لوگوں کو

(ابراہیم ۳۲) راستہ سے بھٹکا دیا ہے۔

(۳) اہل مکہ کو قہریم زمانے کے کفار نے گمراہ کیا اور ان کے لیے ایک شریعت بنا دی جس میں بتوں کی پرستش تھی ان کو اللہ کی بارگاہ میں سفارشی قرار دینا تھا اللہ کے نام پر ذبح کیے بغیر مردار جانوروں کو کھانا تھا اور بھیرہ سائبہ عام اور وسیلہ بتوں کے لیے نامزد جانوروں کے کھانے اور ان سے کام لینے کو حرام قرار دینا تھا کعبہ میں برہنہ طواف کرنا تھا عام لوگوں کے لیے حج میں عرفات کو توقف کے لیے مقرر کرنا اور قریش کے لیے مزدلفہ کو مقرر کرنا تھا اور حج کرنے کے بعد گھروں کے اصلی دروازوں کے بجائے پچھلے دروازوں سے یا مکان کی کچھل دیوار کو پچھا کر آنا تھا یہ وہ کام تھے جن کو ان کے بڑوں نے بہ طور شریعت کے اپنا لیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں ان کاموں سے منع فرمایا ہے اور ان کی مذمت کی ہے۔

جب تک انسان بالغ نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اس کو احکام شرعیہ کا مکلف نہیں کرتا بلوغت سے پہلے انسان مختلف کاموں کا عادی ہو جاتا ہے بالغ ہونے کے بعد اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی عادات کے خلاف اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے اگر انسان اپنی عادات اور نفسانی لذتوں میں مشغول رہا اور احکام شرعیہ پر عمل نہ کیا تو اسے کاموں کو ترک نہ کیا اور نیک کاموں کو اختیار نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کرتا رہا تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہوگا جیسا کہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ہمارے زمانہ میں بھی بعض گمراہ فرقوں نے اپنی طرف سے نئی نئی شریعتیں بنائی ہیں اور اپنے باطل نظریات کو دین میں داخل کر لیا ہے بعض لوگوں نے مستحبات کو فرائض اور واجبات کا درجہ دے دیا ہے اور بعض لوگوں نے مباحات اور مستحبات کو حرام قرار دے دیا ہے۔

الشرعی: ۳۲ میں فرمایا: ”آپ دیکھیں گے کہ ظالم اپنے کرتوتوں سے خوف زدہ ہوں گے اور ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے ان کے لیے ان کے رب

کے پاس ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے، یہی بہت بڑا فضل ہے۔^{۵۰}
اپنی عبادات کے بجائے اللہ تعالیٰ کے فضل پر نظر رکھنا

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یا ہر دیکھنے والے کو کہ گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے قیامت کے دن اپنے جرائم اور گناہوں سے خوف زدہ ہوں گے اور یہ جو فرمایا ہے کہ ”ان کے کرتوتوں کا وبال ان پر نازل ہوگا“ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف دنیا میں اپنی خواہشوں اور اپنی شہوتوں کے تقاضوں پر عمل کرتے رہے اور باطل لذت میں ڈوبے رہے اس کا وبال ان پر لازم ہوگا یا تو دنیا میں باطل طور پر ان پر مصائب اور شدائد کا نزول ہو گا اور مہلک بیماریاں ان پر حملہ آور ہوں گی یا آخرت میں ان کو اپنے جرائم کی سزا پہنچتی ہوگی، لہذا یہ کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے ان کو معاف فرمادے۔

ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اس لیے قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کافروں کے انجام کے بعد مومنوں کے انجام کا ذکر فرماتا ہے اس آیت کے پہلے حصہ میں کافروں یا بدکردار قاصدوں کا ذکر فرمایا تھا اس لیے اب اس آیت کے آخری حصہ میں مومنوں کے نیک انجام کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ جنت کے باغات میں ہوں گے یعنی وہ جنت کے سب سے خوب صورت حصے میں ہوں گے، باغات میں ہبزہ ہوتا ہے اور ہبزہ کی طرف دیکھنے سے آنکھوں کو تراوت حاصل ہوتی ہے اور نظر تیز ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: تین چیزیں نظر کو تیز کرتی ہیں (۱) ہبزہ کی طرف دیکھنا، بتے ہوئے پانی کی طرف دیکھنا اور خوب صورت چہرے کی طرف دیکھنا، حافظ سیوطی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۳۸۶)

تیز فرمایا: ”ان کو جنت میں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے“ اہل جنت کو جس چیز میں سب سے زیادہ لذت حاصل ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے اس کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح اور تہلیل سے لذت حاصل ہوگی اور کھانے پینے اور دیگر نفسانی خواہشوں کی حیثیت ثانوی ہوگی پھر فرمایا: ”یہی بہت بڑا فضل ہے“ اس کا معنی یہ ہے کہ مومن کو اپنی عبادتوں پر جبراً و ثواب ملے گا وہ اس کے استحقاق کی وجہ سے نہیں ملے گا محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ملے گا۔

انسان دنیا میں جو بھی نیک کام کرتا ہے اور جو بھی عبادت کرتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے کرتا ہے ۱۹۸۵ء سے پہلے میں کمر کے شدید درد میں مبتلا تھا اس وقت میں لاہور میں تھا اور مجھے کوئی امید نہیں تھی کہ میں کوئی تحریری کام کر سکوں گا میں نے اپنی قابل ذکر کتابیں فروخت کر دی تھی۔ پھر چھ جولائی ۱۹۸۵ء کو مفتی ضیاء الرحمن صاحب نے ٹیلی فون کر کے مجھے کراچی آنے کی دعوت دی تو میرا خیال تھا کہ میں وہاں زندگی کے باقی ماعدہ دن پورے کروں گا لیکن اللہ تعالیٰ نے وہاں مفتی ضیاء الرحمن کی وساطت سے ایسے اسباب اور سہولتیں فراہم کیں کہ مجھے تصنیف و تالیف کے کام کے لیے لکھاؤ ۵۰۰ فیول ملی اور آج ۱۹ دسمبر ۲۰۰۳ء تک اٹھارہ سال کے عرصہ میں میں نے شرح صحیح مسلم کی سات ضخیم جلدیں لکھیں جو تقریباً آٹھ ہزار صفحات پر مشتمل ہیں اور اب میں تہذیب القرآن کی دسویں جلد نگہ رہا ہوں اور اس کے بھی اب تک نو ہزار صفحات لکھے جا چکے ہیں اور یہ میرا کارنامہ نہیں ہے میں تو زندگی بھر بیٹھا تھا یہی اسی کام ہے اور اس کی شان ہے جو مردوں میں جان ڈال دیتا ہے قطرہ نیساں کو کمر بنادیتا ہے ایک شخص قطرہ کو انسان کے حسین و جمیل دیگر میں ڈھال دیتا ہے تو اگر میں یہ کہوں کہ میرے اس کام کے عوض اللہ مجھے اجر و ثواب عطا فرمائے تو یہ بہت غلط اور جھوٹی بات ہوگی میں کیا ہوں میرا کام کیا ہے سب کچھ اسی کی توفیق سے اور اسی کے فضل سے ہوا ہے میں اسی کے فضل سے صرف بخشش کا طلب گار ہوں میں اجر و ثواب کا اور جنت کا طالب نہیں ہوں یہ تو بہت بڑی نعمتیں ہیں میں کب ان کے لائق ہوں وہ آخرت میں میرے گناہوں پر پردہ رکھ لے اور مجھے معاف فرمادے تو

یہی اس کا بہت بڑا کرم اور بہت عظیم نفع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی وہ چیز ہے جس کی اللہ اپنے بندوں کو بشارت دیتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے ایک کام کیجئے آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قربت کی محبت کے اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی کے حسن کو اور بڑھا دیں گے بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت قدر کرنے والا ہے O یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے نہیں اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر جھگڑا دے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کام سے ثابت رکھتا ہے بے شک وہ دانوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے O (اشعری: ۳۵-۳۳)

تبلیغ رسالت پر قربت سے محبت کے اجر کے سوال پر ایک اعتراض

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کو نازل کیا اور لوگوں کی ہدایت کے لیے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید کے متعلق آیات نازل کیں اسی طرح نبوت اور رسالت کے متعلق آیات نازل کیں اور دیگر عقائد کے متعلق آیات نازل کیں قیامت حشر و نشر حساب و کتاب اور جنت اور دوزخ کے متعلق آیات نازل کیں اور احکام شرعیہ کے متعلق آیات نازل کیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام آیات کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا ان آیات کی تبلیغ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختیاں اور صعوبتیں برداشت کیں ہو سکتا تھا کہ کوئی بد عقیدہ جاہل یہ گمان کرتا کہ شاید آپ کسی مالی منفعت یا اللہ ار کے حصول کے لیے اس قدر مشقت اٹھا رہے ہیں اس تہمت اور بدگمانی کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قربت کی محبت کے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی تبلیغ رسالت پر ایک نوع کی اجرت کا ذکر ہے اور وہ قربت کی محبت ہے جب کہ دیگر انبیاء علیہم السلام نے مطلقاً اجرت طلب کرنے کی نفی کی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول ذکر فرمایا ہے: وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجُورِي إِلَّا وَجْهِي لِلرَّبِّ

إِنَّمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجُورِي إِلَّا وَجْهِي لِلرَّبِّ (اشعری: ۱۰۹)

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (اشعری: ۱۳۷) اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (اشعری: ۱۳۵) اور حضرت لوط علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (اشعری: ۱۶۳) اور حضرت شعیب علیہ السلام نے طلب اجر کی نفی کی۔ (اشعری: ۱۸۰)

بلکہ قرآن مجید میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ آپ طلب اجر کی نفی کریں: قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ

آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں O (۸۶)

نیز رسالت کی تبلیغ کرنا آپ پر واجب تھا اور جو چیز آپ پر واجب ہو آپ اس سے کیسے اجر لے سکتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

يَذَرُ مَا أَتَىٰ مِنَ الْبَيْتِ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ لَمْ يَلْعَلْ
هُوَ الَّذِي يَخْلُفُ عَنْكَ وَأَنْتَ أَهْلُ الْبَيْتِ
فَمَا تَلْعَلُ رَسُولًا لِّكَ (المائدہ: ۶۷)

آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی اس کی تبلیغ کیجئے اور اگر آپ نے یہ تبلیغ نہیں کی تو آپ نے اپنے کار رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔

نیز پیغام رسالت کو پہنچانے پر اجرت اور معاوضہ کو طلب کرنا آپ کے منصب نبوت میں تہمت کا موجب ہے اور یہ آپ کی شان لائق نہیں ہے ان وجہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تبلیغ رسالت پر اجرت کو طلب کرنا آپ کے لیے جائز نہیں ہے اور الشوری: ۲۳ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تبلیغ رسالت پر اجرت کا سوال کیا ہے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اعتراض مذکور کا یہ جواب کہ اس سے مراد رحم کی قربت ہے اور اس کی تائید میں مستند احادیث

(۱) اس آیت میں قربی سے مراد رحم کی قربت ہے کیونکہ مکہ کے تمام قبائل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم کی قربت تھی اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ میں تم سے صرف یہ سوال کرتا ہوں کہ تم قربت رحم کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور مجھ پر جو تبلیغ رسالت کی ذمہ داری ہے اس سے عہدہ بردار ہونے میں میری مدد کرو حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت: (الشوری: ۲۳) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ تمام قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت تھی جب قریش نے آپ کی رسالت کی تکذیب کی اور آپ کی اتباع کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! جب تم نے میری اتباع کرنے سے انکار کر دیا ہے تو تمہارے اندر جو میری قربت ہے اس کی حفاظت کرو (یعنی اس قربت کی وجہ سے مجھے اذیت نہ دو اور مجھے نقصان نہ پہنچاؤ) اور تمہارے علاوہ دوسرے عرب قبائل میری حفاظت کرنے میں اور میری مدد کرنے میں زیادہ راض نہیں ہیں۔ (المجم الکبیر ج ۲ ص ۱۹۷ رقم الحدیث: ۱۳۸۶۱ دار احیاء التراث العربی بیروت) ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

تم میری قربت کی وجہ سے صلہ رحم کرو یعنی مجھ سے میل جول رکھو اور میری تکذیب نہ کرو۔

(المجم الکبیر ج ۲ ص ۱۹۷ رقم الحدیث: ۱۳۸۶۱ دار احیاء التراث العربی بیروت جامع السانید و اسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۸۹۰)

نیز حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

قریش کے ہر قبیلہ میں آپ کی قربت اور رشتہ داری تھی اس لیے آپ کہے کہ میں تم سے اس کے سوا کوئی اجر طلب نہیں کرتا کہ تم میری حفاظت کرو اور مجھ سے ضرر کو دور کرو کیونکہ میری تم سے قربت ہے۔

(المجم الکبیر ج ۲ ص ۱۹۷ رقم الحدیث: ۱۳۸۶۱ دار احیاء التراث العربی بیروت جامع السانید و اسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۸۹۰)

ایک اور حدیث میں فرمایا: میں تم سے اس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تمہارے ساتھ جو میری قربت ہے اس قربت کی وجہ سے تم مجھ سے محبت رکھو اور میرے اور تمہارے درمیان جو قربت ہے اس کی حفاظت کرو۔

(المجم الکبیر ج ۲ ص ۱۹۷ رقم الحدیث: ۱۳۸۶۱ دار احیاء التراث العربی بیروت جامع السانید و اسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۸۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا: سعید بن جبیر نے کہا: قربی سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم نے جلدی کی ہے قریش کے ہر رحم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت تھی آپ نے فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان جو قربت ہے اس کی بناء پر تم میرے ساتھ ملاپ سے رہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۸ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۱ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۵۹۹۰ مالم الکتب جامع السانید و اسنن مسند ابن عباس رقم

الحدیث: ۱۳۸۹۰)

اس جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ قرآن مجید کی دیگر آیات میں جو تبلیغ رسالت پر اجر لینے کی نئی ہے اس اجر سے مراد معروف اجر ہے جیسے مال دولت سونا چاندی اور دیگر قیمتی چیزیں اور جس اجر کو آپ نے طلب فرمایا ہے وہ آپ کی ذات سے محبت کرنا ہے اس قربت کی وجہ سے جو آپ کے اور قبائل عرب کے درمیان تھی اور ظاہر ہے کہ آپ کی ذات سے محبت کرنا شرعا

مطلوب ہے، کیونکہ جب قبائل عرب آپ کی ذات سے محبت کریں گے اور آپ کی حفاظت کریں گے تو اس سے ان کے اسلام قبول کرنے میں آسانی ہوگی اور یہ معروف اجر نہیں ہے اور یہ وہ اجر نہیں ہے جس کو طلب کرنے کی دیگر آیات میں بھی کی گئی ہے۔

اعتراض مذکور کا یہ جواب کہ اس سے مراد اہل بیت کی محبت ہے اور فضائل اہل بیت میں۔۔۔۔۔
احادیث صحیحہ

(۲) اس آیت میں قربانی سے مراد آپ کے قربات وار ہیں حدیث میں ہے:
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت (الشمس ۳۲: ۲۰) نازل ہوئی تو مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے دو قربات وار کون ہیں جن سے محبت کرنا ہم پر واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے رضی اللہ عنہم۔ (المجموع ۱۰: ۲۵۱ رقم الحدیث: ۱۷۵۹۹ دار احیاء التراث العربی بیروت) اس حدیث کی سند ضعیف ہے جامع المسانید ولسن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۰۶۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھنے کے حلقی حسب ذیل احادیث صحیحہ ہیں:
 حضرت زہر بن حبوش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور روح کو پیدا کیا، بے شک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ عہد کیا ہے کہ مجھ سے صرف مومن محبت رکھے گا اور صرف منافق مجھ سے بغض رکھے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۶ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۲۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۰)
 حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جس کا محبوب ہوں علی اس کے محبوب ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۳ مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۸ مسند رک ج ۳ ص ۱۰۹ المصنف بحلیہ رقم الحدیث: ۳۸۸۹)
 حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں تمام مومنوں کی جانوں کی پرستہ ان سے زیادہ قریب ہوں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں ہر مومن کی جان پر اس سے زیادہ تصرف کرنے والا ہوں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں جس کا محبوب ہوں سوغلی اس کے محبوب ہیں، اے اللہ! اس سے محبت رکھ جو علی سے محبت رکھے اور اس سے عداوت رکھ جو علی سے عداوت رکھے اس کے بعد حضرت عمر کی حضرت علی سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر نے فرمایا: اے علی! تم کو مبارک ہو، تم اس حال میں صبح اور شام کرتے ہو کہ تم ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کے محبوب ہوتے ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۲ مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۳۳۳)
 حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھ کو غضب ناک کیا ایک روایت میں ہے: جو چیز اس کو اذیت پہنچائے وہ مجھے اذیت پہنچاتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۹۹)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات کو کسی کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے آپ کے پاس کوئی چیز تھی نہ جانے وہ کیا تھی جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے پوچھا:

یہ کیا چیز ہے؟ تو آپ نے اپنی چادر کھول کر دکھایا تو آپ کی گود میں حضرت حسن اور حضرت حسین تھے آپ نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں! اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت کر اور اس سے محبت کر جو ان دونوں سے محبت رکھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۹۹، المعجم الاوسط لابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۹۸، سنن اصفہانی رقم الحدیث: ۱۳۹، المعجم البصیر رقم الحدیث: ۵۵۱، مجمع کنز الحیاء رقم الحدیث: ۶۹۶۷)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کے متعلق فرمایا: جو ان سے جنگ کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا اور جو ان سے صلح رکھے گا میں اس سے صلح رکھوں گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۳۳، مسند رک ج ۳ ص ۱۳۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حج میں عرذہ کے دن اپنی اونٹنی قصواء پر چڑھ کر خطبہ دے رہے تھے آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے تو کبھی کم راہ نہیں ہو گے کتاب اللہ اور میری عزت میرے اہل بیت۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۶، المعجم البصیر رقم الحدیث: ۳۹۸۰، مسند ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۳۳۰، جامع السانید واسنن مسند جابر رقم الحدیث: ۸۳۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ وہ اپنی نعمتوں سے تم کو خدا دیتا ہے اور اللہ سے محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۹، المعجم البصیر رقم الحدیث: ۲۶۳۹، مسند رک ج ۳ ص ۱۵۰، الخلیفۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۱۱، جامع السانید واسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۲۸۸۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہو گیا۔

(مسند ابو ذر رقم الحدیث: ۲۶۱۳، المعجم البصیر رقم الحدیث: ۲۷۳۷، سنن حدیث کی سند ضعیف ہے مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت کے وجوب میں یہ احادیث صحیحہ ہیں جن کو ہم نے الشوری: ۲۳ میں درج کیا ہے۔

فضائل اہل بیت میں سابقین کی نقل کردہ موضوع احادیث

علامہ ابو اسحاق احمد بن ابراہیم شافعی متوفی ۲۴۸ھ، علامہ محمود بن عمر دجستری متوفی ۵۳۸ھ، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی اور علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے اہل بیت کی محبت کے ثبوت میں حسب ذیل روایت بیان کی ہے جس کی سند موضوع ہے وہ روایت یہ ہے:

سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرادہ شہید ہے سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرادہ بخشا ہوا ہے سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرادہ تائب ہے۔ سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرادہ کامل الایمان ہے سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرادہ اس کو ملک الموت نے جنت کی بشارت دی پھر مگر کبیر نے بشارت دی۔ سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرادہ اس کو جنت میں اس طرح بنا سنوار کر لے جایا جائے گا جس طرح کہن کو خاندان کے گھر میں بنا سنوار کر لے جایا جاتا ہے۔ سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرادہ اس کی قبر میں جنت کی طرف دو کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرادہ اس کی قبر کو اللہ تعالیٰ رحمت کے فرشتوں کا حراز بنا دیتا ہے سنو! جو آل محمد کی محبت پر مرادہ

وہ السنۃ والجماعت پر مراستوا جو آل محمد سے بغض پر مراد وہ جب قیامت کے دن آئے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا کہ وہ اللہ کی رحمت سے ما یوس ہے 'ستوا جو آل محمد سے بغض پر مراد وہ کفر پر مراستوا جو آل محمد سے بغض پر مراد وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگے گا۔

(الکشف والایمان ج ۸ ص ۳۱۳، الکشاف ج ۳ ص ۲۲۵، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۹۵، الامام ج ۲ ص ۶۲، مدح الایمان ج ۸ ص ۴۶) یہ روایت حدیث کی کسی معروف اور مستند کتاب میں مذکور نہیں ہے اس روایت کو علامہ ابو اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے وہ سند یہ ہے: ابو محمد عبد اللہ بن خالد صہبانی از عبد اللہ بن محمد بن علی بن حسین ثعلبی از یعقوب بن یوسف بن اسحاق از محمد بن مسلم طوسی از عیسیٰ از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم از جریر بن عبد اللہ ثعلبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستوا۔۔۔۔۔ (الکشف والایمان ج ۸ ص ۳۱۳، دارالحدیث لائبریری ص ۱۳۲)۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس سند کو ذکر کر کے فرمایا ہے: یہ سند موضوع ہے اس روایت کے من گھڑت ہونے کے آثار بالکل واضح ہیں محمد بن مسلم اور اس کے اوپر کے راوی ثابت ہیں اور اس سند میں وہ آفت ثعلبی اور محمد کے درمیان کے راوی ہیں اور اس میں علت ثعلبی ہے یا اس کا شیخ ہے اور میں نے ان دونوں کا ذکر اسماء البرجال کی کسی کتاب میں نہیں پایا سو یہ روایت موضوع ہے۔

(الکشاف ج ۲ ص ۱۳۲، الامام ج ۳ ص ۲۲۵، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۹۵، الامام ج ۲ ص ۶۲، مدح الایمان ج ۸ ص ۴۶) علامہ زنجیری نے اس روایت کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور باقی مفسرین نے اس روایت کو کشاف کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور یہ سب لوگ اس روایت کی سند کی تحقیق کے بغیر نقل در نقل کرتے چلے گئے۔

فضائل اہل بیت میں علامہ زنجیری نے اس مقام پر ایک اور موضوع روایت ذکر کی ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ لوگ مجھ سے حسد کرتے ہیں آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم چار میں سے چوتھے ہو سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوں گے وہ میں ہوں اور تم ہو اور حسن اور حسین ہیں اور ہماری بیویاں ہمارے دائیں اور بائیں ہوں گی اور ہماری اولاد ہماری بیویوں کے پیچھے ہوگی۔ (الکشاف ج ۳ ص ۲۲۳، دارالحدیث لائبریری ص ۱۳۲)۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس روایت کے حقائق لکھتے ہیں: اس روایت کو کندی نے ابن عاثم سے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی سے روایت کیا ہے یہ سند ساقط الاختیار ہے کندی کا نام محمد بن یونس ہے۔ ابن عثدی نے اس کو وضع سے جہم کیا ہے ابن حبان نے کہا: اس نے ایک ہزار سے زائد احادیث وضع کی ہیں ابو داؤد اور دارقطنی نے اس کو کذب سے جہم کیا ہے۔ (میزان الاحتمال ج ۳ ص ۷۵، ۷۶) یہ ان لوگوں میں سے ہے جو حدیث گھڑتے ہیں اس حدیث میں دوسری علت حمید اللہ بن محمد بن ابی رافع ہے۔ امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے اسی طرح ابو حاتم نے کہا۔ (میزان الاحتمال رقم الحدیث: ۷۹۰۳) اور یہ روایت اس سند کے ساتھ باطل ہے اس روایت کے موضوع ہونے کی علامات بالکل ظاہر ہیں۔

(الکشاف ج ۲ ص ۱۳۲، الامام ج ۳ ص ۲۲۳، دارالحدیث لائبریری ص ۱۳۲) میں کہتا ہوں کہ جب فضائل اہل بیت میں احادیث مجھ موجود ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے تو پھر فضائل اہل بیت کو ثابت کرنے کے لیے ان موضوع روایات کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے حتیٰ کہ کسی طعن کرنے والے کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ

فضائل اہل بیت تو صرف موضوع اور باطل روایات سے ثابت ہیں۔ ہم نے ان روایات کا موضوع ہونا اس لیے بیان کیا ہے کہ مبادا کوئی شخص ساقین کے ان بڑے ناموں کو دیکھ کر ان روایات کو صحیح گمان کرے اور ساقین پر اعتقاد کرے ان روایات کو آگے بھان کرے اور نادانستہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کے جرم اور گناہ میں ملوث ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت کے وجوب کے ثبوت میں ہم نے احادیث صحیحہ بیان کی ہیں اور اس تمہید کے بعد جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت (الشوری: ۲۳) میں اس اجر کو طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے جس کی قرآن مجید کی دوسری آیت میں لفظی فرمائی ہے "کیونکہ اس اجر سے مراد معروف اجر ہے یعنی مال و دولت وغیرہ اور اس آیت میں جس اجر کے سوال کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد ہے: آپ کے قربت داروں سے محبت کرنا ان کی تعظیم کرنا اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا باقی رہا یہ کہ اپنے اقارب کے ساتھ محبت کرنے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تحقیر کرنا اقرباء پروری ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے سو یہ آپ پر اعتراض نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف اور آپ کی فضیلت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو یہ عزت اور خصوصیت عطا کی کہ بعد کا کوئی مسلمان سختی ہی عبادت کیوں نہ کر لے وہ اس صحابی کا مرتبہ نہیں پاسکتا جس نے ایمان کے ساتھ آپ کو دیکھا ہو اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ ہوا ہو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواج کو یہ عزت اور خصوصیت دی کہ کوئی خاتون خواہ سختی عابدہ و زاہدہ ہو وہ آپ کی ازواج کے مرتبہ کو نہیں پاسکتی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے اہل بیت کو یہ عزت اور خصوصیت عطا کی ہے کہ ان کی محبت کو امت پر واجب کر دیا ان پر صدقہ واجبہ کو حرام کر دیا اور ہر نماز میں ان پر صلوٰۃ بھیجنے اور ان کے لیے برکت کی دعا کرنے کو مقرر کر دیا۔

اس اعتراض کا یہ جواب کہ قرنی سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے

(۳) اس آیت میں فرمایا ہے: "میں تم سے اس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تم قرنی سے محبت رکھو" اس آیت میں قرنی سے مراد اللہ کا قرب ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جو تمہارے لیے دلائل اور ہدایت کی تبلیغ کی ہے میں اس پر تم سے اس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تم اللہ سے محبت رکھو اور اس کی اطاعت کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۶۸ فتح قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۸ مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۲۱ھ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۳۳ المسند رک ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴)

حاکم نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے جامع السانیدہ اسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۲۲۸)

الشوری: ۲۳ کی اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا نہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دیگر آیات میں تبلیغ رسالت پر اجر طلب کرنے کی لفظی ہے اور اس آیت میں اثبات ہے کیونکہ اللہ کے قرب کو امت سے طلب کرنا وہ اجر نہیں ہے جس کے طلب کی لفظی کی گئی ہے اور نہ اس پر اقرباء پروری کا اعتراض ہوتا ہے اور اس آیت کی یہ سب سے عمدہ تفسیر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ میں نے جو تمہیں اللہ کا پیغام پہنچایا اور تبلیغ کی مشقت اٹھائی ہے اس پر میں تم سے اس کے سوا کوئی اجر طلب نہیں کرتا کہ تم اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت سے محبت رکھو اور ہمیشہ اس کے احکام پر عمل کرتے رہو اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے ان کے قریب نہ جاؤ اور جو شخص اللہ کی اطاعت کر کے اس کا قرب حاصل کرے اس سے محبت رکھو انسان

اس سے محبت کرتا ہے جو اس کے محبوب سے محبت رکھے کیونکہ دونوں کا محبوب واحد ہوتا ہے سو جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا ہوگا اور اس آیت کے عموم میں داخل ہوگا کہ میں تخلیف رسالت کی شفقت پر صرف اس اجر کا طالب ہوں کہ تم اللہ کا قرب حاصل کرنے میں محبت رکھو۔

محبت اہل بیت اور تعظیم صحابہ کا عقیدہ صرف اہل سنت و جماعت کی خصوصیت ہے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے سب سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حصول قرب میں محبت کرنے والے تھے اور قربی کی یہ تیسری تفسیر جو ہم نے کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ وابستہ رہا جائے اور قربی کی جو دوسری تفسیر ہم نے ذکر کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اہل بیت کے ساتھ رہا جائے غلام یہ ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام دونوں کی تعظیم و تکریم کی جائے دونوں سے محبت رکھی جائے اور دونوں سے وابستہ رہا جائے اور یہ صرف اہل سنت و جماعت کی خصوصیت ہے کہ وہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام دونوں سے عقیدت رکھتے ہیں اس کے برخلاف شیعہ اور رافضی اہل بیت سے تو محبت رکھتے ہیں لیکن صحابہ پر حجاز کرتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں اور ناموسی صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور اہل بیت کی مذمت کرتے ہیں اور عاری صحابہ اور اہل بیت دونوں کی مذمت کرتے ہیں۔

ہمارے ایک کنارے پر دنیا ہے اور دوسرے کنارے پر آخرت ہے اور درمیان میں تاریک سمندر ہے اور اندھیری رات میں جب انسان نے سلامتی کے ساتھ دوسرے کنارے پہنچنا ہو تو اس کے پاس صحیح و سالم روشنی بھی ہونی چاہیے اور اس کی نظر ستاروں پر ہونی چاہیے تاکہ اندھیرے میں اس کو ستاروں کی رہ نمائی حاصل ہو دونوں میں سے ایک چیز بھی حاصل نہ ہو تو وہ سلامتی سے دوسرے کنارے تک نہیں پہنچ سکتا اس وقت ہم احکام شریعہ کے سمندر میں سفر کر رہے ہیں اور شیطان اور نفس امارہ کی موجیں ہم سے ٹکرا رہی ہیں اور ان کی طوفانی لہروں کے چھیڑے ہمیں سلامتی کے ساحل سے دور رکھنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اخروی سفر کی سہولت اور آسانی کے لیے ہمیں اہل بیت سے محبت اور وابستگی کی روشنی فراہم کی اور مصیبت کے اندھیروں میں رہ نمائی کے لیے صحابہ کرام کو ستارے قرار دے کر ان کی ہدایت کی روشنی فراہم کی۔

محبت اہل بیت اور تعظیم صحابہ کے متعلق احادیث

اہل بیت سے محبت کو شخصی اس حدیث میں قرار دیا ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی شخصی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہو گیا۔

(مسند ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۴۳، مجمع البکیر رقم الحدیث: ۱۷۴۳، مجمع البکیر رقم الحدیث: ۳۴۰، جامع الاحادیث، واسن رقم الحدیث: ۳۴۴۸)

اور صحابہ کرام کو ستارے قرار دینے کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابو بردہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر ہم نے کہا: ہم یہاں بیٹھے ہیں تاکہ آپ کے ساتھ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں ہم بیٹھے رہے حتیٰ کہ آپ تشریف لے آئے آپ نے فرمایا: تم جب سے یہیں ہو؟ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر ہم نے کہا: ہم یہاں ٹھہر جاتے ہیں حتیٰ کہ ہم آپ کے ساتھ عشاء کی نماز بھی پڑھ لیں آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا اور تمھیں کیا

پھر آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ اکثر آسمان کی طرف سر اٹھاتے تھے پس آپ نے فرمایا: ستارے آسمان کی امان ہیں اور جب ستارے نہیں ہوں گے تو پھر آسمان بھی پھٹ جائے گا اور میں اپنے اصحاب کے لیے امان ہوں اور جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب قتلوں میں جھٹکا ہو جائیں گے اور میرے اصحاب میری امت کے لیے امان ہیں جب میرے اصحاب چلے جائیں گے تو میری امت قتلوں اور بدعات میں جھٹکا ہو جائے گی۔

(صحیح مسلم کتاب النہی رقم الحدیث: ۵۰۷۰ رقم الحدیث: ۵۵۳۱ رقم الحدیث: ۶۳۸۸)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منزلہ ستارے اور امت کے لیے وجہ امان قرار دیا ہے۔ اس کی تائید میں ایک اور حدیث یہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں میرے اصحاب کی مثال اس طرح ہے جیسے ستاروں کی مثال ہے لوگ ان سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور جب وہ غائب ہو جاتے ہیں تو لوگ حیران ہو جاتے ہیں۔ (المطالع العالیہ رقم الحدیث: ۱۲۱۳۴ اختلاف المسند الطبرانی رقم الحدیث: ۸۷۳۰ حافظ ابن حجر نے کہا: اس کی سند ضعیف ہے مگر ہم کو سند نہیں کیونکہ ہم نے اس کو تائید کے طور پر ذکر کیا ہے)۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ نظام الدین نیشاپوری متوفی ۶۸۸ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۲ھ نے صحابہ کو ستارے قرار دینے کے متعلق یہ حدیث ذکر کی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم نے ان میں سے جس کی بھی اقتداء کی تم ہدایت پا جاؤ گے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۵۹۶ غرائب القرآن ج ۲ ص ۱۲۷ روح المعانی ج ۲ ص ۵۰)

ہم نے اس حدیث کو اس لیے درج نہیں کیا کہ اس حدیث کی سند پر بہت سخت جرح کی گئی ہے حافظ احمد بن حنبل بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اس کی سند میں جعفر بن عبد الواحد ہے اور وہ کذاب ہے ابو بکر بزار نے کہا: یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں ابن حزم نے کہا: یہ حدیث جھوٹی موضوع باطل ہے۔

(تحفیں البحر ج ۳ ص ۵۶۷ مکتبہ دار معینی المہار کتبہ مکرمہ ۱۳۶ھ)

ہم نے اس حدیث کا ساتھ الاقتدار ہونا اس لیے بیان کیا ہے کہ مفسرین سابقین کے ان بڑے ناموں کو دیکھ کر مبادا کوئی اس حدیث کو صحیح سمجھ لے اور اور اس حدیث کو بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی باتوں کی نسبت کرنے والوں میں شامل ہو جائے۔

اس کے بعد فرمایا: ”اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی کے حسن کو اور بڑھادیں گے“ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت قدر کرنے والا ہے۔“

اقتراف اور شکر کا معنی

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ”ومن یقترف حسنة“ یعنی جو شخص نیکی کا کب کرے گا ”اقتراف کا معنی ہے: اکتساب۔ علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں: ”اقتراف کا اصل معنی ہے: درخت کی کھال چھیلنا“ ”ذم کی کھال کو کریمہ“ اس مجازی معنی ہے: کب کرنا“ ”خواہ کب اچھا ہو یا بُرا“ لیکن نہ سب میں اقتراف زیادہ مشہور ہے“ ”کہا جاتا ہے: ”الا عتسراف

بزمیل الاقواف "اعتراف جرم اور کتاب جرم کو ذرا دل کر دیتا ہے" قرف کا معنی ہے: جہت لگانا کسی بات کو گھڑ کر میں ظاہر کر کے اس میں یوں ہی ہے قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ يُؤْتُوا الشَّيْطَانَ أَجْرًا كَثِيرًا
يَقْتُلُونَ ۝ (النعام: ۱۲۱)

جو لوگ گناہ کھاتے ہیں ان کو مغرب ان کے کرتوتوں کی سزا دی جائے گی ۝

اور تاکہ وہ نہ بے کام کریں جن نہ بے کاموں کو وہ کرنے دے ۝ (النعام: ۱۲۳)

(المغربات ج ۱ ص ۱۸۸ دارالایضام اثر الشریف بیروت ۱۳۸۸ھ) والے ہیں ۝

علامہ سید محمد بن مبارک بن محمد ابن الشیرازی الجزری الترمذی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قرف کا معنی جہت لگانا بھی ہے۔ حدیث میں ہے: جب ام کلثوم رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من كان منكم لم يقارف الله الليلة
تم میں سے جس شخص نے آج رات اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو وہ اس کی قبر میں داخل ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۲۱ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶) (نہایت ج ۳ ص ۲۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اس آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عمل کا پورا پورا اجر دے گا اور اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شکور فرمایا ہے "شکور کا معنی ہے: بہت زیادہ شکر کرنے والا" اور شکر اس فعل کو کہتے ہیں جس سے شتم کی تعظیم ظاہر ہو اور اس معنی میں اللہ تعالیٰ پر شکور کا اطلاق محال ہے اس لیے یہاں شکور کا معنی مجازی مراد ہے یعنی شکر کی بہت زیادہ جزا دینے والا اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ قدر دان کیا ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک اعتراف کا جواب

الشوریٰ ۲۳ میں فرمایا: "یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے" پس اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو ثابت رکھتا ہے بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتے والا ہے ۝"
اس آیت میں افتراء اور کذب کے دو لفظ ہیں افتراء کا معنی ہے: اپنی طرف سے بات گھڑ کر کسی کی طرف منسوب کرنا اور کذب کا معنی ہے: خلاف واقع بات کو بیان کرنا خواہ کسی سے سن کر بیان کرے یا اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرے۔

کفار کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ قرآن مجید کی آیات تلاوت کر کے یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے سو آپ کا یہ کہنا جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا: "پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ آپ کے دل پر مہر لگا دے گا" یعنی اگر اللہ چاہتا تو آپ کے دل پر ایسی مہر لگا دیتا کہ آپ کسی چیز کو اور اک نہ کر سکتے نہ کسی حرف یا لفظ کا تلفظ کر سکتے حتیٰ کہ آپ کوئی بات نہ کر سکتے پس اگر آپ بالفرض اللہ پر افتراء کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل پر ایسی مہر لگا دیتا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر ایسی مہر نہیں لگائی تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر افتراء نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ پر دعویٰ جھوٹا ہے۔

"اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت رکھتا ہے" اس کے دو محمل ہیں (۱) اگر بالفرض سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر افتراء کیا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا اور حق کو ثابت کر دیتا (۲) یہ کفار جو آپ کی نبوت پر طعن کر رہے ہیں کہ آپ پر حقیقت میں وحی نازل نہیں ہوئی اور آپ نے اللہ تعالیٰ پر (العیاذ باللہ) افتراء کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ طعن باطل ہے

اور آپ کی نبوت برحق ہے اللہ تعالیٰ ان کے ظہن کو مٹا دے گا اور آپ کی نبوت کو ثابت کر دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ”بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتے والا ہے“ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نہ تمہارے جسموں کی طرف دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے لیکن وہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۱۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۳ ترمذی جامع السنن مسند ابو ہریرہ رقم الحدیث: ۵۰۱۰)

الشوری: ۲۵ میں فرمایا: ”اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے“

توبہ کا لغوی اور عرفی معنی

اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول کرنے کا معنی یہ ہے کہ جس گناہ سے بندہ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس گناہ کی سزا نہیں دیتا اور اس پر مواخذہ نہیں کرتا اور بندے کی توبہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے جو گناہ ہو گیا ہے اس پر نام ہو اور دوبارہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم مصمم کرے۔ اگر اس سے فراخ اور واجبات رہ گئے ہیں تو ان کو تفتا کرے اگر کسی کا مال غصب کر لیا تھا یا چوری کر لیا تھا تو اس کا مال اس کو واپس کر دے اور جس طرح پہلے اس نے گناہ میں کوشش کی تھی اسی طرح اب اعانت اور عبادت میں کوشش کرے اور جس طرح اس کو پہلے گناہ میں لذت حاصل ہوئی تھی اب عبادت میں لذت حاصل کرے اور ہنسنا کم کر دے اور روئے زیادہ۔

توبہ کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو اس طرح سمجھتا ہے گویا کہ وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور اس کو یہ خطرہ ہے کہ وہ پہاڑ اس کے اوپر گر پڑے گا اور قاتلہ جہنم اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس کی ناک پر کھٹی ٹہنی ہوئی ہے اور وہ ہاتھ جھٹک کر اس کھٹی کو اڑا دے گا پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنی سواری سے کسی مقام پر پہنچا اور اس سواری پر اس کے کھانے پینے کی چیزیں تھیں اس نے سواری سے اتر کر اپنا سر دکھا اور سو گیا اور جب وہ بیدار ہوا تو اس کی سواری وہاں سے جا چکی تھی مگر یہ بہت شدید تھی اور اس کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی وہ پھر اپنی جگہ لوٹ آیا اور پھر سو گیا پھر سر اٹھا کر دیکھا تو اس کی سواری وہاں موجود تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۸۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۳ ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۷ جامع السنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ برگز نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو میری مغفرت فرما اور اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما اس کو چاہیے کہ پورے عزم اور اصرار سے سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۹ ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۷۷ جامع السنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۶۶۸ سنن ابن

ماجرہ رقم الحدیث: ۲۸۵۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۳۱۸۰ دارالکفر رقم الحدیث: ۳۸۸۲)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب تبارک و تعالیٰ عیادہ دار کریم ہے جب اس کا بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹنے سے عیادہ فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۲)

ابی الجون بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی پیاسے کو پانی پر جانے سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی ہاتھ عورت کو بچہ کی پیدائش سے خوشی ہوتی ہے اور جتنی کسی شخص کو کم شدہ چیز کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کرنا کاتیبین سے اور اس کے اپنے اعضاء سے وہ گناہ بخلا دیتا ہے اور تمام روئے زمین سے اس کے گناہوں کے آثار مٹا دیتا ہے۔

(المناہج الصغیر رقم الحدیث: ۲۹۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۴۴۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ایمان والوں کی اور نیک کام کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے ان کی نیکیوں میں اضافہ فرماتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے O اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی مکمل خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے O وہی ہے جو لوگوں کے باپوں ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور وہی مددگار ہے بہت حمد کیا ہوا O اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا ہے اور ان جانداروں کو پیدا کرنا ہے جو اس نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا دیے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو مٹ کرنے پر قادر ہے O (البقرہ: ۲۹-۳۰)

مسلمانوں کی بعض دعائیں قبول نہ فرمانے کی حکمتیں

۱۔ البقرہ: ۲۶۰ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کی دعا قبول فرماتا ہے، حالانکہ بعض اوقات مؤمنین صالحین کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں اس کے مفصل جواب تو ہم ”وَكَانَ رِزْقُكَ لَعْنَتِي اَسْتَجِبْ لَكَ“ (المومن: ۶۰) میں بیان کر چکے ہیں اور اس کے بعض جوابات پر مشتمل احادیث کو ہم یہاں بیان کر رہے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کی دعا کے بعد تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے یا تو اس کا کوئی گناہ معاف کر دیا جاتا ہے یا اس کے لیے کسی خیر کو ذخیرہ کر لیا جاتا ہے یا اس کو کسی نیک عمل کی توفیق دی جاتی ہے۔ (المرددین بماؤثر الخطاب رقم الحدیث: ۲۹۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سوال پورا کر دیتا ہے یا اس سے اس دعا کی مثل کوئی مصیبت دور کر دیتا ہے، پر شرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۸۲۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶، جامع السانید و اسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۱۵۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب اللہ عز و جل کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اس کے اوپر مصائب ڈال دیتا ہے اور جب بندہ اللہ سے دعا کرتا ہے تو جبریل عرض کرتے ہیں: اے رب! اس کی حاجت پوری کر دے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: رہنے دو مجھے اس کی آواز اچھی لگتی ہے، پھر جب وہ (دوبارہ) دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندے! بلکہ مجھے میری عزت کی قسم! اتھو مجھ سے جس چیز کا بھی سوال کرے گا میں تجھ کو وہ عطا کروں گا اور تجھ سے جس چیز کی بھی دعا کرے گا میں میری وہ دعا قبول کروں گا یا تو تجھ کو جلدی وہ چیز دے دوں گا یا تیرے لیے آخرت میں اس چیز کا ذخیرہ کر لوں گا۔

(المرددین بماؤثر الخطاب رقم الحدیث: ۲۹۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۹)

اللہ تعالیٰ مومن کی دعائیں قبول نہیں فرمانے کا جب کہ وہ مومن کی دعا کرنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کے دعاتہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے فضل سے سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشاوی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۱ جامع الترمذی واسنن مسند عبد اللہ بن مسعود رقم الحدیث: ۶۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۴۷ المسند رکب ج ۱ ص ۲۹۱ مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ سے سب سے اچھا سوال یہ ہے کہ اس سے حاجت کا سوال کیا جائے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۸ جامع الترمذی واسنن مسند عبد اللہ بن عمر رقم الحدیث: ۲۷۸۳)

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی دعا قبول فرماتا ہے اس وجہ سے اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعا قبول فرماتا ہے یا نہیں بعض علماء نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی دعا قبول نہیں فرماتا کیونکہ دعا قبول کرنا دعا کرنے والے کی تعظیم ہے اور کافر تعظیم کے لائق نہیں ہے اور بعض علماء نے کہا کہ بعض اعتبار سے کافر کی دعا بھی قبول کرنا جائز ہے اور اس آیت میں قبولیت دعا کی مومنوں کے ساتھ اس لیے تخصیص فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی دعا قبول فرما کر مومنین کو عزت اور شرف عطا فرماتا ہے اور کافروں کی دعا کو بطور استدراج قبول فرماتا ہے یعنی ان کو ان کی فریب خوردگی میں جتلا رکھنے کے لیے ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور آخرت میں ان کو سخت عذاب ہوگا۔

الشوری: ۲۷ میں فرمایا: "اگر اللہ اپنے سب بندوں پر رزق کشادہ کر دیتا تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرتے" لیکن اللہ جتنا چاہے ایک اندازے سے رزق نازل فرماتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کی کھلی خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے۔"

الشوری: ۲۷ کا شان نزول

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوفہ میں ہر شخص نعمت کے ساتھ صبح کو اٹھتا تھا اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ تھا کہ ایک شخص درپائے فرات سے پانی پیتا تھا اور سائے میں بیٹھتا تھا اور گندم کی روٹی کھاتا تھا اور یہ آیت اہل صفہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ "وَلَوْ يَسْئَلُ اللَّهُ الرِّزْقَ لَيَبْغِيَنَّكَ الْكَافِرِينَ" (الشوری: ۲۷) کیونکہ اہل صفہ نے کہا تھا: کاش! ہمارے لیے رزق کشادہ ہوتا اور انہوں نے دنیا کی تمنا کی تھی۔ (المسند رکب ج ۲ ص ۳۲۵ المسند رکب رقم الحدیث: ۳۶۲۳ جامع الترمذی واسنن مسند عبد اللہ بن عمر رقم الحدیث: ۹۸۲۸)

فقراء مسلمین نے دعوت اور فرائض دینی کی تمنا کی تھی اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان پر رزق فراخ اور کشادہ کر دے گا تو یہ سرکشی کریں گے اور ان کے لیے جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے تجاوز کریں گے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کی سرکشی یہ ہے کہ یہ ایک گھر ملنے کے بعد دوسرا گھر طلب کریں گے ایک چوپائے کے بعد دوسرا چوپایا اور ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کریں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر ان کو کثیر چیزیں مل جائیں تو یہ اکثر کو طلب کریں گے حدیث میں ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو ادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۰)

(المباح لا حکم الاقرآن ۱۶۲ ص ۷۷ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ)

قنادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: بہترین رزق وہ ہے جو تمہارے اندر سرکشی پیدا نہ کرے اور نہ تمہیں اللہ کی عبادت سے غافل کرے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۶۳۷۱۶ دار الفکر بیروت ۱۳۸۵ھ)

آیا ایک سے زائد لباس رکھنا سرکشی اور بغاوت ہے؟

علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک گھر کے بعد دوسرا گھر ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کرنا زمین میں سرکشی اور بغاوت کرتا ہے اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، خصوصاً یہ کہنا کہ ایک سے زائد لباس رکھنا زمین میں سرکشی اور بغاوت ہے، عقلاً اور شرعاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر انسان کے پاس صرف ایک ہی لباس ہو تو اگر وہ ساری عمر اسی لباس کو پہتا رہے تو وہ بہت سیلا اور گندا ہو جائے گا اور اس میں جو کچھ پڑ جائے گی اور میٹے کپڑوں کو نہ دھونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اگر وہ اس کو دھو کر صاف کرے گا تو جب اس کے پاس صرف وہی ایک لباس ہے تو کیا وہ مرد نہ ہو کر اپنے کپڑے دھوئے گا اور کپڑے سوکھتے تک کیا وہ مرد نہ بیٹھا رہے گا؟ حالانکہ مرد ہند رہتا شرعاً عامہ موسم ہے اسی طرح اگر رات کو کپڑا انجس ہو جائے تو اس کو کس طرح پاک کرے گا۔

نیز ایک سے زائد کپڑے رکھنے کے ثبوت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

ایک سے زائد لباس رکھنے کے ثبوت میں احادیث

محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور ان کے باقی کپڑے کھوٹی پر لٹکے ہوئے تھے انہوں نے اس کپڑے کو اپنی گدی پر باندھا ہوا تھا ان سے کسی نے کہا: آپ ایک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں؟ حالانکہ آپ کے پاس اور کپڑے بھی ہیں؟ حضرت جابر نے کہا: میں نے عداً ایسا کیا ہے تاکہ تم جیسے احمق کو بھی معلوم ہو جائے کہ ایک کپڑے کے ساتھ بھی نماز ہو جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہمارے پاس کب دو کپڑے ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۰-۳۶۹۱-۳۶۸۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے دیکھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک ریشمی حلقہ فروخت ہو رہا تھا انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ یہ حلقہ خرید لیتے اور جمعہ کے دن اس کو پہنتے اور جب لوگ آپ سے ملنے کے لیے آتے تو آپ اس کو پہنتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ملے آئے تو آپ نے ان میں سے ایک حلقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے یہ حلقہ پہننے کو دیا ہے حالانکہ آپ اس سے پہلے عطار کے حلقوں کے متعلق وہ فرما چکے ہیں جو آپ نے فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو پہننے کے لیے یہ حلقہ نہیں دیا پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنے ایک مشرک بھائی کو وہ حلقہ دے دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۸۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۰۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۸ جامع الترمذی سنن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۸۳۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نقش و نگار والی چادر اوڑھ کر نماز پڑھی پھر آپ نے اس کے تیل بیٹوں کی طرف نظر ڈالی نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا: ابوجہم کی اس چادر کو لے جاؤ اور مجھے ان کی سادہ چادر لا دو۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۷۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۱۳۳ جامع الترمذی سنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۹۱۲)

امام بخاری ذکر کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا اور پیو اور لباس پہنو اور صدقہ کرو اور اسراف نہ کرو اور

تکبر نہ کرو اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پیو اور اسراف اور تکبر سے بچو۔

(صحیح بخاری کتاب لباس باب ۱۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما کی طرف جو یہ روایت منسوب ہے کہ ایک کپڑے کے بعد دوسرے کپڑے کو طلب کرنا اللہ کے احکام سے بغاوت اور سرکشی ہے یہ ان کی طرف غلط منسوب ہے اور رزق میں جو کشادگی بغاوت اور سرکشی کا سبب ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے پاس مال زیادہ ہو اور وہ اس مال کو اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرے مثلاً شراب پئے، جو کھیلے، قلیں بنائے اور غیر عزم و تقویٰ سے اور ناجائز ذرائع سے اپنی ہنسی تسکین کرے یا اپنی شان و شوکت دکھانے اور نام و نمود کے لیے بے تحاشا خرچ کرے اور اگر کوئی اپنا شوق پورا کرنے کے لیے اور زیب و زینت کے قصد سے چالیس پچاس کپڑوں کے جوڑے بنائے اور سال میں دس بارہ جوڑے غریبوں میں تقسیم کر دے تو وہ اسراف ہے نہ تکبر ہے سرکشی اور بغاوت تو بہت دور کی بات ہے وہ شخص بجال اور زیبائش کے قصد سے مستحسن کام ہے اور احادیث میں اس کی تائید ہے جیسا کہ انشاء اللہ ہم ابھی بیان کریں گے۔

زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: زیادہ خرچ کرنے کی تین صورتیں ہیں:

- (۱) جو کام شرعاً مذموم ہیں ان میں مال خرچ کرنا ناجائز ہے۔
- (ب) جو کام شرعاً محمود ہیں ان میں زیادہ مال خرچ کرنا محمود ہے بشرطیکہ اس میں زیادہ خرچ کرنے سے اس سے زیادہ اہم دینی کام متاثر نہ ہو۔
- (ج) مہار کاموں میں زیادہ خرچ کرنا مثلاً نفس کے آرام اور آسائش اور اس کے اللہ اذ کے لیے خرچ کرنا اس کی دو قسمیں ہیں:

- (۱) خرچ کرنے والا اپنے مال اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے تو یہ اسراف نہیں ہے۔
- (۲) خرچ کرنے والا اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے اس کی پھر دو قسمیں ہیں: اگر وہ کسی موجود یا متوقع ضرر اور خطرہ کو دور کرنے کے لیے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جائز ہے اور اگر دفع ضرر کے بغیر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتا ہے تو مجہور کے نزدیک یہ اسراف ہے اور بعض شافعی نے یہ کہا ہے کہ یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بدن کے آرام اور آسائش کے حصول کا قصد کرتا ہے اور یہ غرض صحیح ہے اور جب کہ یہ کسی معصیت میں خرچ نہیں ہے تو مہار ہے۔ ابن دینار العبدی قاضی حسین نام غزالی اور علامہ دہلوی نے کہا ہے کہ یہ تہذیب ہے اور ناجائز ہے، عمر میں ہے کہ یہ تہذیب نہیں ہے علامہ نووی کی بھی یہی رائے ہے اور زیادہ راجح یہ ہے کہ اگر زیادہ خرچ کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی مثلاً لوگوں سے سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی تو پھر زیادہ خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

اپنے تمام مال کو اور خدا میں صدقہ کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو غنی اور فقر میں صبر کر سکے ہو علامہ باقی مالکی نے لکھا ہے کہ تمام مال کو صدقہ کرنا ممنوع ہے اور دنیاوی مصلحتوں میں زیادہ مال خرچ کرنا مکروہ ہے البتہ کبھی کبھی زیادہ خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے عید یا ولیمہ کے موقع پر اور اس پر اتفاق ہے کہ قدر ضرورت سے زیادہ مکان پر خرچ کرنا مکروہ ہے اسی طرح آرائش اور زیبائش پر زیادہ خرچ کرنا بھی مکروہ ہے اور مال کو ضائع کرنا گناہ کے کاموں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مال کسی نا تجربہ کار کے حوالہ کر دینا اور جاہر بغیرہ پر مال خرچ کر دینا بھی اس میں داخل ہے۔

علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ مال کو ضابطہ کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر مال خرچ کرنے سے کوئی دینی اور دنیاوی غرض نہ ہو تو اس میں مال خرچ کرنا حرام قطعاً ہے اور اگر دینی یا دنیوی غرض ہو اور اس جگہ مال خرچ کرنا معصیت نہ ہو اور خرچ اس کی حیثیت کے مطابق ہو تو یہ قطعاً جائز ہے اور ان دونوں مرتبوں کے درمیان بہت ساری صورتیں ہیں جو کسی ضابطہ کے تحت داخل نہیں ہیں۔ بہر حال معصیت میں خرچ کرنا حرام ہے اور آرام اور آسائش اور نفسانی لذتوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے میں تفصیل اور اختلاف ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۰۹-۳۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

اسراف اور اقرار کا محمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَتَوْا آلَهُمْ شَرُّهُمُ اقْبَلُوا إِلَيْهِمْ يُقَرِّبُوا أَكْلَانِ
بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوْمًا (الفرقان: ۶۷)

وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت ذلّوں فرمائی کرتے ہیں اور نہ
جنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا زیادتی اور کسی کے درمیان
اعتدال پر ہوتا ہے ○

امام رازی نے اس آیت کی تین تفسیریں ذکر کی ہیں:

(۱) خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لیا جائے غلو ہو نہ تنصیر جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولًا إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْ
كُلَّ الْبَسِطِ تَتَفَقَّدَ ثَمَرَهُ ۖ الْحَسْرَةُ ۖ (نہی اسراف نکل ۲۹)

کھول دو کہ طاقت زدہ اور دور ماندہ پیٹھے رہو ○

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہدؒ کا قول ہے کہ اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کرنا اقرار ہے مجاہد نے کہا: اگر پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو اسراف نہیں ہے اور اگر صاع (چار کلو گرام) بھی اللہ کی معصیت میں خرچ کرے تو اسراف ہے۔ حسن بصری نے کہا: کبھی واجب کو ادا کرنا نہ تکثیر ہوتا ہے اور کبھی مستحب کو ادا نہ کرنا بھی تکثیر ہوتا ہے مثلاً اگر مال دار آدمی اپنے غریب رشتہ داروں کی کفالت نہ کرے تو یہ بھی تکثیر ہے۔

(۳) دنیا کے عیش اور آسائش میں حد سے گزرنا اسراف ہے خواہ یہ عیش مال حلال سے ہو پھر بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ تکبر اور اقرار کا سبب ہے۔ اگر کوئی شخص اس قدر زیادہ سیر ہو کر کھائے جس کی وجہ سے عبادت نہ کر سکے تو یہ اسراف ہے اور اگر بقدر ضرورت سے کم کھائے تو اقرار ہے اور اعتدال یہ ہے کہ بقدر ضرورت کھائے اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صفت ہے جو لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور نہ بھال اور زینت کے لیے پہنتے تھے وہ بس اتنا کھاتے تھے جس سے بھوک دور ہو جاتی اور اس سے ان کو عبادت کرنے کی طاقت حاصل ہوتی اور اتنا لباس پہنتے جو ستر عورت کے لیے کافی ہوتا اور ان کو گرمی اور سردی سے بچا سکتا۔ (تکثیر کیر ج ۲ ص ۲۵۶ دار الفکر بیروت ۱۴۲۸ھ)

لذت اور آسائش کے لیے مال خرچ کرنا اسراف نہیں ہے

امام رازی نے جو لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور بھال اور زینت کے لیے نہیں پہنتے تھے یہ ان بعض صحابہ کا حال ہے جن پر زہد کا غلبہ تھا۔ ورنہ تحقیق یہ ہے کہ صاحب حیثیت کے لیے رزق حلال سے لذت نہ کھانے کا نام نہیں کہنے سے پہنچنا اور دیگر زیبائش اور آرائش کی اشیاء حاصل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ موجب اجر و ثواب ہے بشرطیکہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور ان چیزوں کے حصول میں مال خرچ کرنے سے کوئی مالی عبادت فوت ہو نہ کسی کا حق تلف ہو اللہ تعالیٰ کا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ مِنْ حَقِّهِ مَا دَرَءْتُمْ فَتُكْفَرُوا
وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ (البقرة: ۱۷۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْزَنْوا عَلَيْهِمْ وَلَا خَلَّ
اللَّهُ لَكُمْ (المائدہ: ۸۷)

قُلْ مَنْ حَقَّ ذِمَّتُ اللَّهِ الْإِنْسَانِ أَخِذُوا بِلِقَائِهِ وَالْوَثِيقِ
مِنَ الْيَمِينِ (الأعراف: ۳۲)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھانا جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں۔

آپ فرمائیے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے؟ اور اللہ کے رزق سے پاک اور لذیذ چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
عن عبد الله بن مسعود عن النبي ﷺ قال
لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من
كبر قال رجل ان الرجل يحب ان يكون ثوبه
حسنا وتعلله حسنة قال ان الله جميل يحب
الجمال الكبير بطور الحق وغمط الناس
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۱)

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ثم سأل رجل عمر فقال اذا وضع الله
فانوسعوا. (صحیح بخاری ج ۳ ص ۵۳ مسطور کراچی)

ایک شخص نے حضرت عمر سے (دو کپڑے پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق) پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت دی ہے تو وسعت اختیار کرو۔

امام ابوداؤد و ترمذی ۲۷۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابي الاحوص عن ابيه قال اتيت النبي
صلى الله عليه وسلم في ثوب دون فقال الك
مال قال نعم قال من اى المال قال قد اتاني الله
من الابل والغنم والخيول والرقيق قال فاذا اتاك
الله مالا فليبر الثر نعمة الله عليك وكرامته.

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۳۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۴۴۹)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله

عمرو بن شعيب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے

بندے پر اپنی محنت کا اثر دیکھنے کو پسند کرتا ہے۔

یحب ان یروی الترمذی علی عیدہ۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۹، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱)

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد اللہ قال قال اتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرأی رجلا شعثا قد تفرق شعرہ فقال اما کان هذا یجذ ما لیکن بہ شعرہ وروی رجلا اخر علیہ لیاب ومخة فقال اما کان هذا یجذ ما یفصل بہ لوبہ۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۰۳۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۲۳۳)

جامع الترمذی ولسن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث: ۱۶۵۰

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے بالوں کو ٹھیک کر سکتے ایک اور شخص کو آپ نے دیکھا جس نے بیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: کیا اس کو ایسی چیز دستیاب نہیں جس سے اپنے کپڑے دھو سکے۔

ہم نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث سمجھ سے یہ واضح کر دیا ہے کہ رزق حلال سے لذت کھانے کھانا اور قیمتی کپڑے پہننا بھی مستحسن اور مستحب ہے بشرطیکہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور مستحقین کے حقوق ادا کیے جائیں۔ باقی امام رازی نے جو یہ لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور زینت کے لیے کپڑے نہیں پہنتے تھے تو ہوسکتا ہے کہ یہ ان بعض صحابہ کا حال ہو جن پر زہد کا غلبہ تھا اور نہ عام صحابہ کرام سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی ان آیات اور صریح احادیث سے صرف نظر کر لیتے؟ اور اگر کسی شخص کو یہ وہم ہو کہ بھوک مٹانا اور شرم گاہ چھپانا ضروری ہے اس لیے بھوک مٹانے کے لیے کھانا اور ستر پوشی کے لیے پہننا اور جو ثواب کا باعث ہو گا لیکن لذت کے لیے اچھے کھانے کھانا اور زیبائش کے لیے قیمتی کپڑے پہننا کس طرح اجر و ثواب کا موجب ہوگا؟ کیونکہ مقصود رقی حیات کو برقرار رکھنا ہے حصول لذت تو مقصود نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رزق حلال سے کھانے کی لذت حاصل کرنا اور حلال مال سے زیبائش حاصل کرنا اس لیے موجب اجر و ثواب ہے کہ اگر اس لذت کو حرام مال سے حاصل کیا جاتا تو اس پر بندہ اخروی سزا کا مستحق ہوتا سوا کہ بندہ اس لذت کو حلال مال سے حاصل کرے گا تو اخروی اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کی دلیل اس حدیث میں ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی بضع احدکم صدقة قالوا یا رسول اللہ ابائی احدنا شہوتہ ویكون له فیہا اجر قال اراء ینم لو وضعہا فی حرام اکان علیہ وز وفکذلک اذا وضعہا فی الحلال کان له اجر۔

(بخاری رقم الحدیث: ۱۰۰۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کا بضع کرنا بھی صدقہ ہے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اگر شہوت پوری کرنے کے لیے بضع کرے تو کیا پھر بھی اس کو ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ حرام طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا تو اس کو گناہ ہوتا؟ سوا کہ وہ حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایات کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۸) خلاصہ یہ ہے کہ رزق حلال سے لذت کھانے کھانا قیمتی لباس پہننا خوبصورت مکان بنانا اور دیگر زیب و زینت اور آرام اور آسائش کی چیزیں حاصل کرنا صاحب حیثیت کے لیے نہ صرف جائز ہے بلکہ اجر و ثواب کا موجب ہے بشرطیکہ ان لذتوں

کے حصول کی وجہ سے کسی مالی عبادت میں حرج ہو اور نہ کسی حق دار کا حق تلف ہو اور ان نعمتوں پر وہ شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔

مال و دولت کی تقسیم میں مساوات کی خرابیاں

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم لوگ رزق اور مال و دولت میں مساوی ہوتے تو نہ کوئی مزدور ہوتا نہ مسکین ہوتا نہ کوئی کاریگر ہوتا نہ آنکھیر ہوتا انسان کے جسم کے تمام اعضاء مساوی نہیں ہیں ایک آنکھ کی جو قدر و قیمت ہے وہ ایک اٹلی کی نہیں ہے سر کی جو قدر و قیمت ہے وہ ایک ہاتھ یا چہرے کی نہیں ہے خون شریانوں میں ہوتا ہے اور عین شباب میں ہوتا ہے اگر اس کا الٹ ہو جائے اور کسی کا خون مثلاً میں پہنچ جائے اور عین شباب شریانوں میں چلا جائے تو جسم کا نظام فاسد ہو جائے گا تو جس طرح انسان کے اعضاء میں درجہات کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح انسانوں کے طبقات میں فرق ہے جس طرح ایک کاریگر یا ایک جہاز کے تمام پرزے ایک درجہ کے نہیں ہوتے اسی طرح انسانوں کے تمام طبقات بھی ایک درجے کے نہیں ہیں اور سب انسانوں کے پاس برابر کا رزق ہوتا تو معیشت کا رخ جانے اور کاروبار معطل ہو جاتے۔

اس کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اگر ہمیشہ بارش ہوتی رہتی تو لوگ دغا نہ کرتے اس لیے کبھی بارش نہیں ہوتی تاکہ لوگ دغا کریں اور کبھی بارش ہو جاتی ہے تاکہ لوگ شکر کریں۔

مال کی زیادتی کی خرابیاں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے آپ نے فرمایا: مجھے تمہارے متعلق اس بات کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کی خوش حالی اور اس کی زیب و زینت کھول دی جائے گی ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا اچھائی نہائی کا سبب بن جائے گی؟ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ خندہ مشم ہو گئے اس لیے اس شخص سے کہا گیا: تم نے ایسی کیا بات کہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بات نہیں کر رہے پھر ہم کو ایسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے پھر آپ نے پسینہ صاف کیا پھر آپ نے پوچھا کہ وہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اور گویا کہ آپ نے اس سانگ کی تفریق کی پھر آپ نے فرمایا کہ اچھائی نہائی کا سبب نہیں بنتی لیکن موسم بہار میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو جان لیوا ہوتی ہے البتہ بریلی چرنے والا وہ جانور مرنے جاتا ہے جو خوب چرتا ہے پھر جب اس کی دونوں کوکھیں بھر جاتی ہے تو وہ دھوپ میں جا کر لید یا عین شباب کرتا ہے اور پھر چرنا شروع کر دیتا ہے اسی طرح یہ مال و دولت بھی ایک خوشگوار سبزہ زار ہے اور مسلمان کا وہ مال کس قدر عمدہ ہے جو مسکین و یتیم اور مسافر کو دیا جائے یا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مال کو نہ حق طریقہ سے لے گا وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا رہتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور قیامت کے دن یہ مال اس کے خلاف ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۵۲)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں: ایک مثال اس شخص کی ہے جو حد سے زیادہ دنیا جمع کرتا ہے اور اس مال کا حق ادا نہیں کرتا ہے اور دوسری مثال اس شخص کی ہے جو اعتدال کے ساتھ مال دنیا جمع کرتا ہے۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ موسم بہار میں ایسی گھاس بھی اگتی ہے جو جان لیوا ہوتی ہے یہ اس شخص کی مثال ہے جو نہ حق طریقہ سے مال جمع کرتا ہے کیونکہ موسم بہار میں خشک گھاس کی تاثیر گرم ہوتی ہے مویشی اس کو کھڑے سے کھاتے ہیں حتیٰ کہ ان کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور جب ان کا کھانا اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے تو ان کی استریاں پھٹ جاتی ہیں اور وہ مویشی ہلاک ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص ناحق مال دنیا جمع کرتا ہے اور حق دار کو اس کا حق نہیں دیتا تو وہ آخرت میں ہلاک ہو جاتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: البتہ ہر مالی چیز نے والا وہ جانور بیچ جاتا ہے جو خوب چرتا ہے اگر یہ اعتدال سے دنیا جمع کرنے والے کی مثال ہے کیونکہ سب سے بڑا گھاس فصل بہار کی خشک گھاس کی طرح نہیں ہے یہ وہ سبزہ ہے جس کو فصل پکنے کے بعد مویشی کھاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال اس شخص کی دی ہے جو اعتدال سے دنیا جمع کرتا ہے اور اس کو حرم اس بات پر برا سمجھتے نہیں کرتی کہ وہ ناحق مال جمع کرے اس لیے وہ ناحق مال جمع کرنے والے کے وبال سے نجات یافتہ ہے جیسے سبزہ کھانے والے مویشی نجات یافتہ ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ ج ۹ ص ۵۸ دارالکتب مطبعہ بیروت ۱۳۷۱ھ)

بعض لوگوں کو امیر اور بعض لوگوں کو فقیر بنانے کی مصلحتیں

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد ماکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ہر چند کہ اللہ سبحانہ پر لوگوں کی صلاح اور منفعت کے لیے افعال کرنا واجب نہیں ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کے افعال حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے حلقے یہ علم ہوتا ہے کہ اگر اس پر دنیا کشادہ کر دی گئی تو اس کے اعمال قاسد ہو جائیں گے۔ اس لیے اس کی مصلحت اس میں ہے کہ اس پر رزق تنگ کر دیا جائے پس کسی شخص پر رزق تنگ کرنا اس کی توجہ نہیں ہے اور کسی پر رزق کشادہ کرنا اس کی فضیلت نہیں ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں پر رزق کشادہ کر دیا حالانکہ اس کو علم تھا کہ وہ اس مال کو ناجائز کاموں میں صرف کریں گے اور اگر وہ اس کے خلاف کرتا تو وہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مغض ہیں اور یہ التزام نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں بندوں کی مصلحت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ اپنے فعل کی کسی طرح پر جواب دہ نہیں ہے۔

(الماہج کا حکم القرآن ج ۲ ص ۷۷ دارالمنیر بیروت ۱۳۷۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس شخص نے میرے ولی کی لہانت کی اس نے مجھ سے اعلان جنگ کر دیا اور میں اپنے اولیاء کی مدد میں سب سے زیادہ جلدی کرتا ہوں اور میں ان کی خاطر اس طرح غضب ناک ہوتا ہوں جس طرح شیر غضب ناک ہوتا ہے اور میں جو کام کرنے والا ہوں اس میں کمی اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی تاخیر اپنے بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں حالانکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور بندہ مومن میرا سب سے زیادہ قرب فراموش کی اداسگی سے حاصل کرتا ہے اور بندہ مومن تو افاضل سے میرا حریہ قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان آنکھ زبان اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور اس کا مزید ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور بے شک میرے مومن بندوں میں کچھ وہ ہیں جو مجھ سے عبادت کے دروازہ کے کھولنے کا سوال کرتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ اگر میں اس کے لیے عبادت کا وہ دروازہ کھول دوں تو اس میں فخر اور تکبر پیدا ہوگا اور اس کی وہ عبادت بھی ضائع ہو جائے گی اور بے شک میرے بعض مومن بندے ایسے ہیں جن کی صلاح اور فلاح صرف ختم اور خوش حالی سے ہو سکتی ہے اگر میں ان کو فقیر بنا دوں تو فقر ان کے حال کو فاسد کر دے گا اور بے شک میرے مومن بندوں میں سے بعض وہ ہیں کہ ان کی صلاح اور فلاح صرف فقر میں ہے اگر میں ان کو فنی کر دوں تو ختم اور خوش حالی ان کے حال کو فاسد کر دے گی اور میں اپنے بندوں کی تدبیر کرتا رہتا ہوں کیونکہ

دیکھ رہے تھے، پس اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! ابھی آپ نے اپنے اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے! حتیٰ کہ پہاڑوں کی مانند بادل اٹھ آئے پھر ابھی آپ خبر سے نیچے نہیں اترے تھے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک سے بارش کے قطرے ٹپک رہے تھے! پس اس دن بارش ہوتی رہی! پھر اگلے دن بارش ہوتی رہی! پھر اس کے اگلے دن بارش ہوتی رہی حتیٰ کہ دوسرا جمعہ آگیا! پھر وہی اعرابی یا کوئی دوسرا اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مکانات منہم ہو گئے! مال مویشی غرق ہو گئے! سو آپ ہمارے لیے دعا کریں! پس آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! ہمارے ارد گرد بارش نازل فرما! ہم پر بارش نہ نازل فرما! پس آپ جس طرف بھی اشارہ فرماتے تھے اس طرف سے بادل پٹنے جاتے تھے اور مدینہ خالی زمین کے ٹکڑے کی طرح ہو گیا اور جو شخص کسی بھی طرف سے آتا تھا وہ زمین کی زرخیزی کی خبر دیتا تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۵۵، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۳، جامع

السننید واسنن مسند ابن عباس بن مالک رقم الحدیث: ۱۶۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے شہروں کے قطرہ اور بارش کے دیر سے ہونے کی شکایت کرتے ہو! حالانکہ اللہ عزوجل نے تم کو یہ حکم دیا ہے کہ تم اس سے دعا کرو اور اس نے تم سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعا قبول فرمائے گا! تم یہ دعا کرو:

اللھم انت اللھ لا الھ الا انت العلی ونحن الفقراء النزل علینا الغیث واجعل ما انزلت علینا قوۃ وبلاغا الی حین۔
اے اللہ! حیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں! تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں! ہم پر بارش نازل فرما اور ہم پر جو بارش نازل فرمائے اس کو ہمارے لیے ایک مدت تک قوت اور رزق کا ذریعہ بنا دے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قطرہ سالی یہ نہیں ہے کہ بارش نہ ہو لیکن قطرہ سالی یہ ہے کہ تم پر بارش ہو پھر تم پر بارش ہو لیکن زمین کچھ نہ اگائے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳، صحیح ترمذی ج ۳ ص ۲۰۲ رقم الحدیث: ۵۱۱۱، مسند السنن ج ۲ ص ۱۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹۰۳، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۹۵)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی بھی قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا بارش نہیں ہوتی اور کسی بھی قوم پر قطرہ سالی اللہ کی ناراضگی کے سوا نہیں ہوتی۔ (صحیح ابویوسف رقم الحدیث: ۱۸۷۰۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صرف اسی قوم پر قطرہ مسلط کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کرتی ہے۔ (صحیح ابویوسف رقم الحدیث: ۱۸۷۰۸، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۶۹۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر غضب ناک ہوتا ہے تو ان پر زمین میں دھنسا لے گا، اب نازل نہیں کرتا اور نہ ان کی شکلیں مسخ کرتا ہے! ان کے گلے کے زرخ مہنگے ہو جاتے ہیں اور ان سے بارشیں روک لی جاتی ہیں اور ان کے بدترین لوگ ان پر حاکم بنا دیے جاتے ہیں۔

(صحیح ابویوسف رقم الحدیث: ۶۹۸۱، الجامع البصیر رقم الحدیث: ۶۹۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کو لے کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرنے گئے تو ایک چٹوئی نے بھی اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھا لیے تو اس نبی نے لوگوں سے کہا: واپس چلو! اس چٹوئی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے: اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات میں ان پر بارش نازل کروں گا اور دن میں ان کے لیے دھوپ نکالوں گا اور ان کو بادل کی گرج نہیں سناؤں گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۹ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۹ رقم الحدیث: ۷۰۸۷۰ مسند ابو ارقم الحدیث: ۶۱۳۰ المسند رک ج ۳ ص ۲۵۶)

”ولی حمید“ کا معنی

اور فرمایا: ”اور وہی ولی حمید ہے۔“ ولی کا معنی ہے: وہ مالک ہے اور اپنے بندوں پر احسان اور اکرام کرنے کا والی ہے اور رحمت کو پھیلانے والا ہے اور حمید کا معنی ہے: وہی حمد اور ستائش کا مستحق ہے اس کے علاوہ اور کوئی تمام کمالات اور تمام نعمتوں پر تعریف کیے جانے کے لائق نہیں ہے اور ولی کا ایک اور معنی یہ ہے کہ وہی بارش کو نازل کرنے کا مالک ہے اور بارش پر تعریف کرنے والا ہے وہ جب چاہے بارش کو نازل فرماتا ہے اور جب چاہے بارش کو روک دیتا ہے اور وہی اس نگوینی نظام کو جاری رکھنے پر حمد کا مستحق ہے اور لوگ بارش کے نزول میں اس کے محتاج ہیں اور جب محتاج اور پریشان حال بارش کے حصول کے لیے اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے تو وہی اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی امید اور یاس کے حال میں پرورش فرماتا ہے جب بندوں پر مایوسی غالب ہو اور وہ خوف زدہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو ان پر انڈیل دیتا ہے اور شکست سالی اور پانی کی فراوانی اور خشکی اور کشادگی انسان پر باری باری آتی رہتی ہے انسان نہ ہمیشہ خوش حال رہتا ہے نہ ہمیشہ تنگ دست رہتا ہے اسے چاہیے کہ کشادگی میں اس کا شکر ادا کرے اور خشکی میں صبر کرے اور صرف اسی سے فریاد کرے۔ الشوری: ۲۹ میں فرمایا: ”اور اس کی نشانیں میں سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرتا ہے اور جانداروں کو پیدا کرتا ہے جو اس نے آسمانوں اور زمینوں میں پھیلا دیئے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے“ O

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ”اداہہ“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: چوپایا اور زمینوں میں تو چوپایوں کو پھیلاتا حضور ہے آسمانوں میں چوپایوں کو پھیلاتا کس طرح حضور ہوگا اس لیے مفسرین نے کہا: اس آیت میں داہہ حجاز پر محمول ہے یعنی زندہ اور جان دار اور فرشتے بھی زندہ اور جان دار ہیں وہ حرکات کرتے ہیں اور آسمانوں میں اڑتے ہیں اور زمین پر بھی چلتے ہیں۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ”وما یست فیہما“ نبت کا معنی کسی چیز کو متحرک کرنا اور پھیلاتا جیسے ہوائی کو اڑا کر پھیلاتا ہوتا ہے اور انسان کے نفس میں غم اور خوشی کی کیفیات ظاہر ہوتی ہیں اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جو چیز موجود نہ ہو وہ اس کو موجود کر دیتا ہے۔

الشوری: ۲۹ کے اسرار

اس آیت میں مساوات سے ارواح کی طرف اشارہ ہے اور ارض سے اجسام کی طرف اشارہ ہے اور داہہ (چوپایوں) سے نفوس اور قلوب کی طرف اشارہ ہے اور ان میں سے کسی کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ روحوں اور جسموں کے درمیان بہت فرق ہے جسم اسفل السافلین میں سے ہے اور روح اعلیٰ علیین میں سے ہے اور نفس دنیاوی شہوات کی طرف مائل ہوتا ہے اور قلب اخروی ربانی شہادہ کی طرف مائل ہوتا ہے نفس دنیا اور اس کی زینت کو طلب کرتا ہے اور قلب اخروی درجہات کو طلب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کے حشر پر قادر ہے۔ جسموں کا حشر یہ ہے کہ ان کو قبروں سے نکال کر محشر کی طرف

جمع کیا جائے اور روحوں کا مشر یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں روحوں کو عالم روحانیت کی طرف جمع کیا جائے، باقی طور کہ نفسانی لذتوں اور شہوتوں کے قہاریات سے روح کو معرفت کے انوار کی طرف مائل کیا جائے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا

اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو وہ معاف

عَنْ كَثِيرٍ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

فرما دیتا ہے ۵ اور تم روئے زمین میں نہیں پر بھی اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا تمہارا

دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۚ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ

نہ کوئی حامی ہے نہ مددگار ۵ اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں رواں رواں پھاڑوں

كَالْأَعْلَامِ ۚ إِنَّ يَشَاءُ يُسْكِنَ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى

کی مانند جہاز ہیں ۵ اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سطح سمندر پر ٹھہرے کے ٹھہرے رو جائیں

ظَهْرَهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۚ أَوْ يُوقِنُ

ہے شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں ۵ یا وہ چاہے تو ان کشتیوں کو

بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۚ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي

ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرما لیتا ہے ۵ اور جو لوگ ہماری آجوں میں

آيَاتِنَا مَا لَكُمْ مِّنْ مَّحِيصٍ ۚ فَمَا أُوتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّعُوا

جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لیے فرار کی کوئی جگہ نہیں ہے ۵ سو تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ

فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۚ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْأَثَمِ وَالْفَوَاحِشِ

پر ہی توکل کرتے ہیں ۵ اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں

وَاِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَاِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٨﴾

اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں O اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں اور

اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

نہاز قائم کرتے ہیں اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے

يُنْفِقُونَ ﴿٣٩﴾ وَالَّذِينَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٤٠﴾ وَجَزَاءُ

اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں O اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O اور نہ ان کی کا

سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٍ مِّثْلِهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ط

بدلہ اسی کی شکل نہ ان کی ہے ۚ پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ ﴿٤١﴾ وَلَمَنْ اَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمٍ فَاُولٰٓئِكَ

بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا O اور جس نے اپنے اوپر ظلم کیے جانے کا بدلہ لے لیا

فَاَعْلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤٢﴾ اِنَّمَّا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ

تو اب اس سے مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں O مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں

النَّاسِ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں باحق سرکشی کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے درد ناک

اَلِيْمٌ ﴿٤٣﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٤﴾

عذاب ہے O اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور بہت کے کاموں میں سے ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں

کو تو وہ معاف فرما دیتا ہے O اور تم روئے زمین میں کہیں پر بھی ہو اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی

حامی ہے نہ مددگار O (التھوری: ۳۱-۳۲)

مؤمنوں کے مصائب کا ان کے لیے کفارہ ذنوب نہ ہونے پر امام رازی کے پیش کردہ دلائل

اور ان کے جوابات

جمہور مفسرین اور شارحین حدیث کے نزدیک مؤمنین پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ

جمہور مفسرین اور شارحین حدیث کے نزدیک مؤمنین پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ

جمہور مفسرین اور شارحین حدیث کے نزدیک مؤمنین پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ

ہو جاتے ہیں اور ان کی دلیل یہ آیت ہے (الشوری: ۳۰) اس کے برخلاف امام رازی کی یہ تحقیق ہے کہ مؤمنین پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے ایمان پر استقامت کا امتحان ہوتے ہیں اور ان کے نزدیک اس آیت کا یہی عمل ہے کیونکہ مصائب تو انبیاء علیہم السلام اور مقررین پر بھی آتے ہیں حالانکہ ان کا پہلے کوئی گناہ نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین پر مصائب ان کے امتحان کے لیے آتے ہیں حدیث میں ہے:

مصحف بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! سب سے زیادہ مصائب میں کون جتنا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاء پھر جو ان کے قریب ہو پھر جو ان کے قریب ہو ہر شخص اپنے دین کے اعتبار سے مصائب میں جتنا ہوتا ہے اگر وہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس پر مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے دین میں کمزور ہو تو اس پر مصیبت بھی کم درجہ کی ہوتی ہے بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۳۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۳۲ مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۲ سنن دارمی رقم الحدیث: ۷۷۸۲ مسند ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۱۵۰ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۸۳۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۹۰۱ مستدرک ج ۱ ص ۲۶۱ علیہ السلام ج ۱ ص ۲۶۸ سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۷۲ شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۷۵۰ شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۳۳۲ فتح المجاہد رقم الحدیث: ۲۰۶۶ الجامع البصیر رقم الحدیث: ۱۰۵۳)

امام رازی کا اس آیت کو امتحان پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ مصائب تمہارے گناہوں کی سزائیں ہیں نہ یہ کہ یہ ایمان پر تمہاری استقامت کا امتحان ہے

اور امام رازی نے اس حدیث سے جو استدلال کیا ہے وہ دو وجوہوں سے صحیح نہیں ہے:

(۱) یہ حدیث ان مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے گناہ کیے ہیں اور جنہوں نے گناہ نہیں کیے جیسے انبیاء علیہم السلام وہ اس حدیث سے خارج ہیں انبیاء علیہم السلام پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتے ہیں یا ان کے امتحان کے لیے ہوتے ہیں یا کسی اور نکتہ کی وجہ سے آتے ہیں جو ہم سے مخفی ہے۔ اسی طرح بچوں اور بھوتوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ بھی اس حدیث سے خارج ہیں کیونکہ یہ حدیث مفقین کے لیے ہے اور وہ غیر مفقین ہیں یا بچوں پر مصائب کی وجہ سے ان کے والدین کو اجر ملتا ہے یہ شرطیکہ وہ صبر کریں۔

(۲) امام رازی نے بغیر حوالے کے اس حدیث کا صرف ابتدائی حصہ ذکر کیا ہے وہ یہ ہے: مصائب کے ساتھ انبیاء مخصوص ہیں پھر اولیاء پھر جو ان کے قریب ہو پھر جو ان کے قریب ہو۔ انہوں نے پوری حدیث ذکر نہیں کی جب کہ اس حدیث کے آخر میں ہے: بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اس حال میں زمین پر چلا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ حدیث کے اس آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ عام مؤمنین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں اگر امام رازی پوری حدیث ذکر کر دیتے تو اول مرحلہ میں ہی بات صاف ہو جاتی۔

امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أَلَيْسَ هَذَا نَجْزِي مَنْ تَقِيَتْ بِهَا نَفْسُهُ

(المومن: ۷۷) کی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جزاء اور سزا اقیامت کے دن ہوگی اگر وہ دنیا میں گناہوں پر سزا دی جائے تو دنیا بھی دار جزاء ہو

جائے گی "مِلَالِکِ یَعْقُوبَ الدِّیْنِ" (الکافی ص ۳۰۳) کا بھی یہی قصہ ہے کہ جزاء اور سزا قیامت کے دن ہوگی اور دنیا دار تکلیف ہے اگر دنیا میں گناہوں پر سزا دی جائے تو دنیا بھی دار جزاء و سزا بن جائے گی اور یہ محال ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۰۰ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ تمام لوگوں کو ان کے تمام گناہوں کی سزا قیامت کے دن دی جائے گی اور کسی شخص کو اس کے کسی گناہ کی سزا دنیا میں نہیں دی جائے گی تو اگر بعض مسلمانوں کو ان کے گناہوں کی سزا دنیا میں دے کر ان کو گناہوں سے پاک کر دیا جائے تو اس میں کون سا اتہالہ ہے۔

نیز امام رازی فرماتے ہیں:

دنیا میں مصائب صدیق پر بھی آتے ہیں اور زندقہ پر بھی اس لیے مصائب کے نزول کو گناہوں کا کفارہ قرار دینا محال ہے ورنہ لازم آئے گا کہ کافروں اور زندقہوں پر بھی مصائب کا نزول ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں اور زندقہوں پر مصائب کا نزول ان کے گناہوں کا کفارہ نہیں ہوگا جس طرح آخرت میں بعض گناہ گار مسلمانوں کو پاک کرنے کے لیے عارضی طور پر دوزخ میں ڈالا جائے گا سو دوزخ کا عذاب مومنوں کے لیے گناہوں سے تطہیر کا باعث ہوگا اور کافروں کے لیے یہی عذاب تطہیر کا نہیں بلکہ توہین کا باعث ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مومنوں کے لیے دنیا میں مصائب کا نزول ان کے گناہوں کا کفارہ ہوگا اس کے ثبوت میں تو بہت احادیث ہیں کافروں اور زندقہوں کے لیے مصائب ان کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں اس کے ثبوت میں کون سی احادیث ہیں؟

ہر چند کہ امام رازی نے یہ تصریح نہیں کی کہ ان کا یہ مختار ہے بلکہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے کہ مصائب کفارہ ہوتے ہیں پھر ان کی طرف سے اس نظریہ پر دلائل قائم کیے اور ان دلائل کا جواب نہیں دیا اور یہ لکھا کہ مصائب کا کفارہ ہونا محال ہے اس لیے ہم نے ان تمام دلائل کے جوابات ذکر کیے تاکہ امام رازی کے پیش کردہ دلائل سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہی نظریہ برحق ہے اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے ان احادیث کو پیش کر رہے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مومنین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

مومنوں کے مصائب کا ان کے لیے کفارہ ذنوب ہونے کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر جو مصیبت بھی آتی ہے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے حتیٰ کہ اس کا نئے سے بھی جو اس کو چھتا ہے۔ امام مسلم کی روایت میں بخاری اور ترمذی کا بھی ذکر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۳ السنن بکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۸۸۸ جامع المسانید ولسن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۱۳۵)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے خواہ وہ تھکاوٹ ہو یا مرض ہو یا فخر ہو یا غم ہو یا اذیت ہو یا بیٹائی ہو یا اس کو کوئی کاٹا چبھا ہو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۶۶)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تم کو اس آیت کی خبر نہ دوں جو اللہ کی کتاب میں سب سے افضل ہے ہمیں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كُنْتُمْ آيَاتِكُمْ" (الہود: ۳۱) کی تفسیر میں یہ بتایا: اے علی! تم پر جو بیماری آتی ہے یا کوئی سزا ملتی ہے یا دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ کریم ہے کہ وہ تم کو دوبارہ پھر آخرت میں سزا دے اور اللہ تعالیٰ نے جس گناہ کو دنیا میں معاف فرما دیا تو اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ حلیم ہے کہ وہ معاف کرنے کے بعد دوبارہ سزا دے۔ (مسند احمد ج ۵ صفحہ ۸۵) قدیم مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث: ۶۳۹۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۳۸ھ مسند ابی ہریرۃ رقم الحدیث: ۶۹۸۰ ۶۹۸۱ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کو اس کے جسم میں جو بھی ایذا پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ عطا دیتا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ صفحہ ۹۸) قدیم مسند احمد ج ۳ صفحہ ۱۶۸۹۹۹ رقم الحدیث: ۱۶۸۹۹۹ رقم الحدیث: ۸۳۱ مجمع الزوائد ج ۳ صفحہ ۳۰۱ حافظ البیہقی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندے کے گناہ زیادہ ہوں اور اس کے ایسے اعمال نہ ہوں جن سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے تو اللہ عزوجل اس کو غم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ غم اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ (مسند احمد ج ۳ صفحہ ۵۷) قدیم مسند احمد ج ۳ صفحہ ۱۳۳ رقم الحدیث: ۷۵۲۷۷۷ مسند ابی ہریرۃ رقم الحدیث: ۳۲۶۰ حافظ البیہقی نے کہا: امام احمد اور ابی ہریرۃ کی سند حسن ہے مجمع الزوائد ج ۳ صفحہ ۱۶۲ جامع السانید و الاسانید مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۷۹۸۸۸ امام ابوبکر احمد بن حسین شافعی متوفی ۲۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہو گئے انہوں نے کہا: میرا یہی گمان ہے کہ بیماری میرے کسی گناہ کے سبب سے ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے وہ بہت ہیں اور پھر یہ آیت تلاوت کی: "وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كُنْتُمْ آيَاتِكُمْ" (الہود: ۳۱) جامع التعلیق الايمان ج ۳ صفحہ ۷۵۳ رقم الحدیث: ۳۵۶۰۶۳۶ ابن ابی الدنیا المرض والکفارات رقم الحدیث: ۱۶۹۰ المسند رقم الحدیث: ۳۳۹۰ ۳۳۹۱ المسند رقم الحدیث: ۳۵۵۰ رافع بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا: کتاب اللہ میں ایک آیت ہے جس نے مجھ کو غم زدہ کر دیا انہوں نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ میں نے کہا: وہ یہ ہے: جس شخص نے کوئی بُرا کام کیا اس کو اس کی سزا دی جائے مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ (البقرہ: ۱۲۳)

کی۔

انہوں نے کہا: میں تم کو قید سمجھتا تھا بے شک مومن پر جو مصیبت بھی آتی ہے خواہ اس کا قدم پھسلے یا اس کو کوئی پریشانی ہو یا اسے کسی لکڑی سے خراش آئے وہ اس کے کسی نہ کسی گناہ کے سبب سے آتی ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

قادی نے "وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ" (الہود: ۳۱) کی تفسیر میں کہا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ ان آدم کو جب بھی کسی لکڑی سے خراش آئے یا اس کا قدم پھسلے یا اس کو کوئی پریشانی ہو تو وہ اس کے کسی گناہ کے سبب سے ہوتی ہے اور جن گناہوں کو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

(مجمع طبع الايمان ج ۳ صفحہ ۷۵۳ ۷۵۳ رقم الحدیث: ۶۳۵۷۷۷ ابن ابی الدنیا المرض والکفارات رقم الحدیث: ۱۶۹۰ کتاب المردم لمؤلف رقم الحدیث: ۶۳۵۷۷۷ اس حدیث کی سند ضعیف اور مرسلہ ہے۔)

حضرت عبداللہ بن مسفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک فاحشہ عورت تھی اس کے پاس سے ایک مرد گزر رہا اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اس عورت نے کہا کہ چھوڑو بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو لے گیا اور اسلام کو لے آیا اس شخص نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور پیچھے موڑ کر چل دیا اور مڑ کر اس کو دیکھتا رہا حتیٰ کہ اس کا چہرہ وہ پیر سے نگر گیا پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس واقعہ کا ذکر کیا آپ نے فرمایا: تم وہ بندے ہو جس کے ساتھ اللہ نے خیر کا ارادہ کیا ہے اور بے شک اللہ جبارک و تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے گناہ کی سزا جلدی دیتا ہے اور جب وہ کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہ کو قائم رکھتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن اس کو اس کی پوری سزا دیتا ہے۔ (المناہج للعقبۃ ایمان ج ۲ ص ۳۵۵-۳۵۴ رقم الحدیث ۹۳۵۹ صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۳۵۹-۳۶۰ والصفات ص ۱۶۷ اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ يَمُنْ وَمُتَقَالٌ ذَرَفَتْ عَنْهَا آيَةُ اللَّهِ وَمَنْ يَمُنْ

مُتَقَالٌ ذَرَفَتْ عَنْهَا آيَةُ اللَّهِ (الزمر: ۸۰-۷۹)

پس جس شخص نے رانگی کے دانے کے برابر نیکی کی وہ اس کی

جزا پائے گا اور جس شخص نے رانگی کے دانے کے برابر بُرائی کی

وہ اس کی سزا پائے گا

تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے وہ رک گئے انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اچھا کیا مگر جو کام بھی کیا ہے میں اس کا صلہ ضرور پاؤں گا آپ نے فرمایا: تم نے رانگی کے دانے کے برابر جو بُرائی کی ہے تم نے اس کی سزا پائی ہے اور تم نے جو بھی نیکی کی ہے تم نے اس کو ذخیرہ کر لیا ہے حتیٰ کہ تم کو وہ قیامت کے دن دی جائے گی ابواور میں نے کہا: اس کا مصداق اللہ کی کتاب میں یہ آیت ہے: "وَمَا أَصَابَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَضِيلًا كَيْسًا كَبِشْتَ إِيذِينَ يَكُونُ لَكُمْ دَعْفُوا عَنْ عُيُوبِهِمْ"۔

(الشوری: ۳۰)

خلاصہ بحث

ان کثیر احادیث اور آثار سے واضح ہو گیا کہ عام بندہ مومن پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں اہل بیت انبیاء علیہم السلام پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے درجات میں ترقی کے لیے ہوتے ہیں اور صالحین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے امتحان کے لیے ہوتے ہیں اور دیوانوں اور بچوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے والدین کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہیں بشرطیکہ وہ صبر کریں اور کافروں اور زندقہ فروشوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کی توبہ کے لیے ہوتے ہیں۔

الشوری: ۳۱ میں فرمایا: "اور تم روئے زمین میں کہیں پر بھی ہو اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حامی ہے نہ مددگار"۔

اس آیت میں جماعت مشرکین کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم روئے زمین پر کہیں بھی جاؤ مجھے عاجز نہیں کر سکتے تو تم زمین پر کہیں بھی بھاگ کر جاؤ میری گرفت سے باہر نہیں ہو گے اور جن جنوں کی تم پر تشنہ کرتے ہو یہ اللہ کے مقابلہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کی نشانیں میں سے سمندر میں رواں دواں پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں اور اگر وہ چاہے تو

ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سب سمندر پر غمرے کے غمرے رہ جائیں گے۔ شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں O یادو چاہے تو ان کشتیوں کو ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرمائیے O (الشوریٰ ۳۳: ۳۲)

سمندر میں رواں دواں کشتیوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی نشانیاں

الشوریٰ: ۳۳ میں ”جسواوی“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: بڑے بڑے بحری جہاز اس آیت سے قصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی قدرت اس کی حکمت اور اس کی توحید پر استدلال کیا جائے اس نے سمندر میں ایسی خاصیت رکھی ہے کہ بڑے بڑے بھاری اور وزنی جہاز اس کے سینے پر تیرتے رہتے ہیں نگڑی کا بہت بھاری اور وزنی تاس میں نہیں ڈوتا اور لوہے کا چھوٹا سا ٹکڑا اس میں ڈوب جاتا ہے سمندر زمین سے تین حصہ بڑا ہے اور تمام سمندر میں ایسی خاصیت ہے اگر اس دنیا کو پیدا کرنے والے متحد ہوتے تو اس میں متحد و خواص ہوتے اور جب تمام سمندر کی ایسی ایک خاصیت ہے تو معلوم ہوا اس کا پیدا کرنے والا بھی ایک ہی ہے۔

الشوریٰ: ۳۳ میں فرمایا: ”اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ جہاز سب سمندر پر غمرے کے غمرے رہ جائیں گے۔ شک اس میں ہر بڑے صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں O“ اس آیت میں ”واحد“ کا لفظ ہے یہ را کدۃ کی جمع ہے جو چیز اپنے مقام پر ثابت ہو اور غمری ہوئی ہو اس کو را کد کہتے ہیں اور مرا کدان مقامات کہتے ہیں جہاں انسان قیام کرتا ہے اور غمرتا ہے۔ اور اس آیت میں ”صابر“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: جو مصائب پر صبر کرے اور شکور اس کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ شکر کرنے والا ہو بہترین بندہ وہ ہے جو مصائب پر صبر کرے اور نعمتوں پر شکر کرے۔

الشوریٰ: ۳۳ میں فرمایا: ”یادو چاہے تو ان کشتیوں کو ان لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ کر دے اور بہت سی خطاؤں سے وہ درگزر فرمائیے O“

اس آیت کا عطف اس سے پہلی آیت پر ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے: اگر اللہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ کشتیاں کھڑی کی کھڑی رہ جائیں اور اگر اللہ چاہے تو ہواؤں کو چھوڑ دے اور تیز ہواؤں اور آندھنیوں کی وجہ سے یہ کشتیاں تباہ ہو جائیں اور ان کشتیوں میں بیٹھنے والے ہلاک ہو جائیں اور وہ کشتی میں بیٹھنے والوں کی بہت سی خطاؤں سے درگزر فرمائیے اور غرضی میں بیٹھنے والوں کو غرق ہونے سے بچا لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل

- ان آیات کے حسب ذیل فوائد ہیں اور ان سے مذکور ذیل مسائل مستحبہ ہوتے ہیں:
- (۱) جس طرح کبھی اللہ تعالیٰ کشتی کو سلاستی کے ساتھ اس کی منزل پر پہنچا دیتا ہے اور کبھی اس کشتی کو غرق کر دیتا ہے اس طرح انسان کو انواع و اقسام کے مصائب اور نعمتوں میں مبتلا کرتا ہے پھر کبھی انسان کو ان نعمتوں اور مصائب کے تصور سے سلاستی کے ساتھ نکال لیتا ہے اور کبھی اس کو ان نعمتوں اور مصائب میں ہلاک کر دیتا ہے سو انسان کو چاہیے کہ جب وہ مصائب میں مبتلا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے اور جب اللہ اس کو ان مصائب سے نجات دے دے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے۔
 - (۲) جو ہوا کبھی کشتیوں کو چلاتی ہیں وہ ان خود نہیں چلتیں ان کے لیے کوئی محرک ضروری ہے وہ محرک کون ہے؟ اگر وہ محرک اللہ کے سوا کوئی اور ہے تو پھر اس کا محرک کون ہے اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا تو پھر عالم کا قدم لازم آئے اور یا پھر یہ سلسلہ

اللہ تعالیٰ پر جا کر فحتم ہوگا اور جس طرح ان کشتیوں کا چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے جو واحد واجب اور قدیم ہے اسی طرح اس ساری کائنات کے نظام کو چلانے والا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی اور اس نظام کو چلانے والا نہیں ہے۔

(۳) الشوری: ۲۳ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ غفور اور شکور ہے اور اس آیت میں بندوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ صبار اور شکور ہیں اللہ تعالیٰ کے شکور ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ شکر کی بہت زیادہ جزاء دینے والا ہے اور بندوں کے شکور ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرنے والے ہیں اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفت شکر سے متصف ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لیے فرار کی کوئی جگہ نہیں ہے O سو تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا قاعدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ بانی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں O اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں O (الشوری: ۳۷-۳۵)

دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا فرق

الشوری: ۳۵ کا معنی یہ ہے کہ جس طرح تیز آمدیاں طمس اور تہاری کشتی طوقانی موجوں کی زد میں ہو تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے جو تمہیں اس طوقان میں فرق ہوئے سے بچا سکے اسی طرح حشر کے دن بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اس لیے اس دنیا میں یہ اعتراف کر لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع پہنچانے والا ہے نہ نقصان پہنچانے والا ہے اور اسی کو اپنا کارساز اور حاجت روا مان لو۔

الشوری: ۳۶ کا معنی یہ ہے: اے لوگو! تم کو جو دنیا کے اموال اور اسباب دیئے گئے ہیں اور تمہیں اولاد کی نعمت دی گئی ہے یہ سب چیزیں دنیا کا عارضی نفع ہے اور اگر تم ان نعمتوں میں منہمک اور مستغرق ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت سے غافل رہے تو آخرت میں تم سزا کے مستحق ہو گے اور اگر تم نے دنیا کی اس متاع میں زیادہ دلچسپی نہ لی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت میں زیادہ رغبت کی تو تمہیں اس پر جوار و ثواب ملے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی راحتیں اور لذتیں بہت جلد زائل ہو جانے والی ہیں اور عین لذت کے حال میں بھی انسان کو ان کے زوال کا خطرہ لگا رہتا ہے اور ایمان والے ہر حال میں اللہ پر توکل کرتے ہیں اور نعمت کے حال میں بھی ان کی نظر نعمت پر نہیں منحہم پر ہوتی ہے اس لیے اگر دنیا کی نعمت ان کے ہاتھوں سے نکل بھی جائے تو انہیں اس پر کوئی افسوس نہیں ہوتا اور جس شخص نے یہ جان لیا کہ دنیا کی نعمتیں عارضی اور فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں دائمی اور باقی ہیں وہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت میں دلچسپی رکھتا ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

الشوری: ۳۷ میں فرمایا: "اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں۔"

اقیم کبیرہ اور خش کا معنی

اس آیت میں کبیرہ گناہوں کے لیے "سبحان اللہ" کا لفظ ہے علامہ راغب صفہانی متوفی ۵۰۲ھ کا معنی بیان کرتے ہیں: اقم اس فصل کے ارتکاب کو کہتے ہیں جو ثواب کو مٹا کر دے قرآن مجید میں ہے:

فِيهِمْ مِّنْ أَكْثَرِ قَوْمٍ وَمَا تَزِدُّهُمْ إِلَّاءُ الْفَسَادَ (البقرہ: ۲۶)

شراب پینے میں اور جھانپنے میں بڑا اقم ہے اور لوگوں کے

لیے عارضی منافع ہیں۔

یعنی شراب پینا اور چراگلیاں انسان کی خیرات اور حسنات کو موخر کر دیتا ہے نیز قرآن کریم میں ہے:

أَخَذَتْهُ الْعُزْلُجُ (البقرہ ۲۰۶)

ہے۔

اس کا دل اٹم والا ہے۔

أَنَّهُمْ قَتَلُوهُ (البقرہ ۱۸۳)

اٹم کا لفظ بے مقابلہ میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کام کو کہتے ہیں جس کے کرنے کے بعد تمہارا دل مطمئن ہو اور اٹم اس کام کو کہتے ہیں جس کو کرنے کے بعد تمہارے دل میں قلق اور اضطراب ہو۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۸-۲۲۷ سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۵۳۳) اور قرآن مجید میں ہے:

يُسَاءِلُونَ فِي الْغُزَا وَالْعُدُوِّ (النساء ۶۲)

وہ اٹم اور عدوان میں جلدی کرتے ہیں۔

اس آیت میں اٹم کا اطلاق کفر پر ہے اور عدوان کا اطلاق معصیت کبیرہ پر ہے اٹم عام ہے اس کا اطلاق کفر پر بھی ہوتا ہے اور معصیت کبیرہ پر بھی ہے اور عدوان کا لفظ خاص ہے اس کا اطلاق صرف معصیت کبیرہ پر ہوتا ہے۔

(المنہاجات ج ۱ ص ۱۲۱ انسان العرب ج ۱ ص ۵۶ دارصادر بیروت ۲۰۰۳ء)

علامہ جمال الدین محمد بن بحر بن محمد بن منظور افریقی متوفی ۱۱۷۷ھ کبیرہ کا معنی بیان کرتے ہیں:

احادیث میں متعدد جہتوں میں کبائر کا ذکر ہے کبیرہ اس قبیح کام کو کہتے ہیں جس سے شرعاً منع کیا گیا ہو اور اس کا کرنا بہت سنگین ہو جسے قتل کرنا زنا کرنا جہاد سے چھینے موخر بھانگنا وغیرہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا: کیا کبائر سات ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کبائر سات سو کے قریب ہیں اور تو بہ کرنے کے بعد کوئی فعل کبیرہ نہیں ہے اور جس فعل کے ارتکاب کے بعد توبہ نہ کی جائے وہ صغیرہ نہیں ہے جس فعل پر وعید ہو وہ کبیرہ اور واجب کے ترک اور مکروہ قریبی کے ارتکاب کو کبیرہ کہتے ہیں۔ (انسان العرب ج ۱ ص ۱۲۱ دارصادر بیروت ۲۰۰۳ء)

نیز علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۱۱۷۷ھ فحش کا معنی بیان کرتے ہیں:

جو کام اور بات معیوب اور قبیح ہو اس کو فحش کہتے ہیں جو شخص عموماً اور تکلف سے لوگوں کو بُرا سکھائے اور گالیاں دے اس کو فحش کہتے ہیں حدیث میں فحش اور فاحش کا ذکر بہت ہے ہر وہ شخص جس کے گناہوں کا نتیجہ بہت زیادہ ہو اس کو فاحش کہتے ہیں حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ فاحش شخص سے بغض رکھتا ہے فاحش زنا کو بھی کہتے ہیں جواب میں حد سے بڑھنے کو بھی فحش کہتے ہیں اور ہر وہ فحش جو معیوب اور قبیح ہو اس کو بھی فاحش کہتے ہیں۔ (انسان العرب ج ۱ ص ۱۲۱ دارصادر بیروت ۲۰۰۳ء)

چند کبائر کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کبیر الاثم شرک ہے امام رازی نے کہا: یہ بعید ہے کیونکہ اس سے پہلے ایمان کی شرط کا ذکر ہو چکا ہے اس لیے یہاں ”کبیر الاثم“ میں شرک داخل نہیں ہوگا اہدیت بدعات سنیہ اور وہ معاصی جن کا تعلق دوزخ و شہوت یا زنا و فحش و غضب سے ہو وہ کبائر الاثم میں داخل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۰۳ دارالمنہاجات افریقی بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اگر شرک سے مراد شرک خفی لیا جائے یعنی ریا کاری تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر پر امام رازی کا یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا اور حدیث میں ریا کاری پر بھی شرک کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ شرک اصغر کا

غلط ہے 'صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شرک اسمہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ریاکاری جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے سکے گا تو فرمائے گا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لیے تم دنیا میں عمل کرتے تھے اب دیکھو کیا تم کو ان سے کوئی جزا ملے گی۔ (مسند احمد ص ۳۸۸، مسند احمد ص ۳۹۹، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۰، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۲۱، سنن ابی حاتم ج ۱ ص ۳۳۵، سنن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۸۱، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۹، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۰، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۲۱، سنن ابی حاتم ج ۱ ص ۳۳۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ بَكَرًا لِزَوْجِهِمْ" (الشوری: ۳۷) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (۱) سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔ (المائدہ: ۷۲) (۲) اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا گناہ کبیرہ ہے اللہ نے فرمایا ہے: اللہ کی رحمت سے صرف کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔ (یوسف: ۸۷) (۳) اور والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو جباراً شقیق فرمایا ہے (۴) اور قتل ناحق گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ناحق قتل کرنے والا دوزخ کی سزا کا مستحق ہے۔ (انعام: ۷۳) (۵) اور یتیم کا مال کھانا گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ایسے لوگ اپنے بیٹوں میں صرف آگ بھڑک رہے ہیں اور وہ عترتِ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (انبیاء: ۱۷۰) (۶) اور پاک و امن عورت کو زنا کی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے۔ (النور: ۲۳) (۷) میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جو شخص اس دن پیٹھ پھیرے گا ماسوا اس کے جو جنگ میں محاذ بدل رہا ہو یا اپنی جہاد کی طرف آ رہا ہو (وہ مستحق ہے ان کے سوا جو بھاگے گا) وہ اللہ کے غضب سے لوٹے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ (نحل: ۱۶) (۸) اور سود کھانا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان نے چھو کر غیبی بنا دیا ہو۔ (البقرہ: ۲۷۵) (۹) اور جادو کرنا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بے شک وہ جانتے ہیں کہ جس نے جادو کو خرید لیا اس کے لیے آخرت میں (اجر کا) کوئی حصہ نہیں ہے۔ (البقرہ: ۱۰۳) (۱۰) اور زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور جس نے زنا کیا وہ سخت عذاب سے ملاقات کرے گا ○ قیامت کے دن اس کا عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ذلت و خواری کے ساتھ اس عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہے گا۔ (النور: ۷۰) (۱۱) اور جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے اللہ نے فرمایا ہے: جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کر دیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں اجر کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (آل عمران: ۷۷) (۱۲) اور خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر خیانت کرنے والا خیانت کے مال کو قیامت کے دن لے کر حاضر ہوگا۔ (آل عمران: ۷۷) (۱۳) اور زکوٰۃ کا ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس دن ان کے مال کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پیلوؤں کو اور ان کی ٹینگوں کو تپایا جائے گا۔ (البقرہ: ۲۷۵) (۱۴) اور گواہی کو چھپانا گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو گواہی کو چھپاتا ہے اس کا دل گناہ گار ہے۔ (البقرہ: ۲۸۳) (۱۵) اور شر (انگور کی شراب) پینا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شراب اور جوا اور بتوں کے لیے قربانی کی جگہ اور قال لکے کے تیر یہ سب شخص شیطان کی کام ہیں سو ان سے باز رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (المائدہ: ۹۰) (۱۶) اور فرض نماز کو عداوت کرنا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عہدِ نماز کو ترک کیا اس سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا (۷۱) اور عہدِ حقنی گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور عہد پورا کرو بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل: ۳۳) (۱۸) اور رحم کو قطع کرنا گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رحم کے رشتوں کو توڑ ڈالو۔ (محمد: ۳۲)

(۱) اکبر (۱۵۶۶-۱۶۰۵ء) کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ اس کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ اس کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکورہ عدد حدیث میں اضافہ کیا کہ ان کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔

- (۱) شکر (۱) صغیر اور دوسرا کاری ہے (۲) چاندی فطرب کرنا (۳) کینہ رکھنا اور حسد کرنا (۴) تکبر کرنا اور اترنا (۵) ملاوٹ کرنا (۶) نفاق کرنا (۷) حاکم وقت کے خلاف بغاوت کرنا (۸) لوگوں کو حقیر جان کر ان سے اعراض کرنا (۹) غیر متعلق اور لاپرواہی باتوں میں مشغول رہنا (۱۰) حرص اور طمع (۱۱) فقر و فاقہ کا خوف رکھنا (۱۲) دولت مند لوگوں کی ان کی دولت کی وجہ سے تعظیم کرنا (۱۳) فقر کی وجہ سے فقراء کا مذاق اڑانا (۱۴) دنیا میں رغبت کرنا اور اس پر فخر کرنا (۱۵) حرام چیزوں سے بھاؤ سنگھار کرنا (۱۶) عداوت کرنا یعنی مال دنیا کی وجہ سے دنیا داروں کو حق نہ سنانا (۱۷) جو کام نہ کیا ہو اس پر تعریف و تحسین سننے کی خواہش رکھنا (۱۸) لوگوں کے محبوب تلاش کرنے میں مشغول رہنا (۱۹) قومیت اور زبان کی وجہ سے تعصب رکھنا (۲۰) شکر نہ کرنا (۲۱) تقدیر پر راضی نہ ہونا (۲۲) ہندوگان خدا کی تعظیم کرنا اور ان کا مذاق اڑانا (۲۳) خواہش نفس کی پیروی کرنا (۲۴) نکر اور سازش کرنا (۲۵) حق سے عداوت رکھنا (۲۶) مسلمان سے بدگمانی رکھنا (۲۷) خواہش نفس کے خلاف حق کو قبول نہ کرنا (۲۸) گناہ پر خوش ہونا (۲۹) گناہ پر اصرار کرنا (۳۰) عبادات پر تحسین کی خواہش کرنا (۳۱) اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھول جانا (۳۲) اپنے نفس کے لیے غصہ کرنا اور معصیت پر تعاون کرنا (۳۳) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا اور گناہوں میں مشغول رہنا (۳۴) اللہ سے بدگمانی رکھنا (۳۵) علم کو چھپانا (۳۶) علم پر عمل نہ کرنا (۳۷) علماء کی تکلیف اور توہین کرنا (۳۸) اللہ اور رسول پر جھوٹ باندھنا (۳۹) ظالموں اور فاسقوں سے محبت رکھنا اور صالحین سے بغض رکھنا (۴۰) زبان کو کڑا کہنا (۴۱) عین کا شکر نہ ادا کرنا (۴۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر آپ پر درود نہ پڑھنا (۴۳) گناہ پر فخر ہونا (۴۴) سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا (۴۵) راست میں پاخانہ کرنا (۴۶) ہاتھوں کو گدوانا اور اس کی اجرت (۴۷) چہرے سے بالوں کو اکھڑانا اور اس کی اجرت (۴۸) کسی عورت کا مسافت قصر سے زیادہ تھا سفر کرنا (۴۹) بدگالی کی وجہ سے سفر نہ جانا یا پلوٹ آنا (۵۰) بغیر عذر کے نماز جمعہ یا جماعت کو ترک کرنا (۵۱) مردوں کا عورتوں کی یا عورتوں کا مردوں کی مشابہت کرنا (۵۲) مرد کا سیاہ خضاب لگانا (۵۳) تکبر کی نیت سے ٹٹنوں سے پیچھے لباس لگانا یا قدموں سے گھسٹنا ہوا لباس رکھنا (۵۴) ستاروں کی تاثیر کا اعتقاد رکھنا (۵۵) منہ پر طمانچہ مارنا یا گریبان پھاڑنا (۵۶) میت کی ہڈی توڑنا یا قبر پر بیٹھنا (۵۷) قبر پر سجدہ کرنا یا چراغ جلاتا (۵۸) صدقہ کر کے احسان جتانے یا عین دینا (۵۹) بلا عذر روزہ نہ رکھنا (۶۰) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا (۶۱) استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنا (۶۲) ذخیرہ اندوزی کرنا (۶۳) کسی کو پھنسانے کے لیے کسی چیز کی زیادہ قیمت لگانا (۶۴) باوجود وسعت کے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا (۶۵) چڑوی کو ایذا پہنچانا (۶۶) کسی کا مال غصب چھیننا (۶۷) مزدور سے کام لینے کے بعد اس کو اجرت نہ دینا (۶۸) کسی کا نام بگاڑنا (۶۹) کسی مسلمان کا مذاق اڑانا (۷۰) چٹلی کرنا (۷۱) دو مضمون والا ہونا یعنی ایک شخص کے سامنے اس کی موافقت میں اور دوسرے کے سامنے اس کی مخالفت میں باتیں کرنا (۷۲) کسی پر بہتان لگانا (۷۳) کسی شخص کا اپنی بیوی کے راز کی باتیں دوسروں کے سامنے بیان کرنا (۷۴) مہر ادا نہ کرنا (۷۵) کسی عورت کا خوشبو لگا کر گھر سے باہر لگانا (۷۶) دو بیویوں میں عدل نہ کرنا (۷۷) عورت کا بغیر شرعی عذر کے خانہ کی نافرمانی کرنا (۷۸) کسی مسلمان کو گالی دینا یا اس کو بے عزت کرنا (۷۹) کسی کے نسب میں طعن کرنا (۸۰) کسی عورت کا عدت کے دوران گھر سے باہر لگانا (۸۱) خانہ کی موت پر سوگ نہ کرنا (۸۲) خودکشی کرنا (۸۳) کسی نبوی یا کاہن سے شب کی باتیں معلوم کرنا

(۸۳) قال لکھنا (۸۳) بغیر شری مڈر کے بیعت کر کے توڑنا (۸۵) امیر کا اپنی رحمت پر ظلم کرنا (۸۶) کسی کا حق مال کھانا (۸۷) کرشوت لینا، معصیت پر رشوت دینا (۸۸) جانور سے خواہش پوری کرنا (۸۹) عورت کی پشت میں خواہش پوری کرنا (۹۰) ماہواری کے لیمام میں دخول کرنا (۹۱) عورتوں کا عورتوں سے یا مردوں کا مردوں سے جنسی عمل کرنا (۹۲) متحد کرنا (۹۳) چھری کرنا (۹۴) ڈاکا ڈالنا (۹۵) انشاء اور چیزوں کو کھانا یا پینا (۹۶) کسی کی مرضی کے خلاف اس کی باتیں سننا (۹۷) استطاعت کے باوجود تنگی کا حکم دینے اور نہائی سے روکنے کو ترک کرنا (۹۸) سلام کا جواب نہ دینا (۹۹) اپنی عزت کرانے کے لیے بے چاہنا کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں (۱۰۰) غلاموں سے بھاگنا (۱۰۱) مسلمان ملک کی حفاظت میں رہنے والے غیر مسلم شہریوں یا پاسپورٹ اور ویزے کے حامل غیر مسلموں کو قتل کرنا یا ان سے عہد شکنی کرنا یا ان پر ظلم کرنا (۱۰۲) شرط لگانا کہ کھڑے یا اونٹ دوڑانا یا کتے اور مرغ لڑانا (۱۰۳) جھوٹی قسم کھانا (۱۰۴) غیر ملت اسلام کی قسم کھانا، مثلاً میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی ہوں (۱۰۵) حادث ہونے کے قصد سے غیر اللہ کی قسم کھانا (۱۰۶) نذرمان کر پوری نہ کرنا (۱۰۷) کسی منصب کا اہل نہ ہو اور اس کو طلب کرے (۱۰۸) قاضی کا خلاف عدل فیصلہ کرنا (۱۰۹) قاضی کا تحائف قبول کرنا (۱۱۰) جھوٹی گواہی دینا یا اس کو قبول کرنا (۱۱۱) باعذر شہادت کو چھپانا (۱۱۲) کسی کو ضرر پہنچانے کے لیے جھوٹ بولنا (۱۱۳) بے ریش لڑکوں کے ساتھ مشغول رہنا (۱۱۴) مسلمان کی جھو کرنا (۱۱۵) گناہ کبیرہ پر توبہ نہ کرنا (۱۱۶) گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا (۱۱۷) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو نہ کہنا یا ان سے بغض رکھنا (۱۱۸) علم کے باوجود کسی مسلمان کے خلاف ناحق دعویٰ کرنا۔

حالت غضب میں معاف کرنے کی فضیلت

نیز فرمایا: ”اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں“ خضرؑ بخدا ہونے کے بعد عموماً لوگ معاف کر دیتے ہیں، جرات اور ہمت کا کام یہ ہے کہ انسان عین حالت غضب میں معاف کر دے۔

اس آیت کے اس حصے کے شان نزول میں علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

- (۱) یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہیں مکہ میں گالیاں دی گئیں اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔
- (۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اپنا سارا مال ربا و غدا میں خرچ کر دیا تو لوگوں نے اس پر انہیں ملامت کی اور نہ کہا تو انہوں نے اس پر صبر کیا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس مال جمع ہو گیا، انہوں نے وہ سب مال تنگی کے راستے میں خرچ کر دیا، مسلمانوں نے ان کو ملامت کی اور کفار نے ان کی خطا نکالی اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

”سو تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ایمان والوں کے لیے زیادہ اچھا اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں اور جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور وہ غضب کے وقت معاف کر دیتے ہیں“ (احزاب: ۳۷-۳۶)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک مشرک نے حضرت ابو بکر کو گالی دی تو آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا۔

یہ بہت عمدہ اخلاق ہیں، بلند ہمت والے اپنے اوپر ظلم کرنے والوں پر بھی شفقت کرتے ہیں اور جو جہالت کے ساتھ ان

کے خلاف کارروائی کرے اس سے درگزر کرتے ہیں اور اپنے اس عمل کا ثواب صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے کام باہمی
 مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی
 بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو
 اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا (الہوری: ۳۸-۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایمان لانے کی
 دعوت دی تو انہوں نے اس دعوت کو محکم قلب کے ساتھ قبول کر لیا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں تو یہ فرمایا ہے کہ ”وہ
 اپنے رب کے حکم کو قبول کرتے ہیں“ اور اس کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو قبول
 کیا اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہے قرآن مجید
 میں ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت
 کر لی۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا اللہ سے بیعت کرتا ہے آپ کو
 خریدتا اللہ کا خریدتا ہے آپ کو جو کھا دینا اللہ کو جو کھا دینا ہے اور آپ کو ایذا پہنچانا اللہ کو ایذا پہنچانا ہے اسی طرح آپ کے گھر
 سے ایمان لانا اللہ کے حکم سے ایمان لانا ہے۔

نماز نہ پڑھنے پر وعید

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ”اور نماز قائم کرتے ہیں“ اس سے مراد ہے: پانچ نمازیں اور جو شخص بھی دن اور رات میں پانچ
 نمازوں کے اوقات کو پائے گا اس پر ان پانچ نمازوں کا پڑھنا فرض ہے نمازوں کی فرضیت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کا بندہ سے سب سے
 پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے اگر اس کی نماز صحیح ہو تو وہ کامیاب اور کامران ہو جائے گا اور اگر اس کی نماز فاسد ہو تو
 وہ کام اور عہدہ ہوگا اور اگر اس کے فرض میں کوئی کمی ہو تو رب چارک و تعانی فرمائے گا: دیکھو میرے بندہ کو کوئی نفل ہے تو اس
 کے فرض میں جو کمی ہوگی اس کو نفل سے مکمل کیا جائے گا پھر باقی عمل بھی اسی طرح ہوں گے۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۲۲۵ سنن ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۶۳۳ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۹۰۴ مسند ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۱۳۶۱ مسند ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۲۲)

حضرت چاہر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندہ سے اور اس کے
 شرک اور کفر کے درمیان فرق نماز کو ترک کرنا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۸۷ جامع المسانید و السنن مسند چاہر رقم الحدیث: ۱۵۵۱
 کنول حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عہد نماز کو ترک نہ کر
 کیونکہ جس نے عہد نماز کو ترک کیا اس سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۸ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۷ رقم الحدیث: ۲۷۳۱۳-۲۷۳۱۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳۲۱ھ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۲) شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۶۵۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳۳۱ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ کھول اور ام یمن کے درمیان اتھار ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت کی ہے آپ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو خواہ وہ تم کو قتل کیا جائے یا آگ میں جلا یا جائے (۲) اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو خواہ وہ تم کو یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل اور مال سے نکل جاؤ (۳) اور فرض نماز کو کھرا ترک نہ کرو کیونکہ جس نے فرض نماز کو کھرا ترک کیا اس سے اللہ کا مذہب ہی ہو گیا (۴) اور شراب ہرگز نہ پیو کیونکہ شراب نوشی ہر بیماری کی اصل ہے (۵) اور معصیت سے بچو کیونکہ معصیت سے اللہ عزوجل کی ناراضگی حلال ہو جاتی ہے (۶) اور میدان جہاد سے پیچھے موڑ کر نہ بھاگو خواہ لوگ ہلاک ہو جائیں (۷) اور جب لوگوں پر طاعون آئے اور تم ان میں ہو تو ثابت قدم رہو (۸) اور اپنی اولاد پر اپنی کمائی سے خرچ کرو (۹) اور ان کو ادب سکھانے کے لیے لائیں سے نہ مارو (۱۰) اور ان کو اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈراؤ۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۸ طبع قدیم مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۷ رقم الحدیث: ۲۷۳۱۳-۲۷۳۱۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳۲۱ھ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۲) شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۶۵۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۳۳۱ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ عبد الرحمن بن جبر بن خیر اور حضرت معاذ کے درمیان اتھار ہے۔

شوری کا معنی

نیز الشوری: ۳۸ میں فرمایا ہے: ”اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اس آیت میں ”شوری“ کا لفظ ہے علامہ راجب ابن ابی شوری کے معنی میں لکھتے ہیں: تشاور مشاورت اور مشورۃ کا معنی ہے: کوئی شخص کسی معاملہ میں دوسرے کی طرف رجوع کرے تو وہ اس معاملہ میں غور کر کے اپنی رائے بیان کرے اور جس معاملہ میں غور کیا جائے اس کو شوری کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۵۶ مکتبۃ دار مصطفیٰ بیروت ۱۳۸۸ھ)

مشورہ کرنے کے متعلق احادیث

مشورہ کرنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

استشار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاساری یوم بدر۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۲)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استشار احدکم اخاه فلیشر علیہ۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۴۷)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استشار موتمن۔

جنگ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے متعلق مشورہ طلب کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے مشورہ طلب کرے تو وہ اس کو مشورہ دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے کسی بات کا مشورہ طلب کیا گیا ہو تو وہ اس بات کا سامن ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۸ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۳۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۳۱۳-۲۷۳۱۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳۲۱ھ)

معدان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور اس میں صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور کہا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک مرغ نے مجھ پر تین مرتبہ

شوکتیں ماریں اور میں نے اس کی صرف یہ تعبیر لی ہے کہ میری اہل قریب آگئی ہے اور بے شک کچھ لوگ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میں اپنا جائعین مقرر کروں اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضائع کرنے والا نہیں ہے اور نہ اپنی خلافت کو اور نہ اس شریعت کو جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا ہے اگر میری اہل جلد آگئی تو خلافت ان چھ اصحاب کے مشورہ سے منقطع ہوگی جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے۔ اللہ عیض (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۷۷) مسند احمد ج ۳ ص ۳۸-۳۹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور خوش حال لوگ تھی ہوں اور تمہارے معاملات یا بھی مشورہ سے چل رہے ہوں تو تمہارے لیے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نیچے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام تم میں سے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے خوش حال لوگ بخیل ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کی طرف مٹوش ہوں تو زمین کے نیچے کا حصہ تمہارے لیے زمین کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۶)

الشوری: ۳۸ کا شان نزول

- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الباقوری السنونی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں چار قول ہیں:
- (۱) نقاش نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد سے پہلے انصار جب کوئی کام کرتے تھے تو باہم مشورہ کرتے تھے پھر مشورہ کے بعد اس کام کو کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کام کی تحسین فرمائی۔
 - (۲) جو چیز مشورہ سے طے ہو جائے وہ اتفاق سے اس پر عمل کرتے تھے اور اس سے اختلاف نہیں کرتے تھے حسن بصری نے کہا: جو لوگ کسی کام میں مشورہ کرتے ہیں وہ اس کام میں ہدایت پر پہنچ جاتے ہیں۔
 - (۳) انصحاک نے کہا: جب انصار کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گیا ہے اور فقہاء ان کے پاس آگئے ہیں حتیٰ کہ وہ اس پر متفق ہو گئے کہ وہ حضرت ابوالعباس انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں بیٹھ ہو کر آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی نصرت کریں گے۔
 - (۴) ان کو جو ہم درپیش ہوتی تھی وہ اس میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے تھے اور نیک کام میں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ (المفہوم ج ۱ ص ۲۰۹ دارالکتب العلمیہ بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا باہمی مشاورت سے اہم کاموں کو انجام دینا

اللہ تعالیٰ نے انصار کی اس بات پر مدح فرمائی کہ وہ باہمی مشورہ سے کام کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دینی امور دنیاوی امور میں اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے تھے دینی امور کی مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کے بعد اذان کا طریقہ مقرر فرمایا اور دنیاوی امور کی مثال یہ ہے کہ آپ نے جنگ بدر میں قیدیوں کے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ کیا آیا ان کو قتل کر دیا جائے یا قید یہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور جنگ احد میں مشورہ کیا کہ شہر کے اندر رہ کر کفار سے مقابلہ کیا جائے یا شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو آپ نے ان کے متعلق اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ البتہ احکام شریعہ میں آپ کسی سے مشورہ نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خفاہ کے مطابق آپ جس چیز کو چاہتے فرض یا واجب یا حرام یا مکروہ قرار دیتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام یا بھی مشورہ سے کتاب اور سنت سے احکام مستحب کرتے تھے اور سب سے پہلا کام جہاںہوں نے یا بھی مشورہ سے کیا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اس شخص کو اپنے دنیوی معاملات میں امام بنانے پر کیوں نہ راضی ہوں جس کو ہمارے دینی معاملات میں امام بنانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے تھے۔

اسی طرح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ کمان لشکر بھیجے میں انہوں نے مشورہ کیا اور مائین زکوٰۃ اور مردین سے قتال کرنے میں انہوں نے مشورہ کیا اور تمام اصحاب نے بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابوبکر کی رائے سے اتفاق کر لیا اسی طرح قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے کے متعلق انہوں نے مشورہ کیا اور حضرت عمر کی رائے سے حضرت ابوبکر متفق ہو گئے اور غزوانہ (گھوڑی شراب) کی حد بھی باہمی مشورہ سے اسی (۸۰) کوڑے طے کی گئی اور حضرت علی کی رائے سے سب نے اتفاق کر لیا پہلے قرآن مجید کو سات لغات پر پڑھنے کی اجازت تھی اور تاوقتِ نو مسلم ایک دوسرے کی قرأت پر اعتراض کرتے تھے پھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن مجید کو صرف لغتِ قریش پر باقی رکھا گیا اور باقی تمام لغات کو ختم کر دیا گیا۔

اس کے بعد فرمایا: "اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں" یعنی زکوٰۃ اور صدقات ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں میں سے صدقہ کرنا صرف مال سے صدقہ کرنے میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر نیکی صدقہ ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نیک کام صدقہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۵ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۶۷۰) خلاصہ یہ ہے کہ جس مال کو خرچ کرنے میں یا جس بات کو کہنے میں یا جس کام کو کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم ہو اس کام کو کرنا صدقہ ہے لہذا متقربین کا لوگوں کے دلوں میں معرفت کے انوار کو پہنچانا بھی صدقہ ہے۔

بدلہ لینے اور بدلہ نہ لینے کی آیتوں میں یہ ظاہر تعارض کا جواب

اشعوری: ۳۹ میں فرمایا: "اور ان لوگوں کے خلاف جب کوئی بغاوت کرے تو وہ صرف بدلہ لیتے ہیں O"

ہجرت سے پہلے کہ میں جب مسلمان کفار کے مظالم کا شکار ہو رہے تھے تو ان کو کافروں سے بدلہ لینے کی اجازت دیجی اور ہجرت کے بعد مسلمانوں کو کفار سے بدلہ لینے کی اجازت دی گئی لہذا جنگ بدر، جنگ اُرد اور جنگ خندق میں جب مشرکین نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی اور کفار کے دانت کھنکھارے ان کو قتل کیا گیا اور ان کو گرفتار کیا گیا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں ظلم اور بغاوت کا بدلہ لینے کی تعریف اور تحسین کی معنی ہے حالانکہ اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا: ”اور وہ غضب کر دیتے ہیں“ (الشوری: ۳۷) اسی طرح اور دو دیگر آیات میں بھی ظلم اور زیادتی پر معاف کر دینے کی نصیحت بیان کی گئی ہے اور وہ درج ذیل آیات ہیں:

اور اگر تم سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تم کو سزا دی گئی ہے اور اگر تم صبر کر لو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بڑھ ہے ○

اور جب وہ کسی فتوحی چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت

سے گزر جاتے ہیں۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد المادودی التوفی ۳۵۰ھ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

(۱) ابن جریر نے کہا: مشرکین نے جو مسلمانوں پر ظلم کیا تھا اس کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں کو ان کے خلاف کھڑا کر دیا۔

اجازت مل گئی۔

(۲) ابراہیم خلیفہ نے کہا کہ باغیوں نے جو مسلمان حکومت کے خلاف کارروائی کی اس کی ان کو مزا دینی واجب ہے ورنہ اگر ان

طرح بھی لے سکتا ہو وصول کر لے اور ان کے موقف کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عندئیں جب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل آدمی ہے وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے لیے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو، سو اس صورت کے کہ میں خفیہ طور پر اس کے مال سے لے لوں اور اس کو چاند نہ چلے، آپ نے فرمایا: تم اس کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۶۳۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۶۳۳ جامع المسانید وائسن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۴۷۱۷)

اس کے بعد فرمایا: ”پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے“ اس آیت کے پہلے جز میں ظلم کا بدلہ لینے کے جواز کو بیان فرمایا، یہ شرطیکہ بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے اور اس آیت کے دوسرے جز میں ظلم کا بدلہ نہ لینے اور معاف کرنے کی ترغیب دی ہے، ہم پہلے ظلم کا بدلہ لینے کے جواز کے متعلق احادیث بیان کریں گے پھر ظلم کو معاف کرنے کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔

بدلہ لینے کے جواز میں احادیث

ابن مومن بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس وقت ہمارے پاس حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بھی تھیں، اس وقت آپ اپنے ہاتھ سے کوئی کام کر رہے تھے میں نے آپ کو اشارہ سے بتایا کہ اس وقت حضرت زینب بھی موجود ہیں، آپ اس کام سے رک گئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سخت اور ناگوار باتیں کہنے لگیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا لیکن وہ سخت باتیں کہنے سے نہیں رکیں، تب آپ نے مجھ سے فرمایا: تم بھی ان کی سخت باتوں کا جواب دو پھر میں نے ان کو جواب دیا تو میں ان پر غالب آ گئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۱۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے دو گروہ تھے، ایک گروہ میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہن تھیں اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج تھیں اور مسلمانوں کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ پس مسلمانوں میں سے جب کوئی آپ کو کوئی بدیہ پیش کرنا چاہتا تو انتظار کرتا حتیٰ کہ جب حضرت عائشہ کی باری آتی اور آپ ان کے گھر جاتے تو وہ آپ کو بدیہ پیش کرتا، پھر حضرت ام سلمہ کے گروہ نے حضرت ام سلمہ سے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ آپ لوگوں سے فرمائیں: جس نے مجھے کوئی بدیہ دینا ہو تو وہ مجھے وہ بدیہ دے دیا کرے خواہ میں کسی زوجہ کے گھر ہوں۔ حضرت ام سلمہ نے آپ سے یہ بات کی تو آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، جب ان ازواج نے حضرت ام سلمہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا؟ تو حضرت ام سلمہ نے کہا: آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا، انہوں نے کہا: آپ دوبارہ حضور سے بات کریں، حضرت ام سلمہ نے دوبارہ بات کی، آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا، انہوں نے کہا: آپ کے جواب کے متعلق پوچھا، حضرت ام سلمہ نے بتایا: آپ نے پھر کوئی جواب نہیں دیا، ازواج نے کہا: آپ سے بارہ بات کریں حتیٰ کہ وہ آپ کو جواب دیں، جب حضرت ام سلمہ نے بارہ بات کی تو آپ نے فرمایا: مجھے عائشہ کے معاملہ میں اذیت نہ دو کیونکہ عائشہ کے علاوہ کسی زوجہ کے بستر پر میرے پاس وحی نہیں آتی۔ حضرت ام سلمہ نے کہا: میں آپ کو اذیت دینے کے عمل سے اللہ سے تو یہ کرتی ہوں، پھر ان ازواج نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا، پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

وہم کو بلا کر کہا: آپ کی ازواج آپ کو قسم دیتی ہیں کہ آپ حضرت ابو بکر کی بیٹی کے معاملہ میں صلہ کریں! آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے میری بیٹی! کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ حضرت سیدہ فاطمہ نے کہا: کیوں نہیں! پھر حضرت سیدہ نے ان ازواج کے پاس جا کر بتا دیا انہوں نے کہا: آپ دوبارہ جائیں! حضرت سیدہ نے دوبارہ جانے سے انکار کر دیا! پھر ازواج نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بلا یا وہ آپ کے پاس گئیں اور سخت کلام کیا اور کہا کہ آپ کی ازواج آپ کو قسم دیتی ہیں کہ آپ حضرت ابو بکر کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کریں! ان کی آواز بلند ہو گئی حتیٰ کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی برا کہا اس وقت حضرت عائشہ بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت زینب ان کو سخت ست کہہ رہی تھیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا کہ آیا وہ کوئی جواب دیتی ہیں! پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دینے شروع کیے! حتیٰ کہ حضرت زینب کو لاجواب اور ساکت کر دیا! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ ابو بکر کی بیٹی ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۸۸۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۳۲ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۲۹۴۳ مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۳ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۵۱-۳۵۲ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳۳۱ھ مسند احمد ج ۱ ص ۸۸ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۳۱-۱۳۲ ج ۱ ص ۱۳۳ جامع المسانید والنسخ مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۷۸۸)

بدلہ نہ لینے اور معاف کر دینے کے متعلق احادیث

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے کسی عجمی دست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سامنے میں رکھے گا۔

(صحیح مسلم: کتاب الزکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۰۰۶، الزکوٰۃ: ۱۷۷۷)

حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اہل فضل کھڑے ہو جائیں پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف چلے جاؤ راستہ میں ان فرشتے ملیں گے اور کہیں گے تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے جنت کی طرف فرشتے کہیں گے حساب سے پہلے؟ وہ کہیں گے ہاں فرشتے پوچھیں گے تم کون ہو؟ وہ کہیں گے ہم اہل فضل ہیں فرشتے پوچھیں گے تمہاری کیا فضیلت ہے؟ وہ کہیں گے جب کوئی ہم سے جا ملتا ہے بات کرتا تو ہم بردباری سے کام لیتے اور جب کوئی ہم پر غم کرتا تو ہم معاف کر دیتے اور جسے کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرتا تو ہم معاف کر دیتے ہیں۔ فرشتے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ نیک کام کرنے والوں کے لیے کیا خوب اجر ہے پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ مبرک کرنے والے کھڑے ہو جائیں پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف چلے جاؤ ان کو راستہ میں فرشتے ملیں گے ان سے بھی اسی طرح مکالمہ ہوگا وہ کہیں گے ہاں اہل مبر ہیں فرشتے پوچھیں گے تم نے کس چیز پر مبر کیا؟ وہ کہیں گے ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت پر مبر کیا اور ہم صبر کر کے اللہ کی معصیت سے بچے فرشتے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ اللہ کے گھر کے پڑوسی کھڑے ہو جائیں پھر کچھ لوگ کھڑے ہوں گے اور وہ بہت کم ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف چلو راستہ میں ان کو فرشتے ملیں گے ان سے اسی طرح مکالمہ ہوگا فرشتے پوچھیں گے تم کو سبب اللہ کے پڑوسی بننے؟ وہ کہیں گے ہم اللہ عزوجل کی رضا کے لیے لوگوں سے ملنے تھے ہم اللہ کی رضا کے لیے ملے پھر میں شریک ہوتے تھے اور ہم اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے تھے فرشتے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے۔ (طحاوی الاطبیاح ص ۱۳۹-۱۴۰ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۵ھ طبع الاولیاد ص ۱۶۳-۱۶۴)

الحدیث: ۳۵۶۱ دارالکتب العلمیہ، بیروت: ۱۳۸۸ھ ہر چند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے مگر فضائل اعمال کے لیے کافی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غضب کے تقاضوں کو پورا کرنے پر قادر تھا اور اس نے اپنے غصہ کو پی لیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے اس کو بلا کر فرمانے کا کردہ جس حور کو چاہے اختیار کر لے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۷ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۱ مسند ابی یوسف الخضرانی رقم الحدیث: ۳۳۷۷ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۸۲ مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۸ الحکمیر ج ۲ ص ۱۸۸ رقم الحدیث: ۳۶۶۷ سنن ابی نعیم ج ۱ ص ۱۶۱ اس حدیث کی سند صحیح ہے الجامع للعب الايمان رقم الحدیث: ۷۹۵۰)

حسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غصہ ضبط کر کے اس کا گھونٹ پیتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس گھونٹ سے بڑھ کر کوئی گھونٹ پسند نہیں ہے یا جو شخص مصیبت کے وقت مہربان گھونٹ پیتا ہے اور اللہ کے خوف سے جس شخص کی آنکھ سے آنسو کا قطرہ گرتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی قطرہ پسند نہیں ہے یا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں گرتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۲۸۹ الترغیب والنبیاء رقم الحدیث: ۶۷۴ الجامع للعب الايمان رقم الحدیث: ۷۹۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باوقار لوگوں کی لغزشوں کو معاف کر دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۳۷۵ مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۱ الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۶۷۷ مسند ابی یوسف الخضرانی ج ۸ ص ۲۶۳ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۳۳ الکامل لابن سعدی ج ۵ ص ۱۹۳ جامع السائید والسید رقم الحدیث: ۳۵۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی لغزش کو معاف کیا قیامت کے دن اللہ اس کی لغزش کو معاف کر دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۶۰ مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۹۹ المسند رک ج ۲ ص ۳۵ الجامع للعب الايمان رقم الحدیث: ۷۹۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی زبان پر قابو رکھا اللہ تعالیٰ اس کے محبوب کی پردہ پوشی کرے گا اور جس نے اپنے غصہ کو رد کیا قیامت کے دن اللہ اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا اور جس نے اللہ کے سامنے اپنے عذر کو پیش کیا اللہ اس کے عذر کو قبول کر لے گا۔

(تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۰۸ الجامع للعب الايمان رقم الحدیث: ۷۹۵۸ اس حدیث کی سند حسن ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) ایک مٹائی دو بار عمار کرے گا: جس شخص کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے وہ جنت میں داخل ہو جائے تو جس شخص نے اپنے بھائی کو معاف کر دیا ہو گا وہ اللہ کھڑا ہو گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "هَٰؤُلَاءِ أَهْلُ الْجَنَّةِ هَٰؤُلَاءِ عَلَى اللَّهِ" جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ (الشمونی: ۳۰) (الشفاعة الکبیر للعقیلی ج ۳ ص ۷۷۷ الحدیث رقم الحدیث: ۳۵۷۷ الجامع للعب الايمان رقم الحدیث: ۷۹۶۰ اس حدیث کی سند ضعیف لیکن فضائل اعمال میں مستحب ہے)

امام عبدالرزاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن الحسین زین العابدین کی باندی ان کو وضو کر رہی تھی تاکہ وہ نماز کی تیاری کریں ناگاہ بانی کا لونا اس نے چہرے پر گر گیا اور ان کا چہرہ دھنسی ہو گیا انہوں نے نظر اٹھا کر اس باندی کی طرف دیکھا اس نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظِ" (غصہ کو پینے والے) آپ نے اس سے فرمایا: میں نے غصہ کو پی لیا۔ اس نے کہا: "وَالْعَاطِلِينَ عَنِ النَّاسِ" (لوگوں کو معاف کر دینے والے) آپ نے فرمایا: اللہ تم کو معاف کرے اس نے کہا: "وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ" (اللہ نیکو کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے) (آل عمران ۱۳۳) آپ نے

فرمایا: جاؤ تم آؤ زلو ہو۔ (المناجی لعب اللہ ج ۱ ص ۵۳۵ رقم الحدیث: ۹۶۳۰ مکتبۃ المدینہ ریاض ۱۴۲۳ھ)
 عبید بن عیسر بیان کرتے ہیں کہ پڑوسی کے حقوق میں سے یہ ہے کہ تم اپنی نیکی میں اس کو یاد رکھو اس سے تکلیف دہ چیز کو دور کرو اور قرابت کے حقوق میں سے یہ ہے کہ جب رشتہ دار تم سے تعلق توڑے تو تم اس سے تعلق جوڑو وہ تم کو خردم رکھے تو تم اس کو عطا کرو اور وہ شخص معاف کرنے کا زیادہ مستحق ہے جو سزا دینے پر زیادہ قادر ہو اور جو شخص اپنے سے کمزور پر ظلم کرے اس کی عقل بہت کم ہے۔ (المناجی لعب اللہ ج ۱ ص ۵۳۸ رقم الحدیث: ۹۶۴۰ اس حدیث کی سند صحیحہ ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فرمایا: جو شخص باوجود قدرت کے معاف کر دے۔

(المناجی لعب اللہ ج ۱ ص ۵۴۰ رقم الحدیث: ۹۶۴۰ اس حدیث کی سند ضعیف ہے)
 اس کے بعد فرمایا: ”بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔“

اس آیت میں ظالم سے مراد وہ شخص ہے جو بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرتا ہو۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے اپنے اوپر ظلم کیے جانے کا بدلہ لے لیا تو اب اس سے مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ○
 مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے ○ اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور رحمت کے کاموں میں سے ہے ○
 (الشوری: ۴۳-۴۴)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
 مسلمان جب کافر سے بدلہ لے لے تو اس بدلہ لینے پر اس مسلمان کو ملامت کرنے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اس کافر سے بدلہ لینے کی وجہ سے اس مسلمان کی تعریف اور تحسین کی جائے گی اور اگر مسلمان کسی ظالم مسلمان سے بدلہ لے بھر بھی اس کو ملامت نہیں کی جائے گی پس کافر سے بدلہ لینا واجب ہے اور مسلمان سے بدلہ لینا مباح ہے اور مسلمان کو معاف کر دینا مستحب ہے۔

عام مسلمان اپنے اوپر زیادتی کرنے والے کو خود سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟

اگر حکومت کے بجائے مسلمان خود اپنا بدلہ لے تو اس کی تین صورتیں ہیں:
 (۱) اگر مسلمان کے بدن میں کوئی زخم آیا ہو یا اس کا کوئی عضو ضائع ہوا ہو اور قاضی کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا ہو کہ یہ شخص اپنا قصاص لینے کا مجاز ہے تاہم قاضی اس کو منع کرے گا کہ وہ از خود قصاص نہ لے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی جرأت نہ کرے تاکہ کہیں خون ریزی کا دروازہ نہ کھل جائے اور اگر حکام کے نزدیک اس کے قصاص لینے کا حق ثابت نہ ہو اور وہ قصاص لے لے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا قصاص لینا جرم نہیں ہوگا اور حکام اور قانون کے نزدیک یہ جرم ہوگا اور اس کو گرفتار کر کے قراوقتی سزا دی جائے گی۔

(۲) اگر کسی کے جرم کی سزا حد ہو جیسے زنا کی حد یا چوری کی حد تو کسی عام آدمی کو یہ سزا دینے کا حق نہیں ہے اگر حاکم کے نزدیک اس کا جرم ثابت نہیں ہو اور عام آدمی نے اس کو سزا دی تو اس کو پکڑ کر سزا دی جائے گی کیونکہ عام آدمی کو اپنے ہاتھ میں قانون لینے کا حق نہیں ہے اور نہ عام آدمی کو حد جاری کرنے کا حق ہے اور اگر حاکم کے نزدیک اس کا جرم ثابت ہو اور کسی نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہو تو اب دو بارہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اب اس کا وہ محل قائم نہیں رہا جس

پر حد جاری ہو سکتی ہے اور اگر اس کی حد کوڑے مارنا تھی تو پھر اس کو کوڑے مارے جائیں گے کیونکہ اس پر حد جاری ہونے کا عمل باقی ہے۔

(۳) اگر کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان پر مالی حق ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے پہ زور اپنا حق وصول کرنے، شفاء اس کی طرف تنخواہ نکلتی ہو یا اس کا اس پر قرض ہو یا ذین ہو یہ اس صورت میں ہے کہ مقروض یا دیون کو اس کے حق کا علم ہو اور اگر اس کو علم نہ ہو تو اگر صرف اس سے مطالبہ کرنے سے اس کا حق نہ مل سکتا ہو تو پھر اس کو چکڑا کر یا گرفتار کرنا جائز نہیں ہے اور اگر محض مطالبہ اس کو حق نہ مل سکتا ہو کیونکہ مقروض یا دیون اس کے حق کا انکار کرتا ہو اور اس کے پاس اپنے حق پر گواہ نہ ہوں تو امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اب بھی اس کو چکڑا کر یا گرفتار کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں اس کو گرفتار کرنا جائز نہیں ہے (مقروض سے مراد ہے جس نے اپنی ضرورت کے لیے نفی قرض لیا ہو اور دیون سے مراد ہے جس نے مدت معین کے ادھار پر کوئی چیز خریدی ہو)۔

ظلم اور ناحق سرکشی کرنے والوں کے مصداق

الشوری: ۴۳ میں فرمایا: ”مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے“
یعنی جو لوگ اسلحہ کے زور پر لوگوں کا مال چھین لیتے ہیں اور جبراً بہتہ لیتے ہیں حکومت پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے مواخذہ کرے اور ان لوگوں کو ڈاکا ڈالے اور جبراً بہتہ لینے سے روکے۔

مقاتل نے کہا: ظلم اور بغاوت سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ علانیہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں کھلے عام شراب پیتے ہیں اور جھا کھیتے ہیں اور دیگر گناہ کرتے ہیں حکومت پر لازم ہے کہ ان کو کٹام دے اور ان کی ناک میں نکیل ڈالے۔

مقاتل نے کہا: اس سے مراد شرکین ہیں جو ہجرت سے پہلے کہ میں مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے اور ناحق سرکشی کرتے تھے۔

قنادہ نے کہا: یہ آیت ہر قسم کے ظلم کرنے والوں کے لیے عام ہے۔

انکم فیکس اور دیگر فیکسوں کی تحقیق

علامہ قرطبی مالکی فرماتے ہیں: علامہ ابو بکر بن العربی نے کہا ہے کہ یہ آیت: ”مواخذہ کرنے کا جواز ان لوگوں کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں“ (الشوری: ۴۳) سورہ توبہ: ۹۱ کے مقابلہ میں ہے جس میں فرمایا ہے:

فَاعْلَمُی الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلِی
یعنی کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کو کوئی جواز نہیں ہے۔

پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے نکیل کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کی نفی فرمائی ہے اسی طرح ظلم کرنے والوں کے خلاف مواخذہ کو ثابت فرمایا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ اگر سربراہ حکومت کسی ملک کے عوام پر ان کی آمدنی پر ٹیکس لگا دے اور کوئی شخص اس پر قادر ہو کہ وہ ٹیکس نہ ادا کرے تو آیا اس کے لیے ٹیکس ادا نہ کرنا جائز ہے یا نہیں ہمارے علماء میں سے علامہ صحن مالکی نے کہا: اگر وہ ٹیکس ادا نہ کرنے پر قادر ہے تو اس کے لیے ٹیکس ادا نہ کرنا جائز نہیں ہے اور علامہ ابو جعفر احمد بن نصر مالکی نے کہا: اس کے لیے ٹیکس ادا نہ کرنا جائز ہے۔ (البلایع لا کام القرآن ۱/۱۶۷ ص ۳۷۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں: حکومت لکس اس لیے لگتی ہے کہ اس کو اس طرح خریدنے کے لیے سرکاری اور پبلک ہاؤس کے لیے سرمایہ چاہیے۔ اسی طرح فوج کو تنخواہیں دینے کے لیے سرکاری ہسپتالوں، سرکاری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے خلاف اور اساتذہ کو تنخواہیں دینے کے لیے عدالتوں اور ججوں کے اخراجات اور تنخواہوں کے لیے سرمایہ چاہیے۔ اسی طرح اور دیگر ملکی اور قومی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سرمایہ چاہیے اور یہ حکومت کی مجبوری اور اس کی جائز ضرورت ہے اس ضرورت کو اموالِ ظاہرہ (تجارت کی خام اشیاء اور مصنوعات وغیرہ) پر زکوٰۃ اور مشرکی آمدنی سے پورا کیا جاسکتا ہے لیکن ہمارے ہاں الیہ یہ ہے کہ اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی بلکہ اموالِ باطنی یعنی بینک اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔

دوسرا الیہ یہ ہے کہ ملکی اور قومی ضروریات کے علاوہ مرکزی اور صوبائی وزراء اور ان کے بے تحاشا شائف کے اخراجات ان کے سرکاری غیر ملکی دوروں اور ان کے قیام اور ملحق تعلقوں کے اخراجات بھی لکس کی آمدنی سے پورے کیے جاتے ہیں ان کی تنخواہیں اور ان کی مراعات کے اخراجات لاکھوں سے تجاوز ہیں اور ملکی کے اس دور میں جس شخص کی آمدنی چھ ہزار روپے ماہانہ ہو اور اس پر پورے کتبہ کی کفالت کا بوجھ ہو اس کو بھی ان وزیروں اور مشیروں کی شاہ خرچیوں کے لیے لکس دینا پڑتا ہے جب کہ دوائیوں سے لے کر کھانے پینے کی اور دیگر ضروریات کی چیزوں پر اس کے علاوہ دہرا تھر انکس لگا ہوا ہے اور یوں عوام اپنی روگوں سے خون کو کشید کر کے سرکاری ملکہ کی عیاشیوں کے لیے رقم فراہم کرتے ہیں ایک وقت تھا کہ ۱۹۶۸-۱۹۵۸ تک مشرقی اور مغربی پاکستان کے کل ملاکر نو مرکز وزراء تھے اس وقت مشیر وغیرہ نہیں ہوتے تھے اب مغربی پاکستان چار صوبوں پر مشتمل ہے اور ہر صوبہ میں ساٹھ سے زیادہ صوبائی وزراء ہیں مشیروں کی تعداد اگ ہے پھر ان کا شائف ہے اور پاکستان کے بجٹ کا بہت بڑا حصہ سرکاری ملکہ کی عیاشیوں اور شاہ خرچیوں کی نذر ہو جاتا ہے

ہونا یہ چاہیے کہ ملک کی جائز اور واقعی ضروریات کو اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کر کے پورا کیا جائے پھر بھی اگر ضرورت پڑے تو سرمایہ داروں سے مناسب حد تک لکس لگا کر اس خرچ کو پورا کیا جائے اور تنخواہ دار طبقہ سے انکم ٹیکس بالکل وصول نہ کیا جائے اور اگر ان سے بھی لکس لینا تاگزیر ہو تو ان سے انکم ٹیکس لیا جائے جن کی ماہانہ آمدنی چالیس ہزار روپے سے زائد ہو اور جن ملازمین کی ماہانہ تنخواہ چھ سات ہزار روپے ہو ان سے بالکل ٹیکس نہ لیا جائے اسی طرح کھانے پینے کی اشیاء دواؤں اور روز مرہ کی ضرورت کی چیزوں پر بالکل ٹیکس نہ لگایا جائے لیکن یہ سبھی ہو سکتا ہے جب وزیروں اور مشیروں کی بے تحاشا بھرتی نہ کی جائے ان کے غیر ضروری اسٹاف اور شاہ خرچیوں کو ختم کیا جائے صدر اور وزیراعظم کے سرکاری دوروں پر ان کے ساتھ جو بے تحاشا ان کے ٹاؤٹ جاتے ہیں اور ان کو شاپنگ کے لیے جو بے دریغ زر مبادلہ دیا جاتا ہے اس سلسلہ کو ختم کیا جائے۔ ایک غریب ملک جو سود کے قرضوں سے چل رہا ہے جس کے عوام کی فی کس آمدنی چار پانچ ہزار روپے ماہانہ ہے اس کو یہ لالچ تلخ کب زیب دیتے ہیں۔

اپنے مال کے حق اور عزت کے حق کو معاف کرنے کے سلسلہ میں علماء کے نظریات

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ کسی مسلمان کا مال کسی دوسرے مسلمان پر لٹا ہو یا اس کی عزت کسی نے مجروح کی ہو تو آیا وہ اپنے مال یا اپنی عزت کا حق معاف کر سکتا ہے یا نہیں امام مالک کے نزدیک وہ اپنے مال کا حق تو معاف کر سکتا ہے اپنی عزت کا حق معاف نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَمَّا كُنْتُمْ فِي قُلُوبِ الْكُفْرِ لَا تَحْسَبُوا عَهْدَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا سَفَهًا مُّضَاعًا

(المائدہ: ۴۱) عظم کرتے ہیں۔

آیت ہے: پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے (الشوریٰ: ۴۰) اور حق قصاص کو معاف کرنے کی آیات ہیں اور بہ کثرت احادیث میں ہے ”واعف عمن ظلمک“ جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔ (الجامع لعصب ایمان رقم الحديث: ۶۷۰)

عزم، عزیمت اور رخصت کا معنی

الشوریٰ: ۳۳ میں فرمایا: ”اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور رحمت کے کاموں میں سے ہے۔“ یعنی جس نے الذیبت اور تکلیف برداشت کرنے پر صبر کیا اور اس کو معاف کر دیا جس نے اس کے اوپر ظلم کیا تھا اور اس سے بدلہ نہیں لیا اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا تو اس کا یہ صبر کرم عزم اور سے ہے اور یہ ایسا کام ہے جس کا بندہ کو عزم کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسا کام ہے جس کی دنیا میں تعریف اور تحسین کی جاتی ہے اور آخرت میں اس پر اجر عظیم ملتا ہے۔ اس آیت میں ”عزم“ کا لفظ ہے علامہ حسین بن راغب صفحہ ۱۱۱ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عزم کا معنی ہے: دل میں کسی کام کا پکا اور پختہ ارادہ کر لینا خواہ کوئی اس کام سے کتنا ہی روکے میں یہ کام ضرور کروں گا اسی لیے جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے اسلئے فرض کیا ہے ان کو عزم کہتے ہیں اور کسی غیث آدہ مشکل یا عارضہ کی بناء پر اس فرض میں جو آسانی کر دی جاتی ہے اس کو رخصت کہتے ہیں جیسے وطن میں تلخ عصر اور عشاء میں چار رکعات فرض ہیں یہ عزمیت ہے اور سفر کی مشقت کی وجہ سے ان اوقات میں دو رکعات فرض ہیں اس کو رخصت کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۲ ص ۲۲۲ مسلمات و مرفعات) مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ (۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد الدین السہارک بن محمد الجوزی التوفیٰ ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عزم کا معنی ہے: وہ فرائض جن کو تمہارے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے عزم کیا ہے ایک قول یہ ہے کہ جس کام کے کرنے پر تمہاری رائے پختہ اور مستعد ہو گئی اور تم نے اس کام کو کرنے کا اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا۔ حدیث میں ہے: اے نبی! یہ کہ وہ پوری کوشش اور تلیق سے سوال کرے۔ لیعزم المسئلة.

(حج الثغاری: الدعوات: ۷۰ صحیح مسلم الذکر: ۸۰ مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۳)

حضرت ام سلمہ نے فرمایا: ”لعزم اللہ لی“۔ اللہ نے میرے لیے قوت اور صبر کو پیدا کر دیا۔ (صحیح مسلم الباز: ۵)

ایک اور حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے اول حصہ میں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم وتر کب پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا: رات کے آخری حصہ میں آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا: تم نے احتیاط پر عمل کیا اور حضرت عمر سے فرمایا: تم نے عزمیت پر عمل کیا۔

(سنن ابوداؤد البیہقی ج ۳ ص ۳۶۶ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ حضرت ابو بکر کو خدا تھا کہ کہیں خند کے قلب سے درخورت نہ ہو جائیں اس لیے انہوں نے احتیاط سے کام لیا اور وتر کو پہلے پڑھ لیا اور حضرت عمر کو اعتماد تھا کہ ان کو تہجد کی نماز پڑھنے کی قوت ہے اس لیے انہوں نے اصل کے مطابق وتر رات کے آخری حصہ میں پڑھے اور بغیر احتیاط کے عزم میں کوئی خیر نہیں ہے کیونکہ جب تک قوت کے ساتھ احتیاط نہ ہو تو انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: ”الزکوٰۃ عزمة من عزمات اللہ“ یعنی زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور

اس کے واجبات میں سے ایک واجب ہے۔ (سنن ابوداؤد البیہقی ج ۳ ص ۳۰۹ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۹)

ایک اور حدیث میں ہے: اللہ رخصت پر عمل کرنے کو بھی اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح عزیمت پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۸، التہذیب ج ۳ ص ۲۱۰، ۲۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)
 علامہ محمد بن کرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

عزم کا معنی ہے: کوشش کرنا اور عزم کا معنی ہے: تم نے اپنے دل میں جس کام کی گروہ باندھ لی اور عزم کا معنی ہے: تم نے کسی کام کو کرنے کی قسم کھالی۔ ”اولو العزم من الوصل“ کا معنی ہے: وہ رسول جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا عزم کیا، تقصیر میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اولو العزم رسل ہیں اور عزم کا معنی صبر ہے حدیث میں ہے: حضرت سعد نے کہا: ”فلما اصابنا البلاء اعصمنا للذکر“ ہم پر جب مصیبت آئی تو ہم نے اس پر عزم کیا یعنی صبر کیا اور اس مصیبت کو برداشت کیا۔ ابن منظور نے عزم کے اور بھی بہت معانی لکھتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۱۰۹، ۱۱۰، دار صادر بیروت ۲۰۰۳ء)

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ دَرَجَةٍ قَبْلَهُ وَتَرَى الظَّالِمِينَ

اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے اس کے بعد کوئی کارساز نہیں ہے اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ

لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ۖ

جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی صورت ہے ؟ اور

تَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعَتٍ مِّنَ الدَّالِّ يَنْظُرُونَ مِّنْ

آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے گر جھکائے ہوئے

كُرْفٍ خَفِيٍّ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخُسِرِينَ الَّذِينَ

ہوں گے کن انہیوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہہ رہے ہوں گے کہ بے شک

خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي

نقصان زدہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا

عَذَابٍ مُّقْتَصِبٍ ۚ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَاءٍ يَتَصَدَّقُونَهُمْ مِّنْ

سزا بے شک ظلم کرنے والے دہائی عذاب میں ہیں اور اللہ کے سوا ان کے کوئی حمایتی نہیں ہیں جو ان کی مدد کر سکیں

دُونِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۖ اسْتَجِيبُوا

اور جسے اللہ گم راہ کر دے اس کے لیے کوئی سیدھی راہ نہیں ہے ؟ تم اپنے رب کا

لَرَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَا لَكُمْ

حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جو اللہ کی طرف سے نکلے والا نہیں ہے اس دن تمہارے لیے نہ کوئی جائے نہ

مَنْ مَلْجَأٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ تُكْيُورٍ ﴿۴۶﴾ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا

ہو گی اور نہ تمہارے لیے انکار کی گنجائش ہو گی ۵۲ اگر یہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا

أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاءَ ۖ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا

نگہبان بنا کر نہیں بھیجا آپ کے ذمہ تو صرف پیغام کو پہنچا دینا ہے اور بے شک جب ہم انسان

الْإِنْسَانَ مِتَّارِ حِمَّةٍ ۖ فَرَّحَ بِهَا ۖ وَإِنْ تَصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَنْقَادَتْ

کو اپنے پاس سے کوئی رمت پکھالتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی

أَيِّدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ﴿۴۸﴾ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ

مصیبت آئے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے ۵۰ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَآثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ

وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے

الدُّكُورَ ۖ ﴿۴۹﴾ أَوْ يَزْوَجُهُمْ ذُكْرًا وَاُنْثَىٰ ۖ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ

عظا فرمائے ۵۱ یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کر دے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دے

عَقِيبًا ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا

وہ بے حد علم والا بہت قدرت والا ہے ۵۲ اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا

وَحَيًّا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآذُنِهِ

وحی کے یا پردے کی اوٹ سے یا اللہ کسی فرشتہ کو بھیج دے جس سے وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے

مَا يَشَاءُ ۖ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ ﴿۵۱﴾ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ

وہ وحی کرنے کے بے شک وہ بہت بلند بے حد حکمت والا ہے ۵۳ اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح

أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ

(قرآن) کی وحی کی ہے اس سے پہلے آپ از خود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس

نُورًا تَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى

کتاب کو نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور بے شک آپ ضرور صراطِ مستقیم کی

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٩﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا

طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے

فِي الْأَرْضِ ط آلا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٦٠﴾

سنو! اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جسے اللہ تم راہ گم راہ کر دے اس کے لیے اس کے بعد کوئی کار ساز نہیں ہے اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا دنیا میں واپس جانے کی کوئی صورت ہے O اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں چڑھایا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے کن انھیں دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہہ رہے ہوں گے کہ بے شک نقصان زدہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور گمراہوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا سنو بے شک عذاب کرنے والے دائمی عذاب میں ہیں O اور اللہ کے سوا ان کے کوئی حمایتی نہیں ہیں جو ان کی مدد کر سکیں اور جسے اللہ تم راہ کر دے اس کے لیے کوئی سیدھی راہ نہیں ہے O (الشوری: ۳۶-۴۴)

اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت دینے کی نسبت کرنی چاہیے اور گمراہ کرنے کی نسبت شیطان۔۔۔۔۔ کی طرف کرنی چاہیے

الشوری: ۴۴ کا معنی ہے: اور جس کے لیے اللہ تم راہ کو پیدا کر دے اس کا کوئی مددگار نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے تم راہ کرنے کے بعد اس کو سیدھی راہ پر لے آئے ماسوا اس کے جس کو اللہ تعالیٰ تم راہ کرنے کے بعد از خود ہدایت دے دے۔ امام رازمی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ تم راہ کرنا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر، ص ۶۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ اسی چیز کو پیدا فرماتا ہے جس کو بندہ اختیار کرتا ہے ورنہ جزاء اور سزا بے معنی ہوں گے اور بندہ جب کفر اور شرک کو اختیار کرتا ہے یا فحش اور بُرے کاموں کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ویسے افعال پیدا کر دیتا ہے تاہم ہمارے نزدیک یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ تم راہ کرنا اللہ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اچھائی کی نسبت کرنی چاہیے اور بُرائی کی نسبت بندہ کو اپنے نفس کی طرف کرنی چاہیے ہر چند کہ ہدایت اور تم راہی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں لیکن کہنا یوں چاہیے کہ ہدایت اللہ کی طرف سے اور تم راہی انسان کے اپنے اختیار اور اس کے نفس کے شر کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ”اور آپ دیکھیں گے کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے: کیا دنیا میں واپس جانے کی

کوئی صورت ہے؟“

اس کا معنی یہ ہے کہ جب کفار آخرت میں عذاب کی شدت کو دیکھیں گے تو اس وقت وہ دوبارہ دنیا میں واپس جانے کو طلب کریں گے اور اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں لیکن ان کو دنیا میں واپس نہیں بھیجا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اگر ان کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو وہ پھر وہی کام کریں گے جو وہ اس سے پہلے کرتے رہے تھے۔

الشوری: ۳۵ میں فرمایا: ”اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے کن انھیں سے دیکھ رہے ہوں گے۔“

اس سوال کا جواب کہ قرآن مجید کی ایک آیت میں قیامت کے دن کفار کے پینا ہونے کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں ناپینا ہونے کا ذکر ہے

یعنی وہ پوری طرح آنکھیں کھول کر نہیں دیکھ رہے ہوں گے جس طرح کوئی شخص اس چیز کو دیکھتا ہے جو اس کو بہت پسند اور محبوب ہو اور جس چیز سے انسان بہت خوف زدہ اور دہشت زدہ ہو اس کا تھوڑی سی پلکیں اٹھا کر دیکھتا ہے، خصوصاً اس چیز کو جس کا منظر بہت خوفناک اور بہت دہشت ناک ہو۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ پر ہے:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْهُمْ فَأَنْجَيْنَاهُ آلَ الْيَتَامَىٰ وَكُفِّرْنَا عَنْهُمُ اثْمَهُمْ فَاتَّبَعُوهُم بِإِذْنِنَا فَتَلَّوْا عَلَيْهِم مَّا نُفِيتُ عَنْهُمْ فَأُدْحِكُوا وَجْهَهُم مِّنْهُمُ الْمَسْكِينُ (نبی اسرائیل: ۹۷)

وقت یہ اندھے میرے اور گونگے ہوں گے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کفار قیامت کے دن جب انھیں گے تو وہ اندھے ہوں گے اور الشوری: ۳۵ سے یہ معلوم ہوا کہ اس وقت وہ جتنا ہوں گے اور کن انھیں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے ابتداء میں وہ جتنا ہوں اور بعد میں ان کی چٹائی سلب کر کے ان کو اندھا کر دیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار کا ایک گروہ جتنا ہو اور دوسرا گروہ اندھا ہو۔

نیز اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ”سنو! بے شک ظلم کرنے والے داغی عذاب میں ہیں۔“

معترض یہ کہتے ہیں: جس طرح کفار ظالم ہیں اسی طرح فساق بھی ظالم ہیں پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان منہا کبیرہ کر کے بغیر توبہ کے مر گیا اس کو داغی عذاب ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جب ظالم کا لفظ مطلق آئے تو اس سے کافر مراد ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (البقرہ: ۲۳۵)

ظلم کرنے والے کافری ہیں

کیونکہ جب مسند اور مسند الیہ دونوں صرف ہوں اور ان کے درمیان ظمیر فصل ہو تو پھر مسند کا مسند الیہ میں حصر ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید اس کے بعد والی آیت سے ہوتی ہے:

الشوری: ۳۶ میں فرمایا: ”اور اللہ کے سوا ان کے کوئی حمایتی نہیں ہیں جو ان کی مدد کر سکیں اور جسے اللہ تم راہ کر دے اس کے لیے کوئی سیدھی راہ نہیں ہے۔“

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار جن بتوں کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن ان کی اللہ تعالیٰ کے پاس شفاعت کریں گے وہ قیامت کے دن ان کی شفاعت نہیں کر سکیں گے اور ان کا مقصد ناکام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جو اللہ کی طرف سے نکلے والا نہیں ہے اس

دن نہ تھا رہے لیے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تھا رہے لیے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی O پس اگر یہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا آپ کے ذمہ تو صرف پیغام کو پہنچانا ہی ہے اور بے شک جب ہم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت پھمکاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آئے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے O تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے وہ جس کو چاہے برباد کر دے اور جس کو چاہے بچے عطا فرمائے O یا جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کر دے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دے وہ بے حد علم والا بہت قدرت والا ہے O (الشوری: ۴۷-۴۸)

وعدہ اور وعید سنانے کے بعد انسان کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ اور آخرت میں اجر و ثواب کی بشارت دی تھی اور ایمان نہ لانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی پر قیامت کے دن عذاب کی وعید سنائی تھی اور ان خبروں سے مقصود یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اس لیے یہاں فرمایا ہے کہ تم اس دن کے آنے سے پہلے ایمان لے آؤ جو ٹھنڈے والا نہیں ہے اس دن سے مراد موت کا دن ہے یا قیامت کا دن ہے اور یہ دونوں دن ٹھنڈے والے نہیں ہیں اور موت کے وقت انسان عذاب کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے اور قیامت کے دن بھی غیب کی خبروں کے وقوع کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس لیے موت کے وقت ایمان لانا مفید ہوگا اور نہ قیامت کے دن اور اس دن اللہ کے عذاب سے انسان کے لیے کوئی پناہ نہیں ہوگی اور نہ قیامت کے دن کوئی جائے پناہ ہوگی اور اگر انسان اس دن دنیا میں کیے ہوئے نرے کاموں کا انکار کرے تو اس کا یہ انکار کتنا بھی اس کے لیے کچھ مفید نہیں ہوگا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ کو اس سے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہے ہم نے آپ کو ان کے اوپر نگران اور محافظ بنا کر نہیں بھیجا آپ کے ذمہ تو صرف دین اسلام کو پہنچانا دینا تھا سو وہ آپ نے پہنچا دیا۔

انسان کے کفر کا سبب

اس کے بعد فرمایا: ”اور بے شک جب ہم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت پھمکاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آئے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے O“ آیت کے اس حصہ میں یہ بتایا ہے کہ کفار کی اپنے مذاہب و پائلہ پر اصرار کرنے کی وجہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دنیا میں وافر مقدار میں نعمتیں حاصل ہوئیں خوش حالی اور آسودگی ملی اور بہت سے لوگوں پر ان کو ریاست حاصل ہوئی جس کی وجہ سے ان میں تکبر اور غرور پیدا ہو گیا اور حق کی پیروی کرنے میں ان کو عار محسوس ہونے لگا اس لیے فرمایا: ”اور بے شک جب ہم انسان کو اپنے پاس سے رحمت پھمکاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے“ پھمکانے کا لفظ اس لیے فرمایا کہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں یہ بہت معمولی نعمت ہے جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرہ ہو پھر فرمایا: ”اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے مثلاً کوئی بیماری یا تلک دتی تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے یعنی جب ہم اس کو نعمتیں اور راحتیں عطا فرماتے ہیں تو یہ ہمارا شکر ادا نہیں کرتا بلکہ ان نعمتوں کو اپنی محسن اور فہم کا نتیجہ سمجھتا ہے اور جب ہم اس پر کوئی مصیبت نازل کرتے ہیں تو یہ اس مصیبت میں توبہ اور استغفار کر کے ہماری طرف رجوع نہیں کرتا۔

الشوری: ۵۰-۵۹ فرمایا: ”تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے وہ جس کو چاہے برباد کر دے اور جس کو چاہے بیٹے اور بیٹیاں عطا کر دے اور جس کو چاہے بے اولاد کر دے وہ بے حد علم والا بہت قدرت والا ہے O“

دے وہ بے حد علم والا بہت قدرت والا ہے۔
 مذکر اور مؤنث کی پیدائش کی علامات

ان آجوں میں یہ بتایا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کی حکومت ہے اور ہر چیز اس کے زیر قدرت اور زیر تصرف ہے اور اس کی قدرت کے آثار میں سے یہ ہے کہ وہ جس کو چاہے اولاد کی نعمت ہے نوازتا ہے اور جس کو چاہے محروم رکھتا ہے اگر شوہر اور بیوی دونوں ہاتھ ہوں اور وہ یہ چاہیں کہ ان کے اپنے غلبہ اور نسوانی اثر سے اولاد ہو تو کسی طریقہ سے بھی ان کی اولاد نہیں ہو سکتی، نمیت ٹیپ کے ذریعہ نہ کلوننگ کے ذریعہ اس لیے اولاد کا حصول اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔
 ان آجوں میں انسان کے ہاں اولاد کے ذکر یا مؤنث ہونے کا ذکر ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں فرمایا: مرد کا پانی سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد ہوتا ہے جب یہ دونوں پانی جمع ہو جائیں تو اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ پا لے تو اللہ کے حکم سے ذکر پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غلبہ پا لے تو اللہ کے حکم سے مؤنث پیدا ہوتی ہے، پھر وہ یہودی آپ کی تصدیق کرنے کے چلا گیا۔ (صحیح مسلم کتاب النکاح رقم الحدیث: ۶۱۵۰ اسنن الکبریٰ للبخاری رقم الحدیث: ۹۷۴۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: جب عورت کو احتلام ہو جائے اور وہ پانی کو دیکھ لے تو کیا وہ بھی حمل کرے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت عائشہ نے اس عورت سے کہا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو رہنے دو، کچھ جو کسی کے مشابہ ہوتا ہے تو اسی وجہ سے ہوتا ہے، جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہو تو بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہو تو بچہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۵۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۲۲ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۲۲۲ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۹۷۴۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۰۰۰ جامع السائید واسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۱۲۲۲)

انبیاء علیہم السلام کو اولاد عطا فرمانے کی تفصیل

علاء الدین محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں کہ غشاء نے کہا ہے کہ:

ہر چند کہ اس آیت کا حکم عام ہے لیکن یہ آیت بالخصوص انبیاء علیہم السلام کے متعلق نازل ہوئی ہے، حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صرف بیٹیاں دیں، ان کو بیٹے نہیں دیئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے دیئے ان کو بیٹیاں نہیں دیں اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو بیٹے اور بیٹیاں دیں، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹے اور بیٹیاں دیں، آپ کو تین بیٹے دیئے: حضرت قاسم، حضرت عبد اللہ ان کو بطریق اور الطاہر بھی کہا جاتا ہے یہ دونوں صاحبزادے حضرت خدیجہ سے ہوئے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم یہ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئے اور چار بیٹیاں دیں: حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن، یہ سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں اور بعض انبیاء علیہم السلام سے اولاد نہیں ہوئی، جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام۔

خلاصہ یہ ہے کہ اولاد دہونے یا نہ ہونے یا ذکر یا مؤنث ہونے میں ہر شخص کے لیے کسی نہ کسی نبی کی زندگی میں نمونہ ہے۔

(الایمان لا حکام القرآن ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

بچی کے ذکر کو بیٹے کے ذکر پر مقدم کرنے کی وجوہ

اشوری ۳۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”وہ جس کو چاہے بیٹیاں دے اور جس کو چاہے بیٹے عطا فرمائے“ اس آیت میں

بٹیاں دینے کو بیٹے دینے پر مقدم فرمایا ہے گناہ رازی نے اس تقدیم کی حسب ذیل وجوہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) بچے کا پیدا ہونا خوشی کا باعث ہے اور بیٹی کا پیدا ہونا غم کا باعث ہے اگر پہلے بیٹے کا ذکر فرماتا اور پھر بیٹی کا تو انسان کا ذہن خوشی سے غم کی طرف منتقل ہوتا اور جب پہلے بیٹی دینے کا ذکر فرمایا اور پھر بیٹا دینے کا تو انسان کا ذہن غم سے خوشی کی طرف منتقل ہوگا اور یہ کریم کی عطا کے زیادہ لائق ہے۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ پہلے بیٹی دے گا تو بندہ اس پر صبر اور شکر کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور جب اس کے بعد اللہ تعالیٰ بیٹا دے گا تو بندہ جان لے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے پھر اس کا شکر اور اس کی اطاعت زیادہ کرے گا۔

(۳) عورت کم زور اور ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہے اس لیے عورت کے ذکر کے بعد مرد کے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ جب بجز اور حاجت زیادہ ہو تو اللہ کی عنایت اور اس کا فضل زیادہ ہوتا ہے۔

(۴) عموماً ماں باپ کے نزدیک بیٹی کا وجود حقیر اور ناگوار ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کے ذکر کو بیٹوں کے ذکر پر مقدم کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ لوگوں کے نزدیک بیٹی حقیر اور ناگوار ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیٹی مرغوب اور پسندیدہ ہے اس لیے اس نے بیٹی کے ذکر کو بیٹے کے ذکر پر مقدم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوائے کے یا پردہ کی اوٹ سے" یا اللہ کسی فرشتے کو بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وہ وحی کرے بے شک وہ بہت بلند ہے حد حکمت والا ہے O اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے اس سے پہلے آپ از خود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور بے شک آپ ضرور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے سنو اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں O (الشوری: ۵۳-۵۱)

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

فماش نے بیان کیا کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ یہود نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ اللہ سے کلام کیوں نہیں کرتے اور اللہ کی طرف کیوں نہیں دیکھتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا اور اس کی طرف دیکھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوائے کے" یہی وحی کی تفسیر میں درقول ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اس کے قلب میں کسی معنی کو ڈال دیا جاتا ہے پس وہ الہام ہے۔

(۲) زہیر بن محمد نے کہا: اس کو خواب میں کوئی چیز دکھائی جاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "یا پردہ کی اوٹ سے"۔ زہیر نے کہا: جیسے اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا۔

پھر فرمایا: "یا اللہ کسی فرشتے کو بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وہ وحی کرے" زہیر نے کہا: اس سے مراد حضرت جبریل ہیں اور اس وحی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام سے خطاب ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام بالمشافہہ فرشتے کو دیکھتے ہیں اور اس کا کلام سنتے ہیں اور اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام ہر نبی پر نازل ہوئے لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یحییٰ اور حضرت موسیٰ اور حضرت زکریا صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے سوا ان کو کسی نے نہیں دیکھا اور ان کے علاوہ دوسرے نبیوں پر وحی الہام کی صورت میں نازل ہوتی تھی۔ (المعجم لابن جبریل ص ۲۸۸ دارالکتب العلمیہ بیروت)

یہ اس آیت (الشوریٰ: ۵۱) کی مختصر تفسیر ہے 'اس میں اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ وحی فرمائے 'پردہ کی اوٹ سے کلام فرمائے' یا فرشتہ کے ذریعہ کوئی پیغام بھیجے 'اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے وحی پر متصل بحث کی ہے ہر چند کہ ہم تیان القرآن کی جلد اول میں اس پر بحث کر چکے ہیں لیکن آیت کی مناسبت سے یہاں بھی کچھ ضروری امور بیان کرنا چاہتے ہیں 'اس بحث میں ہم وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے 'ضرورت وحی اور ثبوت وحی کو بیان کریں گے اور وحی کی اقسام بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة بلیق وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا یہ کثرت ذکر ہے 'لکھنے 'اشارہ کرنے' کسی کو بھیجے 'الہام اور کلام فنی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(نہایہ ج ۳ ص ۱۶۳ مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران ۱۳۶۴ھ)

علامہ محمد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

'اشارہ' لکھنا' مکتوب' رسالہ' 'الہام' کلام فنی 'ہر وہ چیز جس کو تم غیر کی طرف اللہ کر دے اور آواز کو وحی کہتے ہیں۔

(کاموس ج ۳ ص ۷۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۴ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی اس کلام کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی طرف نازل فرماتا ہے۔ امن الہامی بنے کہا: اس کو وحی اس لیے کہتے ہیں کہ فرشتہ اس کلام کو لوگوں سے مخفی رکھتا ہے اور وحی نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے 'لوگ ایک دوسرے سے جو خفیہ بات کرتے ہیں وہ وحی کا اصل معنی ہے 'قرآن مجید میں ہے:

وَكُنَّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مَا يَدْعُو بِكَ الشَّيْطَانُ مِنَ الْإِنشِ وَالْجِنَّ يُدْعِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا. اور اس طرح ہم نے سرکش انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا جو خفیہ طور سے طمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو بھیجتے ہیں۔ (النعام: ۱۱۲)

اور ابو اعلیٰ نے کہا ہے کہ وحی کا لغت میں معنی ہے: خفیہ طریقہ سے خبر دینا اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں ازہری نے کہا ہے: اسی طرح سے اشارہ کرنے اور لکھنے کو بھی وحی کہتے ہیں 'اشارہ کے حلقی یہ آیت ہے:

فَقَدْ رَفَعْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْغَرَابِ فَأَدْنَىٰ أَلْفَيْ مِيلًا سَوَاءٌ لَّهُم مِّنَ الْغَرَابِ وَالْأَضْحَارِ إِنَّهُمْ لَمُنْذَرُونَ. پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم صبح اور شام (اللہ کی) تسبیح کیا کرو (مریم: ۱۲)

اور انہی علیہم السلام کے ساتھ جو خفیہ طریقہ سے کلام کیا گیا اس کے حلقی ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُلِمَ اللَّهُ إِلَّا دُخَانًا مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ جَنَابِ آفَنَدِينَ سَوَاءٌ لَّيْسَ بِرَأْيِهِ مَا يَكُلِمُ. اور کوئی نبی اس لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرنے 'معمودی سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے علم سے وہ پہنچائے جبر اللہ کا ہے۔ (الشوریٰ: ۵۱)

بشر کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بشر کو خفیہ طور سے کسی چیز کی خبر دے یا الہام کے ذریعہ خواب کے ذریعہ یا اس پر کوئی کتاب نازل فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی تھی یا جس طرح سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا اور یہ سب اعلام (خبر دینا) ہیں اگرچہ ان کے اسباب مختلف ہیں۔

(تاج العروسی ج ۱۰ ص ۳۸۵ مطبوعہ المدینۃ المنیرہ مصر ۱۳۶۰ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: وحی کا اصل معنی سرعت کے ساتھ اشارہ کرنا ہے یہ اشارہ کبھی رمز اور تعریض کے ساتھ کلام میں ہوتا ہے اور کبھی محض آواز سے ہوتا ہے کبھی اعضاء اور جوارح سے ہوتا ہے اور کبھی لکھنے سے ہوتا ہے جو کلمات انبیاء اور اولیاء کی طرف القاء کیے جاتے ہیں ان کو کبھی وحی کہا جاتا ہے یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطے سے ہوتا ہے جو دکھائی دیتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی خاص شکل میں آتے تھے۔ اور کبھی کسی کے دکھائی دینے بغیر کلام سنا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور کبھی دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے۔ جیسے حدیث میں ہے: جبرئیل نے میرے دل میں بات ڈال دی اس کو نفث فی الروح کہتے ہیں اور کبھی یہ القاء اور الہام کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَاَوْحَيْنَا اِلٰی اِبْرٰهٖمَ اِذَا يَضِيْعُ ۝۱۰

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

(قصص ۱۰)

اور کبھی یہ القاء تنخیر ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلٰی النَّفْلِ اَنِ الْيَحْيٰی مِنْ الْيَحْيٰلِ ۝۱۸

پہاڑوں میں درختوں میں اور ان پھجریوں میں گھرجنا جنہیں وگ

اونچا بناتے ہیں

اور کبھی خواب میں القاء کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: نبوت منقطع ہوگئی ہے اور سچے خواب باقی رہ گئے ہیں۔

(المنہرۃ ص ۵۱۹-۵۲۰ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ بیروت ۱۳۳۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی نے بھی وحی کا معنی بیان کرتے ہوئے کم و بیش یہی لکھا ہے۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۳۸۱-۳۹۰ مطبوعہ نشر ادب الحداد قم ایران)

علامہ بدر الدین عینی نے وحی کا اصطلاحی معنی یہ لکھا ہے:

اللہ کے نبیوں میں سے کسی نبی پر جو کلام نازل کیا جاتا ہے وہ وحی ہے۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۱۳ مطبوعہ ادارة المطابع المنیرہ مصر ۱۳۴۱ھ)

اور علامہ تفتازانی نے الہام کا معنی یہ بیان کیا ہے:

دل میں بہ طریق فیضان کسی معنی کو ڈالنا یا الہام ہے۔ (شرح مفاتیح ص ۱۸ مطبوعہ نور محمد راجہ الطحاوی کراچی)

ضرورت وحی اور نبوت وحی

انسان مدنی الطبع ہے اور مل کر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے خوراک کمپزوں اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور افزائش نسل کے لیے نکاح کی ضرورت ہے۔ ان چار چیزوں کے حصول کے لیے اگر کوئی قانون اور ضابطہ نہ ہو تو ہر زور آور اپنی ضرورت کی چیزیں طاقت کے ذریعہ کمزور سے حاصل کر لے گا۔ اس لیے عدل اور انصاف کو قائم

کرنے کی غرض سے کسی قانون کی ضرورت ہے اور یہ قانون اگر کسی انسان نے بنایا تو وہ اس قانون میں اپنے تحفظات اور اپنے مفادات شامل کرے گا اس لیے یہ قانون ناقص الانسان کا بنایا ہوا ہونا چاہیے تاکہ اس میں کسی کی جانب داری کا شائبہ اور وہم و گمان نہ ہو اور ایسا قانون صرف خدا کا بنایا ہوا قانون ہو سکتا ہے۔ جس کا علم خدا کے بتلانے اور اس کے خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان عقل سے خدا کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے عقل سے خدا کی وحدانیت کو بھی جان سکتا ہے قیامت کے قائم ہونے حشر و نشر اور جزاء و سزا کو بھی عقل سے معلوم کر سکتا ہے لیکن وہ عقل سے اللہ تعالیٰ کے مفصل احکام کو معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ عقل سے یہ جان سکتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا اچھی بات ہے اور ناشکری بُری بات ہے لیکن وہ عقل سے یہ نہیں جان سکتا کہ اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ہوگا اور اسی کا نام وحی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عبث اور بے مقصد نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور حقوق اور فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ نہ بے کاموں اور نہ ہی خصلتوں سے بچے اور اچھے کام اور نیک خصلتیں اپنائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح ادا کی جائیں وہ کون سے کام ہیں جن سے بچا جائے اور وہ کون سے کام ہیں جن کو کیا جائے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان کو بنیادی طور پر کھانے پینے کی اشیاء، کپڑوں اور مکان کی حاجت ہے اور اپنی نسل بڑھانے کے لیے ازدواج کی ضرورت ہے لیکن اگر کسی قاعدہ اور ضابطہ کے بغیر ان چیزوں کو حاصل کیا جائے تو یہ نری (خالص) حیوانیت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو حاصل کیا جائے تو یہ محض عبادت ہے اور اس قاعدہ اور ضابطہ کا علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور اس کے خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

بعض چیزوں کو ہم حواس کے ذریعہ جان لیتے ہیں جیسے رنگ، آواز اور ذائقہ کو اور بعض چیزوں کو عقل سے جان لیتے ہیں جیسے دوا اور دوا کا مجموعہ چار ہے یا مصنوع کے وجود سے صنایع کے وجود کو جان لیتے ہیں لیکن کچھ ایسی چیزیں جن کو حواس سے جاننا جاسکتا ہے نہ عقل سے مثلاً نماز کا کیا طریقہ ہے، کتنے ایام کے روزے فرض ہیں، ذکوہ کی کیا مقدار ہے اور کس چیز کا کھانا حلال ہے اور کس چیز کا کھانا حرام ہے۔ غرض عبادات اور معاملات کے کسی شعبہ کو ہم حواس غصہ اور عقل کے ذریعہ نہیں جان سکتے اس کو جاننے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے وحی۔

بعض اوقات حواس غلطی کرتے ہیں مثلاً ریل میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بخار زدہ شخص کو مٹی کی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے اور حواس کی غلطیوں پر عقل حبیہ کرتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات عقل بھی غلطی کرتی ہے مثلاً عقل یہ کہتی ہے کہ کسی ضرورت مند کو مال نہ دیا جائے مال کو صرف اپنے مستقبل کے لیے بچا کے رکھا جائے اور جس طرح حواس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے اسی طرح عقل کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے۔

وحی کی تعریف میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو جو چیز بتلاتا ہے وہ وحی ہے اور نبوت کا ثبوت معجزات سے ہوتا ہے اب یہ بات بحث طلب ہے کہ وحی کے ثبوت کے لیے نبوت کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نبوت کے بغیر وحی کا ثبوت ممکن ہوتا تو اس دنیا کا نظام قاسد ہو جاتا مثلاً ایک شخص کسی کو لال کر دیتا اور کہتا: مجھ پر وحی اتاری تھی کہ اس شخص کو لال

کردو۔ ایک شخص پر زور کسی کا مال اپنے قبضہ میں کر لیتا اور کہتا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اس کے مال پر قبضہ کرو! اس لیے ہر کس و ناکس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ وحی کا دعویٰ کرے۔ وحی کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہو۔ لہذا وحی کا دعویٰ صرف نبی ہی کر سکتا ہے اور نبوت کا دعویٰ تب ثابت ہوگا جب وہ اس کے ثبوت میں معجزات پیش کرے گا۔

ایک سوال یہ ہوا کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا کلام لے کر آیا ہے؟ امام رازنی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فرشتہ نبی کے سامنے اپنے فرشتہ ہونے اور حال وحی الہی ہونے پر معجزہ پیش کرتا ہے اور امام غزالی کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو ایسی صفت عطا فرماتا ہے جس سے وہ جن فرشتہ اور شیطان کو الگ الگ پہچانتا ہے جیسے ہم انسانوں، جانوروں اور نباتات اور جمادات کو الگ الگ پہچانتے ہیں کیونکہ ہماری رسائی صرف عالم شہادت تک ہے اور نبی کی پہنچ عالم شہادت میں بھی ہے اور عالم غیب میں بھی ہے۔

وحی کی اقسام

بنیادی طور پر وحی کی دو قسمیں ہیں: وحی متکواہ اور وحی غیر متکواہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الفاظ اور معانی کا نزول ہو تو یہ وحی متکواہ ہے اور یہی قرآن مجید ہے اور اگر آپ پر صرف معانی نازل کیے جائیں اور آپ ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کریں تو یہی وحی غیر متکواہ ہے اور اس کو حدیث نبوی کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی متعدد صورتیں ہیں جن کا احادیث مجھ میں بیان کیا گیا ہے

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا: یا رسول اللہ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی وحی تمھاری آواز کی طرح (مسل) آتی ہے اور یہ تمھارے بہت شدید ہوتی ہے؟ وحی (جب) منقطع ہوتی ہے تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں اور کبھی میرے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے میں اس کو یاد کرتا جاتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتی اور جس وقت وحی ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کی صرف دو صورتیں بیان کی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ بدر الدین عینی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت چار یہ ہے کہ قائل اور سامع میں کوئی مناسبت ہونی چاہیے تاکہ ان میں تعلیم اور تعلم اور افادہ اور استفادہ ہو سکے اور یہ انصاف یا تو اس طرح ہوگا کہ سامع پر قائل کی صفت کا غلبہ ہو اور وہ قائل کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور صلصلة الجرس (گھنٹی کی آواز) سے یہی پہلی قسم مراد ہے اور یا قائل سامع کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور یہ دوسری قسم ہے جس میں فرشتہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر آپ سے کلام کرتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی پہلی قسم کی تشبیہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ دی ہے جس کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے اور اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اس میں آپ نے یہ متنبہ کیا ہے کہ جس وقت یہ وحی قلب پر نازل ہوتی ہے تو آپ کے قلب پر خطاب کی حیثیت طاری ہوتی ہے اور وہ قول آپ کو حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس قول کے نقل کی وجہ سے اس وقت آپ کو اس کا پتا نہیں

چلتا اور جب اس کے جلال کی ہیبت زائل ہو جاتی ہے تو پھر آپ کو اس کا علم ہوتا ہے اور وحی کی یہ قسم ایسی ہے جیسے ملائکہ پر وحی نازل ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پروں کو جھڑھڑاتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر ماری جائے اور جب ان کے دلوں سے وہ ہیبت زائل ہوتی ہے تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: حق فرمایا اور وہ عقیم اور کبیر ہے اور اس حدیث میں ہم پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ وحی کی پہلی قسم دوسری سے شدید ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشری سے فرشتہ کی حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے پھر آپ پر اس طرح وحی کی جاتی تھی جس طرح فرشتوں پر وحی کی جاتی ہے اور یہ آپ کے لیے مشکل تھا اور دوسری قسم میں فرشتہ انسانی شکل میں آتا تھا اور یہ قسم آپ کے لیے آسان تھی۔

(مردۃ القاری ج ۱ ص ۲۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ گھنٹی کی آواز میں ہر چند کہ عام لوگوں کے لیے کوئی معنی اور پیغام نہیں ہوتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس آواز میں کوئی معنی اور پیغام ہوتا تھا جیسا کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہم دیکھتے ہیں جب ٹیلی گرام دینے کا عمل کیا جاتا ہے تو ایک طرف سے صرف ٹک ٹک کی آواز ہوتی ہے اور دوسرے طرف اس سے پورے پورے جملے بنا لیے جاتے ہیں اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی یہ آواز بہ ظاہر صرف گھنٹی کی مسلسل ٹن ٹن کی طرح ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں پورے پورے فصیح و بلیغ جملے موجود ہوں۔

علامہ بدر الدین عینی نے نزول وحی کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) کلام قدیم کو سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا جس کا ذکر آثار مجیدہ میں ہے۔

(۲) فرشتہ کی رسالت کے واسطے سے وحی کا موصول ہونا۔

(۳) وحی کو دل میں القاء کیا جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: روح القدس نے میرے دل میں القاء کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اسی طرح وحی کی جاتی تھی اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے جو وحی کا لفظ بولا جاتا ہے وہ الہام یا تسخیر کے معنی میں ہوتا ہے۔

علامہ بیہقی نے الرضی الاثنا عشر (ج ۱ ص ۱۵۴-۱۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت) میں نزول وحی کی یہ سات صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں کوئی واقعہ دکھایا جائے۔

(۲) گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ کے پاس وحی آئے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کوئی معنی القاء کیا جائے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آئے اور حضرت جبرئیل آپ کے پاس حضرت وحید بکلی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئیں حضرت وحید کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حسین ترین شخص تھے حتیٰ کہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر چلا کرتے تھے مہاراجہ مورخین ان کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہوں۔

(۵) حضرت جبرائیل آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں آئیں اس صورت میں ان کے چہرے پر تھے جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ آپ سے یاقوت بیداری میں پردہ کی اوٹ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی شب ہوا یا نیند میں ہم کلام ہو جیسے

جامع ترمذی میں ہے: اللہ تعالیٰ میرے پاس حسین صورت میں آیا اور فرمایا: ملا علی گنج میں بحث کر رہے ہیں۔

(۷) اسرائیل علیہ السلام کی وحی: کیونکہ معصی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسرائیل کے سپرد کر دیا گیا تھا اور وہ تین سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہے اور وہ آپ کے پاس وحی لاتے تھے پھر آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا اور تین سال تک آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت اسرائیل علیہ السلام رہے اور وہ آپ کو بعض کلمات اور بعض چیزوں کی خبر دیتے تھے اس وقت تک آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا اور جب تین سال گزر گئے تو پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس رہے پھر تین سال آپ پر آپ کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا دس سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں اور تیسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ البتہ واقدی وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ آپ کو اور کسی فرشتے کے سپرد نہیں کیا گیا۔

(عمود القاری ج ۱ ص ۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ اس سے ہم کلام ہونے کے متعلق شارحین حدیث کی تحقیق

مفسرین نے اس چیز میں بحث کی ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟ یا اس وقت آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے یا نہیں؟ صاحب کشف اور بعض دیگر مفسرین نے کہا: آپ نے اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا لیکن جواب کی اوٹ سے کلام فرمایا کیونکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے: ”اور کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے یا پردہ کی اوٹ سے یا اللہ کسی فرشتے کو بھیج دے“۔ (البقرہ: ۱۱۱)

قرآن مجید کی اسی آیت کی بناء پر حضرت عائشہ نے اس بات کا انکار کیا کہ شب معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۸۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۶۸)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابی ابراہیم القرطبی المالکی النوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”حقہ میں اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے آیا اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے یا نہیں؟ اکثر مبتدعین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں ممکن ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں اس میں بھی حقہ میں اور متاخرین کا اختلاف ہے حضرت عائشہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اور متکلمین اور محدثین کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے اور حقہ میں کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو سہی آنکھوں سے دیکھا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے انہوں نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام کے ساتھ مخصوص ہیں حضرت ابراہیم خلیل ہونے کے ساتھ مخصوص ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیدار کے ساتھ مخصوص ہیں حضرت ابوذر حضرت کعب اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی موقف ہے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ کا بھی ایک قول اسی طرح ہے امام ابو الحسن اشعری اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت سے بھی یہی قول منقول ہے اور مشائخ کی ایک جماعت نے اس میں توقف کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کے ثبوت میں کوئی دلیل قطعی ہے نہ اس کی نفی میں کوئی دلیل قطعی ہے اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے جیسا کہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے دلائل عقلیہ علم کلام میں مذکور ہیں اور دلائل نقلیہ میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب سے دیدار کا سوال کرنا ہے۔ ”وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ نَظَرَ الْبَيْتِ“ (اعراف: ۱۲۳) سے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں تیری طرف

دیکھوں گا۔ جب استدلال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا سوال کرنا جائز ہے اگر ان کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے تو وہ اس کو دیکھنے کا سوال نہ کرتے۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَجُودًا يَكُونُ مَعَهُ لَا يَصْرِفُهُ رَأْيُ رَؤُوسِهِمْ تَلَاوُظًا ۝

(القصص: ۲۳-۲۴) طرف دیکھ رہے ہوں گے ۝

جب استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ احسان قرار دیا ہے کہ وہ آخرت میں اس کی طرف دیکھیں گے اور جب بندوں کا آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے تو دنیا میں بھی دیکھنا ممکن ہے کیونکہ احکام عقلیہ کے لحاظ سے دونوں وقتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے کہ مؤمنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جب آخرت میں دیکھنا ثابت ہے تو پھر دنیا میں بھی دیکھنا ثابت ہوگا۔

پھر اس میں بحث ہے کہ شب معراج ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں اس میں بھی کسی جانب دلیل قطعی نہیں ہے نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ شب معراج آپ نے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کیا ہے یا نہیں حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس، جعفر بن محمد اور ابو الحسن اشعری کا موقف ہے کہ آپ نے اپنے رب سے بلا واسطہ کلام کیا ہے اور متکلمین کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے اور اس میں بھی اسی طرح طرفین کے دلائل ہیں جس طرح دیدار کے مسئلہ میں دلائل ہیں۔

بلکہ بعض مشائخ نے الشوری: ۵۱ سے اس پر استدلال کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس سے بلا واسطہ کلام کیا ہے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی تین قسمیں ہیں: (۱) حجاب کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا (۲) فرشتوں کو بھیج کر جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام نے کلام کیا (۳) اس کے بعد صرف ایک قسم رہی اور وہ ہے کہ مع الشاہدہ کلام ہو تاہم اس استدلال پر نظر ہے۔

(المجموع ج ۵ ص ۳۰۵، ملخصاً دارالمنیر بیروت ۱۴۳۰ھ)

اور اس حدیث کی شرح میں علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس بحث میں اصل چیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو حضرت ابن عباس کے پاس بھیجا اور ان سے اس مسئلہ میں استفسار کیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ حضرت عائشہ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا، حضرت عائشہ نے اپنے طور سے قرآن مجید سے استدلال کر کے یہ نتیجہ نکالا اور جب صحابی کوئی مسئلہ بیان کرے اور دوسرا صحابی اس کی مخالفت کرے تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا اور جب صحیح روایات کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو ان روایات کو قبول کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا واقعہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کو عقل سے مستبعد کیا جاسکے یا ان کو عقل سے بیان کیا جائے، یہ صرف اسی صورت پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابن عباس نے اپنے عین اور قیاس سے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، علامہ محرم بن راشد نے کہا: اس مسئلہ میں حضرت عائشہ اور حضرت

ابن عباس کا اختلاف ہے اور حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباس سے زیادہ عالم نہیں ہیں حضرت ابن عباس کی روایات روایت باری کا اثبات کرتی ہیں اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کی روایات روایت کی نفی کرتی ہیں اور جب ثبت اور حقی روایات میں تضاد ہو تو ثبت روایات کو منفی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک رائج یہ ہے کہ شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی حدیث کی بناء پر روایت کا انکار نہیں کیا مگر اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ کا قرآن مجید کی آیات سے استنباط کیا ہے اس کے جواب کو ہم واضح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَقْدِرُ لَهُ الْاَبْصَالُ وَهُوَ يَدْرِي مَا الْاَبْصَالُ لَا تَاْخُذُ بِهِ السَّيْئَةُ لَئِيْلَ مَا يَصِفُوْنَ

(الانعام: ۱۰۳) اور اک کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کیونکہ اور اک سے مراد احاطہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ کی نفی کی گئی ہے تو اس سے بغیر احاطہ کے روایت کی نفی لازم نہیں آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا استدلال اس آیت سے ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا ذِكْرًا مِّنْ ذِكْرٍ آتِي
بِحَبَابٍ أَذْكُرْ (الشورى: ۵۱)

وہ کسی بشر کے لائق نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا اللہ کوئی فرشتہ بھیج دے۔

اس آیت سے استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں روایت کے وقت کلام کی نفی کی گئی ہے تو یہ جائز ہے کہ جس وقت آپ نے اللہ کا دیدار کیا ہو اس وقت اس سے کلام نہ کیا ہو۔

(۲) یہ آیت عام مخصوص عند البعض ہے اور اس کا تھمس وہ دلائل ہیں جن سے روایت ثابت ہے خلاصہ یہ ہے کہ عام قاعدہ یہی ہے لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳) مشاہدہ کے وقت جس وحی کی نفی کی گئی ہے وہ بلا واسطہ وحی ہے اور ہو سکتا ہے کہ دیدار کے وقت آپ پر کسی واسطہ سے وحی کی گئی ہو۔

جمہور مفسرین کا یہ عقار ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شب اسراء اپنے رب سبحانہ و تعالیٰ کا دیدار کیا پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے دل کی آنکھوں سے دیدار کیا یا سر کی آنکھوں سے امام ابو الحسن الواحدی نے بیان کیا: مفسرین نے کہا: ان احادیث میں یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کا دیدار کیا حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ذرؓ اور حضرت امیر المومنین نے یہ کہا کہ آپ نے دل سے دیدار کیا امام ابو الحسن نے کہا: اس رائے کے مطابق آپ نے صحیح طریقہ سے اپنے رب کو دل کی آنکھوں سے دیکھا اور وہ طریقہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھ آپ کے دل میں رکھ دی یا آپ کے دل میں ایک آنکھ پیدا کر دی حتیٰ کہ آپ نے اس طرح روایت مجھ کے ساتھ اپنے رب کو دیکھا جس طرح سر کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے امام ابو الحسن نے کہا اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہ نظر یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یہ حضرت انسؓ مکرّمہ حسن اور ربیع کا قول ہے۔ (صحیح مسلم شرح ابوالدرداء ج ۵ ص ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۵، ۱۸۴۶، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲۳، ۱۹۲۴، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹، ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، ۱۹۳۴، ۱۹۳۵، ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، ۱۹۴۲، ۱۹۴۳، ۱۹۴۴، ۱۹۴۵، ۱۹۴۶، ۱۹۴۷، ۱۹۴۸، ۱۹۴۹، ۱۹۵۰، ۱۹۵۱، ۱۹۵۲، ۱۹۵۳، ۱۹۵۴، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۷، ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، ۱۹۶۰، ۱۹۶۱، ۱۹۶۲، ۱۹۶۳، ۱۹۶۴، ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۱۹۶۷، ۱۹۶۸، ۱۹۶۹، ۱۹۷۰، ۱۹۷۱، ۱۹۷۲، ۱۹۷۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۱۹۸۱، ۱۹۸۲، ۱۹۸۳، ۱۹۸۴، ۱۹۸۵، ۱۹۸۶، ۱۹۸۷، ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰، ۱۹۹۱، ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵، ۱۹۹۶، ۱۹۹۷، ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، ۲۰۰۰، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۲۰۰۳، ۲۰۰۴، ۲۰۰۵، ۲۰۰۶، ۲۰۰۷، ۲۰۰۸، ۲۰۰۹، ۲۰۱۰، ۲۰۱۱، ۲۰۱۲، ۲۰۱۳، ۲۰۱۴، ۲۰۱۵، ۲۰۱۶، ۲۰۱۷، ۲۰۱۸، ۲۰۱۹، ۲۰۲۰، ۲۰۲۱، ۲۰۲۲، ۲۰۲۳، ۲۰۲۴، ۲۰۲۵، ۲۰۲۶، ۲۰۲۷، ۲۰۲۸، ۲۰۲۹، ۲۰۳۰، ۲۰۳۱، ۲۰۳۲، ۲۰۳۳، ۲۰۳۴، ۲۰۳۵، ۲۰۳۶، ۲۰۳۷، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۲۰۴۰، ۲۰۴۱، ۲۰۴۲، ۲۰۴۳، ۲۰۴۴، ۲۰۴۵، ۲۰۴۶، ۲۰۴۷، ۲۰۴۸، ۲۰۴۹، ۲۰۵۰، ۲۰۵۱، ۲۰۵۲، ۲۰۵۳، ۲۰۵۴، ۲۰۵۵، ۲۰۵۶، ۲۰۵۷، ۲۰۵۸، ۲۰۵۹، ۲۰۶۰، ۲۰۶۱، ۲۰۶۲، ۲۰۶۳، ۲۰۶۴، ۲۰۶۵، ۲۰۶۶، ۲۰۶۷، ۲۰۶۸، ۲۰۶۹، ۲۰۷۰، ۲۰۷۱، ۲۰۷۲، ۲۰۷۳، ۲۰۷۴، ۲۰۷۵، ۲۰۷۶، ۲۰۷۷، ۲۰۷۸، ۲۰۷۹، ۲۰۸۰، ۲۰۸۱، ۲۰۸۲، ۲۰۸۳،

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس روایت کی کمی کی گئی ہے وہ روایت علی وجہ الاحاطہ ہے نیز علامہ قرطبی نے محکم شرح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ ابابصاری معترف بالام ہے اور یہ شخص کو قبول کرتی ہے اس لیے اس (لا تدروکہ الا بصار) علامہ: (۱۰۳) کا معنی یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں اور اس شخص پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں کافروں کے حقائق ہیں:

كَلَّا لَإِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوزُونَ ﴿۱۵﴾
 حق یہ ہے کہ بے شک وہ (کفار) اس دن وہی اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے (الطہ: ۱۵)

اور قرآن مجید میں مومنوں کے حقائق ہیں:

وَجُودًا يَوْمَئِذٍ لَإِبْرَءٍ لَّآلِئِ رَبِّهَانَا وَلَهُمْ ﴿۲۳﴾
 کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے (الہود: ۲۳)

اور جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے کیوں کہ دونوں وقتوں میں یہ حیثیت امکان کوئی فرق نہیں علامہ قرطبی کا یہ استدلال بہت عمدہ ہے قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو عقلاً دیکھنا جائز ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے امام مالک نے کہا: مومن دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ دنیا میں مومن فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا اور آخرت میں مومنین کو جہا عطا کی جائے گی تو پھر وہ باقی آنکھوں سے بھلا کا جلوہ دیکھ لیں گے اور اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے: جب تک تم پر موت نہ آئے تم ہرگز اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو اگرچہ عقلاً دنیا میں رویت جائز ہے لیکن شرعاً منقطع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رویت کے ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ کھلم اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا (بایہ قاعدہ عام خصوص عن بعض ہے)۔

حقیقت میں اختلاف ہے حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رویت کا انکار کرتے ہیں حضور ابو ذر سے روایات مختلف ہیں اور ایک جماعت کے نزدیک رویت ثابت ہے امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں کہ حسن بھری حم کہا کرتے ہیں تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے کعب ابہار زہری، معمر اور دوسروں نے اسی پر وثوق کیا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اکثر متبعین کا بھی یہی قول ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیکھا؟ اس میں امام احمد کے دو قول ہیں بعض احادیث میں حضرت ابن عباس نے مطلقاً کہا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا اور بعض روایات میں ہے: آپ نے اپنے دل سے دیکھا اور مطلق روایات کو مستقیم پر حمل کرنا واجب ہے امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: کیا تم اس پر قنبح کرتے ہو کہ علت حضرت ابراہیم کے لیے ہو کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو اور رویت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے کسی شخص کو حضرت ابن عباس کے پاس بھیجا اور یہ پوچھا: آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو حضرت ابن عباس نے جواب دیا: ہاں! اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: ”آپ نے اپنے رب کو دو بار اپنے دل سے دیکھا“ اور امام ابن مردویہ نے صراحت کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو نہیں دیکھا اپنے دل سے دیکھا ہے اور اب حضرت عائشہ کی کمی اور حضرت ابن عباس کے اثبات کو جمع کرنا ممکن ہے بایں طور کہ حضرت عائشہ کی کمی کو رویت بھری پر محمول کیا جائے اور حضرت ابن عباس کے اثبات کو رویت قلبی پر محمول کیا جائے

اور رویت قلبی سے فقط حصول علم مراد نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دہرا علم تھا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے قلب کو اس طرح رویت حاصل ہوئی، جس طرح دوسروں کو آگے سے رویت حاصل ہوتی ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۰۹-۶۱۰ ملاحظہ فرمائیے)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء کے نزدیک رائج یہ ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی حدیث میں ہے اور اس چیز کا اثبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر ممکن نہیں ہے، حضرت عائشہؓ نے جو کہا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث پر اس کی بنیاد نہیں رکھی، ان کا استدلال قرآن مجید کی آیات سے ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس اوراک کی نفی ہے وہ اوراک علی وجہ الاحاطہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ ربوت کی نفی کی گئی ہے تو اس سے جلا احاطہ ربوت کی نفی لازم نہیں آتی۔ (الدریاج ج ۳ ص ۱۳۳ الدرۃ المرقۃ قرآنیہ ص ۱۳۲)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۵۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی نقل کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت باری کا اثبات کرتے ہیں ان میں کیسے موافقت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ روایت بھری کا انکار کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس روایت ظہنی کا اثبات کرتے ہیں امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں بہت تفصیل سے شب معراج میں روایت باری کو ثابت کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے۔

(عمدة القاري ج ١ ص ١٩٩، إدارة الطباعة المنيرية، مصر، ١٣٣٨هـ)

علامہ شہاب الدین احمد خٹابی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آپ نے شبِ اسراء اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ حدیث حضرت ابن عباس سے متعدد واسانید کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عباس کی اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَا كَذَّبَ الْغَاثُ مَا رَأَى ۖ مَا زَاغَ الْبَصَرُ ۖ مَا حَلَّىٰ ۝

آپ کی آنکھ نے جو جلوہ دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں

○ آپ کی نظر ایک طرف مائل ہوئی نہ حد سے بڑھی ○

امام حاکم، امام نسائی اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (جلا واسطہ) کلام کے

موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے زمین پر ہم کلام ہوا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ عرش پر ہم کلام ہوا۔ (تفسیر ارباب فی ج ۱ ص ۲۸۸-۲۸۹ دار الفکر بیروت)

حاجی قاری حنفی نے بھی اختصار کے ساتھ یہی لکھا ہے۔ (شرح الفقہ علی ما فی ج ۱ ص ۲۸۸-۲۸۹ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ اس سے ہم کلام ہونے کے متعلق مفسرین کی تحقیق

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ الشوریٰ: ۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ بغیر وحی کے کسی شخص کا اللہ سے ہم کلام ہونا ممکن نہیں ہے، یعنی وحی کے ذریعہ ہم کلام ہونا ممکن ہے اور یہ وحی اس سے عام ہے کہ اللہ تعالیٰ بالمشافہہ اور بالمشاہدہ بندہ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی حدیث میں ہے یا اس صورت میں ہم کلام ہو کہ اس کا کلام تو سنائی دے اور اس کی ذات دکھائی نہ دے جیسا کہ وادی طونی اور پہاڑ طور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔

(تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

بالمشافہہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے بلا واسطہ مخاطب ہوا ہو جیسا کہ حدیث معراج میں ہے۔ (مکج نظامی رقم الحدیث: ۵۱۸ ص ۵۱۸ مکج مسلم رقم الحدیث: ۱۲۳) اللہ تعالیٰ نے آپ پر تجلی فرمائی اور آپ سے کلام فرمایا اور آپ پر نمازیں فرض کیں اور آپ سے یہ وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے بالمشافہہ کلام فرمائے گا۔ (مندیۃ القاضی ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۸ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ علی بن محمد قازن متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی سے بالمشافہہ کلام نہیں فرمائے گا اس کی تفصیل سورۃ النجم میں آئے گی۔

(تفسیر القازن ج ۱ ص ۱۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اور سورۃ النجم میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو شب معراج سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس اور حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور یہ بات وہ اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے، سو یہ حدیث آپ سے سماع پر محمول ہے (اور معراج کا واقعہ امور آخرت سے ہے اس لیے الشوریٰ: ۵۱ میں جو بالمشافہہ کلام کی لفظی ہے وہ دنیا میں ہے اور وہ شب معراج بالمشافہہ کلام کرنے کے معانی نہیں ہے)۔

(تفسیر القازن ج ۱ ص ۳۶۷-۳۶۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سبحانہ کو شب معراج دیکھا ہے کیونکہ اکثر روایات میں دیکھنے کی تصریح ہے ہاں ان روایات میں یہ تصریح نہیں ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے، لیکن دیکھنے سے ظاہر یہی ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے، امام اشعری اور حنفیوں کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمارے نبی سے اس رات بلا واسطہ کلام فرمایا اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کیں پھر کم کرتے کرتے آخر میں پانچ نمازیں فرض کر دیں۔ (روح البانی ج ۱ ص ۲۸۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

نزول قرآن سے پہلے آپ کو اجمالی طور پر قرآن عطا کیا جاتا

الثوری: ۵۲-۵۳ میں فرمایا: ”اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے اس سے پہلے آپ از خود یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس کتاب کو نور بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ بے شک ضرور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں O اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے سنو اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں O“

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف روح کی وحی کی ہے۔ روح سے مراد قرآن ہے کیونکہ جس طرح روح بدن کی حیات کا سبب ہے اسی طرح قرآن مجید قلب کی حیات کا سبب ہے۔

اور اس وحی سے مراد عام ہے خواہ آپ کے قلب میں کسی معنی کا انشاء کیا جائے یا حضرت جبریل آپ کے پاس اللہ کا پیغام لائیں یا اللہ تعالیٰ آپ سے بالمشافہ اور بالمشاہدہ کلام فرمائے۔

علامہ سید محمود آلوی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ عبد الوہاب شعرانی التوفی ۷۹۳ھ نے ”الکبریٰ الاحمر“ میں ”ماخوذات المکیہ“ کے باب ثانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت جبریل کے آپ پر قرآن مجید نازل کرنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجمالی طور پر قرآن کریم عطا کیا گیا تھا اور اس میں آیتوں اور سورتوں کی تفصیل نہیں تھی۔ (الکبریٰ الاحمر ص ۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۸۱ھ)

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۵۹ دار الفکر بیروت ۱۳۸۱ھ)

اس اشکال کے جوابات کہ نزول قرآن سے پہلے آپ کو کتاب کا پتا تھا نہ ایمان کا

اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ نزول قرآن سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے حالانکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر نبی پیدا انبیٰ مومن ہوتا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی نبی تھے حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت حضرت آدم جسم اور روح کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹ المسند رک ج ۲ ص ۶۰۹ دلائل النبوة ج ۳ ص ۱۳۰)

حضرت عرابہ بن ساریہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اور اس وقت حضرت آدم اپنی مٹی کے پتلے میں تھے۔ اللہ ہیٹ (شرح السنن رقم الحدیث: ۳۲۲۲)

اس لیے اس آیت کا مکمل تلاش کرنا ضروری ہے جس میں فرمایا ہے: آپ نزول قرآن سے پہلے نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے حسب ذیل محال تلاش کیے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اور ایمان کے علم کی نفی کی دیگر مفسرین کی طرف سے توجیہات

(۱) اس آیت میں ایمان سے مراد ایمانِ کامل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی خبروں کی تصدیق اقرار اور تمام احکام شریعہ پر عمل اور ظاہر ہے کہ نزول قرآن سے پہلے تمام احکام شریعہ پر عمل کرنا حقیق نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) اس آیت میں ایمان سے مراد ہے: دعوت ایمان اور لوگوں کو کس طرح ایمان کی دعوت دی جائے اور ان کو ہدایت دی جائے اس کا علم آپ کو نزول کتاب کے بعد ہوا۔

(۳) ایمان سے مراد ہے: نکل ایمان اور نزول کتاب کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ آپ پر ایمان لانے والے کون ہیں اور کون ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اشکال مذکور کی مصنف کی طرف سے توجیہات

اس اشکال کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں لیکن ان میں اکثر جواب کزور ہیں مصنف کے ذہن میں اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”ما کنت لعروی“ اور ”ما کنت تعلم“ انہیں فرمایا یعنی علم کی نئی نہیں کی وراثت کی نئی کی ہے اور وراثت کا معنی ہے اپنی عقل سے کسی چیز کو جاننا اسی لیے ہم نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: آپ از خود نہیں جانتے یعنی نزول قرآن سے پہلے آپ از خود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے آپ نزول قرآن سے پہلے بھی اپنی رسالت کو جانتے تھے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے مجھ پر سلام پڑھا کرتا تھا میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۷۷)

ہم نے کہا ہے کہ درابہ کے معنی ہیں: محض اپنی عقل اور قیاس سے کسی چیز کو جاننا سو علامہ رافع ابنہانی نے لکھا ہے: الدرابۃ المعرفة المصدرۃ بضرب من العقل۔ ایک قسم سے جو معرفت حاصل کی گئی ہو اس کو وراثت العقل کہتے ہیں۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۲۲ القاموس ص ۱۸۸) (قاسم میں عقل کی جگہ دلیل کا لفظ ہے)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا تَشَاءُونَ نَفْسٌ شَاءَ مَا تَحْبِبُونَ عَذَابًا۔ کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کسب (کام) کرتا ہے۔ (قرآن: ۳۳)

اس آیت میں اللہ کی طرف علم کی نسبت کی ہے اور بندہ کی طرف وراثت کی نسبت کی ہے کیونکہ وراثت میں حیلہ کا معنی ہے یعنی حیلہ سے کسی چیز کو جاننا اور دونوں علموں میں فرق ہے جب کوئی شخص حیلہ سے کوئی عمل کرے اور اس میں پوری کوشش صرف کرے تب بھی اس کو اپنے کسب کے حق ہونے کا علم ہوگا نہ اس کے انجام کا علم ہوگا جس اس کے بغیر اسے اپنے کسب کا کیسے علم ہوگا جب اس پر کوئی شرعی یا عقلی دلیل قائم نہ ہو اس لیے فرمایا: کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کسب (کام) کرے گا۔ (تفسیر بیضاوی مع اللغی ج ۱ ص ۳۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس مہارت کی شرح میں لکھتے ہیں: وراثت اس جملہ سے ماخوذ ہے ”عروی و مسی العرویہ“ یہ وہ جملہ ہے جس کو سمجھنے کا تیر انداز قصد کرتے ہیں اور وہ چیز جس کے پیچھے شکاری شکار سے چھپ کر کھڑا ہوتا ہے اور اس جملہ سے اس کو تیر مار کر شکار کرتا ہے اور ان میں سے ہر چیز حیلہ ہے اس وجہ سے وراثت علم سے خاص ہے کیونکہ وراثت حیلہ اور تکلف سے کسی چیز کا علم ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کو وراثت نہیں کہتے۔ (حاشیہ القاضی ج ۱ ص ۲۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۶۵ دارالمنزل بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس اعتبار سے ”ما کنت لعروی ما الکتاب ولا الایمان“ کا معنی ہوگا: آپ حیلہ اور تکلف سے یعنی از خود نہیں

پہلے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے؟ ہاں اللہ کی وحی اور اس کی تعلیم سے جانتے ہیں کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے؟ اسی طرح حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام العلاء الانصاریہ سے فرمایا:

والله ما ادرى وانا رسول الله ما يفعل بي. اور اللہ کی قسم! میں (ازخود) نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا (محب) ہوں۔ (ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۳۳) رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

علامہ علی بن خلف ابن بطلال مالکی متوفی ۳۳۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے: میں نہیں جانتا اس کا محمل یہ ہے کہ آپ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ کو علم نہیں تھا کہ آپ کے اگلے اور پچھلے (ظاہری) ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی چیز کا علم ہوتا ہے جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

(شرح ترمذی ج ۳ ص ۳۳۳ مکتبۃ الرشیدیہ ضمیمہ ۱۱۳۳۰ھ مکتبۃ التقری ج ۸ ص ۲۳ دارالکتب العلمیہ)

علامہ ابن بطلال اور علامہ یحییٰ کی اس شرح سے بھی یہ معلوم ہوا کہ روایت کا معنی ہے: وحی کے بغیر کسی چیز کو اپنی عقل اور قیاس سے ازخود جانتا۔ اور اب الشوری: ۵۱ کا معنی اس طرح ہوا کہ آپ بغیر وحی کے ازخود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے۔

علامہ طابری متوفی ۹۸۶ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں روایت تفصیلی کی گئی ہے، یعنی آپ کو اس وقت تفصیلی علم نہیں تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (مجمع بحار الانوار ج ۳ ص ۴۵۵ مکتبۃ دارالایمان مدینہ منورہ ۱۳۹۵ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی یہی جواب لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۲ دارالمنکر ۱۳۲۰ھ) اور اس صورت میں الشوری: ۵۱ کا معنی اس طرح ہے کہ آپ نزول کتاب سے پہلے کتاب اور ایمان کے تفصیلی علم کو نہیں جانتے تھے کہ اس کا اجمالی علم آپ کو حاصل تھا۔

سورۃ الشوریٰ کا اختتام

الحمد للہ رب العالمین آج ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ ۱۷ جنوری ۲۰۰۲ء بروز ہفتہ بعد از نماز ظہر سورۃ الشوریٰ کی تفصیل مکمل ہو گئی۔ ۲۷ نومبر کو یہ تفسیر شروع کی گئی تھی اس طرح ایک ماہ اور بیس دن میں یہ تفسیر مکمل ہو گئی، یہ تفسیر اس سے پہلے بھی ختم ہو جاتی لیکن دسمبر اور جنوری میں کراچی میں سردی پڑتی ہے اور میرا حراج بہت سرد ہے اور مجھے عام لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ سردی لگتی ہے، میں اپنے معمول کے مطابق جب نماز فجر سے پہلے اپنی کلاں میں تفسیر لکھنے کے لیے آتا تو مجھے بے تحاشا چھینکیں آتیں، تاکہ بے ہوشی اور زکام کی شدت سے مجھے بخار چڑھ جاتا، میں ہر وقت دوسو ٹیڑھ پینے رہتا تھا۔

بہر حال ان عوارض کی وجہ سے سردی کے لیام میں میرے لکھنے کی رفتار ہر سال کم ہو جاتی ہے اور جوں جوں عمر زیادہ ہو رہی ہے، ضعف بڑھتا جا رہا ہے، جسم کی قوت مدافعت کمزور ہو رہی ہے اور بیماری اور زیادہ شدت سے اپنے شپے گاڑ رہی ہے، اس دوران ۱۶ شوال ۱۴۲۳ھ ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو یہ ساتھ ہوا کہ حضرت العلامة الخلفۃ الثالثہ احمد نورانی صدر جمعیۃ العلماء پاکستان صدر متحدہ مجلس عمل قائد ملت اسلامیہ، صدر ورلڈ اسلامک مشن، سینیٹر و قائد حزب اختلاف سینٹ آف پاکستان، صحرائے کوڈو پہر کے وقت حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن پاک فضا نے کے خصوصی طیارہ C-30 کے ذریعہ آپ کی میت اسلام آباد سے کراچی لائی گئی اور اگلے روز نیشنل پارک میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی آپ کی نماز جنازہ میں کراچی کی تاریخ کا سب سے بڑا اجتماع تھا، آپ کی ۸۷ سالہ حیات قلمی اور دینی خدمات سے

بھر پور ہے لیکن آپ کی نمایاں خدمات میں سے یہ ہے کہ آپ نے ۱۹۷۳ء کے آئین میں حقوق طور پر مسلمان کی تعریف شامل کی اور اس میں یہ لکھا ہے کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننا ہو اور آپ ہی نے پاکستان کی قومی اسٹیبلشمنٹ میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے حعلق قرار دواؤ پیش کی اور اس سلسلہ میں پورے ملک میں دورے کیے اور بلاخرے ستمبر ۱۹۷۳ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ نے بالاتفاق قادیانیوں (پہ شمول قادیانی و لاہوری گروپ) کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ آپ بہت سادہ تھے بڑے وضع دار تھے احسان کر کے نہ جنت تھے اور نہ ہی جنت تھے انہوں نے مجھے اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بنوایا اور بڑے عربی کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ آپ ہی کی سفارش سے مجھے یہ منصب ملا تھا مجھے تاریخ و مشق کی ضرورت تھی اس وقت اس کی قیمت ۳۵ ہزار روپے تھی اور میرے پاس اتنی گنجائش نہ تھی آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے مجھے ۳۵ ہزار روپے کا ڈرافٹ بھجوا دیا اور اس کے ساتھ اپنے نوازش نامہ میں لکھا: آپ کو اور بھی جس کتاب کی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں جو مخالفین شرح صحیح مسلم پر اپنے بغض و عناد سے بے سرو پا اعتراضات کرتے تھے وہ ہمیشہ ان کے سامنے میری وکالت کرتے تھے اور میری طرف سے انہیں مسکت جوابات دیا کرتے تھے وہ میرے مشن کے بہت بڑے حامی اور ناصر تھے اللہ تعالیٰ ان کا آخرت میں حامی و ناصر ہو جب ہندوستان میں شرح صحیح مسلم چھپی تو آپ نے بے ساختہ فرمایا: الفضل ما شہدت بہ الاعضاء۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی قبر انور کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنا دے اور ایسے ولی کامل کی محبت کے توسل سے تہیان القرآن کو مکمل کرادے۔ آمین بجاہ سید المرسلین سیدنا محمد خاتم النبیین و علی آلہ و اصحابہ و ازوجہ و عترتہ و امتہ اجمعین۔

قلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم الحرمین دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

الزخرف

سورت کا نام

اس سورت کا نام الزخرف ہے، کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں زخرف کا لفظ آیا ہے اور یہ کھل کا نام جز کے نام پر رکھے کے قبل سے ہے درج ذیل آجوں میں زخرف کا لفظ ہے:

لَوْ كُنَّا نَعْلَمُونَ الْغَيْبُ أَفْهًا وَآجِدًا لَّجَعَلْنَا لِمَنْ
يَكْفُرْ بِالْآيَاتِ لَعْنَةً لِّلَّهِ وَمَعْلَامًا عَلَيْهِمْ
يَكْفُرُونَ ۝ وَلِيُذَكِّرَ الَّذِينَ فِيهَا أَنَّهُمْ هُمُ الْغَايِبُونَ ۝
(الزخرف: ۲۵-۲۴)

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی نظریہ کے حامل ہو جائیں گے تو ہم زمین کا کھرنے والوں کے گھروں کی چھتوں اور ان کے بالا خانوں کی ان بنیادوں کو جن سے وہ چڑھتے ہیں چاندی کی بنادیتے اور ان کے گھروں کے دروازوں اور ان تختوں کو جن پر وہ ٹپک لگاتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنادیتے (چاندی کے علاوہ) سونے کا بھی بنادیتے۔

علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:
زخرف کا معنی ہے: سونا، کسی چیز کے کمال حسن کو بھی زخرف کہتے ہیں اور کسی چیز پر سونے کی طبع کاری کی جائے تو اس کو زخرف کہتے ہیں زمین پر رنگ پر رنگ کا سبزہ اور پھول کھلے ہوں تو اس کو بھی مزخرف کہتے ہیں۔

(القاموس المحیط ص ۸۱۵ موسسۃ الرسائل بیروت ۱۴۲۳ھ)
علامہ ابو سعادت السبارک بن محمد ابن الاثیر الجزیری المتوفی ۷۰۶ھ لکھتے ہیں:

زخرف کا اصل میں معنی ہے: سونا اور کسی چیز کے حسن کا کمال حدیث میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
لَسْتُ غَيْرَ فَهْمَا كَمَا زَخِرَتْ الْيَهُودُ
تم ضرور مساجد میں سونے کے نقش و نگار بنائے گئے جیسے یہود انصاری۔ (صحیح البخاری: باب اصولہ ۱۳۰ سنن ابوداؤد: ۱۴)

مسجد میں سونے کے قتل بولنے بنانے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ پھر نمازیوں کی توجہ اس طرف ہوگی اور اس سے ان کے غشور اور شوع میں کمی ہوگی۔ (الہدایہ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

سورت الزخرف کی ہے ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۲۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۴۳ ہے۔
سورت کے مقاصد

اس سورت کے اہم مقاصد میں سے مشرکین کو بت پرستی سے روکنا ہے اور ان لوگوں کے حال پر توجہ کا اظہار فرمایا ہے جو

یہ اعتراف کرتے تھے کہ ان کا خالق اور مالک اور ان کا اور تمام مخلوقات کا منعم اللہ تعالیٰ ہے اس کے باوجود وہ جن کو اللہ کا شریک قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

☆ مشرکین کی اس پرندہ مت کہ وہ بتیوں کو بتوں سے کم درجہ کا قرار دیتے تھے اس کے باوجود وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

☆ سابقہ امتوں کو ان کے رسولوں کے ساتھ احوال اور اہل مکہ کو سابقہ امتوں کے انجام سے ڈرانا اور ان کو یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ جو ان کو ڈھیل دے رہا ہے اس سے وہ ڈھکنا نہ کھائیں۔

☆ رسولوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا حضرت ابراہیم علیہم السلام کا اس لیے کہ انہوں نے اپنی نسل میں عقیدہ توحید کو پائی رکھا اور ان کو قیامت کے بعد آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور کفار مکہ حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے پر فخر کیا کرتے تھے اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا اس لیے ذکر فرمایا کہ ان کی طرف منسوب ہونے پر فخر کیا کرتے تھے۔

☆ ان آیات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے پادش کو نازل فرمائے "خلق چیزوں کے جوڑے بنائے اور دریاؤں اور سمندروں میں کشتیوں کو رواں دواں رکھنے سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا۔

☆ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرنے سے ڈرایا اور لوگوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں کی طرف رغبت دلانی اور ان پر اپنے اس احسان کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف اور آپ کی فضیلت ہے اسی طرح اہل مکہ کا بھی شرف ہے اور ان کی بھی فضیلت ہے۔

☆ سورت کے آخر میں جنت کی فضیلت بیان کی ہے اور قیامت کی ہولناکیاں بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ جس طرح جنت اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے اسی طرح دوزخ اہل کفر کے ساتھ خاص ہے۔

☆ اس مختصر تعارف اور تہذیب کے بعد میں سورۃ الزخرف کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں اے اللہ مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں صراطِ مستقیم پر قائم رکھنا اور وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور جو چیزیں غلط اور باطل ہوں ان سے مجھے محفوظ رکھنا۔

آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلی آلہ واصحابہ

واذوا وجہ وعترتہ وامتہ اجمعین:

غلامِ رسولِ سعیدیٰ غفرلہ

۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ ۱۸ جنوری ۲۰۰۳ء

خانم اللہ بیٹ دارالعلوم اہل حق

پلاک نمبر ۱۵- فیڈرل بی ایس ۱ کراچی ۳۸

موبائل نمبر: ۹۹۶۲۳۰۰-۲۱۵۶۱۷۷/۲۱۲۰۶۱۷-۲۱۲۰۶۱۷/۲۱۲۰۶۱۷-۲۱۲۰۶۱۷





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



سورہ انفج کی ہے اللہ کی قسم سے شروع کرتے ہیں (جہلوتہ و مجوسہ نے ظلمت مہرمان ہے) اس میں نواہی و آیتیں ہدایت دیتے ہیں

حَمْدٌ ۝۱ وَ الْكِتَابُ الْمُبِينُ ۝۲ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

ما نسم ۝ اور اس وضاحت کرنے والی کتاب کی قسم! ۝ بے شک ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنا دیا

تَعْقِلُوْنَ ۝۳ وَاِنَّهٗ فِیْ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدٰیۤنَا عَلٰی حَكِیْمٍ ۝۴ اَفَضْرِبُ

تا کہ تم سمجھ سکو ۝ بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ بہت حکمت والی ہے ۝ تو کیا ہم اس

عَنْكُمُ الذِّكْرُ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِیْنَ ۝۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا

وہ سے تم کو نصیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو ۝ اور ہم (تم سے) پہلے

مِّنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ۝۶ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۤا بِهٖ

لوگوں میں کئی نبی بھیجے گئے ہیں ۝ اور ان کے پاس جو نبی بھی آتا تھا وہ اس کا مذاق

یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷ فَاهْلٰكُنَا اَشَدَّ مِنْهُمۡ بَطْشًا وَّ مَضٰی مَثَلُ

اڑاتے تھے ۝ سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں

الْاَوَّلِیْنَ ۝۸ وَلَیْنِ سَاَلْتَهُمۡ مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کی مثال گزر چکی ہے ۝ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے

لَیَقُوْلُنَّ خَلَقْنَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ۝۹ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ

تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب اور بے حد حکم والا ہے ۝ جس نے تمہارے لیے زمین کو (آرام

الْاَرْضِ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ فِیْہَا سَبٰلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰

کا) گوارہ بنا دیا اور تمہارے لیے اس میں متعدد راستے بنا دیے تاکہ تم ہدایت پا سکو ۝

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یَّقْدِرُ ۚ فَانْشَرْنَا بِهٖۤ اَبْلَکَۃً مُّیْتًا ۚ

اور جس نے آسمان سے زمینیں مقدار میں پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے مردہ شجر کو زندہ کر دیا اسی طرح

۝۱۰۰ سورہ انفج کی ہے

كَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ وَالَّذِي خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝ لَّيْسَتْ اَعْلٰى ظُهُورِهِمْ شُمْ

تم (زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے ۝ اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے

جِن پَر تَم سَوَار ہوتے ہوں ۝ تاکہ تم ان کی فتنوں پر جم کر سوار ہو سکو پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو

تَذَكَّرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحٰنَ الَّذِي

جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر صوب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں

سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝

کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے ۝ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں ۝

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جز قرار دے دیا ہے کہ انسان ضرور کھلا ہوا ناشکرا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حایم ۝ اور اس وضاحت کرنے والی کتاب کی قسم ۝ بے شک ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنا

دیا تاکہ تم سمجھ سکو ۝ بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ بہت حکمت والی ہے ۝ تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو

صیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو ۝ اور ہم (تم سے) پہلے لوگوں میں کئی نبی بھیج چکے

ہیں ۝ اور ان کے پاس جو نبی بھی آتا تھا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے ۝ سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی معرفت

بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزرجی ہے ۝ (الزخرف: ۱۸)

”حلم والکتاب المبین“ کی تفسیریں

”حلم ۝ والکتاب المبین“ کے مفسرین نے حسب ذیل معانی کیے ہیں:

(۱) ”حلم ۝“ اللہ تعالیٰ کی حیات پر دلالت کرتی ہے اور ”المبین“ اللہ تعالیٰ کے عہد اور بزرگی پر دلالت کرتی ہے اور یہ قسم ہے اور اس کا

معنی ہے: میری حیات اور میرے عہد کی قسم ایسے قرآن جس میں میں نے اپنے مومن بندوں پر رحمت کی خبر دی ہے حق

اور صدق ہے اور ہم نے اس کو عربی قرآن اس لیے بنایا ہے کہ تمہارے لیے اس کا معنی آسان ہو جائے۔

(لغات الاشارات للفقیر ج ۳ ص ۱۷۲ دارالکتب المطبعیہ بیروت ۱۴۳۰ھ)

حاور ہم سے اللہ تعالیٰ کے دو اسموں کی طرف اشارہ ہے: حنان اور رحمان۔ علامہ فیروز آبادی نے کہا: ”حنان اللہ تعالیٰ کا

اسم ہے اس کا معنی ہے: رحیم یا وہ جو ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اس سے اعراض کرتا ہے۔“ (الاسماء: ۱۱۱) اور الرحمان

بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے ”رحمان کا معنی ہے: جو ابتداء عطا کرنے والا ہو۔“ (الاسماء: ۱۱۲)

”حلم ۝“ اور ”والکتاب المبین“ کا عطف ”حلم پر ہے یعنی ”حلم کی قسم اور کتاب مبین کی قسم“ کتاب سے مراد قرآن

ہوگا

مجید ہے اور اس کو یمنین فرمانے کی تفسیر میں ہیں: (۱) ابو حسان نے کہا: قرآن مجید کے حروف واضح ہیں (۲) قتادہ نے کہا: اس کی ہدایت رشد اور برکت بالکل واضح ہے (۳) متاعل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کے احکام یعنی حلال اور حرام وضاحت سے بیان فرما دیے ہیں۔ (الحکف والعیون ج ۵ ص ۲۱۴ دارالکتب احلیہ بیروت)

کتاب کو قرآن عربی فرمانے کی وجوہ

الزخرف: ۳ میں فرمایا: ”بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنا دیا تاکہ تم سمجھ سکو۔“

یہ قسم کا جواب ہے اور اس کی تفسیر میں تین قول ہیں: (۱) سدی نے کہا: ہم نے اس کو عربی میں نازل کیا ہے (۲) مجاہد نے کہا: ہم نے عربی میں کہا ہے (۳) سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اس کو عربی میں بیان کیا ہے یہ تینوں تفسیریں متقارب ہیں۔

عربی کا معنی یہ ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) متاعل نے کہا: اس کو عربی زبان میں اس لیے نازل کیا کہ آسان والوں کی زبان عربی ہے (۲) سفیان ثوری نے کہا: ہر نبی پر اس زبان میں کتاب نازل کی گئی جو اس کی قوم کی زبان ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ”تاکہ تم سمجھ سکو“ اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:

- (۱) ابن عسلی نے کہا: اگر یہ آیت خصوصیت سے اہل عرب کے متعلق ہے تو اس کا معنی ہے: تاکہ تم سمجھ سکو۔
- (۲) ابن زید نے کہا: اگر یہ عرب اور غیر دونوں سے خطاب ہے تو اس کا معنی ہے: تاکہ تم غور و فکر کر سکو۔

(الحکف والعیون ج ۵ ص ۲۱۵ دارالکتب احلیہ بیروت)

ان آجوں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ”حکم والکتاب المبین“ قسم ہے اور ”انا جعلناه قراٰنا عربیا“ مقسم ہے اور قسم اور مقسم بہ میں تغایر ہوتا ہے اور یہاں دونوں سے مراد ایک ہے کیونکہ قسم میں کتاب کا ذکر ہے اور وہ قرآن ہے اور مقسم بہ میں ”قراٰنا عربیا“ کا ذکر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قسم میں قرآن مجید کی ذات مراد ہے اور مقسم بہ میں اس کا وصف عربی ہونا مراد ہے لہذا دونوں متغایر ہو گئے۔

لوح محفوظ میں قرآن مجید اور مخلوق کے اعمال کا ثابت ہونا

الزخرف: ۳ میں فرمایا: ”بے شک یہ لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بہت بلند مرتبہ بہت حکمت والی ہے“

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ قرآن لوح محفوظ میں ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ مخلوق کے اعمال لوح محفوظ میں ہیں۔ اگر یہ مراد ہو کہ یہ قرآن لوح محفوظ میں ہے تو اس کے بلند مرتبہ ہونے کا معنی یہ ہے: یہ بہت محکم اور منضبط ہے اس میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے اور حکیم کا معنی ہے: اس میں حکمت و آئینہ کلام ہے۔ اور اس کے لوح محفوظ میں ہونے کی تائید میں یہ آیتیں ہیں:

لَا تِلْكَ الْقُرْآنُ كَيْفَ تَقُولُ ۝

بے شک یہ قرآن بہت عزت والا ہے ۝ یہ محفوظ کتاب میں

(الانعام: ۷۷)

روح ہے ۝

بَيْنَ هُوَ قُرْآنٌ يَّحْيِي وَيُمِيتُ ۝

بلکہ یہ حکمت والا قرآن ہے ۝ لوح محفوظ میں مندرج

(الہرودج: ۱۷۲)

ہے ۝

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مخلوق کے تمام اعمال خواہ وہ ایمان اور کفر ہوں یا اطاعت اور معصیت ہوں وہ سب لوح محفوظ میں ثابت ہیں اور اب بلند مرتبہ کا یہ معنی ہے کہ وہ اعمال ایسی جگہ لکھے ہوئے ہیں جو اس سے بلند ہے کہ کوئی شخص اس محفوظ میں ثابت

میں رو دہل کر سکے اور حکیم کا معنی ہے: وہ حکم ہے اس میں کوئی کی اور اضافہ نہیں ہو سکتا۔ لوح محفوظ میں حقوق کے اعمال کی جانے کی تفصیل اس حد تک میں ہے:

عبدالواحد بن سلیم کہتے ہیں کہ میں نے آیا تو میری ملاقات عطاء بن ابی رباح سے ہوئی میں نے ان سے کہا: اے ابوبکر! اہل بصرہ تقدیر کے متعلق بحث کرتے ہیں انہوں نے پوچھا: اے بیٹے اتم قرآن مجید پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں انہوں نے کہا: سورۃ الزخرف پڑھو جب میں نے یہ آیت پڑھی: "فَلَا تَكْفُرْ فِي الْآيَةِ الْكُتُبِ كُنْتُمْ لِقَائِهَا تَكْفُرُونَ" (الزخرف: ۳) تو انہوں نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ ام الکتاب کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے انہوں نے کہا: یہ وہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پہلے لکھا اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ فرعون اہل دوزخ سے ہے اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ "تَبَّتْ بَيْتُكَ آيَةُ الْكُتُبِ وَقَتَبَتْ"۔ عطاء کہتے ہیں کہ پھر حضرت عہاد بن الصامت رضی اللہ عنہ کے بیٹے ولید سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد نے موت کے وقت کیا وصیت کی تھی؟ اس نے کہا: انہوں نے مجھے بلا کر فرمایا: اے میرے بیٹے! اللہ سے ڈرو اور تم اس وقت تک اللہ سے نہیں ڈر سکو گے حتیٰ کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور بر خیر اور شر کے اللہ سے وابستہ ہونے پر ایمان لاؤ اگر تم اس کے خلاف عقیدہ پر سرگئے تو دوزخ میں داخل ہو گئے" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھو! اس نے کہا: کیا لکھو؟ فرمایا: تقدیر کو لکھو اور جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ اب تک ہونے والا ہے اس کو لکھو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۰ مسند احمد ج ۵ ص ۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لوح محفوظ تو ایک حکم کی یادداشت اور نوٹ بک ہے جس میں آدمی ضروری چیزیں لکھ لیتا ہے اور جب کوئی بات بھول جائے تو پھر اس میں دیکھ لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو عظام انشیوب ہے اور اس کے لیے کسی چیز کو بھولنا محال ہے پھر اس نے لوح محفوظ میں تمام چیزوں کو کیوں لکھا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو پتا چلتا جاتا ہے کہ دنیا میں کیا ہونے والا ہے پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کے مطابق حوادث واقع ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے متعلق ان کا ایمان اور تازہ ہو جاتا ہے نیز انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کرام بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کو غیب کا علم ہو جاتا ہے انبیاء علیہم السلام کے حق میں یہ معجزہ ہے اور اولیاء اللہ کے حق میں یہ کرامت ہے۔

اور چونکہ اس آیت کا ایک حمل یہ ہے کہ یہ قرآن کریم ہے اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید بھی لوح محفوظ میں ثابت ہے پھر اس کو آسمان دنیا کی طرف نقل کیا گیا پھر اس کو حسب ضرورت اور مصلحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل کیا گیا۔

کفار مکہ کی شقاوت اور ایذا رسانی

الزخرف: ۵ میں فرمایا: "تو کیا ہم اس وجہ سے تم کو صیحت کرنے سے اعراض کریں کہ تم حد سے گزرنے والے ہو؟" اس آیت میں "المنضرب" ہے اس کا معنی ہے: کیا ہم تم کو چھوڑ دیں اور اس میں "ذکر" کا لفظ ہے اس سے مراد ہے: وعظ اور نصیحت اور قرآن اور اس میں "مسرورین" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنے والے۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم تمہارے سامنے نیکی کا حکم نہ دیں اور نہ انی سے منع نہ کریں یا تمہارے کفر پر آخرت کے عذاب کا ذکر نہ کریں یا تمہارے سامنے قرآن مجید کی آیات کو نازل نہ کریں۔ محض اس لیے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو یعنی تمہارے حد سے گزرنے کی وجہ سے ہم قرآن مجید کے نزول کو اور جہیں صیحت کرنے کے سلیقے کو موقوف نہیں کریں گے۔

قائد نے کہا: اس امت کے پہلے لوگوں کے کہنے کی وجہ سے اگر اس قرآن کو اٹھایا جاتا تو یہ امت ہلاک ہو جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قرآن مجید کو بار بار نازل فرماتا رہا اور لگاتار پچیس سال تک انہیں اسلام کی طرف بلاتا رہا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زبردستی کرنے میں مبالغہ کیا ہے، یعنی کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تمہارے نصیحت سے بیزار ہونے کی وجہ سے ہم تمہیں نصیحت کرنا بند کر دیں گے، ہرگز نہیں، بلکہ ہم تمہیں دین کی طرف بلاتے رہیں گے اور تم پر اعمال صالحہ کو لازم کرتے رہیں گے اور تم کو یہ بتاتے رہیں گے کہ اگر تم نے نیک کام نہیں کیے یا نہ سے کاموں کا ارتکاب کیا تو تمہیں آخرت میں عذاب کا سامنا ہوگا۔

الزخرف: ۸-۶ میں فرمایا: ”اور ہم (تم سے) پہلے لوگوں میں کئی نبی بھیج چکے ہیں O اور ان کے پاس جو بھی نبی آتا تھا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے O سو ہم نے ان میں سے ان کو ہلاک کر دیا جن کی گرفت بہت سخت تھی اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے O“

یعنی مجبلی امتوں کا اپنے نبیوں کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو دین حق کی دعوت دیتے تھے اور ان سے فرماتے تھے کہ تم اللہ کی توحید پر اور ہماری نبوت پر ایمان لاؤ اور ان کی امتیں اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتی تھیں اور انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑاتی تھیں اور اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا کہ اگر کفار کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کی نبوت کا مذاق اڑاتے ہیں تو آپ اس سے طول خاطر نہ ہوں، یہ آپ کے ساتھ کوئی نیا معاملہ نہیں ہے، کیونکہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس پر جو مصیبت آئی ہے وہ دوسروں پر بھی آتی رہی ہے تو پھر اس کو وہ مصیبت اتنی شدید نہیں معلوم ہوتی۔

الزخرف: ۸ میں ”بطشاً“ کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو شدت سے پکڑنا یا کسی پر حملہ کر کے اس کو پکڑنا۔ نیز اس میں فرمایا ہے: اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے، یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ کئی مرتبہ گزر چکا ہے اور وہ قوم نوح، عاد، ثمود اور بنو اسرائیل وغیرہ ہیں۔

انسان کا ظلم اور اللہ تعالیٰ کا کرم

ان آیات میں یہ اشارہ ہے کہ انسان بہت ظالم اور جاہل ہے اور اللہ تعالیٰ بہت عظیم اور کریم ہے اور یہ اس کی ربوبیت کا فضل ہے کہ کفار اپنے مذموم اوصاف اور اپنے قبیح اخلاق کا بہت زیادہ اظہار کرتے ہیں اور انبیاء اور مرسلین کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کو بہت ایذا پہنچاتے ہیں، ان کا استہزاء کرتے ہیں، ان کو جسمانی آذیتیں پہنچاتے ہیں حتیٰ کہ ان کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے، اسی طرح وہ اولیاء کرام کو بھی آذیتیں دیتے ہیں، ان کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے رحم اور فضل کو منقطع نہیں کیا، ان کی طرف اپنے نبیوں کو مبعوث فرماتا رہا اور ان پر اپنی آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرماتا رہا اور ان کو اپنی طرف بلاتا رہا اور اپنی مغفرت اور اپنے غم سے ان کو نوازتا رہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب اور بے حد علم والا ہے O جس نے تمہارے لیے زمین کو (آرام کا) گہوارہ بنا دیا اور تمہارے لیے اس میں متعدد راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پا سکو O اور جس نے آسمان سے مہین مقدار میں پانی نازل کیا، پھر ہم نے اس سے مردہ شجر کو زندہ کر دیا، اسی طرح تم زندہ کر کے نکالے جاؤ گے O (الزخرف: ۹-۱۱)

انسان کی فطرت میں اللہ کی معرفت کا ہونا

یعنی اسے رسول مکرم! اگر آپ کفار مکہ سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو اور تمام اجرام علویہ اور سطحیہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور اعتراف کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ ان سب کو اس نے پیدا کیا ہے جو اپنے ملک میں اپنے حکم کو نافذ کرنے پر قادر ہے اور جو اپنی مخلوق کے تمام احوال کو جاننے والا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ "عَلَّيْهِمُ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ"۔ ان کو اس نے پیدا کیا ہے جو بہت غالب اور بے حد علم والا ہے۔ آیا کفار نے بعینہ یہ کہا تھا یا اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب کو اپنے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اس میں مفسرین کی دو رائیں ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ کفار ایسا فصیح و بلیغ کلام کہنے پر قادر نہیں ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے ان کے قول کو تعبیر کیا ہے اور یہی رائے برحق ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ انہوں نے اسی طرح کہا تھا جس طرح اللہ نے اس کو نقل فرمایا ہے۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت مرکوز ہے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا: کیوں نہیں! اس سے معلوم ہوا کہ سب انسانوں کی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید مرکوز ہے، لیکن اس دنیا میں اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو اپنی ذات کی طرف رہ نمائی کرتا ہے جنہوں نے اس معرفت کو سلاست رکھا ہے اور اس معرفت کو جہالت اندھی تقلید اور عناد سے ضائع نہیں کیا۔

الزخرف: ۱۰ میں فرمایا: "جس نے تمہارے لیے زمین کو (آرام کا) گہوارہ بنا دیا اور تمہارے لیے اس میں متحد راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پا سکو"۔

زمین کے پیدا کرنے میں بندوں کے لیے نعمتیں

اس کا معنی ہے کہ زمین کو تمہارے لیے پھیلا دیا تاکہ تم اس پر استقرار کر سکو اور زمین کو تمہارے لیے مسکن بنا دیا تاکہ تم اس پر بیٹھ سکو اور سو سکو اور تم اس پر اس طرح کروٹیں بدل سکو جس طرح تم اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے ہو اور اس زمین میں تمہارے لیے متحد راستے بنا دیئے تاکہ جب تم کسی جگہ سفر پر روانہ ہو تو سہولت سے اپنی منزل تلاش کر سکو اور اپنے مقاصد کو حاصل کر سکو۔

الزخرف: ۱۱ میں فرمایا: "اور جس نے آسمان سے معین مقدار میں پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے مردہ شجر کو زندہ کر دیا" اسی طرح تم زندہ کر کے نکالے جاؤ گے "۔

بارش نازل کرنے سے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر استدلال

اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے اتنی مقدار میں آسمان سے بارش نازل فرمائی ہے جس سے اس کے بندوں اور شجروں کو فائدہ پہنچے اور ان کو نقصان نہ ہو جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آسمان سے بہت سخت بارش نازل ہوئی تھی جس سے بہت مہیب طوفان آیا اور اس میں تمام کافر فرق ہو گئے اور عام اور غالب اوقات میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اتنی مقدار میں بارش نازل فرماتا ہے جس سے عام بندگان خدا اور مومن کا فائدہ اٹھا سکیں اور کبھی بہت زیادہ بارش ہوتی ہے جس سے دریاؤں میں سیلاب آ جاتے ہیں اور اس سے فصلوں کو نقصان پہنچتا ہے اور کئی شجر زیر آب آ جاتے ہیں بارش کا زیادہ ہونا طوفانوں کا باعث بنتا ہے اور اسی طرح کی اور قدرتی آفات دراصل بندوں کے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ فطرت

کے تازیانے ہیں جو ان کی اجتماعی کوتاہیوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے مسلسل روگردانی اور بغاوت کی وجہ سے ظہور میں آتی ہیں۔

اس آیت میں "انشرنا" کا لفظ ہے علامہ محمد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں: انشر کا معنی ہے: پکیزہ ہوا عورت کے منہ کی ہوا اور نیند کے بعد سانس چھوڑنا اور میت کو زندہ کرنا اور نشور اور انتشار کا معنی حیات ہے، شنگ گھاس پر گرمیوں میں جب بارش ہو اور وہ گھاس سرسبز ہو جائے تو اس کو بھی نشر کہتے ہیں۔ (القاموس الجدید ص ۳۸۲) مؤسسہ دارالحدیث ۱۳۳۳ھ) یعنی بارش کے پانی سے ہم نے زمین کو زندہ کر دیا اور جس طرح بارش کے پانی سے زمین زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قبروں سے مردوں کو نکال کر ان کو زندہ فرمائے گا۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے آسمان سے ہدایت کا پانی نازل کیا اور اس سے مردہ دل کے شہر کو زندہ کر دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ بندہ کو اس کے وجود کی زمین کے اندھیروں سے نکال کر اللہ کے نور کی طرف نکال کر لاتا ہے اور جب تک ہدایت کے پانی سے اس کے مردہ دل کو زندہ نہ کر دیا جائے اس وقت تک وہ اپنے وجود کی زمین کے اندھیروں سے نہیں نکل سکتا اور جس طرح جب تک زمین کے اندر دبے ہوئے بیج تک بارش کا پانی نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس میں روئیدگی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے اسی طرح جب تک ہدایت اور رشد سے بندہ کا دل زندہ نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ کے نور کا فیضان نہیں ہوتا۔

حسن بصری کی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کی باندی تھیں ایک دفعہ وہ کسی کام سے گئی ہوئیں تھیں۔ حسن بصری رو رہے تھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بھلانے کے لیے اپنا پستان مبارک ان کے منہ میں دے دیا وہ اس کو چوسنے لگیں اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں علم اور حکمت سے نوازا۔

(تہذیب الکمل ج ۳ ص ۲۹۷ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ نمبر ۱ ص ۴۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے پیدا کیے جن پر تم سوار ہوتے ہو O تاکہ تم ان کی ٹینگوں پر چم کر سوار ہو سکو پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر صعب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں O اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا جز قرار دے دیا ہے شگ انسان ضرور کھلا ہوا شکر ہے O (الزخرف ۱۵-۱۲)

ازواج کی تخلیق سے توحید پر استدلال

الزخرف ۱۲ میں فرمایا: "اور جس نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے" اس آیت کی تین تفسیریں کی گئی ہیں:

- (۱) سعید بن جبیر نے کہا: ازواج سے مراد اقسام ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی چیزوں کو پیدا فرمایا ہے۔
- (۲) ابن عباس نے کہا: اس سے مراد ہے: حیوانات میں سے مذکر اور مؤنث پر مشتمل جوڑے پیدا فرمائے۔
- (۳) حسن بصری نے کہا: ہر چیز کا اپنے مقابل سے مل کر ایک جوڑا ہے، جیسے سردی اور گرمی، رات اور دن، آسمان اور زمین، سورج اور چاند، جنت اور دوزخ وغیرہ۔

ایک چوتھی صورت بھی ہو سکتی ہے اور اس سے مراد انسانوں کے وہ احوال اور صفات ہیں جن میں وہ متخل ہوئے رہتے ہیں مثلاً خیر اور شر اور ایمان اور کفر، خوش حالی اور غم، دینی اور صحت اور بیماری وغیرہ۔ (الفتاویٰ دایمہ ج ۵ ص ۶۱۷ بیروت)

بعض محققین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسواہر چیز زوج ہے، کیونکہ کسی چیز کا زوج (جوڑا) ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ فی نفسہ ممکن ہے اور اس کے وجود سے پہلے اس کا عدم ہے اور اللہ سبحانہ فرد ہے وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا مساوی یا اس کا مقابل ہو اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ فرد ہے اور زوجیت سے منزہ ہے، علماء نے اس پر دلائل قائم کیے ہیں کہ فرد (خلاق) زوج (جوڑے) سے افضل ہے۔

(۱) کم سے کم زوج (جوڑا) دو ہے اور دو کا عدد دو وحدتوں سے حاصل ہوتا ہے، پس زوج اپنے تحقق میں فرد کا محتاج ہوتا ہے اور فرد اپنے تحقق میں زوج سے مستغنی ہوتا ہے اور مستغنی محتاج سے افضل ہوتا ہے۔

(۲) زوج دو مساوی قسموں میں بلا کر منقسم ہو جاتا ہے اور فرد بلا کر منقسم نہیں ہوتا اور تقسیم کو قبول کرنا افعال اور تاثر ہے اور تقسیم کو قبول نہ کرنا قوت شدت اور مقاومت ہے۔ پس فرد زوج سے افضل ہے۔

(۳) زوج کی دو قسمیں ذات صفت اور مقدار میں مساوی ہوں گی اور ایک قسم میں جو کمال اور خوبی ہوگی وہ دوسری قسم میں بھی ہوگی اور فرد چونکہ دو قسموں پر منقسم نہیں ہوگا اس لیے اس میں جو کمال اور خوبی ہوگی وہ بے نظیر اور بے مثال ہوگی اور جو کمال بے نظیر اور بے مثال ہو وہ اس کمال سے افضل ہے جس کی نظیر اور مثال بھی ہو لہذا فرد زوج سے افضل ہے۔

چوپایوں اور کشتیوں کی تخلیق سے توحید پر استدلال

اس کے بعد فرمایا: "اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو" O

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ توحید پر دلائل قائم فرما رہا ہے اور بندوں کو غفیس عطا فرماتا بھی توحید کی دلیل ہے، کیونکہ انسان اپنی تمدنی اور معاشی ضروریات کی وجہ سے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف سفر کرتا ہے اور یہ سفر فطرتی میں ہوتا ہے یا سمندر میں اور خشکی میں سفر کے لیے اس نے چوپائے مثلاً گھوڑے اور اونٹ وغیرہ پیدا کیے اور سمندری سفر کے لیے اس نے کشتیاں اور بحری جہاز پیدا کیے اور چونکہ تمام دنیا میں سفر کا یہی واحد نظام رائج ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا خالق بھی واحد ہے، کیونکہ نظام کی وحدت ناظم کے واحد ہونے کی دلیل ہے، ہر چند کہ سائنس کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے اب سفر کے اور ذرائع اور وسائل بھی حاصل ہو گئے ہیں جیسے ٹرین اور طیارے لیکن بنیادی طور پر سفر کے اب بھی یہی ذرائع اور وسائل ہیں خصوصاً سمندری سفر کا عام اور جہہ گیر ذریعہ اب بھی بحری جہاز ہی ہیں۔

الزخرف: ۱۳-۱۴ میں فرمایا: "تاکہ تم ان کی جنٹوں پر جم کر سوار ہو سکو" پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ اور تم یہ کہو کہ وہ ذات ہر صوب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں کر دیا اور تم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے O اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں O

سفر پر روانہ ہونے کے وقت سواری پر بیٹھنے کے بعد کی دعا

اس آیت میں فرمایا ہے: پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو نعمت کو یاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس نعمت کا اپنے دل میں ذکر کرو اور اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قافلہ کے لیے سمندر کو پیدا کیا اور ہواؤں کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو پیدا کیا جن سے تم کشتیاں اور جہاز بناتے ہو اور تمہارے دماغ میں ایسی سوچ اور فکر رکھی جس سے وہ جہاز بنا سکے اور ان تمام امور پر غور کرنے کے بعد ہر ایک کے دل میں بے اختیار یہ داعیہ اور باعث پیدا ہو کہ ایسے عظیم محسن کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

اور سواری پر سوار ہونے کے بعد یہ کہو کہ وہ ذات ہر صوب اور نقص سے پاک ہے جس نے اس سواری کو ہماری قدرت میں

کر دیا اور ہم از خود اس پر قادر ہونے والے نہیں تھے۔

عن علی الزدی عن ابن عمر عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا استوی علی بعرہ خارجا الی سفر کبر ثلاثا ثم قال سبحان الذی سخر لنا هذا وما کننا له مقرنین وانا الی ربنا لمقبلون اللهم نسئلك فی سفرنا هذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللهم هون علینا سفرنا هذا واطو عنا بعده اللهم انت الصاحب فی السفر والخليفة فی الاهل اللهم ابی اعوذ بک من وعشاء السفر وکسابة المنظر وسوء المنقلب فی المال والاهل واذا رجع قالهن وزاد فیهن اثیون ثانیون عابدون لربنا حامدون۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۷)

علی الزدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں سفر پر جانے کے لیے لوٹ پر سوار ہو جاتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے اور پھر یہ دعا پڑھتے: (ترجمہ:) سبحان ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے سخر کر دیا ہم اس کو سخر کرنے والے نہ تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا سوال کرتے ہیں اور ان کاموں کا سوال کرتے ہیں جن سے تو راضی ہو۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس سفر کو آسان کر دے اور اس کی مسافت تہہ کر دے اے اللہ! اپنی سفر میں توفیق ہمارا رفیقی ہے اور ہمارے گھر میں گھبرانے والے ہیں۔ اے اللہ! اس سفر کی تکلیفوں سے رنج و غم سے اور اپنے اہل اور مال سے بُرے انجام سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جب آپ سفر سے لوٹ کر آتے تب بھی یہ دعا پڑھتے اور ان میں اس کلمات کا اضافہ کرتے: ہم واپس آنے والے ہیں اللہ سے توبہ کرنے والے ہیں اس کی عبادت کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔

اس دعا کے بعد قرآن مجید میں مذکور اس دعا کو بھی پڑھے:

رَبِّی اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَکَلِّمْ نَبِیَّکَ خَیْرًا الْمُنْزِلِیْنَ ۝

(البقرہ: ۲۸)

اتارنے والا ہے ۝

سفر سے واپسی کی دعا

عن عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قفل من الجیوش او السرایا او الحج او العمرة اذا اوفی علی ثیبة او فدفد کبر تلقا ثم قال لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملك وله الحمد وهو علی کل شیء قدير۔ اثیون ثانیون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده۔ (جامع الترمذی سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر، حجاج یا عمرہ سے واپس آتے اور کسی ٹیلے یا ہوا میں میدان پر پہنچتے تو تین بار اللہ اکبر کہنے کے بعد فرماتے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لیے ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم لوٹ کر آنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں مجددہ کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور تمہارا تمام لشکروں کو شکست دی۔

جمال کا معنی اور مویثیوں کا جمال

ہر چند کہ سائنس کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے اب طیاروں، ٹرینوں، بسوں اور کامروں کے ذریعہ سفر ہوتا ہے اور پہلے زمانہ کی طرح اب اونٹوں، گھوڑوں اور غیروں پر سفر کرنا متروک ہو گیا ہے لیکن اب بھی دیہاتوں میں دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں اور ریگستانوں میں ان مویثیوں پر سفر کیا جاتا ہے اس لیے ہم مویثیوں کے بعض احکام بیان کر رہے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اٹھل: ۹ میں فرمایا: ”ان مویثیوں میں تمہارے لیے جمال ہے“ حدیث میں ہے: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم اللہ ۹۱) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ بہت زیادہ حسن کو جمال کہتے ہیں اور جمال کی وہ قسمیں ہیں: ایک جمال وہ ہے جو اس کے نفس یا اس کے بدن یا اس کے افعال میں ہو اور جمال کی دوسری قسم وہ حسن ہے جس کو وہ دوسروں تک پہنچانے کی حدیث میں جو ارشاد ہے: اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے اس میں بھی اس امر پر متنب کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں تک خبر اور خوبی کو پہنچاتا ہے اور ان ہی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو دوسرے لوگوں تک نیکوئی اور اچھائیوں کو پہنچائیں۔ (المفردات ج ۱ ص ۷۷ طبع مکتبہ مدنیہ)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: جس چیز سے حسن اور زیبائش حاصل ہو وہ جمال ہے اور جمال حسن کو کہتے ہیں ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جمال جسمانی بناوٹ اور صورت میں بھی ہوتا ہے اور اخلاق باللہ اور افعال میں بھی ہوتا ہے شکل و صورت کا جمال وہ ہے جس کو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور دل میں وہ صورت نقش ہو جاتی ہے اور اخلاق باللہ کا جمال یہ ہے کہ انسان کی صفات خوب صورت ہوں اس میں علم اور حکمت ہو عدل اور عفت (پاک دامن) ہو وہ قصہ ضبط کرتا ہو اور ہر شخص کے ساتھ اچھائی کرتا ہو اور افعال کا جمال یہ ہے کہ اس کے افعال سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہو اور وہ لوگوں کی مشعلتیں تلاش کرنے میں کوشاں رہتا ہو اور ان سے ضرر اور نقصان کو دور کرنے کے ذریعے رہتا ہو۔

مویثیوں کا جمال یہ ہے کہ ان کی جسمانی بناوٹ اور ان کی شکل و صورت دیکھنے میں اچھی لگتی ہو اور مویثیوں کی تعداد کا زیادہ ہونا بھی ان کے جمال میں داخل ہے کہ لوگ دیکھ کر یہ کہیں کہ یہ غلاں کے مویثی ہیں کیونکہ جب مویثی زیادہ تعداد میں اکٹھے ہو کر چنے چنے ہو تو اچھے لگتے ہیں اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اور ان میں تمہارے لیے حسن اور زیبائش ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو انہیں چرا گاہ میں چھوڑتے ہو۔“

بکریوں، گالیوں اور اونٹوں کے مقاصد اور وظائف و غلقت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور وہ چوپائے تمہارا سامان لاد کر اس شہر تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے خود نہیں پہنچ سکتے تھے۔“

اللہ سبحانہ نے مویثی پیدا کرنے کا باہم احسان فرمایا اور ان میں سے اونٹوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ وہ دوسرے جانوروں کی بہ نسبت بار برداری اور بوجھ اٹھانے کے زیادہ کام آتے ہیں بکریوں کا دودھ دیا جاتا ہے اور ان کو ذبح کر کے کھایا جاتا ہے اور بھیڑوں سے ان بھی حاصل کیا جاتا ہے اور ان کے چمڑے سے بہت کارآمد اور مفید چیزیں بنائی جاتی ہیں اور گائے اور بیلوں سے ان فوائد کے علاوہ ش بھی چلایا جاتا ہے اور اونٹنیوں سے ان کے علاوہ ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص گائے کو لے کر چار پاؤں تھا جس پر اس نے سامان لادا ہوا تھا گائے نے اس کی طرف مڑ کر کہا: میں اس لیے پیدا نہیں کی گئی لیکن میں مل چلانے کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔ لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! اور انہوں نے تعجب اور خوف سے کہا: کیا گائے نے کلام کیا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور ابو بکر

اور عمر اس پر ایمان لے آئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸) انس کبریٰ رقم الحدیث: ۱۷۳۳

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ گائے کو اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ اس کے اوپر سواری کی جائے یا اس پر سامان لادو جائے وہ صرف مل جلانے، نسل بڑھانے، اس کا دودھ پینے اور اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔
جانوروں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایت

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ موسیٰ بنیوں پر سواری کر کے سفر کرنا اور ان پر سامان لادنا جائز ہے، لیکن ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان پر سامان نہ لادو جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ بھی نرمی اور خلعت سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور ان کے چارہ اور دانہ کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم فصلوں کے سرسبز اور زرخیز ہونے کے زمانہ میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین کی پیداوار سے حصہ دو اور جب تم قطع کے ایام میں سفر کرو تو سفر جلدی طے کرو اور جب تم رات کے پچھلے حصہ میں ہو تو راستہ میں قیام کرنے سے احتراز کرو کیونکہ رات میں وہ زمین کیڑے مکوڑوں کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۳۶) انس کبریٰ رقم الحدیث: ۸۸۱۳

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ مسیب بن آدم بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا: حضرت عمر بن الخطاب نے ایک شتر بان کو مارا اور فرمایا: اونٹ پر اس کی خلعت سے زیادہ سامان نہ لادو کرو۔

جانوروں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ کسی جانور سے ساری عمر کام اور خدمت لیں اور جب وہ جانور بوڑھا ہو جائے اور کام کے قابل نہ رہے تو اس کی دیکھ بھال میں کمی نہ کریں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

عقل بن مرہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں تین چیزیں دیکھی ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا: میں آپ کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا آپ ایک عورت اور اس کے بیٹے کے پاس سے گزرے اس کے بیٹے پر جنون کی کیفیت تھی میں نے اس سے زیادہ جنون کسی میں نہیں دیکھا۔ اس عورت نے کہا: یا رسول اللہ! آپ میرے بیٹے کی حالت دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اس کے لیے دعا کروں آپ نے اس کے لیے دعا کی پھر وہاں سے چلے گئے آپ کے پاس سے ایک اونٹ گزرا وہ اپنی گردن دراز کر کے آپ سے بڑبڑا رہا تھا آپ نے فرمایا: اس اونٹ کے مالک کو لاؤ وہ آیا تو آپ نے فرمایا: یہ اونٹ کہہ رہا ہے: میں ان کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ مجھ سے کام لیتے رہے حتیٰ کہ اب جب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو یہ مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں پھر آپ چلے گئے آپ نے دو الگ الگ درخت دیکھے۔ آپ نے مجھ سے کہا: جاؤ ان درختوں سے جا کر کھو کہ آپس میں مل جائیں وہ درخت مل گئے آپ نے قضاء حاجت کی آپ نے مجھ سے فرمایا: ان درختوں سے کھو کہ پھر الگ الگ ہو جائیں پھر آپ چلے گئے جب وہاں اس بچہ کے پاس سے لوٹے تو وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اس کی ماں نے چھ مینڈھے مریا کیے تھے جس میں سے دو مینڈھے آپ کو ہدیہ کیے اور کہنے لگی کہ اس کے بچہ کو پھر جنون نہیں ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شيء الا يعلم اني رسول الله الا
كفرة الجن والناس۔
رسول ہوں۔

(الحکم الکبیر ج ۳ ص ۲۶۲، ۲۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
الترغف: ۱۵ میں فرمایا: "اور انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اس کا بڑا قرار دے دیا ہے شک انسان ضرور کھلا ہوا شکر

ہے "O

اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کو اللہ تعالیٰ کا جڑ یعنی اس کی اولاد قرار دے دیا۔ جیسے یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین نے کہا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عرب میں اولاد کے اوپر جڑ کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت مسور بن عذرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر فرمایا: بنو ہشام بن العلیہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دیں میں (اس کی) اجازت نہیں دیتا میں پھر اجازت نہیں دیتا میں پھر اجازت نہیں دیتا سوا اس کے کہ علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور وہ ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں کیونکہ فاطمہ میرے جسم کا جڑ ہے جو چڑھ کر اس کو ازیت دے وہ مجھ کو ازیت دیتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۸۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۶۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۹۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸ السنن الکبریٰ للبیہقی رقم الحدیث: ۸۳۷۰)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مشرکین نے جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود مان لیے تو انہوں نے تمام بندوں کو اللہ کے لیے نہیں مانا بلکہ انہوں نے کہا کہ بعض بندے ان کے خود ساختہ معبودوں کے ہیں اور بعض بندے اللہ کے ہیں گویا اللہ کے بندوں کا ایک جڑ یا ایک حصہ تو اللہ کے لیے ہے اور باقی جڑ ان کے خود ساختہ خداؤں کا ہے۔

أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَدْنًا وَآصَفَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ وَإِذَا ابْشَرَ

تو کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں بنا لیں اور تمہارے لیے بیٹے منتخب کر دیے O حالانکہ ان میں سے کسی کو

أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ

جب اس کی بشارت دی جائے جس کے ساتھ اس نے رحمن کو متصف کیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ چٹا

كَبِيمٌ ۚ أَوْ مَنْ يُنشِئُوا فِي الْحَلِيِّ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۝۱۸

رہتا ہے O اور کیا وہ جو زیورات میں بچی ہو اور دورانِ بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے (دو لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟) O

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبْدُ الرَّحْمَنِ إِنَاكًا أَشْهَدُوا خَلْقَهُمْ

اور انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا جو رحمن کے بندے ہیں کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے وقت گواہ تھے ان کی

سَكَّتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيَسْأَلُونَ ۚ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا

یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور معترب اس کے حلق باز پرس ہوگی O اور انہوں نے کہا: اگر رحمن چاہتا تو ہم ان کی عبادت

عِبَادُهُمْ مَا لَكُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝۱۹ أَمْ آتَيْنَاهُمْ

نہ کرتے انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ محض اٹکل بچے سے باتیں کرتے ہیں O کیا ہم نے اس سے

کِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَم بِهِ مُسْتَسْكُونَ ﴿۲۶﴾ بَلْ قَالُوا لَآ آتَاكَ وَجَدَنَا آبَاءُ نَّآ

پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کو یہ مضبوطی سے قلمبند ہوئے ہیں O نہیں! بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا

عَلَىٰ أُمَمٍ قَدْ آتَاكَ عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿۲۷﴾ وَكَذٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن

کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں O اور اسی طرح ہم نے

قَبْلِكَ فِي قَرِيَةٍ مِّنْ تَذِيرٍ ۖ لَّا قَال مُّتَرَفِعُوهُآ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءُ نَّآ

آپ سے پہلے جس بستی میں بھی کوئی عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے

عَلَىٰ أُمَمٍ قَدْ آتَاكَ عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿۲۸﴾ قُلْ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ

باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات کی پیروی کرنے والے ہیں O (اس نے کہا: خواہ

بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءُكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ

میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے انہوں نے کہا: جس دین کو دے کر

كُفْرُونَ ﴿۲۹﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَنْظِرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿۳۰﴾

تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا سو دیکھئے کھذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں بنا کیں اور تمہارے لیے بیٹے منتخب کر دیئے O

حالانکہ ان میں سے کسی کو جب اس کی بشارت دی جائے جس کے ساتھ اس نے جنس کو متصف کیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا

ہے اور وہ غصہ چٹا رہتا ہے O اور کیا وہ جو زیورات میں ملتی ہو اور دوران بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے (وہ لڑکی اللہ کی اولاد

ہو سکتی ہے؟) O (الزمر: ۱۸-۱۶)

اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیوں کا ہونا محال ہے

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان شرکین کا رد فرمایا ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے اور اس رو کے دو حصے

ہیں: ایک حصہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا مطلقاً محال ہے کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ واجب

اور قدیم ہے اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوگی اور اولاد والد سے مؤخر ہوتی ہے اور واجب اور قدیم کسی چیز

سے مؤخر نہیں ہو سکتا جو مؤخر ہو وہ حادث اور ممکن ہوتا ہے نیز اس صورت میں تعدد وجہ لازم آئیں گے اور یہ بھی محال ہے نیز

والد کا جز ہوتا ہے اور اس سے منفصل ہوتا ہے پس اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہو تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ذوا جزاء ہو اور پہلے

اس سے کوئی جز متصل ہو اور پھر متصل ہو جائے اور جس چیز کے اجزاء ہوں اور وہ اتصال اور انفصال کا مکمل ہو وہ مرکب ہوتا

ہے پس اللہ تعالیٰ کا مرکب ہونا لازم آئے گا اور ہر مرکب حادث اور ممکن ہوتا ہے پس اگر اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مانی جائے تو

اس کا حادث اور ممکن ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے، پس اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا بھی محال ہے۔

اور اس دلیل کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اگر بہ فرض محال اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا ممکن ہو تب بھی اس کے لیے بیٹیوں کا ہونا محال ہے، کیونکہ بیٹیوں سے افضل ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیاں بنائی ہوں اور مخلوق کے لیے بیٹے بنائے ہوں تو لازم آئے گا کہ مخلوق خالق سے افضل ہو اور یہ بدابہت عقل کے نزدیک محال ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ الْكَافِرُ ۝ وَلَوْ كُنْتَ فَاهِمًا لَّابْتِغَايَٰنَا مِثْلَ مَا نَبِغِي ۝

(انجم ۲۲) ہوں، یہ تو بہت ظالمانہ تعظیم ہے

عورتوں کے ناقص ہونے کی وجہ

الزخرف: ۷۸ میں فرمایا: ”حالانکہ ان میں سے کسی کو جب اس کی بشارت دی جائے جس کے ساتھ اس نے رخصت کو متصف کیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پھارتا ہے“
اس آیت میں بھی بیٹیوں کی کمی اور ان کا نقص بیان فرمایا ہے کہ جیسے ہی کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، بعض اوقات وہ اپنا گھر چھوڑ کر نکل جاتا ہے اور بعض اوقات وہ بیٹی کو زندہ درگور کر دیتا ہے، وہ اس میں عار محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا رشتہ دے اور کسی کو اپنا داماد بنائے، وہ سمجھتا ہے کہ بیٹی کی وجہ سے اس کا سر ہمیشہ جھکا ہوا رہے گا، پھر بیٹی کے ناقص ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے:

الزخرف: ۱۸ میں فرمایا: ”اور کیا وہ جو زیورات میں چلتی ہو اور دوران بحث اپنا موقف واضح نہ کر سکے (وہ لڑکی اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے؟)“

عورت کے ناقص اقلیت ہونے پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر پڑھانے کے لیے عید گاہ میں گئے، آپ کا عورتوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: اے عورتوں کے گروہ! اصدق کیا کرو؟ کیونکہ مجھے تمہاری بڑی تعداد و وزخ میں دکھائی گئی ہے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: میں نے تم سے زیادہ کوئی ناقص عقل اور ناقص دین ایسی نہیں دیکھی جو کسی ہوشیار مرد و حاذق کی عقل کو سلب کرنے والی ہو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے دین کا نقصان کیا ہے اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کی محض ہے، انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورت کی عقل کا نقصان اور اس کی کمی ہے اور کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کی ماہواری کے ایام ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے، انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ اس کے دین کا نقصان اور اس کی کمی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰۰۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۹ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۶-۱۵۵۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۰۳ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۹)

الزخرف: ۱۸ میں فرمایا ہے کہ عورت اپنے موقف کو وضاحت سے نہیں بیان کر سکتی، حالانکہ بعض عورتیں بہت ذہین ہوتی ہیں اور بہت فصاحت اور بلاغت سے اپنا موقف بیان کرتی ہیں اور بحث مباحثہ میں غالب رہتی ہیں، اُخف نے کہا: میں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے خطبات سے ہیں لیکن اللہ کی قسم! میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو بلیغ نہیں پایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گفتگو کے جس دروازہ کو حضرت عائشہ نے بند کر دیا ہو اس دروازہ کو ان کے سوا اور کوئی نہیں کھول سکا اور جب ایک مجلس میں حضرت عائشہ نے حضرت زب کو لا جواب

کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ابو بکر کی بیٹی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۴۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت ذہین ہیں اور ان کی فصاحت و بلاغت بہت قوی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے تمام عورتوں کے حلقے میں نہیں فرمایا کہ وہ اپنا موقف وضاحت سے نہیں بیان کر سکتیں بلکہ یہ حکم اکثر عورتوں کے حلقے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا جو رخصت کے بندے ہیں کیا یہ لوگ ان کی پیداوار کے وقت گواہ تھے ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور عقرب اس کے حلقے باز پرس ہوگی اور انہوں نے کہا: اگر رخصت چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ محض نکل بچے سے باتیں کرتے ہیں O کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کو یہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں O نہیں! بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں O (الزحرف: ۱۹-۲۲)

کفار کے اس قول کا رد کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں

اس آیت میں فرشتوں کے حلقے فرمایا ہے: جو رخصت کے بندے ہیں اس میں کفار کا رد ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ رخصت کے بندے ہیں اور جو بیٹیاں ہیں وہ اس کو غلام یا باندی نہیں بنایا جاسکتا اگر کوئی شخص ناواہی میں کسی غلام یا باندی کو خریدے اور بعد میں پتا چلے کہ وہ اس کا بیٹا یا بیٹی ہے تو وہ فوراً آزاد ہو جائے گا اس لیے کفار کا فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہنا غلط ہے کیونکہ درحقیقت وہ اللہ کے بندے ہیں۔

دوسرا رد یہ ہے کہ فرشتے اللہ کے پاس ہیں نہ کہ کفار کے پاس پھر ان کو کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم نے یہ بات اپنے باپ دادا سے سنی ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اس قول میں جھوٹے نہیں ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے اس شہادت کے متعلق آخرت میں سوال کیا جائے گا۔ (المائتہ الاحکام القرآن ج ۲ ص ۶۸-۶۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے

الزحرف: ۲۰ میں فرمایا: اور انہوں نے کہا: اگر رحمان چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ محض نکل بچے سے باتیں کرتے ہیں O

مشرکین نے اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ بات کہی اللہ تعالیٰ کسی انسان کو جبراً عبادت یافتہ بنانا نہیں چاہتا اگر وہ جبراً عبادت یافتہ بنانا چاہتا تو تمام انسانوں کو عبادت یافتہ بنا دیتا قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ عَلَىٰ الْهُدَىٰ (الانعام: ۳۵)

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر متوجہ کر دیتا۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (الاعراف: ۱۸۰)

اور اگر اللہ چاہتا تو ہم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا مَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (الانعام: ۱۰۸)

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کے لوہے نگران نہیں بنایا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ الْمَنَ فِي الْأَرْضِ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذِرَنَّهُمْ
جَمِيعًا (نہیں ۹۹)

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے لوگوں میں سے
سب کے سب ایمان لے آتے۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ تھا کہ اگر وہ جبر اہدایت دیتے چاہتا تو سب کو ہدایت یافتہ بنا دیتا یہ چیز اللہ تعالیٰ کی
قدرت میں تو ہے لیکن اس کی حکمت میں نہیں ہے اس کی حکمت کا خشاء یہ تھا کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں اس نے تمام
انسانوں کو اختیار دیا ہے اور جو انسان جس چیز کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس چیز کو پیدا کر دیتا ہے وہ ایمان کو اختیار
کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے ایمان کو پیدا کر دیتا ہے اور اگر وہ کفر کو اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کفر کو پیدا کر دیتا ہے تو یہ کفار
بھی اگر ایمان کو اختیار کرتے اور ایمان لانے کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایمان کو پیدا کر دیتا اس لیے آخرت میں ان
کا یہ قول غلط اور باطل ہے کہ اگر رحمان چاہتا تو ہم جنوں کی عبادت نہ کرتے کیونکہ رحمان کی وجہ ازواج و موہبن بنانا نہیں چاہتا۔

معتزلہ کا جبر یہ پر اعتراض اور امام رازی کا جبر یہ کی طرف سے جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ آیت جبر یہ کے قول کے فساد پر دلالت کرتی ہے جبر یہ یہ کہتے ہیں کہ
ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا ہے اور اس آیت میں مذکور ہے کہ کفار نے کہا: اگر رحمان چاہتا تو ہم جنوں کی عبادت نہ
کرتے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ ان کو کچھ علم نہیں ہے وہ صرف اہل بکچ سے باتیں کرتے ہیں اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ
گویا کفار نے کہا: ہم نے اللہ کے چاہنے اور اس کے ارادہ کی وجہ سے جنوں کی عبادت کی اور یہی جبر یہ کا مذہب ہے پھر اللہ تعالیٰ
نے ان کے اس قول کو صراحتاً رد کر دیا کہ ان کو کچھ علم نہیں ہے وہ محض اہل بکچ سے باتیں کر رہے ہیں لہذا جبر یہ کا مسلک باطل
ہو گیا۔ اس آیت کی تفسیر سورۃ الانعام کی یہ آیت ہے:

سَيَحْمِلُونَ الْيَدِينَ أَتَشَاءُ اللَّهُ مَا أَفْرَكْنَا
وَلَا آتَاكَ مَا كُنَّا نَعْمَدُ مِنْ شَيْءٍ يَكْذِبُ كَذِبَ الْيَدِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ يَذْهَبُوا بِسَلْسَلَةٍ مِّمَّنْ هَلْ يَبْعَثُكُمْ فِتْنًا
عَلَيْكُمْ فَلْيَبْصُرُوا لَنَا إِنَّا نَنْتَقِمُونَ إِلَّا الظَّنُّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا
تَتَخَفُونَ (الانعام ۱۲۹)

مترجم شرکین یہ کہیں گے: اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک
کرتے نہ ہمارے باپ و اماں شرک کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام
قرار دیتے اسی طرح ان سے پہلوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جی جی کر
انہوں نے ہمارے مذاہب کا مزاج چھو لیا آپ کیسے کیا ہمارے
پاس اس کی کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے سامنے لاؤ تم لوگ
صرف اپنے گمان کی جڑی کر رہے ہو اور تم محض اہل بکچ سے
باتیں کر رہے ہو

امام رازی فرماتے ہیں: معتزلہ کے اس اعتراض کا براہِ حق جواب وہ ہے جس کو ہم نے سورۃ الانعام کی تفسیر میں ذکر کیا ہے
اور وہ یہ ہے کہ کفار نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کفر کا ارادہ کیا اور جب اس نے ان سے کفر کا ارادہ کیا تو اب اس کا ان کو
ایمان لانے کا امر کرنا اور ایمان لانے کا حکم دینا جائز نہیں اور کفار کا اعتقاد یہ تھا کہ امر اور ارادہ کو مطابقت ہونا چاہیے اور ہمارے
نزدیک کفار کا یہ استدلال باطل ہے ہمیں کفار صرف اس وجہ سے مذمت کے مستحق نہیں ہوئے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ
کا فر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے بلکہ وہ اس وجہ سے مذمت کے مستحق ہوئے کہ انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے ان سے کفر کا ارادہ
کر لیا تو اب ان کو ایمان لانے کا حکم دینا اس کے لیے صحیح ہے اور جائز نہیں ہے اور جب ہم نے کفار کی مذمت کرنے کو اس
طرف راجع کیا تو اب معتزلہ کا جبر یہ پر جو اعتراض تھا وہ ساقط ہو گیا اور اس کی پوری تفسیر سورۃ الانعام میں ہے۔

جبر یہ کی حمایت میں سورۃ الانعام کی تقریر

سورۃ الانعام میں امام رازی نے جو تقریر کی ہے وہ اس طرح ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے یہ حکایت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے باطل ہونے پر استدلال کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ان کا استدلال باطل اور قاسد ہے کفار کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اگر تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہوتے ہیں تو پھر انسانوں کو احکام شرعیہ سے مکلف کرنا عبث ہوگا اور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنا بھی بے فائدہ ہوگا کیونکہ جب سب کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور اس کے ارادہ سے ہو رہے ہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام تبلیغ کریں یا نہ کریں لوگ وہی عمل کریں گے جو اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر انبیاء علیہم السلام کا دعویٰ نبوت کرنا باطل ہوگا۔ بلکہ ان کی نبوت اور رسالت بھی باطل ہوگی پھر اللہ تعالیٰ نے یہ باطل فرمایا کہ کفار کا اس طریقہ سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو باطل کرنا بھلائے خود باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ معبود ہے وہ جو چاہے کرے اور جس چیز کا ارادہ کرے وہ حکم دے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا کفر سے کفر کا ارادہ کرتا ہے اس کے باوجود وہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے اور کافر کو ایمان لانے کا حکم دیتا ہے اور ارادہ کے خلاف حکم دینا مستحسن نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے استدلال کر کے انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو باطل کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ان کا استدلال باطل اور قاسد ہے کیونکہ تمام کاموں کا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہونا انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو باطل نہیں کرتا پس معتزل کا جبر یہ کے خلاف استدلال ساقط ہو گیا۔

(تفسیر کبرج ص ۲۲۷-۲۲۸ ملاحظہ فرمادیں) دارالحدیث و الفکر العربی بیروت ۱۴۱۵ھ

جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل

اس کے بعد امام رازی اسی بحث میں یہ فرماتے ہیں:

پس ثابت ہو گیا کہ ظاہر قرآن اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کفر سے ایمان کا ارادہ نہیں کرتا اور عقلی دلیل بھی اسی پر دلالت کرتی ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کفار کو جبراً مومن بنا دیتا تو یہ کئی وجہ سے باطل ہے:

(۱) ہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ ہدایت دینا چاہتا تو ہم کو ہدایت دے دیتا اور تم یہ کہتے ہو کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو ہم کو ہدایت دے دیتا سو تم اس آیت کا معنی کرنے کے لیے اس میں جبراً کا لفظ محذوف مانتے ہو لہذا تمہارا کیا ہوا معنی مروج ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا کفر کے ایمان اختیار کا ارادہ کرتا ہے اور جبر سے جو ایمان حاصل ہوگا وہ ایمان غیر اختیاری ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے اور اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مراد کے حصول پر قادر نہیں ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا عاجز ہونا لازم آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مراد ایمان اختیار ہے اور وہ اس کو حاصل کرنے پر قادر نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ کے جبر کا قول کرنا لازم ہوگا۔

(۳) اس بحث کا سمجھنا اس پر متوقف ہے کہ ایمان والا اختیار اور ایمان بالجبر کے درمیان فرق کیا جائے اور متکلمین نے ان کے درمیان جو فرق کیا وہ یہ ہے کہ ایمان والا اختیار کے لیے بندہ کے دل میں ایمان کے داعی اور محرک کا ہونا ضروری ہے

اور یہ دانی اور محرک یا تو اس حیثیت سے ہوگا کہ اس کے بعد ایمان کا حصول واجب اور ضروری ہوگا یا اس واسطے کے بعد ایمان کا حصول واجب نہیں ہوگا۔ اگر اس دانی کے بعد ایمان کا حصول واجب نہیں ہے تو اس دانی اور محرک کے بعد بھی ایمان حاصل ہوگا اور بھی ایمان حاصل نہیں ہوگا۔ پھر ایمان کے حصول کے لیے ایک اور دانی اور محرک کے وجود کو فرض کرنا پڑے گا اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور اگر اس دانی اور محرک کے بعد ایمان کا حصول واجب ہو تو پھر وہ دانی اور محرک اختیاری نہیں رہے گا بلکہ واجب اور ضروری ہو جائے گا اور محکمین نے جو دانی ضروری اور دانی اختیاری میں فرق کیا ہے وہ فرق باطل ہو جائے گا۔ (تیسرے کیرج ۶۷۵، علامہ امدادیہ، لکھنؤ، مصری، تیرت ۱۳۱۵ھ)

انسانوں کے لیے اختیار کے ثبوت میں مصنف کی تقریر

اس مقام پر تین چیزیں ہیں: ایک حیثیت ہے دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور تیسری چیز اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت راضی ہوتا ہے جب اس کے امر اور اس کے حکم پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی حیثیت اور اس کا ارادہ اس کی رضا اور اس کے حکم سے عام ہے۔

اس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حیثیت اور اس کے ارادہ سے ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز سے راضی نہیں ہوتا اور نہ ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

جہاں تک انسانوں کے افعال کا تعلق ہے انسانوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ انسان کے اسی فعل کو پیدا کرتا ہے جس فعل کو انسان خود اختیار کرتا ہے اور اسی اختیار کی بناء پر اس کو جزاء اور سزا دی جاتی ہے اگر انسان کو اختیار نہ دیا گیا ہوتا تو پھر رسولوں کو بھیجا، حساب اور کتاب لیتا، میزان قائم کرتا، جزاء اور سزا دینا یہ تمام امور عبث اور بے کار ہو جائیں گے۔ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں اس پر دلیل ہے کہ انسان کو اچھے اور بُرے کاموں اور ایمان اور کفر کا اختیار دیا گیا ہے اور اس کے نیک کاموں پر اس کو جزاء ملے گی اور بُرے کاموں پر دوزخ کا سزا کا مستحق ہوگا۔

وَلِكُلِّس وَنَمَاسُوهَا ۖ لِيَاْمَهَا فَيُؤْمِرَهَا وَكَفَوْنَهَا ۚ
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (الحج ۱۰-۹)

خمس میں اس کی نگرانی اور بھلائی کا اور اک پیدا کر دیا جس نے
خمس کو (گناہوں سے) پاک رکھا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے
خمس کو ضائع کر دیا وہ ناکام ہو گیا

اگر انسان کے نیک کام کرنے یا بُرے کام کرنے میں اس کا کوئی دخل اور اختیار نہ ہو تو یہ آیات عبث قرار پائیں گی۔
اَلَمْ تَجْعَلْ لَّنَا عِثْنَ ۚ فَاِنْ كُنَّا سَاۡوِيًّا وَكَفَّيْنٰ وَكَفَّيْنٰ
التَّجْدِيۡنِ ۙ (الجمہ ۱۰-۹)

کیا ہم نے انسان کی دو آنکھیں نہیں بنائیں اور زبان
اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور کیا ہم نے اس کو (نیک اور بُری کے)
دونوں راستے نہیں دکھائے

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ
لَا يُفْتَنُوْنَ ۙ (البقرہ ۲۰-۲۱)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ کہیں گے کہ ہم ایمان
لے آئے ہیں اور ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش نہیں کی
جائے گی

اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف فرماتا

ہے۔

اور کسی بھی شخص کو مکلف کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام کا مکلف کیا ہے وہ اس کے احکام پر عمل کریں گے تو ان کو اجر و ثواب ملے گا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کو اس کی سزا ملے گی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور درختوں کو اختیار نہیں دیا تو ان کو اپنے احکام کا مکلف بھی نہیں فرمایا اور انسانوں کو اختیار دیا ہے تو ان کو مکلف بھی فرمایا ہے۔

انسان کے ہاں اختیار ہونے کی واضح مثال یہ ہے کہ جو انسان رعشہ میں جھکا ہوتا ہے وہ چاہے نہ چاہے اس کے ہاتھ حرکت کرتے رہتے ہیں اور لرزتے اور کپکپاتے رہتے ہیں اور تندرست انسان اپنے اختیار سے اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتا ہے اسی طرح جس انسان کے ہاتھوں پر فاق ہو اس کے ہاتھ ساکت رہتے ہیں وہ اپنے اختیار سے اپنے ہاتھوں کو حرکت نہیں دے سکتا اور تندرست انسان کا معاملہ اس طرح نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی مذکورہ الصدر آیات اور عقلی دلائل سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نیک اور بد افعال کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے اور وہ جس فعل کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور انسانوں کو عبادات کی طرح بے اختیار اور مجبور پیدا نہیں فرمایا اور اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ جبر کی حمایت میں امام رازی کا یہ فرمانا درست نہیں ہے کہ کافر کے کفر کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اور اس کے چاہنے سے کافر کفر کرتا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ کافر کفر کو اختیار کرتا ہے اور کفر کا ارادہ اور کسب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اختیار اور ارادہ کے مطابق کفر کو پیدا کرتا ہے پس کفر کا کاسب کافر ہے اور کفر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور تمام اعمال کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے لیکن ایمان اور اعمال صالحہ کے خلق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے اور کفر اور فسق کے خلق کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کرنی چاہیے۔ اگرچہ دونوں کو اللہ تعالیٰ ہی خلق کرتا ہے۔

جبر یہ کی حمایت میں امام رازی کے عقلی دلائل کے جوابات

اب ہم امام رازی کے عقلی دلائل کا جائزہ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿لَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (الانعام: ۱۳۸) پس اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا

ہم کہتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا امام رازی فرماتے ہیں: تم اس میں جبراً کالفاظ محذوف مانتے ہو اور ہم اس میں جبراً کالفاظ محذوف نہیں مانتے اور جو معنی بغیر حذف مانے کیا جائے وہ بہتر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ بعض اوقات قرآن مجید کی کسی آیت میں کوئی لفظ محذوف ہوتا ہے اور جب تک اس لفظ کو محذوف نہ مانا جائے تو معنی صحیح نہیں بنتا جیسے فرمایا ہے: ﴿وَسَوَّلَ الْقُرْآنُ﴾ (سہ: ۸۳) آپ اس ہستی سے سوال کیجئے یعنی ہستی والوں سے۔ امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یہاں مراد ہے: اھل قلوبہ (ہستی والوں) سے سوال کیجئے اور یہاں اختصار کی بناء پر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے اور مجازی یہ قسم لغت عرب میں مشہور ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۹۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۶۵ھ) سو اسی طرح الانعام: ۱۳۹ میں جبراً کالفاظ محذوف ہے اور نہ ان تمام آیات کا خلاف لازم آئے گا جن میں انسان کے لیے اختیار ثابت فرمایا ہے۔

امام رازی کی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان اختیار کی کارادہ کرتا ہے اور جبر سے جو ایمان حاصل ہوگا

وہ غیر اختیاری ہوگا اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مراد کے حصول پر قادر نہ ہو اور عاجز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مراد ایمان اختیار ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ایمان بالاختیار اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے کہ بندے اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اور وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہوتا قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَزِيدُ فِي كِبَارِهِ إِلَّا لَكُمْ (الزمر: ۷)

اللہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہوتا۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد حاصل نہ ہو البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی رضا حاصل نہ ہو۔

امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ ایمان اختیاری داعیہ جازمہ اور ارادہ لازمہ پر موقوف ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اس داعی اور محرک سے کیا مراد ہے اللہ کے لیے داعی اور محرک ہو تو یہ صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے افعال کے لیے کسی داعی اور محرک کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مخلوق کا داعی اور اس کا ارادہ جازمہ مراد ہے تو مخلوق اپنے افعال کی خالق نہیں ہے وہ صرف اپنے افعال کی کاسب ہے اور کاسب کا معنی ہے: ارادہ کرنا مخلوق جس فعل کا ارادہ کرتی ہے اللہ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے اس کے لیے ایسے داعیہ جازمہ اور ارادہ لازمہ کی ضرورت نہیں ہے جس کے بعد فعل کا حصول واجب ہو کیونکہ یہ علت تامہ کی شان ہے اور مخلوق اپنے افعال کے لیے علت تامہ نہیں ہے وہ صرف کاسب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ”فَلْيُشَآءْ لَكُمْ تَجَمُّعُكُمْ“ کا یہی معنی ہے کہ اگر اللہ جبراً ہدایت دینا چاہتا تو ہم سب کو ہدایت دے دیتا لیکن اللہ انسانوں کو جبراً ہدایت دینا نہیں چاہتا کیونکہ اس نے انسان کو قائل عطا کر دیا ہے اور اس کی رضا اس میں ہے کہ انسان اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں اس آیت کی تفسیر میں مفتکوطیل ہو گئی لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ جبریہ کی تائید میں جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے اس کا مکمل جواب آ جائے۔

”مستمسکون“ کا معنی

الترغی: ۲۱ میں فرمایا: ”کیا ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کو یہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں“ یعنی نزول قرآن سے پہلے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو ایمان کی دعوت دینے سے پہلے کیا ہم نے ان کو ایسی کوئی کتاب دی تھی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جن کی عبادت کرنا برحق ہے یا فرشتے اللہ تعالیٰ کی ریشیاں ہیں تو وہ اس کتاب سے استدلال کر کے یا اس پر اعتماد کر کے جن کی عبادت کر رہے ہیں یا فرشتوں کو اللہ کی ریشیاں کہہ رہے ہیں۔

اس آیت میں ”مستمسکون“ کا لفظ ہے اس کا مصدر استمسک ہے اور اس کا مادہ مسک ہے مستمسکون کا معنی ہے: چنگل سے پکڑنے والے اور اس سے مراد ہے: استدلال کرنے والے اور کسی چیز سے سند لانے والے مسک میں رکنے یا روکنے کا معنی ہوتا ہے مسکے کا معنی ہے: پانی رکنے کی جگہ مسک کا معنی ہے: کچھو یعنی مال کو روکنے والا اس کا معنی ہے: رکنا بند رکنا مسک کا معنی ہے: بچہ میں پکڑنا اور استمسک کا معنی ہے: مضبوطی سے پکڑنا سند لانا استدلال کرنا۔

(القاموس المحیط ص ۹۵۳ مؤسسۃ الرسالہ ۱۴۲۲ھ)

امت کے معانی

الترغی: ۲۲ میں فرمایا: ”انہیں بلکہ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں کے نشانات پر چل کر ہدایت پانے والے ہیں“

اس آیت میں امت کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے دین کیا ہے۔

کی خواہشوں کے موافق ہوں اور جو آیات ان کی خواہشوں کے خلاف ہوں ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور ایسی صورت میں وہ قرآن کی بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں اور اس چیز کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں جو ان کو بغیر محنت کے حاصل ہو جائے تو وہ ان کی تقدیر ہو یا رزق مقسوم ہو اور اس چیز کے حصول کے لیے کوشش نہیں کرتے جس میں محنت کرنی پڑتی ہے جو کہ آخرت میں ان کی دافتر جہاں ہے اور ان کا وہ شکر ہے جس پر اجر ملتا ہے اور یہ وہ تجارت ہے جس میں گھانا نہیں ہے۔

(المکرم رقم اللہ: ۳۳۳۰ حافظہ الہی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی عین بن جابر کا ضعیف ہے، مجمع الزوائد رقم اللہ: ۱۷۷۰۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص پر بھی دنیا کھول دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لیے بغض اور عداوت ڈال دیتا ہے حضرت عمر نے کہا: میں اس سے ڈرتا ہوں۔ (مسند احمد رقم اللہ: ۳۳۰۳ مسند ابیہ رقم اللہ: ۳۶۰۹ نام بزار کی سند میں ابن مسعود کا ضعیف راوی ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر فخر کا خطرہ نہیں ہے لیکن مجھے تم پر مال کی کثرت کا خوف ہے اور مجھے تم پر خطاء کا خطرہ نہیں ہے لیکن مجھے تم پر عہد کا خطرہ ہے۔

(مسند احمد رقم اللہ: ۸۰۶۰ حافظہ الہی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، مجمع الزوائد رقم اللہ: ۱۷۷۰۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں کو صرف دنیا اور دوزخ ہی ملے جہاں کر دیا اور یہ تم کو بھی ملنا شروع کرنے والے ہیں۔

(مسند ابیہ رقم اللہ: ۳۷۳۳ علیہ السلام رقم ۱۰۲۸ نام بزار کی سند صحیحہ ہے۔ جامع المسانید والسنن مسند ابن مسعود رقم اللہ: ۵۵۸) الزخرف: ۳۵-۳۴ میں فرمایا: ”(اس نبی نے) کہا: خواہ میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے انہوں نے کہا: جس دین کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O پھر ہم نے ان سے انتقام لیا“ سو دیکھئے تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا“ ”اھدی“ کے معنی میں مترجمین کی آراء

اس آیت میں ”اھدی“ کا لفظ ہے اور یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: زیادہ ہدایت دینے والا اسی لیے مترجمین نے اس کا معنی اسم تفضیل کے اعتبار سے کیا ہے۔

شیخ محمود حسن دہلوی بندہ متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: وہ یوں لا اور جو میں لا دوں تم کو اس سے زیادہ سو بھری راہ جس پر پایا تم نے اپنے باپ دادا کو۔ اور شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ان کے پیغمبر نے کہا کہ کیا (رسم آباء ہی کا اتباع کیے جاؤ گے) اگرچہ میں اس سے اچھا مقصود پر پہنچا دینے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔

اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے اور اسم تفضیل کو مجازاً صفت مشبہ پر محمول کیا ہے۔ ”(اس نبی نے) کہا: خواہ میں اس کی بہ نسبت ہدایت دینے والا دین لے کر آیا ہوں جس دین پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔“

تھانوی صاحب اور شیخ محمود حسن کے ترجموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کافروں کے آباء و اجداد کا دین بھی ہدایت دینے والا تھا لیکن پیغمبروں کا دین زیادہ ہدایت دینے والا ہے جب کہ ہمارے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہدایت دینے والا وہی دین

ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے اور کافروں کے دین میں ہدایت نہیں ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے: ”ہم نے ان سے انتقام لیا“۔ یعنی ان پر قتل مسلط کیا اور ان پر عبرت ناک عذاب نازل کیا جس سے ان کافروں کو وحشت و دہشت سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا: ”سو دیکھئے! کھذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا“۔

کھذیب سے مراد ہے: رسولوں کی کھذیب، یعنی جن کافروں نے رسولوں کی کھذیب کی تھی اور ان کے لئے ہوئے دین کا مذاق اڑایا تھا اور اس کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا ان پر کیسا عبرت ناک عذاب آیا۔

تقلید کی تحقیق

ان آیات میں تقلید کی خدمت کی گئی ہے، تقلید کی تعریف ہے: کسی دوسرے شخص کے قول کو بلا دلیل قبول کرنا، یہ تقلید احکام فرعیہ اور عملیات میں جائز ہے اور اصول دین اور اعتقادات میں جائز نہیں ہے بلکہ اصول دین اور اعتقادات میں غور و فکر کرنا اور دلائل سے کام لینا ضروری ہے، لہذا فقہاء احناف اور غیر مقلدین دونوں کے نزدیک مقلد کا ایمان صحیح ہے، مثلاً مقلد کا ایمان ہے کہ یہ جہان ممکن اور حادث ہے اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود قدیم اور واحد ہے اور تمام رسول صادق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو پیغام لے کر آئے وہ پیغام برحق ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتوں کا بچوں کا ”عورتوں کا اور غلاموں اور باندیوں کا ایمان قبول فرمایا اور ان کو دلیل کی تعلیم نہیں دی اور نہ ان سے اللہ کے واحد ہونے کی یا اپنے رسول ہونے کی دلیل پوچھی، حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی میری بکریاں چراتی تھی، میں اس کے پاس گیا تو میری بکریوں میں سے ایک بکری کم تھی، میں نے اس سے اس کے متعلق سوال کیا، اس نے کہا: اس بکری کو بھیڑ یا کھا گیا، مجھے اس کا خسوس ہوا اور میں بھی بخود آدم سے ہوں، میں نے اس کو ایک چھتر مارا، مجھ پر ایک غلام کو آ زاد کرنا ہے، کیا میں اس باندی کو آ زاد کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں، آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آ زاد کر دو۔ (مسوالم مالک رقم الحدیث: ۱۵۳۳، دارالعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

عبید اللہ بن عبد اللہ بن جبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ قام باندی لے کر آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مجھ پر ایک مسلمان غلام کو آ زاد کرنا لازم ہے، آپ دیکھیں! اگر یہ باندی مومن ہے تو میں اس کو آ زاد کر دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے کہا: کیا تم یہ شہادت دیتی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ شہادت دیتی ہو کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آ زاد کر دو۔

(مسوالم مالک رقم الحدیث: ۱۵۳۵، دارالعرفۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

ان دونوں حدیثوں میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کا ایمان قبول فرمایا اور اس سے اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اور مرنے کے بعد اٹھنے کے ایمان پر کسی دلیل کو طلب نہیں فرمایا۔

لہذا بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر مقلد اپنے عقائد پر غور و فکر کر کے ان پر دلیل قائم نہ کر سکے تو وہ گنہگار ہوگا، کیونکہ اس پر غور و فکر کرنا واجب ہے، اسے چاہیے کہ وہ اثر سے موثر پر اور مصنوع سے صالح پر استدلال کرے اور جو شخص مسلمانوں کے شہر

میں پیدا ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عجیب و غریب چیزوں کو دیکھ کر سبحان اللہ کہا وہ تھلید کی حد سے نکل گیا اور وہ دلیل اور حجت سے اللہ پر ایمان لانے والا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۳۷﴾

اور یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے (عربی) باپ اور اپنی قوم سے کہا بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو

إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿۳۸﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي سُوْرَاتِ كِتَابٍ لِّتُذَكَّرُوا

سوا اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے سیدھے (عربی) ہدایت دے گا اور انہوں نے اس (عقیدہ و توحید)

عَقِيْدَةً لِّعَلَّاهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۹﴾ بَلْ مَثَعْتَ هَؤُلَاءِ وَأَبَاءَهُمْ حَتَّىٰ كَوْنُكُمْ

کو اپنی نسل میں باقی رکھا تاکہ ان کی اولاد اسی عقیدہ کی طرف رجوع کرے O بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا

جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۴۰﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا كُوْنُكُمْ

کو (دنیاوی) فائدہ پہنچایا حتیٰ کہ ان کے پاس حق آ گیا اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول O اور جب ان کے پاس حق پہنچا

سَحَرًا أَوَّلًا بِهٖ كُفِرُوا ﴿۴۱﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ

گیا تو انہوں نے کہا یہ جادو ہے اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں O اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ

مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۴۲﴾ أَهْمُ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ

اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوں کیا یہ (کفار) آپ کے رب کی رحمت کو قسم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کی

قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ

دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَخِرَآءً وَرَحْمَتُ رَبِّكَ

دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا خفاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہت بہتر ہے

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً

جس کو یہ جمع کر رہے ہیں O اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم

لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِيُوشِقُمْ سُقْفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَ

رحمن کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیجئے اور ان

مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿٣٤﴾ وَلِيُوشِقُمْ أَبْوَابًا وَسُرَرًا عَلَيْهَا

کی وہ سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور جن تختوں پر وہ ٹیک

يَتَكُونُونَ ﴿٣٥﴾ وَزُخْرَفًا وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

لگتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنا دیجئے (چاندی کے علاوہ) سونے کا بھی بنا دیجئے اور یہ سب دنیاوی زندگی کا عارضی سامان

وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٣٥﴾

ہے اور آخرت کا آپ کے رب کے پاس (صرف) متقین کے لیے ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یاد رکھیے جب ابراہیم نے اپنے (عربی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو سو اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے مقرب (مزید) ہدایت دے گا اور انہوں نے اس (عقیدہ توحید) کو اپنی نسل میں باقی رکھا تا کہ ان کی اولاد اسی عقیدہ کی طرف رجوع کرے (الفرغ ۲۸-۲۶) کفار مکہ کی بت پرستی کے خلاف اسوۂ ابراہیم سے استدلال

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار اور مشرکین کی بت پرستی اور ان کے شرک کا سبب ان کے آباء و اجداد کی اندھی تقلید ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اصول اور عقائد میں تقلید کرنا باطل ہے اور عقائد کو دلائل سے ماننا چاہیے اور اب اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ ایک اور طریقہ سے بیان فرما رہا ہے۔

عرب کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جد امجد مانتے تھے اور ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عربی باپ یعنی ان کے چچا آذر شرک کرتے تھے اگر عقائد میں تقلید کرنا برحق ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کی اور اپنی قوم کے آباء و اجداد کی تقلید کرتے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقائد میں تقلید نہیں کی اور ان کے شرک اور ان کی بت پرستی سے اعراض کیا اور بیزارگی کا اظہار کیا تو واضح ہو گیا کہ عقائد میں باپ دادا کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دلیل اور حجت کے ساتھ عقائد کو اپنانا چاہیے۔

الفرغ ۲۷ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خالق کا استثناء فرمایا اور کہا: جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سے میں بیزار ہوں سو اللہ عزوجل کے اور یہ استثناء منقطع ہے نیز فرمایا: اور وہی مجھے مقرب (مزید) ہدایت دے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے ہی ہدایت یافتہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مراتب غیر متناہی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایک مرتبہ کے بعد دوسرے مرتبہ کی طرف ہدایت دے گا۔

الفرغ ۲۸ میں فرمایا: "اور انہوں نے اس (عقیدہ توحید) کو اپنی نسل میں باقی رکھا تا کہ ان کی اولاد اس عقیدہ کی طرف رجوع کرے۔"

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں قیامت تک ضرور ایسے لوگ رہیں گے جو عقیدہ توحید پر قائم ہوں گے اور جو ان میں سے شرک ہو گیا اس کے حلق بھی توحید ہے کہ وہ عقیدہ توحید کی طرف رجوع کر لے گا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے حلق یہ دعا کی تھی کہ:

وَابْتَغِ بِيْنِي وَبَيْنَ اٰلِیَّہِ السَّلَامِ اَنْ يَّكُوْنُوْا عَلٰی سُلٰلٰتٍ مِّنْ حٰجِرٍ (ابراہیم: ۳۵)

اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس سے محفوظ رکھنا کہ ہم جنوں کی

عبادت کریں

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی تھی کہ تم تادمِ مرگ اسلام پر قائم رہنا قرآن مجید میں ہے:

وَوَضَّیْ بِہِمْ اٰیٰتِہٖ لَیَّحٰذِرْنَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِمَّنْ یَّشْرٰکُوْا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلُوْا فَاَنْتُمْ عَلٰی اٰیٰتِہٖ لَیَّحٰذِرْنَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِمَّنْ یَّشْرٰکُوْا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلُوْا فَاَنْتُمْ عَلٰی اٰیٰتِہٖ لَیَّحٰذِرْنَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِمَّنْ یَّشْرٰکُوْا ۚ

ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ اسے

میرے بیٹا اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمایا ہے پس تم

تادمِ مرگ اسلام پر ہی قائم رہنا

(البقرہ: ۱۳۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی برکت سے قیامت تک ان کی نسل میں ایسے لوگ آتے رہیں گے جو عقیدہ توحید پر قائم ہوں گے۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص شخص اپنی محض سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دعویٰ کرے اور انبیاء علیہم السلام کی وساطت کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیاوی) فائدہ پہنچایا حتیٰ کہ ان کے پاس حق آگیا اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول ﷺ اور جب ان کے پاس حق پہنچ گیا تو انہوں نے کہا: یہ جادو ہے اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں ﷺ اور انہوں نے کہا: یہ قرآن ان دو مشہوروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا کیا یہ کفار اپنے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا حقائق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہت بہتر ہے جس کو یہ بیع کر رہے ہیں ﷺ (الزخرف: ۲۹-۳۲)

اہل مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کا کفر اور استہزاء

الزخرف: ۲۹ میں حکام سابق سے انحراف ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ توقع پوری نہیں ہوئی کہ ان کی تمام اولاد عقیدہ توحید اور اسلام پر قائم رہے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو اہل مکہ تھے وہ نسلِ ابراہیم سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیاوی نعمتیں اور آسائشیں دیں وہ ان نعمتوں اور ان کی لذتوں میں ڈوب کر عقیدہ توحید اور اسلام کے احکام سے غافل ہو گئے حتیٰ کہ جب ان لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا برحق کلام یعنی قرآن مجید آگیا اور قرآن مجید کے احکام کو صاف صاف بیان کرنے والا رسول آگیا جس کی رسالت اس کے پیش کردہ معجزات کی وجہ سے بالکل ظاہر تھی اور جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو دلائل سے بیان کرنے والا تھا تو۔۔۔۔۔

الزخرف: ۳۰ میں فرمایا: ”اور جب ان کے پاس حق پہنچ گیا تو انہوں نے کہا: یہ جادو ہے اور ہم اس کا کفر کرنے والے ہیں“ یہ لوگ عقیدہ توحید سے غافل ہو چکے تھے اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے آپ کا اور آپ کے پیغام کا اور قرآن مجید کا انکار کیا اور کہا: ”یہ جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں“۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا اہل دوزخ کی صفت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قہر کے آثار سے

ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ اہل جنت کی صفت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لطف کے آثار سے ہے نہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا سوا اس کے جو انکار کرے گا صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ انکار کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو میری نافرمانی کرے گا وہ میرا انکار کرے گا۔

(المعجم رک ج ۱ ص ۵۵ طبع قدیم المصحف رک رقم الحدیث ۱۸۲۸ المکتبۃ العصریہ ۱۳۲۰ھ صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۸۰۰) سند احمد ج ۲ ص ۳۶۱ صحیح بخاری کی روایت میں یہ اضافہ ہے: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتے آئے اس وقت آپ سو رہے تھے بعض نے کہا: یہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے پھر انہوں نے کہا: اپنے اس صاحب کی کوئی مثال بیان کرو پھر بعض نے کہا: یہ سوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے پھر انہوں نے کہا: ان کی مثال اسی طرح ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا اور اس میں ایک دسترخوان بچھا دیا اور ایک دعوت دینے والے کو بھیجا پس جس شخص نے اس داعی کی دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوا اور اس نے دسترخوان سے کھانا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور اس نے دسترخوان سے نہیں کھایا۔ پھر فرشتوں نے کہا: اس مثال کی وضاحت کرو تا کہ یہ اس کو سمجھیں۔ پس بعض فرشتوں نے کہا: یہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے تب انہوں نے کہا: دار سے مراد جنت ہے اور داعی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی اور جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث ۱۸۰۱ جامع المسانید والسنن مسند جابر بن عبد اللہ رقم الحدیث ۱۰۶)

کفار کے اس اعتراض کا جواب کہ قرآن کسی بڑے آدمی پر نازل ہوتا چاہیے تھا

الفرغف: ۳۱ میں فرمایا: ”اور انہوں نے کہا: یہ قرآن دو شہروں (کعبہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا؟“ علامہ ابوالحسن علی بن محمد المالودی المتوفی ۴۵۰ھ نے لکھا ہے کہ ان دو شہروں سے مراد کعبہ اور طائف ہیں اور مکہ کے بڑے آدمی کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد الولید بن المغیرہ ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد خبیب بن ربیعہ ہے۔

اور طائف کے بڑے آدمی کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حبیب بن مرقظ ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد میر بن عبد یلثقی ہے۔

(۳) قتادہ نے کہا: اس سے مراد عروہ بن مسعود ہے۔

(۴) اسدی نے کہا: اس سے مراد کنانہ بن عبد بن عمرو ہے۔ (المعجم والصحیح ج ۵ ص ۲۲۳ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز فرمایا: ”اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جس کو یہ حق کر رہے ہیں“ ایک تفسیر یہ ہے کہ اس رحمت سے مراد نبوت ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس رحمت سے مراد جنت ہے اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ تمام قرآنوں کی ادائیگی بہ کثرت نوافل پڑھنے سے بہتر ہے چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندوں کو جو اجر عطا فرمائے وہ اس سے بہتر ہے جو بندے اس سے اپنے اعمال کی جزا کو طلب کریں۔

کفار مکہ نے یہ کہا تھا کہ قرآن کسی عظیم آدمی پر نازل ہونا چاہیے تھا ان کا یہ کہنا اس لیے غلط اور باطل تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ عظیم آدمی وہ ہوتا ہے کہ جس کے پاس مال اور دولت زیادہ ہو اور جس کے ماتحت زیادہ آدمی ہوں اور جس کے پاس اسلحہ اور ہتھیار بہت ہوں ان کا یہ سمجھنا غلط اور باطل تھا ان چیزوں سے کوئی شخص بڑا آدمی نہیں بننا بڑا آدمی اور عظیم انسان وہ شخص ہوتا ہے جس کا کردار عظیم ہو جس کے اخلاق بلند ہوں جس کو دنیا صادق اور امین کے نام سے پہچانی ہو جو قبیلوں اور بیادوں کی پرورش کرتا ہو جو کمزوروں کا سہارا ہو جو پاک باز اور عفت مآب ہو جو مہمانوں کی تحریم کرتا ہو مظلوموں کی دادرسی کرتا ہو جو جان کے دشمنوں پر بھی قابو پانے کے بعد ان کو معاف کر دیتا ہو جو حق بات کہتا ہو جو اس قدر بہادر ہو کہ حق بات کے خلاف بڑی سے بڑی طاقت اس کو جھکا نہ سکتی ہو اور کہ اور طاقت کی دو پہاڑیوں کے درمیان سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا ان صفات کا حامل اور کوئی نہیں تھا ریگ زار عرب کا ذرہ ذرہ ان پر شاید عادل ہے کہ ایسا عظیم انسان اور اتنا بڑا آدمی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا تو پھر قرآن مجید آپ پر ہی نازل ہونا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ تمام لوگ کافروں کا گروہ بن جاتے تو ہم زمین کا کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے اور ان کی وہ میز حیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور جن تختوں پر وہ ٹیک لگاتے ہیں ان کو بھی چاندی کا بنا دیتے O چاندی کے علاوہ (سونے کا بھی بنا دیتے اور یہ سب دنیاوی زندگی کا عارضی سامان ہے اور آخرت کا اجر آپ کے رب کے پاس صرف متقین کے لیے ہے O (الزمر: ۳۵-۳۴)

دنیا کی زیب و زینت کفار کے لیے ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بہت حقیر ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے لوگ کفر کو اختیار کر لیتے تو اللہ تعالیٰ کافروں کے گھر اور ان کے گھروں کا ساز و سامان چاندی اور سونے کا بنا دیتا۔

ان آیات کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات ناہم نہ ہوتی کہ جب لوگ کافروں کے گھروں میں انواع و اقسام کی نعمتیں اور عیش و عشرت کا سامان دیکھ کر کفر کی طرف رغبت کریں گے اور یہ وہم کریں گے کہ فضیلت کفر میں ہے اور پھر سب لوگ کفر کو اختیار کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور کافروں کے گھر اور ان کا ساز و سامان چاندی اور سونے کا بنا دیتا۔

اس آیت میں ”بیوت“ کا لفظ ہے اس کا واحد بیت ہے اس کے معنی گھر اور رہنے کی جگہ ہے اور ”باب“ کا لفظ ہے۔ کسی گھر میں داخل ہونے کی جگہ کو باب کہتے ہیں اور ”مسود“ کا لفظ ہے یہ سریر کی جمع ہے سریر اس جگہ کو کہتے ہیں جس پر امیر اور عیاش لوگ سرور اور خوشی سے بیٹھتے ہیں۔ میت کے تخت کو بھی سریر کہتے ہیں اور اس میں یہ نیک شخص ہے کہ اس پر میت کو لانا کر اسے اللہ کے پاس لے جائیں گے تو اس کو اللہ کی جانب سے سرور حاصل ہوگا اور اس میں ”ذخرف“ کا لفظ ہے اس کا اصل میں معنی سونا ہے اور اس کو استعارہ زینت سے بھی کیا جاتا ہے پھر ہر شخص و نگار والی حریں چیز کو زخرف کہا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا حقیر ہونا

حضرت کھل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک

جھگڑے کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا فرکو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۱۰ مسند رک ج ۳ ص ۳۰۶ شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۹۲۲)
 اہلسنت و رہن شہاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں کی جماعت میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مہرے ہوئے بکری کے بچے پر کھڑے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیکھ رہے ہو کہ یہ بکری کا بچہ اس کے مالکوں کے نزدیک کتنا حقیر تھا جب انہوں نے اس کو ڈال دیا تھا ان لوگوں نے کہا: اس کے حقیر ہونے کی وجہ سے ہی انہوں نے اس کو ڈال دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مہرا ہوا بکری کا بچہ اس کے مالکوں کے نزدیک حقیر تھا۔ (شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۳۲۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۱۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۲ مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۹ مسند ابویوسف رقم الحدیث: ۱۵۹۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مومن پر ظلم نہیں کرتا اس کی نیکی اس کو دنیا میں دی جاتی ہے اور اس پر اس کو آخرت میں اجر دیا جائے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے اور جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی باقی نہیں ہوتی جس کا اجر اس کو آخرت میں دیا جائے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۰۸ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۷۷ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۱ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۹ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۱۲۳۷۷)
 بہ مع السنۃ و السنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۲۸۸۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فقر کو پسند کرنے کی وجوہ

اس جگہ پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فروں پر تمام نعمتوں کے دروازے کھول دیتا تو یہ تمام لوگوں کے کفر پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں کے دروازے مسلمانوں پر کیوں نہ کھول دیئے تاکہ یہ تمام لوگوں کے اسلام پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں لوگ دنیا کو طلب کرنے کے لیے اسلام کو قبول کرتے اور یہ منافقین کا ایمان ہے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمانوں کے اوپر دنیا تنگ کر دی جائے حتیٰ کہ جو شخص بھی اسلام کو قبول کرے وہ اسلام کی حقانیت کی وجہ سے اسلام کو قبول کرے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور اس کو عظیم ثواب ملے گا کیونکہ اب اس کا اسلام اخلاص پر مبنی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فقر کو پسند کیا غنا کو پسند نہیں کیا اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:
 (۱) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کی زندگی گزارتے تو لوگ مال دنیا کی وجہ سے آپ کا قصد کرتے اور جب آپ نے فقر و فاقہ کی زندگی گزار دی ہے تو لوگ آخرت اور عقیبت کی وجہ سے آپ کا قصد کرتے ہیں۔
 (۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے فقر کو اس لیے پسند کیا تاکہ فقراء کو تسلی ہو کہ اگر ہم فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں تو کیا ہوا دو عالم کے مختار نے فقر و فاقہ کی زندگی گزار دی ہے

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فقر کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس کے نزدیک مال دنیا بہت حقیر ہے۔
 اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال دنیا کے حقیر ہونے کا معنی یہ ہے کہ مال دنیا مقصود بالذات نہیں ہے مقصود بالذات تو آخرت ہے اور مال دنیا اجراء آخرت کا وسیلہ ہے یہ دنیا داعی قیام کی جگہ ہے نہ نیک اعمال کی جزاء ہے نہ بد دنیا تو امتحان کی جگہ ہے اور سفر کی جگہ ہے دنیا میں وہی لوگ دل لگاتے ہیں جو علم اور ایمان سے خالی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور ولیوں کو دنیا کی محبت سے محفوظ اور مامون رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِيطْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿٣١﴾

اور جو شخص رحمن کی یاد سے (غافل ہو کر) اندھا ہو جاتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں سو وہی اس کا ساتھی ہے

وَأَنَّهُمْ لِيَصُدُّوهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿٣٢﴾

اور بے شک وہ شیاطین انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ نَاثِلٌ يَلِيَّتْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ

حتیٰ کہ جب وہ (اندھا کافر) ہمارے پاس آئے گا تو وہ (شیطان سے) کہے گا: اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور

فِئْسَ الْقَرِينُ ﴿٣٣﴾ وَلَنْ يَتَفَعَّلَ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَتْكُمْ فِي

مغرب کی دوری ہوئی سو وہ کیسا برا ساتھی ہے! اور (اے کافرو!) تمہیں آج اس (پیشانی) سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٤﴾ أَفَأَنْتَ تَسْمَعُ الصَّهْءَ أَوْ تَهْدِي الْعُمْىٰ

کیونکہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم سب عذاب میں شریک ہو گئے کیا آپ بہرہ ور (کو) (صدا) سنائیں گے اور اندھوں (کو) (سیڑی) دکھائیں

وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٥﴾ فَأَمَّا نَذْرُ هَبْنِيكَ فَأَمَّا مِنْهُمْ

کے اور ان لوگوں کو جو گمراہی میں ہیں پس اگر ہم آپ کو (دنا سے) لے جائیں تو بے شک ہم بھر بھی ان سے انتقام

مُنتَقِمُونَ ﴿٣٦﴾ أَوَنَرِيكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَأَمَّا عَلَيْهِمْ فَتَقْتَدِرُونَ ﴿٣٧﴾

لیجئے! ہیں! ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے سو بے شک ہم ان پر بہت قدرت رکھنے والے ہیں

فَاسْمَعْ بِالَّذِي أُوْحِيَ إِلَيْكَ ۚ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٣٨﴾

سو آپ اس چیز کو مضبوطی سے تھامے رہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے بے شک آپ صراطِ مستقیم پر قائم ہیں

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿٣٩﴾ وَسَّأَلُ مَنْ

اور بے شک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ضرور شرفِ عظیم ہے اور فقیر یہ تم سب لوگوں سے سوال کیا جائے گا

أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا ۖ أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ

اور آپ ان رسولوں سے پوچھتے ہیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کیا ہم نے رحمن کے سوا

الْهَمَّ يُعْبَدُونَ ﴿۳۵﴾

کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص رحمن کی یاد سے (غافل ہو کر) اندھا ہو جاتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں سو وہی اس کا ساتھی ہے O اور بے شک وہ شیاطین انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں O حتیٰ کہ جب وہ (اندھا کافر) ہمارے پاس آئے گا تو وہ (شیطان سے) کہے گا: اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی سو وہ کیسا بڑا ساتھی ہے O اور اے کافر! تمہیں آج اس (پیشانی) سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم سب عذاب میں شریک ہو O (الترغرف: ۳۶-۳۷)

اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے کا وبال

الترغرف: ۳۶ میں ”یعضو“ کا لفظ ہے ”عشا یعضو“ کا معنی ہے: آنکھوں کی بیماری رتو نہ یا اس کی وجہ سے اندھا پن ہوتا ہے جب اس کا صلہ ”الی“ ہو تو اس کا معنی ہے: قصد کرنا اور جب اس کا صلہ ”عن“ ہو تو اس کا معنی ہے: اعراض کرنا اور جب اس کا صلہ ”علی“ ہو تو اس کا معنی ہے: ظلم کرنا۔ (المفردات ج ۳ ص ۳۶۶ کسان المعروف ج ۱ ص ۱۳۳)

اس آیت سے دنیا کی آفتوں پر تنبیہ کرنا مراد ہے کہ جس شخص کے پاس زیادہ مال و متاع ہوتا ہے اور وہ کسی اونچے منصب پر بھی فائز ہوتا ہے وہ طاقت اور اقتدار کے نشہ میں کسی بدست باجی کی طرح کمزوروں اور غریبوں کو روندنا چلا جاتا ہے اور وہ اللہ کی یاد سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور جس شخص کا یہ حال ہو وہ شیطان کے ہم نشینوں کی طرح ہو جاتا ہے خود بھی کم راہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کم راہ کرتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان اس کا ساتھی ہو جاتا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: شیطان اس کا دنیا میں ساتھی ہو جاتا ہے اس کو فرائض و واجبات اور سنن کی ادائیگی سے روکتا ہے اور اس کو اللہ کی اطاعت اور عبادت سے منع کرتا ہے اور حرام اور ممنوع کاموں کی اس کو ترغیب دیتا ہے۔

سعید الجری نے کہا: شیطان آخرت میں اس کا قرین بن جاتا ہے جب وہ قبر سے الٹا ہے تو شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور قشیری نے یہ کہا کہ شیطان اس کا دنیا اور آخرت میں قرین ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی موت سے ایک سال پہلے اس کے لیے ایک شیطان مسلط کر دیتا ہے وہ جب بھی کسی نیک چیز کو دیکھتا ہے تو وہ اس کو بُری معلوم ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور وہ جب بھی کسی بُری چیز کو دیکھتا ہے تو وہ اس کو اچھی معلوم ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ (المفردات ج ۳ ص ۲۲۵ رقم الحدیث: ۱۶۸)

یہ شیطان اس شیطان کا غیر ہوتا ہے جو ہر انسان کا قرین ہے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص پر ایک شیطان کو قرین بنا کر مسلط کیا گیا اور ایک فرشتہ کو قرین بنا کر مسلط کیا گیا ہے صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! مجھ پر بھی لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی میرا وہ قرین مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے نیکی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

(مکمل قرآن مجید، ج ۱، ص ۲۸۳ جامع المسانید و السنن، ص ۱۸۳ سورۃ المائدہ: ۸۴)

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے شیطان اس کے قریب نہیں جاتا اور جو شخص فراموش اور واجبات کی ادائیگی کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد نہیں رکھتا اور معصیت اور گناہ کے ارتکاب کے وقت اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں کرتا تو اس پر اللہ تعالیٰ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے اور وہ اس کا قرین اور ساتھی بن جاتا ہے اور اس کو ناجائز خواہشوں کی طلب پر اکساتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی عقل اور اس کے علم پر حاوی اور غالب ہو جاتا ہے اور یہ اس کی سزا ہے جو قرآن اور سنت سے اعراض کرتا ہے۔

معصیت میں شیطان کی اتباع و دوزخ میں شیطان کی اتباع کو مستزہم ہے

الزخرف: ۳۵ میں فرمایا: ”اور بے شک وہ شیاطین انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں“

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی یاد سے غافل رہتے ہیں اور ان پر شیاطین مسلط ہو چکے ہیں وہ ان لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر گام زن ہیں اور جب ان لوگوں سے قیامت کے دن ان شیاطین کی ملاقات ہوگی تو وہ لوگ ان شیاطین سے کہیں گے کہ کاش! ہمارے اور تمہارے درمیان اتنی دوری ہو جتنی مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ہے۔

الزخرف: ۳۸ میں فرمایا: ”اور (اے کافرو!) تمہیں آج اس (پیشانی) سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہوگا“ کیونکہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم سب عذاب میں شریک ہو۔

یعنی تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا کیونکہ تم نے شیطان کی اتباع میں کفر کیا تھا اور جس طرح تم دنیا میں شیطان کی اتباع کرتے ہوئے کفر اور معصیت کر رہے تھے اسی طرح آج تم شیطان کی اتباع کرتے ہوئے دوزخ میں جاؤ گے۔

پس عقل والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور شیطان کی اتباع میں ان سے جو گناہ ہو چکے ہیں ان کا تدارک کریں اور شیطان سے بھاگیں اس سے قبل کہ وہ وقت آئے جب شیطان ان سے بھاگ رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ بہروں کو (دفعہ) سنائیں گے اور اندھوں کو (سیدھی راہ) دکھائیں گے اور ان لوگوں کو جو کھلی ہوئی گم راہی میں ہیں O پس اگر ہم آپ کو (دنیائے) لے جائیں تو بے شک ہم پھر بھی ان سے انتقام لینے والے ہیں O یا ہم آپ کو وہ (عذاب) دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے سو بے شک ہم ان پر بہت قدرت رکھنے والے ہیں O

(الزخرف: ۳۲-۳۴)

کفار مکہ کی ضد اور عناد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

الزخرف: ۳۶ میں یہ فرمایا تھا کہ ان کی آنکھوں میں رتو نہ ہے یعنی ضعف بصر ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ یہ اندھے اور بہرے ہیں اور واقع میں اسی طرح ہوتا ہے جب انسان ابتداء میں دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ اس کی بینائی کمزور ہے پھر جب وہ دنیا کی زیب و زینت میں زیادہ محو ہو جاتا ہے اور نیک اعمال کو ترک کر کے شہوانی لذتوں کے حصول میں زیادہ سرگرم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کو ترک کر دیتا ہے اور جب وہ اسی حال پر ستر رہتا ہے تو وہ ضعف بصر سے عدم بصر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار اور شرکین کو دن رات اسلام کی طرف بلانے کی جدوجہد میں لگے رہتے تھے اور وہ اپنی گم راہی

کا شرف رات کے قیام میں ہے اور اس کی عزت لوگوں سے مستثنیٰ رہنے میں ہے۔

(الحکم الاوسط ج ۵ ص ۱۵۱ مطبوعہ ریاض خانہ کتبہ) نے کہا: اس حدیث کی سند میں زعفر بن طیمان ہے اس کی امام احمد، ابن مہین اور امام ابو داؤد نے توثیق کی ہے اور ابن عدی اور ابن حبان نے اس میں کلام کیا ہے لیکن وہ معترض ہیں جمع الترمذی ج ۲ ص ۲۵۲-۲۵۳ (۲۵۲-۲۵۳)
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ اس چیز کو مضبوطی سے تھامے رہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی گئی ہے بے شک آپ سراپا مستقیم پر قائم ہیں اور بے شک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ضرور شرف عظیم ہے اور عترتِ نبویہ تم سب لوگوں سے سوال کیا جائے گا اور آپ ان رسولوں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کیا ہم نے زمین کے سوا کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ (الزخرف: ۲۴-۲۵)
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے لیے قرآن مجید کا شرف عظیم ہوتا

الزخرف: ۲۳ کا معنی یہ ہے کہ آپ اس قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہیں جس کو ہم نے آپ کے اوپر نازل کیا ہے اور اس کے احکام پر عمل کیجئے آپ بہر حال سیدھے راستے پر ہیں جس میں کوئی کئی نہیں ہے اور وہ عقیدہ توحید ہے اور دین اسلام کے باقی عقائد اور احکام ہیں۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط دہی ہے آپ اس کو پکڑے رہیں اور قرآن نے جو اخلاق بتائے ہیں آپ ان اخلاق سے متصف رہیں۔

الزخرف: ۲۳ میں فرمایا: ”اور بے شک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے ضرور شرف عظیم ہے۔“
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعث شرف ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۸۸ الحکم الکبیر رقم الحدیث: ۳۰۰۰ الجامع للعقب الامان رقم الحدیث: ۱۵۰۴)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا: سنو! اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ مجھے اپنی قوم سے کتنی محبت ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی قوم میں یہ شرف عطا کیا کہ فرمایا: ”وَلَا تَكْفُرْ بِاللَّهِ الَّذِي فَطَرَكُمْ فَتُكْفِرُونَ“ (الزخرف: ۲۴) اس قرآن میں آپ کا ذکر ہے اور آپ کی قوم کا ذکر ہے اور عترتِ نبویہ تم سے سوال کیا جائے گا پس اللہ کی کتاب میں میری قوم کا ذکر اور اس کا شرف ہے اور فرمایا: ”وَأَنزَلْنَا رُوحَنَا فِيكَ“ (الشعراء: ۲۲) اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے اور فرمایا: ”وَالْفُحُشُ بِمَا تَكْفُرُونَ“ (الزخرف: ۲۴) جو ایمان والے آپ کی پیروی کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں یعنی میری قوم کے ساتھ پس تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری قوم سے صدیق بنایا اور میری قوم سے شہید بنایا اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کے ظاہر اور باطن کو پلٹ دیا تو عرب میں سے بہتر قریش تھے اور نبی وہ مبارک درخت ہے جس کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ”مَنْ كَانَ يَكْفُرْ فَلَهُ الْكَفَرَةُ كُلُّهَا“ (ابراہیم: ۲۴) پاکیزہ کلمہ کی مثال پاکیزہ درخت ہے اس سے مراد قریش ہے اس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو دین اسلام کے ساتھ شرف کیا ان کو ہدایت دی اور ان کو حضرت امیرِ اہم کا خاندان بنایا پھر ان کے متعلق کتاب اللہ میں ایک سورت نازل کی: ”لَا يُلَاقِيكَ قُرَيْشٌ“ (قریش: ۱-۳) حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قریش کا ذکر نیکی کے ساتھ کیا جاتا تو آپ خوش ہو جاتے تھے اور آپ اس آیت کی بہت زیادہ تلاوت کرتے تھے: ”وَلَا تَكْفُرْ بِاللَّهِ الَّذِي فَطَرَكُمْ فَتُكْفِرُونَ“ (الزخرف: ۲۴)

(الحکم الکبیر ج ۵ ص ۲۸۸۸ خانہ کتبہ) نے اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابن مردودہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ”اور مقرر یہ تم سب لوگوں سے سوال کیا جائے گا“ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید آپ کے اور آپ کی امت کے شرف اور عظمت کا ذریعہ ہے تو تم سب سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے اس کا حق ادا کیا اور تم نے اس کا شکر ادا کرنے کے لیے کیا کوششیں کیں یا تم اس قرآن کے ذریعہ صرف دنیا کماتے رہے اور مطالب نفسانیہ کی تحصیل کرتے رہے۔

عارفین کا علم کشف اور مشاہدہ پر مبنی ہوتا ہے اور علماء ظاہر کا علم ان کی ذہنی قوت پر مبنی ہوتا ہے عارفین کی ابتدا مقوی اور نیک اعمال سے ہوتی ہے اور علماء ظاہر کی ابتدا اعمال کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔

الزخرف: ۳۵ میں فرمایا: ”اور آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کیا ہم نے رخصت کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟“
گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کی توجیہات

کفار مکہ جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے تھے اس کا سبب قوی یہ تھا کہ وہ اس وجہ سے آپ سے سخت بغض رکھتے تھے کہ آپ ان کو بتوں کی عبادت سے منع کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ بتوں کی عبادت سے منع کرنا صرف (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء اور رسل بتوں کی عبادت سے منع کرنے پر متفق اور مجتمع تھے اس لیے فرمایا کہ آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کیا ہم نے رخصت کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟

اس مقام پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو رسول آپ سے پہلے گزر چکے ہیں ان سے آپ کے سوال کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین نے اس آیت کی متعدد توجیہات کی ہیں ایک یہ ہے کہ گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کا معنی یہ ہے کہ گزشتہ رسولوں کی امتوں سے سوال کیا جائے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
قد اود بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا: آپ اہل تورات اور اہل انجیل سے سوال کیجئے آیا ان کے پاس ان کے رسول صرف توحید کا پیغام لے کر آئے تھے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے یا اس کے علاوہ کسی اور خدا کی عبادت کا بھی پیغام لے کر آئے تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۳۸۸۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی اس توجیہ کا ذکر کیا ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۲۵، التلخیص ج ۱ ص ۶۲، التفسیر بیضاوی ج ۸ ص ۳۹۴، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۰، روح البیان ج ۸ ص ۵۰۱، روح المعانی ج ۲ ص ۱۳۲)

اس سوال کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک تمام نبیوں اور رسولوں کو مسجد اقصیٰ میں جمع فرمایا اور وہاں جبریل نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ سے پہلے جن رسولوں کو بھیجا گیا ہے آپ ان سے سوال کیجئے: کیا اللہ تعالیٰ نے رخصت کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کے متعلق سوال نہیں کروں گا کیونکہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

المن زید الخرف: ۳۵: تفسیر میں روایت کرتے ہیں: شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی اور ان کو نماز پڑھائی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان سے سوال کیجئے اور آپ کا اللہ تعالیٰ پر بہت کمال اور بہت پختہ یقین تھا اور آپ کو اس مسئلہ میں کوئی شک نہیں تھا اس لیے آپ نے انبیاء علیہم السلام سے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ آپ نے ان کی استوں سے کوئی سوال کیا۔ (جامع البیان، رقم الحدیث: ۲۳۸۸۸، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ ابو عبد اللہ رحمہ اللہ متوفی ۶۶۸ھ علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۳ھ علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اور علامہ زحدری نے بھی اس جواب کا ذکر کیا ہے۔

(تفسیر کبرج ص ۶۵، الجامع لا حکام القرآن ج ۲ ص ۸۸، تفسیر بیضاوی مع الفتاوی ج ۸ ص ۹۴، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۰، روح البیان ج ۸ ص ۵۰، روح البیان ج ۲ ص ۲۳۵، الکشاف ج ۳ ص ۲۵۸)

علامہ محمد بن مصلح الدین التوجری النجفی المتوفی ۹۵۱ھ نے اس جواب کو مزید وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب راتوں رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تو وہاں آپ کے لیے حضرت آدم اور ان کی اولاد سے تمام رسولوں کو جمع کیا گیا پھر حضرت جبریل نے اذان دی اور اقامت کہی اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آگے بڑھئے اور ان سب کو نماز پڑھائیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور مرسلین کو نماز پڑھا کر فارغ ہو گئے تو آپ سے حضرت جبریل نے کہا: اے محمد! آپ ان رسولوں سے پوچھئے جن کو تم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کیا ہم نے رخصت کے علاوہ کچھ اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے۔ (الزخرف: ۳۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سوال نہیں کرتا کیونکہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہ نہیں ہوں جو شک کروں اور میں وہ نہیں ہوں جو سوال کروں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس کے باوجود آپ نے سوال نہیں فرمایا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ پر سوال کرنا واجب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سوال کسی شک اور شبہ کو دور کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ میں کوئی اشتباہ نہیں تھا کہ بتوں کی عبادت کرنی جائز نہیں ہے اور عبادت صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی کرنی واجب ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت سے صرف یہ مراد ہے کہ مشرکین قریش وغیرہم کو یہ باور کرایا جائے کہ کسی رسول نے یہ کہا ہے نہ کسی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے۔

(حاشیہ شیخ زادو علی بیضاوی ج ۳ ص ۴۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۹ھ)

اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبیاء سابقین سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے حقیقتاً سوال کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مجازاً انبیاء سابقین کی شریعتوں میں غور و فکر کرنا مراد ہے آیا کسی سابق نبی کی شریعت میں غیر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم تھا یا نہیں۔

علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزحدری الخوارزمی متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

الزخرف: ۳۵: میں انبیاء سابقین سے حقیقتاً سوال کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ ان سے آپ کا سوال کرنا محال ہے بلکہ اس سے مجازاً ان کی ملتوں اور شریعتوں میں غور و فکر کرنا مراد ہے کہ آیا کسی شریعت سابقہ میں بتوں کی عبادت کرنے کا حکم ہے یا نہیں اور ان کی ملتوں اور شریعتوں میں غور و فکر کرنا کافی ہے۔ اور آپ کے اوپر جو کتاب نازل کی گئی ہے جس کا صادق ہونا مجزہ سے

حاجت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ یہ مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ (الحج: ۱۷) اور یہ آیت فی نفسہا کافی ہے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے اس سے واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام سے حقیقتاً سوال کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مجازاً ان کی شریعتوں میں خود فکر کرنا مراد ہے اور کئی مرتبہ شعراء کہتے ہیں کہ گھروں اور نیلیوں سے سوال کرو مجھے کہتے ہیں کہ تمہارے اندر دریاؤں کو کس نے جاری کیا اور نہروں کو کس نے نکھودا اور درختوں کو کس نے اگایا اور تمہارے پھلوں کو کس نے پیدا کیا؟ پھر وہ زمین حیرت سے زبان سے کوئی جواب نہیں دے گی وہ تمہیں اعتبار اور قیاس سے جواب دے گی۔ (الکشاف ج ۳ ص ۲۵۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی علامہ قرطبی اور علامہ اسماعیل حقی نے بھی اس تفسیر کا کشف کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

اس سوال کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ سابقہ رسولوں کی لائی ہوئی کتابوں سے معلوم کرو جس طرح قرآن مجید میں ہے:

فَإِنْ تَنَادَّاهُمْ فِي شَيْءٍ فَقَدْ وَدَّ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ.

اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی

(النساء: ۵۹) طرف لوٹا دو۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی معاملہ میں اگر تمہارا اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لے جاؤ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی طرف رجوع کرو اسی طرح اس آیت میں بھی گزشتہ رسولوں سے سوال کرنے کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو سابقین رسول دنیا سے پرودہ فرما چکے ہیں ان سب کے پاس جا کر ان سے سوال کرو بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے رسول دنیا میں جو اپنی کتابیں اور اپنی تعلیمات چھوڑ گئے ہیں ان سب میں تلاش کر کے دیکھو کہ آپ کسی رسول نے یہ تعلیم دی تھی کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی بھی عبادت کا مستحق ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۶﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿۳۷﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا پھر انہوں نے کہا میں اس کا رسول ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے ﴿۳۶﴾ سو جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو اسی وقت وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے ﴿۳۷﴾

وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۖ وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۸﴾ وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّحَرُ ادْعُ لَنَا

اور ہم ان کو جو نشانی بھی دکھاتے تھے وہ اس سے پہلے دکھائی ہوئی نشانیوں سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو (بار بار)

عذاب سے بچڑاتا کہ وہ باز آ جائیں ﴿۳۸﴾ اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلے سے

رَبِّكَ بِمَا عٰهَدَ عِنْدَكَ اِنَّآ لَنَهْتَدُونَ ﴿۳۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ

وہ تجھ سے بچڑاتا کہ وہ باز آ جائیں ﴿۳۹﴾ اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلے سے

دیکھتے ہو آپ کے پاس ہے بے شک ہم ضرور چاہتے ہیں کہ آپ ہم سے عذاب دور کر دیا

وہ تجھ سے بچڑاتا کہ وہ باز آ جائیں ﴿۳۹﴾ اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلے سے

دیکھتے ہو آپ کے پاس ہے بے شک ہم ضرور چاہتے ہیں کہ آپ ہم سے عذاب دور کر دیا

دیکھتے ہو آپ کے پاس ہے بے شک ہم ضرور چاہتے ہیں کہ آپ ہم سے عذاب دور کر دیا

إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٥٠﴾ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يُقَوْمُ أَلَيْسَ

تو وہ اسی وقت اپنے عہد کو توڑنے والے تھے O اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی اور کہا: اے میری قوم! کیا یہ میرا ملک

لِي مُلْكٌ مِّمَّزْ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾

میرا نہیں ہے اور یہ دریا جو میرے تل کے کنارے بہہ رہے ہیں کیا تم نہیں دیکھ رہے O

أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مِثْلُ ۙ وَلَا يُكَادُ يُبِينُ ﴿٥٢﴾

(کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو بہت بے وقعت ہے اور جو اپنا مافی الضمیر صاف طرح بیان نہیں کر سکتا O

فَلَوْلَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ آسُورَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكُ

(اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے ٹکڑے کیوں نہیں پہنائے گئے یا اس کے پاس ستار

مُقْتَرِنِينَ ﴿٥٣﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ ۖ فَاطَاعُوهُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا

فرشتے آتے O فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنالیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی بے شک وہ نافرمان

فَاسِقِينَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّا أَسْفَوْا نَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٥﴾

لوگ تھے O پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا O

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿٥٦﴾

پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا O پھر

انہوں نے کہا: میں اس کا رسول ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے O سو جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس پہنچے تو اسی

وقت وہ ان نشانوں پر ہنسنے لگے O اور ہم ان کو جو نشانیاں بھی دکھاتے تھے وہ اس سے پہلے دکھائی ہوئی نشانوں سے بڑی ہوتی

تھی اور ہم نے ان کو (بار بار) عذاب سے پکڑا تا کہ وہ ہار آ جائیں O (الحرف: ۲۸-۲۹)

حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ کو یہاں ذکر کرنے کے مقاصد اور فوائد

اس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ جو ذکر کیا گیا ہے اس سے اس مضمون کی تاکید کرنا مقصود ہے جو اس

سے پہلے گزر چکا ہے کیونکہ کفار مکہ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ کے پاس مال کی کثرت

نہیں ہے اور نہ معاشرہ میں آپ کو کوئی بڑا منصب حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون

کے سامنے ایسے قوی مجربات پیش کیے جن کے صحیح ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہ تھا تو اس وقت فرعون نے بھی حضرت موسیٰ پر

ایسا ہی اعتراض کیا تھا جیسا کہ کفار مکہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا اس نے کہا: میں مٹنی ہوں اور میرے پاس بہت مال ہے اور میرے ماتحت بہت بڑی فوجیں ہیں اور تمام مصر کے ملک پر میری حکومت ہے اور گل کے کنارے دو یا تیس رہے ہیں اور رہے مویٰ تو وہ فقیر ہیں اور معاشرہ میں کم حیثیت ہیں ان کو اپنے مافی الضمیر کے اعمار پر قدرت نہیں ہے اور جو شخص فقیر اور کم حیثیت ہو اس کو اتنے بڑے بادشاہ کے دربار میں سفیر بنا کر کیسے بھیجا جاسکتا ہے اور یہ ایسا ہی شہ ہے جیسا کہ کفار مکہ نے کہا تھا کہ یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ (الترغف: ۳۱) اور ایسا ہی اعتراض فرعون نے حضرت مویٰ پر کیا تھا پھر ہم نے فرعون سے انتقام لیا اور فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا اور اس قصہ کو یہاں ذکر کرنے سے تین چیزوں کی تائید کرتا ہے:

(۱) کفار اور مشرکین ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام پر اس قسم کے رقیق اعتراضات کرتے چلے آئے ہیں لہذا ان اعتراضات کی پروا نہ کی جائے۔

(۲) فرعون روئے زمین کا بہت بڑا بادشاہ تھا اس کے باوجود وہ حضرت مویٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں خائب و خاسر اور ناکام اور نامراد ہوا اسی طرح مکہ میں آپ کے مخالف کفار اور مشرکین ناکام اور نامراد رہیں گے۔

(۳) حضرت مویٰ علیہ السلام کا مخالف فرعون بہت بڑا بادشاہ تھا اور اس کے ماتحت بہت بڑا لشکر تھا اور اس کے درباری اور معاون اس زمانہ کے بہت بڑے جاوید گھر تھے اور اس کی پوری قوم اس کی خدائی کو مانتی تھی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مخالفین تھے وہ فرعون کی طرح طاقت ور نہ تھے۔ وہ سب مختلف قبائل اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کے پاس کوئی فوج تھی نہ طاقت اور اقتدار تھا تو جب فرعون حضرت مویٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں پہنچا ہو گیا تو یہ کفار مکہ کو فرعون کی طرح اقتدار والے نہ تھے ان کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں پہنچا ہونا بہت یقینی ہے اور یہ بہت جلد اپنے انہماک کو بچھیننے والے ہیں۔

الترغف: ۵۷ میں فرمایا کہ فرعون اور اس کے درباری حضرت مویٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات پر ہنسنے لگے۔ حضرت مویٰ علیہ السلام اپنا عصا زمین پر ڈالتے تو وہ اڑدھان بن جاتا پھر اس کو ہاتھ میں لے کر پکڑتے تو وہ پھر لاشی بن جاتا۔ وہ اپنا ہاتھ اپنی بغل کے اندر ڈالتے تو وہ چمکنے لگتا اور دوبارہ جب اس کو بغل میں ڈالتے تو وہ پھر اصلی حالت پر آ جاتا فرعون اور اس کے درباری حضرت مویٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لیے ان پر ہنسنے لگے اور وہ ان کا مذاق اڑا کر اپنے پیغمبر کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ حضرت مویٰ کے یہ افعال جاوید ہیں انہوں نے لوگوں کے خیالوں پر اثر کیا ہے اور وہ بھی اس کا مقابلہ کرنے پر قادر ہیں۔

الترغف: ۵۸ میں فرمایا: "حضرت مویٰ کی دکھائی ہوئی ہر نشانی کیلی نشانی سے بڑی ہوتی تھی۔" اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت مویٰ علیہ السلام کا ہر معجزہ پہلے معجزہ سے بڑا ہوتا تھا ایک قول یہ ہے کہ بعد کا معجزہ پہلے معجزہ سے مل کر بڑا ہوتا تھا کیونکہ پہلا معجزہ بھی حضرت مویٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلیل ہوتا تھا اور بعد کا معجزہ بھی ان کی نبوت پر دلیل ہوتا تھا اور کثرت دلائل زیادہ علم اور زیادہ یقین کے حصول کو مستلزم ہوتے ہیں اس آیت میں فرمایا ہے: ہر بعد کا معجزہ اپنی بہن سے بڑا ہوتا تھا معجزوں کو ایک دوسرے کی بہن اس لیے فرمایا ہے کہ ہر معجزہ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی مثل تھا۔

نیز فرمایا: "ہم نے ان کو بار بار عذاب سے پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں۔"

عذاب سے بچانے سے مراد یہ ہے کہ اذیت ناک چیزیں ان پر مسلط کر دیں ان پر طوقان بھیجا ان پر نڈیاں اور جوئیں برسانیں مینڈکوں اور خون کو ان پر مسلط کیا تاکہ وہ اپنے کفر کو ترک کر کے ایمان کی طرف رجوع کر لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا: اے جادوگر! آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلہ سے دعا کیجئے جو آپ کے پاس ہے بے شک ہم ضرور ہدایت پانے والے ہیں O پھر جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ اسی وقت اپنے عہد کو توڑنے والے تھے O اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی اور کہا: اے میری قوم! کیا یہ مصر کا ملک میرا نہیں ہے اور یہ دریا جو میرے محل کے کنارے بہہ رہے ہیں کیا تم نہیں دیکھ رہے O (الفرغف: ۵۱-۴۹)

جب قوم فرعون نے عذاب کا معائنہ کر لیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے جادوگر! اور وہ چونکہ پہلے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے تو اب بھی انہوں نے آپ کو اپنی عادت کے مطابق جادوگر کہا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ علماء کو جادوگر کہتے تھے تو بریکیل تعظیم کہا: اے جادوگر! حضرت ابن عباس نے فرمایا: اے جادوگر کا معنی ہے: اے عالم! اور ان کے دور میں جادوگر بہت عظیم شخص ہوتا تھا اور وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور ان کے نزدیک جادوگر نذمت کی صفت نہیں تھی اس کی ایک اور توجیہ یہ ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ اسے وہ شخص جو ہم پر اپنے جادو کی وجہ سے غالب آ گیا۔

انہوں نے کہا: آپ ہمارے لیے اس عہد کے وسیلہ سے دعا کیجئے جو آپ کے پاس ہے یعنی آپ ہمیں یہ بتائیے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو یہ عذاب ہم سے دور ہو جائے گا اور اس عہد کی بناء پر آپ اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ ہم سے یہ عذاب دور کر دے پھر بے شک آئندہ ہدایت پر قائم رہیں گے۔

الفرغف: ۵۰ میں فرمایا: ”پھر جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ اسی وقت اپنے عہد کو توڑنے والے تھے O“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے دعا کی سو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو انہوں نے فوراً اپنے عہد کو توڑ دیا اور عذاب دور ہو جانے کے بعد وہ ایمان نہیں لائے۔

الفرغف: ۵۱ میں فرمایا: ”اور فرعون نے اپنی قوم میں ندا کی اور کہا: اے میری قوم! کیا یہ مصر کا ملک میرا نہیں ہے اور یہ دریا جو میرے محل کے کنارے بہہ رہے ہیں کیا تم نہیں دیکھ رہے O“

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اب یہ بتا رہا ہے کہ فرعون کا اپنی قوم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنی معرکہ آرائی کو کس طرح اپنی قوم کے سامنے پیش کیا۔

اس نے کہا: کیا دریاے نیل میرے محل کے نیچے نہیں بہ رہا یا اس کا مطلب تھا کہ دریاے نیل سے چار نہریں نکال کر میرے محل کے ساتھ ساتھ جاری نہیں کی گئیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس نے اپنے ہالی کی کثرت اور اپنے پیش و عشرت کی فراوانی سے اپنی فضیلت پر استدلال کیا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ جب میں افضل ہوں تو حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں میں ہی حق پر ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو بہت بے وقعت ہے اور جو اپنا مانی الضمیر صاف طرح بیان نہیں کر سکتا O (اور اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے ٹکٹن کیوں نہیں پہنائے گئے یا اس کے پاس متواثر فرشتے آتے O فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنالیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے O پھر جب انہوں نے ہمیں نارا نہیں کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو فرق کر دیا O پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ

بنادیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنادیا O (الفرغف: ۵۶-۵۴)

فرعون نے اپنی قوم سے کہا: بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جس کا اس ملک میں کوئی غلبہ اور اقتدار نہیں ہے جو اپنی کم مائیگی کی وجہ سے اپنی ضروریات بھی پوری نہیں کر سکتا اور نہ اپنا مافی الضمیر آسانی سے اور صاف طرح بیان کر سکتا ہے فرعون کا مطلب یہ تھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں مگرہ تھی جس کی وجہ سے آپ کو یوں نے میں مشکل پیش آتی تھی پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس مگرہ کو کھول دیا تھا فرعون آپ کے پچھلے حال کے اعتبار سے طعنہ دے رہا تھا۔

الزخرف: ۵۳ میں فرمایا: ”(اگر یہ واقعی رسول ہے تو) اس کو سونے کے ٹکٹن کیوں نہیں پہنائے مگرے یا اس کے پاس سوا تر فرشتے آتے“ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جو شخص قوم کا رئیس ہوتا تھا اس کو سونے کے ٹکٹن پہنائے جاتے فرعون نے حضرت موسیٰ پر یہ اعتراض کیا کہ اگر حضرت موسیٰ اپنے دعویٰ کے مطابق نبی ہیں تو چاہے تھا کہ ان کے ہاتھوں میں بھی سونے کے ٹکٹن ہوتے فرعون کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا کیونکہ ہاتھوں میں سونے کے ٹکٹن ہونا نبوت کی دلیل نہیں ہے امیر اور دولت مند لوگ چاہیں تو جتنے سونے کے زیورات ہاکن لیں اس سے وہ نبی نہیں بن جائیں گے سونے کے ٹکٹن پہننا امارت اور دولت کی دلیل ہے نبوت کی دلیل نہیں ہے نبوت کی دلیل یہ ہے کہ کوئی ایسا خلاف عادت کام کرے کہ دکھایا جائے جس کی تفسیر کوئی دوسرا پیش نہ کر سکے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لامٹی کو اڑھایا کہ وہاں ہاتھوں میں سونے کے تمام درباری خوف زدہ ہو گئے اور ان کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے پھر آپ نے اس اڑدھے پر اپنا ہاتھ ڈالا تو وہ پھر لامٹی بن گیا پھر آپ نے یہ بیہوشام دکھایا پھر جب یہ لوگ اپنے کفر پر مصر رہے تو ان پر سینڈ کون کی جوڑوں کی اور ٹڈیوں کی بارش ہوئی اور ان پر طوفان آیا اور ان تمام آسمانی آفتوں سے نجات کے لیے انہوں نے حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست کی۔ کیا یہ امور نبوت کی دلیل ہیں یا ہاتھوں میں سونے کے ٹکٹن پہننا؟

پھر فرعون نے حضرت موسیٰ کے خلاف دوسری دلیل یہ دی کہ اگر یہ واقعی نبی ہیں تو ان کے پاس بہ کثرت فرشتے کیوں نہیں آئے اگر ان کے پاس فرشتے آتے اور وہ ان کی نبوت کا اعلان کرتے تو سب کو پتہ چل جاتا کہ یہ واقعہ نبی ہیں۔ فرعون کا یہ اعتراض بھی غلط تھا کیونکہ فرشتوں کو ان کی اصل صورت میں عام انسان دیکھ نہیں سکتے اور اگر وہ انسانی دیکھ میں آتے تو وہ لوگ یہ یقین نہ کرتے کہ یہ فرشتے ہیں۔

الزخرف: ۵۴ میں فرمایا: ”فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنالیا اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی بے شک وہ نافرمان لوگ تھے“ فرعون کے قہقہوں میں غم و غصہ اور جاہل لوگ تھے ان کی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے فرعون نے ان کو اپنا ہم نوا بنالیا اور دیسے بھی وہ لوگ فاسق تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج تھے۔

الزخرف: ۵۵ میں فرمایا: ”پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو فرق کر دیا“ اس آیت میں ”انصوفنا“ کا لفظ ہے علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسف کا معنی ہے: غم و غصہ اور کبھی یہ صرف غم اور صرف غصہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس کا حقیقی معنی ہے: انتقام لینے کے لیے خون کا جوش میں آنا اگر انسان کو اپنے سے کم مرتبہ اور کم زور شخص پر غصہ آئے تو اس کو غصہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اگر اپنے سے طاقت ور شخص پر غم ہو تو اس کو غم کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اسف کا حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر اطلاق محال ہے اس لیے یہاں پر اسف کا معنی ہے: کراہت کا اظہار کرنا اور کسی چیز کو ناپسند کرنا اور اس سے ناراض ہونا سو اس آیت کا معنی ہے: پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا یعنی ان کو سزا دی۔ اور اس کی دوسری توجیہ

یہ ہے کہ جب انہوں نے حضرت موسیٰ کو غضب ناک کیا اور ان کو متاسف کیا اور اللہ کے محبوب بندے کو غضب ناک کرنا درحقیقت اللہ کو غضب ناک کرنا ہے۔ (الفرقان ص ۱۸) ۲۱: کتبہ زار معطلی الہامیہ (۱۳۱۸ء)
 الخurf: ۵۶: میں فرمایا: ”پھر ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے ضرب المثل بنا دیا۔“
 یعنی فرعون اور ان کے پیروں کو ہم نے بھولا بھرا واقعہ بنا دیا اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت بنا دیا۔
 سلف ان حقدوم لوگوں کو کہتے ہیں جن کے اعمال نیک ہوں اور اس کی جمع اسلاف ہے اور سلف ان حقدوم لوگوں کو کہتے ہیں جن کے بُرے اعمال ہوں اور اس کی جمع سلف ہے اور اس آیت میں سلف بہ معنی سلف ہے۔

وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٤﴾

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم (خوشی سے) چلانے لگی ○

وَقَالُوا الْهَيْتَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ

اور انہوں نے کہا: کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑنے کے لیے ہے

قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٥﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي

بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو لوگو ○ ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں ہم نے ان پر انعام فرمایا ہے اور ہم نے ان کو

إِسْرَءِيلَ ﴿٥٦﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ

بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا ہے ○ اور اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہارے بعد

يَخْلُقُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَ بِهَا وَاتَّبِعُونِ

زمین میں رہنے ○ اور بے شک وہ (ابن مریم) ضرور قیامت کی نشانی ہیں سو (اے طالب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا

هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَصُدَّكُمْ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ

اور میری پیروی کرتے رہنا یہی صراطِ مستقیم ہے ○ اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے بے شک وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٥٩﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَى بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ

کھلا ہوا دشمن ہے ○ اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے (تو انہوں نے) کہا بے شک میں تمہارے پاس

بِالْحِكْمَةِ وَالْأَبْيَنِ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا

حکمت لے کر آیا ہوں اور تم میں تمہارے لیے بعض ان چیزوں کا بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو یہی تم اللہ سے

صباح القرآن

اللّٰهُ وَاَطِيعُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا

ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرتے رہو ۵ پے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم

صِرَاطَ مُسْتَقِيْمٍ ﴿۳۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ

اسی کی عبادت کرو یہی صراطِ مستقیم ہے ۵ پھر (نبی اسرائیل کے) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا

لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابٍ يَوْمِ الْيَوْمِ ﴿۳۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

یہیں ظالموں کے لیے درد ناک دن کے عذاب کی ہلاکت ہے ۵ وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں

السَّاعَةِ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ الْاَخْلَآءُ يُوَفُّوْنَ

کہ وہ ان پر اچانک آ جائے اور ان کو پتا بھی نہ چلے ۵ اس دن گہرے دوست

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۷﴾

ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی ۵ اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھوٹنے کے لیے ہے بلکہ وہ ہیں ہی جھوٹا لوگوں ۵ ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں ہم نے ان پر انعام فرمایا ہے اور ہم نے ان کو نبی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا ہے ۵ (الزخرف: ۵۹-۵۷)

الزخرف: ۵۷ کے شان نزول میں پہلی روایت

اس آیت کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی اور یہ آواز بلند نعرے لگاتے لگی: حضرت عیسیٰ ابن مریم کی کیا مثال بیان کی گئی تھی اور کفار مکہ نے اس سے کیا مطلب نکالا تھا جس پر وہ خوشی سے بھٹکیں بجانے لگے تھے مفسرین نے اس کی کئی توجیہات بیان کی ہیں اور کئی محال ذکر کیے ہیں ہم ان کا ترتیب سے ذکر کر رہے ہیں:

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے قریش کی جماعت! اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی گئی اس میں کوئی خیر نہیں ہے تو کفار مکہ نے یہ کہا: کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ نبی تھے اور اللہ کے بندوں میں سے ایک صالح بندے تھے اور ان کی بھی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب بھی ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۳۸۸ رقم الحدیث: ۱۸۵۱۱، ابن جریر ج ۵ ص ۲۳۳ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۳۲-۱۳۳)

حضرت ابن عباس کی اس حدیث کو امام احمد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور دوسرے احمد حدیث نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۸ طبع قدیم مسند احمد ج ۵ ص ۸۶ رقم الحدیث: ۲۸۸۸۸ مؤسسۃ المدینۃ عربیہ ۱۳۳۰ھ المجمع المکرم للعلماء رقم الحدیث: ۱۳۴۳۰ صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۸۱۷)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی گئی ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہے تو کفار مکہ نے اس پر یہ معارضہ کیا کہ حضرت یحییٰ کی بھی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی ہے تو اس میں بھی کوئی خیر نہیں ہے۔ پھر خوشی سے چلانے لگے اور شور مچانے لگے کہ ہم نے آپ کو لا جواب کر دیا اور ہمارے معارضہ کا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے حالانکہ یہ کوئی لا عقل معارضہ نہیں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ غیر اللہ کی عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے اور بے شک حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عبادت میں بھی کوئی خیر نہیں ہے اس پر عبادت کرنے والوں کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ جس کی عبادت کی گئی ہے اس سے بھی مواخذہ ہوگا اور اس کی گرفت ہوگی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے حضرت یحییٰ علیہ السلام پر کوئی زد نہیں پڑتی اور کفار قریش کا اس پر شور مچانا اور عقلیں بھانا بالکل فضول اور لاعینی تھا قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ؟ حضرت یحییٰ عرض کریں گے: تو سبحان ہے میرے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھ کو اس کا علم ہوتا تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ تیرے دل میں کیا ہے بے شک تو تمام نبیوں کا بہت جانتے والا ہے O (المائدہ: ۱۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اس سے زائد کوئی معاملہ نہیں کیا کہ ان سے صرف دریافت فرمایا۔

الترغیف: ۵۷ کے شان نزول میں دوسری روایت

اس آیت کے متعلق جو دوسرا شان نزول ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَصْحَابُ جَهَنَّمَ
أَن تَقُولَ لَهُمْ قُتِلُوا ۖ ذُنُوبُهُمْ كُتِبَ لَهُم مِّنْ قَبْلِ هَٰذَا مِن دُونِ
أَن يُقَالُوا لَهُمْ قُتِلُوا ۖ ذُنُوبُهُمْ كُتِبَ لَهُم مِّنْ قَبْلِ هَٰذَا مِن دُونِ
أَن يُقَالُوا لَهُمْ قُتِلُوا ۖ ذُنُوبُهُمْ كُتِبَ لَهُم مِّنْ قَبْلِ هَٰذَا مِن دُونِ

کہتے ہو (وہ سب) دوزخ کا اندھن ہیں تم (سب) اس میں داخل ہونے والے ہو

حافظ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن الزبیری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ کے اوپر یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ: ”بے شک تم خود اور جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا اندھن ہیں“۔ (النبیاء: ۹۸) ابن الزبیری نے کہا: بے شک سورج اور چاند کی اور فرشتوں کی اور عزیر کی اور یحییٰ ابن مریم کی عبادت کی گئی ہے تو یہ سب بھی ہمارے بتوں کے ساتھ دوزخ میں داخل کیے جائیں گے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اور جب ابن مریم کی مثال دی گئی تو آپ کی قوم خوشی سے چلانے لگی O اور انہوں نے کہا: آیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ ان کا اس مثال کو بیان کرنا محض جھگڑے کے لیے ہے بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑا لو لوگ O (الترغیف: ۵۸-۵۷) اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے اچھی جزا پہلے سے مقرر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ (النبیاء: ۱۰۱)

حافظ عبد اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب ”الاحادیث المختارہ“ میں ذکر کیا ہے۔ (تعمیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۰)

نہیں فرمایا کہ اللہ کے سوا جن کی بھی عبادت کی گئی ہے وہ دوزخ کا اہل ہیں بلکہ بالخصوص اہل مکہ کو خطاب ہے اور وہ صرف بتوں کی عبادت کرتے تھے اور یسویٰ اور عزیر علیہما السلام کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ لہذا وہ اس آیت میں داخل نہیں ہیں۔ ثانیاً اس آیت میں ”ما“ کا لفظ ہے جو غیر عقائد کے لیے وضع کیا گیا ہے اور حضرت یسویٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام ذوی اہتول ہیں لہذا وہ اس آیت کے عموم میں داخل نہیں ہیں اور عربی زبان جاننے والے کے لیے یہ امور بالکل واضح اور بدیہی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امور مخفی ہوں جو اصح العرب ہیں اور اہل عرب بھی زبان دان اور فصیح تھے لہذا ان کا یہ اعتراض کرنا اور اس اعتراض کو لاغفل سمجھنا محض ان کا جہل اور ہٹ دھرمی ہے۔

ہم نے اس آیت کے دو شان نزول ذکر کیے ہیں: ایک شان نزول مسند احمد، التلمیذ اور صحیح ابن حبان کے حوالے سے ذکر کیا ہے جن میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی گئی تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے اس پر کفار نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت یسویٰ کی بھی تو عبادت کی گئی ہے اور دوسرا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: تم جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو وہ دوزخ کا اہل ہیں۔ (النبا: ۹۸) اس پر ابن الزبیری نے یہ اعتراض کیا کہ پھر حضرت یسویٰ ابن مریم کی بھی عبادت کی گئی ہے اس اعتراض کو ہم نے بطریق ”المسیرۃ المہدیۃ“ ابن جریر اور ابن کثیر کے حوالوں سے بیان کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ کفار کا ایک اعتراض حدیث پر ہے اور ایک اعتراض قرآن مجید کی آیت پر ہے اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ عام کفار نے آپ کی حدیث پر کیا ہو اور ابن الزبیری نے قرآن مجید کی آیت پر کیا ہو اور الزخرف: ۵۸-۵۷ میں دونوں اعتراضوں کا جواب ہے کہ ان لوگوں کا یہ اعتراض کرنا محض ان کا جہل اور ہٹ دھرمی ہے اور ہم نے دونوں اعتراضوں کے جوابوں کی الگ الگ تقریر بھی کر دی ہے۔

سید مودودی کا شان نزول میں حدیث وضع کرنا

سید مودودی نے اپنی طرف سے الزخرف: ۵۸-۵۷ کا شان نزول وضع کیا ہے اور گھڑ لیا ہے انہوں نے اپنی طرف سے جو صورت واقعہ بنائی ہے اس کا ذکر کسی حدیث کی کتاب میں ہے نہ کسی تفسیر میں وہ ان کی خالص خود ساختہ پرداخت ہے۔

سید مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اس سے پہلے آیت ۲۵ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ تم سے پہلے جو رسول ہو گزرے ہیں ان سب سے پوچھ دیکھو کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا کچھ دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ ان کی بندگی کی جائے؟ یہ تقریر جب اہل مکہ کے سامنے ہو رہی تھی تو ایک شخص نے جس کا نام روایات میں عبد اللہ بن الزبیری آیا ہے اعتراض جزویا کہ کیوں صاحب عیسیٰ ابن مریم کے بیٹے کو خدا کا بیٹا قرار دے کر اس کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں؟ پھر ہمارے معبود کیا ہے؟ اس پر کفار کے مجمع کے ایک زور کا قبیلہ بلند ہوا اور نعرے لگنے شروع ہو گئے کہ وہاں پکڑے گئے۔ اب یلو اس کا کیا جواب ہے۔ لیکن ان کی اس بیہوشی پر سلسلہ کلام توڑا نہیں گیا بلکہ جو مضمون چلا آ رہا تھا پہلے اسے مکمل کیا گیا اور پھر اس سوال کی طرف توجہ کی گئی جو معترض نے اٹھایا تھا (واضح رہے کہ اس واقعہ کو تفسیر کی کتابوں میں مختلف طریقوں سے روایت کیا گیا ہے جن میں بہت کچھ اختلاف ہے لیکن آیت کے سیاق و سباق اور ان روایات پر غور کرنے بعد ہمارے نزدیک واقعہ کی صحیح صورت وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کی ہے)۔

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۵۳۲ طبع ۱۹۸۳ء)

کتب حدیث اور کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ ابن الزبیری نے ”إِنَّمَا هُمْ دُونُ اللَّهِ وَمَا أَشْبَهُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ حُصْبٌ يَهْتَكُونَ“ (النبا: ۹۸) پر یہ اعتراض کیا تھا اور سید مودودی نے لکھا ہے کہ اس نے یہ اعتراض الزخرف: ۲۵ پر کیا تھا اور حدیث اور تفسیر کی

شرکین کے اس قول کی متعدد تقریریں ہیں: علامہ ابو عبد اللہ مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

(۱) ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتے ہوئے کہا: ہر وہ جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی وہ دوزخ میں ہوگا تو ہم اس بات سے راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی عیسیٰ ملائکہ اور عرب کے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں۔

(۲) قتادہ نے کہا: ہمارے معبود بہتر ہیں یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتادہ نے کہا: ان کا مطلب یہ تھا کہ ان کے معبود بہتر ہیں۔ (المناہج لا نکاح القرآن ج ۲ ص ۹۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے "الہتتنا عیسو ام هذا"۔ ان کی مراد تھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش یہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی اس طرح عبادت کریں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان کی عبادت کی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ صرف جہل اور جھگڑا کرنا چاہتے ہیں امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم بھی عبادت کے بعد گمراہ ہوئی اس کو وراثت میں جھگڑا دیا گیا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۹) اور حضرت ابوامامہ سے ایک اور روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو امت بھی اپنے نبی کے بعد گمراہ ہوئی اس کی پہلی گم رانی تقدیر کی تکذیب کرتا ہے اور جو امت بھی اپنے نبی کے بعد گمراہ ہوئی اس کو جہل اور جھگڑا دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۳۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کفار مکہ نے کہا: ہمارے معبود افضل ہیں یا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ وہ کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد ہم کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور ہمارے آباء و اجداد یہ کہتے ہیں کہ ان بتوں کی عبادت واجب ہے اور جب دو باتوں میں سے ایک بات ہوئی ہے تو ان بتوں کی عبادت افضل ہے کیونکہ ہمارے آباء و اجداد اس طریقہ پر اتفاق ہے اور رہے (سیدنا) محمد تو ہمارے معاملہ میں ان کی عبادت پر تہمت ہے لہذا بتوں کی عبادت کرنا زیادہ افضل ہے۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۳۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

آیا کفار نے اپنے بتوں کو بہتر قرار دیا تھا یا حضرت عیسیٰ کو؟

ایک بحث یہ ہے کہ مشرکین نے جو کہا تھا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ اس سے ان کی مراد اپنے معبودوں کو حضرت عیسیٰ سے افضل قرار دینا تھا یا حضرت عیسیٰ کو اپنے معبودوں سے افضل قرار دینا تھا اس کے متعلق مفسرین کی حسب ذیل تصریحات ہیں:

علامہ ابو الحسن علی بن احمد الواحدی النیساپوری المتوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں:

یعنی ہمارے معبود حضرت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہے پس اگر حضرت عیسیٰ دوزخ میں ہوں کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی گئی ہے تو اسی طرح ہمارے معبود ہوں گے۔ (الوسیع ج ۳ ص ۷۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر دہشتری متوفی ۵۲۸ھ لکھتے ہیں:

ان کی مراد یہ تھی کہ ہمارے معبود آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہیں تو جب حضرت عیسیٰ (العیاذ باللہ) دوزخ کا اجر منہیں گے تو ہمارے معبودوں کا معاملہ تو آسان ہے۔ (الکشاف ج ۳ ص ۲۶۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود سیفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

ان کی مراد یہ تھی: ہمارے معبود حضرت عیسیٰ سے بہتر نہیں ہیں، پس حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) دوزخ کا اندھن نہیں کے تو

ہمارے معبودوں کا معاملہ تو آسان ہے۔ (مدارک القریلی علی حاشی اللطائف ج ۱ ص ۱۰۸ ملاحظہ ہو)

قاضی ابو سعید محمد بن محمد مصطفیٰ البغدادی اشعری المتوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عیسیٰ ہمارے معبودوں سے بہتر ہیں، پس جب وہ دوزخ میں ہوں گے تو کوئی حرج نہیں ہے اگر ہم بھی اپنے

معبودوں کے ساتھ دوزخ میں ہوں۔ (تفسیر ابو سعید ج ۶ ص ۳۹ مدارک القریلی ج ۱ ص ۱۰۸)

علامہ شیخ اسماعیل حنفی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ ہمارے معبودوں سے بہتر ہیں، پس جب وہ دوزخ میں ہوں گے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم بھی

اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں ہوں۔ (روح البیان ج ۸ ص ۵۸۳ مدارک القریلی ج ۱ ص ۱۰۸)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے بتوں سے بہتر ہیں، پس جب وہ

دوزخ میں ہوں گے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ ہمارے معبود اور ہم بھی دوزخ میں ہوں۔

(روح البیان ج ۲ ص ۲۵ مدارک القریلی ج ۱ ص ۱۰۸)

صدر الافاضل سید محمد فہم الدین حنفی مراد آبادی لکھتے ہیں:

مطلب یہ تھا کہ آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہتر ہیں تو اگر وہ (محال اللہ) جہنم میں ہوئے تو ہمارے معبود

یعنی بت بھی ہوا کریں کچھ پروا نہیں۔ (نور البیان ج ۱ ص ۷۷)

الزخرف ۵۹ میں فرمایا: "ان میں مریم شخص ہمارے (مقدس) بندے ہیں، ہم نے ان پر انعام فرمایا ہے اور ہم نے ان کو نبی

اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنا دیا ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے تھے، خدا یا خدا کے بیٹے نہ تھے

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا اس کے بیٹے نہ تھے، وہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندے تھے

اور بہت مقدس اور مقرب بندے تھے، ہم نے ان کو شرف نبوت سے سرفراز کیا، ان کو کتاب عطا فرمائی اور وہ جہاں گئے وہاں

ان کو برکت والا بنایا، ان کو پالنے اور چنگوڑے میں لوگوں سے کلام کرنے والا بنایا اور ان کو ہم نے اور بہت انعامات عطا کیے اور

نبی اسرائیل کے لیے ہم نے ان کو اپنی قدرت کا نمونہ بنا دیا، اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا

فرمایا، پھر ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو اس سے پہلے اور کسی کو عطا نہیں فرمائے تھے۔ وہ مثنیٰ کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک

مارتے تو وہ جیتا جاتا، پرندہ بن کر فضا میں اڑنے لگتا، وہ ماوراء الزمرد سے روپے تھے اور گڑھی کو تندرست کر دیتے تھے

انہوں نے دو قدیم اور جدید مردوں کو زندہ کیا، انہوں نے جس طرح بچپن میں کلام کیا تھا اسی طرح آسمان سے نازل ہونے

کے بعد اوجیز عمر میں کلام کریں گے، تاہم ان عظیم الشان معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عہدیت کے مقام سے اٹھا

کر اہدیت کے مقام پر فائز کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ ان کی عبادت کرنا درست ہے، البتہ ان معجزات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ

کے انتہائی کرم اور مقرب بندے اور عظیم الشان رسول تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہارے بعد زمین میں رہتے اور بے شک وہ

(ابن مریم) قیامت کی نشانی ہیں سو (اے مخاطب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا اور میری پیروی کرتے رہنا یہی صراطِ مستقیم ہے O اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O (الخراف: ۶۲-۶۳)

فرشتوں کے اللہ کی بیٹیاں نہ ہونے کی ایک اور دلیل

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے جو تمہارے بعد زمین میں رہتے۔ یعنی اور فرشتوں کے آسمانوں پر رہنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے حتیٰ کہ ان کی عبادت کی جائے یا یہ کہا جائے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (الانعام: ۱۱۵) (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۶۷ دارالمنیر بیروت ۱۳۸۵ھ)

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اسے مردو! ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے اور تمہارے بعد زمین پر فرشتے اس طرح رہتے جس طرح تمہاری اولاد تمہارے بعد رہتی ہے اور جس طرح ہم نے عیسیٰ کو گورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا تاکہ تم ہماری عظیم قدرت کو پہچانو اور تم یہ جان لو کہ فرشتوں کا بھی اسی طرح پیدا ہونا ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہوں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۶۷ دارالمنیر بیروت ۱۳۸۵ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی تحقیق

الخراف: ۶۲-۶۳ میں فرمایا: "اور بے شک وہ (ابن مریم) قیامت کی نشانی ہیں سو (اے مخاطب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا اور میری پیروی کرتے رہنا یہی صراطِ مستقیم ہے O اور شیطان تم کو روکنے نہ پائے بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور قتادہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خروج مراد ہے کیونکہ وہ قیامت کی علامتوں میں سے ہیں وقوع قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو آسمان سے نازل فرمائے گا جیسا کہ خروج و جہاں بھی قیامت کی علامتوں میں سے ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عیسیٰ کے آسمان سے نزول کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، عقیق یہ تم میں ابن مریم نازل ہوں گے، احکام نافذ کرنے والے، عدل کرنے والے، وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو کٹھن کریں گے، جزیرہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال لائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا، حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوگا اور تم چاہو تو اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھو: "اول کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا"۔ (اشعۃ: ۱۵۹)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۲۰، سنن ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۳۴۳۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۸)

حضرت نو اس بن سحمان کلابی رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث بیان کرتے ہیں اس میں ہے کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تذکرہ میں فرمایا: حضرت عیسیٰ ابن مریم جامع مسجد دمشق کے سفید مشرقی منارہ پر اس حال میں اتریں گے کہ انہوں نے چلکے زرد رنگ کے دو حبلے پہنے ہوئے ہوں گے اور انہوں نے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے، جب آپ سر نیچا کریں گے تو پانی کے قطرے چک رہے ہوں گے اور جب آپ سر اوپر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح سفید چاندی کے دانے جھڑ رہے ہوں گے۔ اللہ بہت

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۳۷، سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۴۳۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے

نے ان کو گھیر لیا تھا جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کی طرح بنا دی یہودیوں نے ان سے کہا: تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے تم یہ تلاء کہ تم میں سے عیسیٰ کون ہے ورنہ ہم سب کو قتل کر دیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا: تم میں سے کون آج اپنی جان کو جنت کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے؟ ان میں سے ایک حواری نے کہا: میں! وہ یہودیوں کے پاس گیا اور کہا: میں عیسیٰ ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت حضرت عیسیٰ کی طرح بنائی ہوئی تھی انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا اس وجہ سے وہ شخص ان کے لیے حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دیا گیا تھا یہودیوں نے گمان کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور عیسائیوں نے بھی یہی گمان کر لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اسی دن اٹھایا تھا۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۷۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوی حنفی لکھتے ہیں:

ابوہلی جہانی نے کہا ہے کہ یہودی سرداروں نے ایک انسان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کو ایک اونچی جگہ پر سولی دے دی اور کسی شخص کو اس کے قریب جانے نہیں دیا حتیٰ کہ اس کا علیہ متغیر ہو گیا اور ان یہودیوں نے کہا: ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا تاکہ ان کے عوام اس وہم میں رہیں کیونکہ یہودیوں نے جس مکان میں حضرت عیسیٰ کو بند کر رکھا تھا جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ مکان خالی تھا اور ان کو یہ غمزدہ ہوا کہ کہیں یہ واقعہ یہودیوں کے ایمان لانے کا سبب نہ بن جائے اس لیے انہوں نے ایک شخص کو قتل کر کے یہ مشہور کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری منافق تھا اس نے یہودیوں سے تمیں درہم لے کر یہ کہا کہ میں تم کو بتا دوں گا کہ عیسیٰ کہاں چھپے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا اور اس منافق کے اوپر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی یہودیوں نے اس کو اس گمان میں قتل کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہے۔

(امام ابن جریر نے جامع البیان ج ۶ ص ۷۷۷ اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی ج ۲ ص ۳۳۱-۳۳۲ پر اس روایت کو وہب بن منبہ سے بہت تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے) (روح البانی ج ۶ ص ۷۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

”ہل دفعہ اللہ الیہ“ پر مرزا سیہ کے اعتراض کے جوابات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھایا“ مرزائی اس آیت سے استدلال کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں دفع سے مراد ہے: روح کا اٹھالینا ان کا یہ کہنا اس لیے غلط اور باطل ہے کہ ”ہل دفعہ اللہ الیہ“ میں کلام سابق سے انصراف ہے کلام سابق میں جس چیز کی نفی کی ہے ”ہل“ سے انصراف کر کے اس چیز کا اثبات کیا ہے کلام سابق میں مذکور ہے کہ یہود نے کہا تھا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا ہے اور ان کو سولی دی ہے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کے جسم مع روح کو قتل کیا ہے اور ان کے جسم مع روح کو سولی دی ہے کیونکہ روح کو قتل کرنا اور اس کو سولی دینا غیر معقول ہے اور نہ یہ یہود کا دعویٰ تھا۔ پس ”ہل“ سے پہلے جسم مع روح کو قتل کرنے کا ذکر تھا تو ”ہل“ کے بعد جسم مع روح کے دفع اور اس کے اٹھانے کا ذکر ہے اور اس کو صرف روح کے دفع اور اٹھانے پر محمول کرنا سیاق و سباق اور قواعد نحو کے خلاف ہے اور غلط اور باطل ہے۔ لہذا اس آیت سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ کے جسم مع روح کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔

اس آیت سے استدلال پر مرزا سیہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حدیث میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تواضع لله دفعه الله.

جس نے اللہ کے لیے تواضع کی اللہ اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے۔

(طبع: دارالافتاء ج ۳، ص ۱۲۹، اہل اسلام ج ۳، ص ۱۲۹، مکتبہ دارالحدیث، ۱۴۱۲ھ)

سو جس طرح اس حدیث میں رفع کا معنی رفع درجات ہے اسی طرح ”ہل دفعہ اللہ الیہ“ کا معنی بھی یہ ہے: اللہ نے حضرت یحییٰ کے درجات بلند کیے نہ کہ یہ کہ ان کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اس حدیث کی سند بہت رقیق ہے اس میں ایک راوی ہے سعید بن سلام ابن نمیر نے کہا: یہ کذاب ہے امام بخاری نے کہا: یہ حدیث وضع کرتا تھا۔ امام نسائی نے کہا: یہ ضعیف ہے امام احمد بن حنبل نے کہا: یہ کذاب ہے۔

(بخاری الاصحاح ج ۳، ص ۲۰۹، دارالکتب المصریہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق و سباق سے یہ متعین ہے کہ ”ہل دفعہ اللہ الیہ“ کا معنی یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے خود حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا نہ کہ ان کے درجہ کو بلند فرمایا۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ”ہل دفعہ اللہ الیہ“ کا معنی ان کا درجہ بلند کرنا محاذ ہے اور محاذ پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے جب حقیقت محال ہو اور یہاں حقیقت محال نہیں ہے نیز ”ہل دفعہ اللہ“ کے ساتھ ”الیہ“ بھی مذکور ہے اگر اس کا معنی درجہ بلند کرنا ہوتا تو پھر الیہ کی ضرورت نہ تھی۔

مرزا نیو کا اس استدلال پر تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ”ہل دفعہ اللہ الیہ“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا حالانکہ تہا راہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان والے سے تعبیر کیا گیا ہے قرآن مجید میں ہے:

وَأَوْنَحْنُمْ مَن فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْلِفَ بِكُنُوزِ الْأَرْضِ وَلَكَا
يَحْيٰى كَتُومُونَ (الملک: ۱۷)

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمان والا تم کو زمین میں دھنسا دے اور زمین اچانک لرزے لگے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب وحی کے شکر ہوتے تو آسمان کی طرف دیکھتے تھے:

قَدْ نَرَى تَغْلِبَ وَجْهَكَ فِي السَّمَاوَاتِ (البقرہ: ۱۱۳)

ہے شک ہم آپ کے چہرہ کو ہر پارہ آسمان کی طرف اٹھاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

اس لیے زیر بحث آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے آسمانوں کا کنایہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا اور اس کی تائید اور تقویت ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں یہ تصریح ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا اور قرب قیامت میں وہ آسمان سے نازل ہوں گے اور اس پر اجماع است ہے مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی براہین احمدیہ میں یہی لکھا ہے جیسا کہ حقیر یہ آئے گا۔

”انسی متوفیک ورافعک الی“ سے حضرت یحییٰ کے نزول پر استدلال

إِذْ قَالَ اللَّهُ نَبِيَّيْ اِنِّي مَتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ

وَمُعَدُّكَ مِنَ الَّذِينَ يُكْرَمُونَ (آل عمران: ۵۵)

(اے رسول کرم! یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا: اے یحییٰ! بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی

طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کو کافروں (کے بہتان) سے پاک کرنے والا ہوں۔

اس آیت میں ”موتوبک“ کا لفظ ہے اس کا مصدر ”موتی“ ہے اور اس کا مادہ وفات ہے۔ وفات کے معنی ہیں: بھرا کرنا موت کو بھی وفات اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ عمر پوری ہو جاتی ہے۔

علامہ حسین بن محمد رافع اسنبہانی سنہ ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

والی اس چیز کو کہتے ہیں جو تمام اور کمال کو پہنچ جائے قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا الْكُنُوزُ إِذَا الْكُلُومِ (نور سرائل: ۳۵) اور جب تم تاپو تو پورا تاپو۔

وَوَقَّيْتُ حُلَّيْنِ لِنَفْسٍ فَأَعْلَمْتُ (الزمر: ۷۰)

اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

موت پر وفات کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ موت کے ذریعہ زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے اور نیند بھی موت کی بہن ہے کیونکہ نیند میں بھی اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور حواس اور مشاعر معطل ہو جاتے ہیں اس لیے نیند پر بھی وفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ (الغفرات ص ۵۲۹-۵۳۰ مطبوعہ مکتبۃ الرقوعیہ ایران ۱۳۳۲ھ)

أَلَمْ يَكُنْ فِي نَفْسٍ لَّا تَفْقَهُ لَاحِظًا وَلَا نَظِيرًا (الزمر: ۲۳)

اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جنہیں موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند میں۔

امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اسے عیسیٰ! میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو زمین پر نہیں چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کو کھل کر دیکھ سکے بلکہ اپنی طرف اٹھا لے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس آیت کے متحدہ محال بیان کیے ہیں:

رفق بیان کرتے ہیں کہ اللہ آپ پر نیند کی وفات طاری کرے گا اور آپ کو نیند میں آسمان پر اٹھائے گا۔

کعب احبار نے بیان کیا کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ میں آپ کو جسم مع روح کے قبض کر لوں گا اور آپ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور میں مقرر ہوں کہ آپ کو کائنات کے خلاف بھیجوں گا آپ اس کو کھل کریں گے پھر اس کے بعد آپ چوبیس سال تک زندہ رہیں گے۔ پھر میں آپ پر موت طاری کروں گا۔ کعب احبار نے کہا: یہ معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تصدیق کرتا ہے آپ نے فرمایا: وہ امت کیسے ہلاک ہو گی جس کے اول میں میں ہوں اور جس کے آخر میں عیسیٰ ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا: واو مطلق جمع کے لیے آتی ہے ترہیب کا تقاضا نہیں کرتی اس لیے اس آیت کا معنی یہ ہے: اے عیسیٰ! میں تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا اور میں تمہیں کافروں (کی تہمت) سے پاک کروں گا اور اس کے بعد دنیا میں نازل کر کے تم پر وفات طاری کروں گا۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ ان اقوال میں میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ میں آپ کو روح مع جسم کے قبض کر لوں گا پھر آپ کو اپنی طرف اٹھاؤں گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہو کر وہاں کو کھل کریں گے پھر ایک مدت تک زمین پر رہیں گے پھر وفات پائیں گے پھر مسلمانان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کریں گے۔ پھر امام ابو جعفر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام انبیاء علیہ السلام (باپ کی طرف سے) بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے اور میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نمی نہیں ہے اور وہ میری امت پر میرے خلیفہ ہوں گے وہ زمین پر نازل ہوں گے جب تم ان کو دیکھو گے تو ان کو پہچان لو گے۔ وہ متوسط الخلق ہیں ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہو گا ان کے بال سیدھے ہوں گے گویا ان سے

پانی ٹھک رہا ہے اگرچہ دیکھتے ہوئے نہیں ہوں گے۔ وہ صلیب کو ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، فیاضی سے مال تقسیم کریں گے، اسلام کے لیے لوگوں سے جہاد کریں گے حتیٰ کہ ان کے زمانہ میں تمام باطل دین مٹ جائیں گے اور اللہ ان کے زمانہ میں مسیح الدجال کو ہلاک کر دے گا اور تمام روئے زمین پر امن ہوگا، کونٹ سانپوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے، نمل چیتوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے اور بکریاں، بھیڑیوں کے ساتھ اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیل رہے ہوں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ چالیس سال تک زمین میں رہیں گے، پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کر دیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یحییٰ بن مریم ضرور زمین پر نازل ہوں گے وہ برحق فیصلہ کریں گے اور نیک امام ہوں گے صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کریں گے، وہ بڑی فیاضی سے مال تقسیم کریں گے حتیٰ کہ کوئی شخص اس مال کا لینے والا نہیں ہوگا اور وہ مقام رواجہ پر حج یا عمرہ کرنے کے لیے جائیں گے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۳-۲۰۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

”انہی متوفیک ورافعک الی“ پر مرزا سیہ کے اعتراض کا جواب

مرزا کی اس آیت سے استدلال پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے "انسی متوفیک" کا ذکر ہے اور پھر "والعک الی" کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پہلے وفات یعنی موت دے گا پھر آپ کی روح کو اپنی طرف اٹھائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وفات کا معنی ہے: پورا کرنا اور اس کا معنی موت نہیں ہے اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور اس کا دوسرا اہم یہ ہے کہ میں آپ سے اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کو دشمنوں سے بچائے گا اور اگر بالفرض "انسی متوفیک" کا معنی یہ ہو کہ میں آپ کو وفات دینے والا ہوں تب اس آیت کا معنی یوں ہوگا کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کو وفات دینے والا ہوں یعنی پہلے آسمان کی طرف آپ کو اٹھاؤں گا اور پھر وفات دوں گا پھر پہلے ہے اور وفات بعد میں ہے لیکن ذکر میں وفات کو مقدم کیا ہے اور رفع کو مؤخر کیا کیونکہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے ترتیب کے لیے نہیں آتی جیسے واضح میں رکوع پہلے ہے اور جہد بعد میں ہے لیکن قرآن مجید میں ایک جگہ ہے "واسجدی وارکعی" (آل عمران: ۴۳) جہدہ کر اور رکوع کر۔

”وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ“ سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

وَمَكْرُؤًا وَّمَكَرَ اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ غَيْرُ الْمُبْذِرِينَ ۝

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ

(آل عمران: ۵۳) تَعْرِفُ مَا يُدْعَوْنَ

اللہ کی خفیہ تدبیر کے مطابق ایک شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈالنا

مکرم اس فعل کو کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے کسی شخص کو فحشی طریقہ سے ضرر پہنچایا جائے یا ضرر رسائی کو طبع کاری سے نفع رسائی بنایا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت ہو تو اس سے مراد خفیہ تدبیر ہے۔ فراء نے بیان کیا ہے کہ کافروں کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ کا مکر یہ تھا کہ اللہ نے ان کو ذلیل دی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب بھی وہ کوئی گناہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک نئی نعمت دیتا۔ زجاج نے کہا: اللہ کے مکر سے مراد انہیں ان کے مکر کی سزا دینا ہے، جس طرح قرآن مجید میں ہے: "اللہ یسخرہم" یعنی اللہ ان کو ان کے استہزاء کی سزا دیتا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سہی بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے انیس (۱۹) حواریوں کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے کون شخص میری صورت کو قبول کرے گا؟ سو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کو جنت مل جائے گی ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کو قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف چڑھ گئے اور یہ اس کا معنی ہے کہ کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد ہاشمی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شہد کسی اور پر ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھایا اور یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ جب یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے بچنے کے لیے بھاگ کر ایک گھر میں آئے، حضرت جبریل نے اس گھر کے روشن دان سے ان کو آسمان کی طرف اٹھایا۔ ان کے بادشاہ نے ایک نصیبت شخص یہود سے کہا: جاؤ گھر میں داخل ہو اور ان کو قتل کر دو۔ وہ روشن دان سے گھر میں داخل ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہد ڈال دی۔ جب وہ گھر سے باہر نکلا تو لوگوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر پایا، انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی پر چڑھا دیا پھر انہوں نے کہا کہ اس کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور اس کا بدن ہمارے ساتھی کے مشابہ ہے اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے اور اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا پھر ان کے درمیان لڑائی ہوئی اور بعض نے بعض کو قتل کر دیا اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے کہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۰۲، بیان ۱۴۰۹ھ)

”يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا“ سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَيَمْنُ الْطَلِيْعِينَ (صحیح ابن جریر) کو لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے

(آل عمران ۴۶) گا اور پختہ عمر میں بھی اور نیکیوں میں سے ہوگا

”کہل“ کا معنی ہے: جب شباب پختہ اور نام ہو جائے اور یہ چالیس سے ساٹھ سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس آیت پر یہ سوال ہے کہ پچھوڑے میں باتیں کرنا تو قابل ذکر امر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ پختہ عمر میں بات کرنا کون سی خصوصیت ہے جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ذکر کیا ہے اس سوال کے متعدد جوابات ہیں: ایک یہ کہ اس آیت سے مقصود نجران کے عیسائی وفد کا رد کرنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے مدعی تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ یقیناً سے کہولت تک کا زمانہ گزاریں گے اور اس زمانہ میں ان پر جسمانی تعمیرات آتے رہیں گے اور خدا وہ ہوتا ہے جس پر کوئی تعمیر اور تبدل نہ آسکے کیونکہ تعمیر حدوث کو مستلزم ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھایا گیا پھر کئی ہزار سال بعد جب وہ آسمان سے اتریں گے تو وہ کہولت اور پختہ عمر کے ہوں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ کئی ہزار برس گزرنے کے بعد چالیس سال کے ہوں گے، سوان کا پچھوڑے میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے اور پختہ عمر میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے کیونکہ کیل و نہار کی گردش اور ہزاروں سال کا گزرنہ ان کی جسمانی ساخت پر اثر انداز نہیں ہوا اور جس طرح پختہ عمر میں وہ اٹھائے گئے تھے آسمانوں سے اترنے کے بعد بھی وہ اسی طرح پختہ عمر کے ہوں گے۔

”وان من اهل الكتب الالومین بہ“ سے حضرت عیسیٰ کے نزول پر استدلال

وَإِنْ قِيلَ أَهْلِ الْكِتَابِ أَلاَ يَتَذَكَّرُونَ ﴿١٠٦﴾
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (اشراق: ۱۵۹)
اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے ○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ”قبل موقتہ“ کی تفسیر کے موقع میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ یہ تفسیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ تفسیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے۔
پہلی صورت میں اس آیت کا معنی ہوگا: اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی حکم ہے امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لے آئے۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہودی کل کے اوپر سے گرے تو وہ زمین پر پہنچنے سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

سہی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ہر یہودی اور نصرانی اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم پر ایمان لے آئے گا ان پر ان کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا: جو شخص ڈوب رہا ہو یا آگ میں جل رہا ہو یا اس پر اچانک دیوار گر جائے یا اس کو روندہ کھا جائے تو وہ مرنے سے پہلے کیسے ایمان لائے گا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کے جسم سے اس کی روح اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۷۸-۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)
یہ تفسیر مرجوح ہے کیونکہ جو یہودی یا نصرانی لڑائی میں اچانک دشمن کے حملہ سے مر جاتا ہے یا خودکشی کر لیتا ہے یا وہ کسی بھی حادثہ میں اچانک مر جاتا ہے اس کو جب حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا موقع ملے گا اور راجح دوسری تفسیر ہے جس میں یہ تفسیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے امام ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت سے پہلے آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے واضح رہے کہ مردمانی پہلی تفسیر کو راجح قرار دیتے ہیں تاکہ نزول مسیح نہ ثابت ہو بہر نوع اس صورت میں معنی یہ ہے: ”اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰ کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لے آئے گا۔“

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی موت سے پہلے۔
ابو مالک نے اس کی تفسیر میں کہا: جب حضرت عیسیٰ بن مریم کا زمین پر نزول ہوگا تو اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لے آئے گا۔
حسن نے اس کی تفسیر میں کہا: حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے یہ خدا وہ اب بھی زندہ ہیں لیکن جب وہ زمین پر نازل ہوں گے تو ان پر سب ایمان لے آئیں گے۔

انہی نے کہا: جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو دجال کو قتل کر دیں گے اور روئے زمین کا ہر یہودی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۳۶۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حکمتیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے نازل کرنے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

- (۱) یہود کے اس زعم اور دعویٰ کا رد کرنا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل کر کے ان کے جھوٹ کو ظاہر فرمادے گا۔
- (۲) جب ان کی مدت حیات پوری ہونے کے قریب ہوگی تو زمین پر ان کو نازل کیا جائے گا تاکہ ان کو زمین میں دفن کیا جائے کیونکہ جوئی سے بنایا گیا ہوا اس میں کبھی اصل ہے کہ اس کو مٹی میں دفن کیا جائے۔
- (۳) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور آپ کی امت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ کو ان میں سے کر دے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو باقی رکھا حتیٰ کہ آپ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے احکام اسلام کی تجدید کریں گے اور آپ کا نزول دجال کے خروج کے زمانہ کے موافق ہوگا سو آپ اس کو قتل کریں گے۔
- (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے نصاریٰ کے جھوٹے دعووں کا رد ہوگا جو وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کرتے رہے وہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ کہ یہودیوں نے ان کو سولی دی اور وہ مرنے کے بعد تین دن بعد زندہ ہو گئے۔
- (۵) نیز حضرت عیسیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارت دی تھی اور حقوق کو آپ کی تصدیق اور انہماک کی دعوت دی تھی اس لیے خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمایا۔

مذکورہ استدلال پر مرزا سیّد کے اعتراض کا جواب

قرآن مجید میں ہے:

لَقَدْ قَالَ اللَّهُ يٰٓيَسَىٰ اِنِّیْ مَتَوَقِّفُکَ وَاَنْفَعُکَ اِلَیَّ وَفَعَلْتُ لَکَ مِنْ الدِّیْنِ کُفْرًا وَاَوْسَعَ لَکَ مِنَ الدِّیْنِ اَلْقَبْحَۃَ ۚ فَوَقَّی الدِّیْنِ کُفْرًا وَاِلَیَّ یَرْجِعُ کُلُّ شَیْءٍ فَاَنْصَلِحْ لِنَاسٍ یَّہْدِیْکَ فَاَنْصَلِحْ لِنَاسٍ یَّہْدِیْکَ فَاَنْصَلِحْ لِنَاسٍ یَّہْدِیْکَ

(آل عمران: ۵۵)

(اے رسول کرم! یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کے ہر دکاؤں کو (دلائل کے ذریعہ) قیامت تک کافروں پر فوقیت دینے والا ہوں پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے پھر میں تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے

اس آیت سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ قیامت تک کفار رہیں گے، جمعی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہر دکاؤں کو قیامت تک کفار پر فوقیت حاصل رہے گی اور دوسری چیز یہ ہے کہ قیامت تک اہل کتاب ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے حالانکہ آپ نے النساء: ۱۵۹ کے ترجمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ: ”اور (نزول تک کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے۔“ پس اعتراض یہ ہے کہ جب سب مومن ہو جائیں گے تو حضرت عیسیٰ کے ہر دکاؤں کا کٹنا کافروں پر ہوگا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آل عمران: ۵۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں قیامت تک اختلاف رہے گا حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے

درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اور اقسام ۵۹: کی جو آپ نے تقریری کے اس کا مفاد یہ ہے کہ قیامت سے پہلے سب مومن ہو جائیں گے پھر ان میں اختلاف نہیں رہے گا اور یہ آل عمران: ۵۵ کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ پر سب لوگوں کے ایمان لانے سے پہلے اہل کتاب میں اختلاف بھی ہو گا اور ان میں کفار بھی ہوں گے جن پر اہل ایمان دلائل کے اعتبار سے غالب رہیں گے اور یہ واقعہ قیامت سے کچھ پہلے ہو گا اس لیے اس کو مجازاً قیامت تک سے تعبیر کر دیا جیسا کہ آل عمران: ۵۵ میں ہے اور بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب ان کے عہد ہونے اور ان کے رسول ہونے پر ایمان لے آئیں گے۔

”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ“ سے مرزا سیہ کے اعتراض کا جواب

قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ أَكْثَرُ مِنْ قُلُوبِ الْفَاسِقِينَ أَفَتُؤْمِنُ عَلَىٰ عَقْلِكَ
وَمَنْ يَتَّقِ عَلَىٰ عَقْبِهِ لَكِنْ يَضُرُّ اللَّهَ كَيْفًا وَيَنْجِيهِ
اللَّهُ الْكَافِرِينَ ○ (آل عمران: ۱۲۳)

اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں تو اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایمانوں پر پھر جلا گئے تو جو اپنی ایمانوں پر پھر جانے کا سو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا اور مغرب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا

مرزا اسی آیت کا یہ معنی کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا عقیدہ رکھنا اور قرب قیامت میں ان کے نزول کا عقیدہ رکھنا اس آیت کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ”ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں“ یہ نہیں فرمایا کہ ان سے پہلے اور رسول فوت ہو چکے ہیں اور اگر بالفرض اس کا یہ معنی ہو کہ ان سے پہلے اور رسول فوت ہو چکے ہیں تب بھی اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی فوت ہونا لازم آئے اور اگر بالفرض اس کا یہ معنی ہو کہ ”اور ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں“ تب بھی اس عمومی قاعدہ سے حضرت علیہ السلام مستثنیٰ ہوں گے اور استثناء کی دلیل قرآن مجید کی وہ متعدد آیات اور احادیث ہیں جن سے حیات مسیح اور نزول مسیح ثابت ہے جن کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلَكُمْ
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ○ (الحجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو خاندان اور قبیلے بنادئے تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کرو۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ مِنْ مَخْضَجٍ ○

(الرحم: ۲)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مرد اور عورت کے مخلوق پانی سے پیدا کیا ہے لیکن اس قاعدہ کلیہ سے حضرت عیسیٰ مستثنیٰ ہیں کہ ان کو بغیر مرد کے پیدا کیا اور حضرت حواء مستثنیٰ ہیں کہ ان کو بغیر عورت کے پیدا کیا اور حضرت آدم بھی مستثنیٰ ہیں کہ ان کو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کیا اور اس استثناء کی قرآن مجید میں اور بھی بہت نظائر ہیں پس اگر ”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ“ (آل عمران: ۱۲۳) کا یہ معنی ہو کہ آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام فوت ہو چکے ہیں تب بھی اس عموم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہیں کیونکہ قرآن مجید کی دیگر آیات اور احادیث صحیحہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کا آسمان سے نزول ثابت ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی عمارات سے حیات مسیح اور نزول مسیح پر استدلال

مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء نے لکھا ہے:

سو حضرت مسیح تو انجیل کو ناقص ہی ناقص چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے۔

(حاشیہ در حاشیہ بر زمین احمدیہ ص ۳۱۸ طبع قدیم ص ۷۷ طبع جدید نظارت اشاعت ربوہ ۱۳۹۷ھ)

اس عمارت میں غلام احمد قادیانی نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو آسمانوں کی طرف اٹھالیا گیا۔

نیز مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

اور فرقانی اشارہ اس آیت میں ہے: ”هُوَ الَّذِي كَلَّمَكَ بِالْهَيْدَىٰ وَجَدْنَاهُ لَاقِطًا عَلَى الْذِّبْنِ ۚ قُلْ”

(الحج: ۸۸) یہ آیت جسمانی اور سیاسی تکلی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا

گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان

کے ہاتھ سے دین اسلام جمع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔

(حاشیہ در حاشیہ بر زمین احمدیہ ص ۳۱۹ طبع قدیم ص ۷۹ طبع جدید نظارت اشاعت ربوہ ۱۳۹۷ھ)

اس عمارت میں غلام احمد قادیانی نے یہ تصریح کی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے زمین

کی طرف نزول ہوگا اور اس سے بھی زیادہ صراحت مرزا غلام احمد قادیانی کی ان عمارات میں ہے مرزا نے لکھا ہے:

عسیٰ ربکم أن یوحی علیکم ”وان عدتم عدنا“ وجعلنا جہنم للکافرین حصیراً (یہ مرزا کی خود ساختہ عمارت

ہے کیونکہ قرآن مجید میں ”ان یوحی علیکم“ ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ اس بات کی طرف متوجہ ہے جو تم پر رحم کرے اور اگر تم نے گناہ

اور سرکشی کی طرف رجوع کیا تو ہم بھی سزا اور عقوبت کی طرف رجوع کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا

ہے یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلائی طور پر ہونے کا اشارہ ہے۔ یعنی اگر طریق رفیق اور نرمی اور لطف احسان کو قبول

نہیں کریں گے اور حق شخص جو دلائل واضحہ اور آیات پینہ سے مکمل کیا ہے اس سے سرکش رہیں گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے

کہ جب خدا تعالیٰ بھرمین کے لیے شدت اور عصف اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت

کے ساتھ دنیا پر اتریں گے اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خش و خاشاک سے صاف کر دیں گے اور کج اور ناراست کا نام و نشان نہ

رہے گا اور جلال الہی گمراہی کے حتم کو اپنی جگہ قہری سے نیست و نابود کر دے گا۔

(حاشیہ در حاشیہ بر زمین احمدیہ ص ۵۰۰-۵۰۱ طبع قدیم ص ۵۳۸-۵۳۹ طبع جدید نظارت اشاعت ربوہ ۱۳۹۷ھ)

مرزا غلام احمد قادیانی نے چالیس سال کی عمر میں ”بر زمین احمدیہ“ لکھی تھی پھر وہ بارہ سال تک حیات مسیح اور نزول مسیح

کے عقیدہ پر جہاد با پھر با دن سال کی عمر میں اس نے اپنا پرانا عقیدہ تبدیل کیا جو دراصل تمام دنیا کے مسلمانوں کا عقیدہ تھا چنانچہ

اس نے لکھا ہے:

پھر میں قریباً بارہ سال تک جو ایک زمانہ دراز ہے بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شد و مد سے

”بر زمین احمدیہ“ میں مسیح موعود قرار دیا ہے اور میں حضرت یحییٰ کی آمد ثانی کے وہی عقیدہ پر جہاد رہا اور جب بارہ برس گزر گئے تب

وہ وقت آ گیا کہ مجھ پر اصل حقیقت کھول دی جائے۔ تب تو اتر سے اس بارہ میں الہامات شروع ہوئے کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔

(۱۴۱۲ھ ص ۱۷ طبع قدیم ص ۱۷ طبع جدید نومبر ۱۹۹۲ء)

اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

میں نے براہین احمدیہ میں یہ اعتقاد ظاہر کیا تھا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پھر واپس آئیں گے مگر یہ بھی میری غلطی تھی جو اس الہام کے مخالف تھی جو ”براہین احمدیہ“ میں ہی لکھا گیا تھا“ کیونکہ اس الہام میں خدا تعالیٰ نے میرا نام یحییٰ رکھا اور مجھے اس قرآنی پیش گوئی کا مصداق ٹھہرایا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے خاص تھی وہ آیت یہ ہے: ”هُوَ الَّذِي آتٰنَا نَسُوْلًا يَا لَهْزٰدِي وَذٰنِي الْعَقِيْقَةِ لِنُظْهِرَكَ عَلَى الْفِتَنِ فَظْهَرَ“ (الہام ص ۳۶، خزائن ص ۱۲۷)

نیز مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء نے لکھا ہے:

اور مجھے یہ کب خواہش تھی کہ میں مسیح موعود بن جاؤں اور اگر مجھے یہ خواہش ہوتی تو ”براہین احمدیہ“ میں اپنے پہلے اعتقاد کی بنا پر کیوں لکھتا کہ مسیح آسمان سے آئے گا؟ حالانکہ اسی براہین میں خدا نے میرا نام یحییٰ رکھا ہے، پس تم سمجھ سکتے ہو کہ میں نے پہلے اعتقاد کو نہیں چھوڑا تھا جب تک خدا نے روشن نشانوں اور کلمے کلمے الہاموں کے ساتھ نہیں چھڑایا۔

(تحقیق الحق ص ۱۶۳، ۱۶۴ مطبع نیکوین قادیان ۱۹۷۷ء)

نیز مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء نے لکھا ہے:

میں بھی تمہاری طرح بشریت کے مجدد و علم کی وجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ یحییٰ بن مریم آسمان سے نازل ہوگا اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے ”براہین احمدیہ“ کے حصص سابقہ میں میرا نام یحییٰ رکھا اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیش گوئی کے طور پر حضرت یحییٰ کی طرف منسوب تھیں وہ سب میری طرف منسوب کر دیں اور یہ بھی فرمایا کہ تمہارے آنے کی خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا اور براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میں نے وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھ دیا اور شائع کر دیا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ یحییٰ بن مریم اسرائیلی توفیق ہو چکا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا اس زمانہ اور اس امت کے لیے تو یحییٰ بن مریم ہے۔

(برہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۵، کلمات اشاعت ربوہ دسمبر ۱۹۷۸ء)

مرزا غلام احمد قادیانی نے تسلیم کر لیا ہے کہ ”برہین احمدیہ“ کے پہلے چار حصص میں اس نے تمام مسلمانوں کی طرح یہ عقیدہ رکھا اور اس کو شائع کیا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو وفات نہیں آئی اور وہ آسمانوں پر زندہ ہیں (واضح رہے کہ اس نے چالیس سال کی عمر میں یہ کتاب لکھی) اور پھر لکھا ہے کہ بارہ سال تک وہ اسی عقیدہ پر جمار ہا اور بارہ سال بعد اس کو یہ الہام ہوا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور یہ اس کے کلام میں صریحاً ناقص ہے اور اس کو خود بھی یہ اعتراف ہے کہ اس کے کلام میں ناقص ہے اس نے لکھا ہے:

میں نے ان تناقض باتوں کو برہین میں جمع کر دیا ہے۔ (۱۴۱ احمدی ص ۸، مطبع قدیم ص ۱۰، مطبع جدید) اور مرزا غلام احمد قادیانی نے عبدالحکیم خان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ہر ایک کو سوچنا چاہیے کہ اس شخص کی حالت ایک قہر الخواس انسان کی حالت ہے کہ ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔ (حقیق الحق ص ۱۸۳، مطبع نیکوین قادیان ۱۹۷۷ء)

مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام میں تناقض ہے اور اس کے نزدیک جس انسان کے کلام میں تناقض ہو وہ مخلوط الخواس ہے تو اپنے تحریری اقرار کی وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی مخلوط الخواس ضرور ہوا۔

اس تناقض سے جان چھڑانے کے لیے مرزائی یہ کہہ دیتے ہیں کہ جس طرح قرآن اور حدیث میں مانع اور منسوخ آیات

اور حادثہ ہیں اسی طرح مرزا کی عمارات میں بھی ناخ اور منسوخ ہیں اور براہین احمدیہ کے پہلے چار حصوں کی وہ عمارات جن سے حیات مسیح ثابت ہے بعد کی عمارات نے منسوخ ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ احکام میں شٹل امر اور نبی میں ہوتا ہے اختیار اور عقائد میں نسخ نہیں ہوتا شٹل پہلے مسجد اقصیٰ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم تھا بعد میں اس کو منسوخ کر دیا پہلے کافروں سے نرمی کرنے کا حکم تھا بعد میں اس کو منسوخ کر کے جہاد کا حکم دے دیا عقائد میں نسخ نہیں ہوتا کہ پہلے یہ عقیدہ ہو کہ مسیح آسمانوں پر زندہ ہیں اور بعد میں یہ عقیدہ ہو کہ نہیں وہ وفات پا چکے ہیں خود مرزا غلام احمد نے بھی اس کو نسخ نہیں کہا بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ میری قطعی حق اور میرے کلام میں تناقض ہے۔

نیز مرزا قادیانی نے لکھا ہے:

یہ اسی قسم کا تناقض ہے کہ جیسے ”براہین احمدیہ“ میں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح بن مریم آسمان سے نازل ہوگا مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں۔ اس تناقض کا بھی یہی سبب تھا کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے ”براہین احمدیہ“ میں میرا نام ”مسیحی“ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت ”مسیحی“ آسمان پر سے نازل ہوں گے اس لیے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل نہ کرنا چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا لیکن بعد اس کے اس بارہ میں پارش کی طرح وحی الہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے اور ساتھ اس کے صد ہا نشان ظہور میں آئے اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لیے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں ورنہ میرا اعتقاد تو وحی تھا جو میں نے ”براہین احمدیہ“ میں لکھ دیا تھا اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیہ الدلائل سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری غلیف مسیح موعود کے نام پر اسی امت سے آئے گا (نبی ان قال) اسی طرح صد ہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیہ الدلائل آیات اور خصوصاً صریح حدیث نے مجھے اس بات کے لیے مجبور کر دیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔ (حقیقۃ النبی ص ۱۳۹-۱۴۸ مطبع مکتبہ قادیانی ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

اس کتاب کے آخر میں مرزا قادیانی نے اس کتاب کی تصنیف کی تاریخ ۱۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء لکھی ہے اور ۱۹۰۸ء میں مرزا قادیانی کی موت واقع ہوئی ”گویا یہ کتاب اس کی آخری تصانیف میں سے ہے اور مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ وہ باون سال تک حضرت ”مسیحی علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ ہوتا رہا اور باون سال کے بعد اس کو الہام ہوا کہ حضرت ”مسیحی علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو قرآن مجید کی آیات قطعیہ الدلائل سے ثابت ہوا کہ حضرت ”مسیحی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیح موعود اور دعویٰ نبوت کا ابطال

اب صورت حال یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات قطعیہ الدلائل کا انکار کفر ہوتا ہے اور مرزا قادیانی ان آیات قطعیہ الدلائل کے برخلاف باون سال تک عام مسلمانوں کے اعتقاد کے مطابق آسمانوں پر حضرت ”مسیحی علیہ السلام کی حیات پر جما رہا لہذا یہ خود اپنے قول اور اپنی تصریح کے مطابق باون سال تک کفر پر جما رہا بعد میں اسے الہام ہوا کہ وہ خود مسیح موعود اور دیگر کتب میں لکھا کہ وہ نبی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کافر کا الہام کب معتبر ہوتا ہے اور کیا کافر کے دل میں جو بات ڈالی جائے اس کو الہام کہنا صحیح ہے؟ کافر کے دل میں جو بات ڈالی جائے وہ شیطان کا دوسرا ہوتا ہے اور شیطان کے دوسرے سے قرآن مجید

کی آیات قطعیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف مسیح موعود یا نبوت کا دعویٰ کرنا محض باطل ہے۔ لہذا مرزا قادیانی جو اپنے قول کے مطابق قرآن مجید کی آیات قطعیہ الدالات کے خلاف عقیدہ رکھ کر کافر ہو چکا تھا اس کا بعد میں یہ دعویٰ کرنا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں اور خود کے لیے مسیح موعود اور نبوت کے الہام اور وحی کا دعویٰ کرنا بالکل باطل ہے کیونکہ کافر کو الہام نہیں ہوتا اس کو وسوسہ شیطان ہوتا ہے۔

نوٹ: ہمارے نزدیک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی یا رسول ماننا کفر ہے اور حیات مسیح اور نزول مسیح کا انکار کرنا شدید ترین گمراہی ہے البتہ غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود ماننا کفر ہے بلکہ اس کو مسلمان ماننا بھی کفر ہے۔

میں حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہ و ذیل رحمہ اللہ واسعدہ اللہ تعالیٰ فی الدارين کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے مرزا غلام احمد قادیانی کی وہ کتابیں مہیا کیں جن کی مدد سے میں نے یہ مضمون مکمل کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تو (انہوں نے) کہا: بے شک میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو بیان کر دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرتے رہو بے شک اللہ ہی میرا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہی صراطِ مستقیم ہے (الزمر: ۶۳-۶۴) حضرت عیسیٰ کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دینا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان معجزات سے مراد ہے: مردوں کو زندہ کرنا، مادرِ زانو اٹھانے کو چٹا کرنا، مٹی کے پرندے بنا کر ان کو فضا میں اڑا دینا اور آسمان سے دستِ خوان نازل کرنا اور غیب کی خبریں دینا۔ قادیانی نے کہا: "ہینات" سے مراد انجیل ہے اور سعدی کی روایت ہے: اس سے مراد ہے نیک کاموں کا حکم دینا اور نہ کے کاموں سے روکنا۔

نیز اس میں فرمایا: "اور تم کہ میں تمہارے لیے بعض ان چیزوں کا بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔" زبانی نے کہا: وہ لوگ اس میں اختلاف کرتے تھے کہ تورات میں تبدیلی ہوئی ہے یا نہیں۔

بعض نے کہا: وہ تورات کے اور احکام کے متعلق سوال کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ ان کو جواب دیتے تھے۔ بعض نے کہا: وہ اکثر ایسی چیزوں کا سوال کرتے تھے جن کے جاننے میں کوئی قاعدہ نہیں ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو ان ہی چیزوں کا جواب دیتے تھے جن کے جاننے میں ان کا قاعدہ تھا۔

الزمر: ۶۳ میں فرمایا: "بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو۔" اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو یعنی میری عبادت نہ کرو اس آیت سے ان عیسائیوں کا رد کرنا مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بھرا (بنی اسرائیل کے) گردہوں نے آپس میں اختلاف کیا پس خالوں کے لیے دردناک دن کے عذاب کی ہلاکت ہے O وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آجائے اور ان کو پتا بھی نہ چلے O اس دن گھرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متحقین کے O (الزمر: ۶۷-۶۸)

اس آیت میں "احزاب" کا لفظ ہے یہ حزب کی جمع ہے حزب کا معنی ہے: لوگوں کی جماعت اور گردہ یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے تین سو سال بعد انہوں نے آپس میں اختلاف کیا، یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا: وہ زنا سے پیدا ہوئے تھے اور عیسائیوں میں سے بعض نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کا مین ہیں اور بعض نے کہا: وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور بعض نے کہا: وہ تین میں سے تیسرے ہیں اور بعض مومن تھے جنہوں نے کہا: حضرت عیسیٰ

اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے اس آیت میں جو دردناک عذاب کے دن کی وعید ہے وہ پہلے فرقوں کے متعلق ہے یعنی ان یہودیوں کے بارے میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کفر کرتے تھے اور ان عیسائیوں کے متعلق ہے جو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

الخراف: ۶۶ میں فرمایا: ”وہ صرف قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان پر اچانک آجائے اور ان کو پتا بھی نہ چلے“^۱ جس وقت قیامت آئے گی تو وہ اچانک آئے گی اور اس سے پہلے قیامت کے آنے کا کسی کو علم نہیں ہو گا اور سب لوگ اس سے غافل ہوں گے اس لیے اس وقت کے آنے سے پہلے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لے قیامت کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے:

(۱) ہر انسان کی موت پر اس کے حق میں قیامت ہے یہ قیامت منفردی ہے حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے سو تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اس سے ہر وقت انتظار کرتے رہو۔ (الترمذی: ۲۸۵، معجم الجامع رقم الحدیث: ۲۸۵۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۷۸۸)

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(۲) جب قیامت قائم ہوگی تو ہر شخص فوت ہو جائے گا یہ قیامت لوگوں پر اچانک آئے گی کسی کو اس کے وقوع کا وقت معلوم نہیں ہے یہ قیامت وسطیٰ پر اس کا علم ان علامات سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ عظم ہو جائے گا، چہل کا تلبہ ہوگا، کھلے عام زنا ہوگا، عورتیں زیادہ ہوں گی، مرد کم ہوں گے، حتیٰ کہ چپاس عورتوں کا کھیل ایک مرد ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۵۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۵۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۵۰، جامع المسانید واسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا ہم اس وقت قیامت کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم کا نزول (۶) یا جوج ماجوج (۷) تین دفعہ زمین کا دھنسا، ایک دفعہ مشرق میں، ایک دفعہ مغرب میں اور ایک دفعہ جزیرۃ العرب میں (۱۰) اور اس کے آخر میں یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدان محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۴۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال قیمت کو ذاتی دولت بنالیا جائے اور امانت کو مال قیمت بنالیا جائے اور زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیا جائے اور دین کے علاوہ علم حاصل کیا جائے اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے اور ماں کی نافرمانی کرنے اپنے دوست کو قریب رکھے اور اپنے باپ کو دور رکھے اور مسجدوں میں آوازیں بلند کی جائیں اور قبیلہ کا سردار ان میں سب سے بڑا فاسق ہو اور قوم کا سردار زلیل ترین شخص ہو اور

کسی شخص کے شر کے خطرہ سے اس کی عزت کی جائے اور قاضی حرم میں موسیقی کا اظہار کریں اور شرائین پی جائیں اور اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں تو تم اس وقت سرخ آغ می کا انتظار کرو اور زلزلہ کا اور زمین کے دھنسنے کا اور شکلوں کے سبھ ہونے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور ان بڑی بڑی نشانوں کا جو پے درپے آئیں گی جیسے وہ نشانیاں ایک ڈوری میں پروئی ہوئی ہوں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۸، مسند الجامع رقم الحدیث: ۱۵۲۷۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت قائم ہوگی جب زمین میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ رہے۔ (مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۸، جامع الترمذی واسنن مسند انس بن مالک رقم الحدیث: ۹۰۱)

(۳) قیامت کبریٰ اس کا اطلاق یوم حشر پر ہے جس دن تمام مردوں کو کھنجر کی طرف جمع کیا جائے گا اس کا ذکر ان آیات میں ہے:

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ۔ اور قیامت کے دن ان کو زیادہ سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

قَالَتْهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○ (البقرہ: ۲۸۳)

فَوَلَا يَحْكُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزِيلُهُمْ ○ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ (البقرہ: ۱۷۴)

سو اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے ○ اور اللہ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا ○

ظلیل کے معانی

الخرف ۶۷ میں فرمایا: ”اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے“۔ اس آیت میں ”الاصلاء“ کا لفظ ہے ظلیل کی جمع ہے ظلیل کا معنی ہے وہ دوست جس کی محبت دل کی گہرائی میں جا گزرتی ہو یہ خصلت سے بنا ہے اور خصلت خصال سے مشتق ہے اس کا معنی اندرون اور درمیان ہوتا ہے اور خصلت محبت کو کہتے ہیں جو نفس کے اندر پیوست ہو یا یہ لفظ ظلیل سے مشتق ہے کیونکہ جب دو شخص ایک دوسرے کے گہرے دوست ہو گئے تو ہر ایک دوسرے کے ظلیل کو روکتا ہے یا یہ لفظ ”عسل“ سے مشتق ہے اس کا معنی ریگستانی راستہ ہے کیونکہ جو دو شخص ایک دوسرے کے گہرے دوست ہوں وہ راستہ میں ایک دوسرے کے رشتے ہوتے ہیں یا یہ لفظ خصلت سے بنا ہے جس کا معنی خصلت اور عادت ہے اور جو دو شخص ایک دوسرے کے گہرے دوست ہوں ان کی خصلتیں اور عادتیں ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں حضرت ابراہیم کو ظلیل اس لیے فرمایا ہے کہ ان کے دل میں اللہ کی محبت پیوست ہو چکی تھی اور عفت کا ایک معنی حاجت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ظلیل اس لیے فرمایا کہ انہوں نے اپنی تمام حاجات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی تھیں اور تمام مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہو چکے تھے اور جب ظلیل کے لفظ کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق ہو تو اس کا معنی ہے: احسان کرنے والا یا اکرام اور افضال کرنے والا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۰۵-۲۰۶ بحوالہ مصطفیٰ بحوالہ ۱۳۱۸)

دنیاوی تعلق کا ناپائیدار ہونا

جن لوگوں کے درمیان دنیاوی رشتوں اور تعلق کی وجہ سے محبت تھی قیامت کے دن وہ رشتے اور تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُونَ مِنْ أَغْنِيَةٍ ذَاكِرَةٌ ذَاتِ لَاحِظَةٍ
وَيَوْمَ تَكُونُ الْأَنْفُسُ فِي أَصْفَادٍ ۚ وَإِنَّكُمْ لَيُفْعِلُونَ

(احص: ۳۷-۳۸)

جس دن ہر مرد اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور
اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اولاد سے (بھاگے گا) اور اس
دن ہر شخص کو صرف ایسی فکر ہوگی جو اس کو عذاب سے دور کر سکے

اس کے برعکس جو متقین ہیں ان کی جس کے ساتھ گہری دوستی ہوتی ہے وہ صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے اس لیے ان کی وہ
گہری دوستی آخرت میں بھی قائم رہے گی اور وہ ایک دوسرے کو نفع پہنچاتے رہیں گے جو مسلمان اللہ کے لیے ایک دوسرے سے
محبت رکھتے ہیں ان کے فضائل میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے
جس دن اللہ کے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا (۱) امام عادل (۲) اور وہ شخص جو اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے
پروان چڑھا (۳) اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہو (۴) اور وہ دو شخص جو اللہ کی محبت میں ملے ہوں اور اللہ کی محبت
میں الگ ہوتے ہوں (۵) اور وہ شخص جس کو کسی مقتدر اور حسین عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا
ہوں (۶) اور وہ شخص جس نے اس طرح صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا
(۷) اور وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۰۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۱ مسوط الامام باک رقم الحدیث: ۲۰۰۵ صحیح ابن مہبان رقم
الحدیث: ۳۳۸ سنن بیہقی ج ۱ ص ۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن
فرمائے گا: وہ مسلمان کہاں ہیں جو شخص میری ذات کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے؟ آج میں ان کو اپنے سائے میں
رکھوں گا جس دن میرے سائے کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۶۶)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرمائے گا: جو
مسلمان میری ذات کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے ان کی انبیاء اور شہداء حسین
کریں گے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۰ مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۶ صحیح ابن مہبان رقم الحدیث: ۷۷۷۷ المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۱۶۸-۱۶۷
طبع الاولیاء ج ۵ ص ۱۳۱)

يُعْبَادُ الْخَوْفُ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَخْزَنُونَ ۚ الَّذِينَ

اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے وہ بندے جو تماری

أَمْنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ

آجوں پر ایمان لائے اور وہ تمہارے اطاعت گزار رہے تم اور تمہاری بیویاں قسماً خوشی جنت میں

مُتَّحِدُونَ ۚ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۚ

داخل ہو جاؤ ان کے گرد سونے کی پیٹریوں اور گلاسوں کو گردش میں لایا جائے گا

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ ﴿٤١﴾

اور جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے گی اور تم جنت میں

خالدو گے ﴿۴۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۲﴾

بیش رہو گے ﴿۴۱﴾ اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو ﴿۴۲﴾

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۴۳﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي
 عَذَابٍ مُتَسَاوِينَ ﴿۴۴﴾

اور اس جنت میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں جن کو تم کھاؤ گے ﴿۴۳﴾ بے شک جرم کرنے والے ہمیشہ دوزخ

عذاب جہنم خلدو گے ﴿۴۴﴾ لَا يَفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۴۵﴾

کے عذاب میں جھڑپا رہیں گے ﴿۴۴﴾ ان سے وہ عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوسی سے بڑے رہیں گے ﴿۴۵﴾

وَمَا ظَنَّمُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿۴۶﴾ وَنَادَا إِلِيلِكَ لِيَقْضِ
 عَلَيْنَا رَيْكَ ط قَالَ إِنَّكُمْ مَكِيدُونَ ﴿۴۷﴾

ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے کو ظلم کرنے والے تھے ﴿۴۶﴾ اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے اے

علینا ریک ط قَالَ إِنَّكُمْ مَكِيدُونَ ﴿۴۷﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنْ
 أَكْثَرُكُمْ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ ﴿۴۸﴾

ما ملک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں حق مقرر کر دے وہ کہے گا: تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو ﴿۴۷﴾ بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے

اَكْثَرُكُمْ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ ﴿۴۸﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿۴۹﴾

تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے ﴿۴۸﴾ کیا انھوں نے کسی کام کو ناپسند کر لیا ہے بے شک ہم بھی ناپسند کرنے والے ہیں ﴿۴۹﴾

أَمْ يَحْسِبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ط بَلَىٰ وَرُسُلْنَا لَدَيْهِمْ
 يَنْصِتُونَ قُلْ إِن كَانِ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبِيدِ ﴿۵۰﴾

یا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے کیوں نہیں! (ہم سن رہے ہیں) اور ان کے پاس

يَكْتُبُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ إِن كَانِ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبِيدِ ﴿۵۲﴾

ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لکھ رہے ہیں ﴿۵۱﴾ آپ کہیے اگر رحمان کا بیٹا ہے تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں ﴿۵۲﴾

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ
 آسمانوں اور زمینوں کا رب جو عرش کا رب ہے وہ ان محبوب سے پاک ہے جن کو یہ بیان کرتے ہیں ﴿۵۳﴾ آپ ان کو ان کے

يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّى يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ

مشغولوں اور لعلیات میں پڑے رہنے دینا حتیٰ کہ ان کا ساتھ اس دن سے پڑ جائے جس دن سے ان کو ڈرایا گیا ہے O وہی

الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهُ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾

آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی زمین میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی بہت حکمت والا اور بے حد علم والا ہے O

وَتَبَرَّكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

اور بہت برکت والا ہے وہ جس کی آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر حکومت ہے

وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ

اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر

يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ

عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں

يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَتَتْ

اور انہیں اس کا یقین ہو O اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے تو پھر

يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ وَقِيلَ لَهُمْ يَارَبِّ إِنَّا هَذَا قَوْمٌ لَا يَوْمُؤُونَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفُرْ

وہ کہاں بھٹک رہے ہیں O اور تم ہے رسولِ کرم کے اس قول کی کڑا سے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے O

عَنَّهُمْ وَقُلْ سَلِّمْ وَسَلِّمْ فَيَقُولُونَ ﴿٨٩﴾

آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: پس تمہارا سلام! اب اس پر غصہ یہاں نہیں لیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم تمکین ہو گے O وہ بندے جو ہماری آنکھوں پر

ایمان لائے اور وہ ہمارے اطاعت گزار رہے O تم اور تمہاری بیویاں ہمیں خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ! ان کے گرد سونے کی

پٹیوں اور گھاسوں کو گردش میں لایا جائے گا اور جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کو ان کا دل چاہے گا اور جس سے ان کی آنکھوں کو

لذت ملے گی اور تم جنت میں ہمیشہ رہو گے O اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو O

اور اس جنت میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں جن کو تم کھاتے رہو گے O (الزمر ۷۳-۷۸)

پینہ منگ کی طرح (غوشہ دار) ہوگا ان میں ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی ان کی چنڈیوں کا مغز حسن کی وجہ سے گوشت کے اندر سے نظر آئے گا ان میں کوئی اختلاف نہ ہوگا نہ بغض سب کے دل ایک دل جیسے ہوں گے وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰۸۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ گزر گزرتی رہے گی۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۱۳۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰۸۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۱۳)

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العریانی المالکی التونی ۵۴۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

برتنوں کے علاوہ سونے اور چاندی کی مصنوعات کے استعمال میں علماء کا اختلاف ہے صحیح ہے کہ مردوں کے لیے سونے اور چاندی کا استعمال مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کے متعلق فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہیں اور عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۳) اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے کی ممانعت ان کے استعمال کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی حرام ہے اس لیے ان کا استعمال مطلقاً جائز نہیں ہے اس لیے ان کا ہر قسم کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ چیزیں ان کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گی۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۱۳۳)

سونے اور چاندی کے ظروف آرائش اور چار انگلی سونے چاندی اور ریشم کے کام والے۔۔۔۔۔

کپڑوں کا جواز

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحنفی التونی ۸۸۸ھ لکھتے ہیں:

”بجی“ میں مذکور ہے کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ اپنے گھر کو ریشم کے ساتھ مزین کرے اور سونے اور چاندی کے برتنوں سے گھر کو سجائے اور اس میں ثقاری نیت نہ ہو اور ”شرح وہابیہ“ میں منقول ہے: قبیس کا گریبان اور اس کا شن ریشم کا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ کپڑے کے تابع ہے اور تار خانہ میں سیر کبیر سے منقول ہے کہ ریشم اور سونے کے شن بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی میں مختصر المتحدی سے منقول ہے: چاندی کے تاروں سے کپڑے پر نقش و نگار بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور سونے کے تاروں سے نقش و نگار بنانا مکروہ ہے فقہاء نے کہا: اس میں اشکال ہے کیونکہ شریعت میں کف پر کام کرانے کی رخصت ہے اور کف پر کبھی سونے کا کام کیا جاتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۴ھ)

اس کی شرح میں علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی تونی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے پر نقش و نگار بنانے جائیں یا کپڑے کے کف پر ریشم سے کام کیا جائے وہ اس لیے جائز ہے کہ وہ قلیل اور تابع ہے اور غیر مقصود ہے اور سونا چاندی اور ریشم حرام ہونے میں سب برابر ہیں بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جبہ پہنا ہے جس کے گریبان اور کتوں پر ریشم سے کام کیا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم: ۱۰۰) تو پھر کتوں پر سونے اور چاندی سے بھی کام کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا حکم برابر ہے اور ان میں فرق نہ ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جو کپڑا چار انگلی کی مقدار سونے کے تاروں سے بنا ہوا ہو وہ جائز ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۵) اسی طرح اتنی مقدار میں سونے اور چاندی کے پانی سے کپڑے اور برتن پر لکھنا بھی جائز ہے۔

سونے اور چاندی کے ظروف کی تفصیل

صدر الشرح مولانا امجد علی متوفی ۱۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: سونے چاندی کے برتن میں کھانا چنا اور ان کی پیالیوں سے چل لگانا یا ان کے ظروف ان سے صاف کرنا یا ان کی کھسکی سے بخور کرنا منع ہے اور یہ ممانعت مرد و عورت دونوں کے لیے ہے۔ عورتوں کو ان کے زیور پہننے کی اجازت ہے زیور کے سوا دوسری طرح سونے چاندی کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے ناجائز ہے۔ (درمکار، ردالمحتار) مسئلہ: سونے چاندی کے چمچے سے کھانا ان کی سلاخی یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا ان کے آئینہ میں مونہ دیکھنا ان کی قلم دوات سے لکھنا ان کے کونے یا طشت سے وضو کرنا یا ان کی کرسی پر بیٹھنا مرد و عورت دونوں کے لیے ممنوع ہے۔ (درمکار، ردالمحتار) مسئلہ: سونے چاندی کی آری پہننا عورت کے لیے جائز ہے مگر اسی آری میں مونہ دیکھنا عورت کے لیے بھی ناجائز ہے۔ مسئلہ: سونے چاندی کی چیزوں کے استعمال کی ممانعت اس صورت میں ہے کہ ان کو استعمال کرنا ہی مقصود ہو اور اگر یہ مقصود نہ ہو تو ممانعت نہیں مثلاً سونے چاندی کی پلیٹ یا کنورے میں کھانا رکھا ہوا ہے اگر یہ کھانا اسی میں چھوڑ دیا جائے تو اضافت مال ہے اس کو اس میں سے نکال کر دوسرے برتن میں لے کر کھائے یا اس میں سے پانی چلو میں لے کر پیا یا پیالی میں چل تھام سر پر پیالی سے چل نہیں والا بلکہ کسی برتن میں یا ہاتھ پر چل اس غرض سے لیا کہ اس سے استعمال ناجائز ہے لہذا چیل کو اس میں سے لے لیا جائے اور اب استعمال کیا جائے یہ جائز ہے اور اگر ہاتھ میں چیل کا لینا بغرض استعمال ہو جس طرح پیالی سے چیل لے کر سر یا ڈاڑھی میں لگاتے ہیں اس طرح کرنے سے ناجائز استعمال سے بچنا نہیں ہے کہ یہ بھی استعمال ہی ہے۔ (درمکار، ردالمحتار) مسئلہ: چائے کے برتن سونے چاندی کے استعمال کرنا ناجائز ہے اسی طرح سونے چاندی کی گھڑی ہاتھ میں باندھنا بلکہ اس میں وقت دیکھنا بھی ناجائز ہے کہ گھڑی کا استعمال یہی ہے کہ اس میں وقت دیکھا جائے۔ (ردالمحتار) مسئلہ: سونے چاندی کی چیزیں محض مکان کی آرائش و زینت کے لیے ہوں مثلاً قرینے سے یہ برتن و قلم و دوات لگا دیے کہ مکان آراستہ ہو جائے اس میں حرج نہیں۔ یعنی سونے چاندی کی کرسیاں یا میز یا تخت وغیرہ بے مکان ہمار کھانے پر بیٹھنا نہیں ہے تو حرج نہیں۔ (درمکار، ردالمحتار)

مسئلہ: بچوں کو بم اللہ پڑھانے کے موقع پر چاندی کی دوات قلم تھامی لا کر رکھتے ہیں یہ چیزیں استعمال میں نہیں آتیں بلکہ پڑھانے والے کو دے دیتے ہیں اس میں حرج نہیں۔ مسئلہ: سونے چاندی کے سوا ہر قسم کے برتن کا استعمال جائز ہے مثلاً تانبے، مٹیل، سیسہ، بلور وغیرہ مگر مٹی کے برتنوں کا استعمال سب سے بہتر ہے کہ جدید میں ہے کہ جس نے اپنے گھر کے برتن مٹی کے بنوائے فرشتے اس کی زیارت کو آئیں گے تانبے اور مٹیل کے برتنوں پر تھامی ہوئی چاہیے بغیر تھامی ان کے برتن استعمال کرنا مکروہ ہے۔ (درمکار، ردالمحتار) مسئلہ: جس برتن میں سونے چاندی کا کام بنا ہوا ہے اس کا استعمال جائز ہے جبکہ موضع استعمال میں سونا چاندی نہ ہو مثلاً کنورے یا گلاس میں چاندی کا کام ہو تو پانی پینے میں اس جگہ مونہ نہ لگے جہاں سونا یا چاندی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہاں ہاتھ بھی نہ لگے اور قول اول اسح ہے۔ (درمکار، ردالمحتار) مسئلہ: چھڑی کی مونہ سونے چاندی کی ہو تو اس کا استعمال ناجائز ہے کیونکہ استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ مونہ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے لہذا موضع استعمال میں سونا چاندی ہوئی اور اگر اس کی شام سونے چاندی کی ہو دوسرے سونے چاندی کا نہ ہو تو استعمال میں حرج نہیں کیونکہ ہاتھ رکھنے کی جگہ پر سونا چاندی نہیں ہے اسی طرح قلم کی نب اگر سونے چاندی کی ہو تو اس سے لکھنا ناجائز ہے کہ وہی موضع استعمال ہے اور اگر قلم کے بالائی حصہ میں ہو تو ناجائز نہیں۔ مسئلہ: چاندی سونے کا کرسی یا تخت میں کام بنا ہوا ہے یا زمین میں کام بنا ہوا ہے تو اس پر بیٹھنا جائز ہے جبکہ سونے چاندی کی جگہ سے بچ کر بیٹھے محصل یہ ہے کہ جو چیز خالص سونے چاندی کی ہے اس کا استعمال مطلقاً ناجائز ہے

اور اگر اس میں جگہ جگہ سونا ہے تو اگر موضع استعمال میں ہے تو ناجائز ورنہ جائز شفا چاندی کی آئینہ منی سے بخور کرنا مطلقاً ناجائز ہے اگرچہ دعویٰ لینے وقت اس کو ہاتھ بھی نہ لگائے اسی طرح اگر حد کی فرشی چاندی کی ہے تو اس سے حد چٹانا جائز ہے اگرچہ یہ شخص فرشی پر ہاتھ نہ لگائے اسی طرح حد کی منوہ نال سونے چاندی کی ہے تو اس سے حد چٹانا جائز ہے اور اگر نیچے پر جگہ جگہ چاندی سونے کا تار ہو تو اس سے حد پٹی سکتا ہے جب کہ استعمال کی جگہ پر تار نہ ہو۔ کرسی میں استعمال کی جگہ بیٹنے کی جگہ ہے اور اس کا تکیہ ہے جس سے پیٹھ لگاتے ہیں اور اس کے دتے ہیں جن پر ہاتھ رکھتے ہیں تخت میں موضع استعمال بیٹنے کی جگہ ہے اسی طرح زمین میں اور رکاب بھی سونے چاندی کی ناجائز ہے اور اس میں کام بنا ہوا ہو تو موضع استعمال میں نہ ہو یہی حکم لگام اور دھجی کا ہے۔ (ہدایہ در معارف) مسئلہ: بھرتن پر سونے چاندی کا طبع ہو تو اس کے استعمال میں حرج نہیں۔ (ہدایہ) مسئلہ: آئینہ کا حلقہ جو بوقت استعمال پکڑنے میں نہ آتا ہو اس میں سونے چاندی کا کام ہوا اس کا بھی وہی حکم ہے۔ (ہدایہ در معارف)

(بہار شریعت حصہ ۱ ص ۳۵-۳۶ کنایہ القرآن جلی بخشہ ۱۰ ص ۱۰)

چار انگل ریشم کے کام کے جواز کی مزید تفصیل

مسئلہ: عورتوں کو ریشم پہننا جائز ہے اگرچہ خالص ریشم ہو اس میں سوت کی بالکل آمیزش نہ ہو۔ (مادہ سب) مسئلہ: مردوں کے کپڑوں میں ریشم کی گوث چار انگل تک جائز ہے اس سے زیادہ ناجائز یعنی اس کی چوڑائی چار انگل تک ہو لہذا ایک کا شمار نہیں اسی طرح اگر کپڑے کا کنارہ ریشم سے بنا ہو جیسا کہ بعض عمامے یا چادروں یا تہبند کے کنارے اس طرح کے ہوتے ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر چار انگل تک کا کنارہ ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ (در المعارف) یعنی جب کہ اس کی کنارہ کی بناوٹ بھی ریشم کی ہو اور اگر سوت کی بناوٹ ہو تو چار انگل سے زیادہ بھی جائز ہے عمامہ یا چادر کے پلور ریشم سے بنے ہوں تو چونکہ پانا ریشم کا ہونا ناجائز ہے لہذا یہ پلور بھی چار انگل تک کا ہی ہونا چاہیے زیادہ نہ ہو۔ مسئلہ: آئین یا گریبان یا دامن کے کنارہ پر ریشم کا کام ہو تو وہ بھی چار انگل ہی تک ہو صدوری یا جبہ کا سار ریشم کا ہو تو چار انگل تک جائز ہے اور ریشم کی گھنٹیاں بھی جائز ہیں۔ ٹوپی کا طرہ بھی چار انگل کا جائز ہے پانچامہ کا نیز بھی چار انگل تک کا جائز ہے اپکن یا جبہ میں شانوں اور پیٹھ پر ریشم کے پان یا کیری چار انگل تک کے جائز ہیں۔ (در المعارف) یہ حکم اس وقت ہے کہ پان وغیرہ مفرق ہوں کہ کپڑا کو اکائی نہ دے اور اگر مفرق نہ ہوں تو چار انگل سے زیادہ بھی جائز ہے۔ مسئلہ: ریشم کے کپڑے کا پیوند کسی کپڑے میں لگایا اگر یہ پیوند چار انگل تک کا ہو جائز ہے اور زیادہ ہو تو ناجائز ریشم کو روٹی کی طرح کپڑے میں بھر دیا گیا حکم اور اس پر دوڑوں سوتی ہوں تو اس کا پہننا جائز ہے اور اگر ابرا یا اسر دوڑوں میں سے کوئی بھی ریشم ہو تو ناجائز ہے اسی طرح ٹوپی کا اسر بھی ریشم کا ناجائز ہے اور ٹوپی میں ریشم اور کنارہ چار انگل تک جائز ہے۔ (در المعارف) مسئلہ: ٹوپی میں بیس لگائی گئی یا عمامہ میں گونہ لپکا لگایا گیا اگر یہ چار انگل سے کم چوڑا ہے جائز ہے ورنہ نہیں۔ مسئلہ: حشرق بیکھوں پر ریشم کا کام ہے تو اس کو جمع نہیں کیا جائے کہ یعنی اگر ایک جگہ چار انگل سے زیادہ نہیں ہے مگر جمع کریں تو زیادہ ہو جائے گا یہ ناجائز نہیں لہذا کپڑے کی بناوٹ میں جگہ جگہ ریشم کی دھاریاں ہوں تو جائز ہے جب کہ ایک جگہ چار انگل سے زیادہ چوڑی کوئی دھاری نہ ہو۔ یہی حکم حشرق و نگار کا ہے کہ ایک جگہ چار انگل سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اور اگر پھول یا کام اس طرح بنایا ہے کہ ریشم ہی ریشم نظر آتا ہے جس کو مفرق کہتے ہیں جس میں کپڑا نظر ہی نہیں آتا تو اس کام کو حشرق نہیں کہا جاسکتا اس قسم کا ریشم یا زری کا کام ٹوپی یا اپکن یا صدوری یا کسی کپڑے پر ہو اور چار انگل سے زائد ہو تو ناجائز ہے۔ (در المعارف) مسئلہ: دھاریوں کے لیے چار انگل سے زیادہ نہ ہونا اس وقت ضروری ہے کہ بانے میں دھاریاں ہوں اور اگر تانے میں ہوں اور بانا سوت ہو تو چار انگل سے زیادہ ہونے کی صورت میں بھی جائز ہے۔ مسئلہ: کپڑا اس طرح بنایا گیا کہ ایک تا کا

مسئلہ: جتنے ہوئے دانتوں کو سونے کے تار سے بندھوانا جائز ہے اور اگر کسی کی ناک کٹ گئی ہو تو سونے کی ناک بخوار کا رکھا سکتا ہے ان دونوں صورتوں میں ضرورت کی وجہ سے سونے کو جائز کہا گیا، کیونکہ چاندی کے تار سے دانت باندھ جائیں یا چاندی کی ناک لگا لی جائے تو اس میں نقص پیدا ہوگا۔ (ماہگیری) مسئلہ: دانت گر گیا اسی دانت کو سونے یا چاندی کے تار سے بندھوا سکتا ہے۔ دوسرے شخص کا دانت اپنے منہ میں نہیں لگا سکتا۔ (ماہگیری) مسئلہ: لڑکوں کو سونے چاندی کے زیور پہنانا حرام ہے اور جس نے پہنا دیا وہ گنہگار ہوگا اسی طرح بچوں کے ہاتھ پاؤں میں بلا ضرورت مہندی لگانا ناجائز ہے عورت خود اپنے ہاتھ پاؤں میں لگا سکتی ہے مگر لڑکے کو لگانے کی تو گنہگار ہوگی۔ (در المختار رد المحتار)

(بہار شریعت حصہ ۱ ص ۳۹-۴۸ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

جنت کی وراثت کی توجیہ

الزخرف: ۷۳-۷۴ میں فرمایا: ”اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے وارث کیے گئے ہو O اور اس جنت میں تمہارے لیے بہ کثرت پھل ہیں جن کو تم کھاتے رہو گے O“

اصل جنت سے جنت میں یہ کہا جائے گا: یہ وہ جنت ہے جس کا تم سے دنیا میں ذکر کیا جاتا تھا انسان عموماً اس چیز کا وارث کیا جاتا ہے جو کوئی اس کے لیے چھوڑ جاتا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے جو جہنم بنائی تھیں وہ ان جہنموں کو چھوڑ کر دوزخ میں چلے جائیں گے اور ان کی جہنمیں وراثت میں مسلمانوں کو دے دی جائیں گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے جنت اور دوزخ بنائی ہے، پس کافر مسلمان کی دوزخ کا وارث ہوگا اور مسلمان کافر کی جنت کا وارث ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے ایک مسکن جنت میں بنایا ہے اور ایک مسکن دوزخ میں بنایا ہے، پس مومنوں کو اپنے مسکن بھی ملیں گے اور کفار کے مسکن کے وہ وارث ہوں گے اور کفار کو ان کے مسکن دوزخ میں ملیں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۲۳۳۱)

اس آیت میں فرمایا ہے: تم اپنے (نیک) اعمال کی وجہ سے جنت کے وارث کیے گئے ہو اور ایک اور جگہ فرمایا ہے: **وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالْقِدِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّالِحِينَ وَالْمُسْلِمِينَ** **وَحَسَنَ أُولَٰئِكَ تَرْفِئُهُمْ فِي ذَٰلِكَ الْفَضْلِ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا** (احقاف: ۷۰-۶۹)

اور جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور رسول کی، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو نبی ہیں صدیق ہیں شہید ہیں اور صالح ہیں اور یہ بہترین رشتہ ہیں O یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ کافی ہے بہت جانتے والا O

ان آیتوں میں اس طرح موافقت ہے کہ جنت میں دخول کا حقیقی سبب تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کا ظاہری سبب بندہ کے نیک اعمال ہیں۔

الزخرف: ۷۳ میں جن پھلوں کا ذکر فرمایا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد ہر قسم کے پھل ہیں خواہ وہ تر یا زہ پھل ہوں یا خشک پھل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جرم کرنے والے ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے O ان سے وہ عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوسی سے بڑے رہیں گے O ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے O اور وہ (دوزخ کے نگران فرشتے سے) پکار کر کہیں گے: اے مالک! چاہیے کہ تمہارا رب ہمیں ختم کر دے وہ کہے گا: تم اس

میں ہمیشہ رہنے والے ہوں بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے O

(الزخرف: ۷۸-۷۹)

دوزخ کے نگران فرشتے مالک سے اہل دوزخ کا کلام

اس سے پہلے آیتوں میں اہل جنت کے احوال بیان فرمائے تھے اور اب وہ آیتیں ذکر فرمائی ہیں جن میں اہل دوزخ کے احوال بیان فرمائے ہیں کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ ترغیب اور ترہیب کی آیتیں ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے تاکہ نیک اعمال کی طرف رغبت ہو اور بُرے کاموں سے نفرت ہو اور اطاعت گزار کی نافرمان پر فضیلت ظاہر ہو۔

نیز فرمایا: اور ان سے وہ عذاب کم نہیں کیا جائے گا اور وہ عذاب میں کمی سے مایوس ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کا فروں اور بدکاروں کو سزا دے گا اقول تو یہ ہے کہ کافروں یا مومن اور بدکار ہوں یا نیکو کار سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں اور خالق اپنی مخلوق کے ساتھ یا مالک اپنی مملوک کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے وہ ظلم نہیں ہے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اختیار عطا فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ کفر اور معصیت سے اجتناب کریں ورنہ ان کو دوزخ میں عذاب ہوگا اس حکم کے باوجود جنہوں نے اپنے اختیار سے کفر اور معصیت کا ارتکاب کیا تو یہ خود ان کا اپنے اوپر ظلم ہے اللہ تعالیٰ کا ان پر ظلم نہیں ہے۔

مالک دوزخ کے نگران فرشتے کا نام ہے اس سے کفار کہیں گے اور دوزخ کے عذاب کی شکایت کریں گے محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچائی گئی ہے کہ کفار دوزخ کے نگران سے فریاد کریں گے اور ہر روز اس سے شکایت کریں گے جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو کہیں گے: اے مالک! اپنے رب سے کہو کہ ہم کو موت ہی دے دے تو مالک اسی سال تک ان کو جواب نہیں دے گا اور ایک سال تین سو تیسھ دن کا ہوگا اور ایک دن ہزار سال کا ہوگا پھر اس کے بعد ان سے کہے گا: تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ (المجامع: ۱۱۸، ۱۱۹)

امام ترمذی نے اعمش کا قول نقل کیا ہے کہ ان کافروں کے سوال اور مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ لگے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۸۲)

الزخرف: ۸۰ میں فرمایا ہے: ”(مالک یا دوسرے فرشتوں نے) کہا: بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے O“

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مالک کا قول ہو اور اس نے کافروں کو یہ جواب دیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے کفار سے خود فرمایا ہو کہ ہم نے تمہارے پاس نشانیاں نازل کی تھیں اور ہم نے تمہاری طرف اپنے رسول بھیجے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمام اہل دوزخ ہی حق کو ناپسند کرنے والے تھے لیکن اس آیت میں اکثر کا ذکر فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اکثر اہل دوزخ سے مراد تمام اہل دوزخ کے سردار اور نمائندے ہیں گو یا کہ یہ کل اہل دوزخ سے خطاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انہیں نے کسی کام کو پکا کر لیا ہے بے شک ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں O یا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے کیوں نہیں! (ہم سن رہے ہیں) اور ان کے پاس ہمارے پیچھے ہونے والے فرشتے لکھ رہے ہیں O آپ کہیے: اگر رحمان کا چنا ہوتا تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا O آسمانوں اور

زمینوں کا رب جو عرش کا رب ہے وہ ان میوب سے پاک ہے جن کو یہ بیان کرتے ہیں آپ ان کو ان کے مشغلوں میں پڑے رہنے دیں حتیٰ کہ ان کا سا بقا اس دن سے پڑ جائے جس دن سے ان کو ڈرایا گیا ہے (الزخرف: ۷۸-۷۹)
آپ کے خلاف سازش کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کا انتقام لینا

اس آیت میں "اہمرسوا" کا لفظ ہے اہرام کا معنی ہے کسی چیز کو پاک کرنا اور محکم اور مضبوط بنانا یا مقابلے میں کہا۔ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب کفار مکہ نے دارالندوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ سازش کی تھی کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک فرد مل کر اچانک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے آپ کو قتل کر دے تاکہ تمام قبائل آپ کو قتل کرنے میں مشترک ہوں اور کسی ایک قبیلہ پر الزام نہ آئے اور آپ کی دیت اور خون بہا کا مطالبہ کمزور ہو جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم بھی پکا کام کرنے والے ہیں یعنی ان تمام لوگوں کو جنہیں جن کر غزوہ بدر میں قتل کرنے والے ہیں اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے: ہم نے ان کے پاس پیغام حق بھیجا لیکن انہوں نے اس کو نہیں سنایا اس کو سن کر اس سے اعراض کیا کیونکہ انہوں نے اپنے دلوں میں بات بگنی کر لی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اس بگنی بات سے ان سے اس عذاب کا خطرہ مل جائے گا جو عذاب کفر اور انکار کی صورت میں آخرت میں ان پر پیش آنے والا تھا۔

الزخرف: ۸۰ کا شان نزول

الزخرف: ۸۰ میں فرمایا: "یا ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سازشوں کو نہیں سنتے اور جو وہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں"۔ روایت ہے کہ یہ آیت تین ان آدمیوں کے متعلق نازل ہوئی جو کعبہ کے پردوں میں چھپے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا: تمہارا کیا عقیدہ ہے کہ اللہ ہمارا کلام سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا: اگر تم زور سے بولو گے تو وہ سن لے گا اور اگر تم آہستہ بولو گے تو وہ نہیں سن سکے گا تیسرے نے کہا: جب وہ تمہاری آواز بلند باتوں کو سن سکتا ہے تو وہ تمہاری سرگوشیوں کو بھی سن سکتا ہے۔

الزخرف: ۸۱ میں فرمایا: "آپ کہیے: اگر رخن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا"۔
اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک کی مذمت اور اس پر وعید

اس آیت کی حسب ذیل تفسیر یہ کی گئی ہیں:
 (۱) حضرت ابن عباس، حسن بھری اور سدی نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے: رخن کا بیٹا نہیں ہے اور یہاں پر یہ آیت مکمل ہوگئی پھر فرمایا: میں رخن کا سب سے پہلا عبادت گزار ہوں اور سب سے پہلا موجد ہوں اور اعلیٰ مکہ میں سب سے پہلے یہ کہنے والا ہوں کہ رخن کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔
 (۲) اگر رحمان کا کوئی بیٹا ثابت ہوتا تو سب سے پہلے میں اس بیٹے کی عبادت کرنے والا ہوتا کیونکہ بیٹے کی تعظیم باپ کی تعظیم ہے۔

(۳) مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے: اگر رخن کا بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں صرف اس بیٹے کی عبادت کرتا اور جب کہ میں نے اس کی عبادت نہیں کی تو واضح ہوا کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

الزخرف: ۸۲ میں فرمایا: "آسمانوں اور زمینوں کا رب جو عرش کا رب ہے وہ ان میوبوں سے پاک ہے جن کو یہ بیان کرتے ہیں"۔ یعنی اللہ سبحانہ ان چیزوں سے بری، منزہ اور پاک ہے جن کا یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باعدتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یسٰی اور عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور بت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کے شریک ہیں۔

التذکرہ: ۸۳ میں فرمایا: ”آپ ان کو ان کے مشغلوں میں پڑے رہنے دیں، حتیٰ کہ ان کا ساتھ اس دن سے چڑ جائے جس دن سے ان کو ڈرایا گیا ہے۔“

آپ ان کو ان کی باطل کارروائیوں میں مصروف رہنے دیں اور دنیا کے لہو و لعب میں مشغول رہنے دیں، تاکہ آخرت میں یہ اس کے نتیجہ میں عذاب میں مبتلا ہوں ایک تفسیر یہ ہے کہ جہاد کی آجوں سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ یہ حکم اس وقت تھا جب ابتداء میں مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی کوئی جمعیت نہیں تھی ان کی ریاست تھی اور نہ کوئی حکومت تھی اور جب مسلمانوں کی ریاست قائم ہو گئی تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے باغیوں اور سرکشوں کے خلاف جہاد کریں اور کلمہ حق بلند کریں۔

اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور اس میں اہل مکہ کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے کہ اگر تم یونہی اپنی باطل کارروائیوں میں مشغول رہے تو وہ دن آنے والا ہے کہ تمہیں ان تمام باطل کارروائیوں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی آسمان میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی زمین میں عبادت کا مستحق ہے اور وہی بہت حکمت والا ہے حد علم والا ہے اور بہت برکت والا ہے وہ جس کی آسمانوں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر حکومت ہے اور اس کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹے جاؤ گے اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ شطاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں اور انہیں اس کا یقین ہو۔

(التذکرہ: ۸۹: ۸۳)

اس پر دلائل کہ حضرت عیسیٰ حضرت عزیر اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہیں

آسمان اور زمین میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کا عرف نہیں ہے اللہ تعالیٰ زمین میں مستقر ہے نہ آسمان میں مستقر ہے بلکہ زمین میں بھی وہی عبادت کا مستحق ہے اور آسمان میں بھی وہی عبادت کا مستحق ہے آسمانوں میں فرشتے اس کی عبادت کرتے ہیں اور زمین میں تمام نبیوں اور رسولوں نے اس کی عبادت کی ہے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر سمیت سب مقدس انسان اس کی عبادت کرنے والے تھے اس سے واضح ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں نہ حضرت عیسیٰ اور عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ نیز نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے پر ایک یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو کسی مرد کے واسطے کے بغیر محض کلمہ سخن سے پیدا فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء بغیر کسی واسطے کے محض کلمہ سخن سے پیدا فرمایا اور جب اس بلا واسطہ تخلیق سے یہ آسمان اور زمینیں اللہ کی اولاد نہیں ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں۔

التذکرہ: ۸۵ میں فرمایا: ”اور بہت برکت والا ہے وہ جس کی آسمانوں میں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر حکومت ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹے جاؤ گے۔“

اس آیت میں بھی اس پر دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں، کیونکہ اس آیت اللہ تعالیٰ نے میں فرمایا ہے۔ وہ بہت برکت والا ہے اور یہاں برکت سے مراد دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک معنی ہے نبوت اور بقاء اور دوسرا معنی ہے: کثرتِ خیر۔ اگر پہلا معنی مراد ہو یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ثابت ہے اور باقی ہے تو اس کو اولاد کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اولاد کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو فانی ہو اور مرنے والا ہو وہ چاہتا ہے کہ اس کے بعد اس کی اولاد اس کے مشن کو جاری رکھے اور جب

وہ ہمیشہ ثابت اور باقی ہے اور لافانی اور لازوال ہے تو اس کو اولاد کی کیا ضرورت ہے نیز چنانچہ آپ کی جنس سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوتے تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتے حالانکہ حضرت عیسیٰ ممکن اور حادث ہیں پہلے نہ تھے اور پھر پیدا ہوئے اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ان کو موت آ چکی ہے اور مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق قیامت سے پہلے ان پر موت آنے کی اور اگر برکت کا معنی کثرتِ خیر ہو تو اس آیت کا معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ بہت خیر کثیر کا مالک ہے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوتے تو وہ بھی بذاتِ خیر کثیر کے مالک ہوتے حالانکہ وہ اپنی تمام ضروریات میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج تھے۔ اور فرمایا: ”اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے“۔ یعنی جس طرح اس کی قدرت کامل ہے اسی طرح اس کا علم بھی کامل ہے۔

غیر اللہ کی عبادت کا باطل ہونا

الزخرف: ۸۶ میں فرمایا: ”اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے“ ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں اور انہیں اس کا یقین ہو“
اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اولاد کی نفی فرمائی تھی اور اس آیت میں اللہ سبحانہ اپنے شرکاء کی نفی فرما رہا ہے اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ حضرت عزیر اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ سن لیں کہ قیامت کے دن وہ ان ہی لوگوں کی شفاعت کریں گے جو حق کی شہادت دیں گے یعنی جو یقین کے ساتھ اس بات کی شہادت دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر کسی کی بھی عبادت کرتے ہیں خواہ وہ عیسیٰ ہوں یا عزیر ہوں یا فرشتے ہوں یا دوسرے خود ساختہ معبود ہوں مثلاً ستارے ہوں یا درخت ہوں یا پتھر کے تراشیدہ بت ہوں ان میں سے کوئی بھی از خود کسی کی شفاعت کرنے کا مالک نہیں ہے مگر جو یقین کے ساتھ اللہ کے واحد ہونے کی شہادت دے اور وہ فرشتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام ہیں اور اولیاء کرام اور علماء عظام ہیں کیونکہ ان کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور وجاہت ہے اور سب سے زیادہ کرامت اور وجاہت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور وہی سب سے زیادہ شفاعت فرمائیں گے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے تو پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں اور قسم ہے رسولِ محرم کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ مغرب جان لیں گے (الزخرف: ۸۶-۸۷)

مشرکین کو بت پرستی پر ملامت کرنا

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف: ۹ کے شروع میں بھی فرمایا تھا:

وَلَيْسَ لَكُم مِّنْهُمْ عَلٰى الشُّعُوْبِ وَالْاَدْوٰى لِيَقُوْلُوْا

خَلَقْنٰهُمْ لَعَلَّيْكُمْ تَعْلَمُوْنَ (الزخرف: ۹)

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو بے حد غائب اور بہت جاننے والے نے پیدا کیا ہے

اور اب اس سورت کے آخر (الزخرف: ۸۷) میں بھی یہی فرمایا ہے: ”اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے تو پھر وہ کہاں بھٹک رہے ہیں“
اور اس سے مقصود اس بات پر حسیہ کرنا ہے کہ جب ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کو اور تمام جہانوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو وہ

اس اعتقاد کے بامقصد کیوں پھر کے بے جان بتوں کے آگے سر جھکا رہے ہیں اور اپنا ماقہا لٹک رہے ہیں اور اپنی حاجتوں اور مرادوں کو کیوں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور آفات اور مصائب میں کیوں ان کو پکار رہے ہیں اور کیوں ان کے نام کی دہائی دے رہے ہیں۔

نیز فرمایا: ”وہ کہاں بٹک رہے ہیں“ یعنی وہ کیوں جھوٹ بولتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے۔
الزخرف: ۸۸ کی نحوی تراکیب

الزخرف: ۸۸ میں فرمایا: ”اور قسم ہے رسولِ حکرم کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے“

اس کے شروع میں یہ الفاظ ہیں ”وقبلہ“ ہے اور اس پر تین اعراب ہیں: ”جر نصب اور رفع“ وقبلہ ”وقبلہ“ و قبلہ۔ پہلی صورت میں اس کا مطلق ”علم الساعة“ پر ہے یعنی ”وعنده علم الساعة“ و علم قبلہ ”اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کو اپنے نبی کے قول کا علم ہے اور دوسری صورت میں اس کا مطلق ”انا لا نسمع سرهم ونجواہم“ پر ہے یعنی ”وقبلہ“ ان کافروں کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتوں اور سرگوشیوں کو نہیں سننے اور نہ اپنے نبی کی بات کو سننے ہیں اور تیسری صورت میں یہ مبتداء و محذوف کی خبر ہے یعنی ”وامانة الله قبلہ“ یا ”ويعين الله قبلہ“ اللہ کی امانت یا اللہ کی قسم اس کے نبی کا قول ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ بہترین صورت اس طریقہ پر جر یا نصب کی ہے یعنی حرف قسم مقدور ہے قسم ہے اللہ کے نبی کے اس قول کی۔ پھر قول کا ذکر ہے: ”اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے“ ہم نے اسی ترکیب کے موافق اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

کافروں کو سلام کرنے کا مسئلہ

الزخرف: ۸۹ میں فرمایا: ”آپ ان سے درگزر کیجئے اور کہیے: بس ہمارا سلام! پس یہ معترِب جان لیں گے“
اس آیت میں کفار کی زیادتیوں کا بدلہ لینے سے منع فرمایا ہے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن مدینہ منورہ میں ہجرت کرنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار کو سلام کرنا جائز ہے لیکن صرف سلام کہا جائے یہ نہ کہا جائے کہ سلام علیکم اور مسلمانوں کو سلام کرتے وقت کہا جائے: السلام علیکم یا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الزخرف کا خاتمہ

الحمد للہ رب العالمین آج ۴ محرم ۱۴۳۵ھ ۲۵ فروری ۲۰۰۴ء بروز بدھ بعد نمازِ ظہر سورۃ الزخرف کی تفسیر مکمل ہو گئی اس تفسیر کی ابتداء ۱۸ جنوری ۲۰۰۴ء کو ہوئی تھی اس طرح ۳۸ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی **الحمد للہ حمداً کثیراً** والشکو للہ شکراً جزیلاً۔

اللہ العظیم! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم اور فضل سے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی ہے اپنے لطف اور عنایت سے باقی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں مقبول بنا دیں اور قیامت تک اس کتاب کو فیض آفریں رکھیں مجھے جملہ امراض سے شفا عطا فرمائیں اور مجھے ارزل عمر سے محفوظ رکھیں اور جب میرا وقت پورا ہو تو اسلام اور ایمان پر میرا خاتمہ فرمائیں مجھے صحت اور عافیت کے ساتھ چلتے پھرتے اپنے پاس بلائیں میری والدہ محترمہ اور میرے والد گرامی کی مغفرت فرمائیں اور ان کی قبروں کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دیں میرے اساتذہ مولانا محمد نواز اویسی مولانا مفتی محمد حسین نسیمی مولانا دلی

جلد دوم

اللہی مولانا مفتی راجہ استاذ العلماء مولانا عطاء محمد بندیا لوی اور میرے مرشد گرامی علامہ سید احمد سعید کاشمی کی مغفرت فرمائیں ان سب کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین
فاتد الغر المحجلین امام الانبیاء والمرسلین وعلی اصحابہ الراشدین والہ الطیبین
وعلی ازواجه الطاہرات امہات المؤمنین وعلی جمیع اولیاء امہ
وعلماء ملتہ وسائر المسلمین۔



سُورَةُ الدُّخَانِ

(۴۴)

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ

(۴۵)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

الدخان

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الدخان ہے اور اس کا نام الدخان رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں الدخان کا لفظ ہے وہ آیت یہ ہے:

فَازْكُتَبْ يَوْمَئِذٍ إِلَى اللَّهِ تَالِذِذًا ذُو الْبَاقِ ۝
سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں
(الدخان: ۱۰) لائے گا ۝

الدخان کا لفظ قرآن میں صرف دو جگہ آیا ہے ایک اس سورت میں اور دوسرا اس آیت میں:

لَقَدْ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ
پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ اس وقت دھواں تھا۔
(تم احقر: ۱۱)

سورۃ الدخان کی ہے ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چونسٹھ (۶۳) ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر چوالیس (۴۴) ہے اس سورت کے مضامین کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت آپ کی مکی زندگی کے وسط میں نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الدخان کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح اٹھ کر تم الدخان کی تلاوت کی اس کے لیے ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۸، الکافی لابن عقیل ج ۵ ص ۱۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بعد کی شب تم الدخان کی تلاوت کی اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۹، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۲۳۳۳-۲۳۳۴)

عبد اللہ بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ جس شخص نے ایمان اور تصدیق کے ساتھ جمعہ کی شب تم الدخان پڑھی وہ صبح کو بخشا ہوا اٹھے گا ابو رافع کی روایت میں ہے: اس کی بڑی آنکھوں والی حور سے شادی کر دی جائے گی۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۴۴۱-۴۴۴۲، داراللمعة فی روایہ: ۱۳۲۱ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں تم الدخان کی تلاوت کی۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۳۴۵، دارالامان لکھنؤ لکھنؤ: ۱۳۲۱ھ)

سورة الدخان کے مقاصد اور مسائل

اس سورت کی ابتدا سورة الزخرف کی ابتداء کے مشابہ ہے، کیونکہ دونوں سورتوں کے شروع میں قرآن مجید کی عظمت اور شان بیان کی گئی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا ہے اس رات میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام اہم کام تقسیم کیے جاتے ہیں قرآن مجید کو نازل کرنے کا یہ مقصد ہے کہ جو لوگ غفلت اور لہو و لعب میں زندگی گزار رہے ہیں ان کو جگایا جائے کہ وہ روز حساب کی تیاری کر لیں۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لیے یہ شرط عائد کرتے تھے کہ ان کو عذاب دکھا دیا جائے ان کو یہ بتایا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد جو ایمان لایا جائے وہ ایمان بالغیب نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ کفار مکہ کی مہرت کے لیے فرعون اور اس کی قوم کی مثال دی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے انجام کار ان سب کو فرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل ان کی غلامی سے نجات پا کر دنیا کی ایک عظیم قوم بن گئے۔

قریش کے کفر اور ان کی ہٹ دھرمی کا سبب یہ تھا کہ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے آخرت کا تفصیل سے بیان فرمایا اس دن کافروں کو ان کے کفر پر عذاب دیا جائے گا اور مومنوں کو ان کے ایمان اور ان کے اعمال صالحہ کی بہترین جزاء دی جائے گی۔

آخر میں پھر قرآن مجید کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ کفار مکہ اس سے نصیحت حاصل کر سکیں۔

اس مختصر تعارف اور تہید کے بعد میں سورة الدخان کے ترجمہ اور تفسیر کو اس دعا کے ساتھ شروع کرتا ہوں کہ اے مولا نے کریم! آپ کی توفیق اور عنایت سے میں نے اس عظیم کام کو شروع کیا ہے آپ اس میں میری مدد فرمائیں اور اس کام میں مجھے غلطی میں پڑنے سے محفوظ رکھیں اور مجھ سے وہی بات نکھو میں جو حق اور صواب ہو۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی فخر لا غلام الحدیث

دارالعلوم انجمنیہ، پلاک نمبر ۱۵ فیڈرل بی ایم ایہ کراچی

موبائل نمبر: ۳۰۰۰۰۰۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۳۵-۲۱۲۰۶۱۷

۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۵۳

۷ محرم ۱۴۳۵ھ ۲۷ فروری ۲۰۰۴ء



سورۃ العذاب کی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بڑھت و کم فرماتے والا بہت مہربان ہے O اس میں آیتیں ہیں جن کو ہم جہنم

حصہ ۱ O وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۱۰ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ كَيْلٍ مُّبْرَكٍ ۚ اِنَّا كُنَّا

حاکم O اس واضح کتاب کی قسم O بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا ہے بے شک ہم عذاب

مُنْذِرِيْنَ ۚ فَيُهَيِّقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۚ اَمْ رَأَيْتُمْ اِنَّا

سے ڈرانے والے ہیں O اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے O امارے پاس سے ایک قسم (کا فیصلہ کیا جاتا ہے)

كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ اِنَّهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۚ رَبُّ

بے شک ہم ہی (رسولوں کو) بھیجنے والے ہیں O آپ کے رب کی رحمت سے ہے بے شک وہی بہت سننے والا بے حد دینے والا ہے O

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ اِنْ كُنْتُمْ مُّوَقِّنِيْنَ ۚ لَا اِلٰهَ

جو آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو O اس کے سوا

اِلٰهٌ اَوْ مُّشْكٰی وَيُسَبِّحُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اَبَائِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۚ بَلْ هُمْ

کوئی عبارت کا شکی نہیں ہے وہ زندہ کرتا ہے اور موت طاری کرتا ہے وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے آپ و ادا کا بلکہ

فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۚ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۚ

وہ شک میں ہیں یہاں کھیل رہے ہیں O سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لے گا O

يَغْشٰى النَّاسُ ۚ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۚ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ

جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ ہے دردناک عذاب O (اس دن وہ کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک

اِنَّا مُّؤْمِنُوْنَ ۚ اَتٰی لَكُمْ الدَّاكِرٰی وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۚ

ہم ایمان لائے والے ہیں O اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آچکے تھے O

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مَعْلَمٌ فَجُنُوْنَ ۚ اِنَّا كَاكْشَفُوْا الْعَذَابَ قَلِيْلًا

پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ کھمائے ہوئے دہانے ہیں O (اگر) ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو

إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبُطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٦﴾

بے شک تم پھر (کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو۔ جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾

بے شک ہم اس سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمائے ہیں ان کے پاس معزز رسول آئے تھے کہ اللہ کے بندوں

أَدُّوْا إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلٰى

(یو اسرائیل) کو میرے سپرد کر دو بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلہ میں

اللَّهُ إِنِّي آتَيْتُكُمْ سُلْطٰنَ مُّبِينٍ ﴿١٩﴾ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ

سرکشی نہ کرو بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں اور بے شک میں تمہارے سنگسار کرنے سے اپنے رب

أَنْ تَرْجُمُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوا بِى فَاعْتَرِلُونِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا

اور تمہارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوں اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ پس انہوں نے اپنے رب

رَبِّهٖ أَنْ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَاسْرِ بِعِبَادِىٰ لِيَّلَا

سے دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں (ہم نے حکم دیا کہ) تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ بے شک

إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرِكِ الْبَحْرَ هَوْأً إِنَّهُمْ جُنْدٌ تُغْرِقُونَ ﴿٢٤﴾

تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ آپ سمندر کو یوں ہی ساکن چھوڑ کے چلے جائیں بے شک ان کا لشکر فرق کر دیا جائے گا۔

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَرِءَاوِىَ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَ

وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیت اور خوش رنگ عمارتیں اور

نَعَمٍ ۚ كَانُوا فِيهَا فِكْرَيْنِ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۖ وَأَوْشَكُنَا هَٰؤُلَاءِ أَنْ يَخْبُرُوْا

وہ نعمتیں جن میں وہ پیش کر رہے تھے اسی طرح ہوا اور ہم نے ان سب چیزوں کا دوسروں کو وارث بنا دیا۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿٢٨﴾

سواں کی بر پادہ پر نہ آسمان رو یا نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حامیم O اس واضح کتاب کی قسم O! بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا! بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں O اس رات میں ہر حرکت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے O ہمارے پاس سے ایک حکم (کا فیصلہ کیا جاتا ہے) بے شک ہم ہی (رسولوں کو) بھیجے والے ہیں O (الدرخان: ۵۱)

حامیم کا معنی

الدرخان: ۱ میں فرمایا: حامیم O اس کا معنی ہے: یہ حامیم ہے۔ حامیم کی تفسیر اس سے پہلے المؤمن "تم اسجدوا" الشوریٰ اور الزخرف میں گزر چکی ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کا اسم ہے "تم اور اکتب المؤمن وذنو قرآن مجید کے عنوان ہیں اور ان کا معنون واحد ہے" ایک قول یہ ہے کہ اسے مراد ہے وحی اور ہم سے مراد ہے محمد یعنی یہ وہ خاص وحی ہے جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نازل ہوئی ہے جیسے کہ اس آیت میں فرمایا:

فَاَنذَرْتُ بِاٰی حَتِيْبَةٍ مَا اَنْزَلْنٰهُ O (انجم: ۱۰)

پس اس نے اپنے حکم بندہ کی طرف وحی کی جو وحی کی O

"لیلۃ مبارکۃ" سے لیلۃ القدر مراد ہونے کے ثبوت میں آثار

الدرخان: ۳۰ میں فرمایا: "اس واضح کتاب کی قسم O! بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا! بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں O"

اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے اس کتاب کو "لیلۃ مبارکۃ" میں نازل فرمایا ہے "لیلۃ مبارکۃ کا مصداق رمضان کی شب قدر ہے یا شعبان کی چند راتوں میں شب اس میں مفسرین کا اختلاف ہے لہذا یہ تفسیرین کا یہ بیان ہے کہ اس سے مراد رمضان کی شب قدر ہے اور بعض کا عقار ہے کہ اس سے مراد شعبان کی چند راتوں میں شب ہے" ہم ان دونوں تفسیروں کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ (ان شاء اللہ) پہلے ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ اس رات سے مراد رمضان کی شب قدر ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے اس سلسلہ میں حسب ذیل روایات بیان کی ہیں:

قائدہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام غمے صحائف رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے اور قرات چھ رمضان کو نازل ہوئی اور زبور رسولہ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل انصارہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن مجید چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ نیز قائدہ نے کہا: لیلۃ مبارکۃ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۹۹۸)

لکن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: یہ رات لیلۃ القدر ہے اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو لوح محفوظ سے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا پھر لیلۃ القدر کے علاوہ دوسری راتوں اور دنوں میں دوسرے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۲۹۹۹)

اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی چند راتوں میں شب قدر ہے۔

علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے بھی ان دونوں روایتوں کا ذکر کیا ہے۔ (مکملہ دہلی ج ۵ ص ۲۳۳)

علامہ الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

قائدہ اور ابن زید نے کہا: اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا پھر بیس سال تک حضرت جبریل علیہ السلام پر حسب ضرورت تجوید تھوڑا کر کے قرآن نازل کرتے رہے اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی چند راتوں میں شب قدر ہے۔

(معالم ابن جریر ج ۳ ص ۷۷۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۳۰ھ)

امام عبد الرحمن بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۴۷ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی

تفسیر میں فرمایا: لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے نقل کر کے لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال میں کتنا رزق دیا جائے گا، کتنے لوگ مر جائیں گے، کتنے لوگ زندہ رہیں گے، کتنی بارشیں ہوں گی، حتیٰ کہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں شخص حج کرے گا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۰۷ رقم الحدیث: ۱۸۵۴۷، محبہ زہرہ مصطفیٰ لہذا، ذکر کر کے ص ۱۰۷) امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الحنفی ص ۴۲۷ لکھتے ہیں:

قنادہ اور ابن زید نے کہا: یہ لیلۃ القدر ہے اللہ سبحانہ نے لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف قرآن مجید کو نازل فرمایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر راتوں اور دنوں میں قرآن مجید کو نازل فرماتا رہا اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد شعبان کی چند راتوں میں شب ہے۔ (المکلف والبیان ج ۱ ص ۳۳۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۱۳۳) حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے، عکرمہ سے روایت ہے کہ یہ شعبان کی چند راتوں میں شب ہے، ان کی یہ حدیث مرسل ہے جب کہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ یہ شب لیلۃ القدر ہے۔ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک زندگی کی باتیں منقطع ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کا نام مردوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹ دار الفکر بیروت ص ۱۳۹)

”لیلۃ مبارکۃ“ سے لیلۃ القدر مراد ہونے پر دلائل

امام فخر الدین محمد عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ نے بہ کثرت دلائل سے ثابت کیا ہے کہ لیلۃ مبارکہ رمضان کی لیلۃ القدر ہے وہ لکھتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر: ۲)

بے شک ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے

اور یہاں فرمایا ہے:

وَإِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (المدفان: ۳)

بے شک ہم نے قرآن کو لیلۃ مبارکہ میں نازل کیا ہے۔

اسی لیے ضروری ہے کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ سے مراد واحد شب ہوتا کہ قرآن مجید میں تضاد اور تناقض لازم نہ آئے۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا ہے۔

(البقرہ: ۱۸۵)

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنا رمضان کے مہینہ میں واقع ہوا ہے اور یہاں فرمایا ہے: ”الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“۔ بے شک ہم نے قرآن کو لیلۃ مبارکہ میں نازل کیا ہے۔ پس ضروری ہوا کہ یہ رات بھی رمضان کے مہینہ میں واقع ہو اور اسی طرح جس شخص نے بھی کہا کہ لیلۃ مبارکہ رمضان کے مہینہ میں واقع ہے اس نے یہ کہا کہ یہ لیلۃ مبارکہ ہی لیلۃ القدر ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کی صفت میں فرمایا:

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ

اس رات میں فرشتے اور جبریل اپنے رب کے حکم سے بر

آسمان سے نازل ہوتے ہیں وہ رات سلاستی ہے مطہر جبر

اور سورۃ الدخان کی اس آیت میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا حَتَّىٰ تَخْرُجُوا مِنَ الدَّخَانِ﴾ (الدخان: ۴)

اور یہ اس آیت کے مناسب ہے:

تَنْزِيلُ الْعِلْمِ وَالرُّوحِ.

نیز یہاں الدخان: ۵ میں فرمایا:

أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا.

اور سورۃ القدر میں فرمایا:

بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ.

اور اس سورت کی آیات میں فرمایا:

أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا.

اس سورت میں فرمایا ہے:

رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ.

اور سورۃ القدر میں فرمایا ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

وہ رات طلوع فجر ہونے تک سلاحتی ہے۔

(۴) امام محمد بن جریر طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ صحائف ابراہیم رمضان کی پہلی شب میں نازل ہوئے، قورات رمضان کی چھٹی شب میں نازل ہوئی، نور رمضان کی بارہویں شب میں نازل ہوئی اور انجیل رمضان کی اٹھارویں شب میں نازل ہوئی اور قرآن رمضان کی چوبیسویں شب میں نازل ہوا اور لیلة المبارکۃ یہی لیلة القدر ہے۔

(۵) لیلة القدر کا معنی ہے: قدر والی شب اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی قدر اور اس کا شرف اللہ کے نزدیک بہت عظیم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی قدر اور اس کا شرف زمانہ کے اس مخصوص جز اور اس مخصوص شب کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے متصل واحد چیز ہے اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ زمانہ کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء کے اعتبار سے افضل ہوں۔ پس اگر زمانہ کا کوئی ایک جز دوسرے جز سے افضل ہو تو اس کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ زمانہ کے اس جز میں کوئی ایسی افضل چیز حاصل ہوتی ہے جو دوسرے جز میں حاصل نہیں ہوتی اور یہ واضح ہے کہ دین کی چیزوں کا مرتبہ دنیا کی چیزوں سے زیادہ شرف اور مرتبہ والا ہے اور دین کی چیزوں میں سب سے زیادہ مرتبہ قرآن کریم کا ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے اور اسی سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہوئی ہے اور اسی سے حق اور باطل کا فرق معلوم ہوا ہے اور اسی سے منکشف ہوا کہ اصحاب سعادات کے مراتب اصحاب شقاوات سے بہت بلند ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا مرتبہ اور شرف ہر چیز سے بلند اور بالا ہے سو جس رات میں قرآن مجید نازل ہوا اس رات کا مرتبہ ہر رات سے بلند اور بالا ہوگا اور جب اس پر اتفاق ہے کہ لیلة القدر رمضان میں ہے تو ہمیں یقین ہو گیا کہ قرآن مجید بھی اسی شب میں نازل ہوا ہے اور یہی لیلة مبارکۃ ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سورت میں جس لیلة مبارکۃ کا ذکر ہے وہ شعبان کی پندرہویں شب ہے میں نے ان کی

جنوں کیا تم جانتی ہو کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس رات میں اس سال اولاد آدم سے بر پیدا ہونے والے کا نام لکھ لیا جاتا ہے اور اس سال اولاد آدم سے ہر مرنے والے کا نام لکھ لیا جاتا ہے اور اس رات میں لوگوں کے اعمال اوپر لے جائے جاتے ہیں اور اس سال ان کا رزق نازل کیا جاتا ہے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص بھی اللہ سبحانہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: کوئی شخص بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر تین مرتبہ فرمایا: میں بھی نہیں الا یہ کہ اللہ سبحانہ مجھے اپنی رحمت کے ساتھ ڈھانپ لے۔ (فداک الاوقات، رقم الحدیث: ۲۶۰۰، ۲۵۹-۲۶۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نصف شعبان کی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آ کر میرے بستر میں داخل ہو گئے رات کے کسی وقت جب میں بیدار ہوئی تو میں نے آپ کو بستر میں نہیں پایا پھر میں اٹھ کر آپ کی ازواج کے حجروں میں وضو خلق پھری آپ مجھے وہاں نہیں ملے میں نے سوچا کہ شاید آپ اپنی باندی ماریہ قبطیہ کے پاس چلے گئے ہیں میں پھر نکلی اور مسجد میں سے گزری پھر میرا بھرا آپ کے حجروں سے نکل آیا اس وقت آپ مجھ میں یہ دعا کر رہے تھے: میرا جسم اور ذمہ میرے لیے جہنم میں ہے اور میرا دل تجھ پر ایمان لا چکا ہے اور یہ میرا وہ ہاتھ ہے جس سے میں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے سوائے عظیم العظیم گناہ کو تو عظیم رب ہی معاف کر سکتا ہے پس تو میرے عظیم گناہ کو معاف فرما دے۔ حضرت عائشہ نے کہا: پھر آپ اپنا سر اٹھا کر یہ فرما رہے تھے: اے اللہ! تو مجھے ایسا دل عطا فرما جو پاکیزہ ہو نہ ائی سے نہ ہی ہونہ کا فر ہو نہ شیعی ہو نہ پھر آپ دوبارہ جہنم میں گئے اور یہ دعا کی: میں تجھ سے اس طرح دعا کرتا ہوں جس طرح میرے بھائی داؤد نے دعا کی تھی: اے میرے مالک! میں اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہوں اور تمام چہروں کا حق یہی ہے کہ وہ اس کے چہرے کے سامنے خاک آلود ہوں پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے کہا: آپ پر میرے باپ اور ماں خدا ہوں آپ کس وادی میں ہیں؟ اور میں کس وادی میں تھی؟ آپ نے فرمایا: اے حمیراء! کیا تم جانتی ہو کہ یہ رات نصف شعبان کی رات ہے اور بے شک اس رات میں اللہ کے لیے قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگ دوزخ سے آزاد ہونے والے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کی تفصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: عرب کے قبائل میں سے کسی قبیلہ کی بکریوں کے بال ان سے زیادہ نہیں ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: چھ آدمیوں کی اس رات بھی بخشش نہیں ہوگی عادی شرابی ماں باپ سے قطع تعلق کرنے والا زنا پر اصرار کرنے والا رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا تصویر بنانے والا اور داخل غور۔ (فداک الاوقات، رقم الحدیث: ۲۶۰۰، ۲۵۹-۲۶۰)

امام بخاری فرماتے ہیں: جن احادیث میں وارد ہے کہ اللہ سبحانہ آسمان و دنیا پر نازل ہوتا ہے یہ صحیح احادیث ہیں اسانید صحیحہ سے منقول ہیں اور ان کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَجَاءَكَ رَبُّكَ فَانظُرْ ۚ وَمَا لَكَ مَلْفًا مُصَفًّٰٓتًا (انجیر ۲۲)

اور آپ کا رب (خود) آ جائے گا اور فرشتے بھی صف بستہ آ جائیں گے۔

اور آسمان سے نازل ہوتا اور آنا اگر حرکت کے ساتھ ہو اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کی کیفیت کے ساتھ ہو تو ایسی صفات اللہ سبحانہ سے منگتی ہیں بلکہ یہ اللہ عزوجل کی ایسی صفات ہیں جو مخلوق کی کسی صفت کے ساتھ مماثل اور مشابہ نہیں ہیں اور نہ ان صفات کی کوئی تاویل ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں بلکہ اللہ سبحانہ اس طرح آتا ہے جس طرح آتا اس کے شایان شان ہے اور اس طرح نزول فرماتا ہے جو اس کو زیبا ہے۔ (فداک الاوقات، ص ۳۳-۳۴، مشکوٰۃ المصابیح، ۱۳۱۰ھ)

نصف شعبان کی شب کے فضائل میں حافظ سیوطی کی روایات

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ متعدد کتب احادیث کے خزانوں سے بیان کرتے ہیں:

امام الدیوری نے "الجمالۃ" میں حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شعبان کی رات کے متعلق فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سال جس بندہ کی روح قبض کرنا چاہتا ہے ملک الموت کو اس رات اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیتا ہے۔

امام ابن ابی الدنیا عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ جب نصف شعبان کی رات آتی ہے تو ملک الموت کو ایک صحیفہ دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: اس صحیفہ کو پکڑ لو ایک بندہ بستر پر لیٹا ہوگا اور ازواج سے نکاح کرے گا اور گھر بنائے گا اور اس کا نام مردوں میں لکھا جا چکا ہوگا۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر کو کھولتا ہے بقرعہ کی رات، عید الفطر کی رات، نصف شعبان کی رات جس میں لوگوں کی زندگیوں اور رزق کے متعلق لکھا جاتا ہے اور اس میں رنج کرنے والے کا نام لکھا جاتا ہے اور عرفات کی شب میں فجر کی اذان تک۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۳۳۹-۳۴۰ "مختار" دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

کثرت مغفرت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

متعدد احادیث میں یہ بشارت گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں قبیلہ کلب کی بکروں کے بالوں سے زیادہ مسلمانوں کے گناہ معاف فرمادیتا ہے، ہم اس کی تائید اور توثیق میں قرآن مجید سے مغفرت کے عموم کی آیات اور دیگر احادیث ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ يٰٓعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَعِیْظُکُمْ لَا تَقْتُلُوْا
مَنْ رَحِمَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذَّنٰٓثَ لِمَنْ یَّهْتَدِ ۚ وَهُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الرعد: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہوئے شب اللہ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا بے شک وہ بہت معاف کرنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے

اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے

وَسَارِعُوْا اِلَیْهَا مَغْفِرًاۙ لِّمَنْ هَمَزَ مِنْهَا وَجَنَّةٍۭ عَرْضُهَا
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ

(آل عمران: ۱۱۳)
وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلْاَنۡسِ عَلٰی طٰلُوۡتِہٖمْ
وَ اِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ (الرعد: ۶)

بے شک آپ کا رب لوگوں کے غم کے باوجود بھی ان کی مغفرت کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے

کثرت مغفرت کے متعلق احادیث صحیحہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم لوگ گناہ نہ کرو اللہ تعالیٰ تم کو لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو لائے گا جو گناہ کریں گے اور اللہ

بھانڈے سے مغفرت طلب کریں گے تو اللہ عز و جل ان کو بخش دے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۳۹)

اس حدیث سے مقصود اللہ تعالیٰ کے حضور اور مغفرت کا بیان کرنا ہے کیونکہ جب مغفرت کا سبب ہوگا تو مغفرت ہوگی اور اس سے مقصود گناہ کرنے کی ترغیب دینا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور انبیاء کو بھی اسی لیے بھیجا ہے واضح رہے کہ بندہ گناہوں سے بچتا رہے اور نیکیاں کرتا رہے پھر بھی یہ سمجھتا رہے کہ اس نے مکاحض عبادت نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کا پورا شکر ادا نہیں کیا اور اس پر اپنے آپ کو گناہ گار قرار دیتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے کامل شکر ادا نہ کرنے پر معافی مانگتا رہے اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے اور اگر وہ گناہوں سے باز رہ کر اور نیکیاں کر کے اپنے آپ کو اللہ سے استغفار کرنے سے مستغنی سمجھے گا تو ایسے لوگوں کے لیے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ملے جائے گا اور ایسے لوگوں کو ملانے کا جو گناہوں سے اجتناب کرنے اور نیکیاں کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ڈالیں گے اور اس سے استغفار کرتے رہیں گے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور اولیاء کا طریقہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک ایک بندہ گناہ کرتا ہے پھر کہتا ہے کہ اے میرے رب! میں نے گناہ کر لیا تو مجھ کو معاف کر دے تو اس کا رب فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کا گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا پھر جب تک اللہ چاہتا ہے وہ بندہ ٹھہرا رہتا ہے پھر وہ کوئی گناہ کرتا ہے پس وہ کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے گناہ کر لیا تو اس کو معاف کر دے اس کا رب فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کا گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا پھر جب تک اللہ چاہتا ہے وہ بندہ ٹھہرا رہتا ہے۔ پھر وہ کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے پھر کہتا ہے: اے میرے رب! میں نے ایک اور گناہ کر لیا ہے تو مجھے معاف فرمادے۔ پس اللہ فرماتا ہے: کیا میرے بندہ کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو اس کا گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کے گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا پس وہ جو چاہے کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۸)

یہ جو فرمایا ہے: پس وہ جو چاہے کرے اس میں اس بندہ کو گناہ کرنے کی کھلی چھٹی نہیں دی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خواہ اعلیٰ نفس یا افواہ شیطان سے مغلوب ہو کر جب بھی گناہ کرے گا پھر اس پر تادم ہو کر تو بہ کرے گا تو میں اس کو بخشتا رہوں گا۔

توبہ اور استغفار کے متعلق احادیث صحیحہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب بندہ گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ بھانڈے اس کی توبہ قبول فرمالتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۴۰)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے گناہ سے توبہ کر لی اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا خواہ وہ ایک دن میں ستر بار گناہ کرے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۳ جامع الترمذی واسنن مسند ابی بکر رقم الحدیث: ۱۱۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے توبہ کرنے کو لازم کر لیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر گھنٹی سے ایک راستہ نکال دیتا ہے اور ہر غم سے ایک خوشی نکال دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۱۹ جامع السانید والسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۳۳۸۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَكَ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْكَ مِنْ

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا

راستہ بنا دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا

حَيْثُ لَا تَحْتَسِبُ. (الملاق: ۲۳)

گمان بھی نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں گناہوں پر توبہ کرنے والوں کے لیے تسلی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو متیقن کے مرتبہ میں رکھے گا یا یہ بشارت ہے کہ گناہوں پر توبہ کرنے والے متیقن میں شمار ہیں اور جو شخص دامنِ توبہ اور استغفار کرے وہ گویا متیقن میں سے ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نئی آدمِ خطا کا رہے اور بہتر بن خطا کا روہ ہیں جو گناہوں پر توبہ کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۹۸ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۱۱ جامع السانید والسنن مسند انس رقم الحدیث: ۳۳۲۱)

اس حدیث میں فرمایا ہے: ہر نئی آدمِ خطا کا رہے اس عموم سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے جن کاموں پر قرآن مجید میں ذنب اور خطا کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ظاہر ترک اولیٰ یا خلاف اولیٰ ہے یا ان کی اجتہادی خطا ہے گناہ اس کو کہتے ہیں کہ قصداً معصیت کی جائے انبیاء علیہم السلام بھی قصداً اللہ جل مجدہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

والدین اور اعزہ کے لیے استغفار کے متعلق احادیث صحیحہ

برأت کے معنی ہیں: نہات، شبِ برأت کا معنی ہے: گناہوں سے نہات کی رات اور گناہوں سے نہات توبہ سے ہوتی ہے سو اس رات میں اللہ بھلائے سے بہت زیادہ توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس رات میں اپنے گناہوں پر بھی توبہ کریں اور اپنے والدین کے لیے بھی استغفار کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: وہ ایک نیک بندہ کا جنت میں درجہ بلند کرے گا وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے یہ درجہ کہاں سے ملا اللہ بھلائے فرمائے گا: تیرے بیٹے کے تیرے لیے استغفار کرنے کی وجہ سے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳ ج ۴ ص ۵۰۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۰ ابوالفرات البیہقی رقم الحدیث: ۳۶۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں مردہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح دریا میں ڈوبنے والا اپنے بچاؤ کے لیے فریاد کر رہا ہو وہ مردہ قبر میں باپ، ماں، بھائی یا دوست کی دعا کا انتظار کر رہا ہوتا ہے کہ کوئی اس کے لیے (مغفرت کی) دعا کرے پھر جب اسے کسی کی دعا پہنچ جاتی ہے تو اس کو وہ دعا دینا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعاؤں سے قبر والوں پر پیاراؤں کی مثل (بدیے) داخل فرماتا ہے اور مردوں کے لیے زندوں کا بدیہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۴۵)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو مبارک ہو جس

کے نامہ اعمال میں یہ کثرت استغفار ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۱۸ الجامع البصیر رقم الحدیث: ۳۹۳۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا

صباح الفراء

marfat.com

Marfat.com

جلد دوم

وے جو کوئی نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب کوئی بُرا کام کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔ (مسند احمد ۱۲۹: ۱۲۵-۱۸۸: ۳۲۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۶-۳۲۳۲ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۲۵۷ مع الجامع ۹۸۰۸: ۹۸۰۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۲۰)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ بخلہ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس نے دنیا میں کسی چیز کو اللہ کے برابر قرار نہیں دیا تھا پھر اگر اس پر گناہوں کے پھاڑ بھی ہوں تو اللہ عزوجل ان کو معاف فرما دے گا۔

(کتاب البیت، المنہج، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۳۲۶۲)

توبہ پر اصرار کرنے اور استغفار کو لازم رکھنے کے متعلق احادیث صحیحہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۵۰ شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۹۶۰ جامع المسانید واسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۸۹۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص سوال کرے تو پورے عزم اور وثوق سے سوال کرے اور یہ ہرگز نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما کیونکہ کوئی شخص اللہ بخلہ کو مجبور کرنے والا نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۸ جامع المسانید واسنن مسند ابن مسعود رقم الحدیث: ۸۹۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے معاف کر دے! اے اللہ! مجھے معاف کر دے! اگر تو چاہے اس کو چاہیے کہ پورے عزم اور زور سے سوال کرے کیونکہ اللہ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی شخص کی دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب وہ دعا قبول ہونے میں جلدی نہ کرے وہ کہے: میں نے دعا کی تھی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳۵ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۸۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵۳)

حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھولے سے حجر ممنوع سے کھالیا پھر تین سو سال تک اس پر روتے رہے اور استغفار کرتے رہے تب جا کر اللہ تعالیٰ نے انہیں مغفرت کی نوید سنائی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں مبعوث فرمانے کے لیے یہ دعا کی تھی:

رَبِّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرہ ۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان میں ایک (عظیم) رسول بھیج دے جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا باطن صاف کرے یہ شک تو بہت غالب ہے

حدیث و الا ہے

حضرت ابراہیم کی اس دعا کو دو ہزار سے زیادہ برس گزر گئے اس کے بعد مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی یہ تو متبولان بارگاہ کی دعائیں ہیں جو اس قدر طویل عرصہ گزر جانے کے بعد قبول ہوئیں تو ہماری اور آپ کی کیا حیثیت ہے اس لیے دعا کرنے کے فوراً بعد یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ ہماری دعا قبول ہو جائے گی اور اگر دعا جلد قبول نہ ہو تو پھر دعا کرنے کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

خافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بندہ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ گناہ کی دعا نہ کرے یا قطع رحم کی دعا نہ کرے یا جب تک جلدی نہ کرے کہا گیا کہ جلدی کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ وہ کہے کہ میں نے دعا کی اور دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ پھر اس کو افسوس ہوا اور وہ دعا کرنا چھوڑ دے۔ اس حدیث میں دعا کے آداب کی تعلیم ہے کہ وہ بار بار طلب کرتا رہے اور مایوس نہ ہو۔ علماء نے کہا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں ہوئی اس کے متعلق اندیشہ ہے کہ وہ دعائے قبول ہونے سے محروم ہو جائے گا۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۸۸ دار الفکر بیروت ۱۴۲۸ھ)

دعا قبول نہ ہونے سے نہ اکتائے نہ مایوس ہو بلکہ مسلسل دعا کرتا رہے

ایک عارف نے کہا: میری دعا قبول ہو جائے پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اگر میری دعا قبول نہ ہو پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کسی نے کہا: اگر آپ کی دعا قبول ہو پھر تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی وجہ سمجھ آتی ہے اور اگر آپ کی دعا قبول نہ ہو تو پھر کس لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں؟ عارف نے کہا: ہر چند کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ کرم کم تو نہیں ہے کہ اس نے مجھے اپنے در کا منگنا بنایا ہوا ہے کسی اور کے دروازہ پر گدائی کرنے کے لیے نہیں چھوڑا ہو۔

علامہ اسماعیل حق متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

ایک بوڑھا آدمی ایک نوجوان کے ساتھ حج کرنے کے لیے گیا 'بوڑھے نے احرام باندھ کر کہا: لیلیک (میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں) غیب سے آواز آئی: لا لیلیک (تیری حاضری قبول نہیں) نوجوان نے بوڑھے سے کہا: کیا تم یہ جواب نہیں سن رہے؟ بوڑھے نے کہا: میں تو ستر سال سے یہ جواب سن رہا ہوں میں ہر بار کہتا ہوں: لیلیک 'جواب آتا ہے: لا لیلیک 'نوجوان نے کہا: پھر تم کیوں آتے ہو اور سفر کی مشقت برداشت کرتے ہو اور جھگڑتے ہو؟ وہ بوڑھا رو کر کہنے لگا: پھر میں کس کے دروازہ پر جاؤں؟ مجھے روکیا جائے یا قبول کیا جائے میں نے تو کہیں آتا ہے اس گھر کے سامنے میری اور کہیں پناہ نہیں ہے پھر غیب سے آواز آئی: جاؤ تمہاری ساری حاضریاں قبول ہو گئیں۔ (روح البیان ج ۳ ص ۵۵۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۸ھ)

سوشب برأت کے عبادت گزاروں اور توبہ کرنے والوں کو چاہیے کہ اس رات بار بار اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہیں اور اپنے گناہوں پر معافی چاہتے رہیں! اشکِ ندامت بہاتے رہیں! یہ وہی رات ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات سجدہ میں گزارتے تھے اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ کے قبرستان جاتے تھے اور مردوں کے لیے مغفرت طلب کرتے تھے اور امت کی بخشش کے لیے دعائیں کرتے تھے سو اس رات ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ استغفار کرنا چاہیے۔ اپنے لیے بھی اپنے والدین کے لیے بھی دیگر قربات داروں کے لیے بھی اور علمائے المسلمین کے لیے بھی اور اس شب میں قبرستان جا کر اپنے اعزہ کی قبروں کی زیارت کرنی چاہیے اور ان کے لیے بخشش کی دعائیں کرنی چاہئیں۔ اس سے پہلے احادیث میں آچکا ہے کہ بعض گناہوں کی وجہ سے شبِ برأت میں مسلمانوں کی مغفرت نہیں ہوتی اور ان کی دعائیں قبول ہونے سے محروم رہتی ہیں وہ گناہ یہ ہیں: شرک، زنا، قتل ناحق، کینہ اور بغض والدین کی نافرمانی، قطع رحم، عادیہ شراب، چٹا چٹلی کھانا اور تصویریں بنانا، آبِ ہم ان میں سے ہر گناہ کی عینگی کو تفصیل سے بیان کر رہے ہیں۔

شرک، زنا اور قتل ناحق کی وجہ سے شبِ برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان گناہوں سے اجتناب کریں جن کی وجہ سے اس رات بھی بندہ کی مغفرت نہیں ہوتی حالانکہ

اس رات اللہ تعالیٰ کی عطا و نوال بہت عام ہوتی ہے اور غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک اس کی رحمت کی برسات ہوتی رہتی ہے۔

ان گناہوں میں شرک ہے، قتل، ناحق ہے اور ان تینوں گناہوں کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ
اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ زنا کرتے ہیں۔ (المزہکان: ۶۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کسی کو اللہ کا شریک قرار دو حالانکہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے انہوں نے سوال کیا: پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا انہوں نے کہا: پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے بڑی کی بیوی سے زنا کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۳۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۰ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۸۸۲ سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۰ جامع السانید والنسب مسند ابن مسعود رضی اللہ عنہ: ۱۹۹)

کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوتا ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت لاڈلے صحابی تھے انہوں نے اجتہادی خطا سے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تو آپ حضرت اسامہ پر بہت ناراض ہوئے اور آپ کو بہت رنج ہوا حدیث میں ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہینہ کے ایک قبیلہ کی طرف جہاد کے لیے روانہ کیا ہم نے صبح کو ان پر حملہ کر کے ان کو شکست دے دی میرا اور ایک انصاری کا ان میں سے ایک شخص سے عکراؤ ہوا جب ہم اس پر چمکے تو اس نے کہا: لا الہ الا اللہ یہ سن کر انصاری تو رک گیا میں نے اس کو نیزہ مگھوپ کر قتل کر دیا جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ تک یہ خبر پہنچی جی جی آپ نے فرمایا: اے اسامہ! تم نے ان کے لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد بھی اس کو قتل کر دیا میں نے عرض کیا: اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا (مسلم کی روایت میں ہے: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ اس نے اخلاص سے کلمہ پڑھا ہے یا جان بچانے کے لیے) آپ بار بار یوں ہی فرماتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۳۳)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو اگر خطا سے بھی ناحق قتل کیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا رنج ہوتا ہے ہمارے دور میں مسلمان محض زبان اور علاقے کے اختلاف کی وجہ سے یا مذہبی اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کو ناحق قتل کرتے رہتے ہیں اور آئے دن بوری میں بند لاشیں ملتی رہتی ہیں مساجد اور مدارس میں نمازیوں پر گھات لگا کر فائرنگ کی جاتی ہے سوچئے! اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر رنج ہوتا ہوگا؟ آپ کی قبر انور میں آپ کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جب آپ کے سامنے قتل ناحق پیش کیے جائیں گے تو آپ کو ان پر کس قدر رنج ہوگا کہ کے کافرو آپ کو زندگی میں رنجیدہ کرتے تھے ہم آپ کو قبر میں بھی دکھ پہنچا رہے ہیں۔

کینہ اور بغض کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہوتا

جو گناہ شب برأت میں مغفرت سے مائع ہیں ان میں ایک گناہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے کینہ اور بغض رکھنا ہے یعنی ایک مسلمان محض اپنی نفسانی خواہش کی بناء پر یا نفسانی عداوت کی بناء پر دوسرے مسلمان سے کینہ اور بغض رکھے۔ اس

سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر اس بندہ کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو! ماسوا اس شخص کے جو اپنے بھائی کے خلاف اپنے دل میں بغض اور کینہ رکھتا ہو! پس کہا جائے گا: ان دونوں کو ٹھہراؤ حتیٰ کہ یہ ایک دوسرے سے صلح کر لیں! یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵۶۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۲۲ مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۸)

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ یہ دعا کرتے ہیں:

رَبِّهِ أَغْفِرْ لَنَا وَلِرَبِّكَ إِنَّا نَتُوبُ إِلَيْكَ سُبْحَانَكَ يَا إِلَهَ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ
وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا كِبَارًا لِلَّذِينَ آمَنُوا بِمَا بَيْنَ يَدَيْكَ زُورًا
تُحِبُّهُمْ (البقرہ: ۱۰)

اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے خلاف کینہ نہ رکھنا! اے ہمارے رب!

بے شک تو بہت شفیق اور مہربان ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے تین دن یہ فرمایا: اب تمہارے پاس اہل جنت میں سے ایک شخص آئے گا! پھر ایک شخص آیا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو مہمان بنایا! سو وہ تین دن ان کے پاس رہا! حضرت عبداللہ بن عمرو اس کے قتل کو دیکھتے رہے! انہوں نے اپنے گھر میں اس کا کوئی خاص بڑا عمل نہیں دیکھا! انہوں نے اس شخص سے پوچھا: اس نے کہا: واقعہ اسی طرح ہے! مگر میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف بغض یا کینہ نہیں ہوتا! حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: اسی وجہ سے یہ شخص اس مرتبہ کو پہنچا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۱ شرح السنہ رقم الحدیث: ۴۵۴۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! لوگوں میں کون سب سے زیادہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر وہ شخص جس کا دل محوم ہو اور اس کی زبان صادق ہو! صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! زبان صادق ہو اس کا معنی تو ہم جانتے ہیں اور دل کے محوم ہونے کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ دل ہے جو بالکل صاف اور اجلا ہو اس میں کوئی گناہ نہ ہو! کوئی سرکشی نہ ہو! کینہ نہ ہو اور حسد نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۴۱۶ جامع المسانید والسنن مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رقم الحدیث: ۷۰۷۷)

بعض اسلاف نے یہ کہا ہے کہ افضل عمل یہ ہے کہ سید کو صاف اور سالم رکھا جائے! نفس میں سخاوت ہو اور تمام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی کی جائے۔ ان گناہوں سے بچا جائے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے اس رات میں محروم رکھتے ہیں جس رات میں اس کی رحمت عام ہوتی ہے اور وہ بے کثرت گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

والدین کی نافرمانی کی وجہ سے شبِ برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

شبِ برأت میں مسلمان جن گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت سے محروم رہتے ہیں! ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ باپ کی نافرمانی کرنا ہے۔ ہم اس سے پہلے قرآن مجید سے والدین کی اطاعت کی اہمیت میں آیات پیش کریں گے اور اس کے بعد اس سلسلہ میں احادیث پیش کریں گے:

وَوَهَبْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَسَنَةً إِنَّهُ وَهَّابٌ
وَفِينِ وَهْبًا غَیًّا بَلَاغِينَ إِنَّ أَوْلَىٰ لِشُكْرِي وَبِوَالِدَيْكَ ذُلًّا

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ (نیک سلوک کی) وصیت کی! اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو صل

المؤمنین (النہج: ۱۳)

میں رکھا اور اس کا دودھ پھرتا دو سال میں ہے (ہم نے یہ وصیت کی کہ) امیر اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو تم سب نے میری عی طرف لوٹا ہے ۵

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے دکھ بھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دکھ برداشت کر کے اس کو جتا۔

وَوَقَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۚ صَلَّتْ أُمُّهُ
لَهُمَا وَوَصَّيْنَا الْفَرْجَ (الأحقاف: ۱۵)

اور جب ہم نے نئی اسرائیل سے پکا وعدہ کیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ
إِلَّا اللَّهَ ۚ سُبْحَٰنَ الْوَالِدِينَ إِحْسَانًا (البقرہ: ۸۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا میں نے پوچھا: پھر کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ نیک کرنا میں نے پوچھا: پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: آپ نے مجھے یہ احکام بیان فرمائے، اگر میں اور پوچھتا تو آپ اور بتا دیجئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۷۵) صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۰۰ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۶۳۳۱ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیک کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو جہاد پر مقدم کیا ہے۔

ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ نہ براہ راست ان کی محنتی کرے اور نہ کوئی ایسا کام کرے جو ان کی گستاخی کا موجب ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام کبیرہ گناہوں میں سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے یا لعنت کرے۔ کہا گیا: یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے ماں باپ پر کیسے لعنت کرے گا؟ فرمایا: ایک شخص دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ دوسرا شخص اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۱۶۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹۰۲ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۶۳۸۱)

اغراض صحیحہ: جائز کاموں میں ماں باپ کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرنا واجب ہے جب کہ ان کا حکم کسی معصیت کو مستلزم نہ ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے پوچھا: تمہارا سے ماں باپ ہیں اس نے کہا: جی ہاں آپ نے فرمایا: پھر تم ان کی خدمت میں جہاد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۸۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۱۶۶ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۶۹۰۲ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۶۳۸۱)

۱۶۰۳ معنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۳۸۱ معنف حماد رقم الحدیث: ۵۸۵ مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۳۳ مالم اکتب معنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۶۷۳ جامع الترمذی رقم الحدیث: ۶۳۸۱ معنف عبد اللہ بن عمرو رقم الحدیث: ۸۵) معاویہ بن جابر السلمي بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مجھے اور عرض کیا:

میں جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں! آپ نے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اس کے ساتھ لازم رہو کیونکہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے نہ وہ پھر دوبارہ کسی اور وقت گئے پھر سر بارہ کسی اور وقت گئے تو آپ نے یہی جواب دیا۔

(سنن اہلبیہ رقم الحدیث: ۶۱۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۹، مسند ابی یوسف ج ۱ ص ۵۶۳، مسند ابی داؤد ج ۱ ص ۳۳۳، سنن کبریٰ للبخاری ج ۱ ص ۲۹، مسند عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۹۰، مسند ابی حاتم رقم الحدیث: ۲۹۵، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۳)

ایک روایت میں ہے: جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (سنن اہلبیہ رقم الحدیث: ۶۱۰۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۳۲۹، بحار تاریخ بغداد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے پھر فرمایا: آمین! آمین! آمین! آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ نے کس چیز پر آمین کہی؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس ابھی جبرائیل آئے تھے انہوں نے کہا: یا محمد! اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا! آپ کہیے: آمین تو میں نے کہا: آمین! پھر اس نے کہا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان کا مہینہ داخل ہوا اور اس کی مغفرت کے بغیر وہ مہینہ گزر گیا! آپ کہیے: آمین تو میں نے کہا: آمین! پھر اس نے کہا: اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کیا! آپ کہیے: آمین تو میں نے کہا: آمین۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵، مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۵، مسند ابی یوسف ج ۱ ص ۳۳۳، بحار تاریخ بغداد ج ۱ ص ۵۶۳)

سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے خاندان کے کعبہ کا طواف کر رہا تھا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا: جی نہیں یہ تو اس کی ایک بار خندہ پیشانی کا بھی بدل نہیں ہے۔

(مسند ابی یوسف ج ۱ ص ۱۸۷، مسند ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۷، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک جس وقت فوت ہوتے ہیں وہ اس وقت ان کا فرمان ہوتا ہے پھر وہ ان کے لیے مسلسل مغفرت کی دعا کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ اس کو نیکو کار رکھ دیتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں صبح کرتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہوتا ہے اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا اطاعت گزار ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے اور جو شخص شام کے وقت اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوتا ہے تو صبح کے وقت اس کے لیے دو دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور اگر وہ ایک کا نافرمان ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے۔ ایک شخص نے کہا: خواہ اس کے ماں باپ اس پر ظلم کریں فرمایا: اگر چہ وہ اس پر ظلم کریں اگر چہ وہ اس پر ظلم کریں اگر چہ وہ اس پر ظلم کریں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۹۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نیک شخص اپنے ماں باپ کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھے اللہ تعالیٰ اس کو ہر نظر کے بدلہ میں حج مبرور عطا فرماتا ہے صحابہ نے پوچھا: خواہ وہ ہر روز سو مرتبہ رحمت کی نظر کرے؟ آپ نے فرمایا: اللہ بہت بڑا اور بہت پاک ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث ۷۸۵۹)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی کے سوا اللہ ہر گناہ میں سے جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا اور ماں باپ کی نافرمانی کی سزا انسان کو زندگی میں موت سے پہلے مل جائے گی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث ۷۸۹۰)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: ایک جوان آدمی قریب المرگ ہے اس سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ نہیں پڑھ سکا آپ نے فرمایا: وہ نماز پڑھتا تھا؟ اس نے کہا: ہاں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے آپ اس جوان کے پاس گئے اور فرمایا: کہو لا الہ الا اللہ اس نے کہا: مجھ سے نہیں پڑھا جا رہا آپ نے اس کے متعلق پوچھا کسی نے کہا: یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اس کی والدہ زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اس کو جلا لاؤ وہ آئی آپ نے پوچھا: یہ تمہارا بیٹا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر آگ جلائی جائے اور تم سے کہا جائے کہ اگر تم شفاعت کرو تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیتے ہیں تو کیا تم اس کی شفاعت کرو گے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اس وقت میں اس کی شفاعت کروں گی آپ نے فرمایا: تب تم اللہ کو گواہ کرو اور مجھ کو گواہ کر کے کہو کہ تم اس سے راضی ہو گئی ہو اس عورت نے کہا: اے اللہ! میں تجھ کو گواہ کرتی ہوں اور حیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہو گئی ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے اب کہو: لا الہ الا اللہ وحده لا شریک لہ واشہد ان محمدا عبده ورسوله تو اس لڑکے نے فک پڑھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو میری وجہ سے آگ سے نجات دی۔

(الترغیب والترہیب رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۲ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۸ شعب الایمان رقم الحدیث ۷۸۹۲)

قطع رحم کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا ہے قطع رحم پر حسب ذیل احادیث میں وعید ہے:

اور اللہ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ ان کو کاٹ

(البقرہ ۷۷) دیتے ہیں۔

قطع رحم کی مذمت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قطع رحم کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث ۲۹۹۹ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۲۰۳۸۸ مسند احمد ج ۳ ص ۸۸ بخاری رقم الحدیث ۵۹۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر درازی کی جائے وہ صلہ رحم کرے (رشتہ داروں سے میل جول اور ملاپ رکھے)۔ (بخاری رقم الحدیث ۵۹۸۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۶۶۳۳ مسلم رقم الحدیث ۵۵۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہو چکا تو رحم نے کہا: یہ اس کی جگہ ہے جو قطع رحم سے تیری پناہ طلب کرے اللہ عزوجل نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں اس سے ملاپ رکھوں جو تم سے ملاپ رکھے اور اس سے قطع تعلق کروں جو تم سے قطع تعلق کرے۔ رحم نے کہا: کیوں نہیں اسے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہ تمہارے لیے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو:

فَمَنْ عَنِكَ يُفْخِرْ لِقَوْلِ اللَّهِ إِنَّ تَقْوِيَةَ ذَايِ الْإِنْفِصِ
وَتَقَطُّعُ رَحْمَةٍ أَرْحَمُ مِمَّا تَقْطَعُونَ (نور: ۲۲)

پس تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو اقتدار حاصل ہو جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتوں کو توڑ دو گے ○

(محکم النکاحی رقم الحدیث: ۵۹۸۷)

عادی شرابی کا شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ دھما شراب نوشی کرنا ہے دھما شراب نوشی پر حسب ذیل احادیث میں وعید ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور جو دنیا میں شراب نوشی کرتے ہوئے مر گیا اور اس نے دھما شراب نوشی سے توبہ نہیں کی وہ آخرت میں شراب نہیں پی سکے گا۔

(محکم النکاحی رقم الحدیث: ۵۵۵۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۰۳ جامع السانید وائسن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۳۶۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آیا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ لوگ اپنے علاقے میں جو اربک شراب پیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہ شراب نشہ لاتی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ سبحانہ نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پئے گا اللہ تعالیٰ اس کو طیبۃ الغیال سے پیائے گا صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ اطیبۃ الغیال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ روزِ نبیوں کا پسینہ ہے یا ان کا نچڑا ہوا عرق ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰۰۳ جامع السانید وائسن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۳۶۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سبحانہ شراب پر لعنت فرماتا ہے اور اس کے پیئے والے پر اور اس کے پیانے والے پر اور اس کی فروخت کرنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے نچڑنے والے پر اور اس کے نچڑوانے والے پر اور اس کے اٹھانے والے پر اور جس کے پاس وہ اٹھا کر لائی جائے۔

(مسند ابوداؤد رقم الحدیث: ۶۰۰۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷۸۰ جامع السانید وائسن مسند ابن عمر رقم الحدیث: ۱۳۶۱)

چغلی کھانے کی وجہ سے شب برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہونا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شب برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ چغلی کھانا ہے۔

غیبت اور چغلی میں فرق ہے کسی مسلمان کو سوا کرنے کے لیے اس کے پس پشت اس کا عیب بیان کرنا غیبت ہے اور دو مسلمانوں میں فساد ڈالنے یا ان کو لڑانے کے لیے ایک کی بات دوسرے کو پہنچانا چغلی ہے۔ چغلی پر وعید ان آیتوں میں ہے:

وَيَنْفُخُ فِيهِمْ مَزْمَرًا مَزْمُورًا (الزمر: ۱۲)
هَذَا يَوْمُكُمْ يَوْمَ الْيَوْمِ (الزمر: ۱۳)

ہر اس شخص کے لیے ہلاکت ہو جو عیب جو اور چغلی خور ہے ○
کیونکہ عیب جو چغلی خور ○

حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب یہ دکھائی دیتے ہیں تو خدا یاد آ جاتا ہے پھر فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بُرے لوگ کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو چٹلی کھاتے ہیں اور دوستوں میں لڑاؤ اٹھاتے ہیں اور جو لوگ بے قصور ان کے خلاف غم و غصہ پیدا کرتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۹ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳ ص ۵۷۵ رقم الحدیث: ۲۵۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۹۰، الترمذی ج ۲ ص ۲۲۳)

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۰۸)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چٹل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے کسی باغ سے گزرے تو آپ نے دو انسانوں کی آوازیں سُنیں جنہیں قبر میں عذاب ہو رہا تھا آپ نے فرمایا: انہیں کسی ایسی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچتا بہت دشوار ہو پھر فرمایا: کیوں نہیں ان میں سے ایک چٹاب کے قطرہوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چٹلی کھاتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹۲ جامع الترمذی واسنن مسند ابن عباس رقم الحدیث: ۱۳۲۶)

تصویریں بنانے کی وجہ سے شبِ برأت میں دعا کی قبولیت سے محروم ہوتا

جن گناہوں کی وجہ سے مسلمان شبِ برأت میں دعا کے قبول ہونے سے محروم ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک بڑا گناہ تصویریں بنانا ہے تصویریں بنانے کی تحریم کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک تصویروں والا گدا خریدا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آپ دروازے پر کھڑے رہے میں نے آپ کے چہرے پر تاپندہ کی کو بچکان لیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تو پ کرتی ہوں میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ گناہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس کو اس لیے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا ورنہ ان سے کہا جائے گا: ان کو زندہ کرو جن کو تم نے پیدا کیا تھا اور فرمایا: جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۰۰ جامع الترمذی واسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۵۳۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو دیا جائے گا جو تصویر بنانے والے ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱۰۰ جامع الترمذی واسنن مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۵۳۸)

یہ حدیث ان مصوروں پر محمول ہے جو بت بناتے ہیں تاکہ ان کی عبادت کی جائے اور عام مصورین فاسق ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی مثل تخلیق کرتا ہے وہ ایک جوار پیدا کریں یا ایک دانہ پیدا کریں یا بھ پیدا

محرورم

کریں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۷۷)

شب برأت میں شب بیداری کرنا اور مخصوص عبادات کرنا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ "قوت القلوب" سے نقل فرماتے ہیں:

پندرہ راتوں میں شب بیداری مستحب ہے (آگے چل کر فرمایا: ان میں ایک شعبان المعظم کی چند عرصوں میں رات ہے کہ اس میں شب بیدار بننا مستحب ہے کہ اس میں مشائخ کرام سو رکعت ہزار مرتبہ قل هو اللہ احد کے ساتھ ادا کرتے ہر رکعت میں دس دفعہ قل هو اللہ احد پڑھتے اس نماز کا نام انہوں نے صلوٰۃ الخیر رکھا تھا اس کی برکت مسئلہ تھی اس رات (یعنی پندرہ شعبان) میں اجتماع کرتے اور احیاناً اس نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے۔ (ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۲۱۸ طبع جدید لاہور قوت القلوب ج ۱ ص ۶۲ دار صادر بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۹۵۵ھ کی "الطائف المعارف" سے نقل فرماتے ہیں: یعنی اہل شام میں ائمہ تابعین مثل خالد بن معدان و امام کھول و لقمان بن عامر وغیرہم شب برأت کی تعظیم اور اس رات عبادت میں کوشش عظیم کرتے اور انہیں سے لوگوں نے اس کا فضل ماننا اور اس کی تعظیم کرنا اخذ کیا ہے کوئی کہتا ہے: انہیں اسباب میں کچھ آثار اسرائیلی پہنچے تھے خیر جب ان سے یہ امر شیروں میں پھیلایا علماء اس میں مختلف ہو گئے ایک جماعت نے اسے قبول کیا اور تعظیم شب برأت کے موافق ہوئے ان میں سے ایک مردہ عابد بن ابی بصرہ وغیرہم ہیں اور اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ان میں سے ہیں: امام عطاء و ابن ابی ملیکہ و عبد الرحمن بن زید بن اسلم فقہائے مدینہ سے ہیں اور یہ قول مالکیہ وغیرہم کا ہے کہ یہ سب نو پیدا ہے علماء اہل شام اس رات کی شب بیداری میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ مستحب ہے خالد بن معدان و لقمان بن عامر وغیرہما کا برتاہین اس رات اچھے سے اچھے کپڑے پہننے بخور کا استعمال کرتے سرمہ لگاتے اور شب کو مسجدوں میں قیام فرماتے امام مجتہد اعلیٰ بن راہوی نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی ائمہ دوسرا قول یہ کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے اور یہ قول شام کے امام و فقہ و عالم امام اوزاعی کا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۲۳۳ طبع جدید لاہور الطائف المعارف ج ۱ ص ۶۲-۶۳ مکتبہ زبیر مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۳۰ھ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح سے نقل فرماتے ہیں:

اہل حجاز میں سے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے ان میں سے ہیں: امام عطاء و ابن ابی ملیکہ و فقہاء مدینہ اور اصحاب امام مالک وغیرہم۔ یہ علماء کہتے ہیں: یہ سب نو پیدا ہے نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عیدین کی دونوں راتوں کی باجماعت شب بیداری منقول ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے مروی ہے اور علماء شام بیداری شب برأت میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے: ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ بیداری مستحب ہے یہ قول اکابر تابعین مثل خالد بن معدان اور لقمان بن عامر کا ہے امام مجتہد اعلیٰ بن راہوی نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے یہ قول اہل شام کے امام و فقہ و عالم امام اوزاعی کا ہے۔ (ت)

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۲۳۳ طبع جدید لاہور حاشیہ علی مراقی الفلاح ص ۲۳۰-۲۳۱ طبع کراچی)

شب برأت میں صلوٰۃ التبیح اور دیگر نوافل کو باجماعت پڑھنا

برصغیر میں معمول یہ ہے کہ شب برأت میں صلوٰۃ التبیح باجماعت پڑھی جاتی ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے اعلیٰ حضرت نے باحوالہ لکھا ہے کہ یہ کراہت تحریمی نہیں ہے صرف تنزیہی ہے اور اگر دوام کے ساتھ نوافل کی

جماعت نہ کرائی جائے تو پھر یہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے اہل حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ جب نوافل کی جماعت علی سبیل ادا ہو تو صدر شہید کی ”اصل“ میں ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن اگر مسجد کے گوشے میں بغیر اذان و کبیر نفل کی جماعت ہوئی تو کراہت نہیں اور جس الاثر طولانی نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاعتاق کراہت نہیں اور اگر مشدئی چار ہوں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اجماع کراہت ہے۔ (ت) (لادنی رضویہ ج ۳ ص ۳۱۱ طبع بدیع خلافت الاسلامی ج ۱ ص ۱۵۳ مکتبہ شہید کوس)

پھر اکبر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ لمخالفة الصوارث (کیونکہ یہ طریقہ ثوارث کے خلاف ہے۔ ت) نہ تحریری کہ گناہ و منوع ہو رد المحتار میں ہے:

”طلیہ“ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نفل میں جماعت مستحب نہیں پھر اگر کبھی ایسا ہو تو یہ مباح ہے مکروہ نہیں اور اس میں دوام ہو تو طریقہ ثوارث کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت مکروہہ ہے اہ کی تائید بدائع کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ جماعت قیام رمضان کے علاوہ نوافل میں سنت نہیں اہ کیونکہ نجی سنت کراہت کو مستلزم نہیں پھر اگر اس میں دوام ہو تو یہ بدعت و مکروہ ہوگی خیر ربی نے حاشیہ بحر میں کہا کہ ضیاء اور نہایہ میں کراہت کی علت یہ بیان کی ہے کہ وتر من وجہ نفل ہیں اور نوافل کی جماعت مستحب نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت نہیں کرائی اہ یہ گویا اس بات کی تصریح ہی ہے کہ جماعت مکروہ تنزیہی ہے مائل اہ اختصاراً۔ (ت)

(لادنی رضویہ ج ۳ ص ۳۳۱-۳۳۲ کا ہو رد المحتار ج ۱ ص ۳۳۱-۳۳۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۴ھ)

فرائض کی قضاء کو نوافل کی ادائیگی پر مقدم کرنا

ہر چند کہ شب برأت اور دیگر شب ہائے مقدمہ میں نفل عبادات کرنا بلا کراہت جائز ہیں بلکہ مستحسن اور مستحب ہیں تاہم جن لوگوں کی کچھ فرض نمازیں چھوٹی ہوئی ہوں وہ ان مقدس راتوں میں اپنی قضاء نمازوں کو پڑھیں اسی طرح نفل روزوں کے بجائے جو فرض روزے چھوٹ گئے ہوں ان روزوں کی قضاء کریں اصل یہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اس کی جتنی نمازیں قضاء ہوں ان کا حساب کر کے تمام کاموں سے مقدم ان نمازوں کی قضاء کرے اور کم از کم وجہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے ساتھ ایک قضاء نماز پڑھے اور اس کی نیت یوں کرے: میں آخری نماز فجر کی نیت کرتا ہوں جس کو میں نے ادا نہیں کیا پھر اسی طرح آخری ظہر اور آخری عصر کی نیت کرے ہر روز وتر کی بھی قضاء کرے اور جب بھی اس کو عبادت کرنے کا موقع ملے زیادہ سے زیادہ فرض نمازوں کی قضاء کرے خصوصاً جب حج یا عمرہ کے لیے جائے اسی طرح جو روزے چھوٹ گئے ہوں ان روزوں کو بھی جلد از جلد قضاء کر لے اور بہر حال ترک کیے ہوئے فرائض کی قضاء کو نوافل کی ادائیگی پر مقدم کرے کیونکہ اگر وہ نوافل نہیں پڑھے گا تو اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور نہ اسے کسی عذاب کا خطرہ ہوگا اور اگر اس کے ذمہ فرائض رہ جائیں گے تو اس سے باز پرس ہوگی اور اس کو بہر حال عذاب کا خطرہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کے رب کی رحمت سے بے شک وہی بہت بخشنے والا ہے حد جاننے والا ہے O جو آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو O اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ زندہ کرتا ہے اور موت طاری کرتا ہے وہی تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا O بلکہ وہ ملک میں ہیں نکھیل رہے ہیں O (الدخان ۶-۹)

کفار کا اللہ کو خالق ماننا محض ان کا مشغلہ اور دل لگی ہے

غضب نے کہا: اس آیت میں امر سے مراد قرآن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے نازل کیا ہے اور ابن مسینی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک رات میں اپنے بندوں کے حقیقی جو احکام نازل کیے ہیں وہ سب احکام اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہیں اور فرما نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ کی رحمت ہیں نہ جان نے کہا: اس کا معنی ہے: آپ کو رحمت کرنے کے لیے بھیجا ہے دشمنی نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: جو امر (حکم) ہمارے پاس سے حاصل ہوا ہے وہ ہمارے علم اور ہماری تدبیر کے موافق ہے اور وہ امر بہت عظیم ہے۔

الدخان: ۸ میں فرمایا: ”جو آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے“ O

اس آیت کا ایک عمل یہ ہے کہ یہ کلام از سر نو کیا گیا ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب وہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہو جو اس کے معترف ہوں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے یعنی اگر تم اس کا یقین کرنے والے ہو تو جان لو کہ اللہ سبحانہ اس پر قادر ہے کہ وہ رسولوں کو بھیجے اور کتابوں کو نازل فرمائے۔

الدخان: ۸ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی تمام جہانوں کا خالق ہے لہذا اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز نہیں ہے جو کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور زندوں پر موت طاری کر دیتا ہے وہ تمہارا بھی رب اور مالک ہے اور تم سے پہلوں کا بھی رب اور مالک ہے اور تم ہمارے نبی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کرنے سے ڈرو کہیں تم پر بھی عذاب نازل نہ ہو۔

الدخان: ۹ میں فرمایا: ”بلکہ وہ شک میں ہیں تکمیل رہے ہیں“ O

یعنی مشرکین مکہ اور کفار جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے اس پر ان کو یقین نہیں ہے وہ محض اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں ایسا کہتے ہیں لہذا ان کا یہ قول شک پر مبنی ہے اور اگر ان کو یہ دہم ہو کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر ایمان ہے تو ان کا یہ ایمان محض مشغلہ اور دل لگی کے طور پر ہے وہ اپنے دین سے کھیل رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا O جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ ہے دردناک عذاب O (اس دن وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے بے شک ہم ایمان لائے والے ہیں O اب ان کے نصیحت قبول کرنے کا وقت کہاں ہے حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آچکے تھے O پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ نکھائے ہوئے دیوانے ہیں O (الدخان: ۱۳-۱۱)

آسمان کے دھواں لانے سے مراد ہے: قرب قیامت میں دھوئیں کا ٹھاہر ہونا

قرآنہ نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان کافروں کے ساتھ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان پر واضح دھواں چھا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: آپ کافروں کے اقوال کو یاد رکھئے تاکہ آپ ان کے خلاف اس دن شہادت دے سکیں جس دن آسمان پر واضح دھواں چھا جائے گا اور ارتقاب کا معنی یاد رکھنا بھی آتا ہے اسی لیے حافظ کو نگرانی کرنے والا اور رقیب بھی کہتے ہیں۔ اس آیت میں دخان (دھواں) کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہم اور زید بن علیؓ حسن اور ابن ابی علیہ وغیرہم فرماتے ہیں: دُخان (دھواں) قیامت کی علامتوں میں سے ہے ابھی تک ظاہر نہیں ہوا یہ قرب قیامت میں چالیس روز تک ظاہر ہوگا اور آسمان اور زمین کی فضاء کو بھر لے گا مومن پر اس کا اثر زکام کی صورت میں ظاہر ہوگا اور کافر و کافر کے کانوں میں داخل ہو کر ان کے کانوں کے سوراخوں سے نکلے گا ان کا دم گھٹنے لگے گا وہ دھواں جہنم کے آگ سے ہے اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دھواں قیامت کے دن لوگوں میں بھپان پیدا کرے گا۔ مومن پر اس کا اثر زکام کی صورت میں ظاہر ہوگا اور کافر کے جسم میں داخل ہو کر اس کے کانوں کے سوراخوں سے نکلے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۲۸۷ رقم الحدیث: ۱۸۵۳۳ الکتاب والاعمال ج ۵ ص ۲۲۷)

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے ہم اس وقت مذاکرہ کر رہے تھے آپ نے پوچھا: تم کس چیز میں بحث کر رہے ہو؟ صحابہ نے کہا: ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں آپ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو پھر آپ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا: (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) حضرت یحییٰ بن مریم کا نازل ہونا (۶) یاجوج اور ماجوج کا نکلنا (۷) تین ہار زمین کا دھنسا ہونا (۸) مغرب میں (۹) اور جزیرۃ العرب میں (۱۰) اور اس کے آخر میں ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہلک کر میدانِ محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۰۱ مکتبہ زار صلی) کہہ کر دعا پڑھا

دوسری روایت میں ہے: آسمان کے دھواں لانے سے مراد ہے کفار کی بھوک کی کیفیت

(۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دُخان (دھواں) سے مراد کفار کی بھوک کی کیفیت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مسلسل سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے خلاف دعا کی تو ان پر قحط آ گیا بھوک کی شدت میں جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تو وہ ان کو دھوئیں کی طرح نظر آتا پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ان سے وہ کیفیت دور کر دی اگر اس سے مراد قیامت کا دھواں ہوتا تو وہ ان سے دور نہ ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دھواں اس لیے ظاہر ہوا کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل بافرمانی کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان پر ایسے قحط کے سال مسلط کر دے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط آ یا تھا پھر ان پر قحط آ گیا اور ان پر سخت مصیبت آ گئی حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیاں کھالیں ان میں کا ایک شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کو آسمان دھوئیں کی طرح نظر آتا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَارْتَوَيْتُمْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَتَذَكَّرُ

لَهُ نَاسٌ مُّذُنِعًا رَبِّ ۝ (الدرخان: ۱۰)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ لوگ لائے گئے اور آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! ہضر کے لیے بارش کی دعا کیجئے یہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا: ہضر کے لیے؟ تم تو بہت جری ہو پھر آپ نے بارش کی دعا کی تو بارش نازل ہو گئی پھر یہ آیت نازل ہوئی:

يَتَذَكَّرُ ۝ (الدرخان: ۱۵)

پھر جب یہ (بارش ہونے سے) مطمئن ہو گئے تو پھر کفر کی طرف لوٹ گئے پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَوْمَ تَجُوزُ السُّبُحَةُ الْكُبْرَىٰ وَالْأَكْبَرَىٰ ۝

جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پھڑکیں گے۔

(المدخان: ۱۲) جب ہم انتقام لینے والے ہیں ۝

حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس سے مراد یوم بدر کا انتقام ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۸۸۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۵۳)

امام بخاری کی اس سلسلہ میں ایک اور روایت یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ مشرکین آپ کے پیغام توحید سے اعراض کر رہے ہیں تو آپ نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان پر قتل کے ایسے سال مسلط کر دے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے لوگوں پر قتل کے سات سال مسلط کیے تھے پھر ان پر قتل آ گیا ان کے تمام کیمت جل گئے حتیٰ کہ انہوں نے جانوروں کی کھالوں کو مردہ جانوروں کو اور مردہ انسانوں کو کھایا ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو اسے بھوک کی شدت سے آسمان دھوئیں کی طرح دکھائی دیتا تھا پھر آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور کہنے لگا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اللہ کی اطاعت کرنے اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم (قبلہ) ہلک ہو رہی ہے آپ اللہ سبحانہ سے ان کے حق میں دعا کیجئے تب یہ آیت نازل ہوئی: "فَلَا تَقْتُلُوا نَفْسًا الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ بِاللَّحْمِ يَوْمَ تَكُونُ الْبُيُوتُ كَالْعِهْنِ ۝" (المدخان: ۱۲)

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۵۰۰۰ سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۱۸۱)

آسمان کو دھوئیں سے تعبیر کرنے کی توجیہ

اس دھوئیں سے مراد یہ ہے کہ بھوک کی شدت سے آنکھوں کے آگے جو اندھیرا چھا جاتا ہے اس اندھیرے کو دھوئیں سے تعبیر فرمایا ہے اور ابن جہیز نے دھوئیں کی تعبیر میں یہ کہا ہے کہ قتل کے ایام میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمین خشک ہو جاتی ہیں اور گرد و غبار اڑنے کی وجہ سے نقصان پائی اور کمند ہو جاتی ہے اور اندھیرا سا لگتا ہے اس کو مجازاً دھوئیں سے تعبیر فرمایا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ جو شرمیل جاتے اس کو دھوئیں سے تعبیر کرتے ہیں۔

دونوں روایتوں میں اصح روایت کا بیان

پہلی روایت کے مطابق آسمان کے دھواں لانے کا عمل یہ ہے کہ قرب قیامت میں آسمان پر دھواں ظاہر ہوگا اور یہ قرب قیامت کی علامت ہے اور دوسری روایت کے مطابق ایام قبلہ میں بھوک کی کیفیت کو مجازاً دھوئیں سے تعبیر فرمایا ہے اس لیے پہلی روایت راجح ہے کیونکہ وہ حقیقت پر محمول ہے اور دوسری مجاز پر مبنی اس لیے کہ پہلی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور متحد صحابہ اور فقہاء تابعین کا نظریہ ہے اور دوسری روایت صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس کے بعد کی آیتوں میں ہے کہ کفار نے دھوئیں کو دیکھ کر کہا: اے اللہ! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے ہم ایمان لانے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ہم تم سے اس عذاب کو دور کر دیں تو تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے اور قیامت کے وقت کفار کا یہ کہنا اور اللہ تعالیٰ کا ان سے جواب میں اس طرح فرمانا متصور نہیں ہے امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہ علامت قیامت کی باقی علامات کے قائم مقام ہو اور اس علامت کے ظہور کے وقت بدلوں سے تکلیف منقطع نہ ہو تا ہم اگر اس آیت کی تعبیر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق کی جائے تو پھر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

المدخان: ۱۳ میں فرمایا: " (اس دن وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے) بے شک ہم ایمان

لانے والے ہیں O

کفار یہ کہیں گے: اگر تو ہم سے یہ عذاب دور کر دے تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے ایک قول یہ ہے کہ قریش نے صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: اگر اللہ نے ہم سے اس عذاب کو دور کر دیا تو ہم اسلام لے آئیں گے پھر انہوں نے وعدہ کے خلاف کیا اللہ نے کہا: اس عذاب سے مراد وہاں ہے نقاش نے کہا: اس سے مراد ان کی بھوک ہے۔

ان دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیوں کہ وہوئیں سے مراد وہ اللہ میرا ہے جو بھوک کی وجہ سے ان کے آگے چل گیا تھا اور بھوک اور قحط کو وہوئیں سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

الدخان ۱۳-۱۴ میں فرمایا: اب ان کے فصاحت قبول کرنے کا وقت کہیں ہے حالانکہ ان کے پاس واضح ہدایت دینے والے رسول آ چکے ہیں پھر انہوں نے اس رسول سے اعراض کیا اور کہا: یہ سکھائے ہوئے دیوانے ہیں O

عذاب آپہنچنے کے بعد فصاحت کے قبول کرنے کا موقع نہیں ہوتا کیونکہ ایمان وہ مستحضر ہوتا ہے جو جن دیکھے ہو اور جب فیہ مشاہد ہو جائے تو پھر ایمان کا اعتبار نہیں ہوتا اور ان کے پاس رسول آ چکے ہیں اور انہوں نے رسول سے اعراض کیا تھا حضرت ابن عباس نے کہا: وہ کب فصاحت کو قبول کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان کو فصاحت قبول کرنے سے دور کر دیا کیونکہ انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام سے اعراض کیا اور آپ کی تکذیب کی اور جب کل و عذاب کا ظہور دیکھ لیں گے یا قیامت کی علامت کو دیکھ لیں گے تو پھر کہیں گے: بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں لیکن عذاب یا قیامت کی علامتوں کو دیکھ لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری اور بدیہی ہو جاتی ہے اور اس میں اللہ آزمائش کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور ایسا ایمان اللہ سبحانہ کے نزدیک مقبول نہیں ہے اور ان کافروں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کہا کہ یہ سکھائے ہوئے ہیں اور انہوں نے ان کو سکھایا اور پڑھایا ہے تب ہی قرآن مجید کی آیتیں بتاتے ہیں اور بنات اور کافروں نے سکھایا پڑھایا ہے پھر یہ دیوانے ہیں اور یہ جہول جنس ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر ہم کچھ وقت کے لیے عذاب دور کر دیں تو بے شک تم (پھر کفر کی طرف) لوٹنے والے ہو O دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں O بے شک ہم اس سے پہلے فرعون کی قرآن آزمائش میں ان کے پاس معزز رسول آئے تھے O کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے سپرد کر دو بے شک تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل ہوں O اور بے شک میں تمہارے مستشار کرنے سے اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ میں آ چکا ہوں O (الدخان ۲۰-۱۵)۔

دھوئیں کی دو تفسیروں کے محامل

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ سبحانہ کو علم ہے کہ انہوں نے جو عذاب دیکھتے وقت وعدہ کیا ہے کہ اگر ان سے عذاب سر دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے یہ اپنا وعدہ پورا نہیں کریں گے بلکہ عذاب کے نکلنے ہی پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب کفار قریش بر قحط کا عذاب مسلط کیا گیا تو انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر ان سے عذاب دور کر دیا گیا اور بارش نازل ہو گئی تو وہ ایمان لے آئیں گے لیکن جیسے ہی ان سے قحط دور ہوا اور بارش ہو گئی تو وہ اپنے سابق غری طرف لوٹ گئے۔

اور جنہوں نے یہ کہا کہ وہوئیں سے مراد قیامت کی نشانی ہے اور قیامت آنے سے پہلے آسمان پر دھواں چھا جائے انہوں نے اس آیت کی تعبیر میں کہا: اگر بالعرض ہم تم سے عذاب دور کر دیں تو تم پھر کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ ایک قول

ہے کہ اس کا معنی ہے: بے شک تم مرنے کے بعد ہماری طرف لوٹنے والے ہو اور ایک قول یہ ہے کہ تم دوزخ کے عذاب کی طرف لوٹنے والے ہو۔

سخت گرفت کے ساتھ پکڑنے کی متعدد تفسیریں

الدخان: ۱۶: انہیں فرمایا: ”جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں“
اس آیت کا ایک حمل یہ ہے کہ اگر تم عذاب دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور تم نے اپنے وعدہ کو پورا نہ کیا تو ہم تم سے اس دن انتقام لیں گے جس دن ہم بہت سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے اسی وجہ سے اس قصہ کو فرعون کے قصہ کے ساتھ متصل ذکر فرمایا ہے کیونکہ جب قوم فرعون پر انواع و اقسام کے عذاب نازل کیے گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ اگر ان سے یہ عذاب دور کر دیا گیا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے پھر وہ ایمان جس لائے حتیٰ کہ انہیں فراق کر دیا گیا۔

دوسرا حمل یہ ہے کہ جس دن ہم سخت گرفت کے ساتھ پکڑیں گے اس دن ہم تمام کافروں سے انتقام لیں گے۔
ایک قول یہ ہے کہ آپ دھوئیں کا انتظار کیجئے اور سخت گرفت والے دن کا انتظار کیجئے۔

حضرت ابن عباسؓ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نے کہا ہے کہ سخت گرفت والے دن سے مراد جنگ بدر کا دن ہے اور حسن اور عمرؓ نے کہا ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن جہنم کا عذاب ہے۔

الماءوردی نے کہا ہے کہ دھواں دنیا میں ہوگا یا بھوک اور قحط قیامت سے پہلے ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سخت گرفت والے دن سے مراد قیامت کا وقوع ہو کیونکہ وہ دنیا میں گرفت کا آخری دن ہے۔

انتقام سے مراد سزا ہے اسی طرح عقوبت سے مراد بھی سزا ہے۔

الدخان: ۱۷: انہیں فرمایا: ”بے شک ہم اس سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمائے ہیں ان کے پاس معزز رسول آئے تھے“
قوم فرعون کو آزمائش میں ڈالنے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی تھی اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امتحان اور آزمائش تو وہ شخص لینا ہے جس کو عاقبت امور کا پتہ نہ ہو کہ آیا وہ شخص کامیاب ہوگا یا ناکام اللہ سبحانہ تو عالم الغیوب ہے اس کو معلوم تھا کہ جب وہ فرعون اور اس کی قوم کو اپنے احکام کی اطاعت کا حکم دے گا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے یا نہیں کریں گے پھر اللہ تعالیٰ کے انہیں آزمائش کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے قوم فرعون کے ساتھ وہ عمل کیا جو کسی قوم کے ساتھ اس کا امتحان لینے والا کرتا ہے ہم نے ان کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو فراق کر کے ہلاک کر دیا ”سوا ہی طرح اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کی قوم آپ پر ایمان نہیں لاتی تو ہم اس کو بھی ہلاک کر دیں گے۔“

باقی رہا یہ کہ اللہ سبحانہ کو تو پہلے معلوم تھا کہ فرعون کی قوم ایمان نہیں لائے گی وہ اس قوم کو ویسے ہی ہلاک کر دیتا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر اس کا امتحان اس لیے کیا تاکہ قیامت کے دن وہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس کسی نبی کو بھیجا ہی نہیں اگر ہمارے پاس کسی نبی کو بھیجا جاتا تو ہم اس پر ایمان لے آتے اور دنیا میں فراق کیے جانے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے بچ جاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا ماجرا

الدخان: ۱۹-۱۸: انہیں فرمایا: ”(اس معزز رسول نے کہا) کہ اللہ کے بندوں (نبی اسرائیل) کو میرے سپرد کر دو بے شک

میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں O اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں O

مجاہد نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میرے ساتھ اللہ کے ان بندوں کو بھیج دو اور تم نے ان کو غلام بنا کر ان کو جس جسامتی مشقت اور عذاب میں ڈال رکھا ہے اس سے ان کو نجات دے دو ایک قول یہ ہے کہ تم غور کے ساتھ میری بات سنو حتیٰ کہ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں اور کہا: میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں یعنی میں اللہ بھانڈے کے پیغام اور اس کی وحی پر امین ہوں سو تم میری نصیحت کو قبول کرو۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور اس کی اطاعت کرنے سے اعراض نہ کرو۔ قنادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: تم اللہ کے خلاف بغاوت نہ کرو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: تم اللہ کے خلاف افتراء نہ کرو اور بغاوت اور افتراء میں یہ فرق ہے کہ بغاوت فعل سے ہوتی ہے اور افتراء قول سے ہوتا ہے۔ ابن جریر نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا نہ قرار دو بخئی بن سلام نے کہا: اللہ کی عبادت کرنے سے تکبر نہ کرو تعظیم اور تکبر میں یہ فرق ہے کہ تعظیم کا معنی ہے: خود کو بڑا سمجھنا اور تکبر کا معنی ہے: دوسروں کو حقیر جانتا اور اس رسول نے کہا: بے شک میں تمہارے پاس واضح دلیل لایا ہوں یعنی معجزات لایا ہوں۔

المدخان: ۳۰ میں فرمایا: اور بے شک میں تمہارے سنگسار کرنے سے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آچکا ہوں O قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھکی دی حتیٰ کہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے قنادہ نے کہا: انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں کہا: تم مجھے نہ اکبوا گے اور یہ کہو گے کہ یہ جاہد کرو اور جھوٹا ہے میں تمہارے اس سب و شتم اور قتل کرنے کی دھمکیوں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے چکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اس معزز رسول نے کہا: اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ O پس انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں O ہم نے حکم دیا کہ تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ بے شک تمہارا تعاقب کیا جائے گا O آپ سمندر کو یونہی ساکن چھوڑ کر چلے جائیں بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گا O (المدخان: ۳۱-۳۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم فرعون سے کہا: اگر تم میری تصدیق نہیں کرو گے اور میرے دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود مجھ پر ایمان نہیں لاؤ گے تو مجھ کو چھوڑ دو اگر الگ ہو جاؤ یعنی مجھ کو برابر سر پر چھوڑ دو مقابلہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ تم مجھ سے الگ رہو اور میں تم سے الگ رہتا ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے ایک قول یہ ہے کہ تم میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھے اذیت پہنچانے سے باز رہو۔

المدخان: ۳۳ میں فرمایا: پس انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ مجرم لوگ ہیں O جب قوم فرعون نے تکبر کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا تو حضرت موسیٰ نے ان کے خلاف دعا کی کہ یہ لوگ مجرم اور مشرک ہیں انہوں نے ایمان لانے سے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے سے انکار کر دیا۔

المدخان: ۳۳ میں فرمایا: (ہم نے حکم دیا کہ تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ بے شک تمہارا تعاقب کیا جائے گا O

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور ان کی طرف یہ وحی کی کہ تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ یعنی بنو اسرائیل میں سے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے ہیں اور راتوں رات کا

مطلب ہے: جمع ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ تم رات کو روانہ ہو اور عموماً رات کا سفر کسی خوف کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور خوف دو وجوہوں سے ہوتا ہے: ایک تو دشمن کا خوف ہوتا ہے تو رات کا اندھیرا اس کے لیے سارتر اور حجاب ہو جاتا ہے یا دن میں گرمی کی شدت ہوتی ہے تو اس سے بچنے کے لیے رات کی خنک میں سفر کو اختیار کیا جاتا ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات رات کے سفر کو اختیار کرتے تھے بنی اسرائیل اگر دن میں سفر کرتے تو قوم فرعون کو پتا چل جاتا اور وہ بنی اسرائیل سے مزاحمت کرتے بلکہ بنی اسرائیل پر قوم فرعون کی اس قدر دہشت تھی کہ وہ دن میں سفر کرنے پر ہرگز تیار ہی نہ ہوتے۔

الدخان: ۲۳ میں فرمایا: ”آپ سمندر کو پوچھی ساکن چھوڑ کر چلے جائیں بے شک ان کا لشکر غرق کر دیا جائے گا“
اس آیت میں ”دھو“ کا لفظ ہے ”دھو“ کے معنی میں حسب ذیل اقوال ہیں:

کعب اور حسن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ”دھو“ کا معنی ہے: راستہ اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: سمت اور ضحاک اور ربیع نے کہا: اس کا معنی ہے: نکل اور عمرہ سے روایت ہے کہ اس کا معنی ہے: خشک کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَالْغَيْبُ لَكُمْ هَبْرًا يَبْرَأُ (ذ: ۷۷)

ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لیجئے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کے لیے سمندر میں متفرق راستے بنا کیں مجاہد نے کہا: کشادہ راستے بنا کیں اور ان سے ایک روایت ہے: خشک راستے بنا کیں اور ان سے ایک روایت ہے: ساکن راستہ بنا کیں اور لغت میں ”دھو“ کا یہی معنی معروف ہے ”قائد اور ہروی کا بھی یہی قول ہے اور دوسروں نے کہا: کشادہ راستہ بنا کیں اور ان کا مال ایک ہی ہے کیونکہ جب سمندر ساکن ہو تو وہ کشادہ ہوتا ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر ساکن اور کشادہ ہو گیا تھا اور اہل عرب کے نزدیک الوہو کا معنی الساکن ہے۔

السرہو کا معنی آہستہ آہستہ اور نرمی سے چلنا بھی ہے نیز السرہو اور السرہوہ کا معنی بلند جگہ بھی ہے اور جس نشیب میں پانی جمع ہو جائے اس کو بھی الوہو کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لا يمنع نفع ماء ولا دھو ہنر۔
صاف پانی سے منع کیا جائے اور نہ کنوئیں کے نشیب سے۔

(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۸۶۵ دار الفکر بیروت)

لیٹ نے کہا کہ دھو کا معنی سکون سے چلنا بھی ہے اس صورت میں معنی ہے: آپ بغیر کسی خوف و دہشت اور گھبراہٹ کے سکون کے ساتھ سفر پر روانہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ کہتے ہی باغات اور چمنے چھوڑ گئے اور کھیت اور خوش رنگ عمارتیں اور وہ نعمتیں جن میں وہ عیش کر رہے تھے اسی طرح ہوا اور تم نے ان سب چیزوں کا دوسروں کو وارث بنا دیا O سوالن کی بر پادی پر نہ آسان رو دیا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی O (الدخان: ۲۹-۳۵)

الدخان: ۳۸-۳۵ کی تفسیر اشعرام: ۵۷ میں گزر چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی بلند و بالا عمارتیں اور خوش حالی کے آثار تھے وہ یہ تمام نعمتیں ہمیں دنیا میں چھوڑ کر چلے گئے اور یہ طور نشان عبرت کے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔

البدخان: ۲۹: میں فرمایا: ”سوان کی برپادی پر نہ آ سنان اور زمین اور نہ ہی انہیں صلت دی گئی۔“

نیک آدمی کی موت پر آ سنان اور زمین کا رونا

عرب میں دستور ہے کہ جب کسی قبیلہ کا سردار مر جائے تو کہتے ہیں کہ اس کی موت پر آ سنان اور زمین رورہے ہیں یعنی اس کی موت ایسی مصیبت ہے جو تمام چیزوں پر چھا گئی ہے حتیٰ کہ اس مصیبت پر آ سنان اور زمین اور ہوا اور فضا سب چیزیں رو رہی ہیں اور گرم اور سرد راتیں بھی اس پر رو رہی ہیں اور یہ مقولہ اس چیز کو ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ اس کی موت پر اگر یہ وزاری کرنا واجب ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قوم فرعون ہلاک ہو گئی اور کسی نے بھی اس کی موت کو کوئی بڑا حادثہ نہیں سمجھا اور ان کے نہ ہونے سے لوگوں کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا اور اس آیت میں مضاف مقدر ہے جیسے ”واستل القمر“ (نفس ۸۲) میں ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے فرقاب ہونے پر اور ان کے مرنے پر نہ آ سنان والے فرشتے روئے اور نہ زمین والے انسان روئے بلکہ ان کی ہلاکت پر غم و غصہ ہوئے لہذا مومن کی موت پر آ سنان رونا ہے حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مومن کے لیے آ سنان میں دو دروازے ہوتے ہیں ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور دوسرے دروازے سے اس کا کلام اور اس کا عمل داخل ہوتا ہے پس جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو یہ دونوں دروازے اس پر روتے ہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ”هَبَابَتْ عَلَیْکُمْ الْمَلَائِکَةُ وَالْأَرْضُ“ (البدخان: ۲۹)

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۵ مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۱۲۳۳ مطبوعہ دارالایمان ج ۳ ص ۵۳ ج ۳ ص ۳۲۷ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۱۲)

یعنی قوم فرعون نے زمین میں ایسے نیک اعمال نہیں کیے تھے کہ ان کے مرنے کے بعد زمین ان نیک اعمال کے فراق پر روتی اور نہ آ سنان کی طرف ان کے نیک اعمال لے جائے جاتے تھے کہ ان کے مرنے کے بعد ان نیک اعمال کے فراق پر آ سنان روتا۔

مجاہد نے کہا: مومن کے مرنے پر آ سنان اور زمین چالیس روز تک روتے رہتے ہیں اور یحییٰ نے کہا: مجھے ان کے اس قول پر تعجب ہوا تو انہوں نے کہا: تم اس پر کیوں تعجب کرتے ہو زمین اس شخص کی موت پر کیوں نہ روئے جب کہ بندہ مومن زمین پر رکوع اور بخروج کے اس کو آباد رکھتا ہے اور آ سنان اس کی موت پر کیوں نہ روئے جب کہ اس کی تسبیح اور تحمید کی آوازیں آ سنان تک پہنچتی تھیں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: زمین پر مومن جس جگہ نماز پڑھتا تھا وہ جگہ اس کی موت پر روتی ہے اور آ سنان کی جس جگہ پر اس کے نیک اعمال پہنچتے تھے وہ جگہ اس کی موت پر روتی ہے۔

(البیہق لا کام القرآن ج ۲ ص ۶۲ ج ۲ ص ۱۳۹ دارالقرآن ج ۲ ص ۱۳۵)

شریح بن عبید الجعفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام ابتدا میں انہی تھا اور وہ اجنبیت ہی میں لوٹ جائے گا سنو! مومن پر کوئی اجنبیت نہیں ہے جو مومن بھی کسی سفر میں مرتا ہے جہاں اس پر کوئی رونے والا نہ ہو تو اس پر آ سنان اور زمین روتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ”هَبَابَتْ عَلَیْکُمْ الْمَلَائِکَةُ وَالْأَرْضُ“ (البدخان: ۲۹) پھر فرمایا: زمین اور آ سنان کا فریٹ نہیں روتے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۵۵ ج ۲ ص ۱۲۳ رقم الحدیث: ۴۳۷۸)

وَلَقَدْ فَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآءَ عِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُبِیْنِ ۖ لَمِنْ فِرْعَوْنَ

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت والے عذاب سے نجات دی تھی O (وہ عذاب) فرعون کی جانب

إِنَّهُ كَانَ عَلِيًّا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمِ

سے تھا بے شک وہ حکمران اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا O اور ہم نے بنی اسرائیل کو دانستہ

عَلَى الْعَلَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَأَتَيْنَاهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهَا بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾

(اس وقت) تمام جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی O اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں تھیں جن میں مرتع آزمائش تھی O

إِن هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِن هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ

بے شک یہ لوگ ضرور کہیں گے O ہماری صرف یہی موت ہے جو دنیا میں پہلی بار آئی تھی اور ہمارا حشر نہیں

بِشُرِّينَ ﴿٣٥﴾ فَاتُوا يَا بَنِي آدَمَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهْمُ خَيْرٌ

کیا جائے گا O اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے کر آؤ O کیا یہ لوگ بہتر ہیں

أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۚ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾

یا قوم تبع کے لوگ اور وہ جو ان سے بھی پہلے تھے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا بے شک وہ مجرمین تھے O

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبَادٍ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنَاهَا

اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بہ طور کھیل کے نہیں پیدا کیا O ہم نے ان کو

إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِن يَوْمَ الْفَصْلِ

صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے

مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يَغْنِي مَوْلَىٰ عَنْ مَوْلَىٰ شَيْئًا وَلَا

مقرر کیا ہوا ہے O جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آ سکے گا

هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾

اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O سوا ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے بے شک وہ بہت غالب ہے و مدد فرماتے والا ہے O بے شک

شَجَرَتِ الزُّوْمِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثَلِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾

تھوہر کا درخت O گندہ گاروں کا کھانا ہے O جو پچلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا O

كَلْبِي الْحَيِّمِ ۝ خُذْ وَلَا فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ ثُمَّ

جیسے کھول ہوا پانی جوش مارتا ہے ۝ (اللہ فرمائے گا:) اس کو پکڑو پس اس کو مچھنے ہوئے جہنم کے وسط کی طرف لے جاؤ ۝ پھر

صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَيِّمِ ۝ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ

اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو ۝ لے چکھ تو بہت معزز

الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝ إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ۝ إِنَّ الْمُتَّقِينَ

مکرم بننا تھا ۝ بے شک یہ ہے وہ عذاب جس میں تم شک کیا کرتے تھے ۝ بے شک متقین مقام

فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ۝ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۝ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ

امن میں ہوں گے ۝ جنوں اور چشموں میں ۝ وہ باریک اور دھیر ریشم کا لباس

وَرِاسَتَبْرَقٍ مُّتَقَبِّلِينَ ۝ كَذَلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۝

پہنے ہوئے آنے سائے پہننے ہوں گے ۝ ایسا ہی ہو گا اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بنا دیں گے ۝

يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ۝ لَا يَذُقُونَ فِيهَا

وہ وہاں سکون سے ہر قسم کے میوؤں کو طلب کریں گے ۝ وہ جنت میں دنیا کی پہلی موت

الْمَوْتِ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۝ وَوَقَّعَهُمْ عَذَابِ الْجَحِيمِ ۝ فَضَلًا

کے سوا اور کوئی موت نہیں سمجھیں گے اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا ۝ آپ کے

مَنْ تَرَيْكَ ط ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ

رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہے ۝ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں ہی آسان کیا ہے تاکہ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ فَارْتَقِبْ إِنَّكُمْ مُّرْتَقِبُونَ ۝

و نصیحت حاصل کریں ۝ سو آپ انتظار کیجئے ۝ بے شک وہ (نبی) انتظار کرنے والے ہیں ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نبی اسرائیل کو دولت والے عذاب سے نجات دی تھی ۝ (وہ عذاب) فرعون کی

جانب سے تھا ۝ بے شک وہ حکیم اور عد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا ۝ اور ہم نے نبی اسرائیل کو دانست (اس وقت) تمام

جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی ۝ اور ہم نے ان کو ایسی کتابیں دیں تھیں جن میں صریح آرزائش تھی ۝ (المدفان ۳۳: ۳۰)

نبی اسرائیل کی فضیلت اور ان کی آزمائش

فرعون کے حکم سے قبیلہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور ان کی بیویوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور ان سے نہایت مشقت اور ذلت والے کام کراتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قبیلوں اور فرعون و فتنوں سے نجات دے دی اور فرعون بہت ظالم اور سرکش تھا وہ شرکین میں سے تھا بلکہ خود خدا کی کا دعویٰ دار تھا اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔ اللہ کو چونکہ علم تھا کہ بنی اسرائیل سے کثیر بیٹوں کو اس نے مبعوث کرنا ہے اس لیے اس نے بنی اسرائیل کو ان کے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی ان کے زمانہ کی قید اس لیے ہے کہ اس زمانہ میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سب سے افضل ہے قرآن مجید میں ہے:

لَا تَجْعَلُوا دِينَكُمْ دِينَ الْفِرْعَوْنَ وَلَا دِينَ الْكُفَرِ إِنَّ خَيْرَ دِينٍ أَمَرَ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

(آل عمران: ۱۱۰) ہے۔

اور بنو اسرائیل کے بعد سب سے افضل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

اور اللہ نے بنو اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے سرفراز کیا وہ معجزات یہ ہیں: بنو اسرائیل کو فرعون سے نجات دینا اور ان کے لیے سمندر کو چر کر ان کے لیے اس میں بارہ راستے بنا دینا میدانِ حبیہ میں ان پر بادل کا سایہ کرنا اور ان پر من اور سلگی نازل کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاغشی اور ید بیضاء عطا کرنا اور ید طرح کے اور بہت معجزات عطا فرمائے جو بنی اسرائیل کے لیے باعثِ فخر اور فضیلت تھے اور ان میں ان کے لیے صریح آزمائش تھی کیونکہ ہر نعمت میں آزمائش ہوتی ہے بندہ اگر نعمتوں کا شکر ادا کرے اور وہ نعمتیں جس لیے دی گئی ہیں ان مصارف میں ان نعمتوں کو خرچ کرے تو اللہ سبحانہ ان نعمتوں میں اور اضافہ فرماتا ہے اور اگر ان نعمتوں کی ناشکری اور ان کو بے جا عمل میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ان نعمتوں کو واپس لے لیتا ہے بلکہ مزید عذاب میں مبتلا کرتا ہے

مسلمانوں نے جب حصولِ پاکستان کے لیے جدوجہد کی تو یہ غور لگایا تھا: پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ اور یہ کہا تھا کہ ہمیں اسلام کے احکام نافذ کرنے کے لیے ایک الگ ریاست چاہیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک الگ ریاست دے دی لیکن جب تیس سال گزرنے کے بعد بھی انہوں نے اسلامی احکام نافذ نہیں کیے تو آدھا پاکستان ان کے ہاتھ سے جاتا رہا اور باقی ماندہ پاکستان کی جتا بھی خطرہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ لوگ ضرور کہیں گے O ہماری صرف یہی موت ہے جو دنیا میں پہلی بار آئی تھی اور ہمارا حشر نہیں کیا جائے گا O اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے کر آؤ O کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قومِ حج کے لوگ اور وہ جو ان سے بھی پہلے تھے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا بے شک وہ جہنم میں تھے O اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بے طور کھیل کے نہیں پیدا کیا O ہم نے ان کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O (مذہبان: ۳۲-۳۳)

یہ کہنے والے کفار قریش تھے جو صرف اسی دنیا کی زندگی کے قائل تھے اور اسی دنیا میں آنے والی موت کے قائل تھے اور حشر اور نشر کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانے جانے اور میدانِ محشر میں جمع کیے جانے کا انکار کرتے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ اگر لوگ واقعی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے تو آپ ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھائیں۔

کفار کے مطالبہ پر ان کے مرے ہوئے باپ دادا کو کیوں نہیں زندہ کیا گیا؟ الماوردی اور قرطبی

کا جواب

علامہ علی بن محمد الماوردی التتبی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں:

اس قول کا قائل ابو جہل تھا اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہمارے مرے ہوئے آباء میں سے دو آدمیوں کو زندہ کر کے دکھائیں ان میں سے ایک قصی بن کلاب ہے وہ سچا آدمی تھا ہم اس سے پوچھیں گے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ابو جہل کا یہ کہنا بہت ضعیف شہ تھا کیونکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا جڑاوا اور سزا کے لیے ہوتا ہے مکلف کرنے کے لیے نہیں ہوتا اور اس کے قول کا خفاء یہ تھا کہ اگر آپ مردوں کو زندہ کرنے کے دعویٰ میں سچے ہیں تو ان کو مکلف کرنے کے لیے زندہ کریں اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر ہمارے بعد ہمارے بیٹے دنیا میں آئیں گے تو پھر ہمارے مرے ہوئے باپ دادا ہی واپس کیوں نہیں آ جاتے اس جواب کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔

(المداہن ج ۵ ص ۲۵۵ دار الکتب العلمیہ، بیروت المطابع الامامیہ لا کام القرآن ج ۱ ص ۱۳۳)

اعتراض مذکور کا جواب مصنف کی جانب سے

اس شبہ کے جواب میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر کفار کے مطالبہ پر ان کے فرمانی مردوں کو زندہ کر دیا جاتا تو پھر ان کا ایمان بالغیب نہ رہتا اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خبروں پر بن دیکھے ایمان لایا جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان کے پچھلے آباء و اجداد کو زندہ کر دیا جاتا اور وہ آ کر ان کو موت کے بعد کے احوال بتاتے تو پھر اللہ کی خبروں پر ایمان لانے میں ان کی عقل کی کوئی آزمائش اور امتحان نہ ہوتا اور مقصود یہ ہے کہ انسان اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کرے اسی لیے قرآن مجید میں بار بار بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابتداء اس ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے تو پھر وہ دوبارہ انسانوں کو کیوں نہیں پیدا فرما سکتا اور کسی چیز کا ابتداء پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے اور اس کو دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہوتا بلکہ نہایت آسان ہوتا ہے تو جب تم یہ مانتے ہو کہ اس کائنات کو ابتداء اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو یہ کیوں نہیں مانتے کہ وہ دوبارہ بھی اس کائنات کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس شبہ کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ قدیمہ یہ ہے کہ جب وہ کافروں کی فرمائش پر کسی مجرم کو خاہر فرماتا ہے اور پھر بھی وہ قوم ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عام عذاب نازل کر کے اس قوم کو برباد کر دیتا ہے اور اس قوم کا نام و نشان تک مٹا دیتا ہے جیسا کہ قوم ثمود کی فرمائش پر ایک چٹان سے اونٹنی نکالی اور جب انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عام اور ہمہ گیر عذاب نازل فرمایا کہ اس قوم کو ہلاک کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرما چکا ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان لوگوں پر عام عذاب نازل نہیں فرمائے گا:

وَمَا كَانَتْ لَآلِهَةٍ لَّيَعْبُدُهُمْ وَأَنْتَ رَافِعُهُمْ
اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس حال میں ان پر عذاب

نازل فرمائے کہ آپ ان میں موجود ہوں۔ (المدخان: ۳۳)

المدخان: ۳۷ میں فرمایا: ”کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا قوم حج کے لوگ اور وہ جو ان سے بھی پہلے تھے؟ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا“ بے شک وہ مجرمین تھے۔“

یہ استہمام افکار ہے یعنی وہ قوم حج سے بہتر نہیں ہیں اور وہ اپنے اس قول کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں کیونکہ وہ قوم حج اور دیگر ہلاک شدہ اقوام سے بہتر نہیں ہیں اور جب ہم ان قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں تو ان کو ہلاک کر دینا بھی مستبعد

نہیں ہے۔ اس آیت کی دوسری تفسیر یہ مکی ہے کہ کیا ان کے پاس دنیا کی نعمتیں اور مال و اسباب زیادہ ہیں یا قوم تیج زیادہ نعمتوں والی تھی یا یہ زیادہ طاقت و راہ و راہ مستقیم ہیں یا قوم تیج زیادہ طاقت و راہ و راہ تھی۔

تیج اور اس کی قوم کا بیان

امام ابو حفص محمد بن جریر طبری حنفی ۳۶۰ھ قنادہ سے روایت کرتے ہیں:

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ تیج قبیلہ حمیر کا ایک شخص تھا وہ اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تھی کہ اس نے یمن کو عبور کر لیا پھر شہروں کو فتح کرتا ہوا اور تخت و تاج کرتا ہوا سرحد تک پہنچا اور اس کو بھی شہدہ کر دیا اور یمن میں بتایا گیا ہے کہ جب یہ کوئی چیز لکھتا تو اس کے نام سے لکھتا جو بہت بلند ہے اور بحر و بر کا مالک ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ تیج کو نہ انہ کو نہ نیک آدمی تھا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۸۹۸ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر التوفی ۵۷۰ھ لکھتے ہیں:

تیج کا پورا نام اسی طرح ہے: تیج بن حسان بن یحییٰ کرب بن تیج بن الاقرن۔

حضرت بک بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تیج کو نہ انہ کو نہ نیک آدمی تھا۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۲۶۵۸-۲۶۵۷-۲۶۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (تاریخ دمشق رقم الحدیث: ۲۶۵۹)

قنادہ نے الدخان: ۳۷ کی تفسیر میں کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تیج نیک آدمی تھا کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی خدمت کی ہے اس کی خدمت نہیں کی۔ (تاریخ دمشق ج ۱ ص ۷۲)

کعب احبار نے الدخان: ۳۷ کی تفسیر میں کہا: قرآن مجید میں تیج کی قوم کا ذکر ہے اور تیج کا ذکر نہیں ہے انہوں نے کہا: تیج بادشاہ تھا اور اس کی قوم کا بن تھی اور اس کی قوم میں اہل کتاب بھی تھے اور کا بن اہل کتاب کے خلاف سرکشی کرتے رہتے تھے۔ اہل کتاب نے تیج سے کہا: یہ ہم پر جھوٹ بولتے ہیں تیج نے کہا: اگر تم سچے ہو تو دونوں فریق قربانی پیش کریں جو فریق بھی سچا ہو گا آگ اس کی قربانی کو کھائے گی پھر اہل کتاب اور کا بنوں دونوں نے قربانی پیش کی پھر آسمان سے ایک آگ نازل ہوئی اور اس نے اہل کتاب کی قربانی کو کھالیا پھر تیج اہل کتاب کے تابع ہو کر مسلمان ہو گیا سو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تیج کی قوم کا ذکر کیا ہے اور تیج کا ذکر نہیں کیا۔ (تاریخ دمشق ج ۱ ص ۷۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تیج کعب پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلا تھی کہ جب وہ کراغ انصم پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک زبردست آدمی بھیج دی جس کے زور سے لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے پھر تیج نے اپنے دو مائوسوں کو باہر پوچھا کہ یہ میرے خلاف کیا چیز مسلط کی گئی ہے انہوں نے کہا: اگر تم ہمیں جان کی امان دو تو ہم تمہیں بتاتے ہیں تیج نے کہا: تم کو مان ہے انہوں نے کہا: تم اس گھر پر حملہ کرنے آئے ہو جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے رکھا ہے اور جو شخص اس گھر پر حملہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے جنگ کرے گا تیج نے کہا: پھر مجھے اس کے قبر سے کیا چیز بچا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا: تم احرام باندھ کر اس کے گھر میں الٹھم لپک کہتے ہوئے داخل ہو اور اس کے گھر کا طواف کرو جب تم نے اخلاص سے اس پر عمل کیا تو یہ آدمی کا طوقان فرو ہو جائے گا تیج نے اسی طرح کیا پھر آدمی کا طوقان وہاں سے گزر گیا۔

(تاریخ دمشق ج ۱ ص ۷۲)

تیج نے کہا: میری نیت تھی کہ میں اس گھر کو دیران کروں گا اس شہر کے مردوں کو قتل کروں گا اور عورتوں کو قید کروں گا اس

کے بعد وہ ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ تمام دنیا کے علماء سر توڑ کوشش کے باوجود اس کا علاج نہ کر سکے۔ پھر اس کے پاس ایک عالم نے آ کر کہا: تمہاری بیماری کی ساری جڑ تمہاری اس نیت کے فساد میں ہے اس گھر کا مالک بہت قوی ہے دلوں کی باتیں جانتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ تم اس گھر کو نقصان پہنچانے کا ارادہ اپنے دل سے نکال دو۔ نتیجہ نے کہا: میں نے اسکی تمام باتیں دل سے نکال دیں اور میں نے یہ عزم کر لیا کہ میں ہر قسم کی خیر اور نیک اس گھر کے ساتھ اور یہاں کے رہنے والوں کے ساتھ کروں گا۔ ابھی وہ نصیحت کرنے والا عالم اس کے پاس سے اٹھ کر نہیں گیا تھا کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا اور اللہ عزوجل نے اس کو شفا یاب کر دیا۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو قبول کر لیا اور صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے گھر پہنچ گیا اور جی وہ پہلا شخص ہے جس نے کعب کو بخلاف پہنایا اور اہل مکہ کو کعب کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ (تاریخ دمشق ج ۱ ص ۷۵-۷۴)

پھر حج مدینہ منورہ گیا اور وہاں سے ہندوستان کے کسی شہر میں چلا گیا اور وہیں فوت ہو گیا اور حج کی وفات کے ٹھیک ایک ہزار سال بعد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور جن اہل مدینہ نے ہجرت کی وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی تھی وہ سب ان علماء کی اولاد سے تھے جو مدینہ میں حج کے بنائے ہوئے گھروں میں رہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو وہ لوگ آپ کی اونٹنی کے گرد آ کر اکٹھے ہو گئے اور آپ کو اپنے گھر لے جانے پر اصرار کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کو چھوڑ دو یہ اللہ سبحانہ کے حکم کی پابندی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اونٹنی حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں قیام پذیر ہوئے اور حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ اس عالم کی اولاد سے تھے جس نے خیر خواہی کے جذبہ سے حج کو نصیحت کی تھی اور اس کو کعب کو منہدم کرنے کے ارادہ سے باز رکھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوالیوب کے جس گھر میں ٹھہرے تھے یہ حج ہی کا بنایا ہوا تھا۔ (ترمذی ج ۱ ص ۷۵-۷۴)

(تاریخ دمشق ج ۱ ص ۷۵-۷۴) دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد باکلی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

حج سے مراد ایک معین شخص نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یمن کے بادشاہ ہیں اور یمن کے لوگ اپنے بادشاہ کو حج کہتے تھے۔ پس حج ان کے بادشاہ کا لقب ہے۔ جیسے مسلمانوں کے بادشاہ کو خلیفہ کہتے ہیں اور اہل ان کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے ہیں اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہتے ہیں اور قرآن مجید کی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حج ایک معین شخص کا نام ہے۔ امام احمد نے حضرت بلال بن سعد سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: حج کو نہ کہو نہ مومن تھا۔ (مسند احمد ترمذی ج ۱ ص ۲۹۹۳) دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ

منورہ کو بردار کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ ایک نبی کی ہجرت کی جگہ ہے جس کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو گا تو یہ واپس ہو گیا۔ زجاج ابن ابی الدنیا اور دحتری وغیرہم نے کہا ہے کہ منعاء میں اس کی قبر ہے۔ امام ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ اس نے اپنے وارثوں کے پاس جو کتاب رکھوائی تھی اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مصحف لکھا تھا: میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی کتاب پر ایمان لایا اور آپ کے دین پر ایمان لایا اور آپ کی سنت پر اور آپ کے رب کے رب پر ایمان لایا جو ہر چیز کا رب ہے اور شرائع اسلام میں سے ہر اس چیز پر ایمان لایا جو آپ کے رب کے پاس سے آئی ہے اگر میں نے آپ کو پایا تو فہما اور اگر میں آپ کو نہ پاسا تو آپ میری شفاعت کریں اور قیامت کے دن مجھ کو بھولیں کیونکہ میں آپ کی پہلی امت سے ہوں اور آپ کی بعثت سے پہلے میں نے آپ کی بیعت کر لی ہے اور میں آپ کی ملت پر ہوں اور آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں۔ پھر اس مکتوب کو ختم کر کے اس پر اپنی مہر لگا دی اور اس مکتوب کے شروع میں یہ طور متوان لکھا تھا: (سیدنا) محمد بن عبد اللہ نبی اللہ و رسول اللہ خاتم النبیین و رسول رب العالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب حج

الاول کی طرف سے۔ اہل یمن الدخان: ۳۷ کی وجہ سے فکر کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل یمن کو قریش سے بھتر قرار دیا ہے اس نے فکر کے ساتھ مشرق کی جانب سفر کیا اور حیرہ کو عبور کر کے سرحد تک پہنچا اور بہت سے شہروں کو منہدم کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ٹھیک ایک ہزار سال پہلے اس کی وفات ہوئی تھی (یہ احوال تاریخ دمشق میں بھی مذکور ہیں)۔

(الملاح: ۱۰ حکام القرآن ۱۶: ۱۳۶-۱۳۷ اور المیزان: ۱۵: ۱۵۵)

الدخان: ۳۹-۳۸ میں فرمایا: ”اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو یہ طور کھیل کے نہیں پیدا کیا ہم نے ان کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“
کھیل کو وہ انسان دوسری چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے سو اس آیت کا معنی ہے: ہم نے ان چیزوں کو غفلت کے ساتھ پیدا نہیں کیا۔ اس کی تفسیر ان آیتوں سے ہوتی ہے:

ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا وَلَٰغًا
بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ (ص: ۲۷)

اَفَصَبِّحُنَا غَنَةً اَمْ نَخْلُقُكَ عِبَادًا. (المؤمنون: ۸۵)
کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر کیا ہوا ہے O جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آ سکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O سو ان کے جن پر اللہ رحم فرمائے بے شک وہ بہت غالب بے حد رحم فرمانے والا ہے O (الدخان: ۳۳-۳۴)

رونق قیامت کو فیصلہ کا دن فرمانے کی توجہات

اللہ تعالیٰ نے الدخان: ۳۸ میں فرمایا ہے: ”اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو یہ طور کھیل کے پیدا نہیں کیا“ اس آیت میں قیامت کا اور مشرق و غرب کا اثبات ہے اس لیے اس آیت کے بعد فرمایا: بے شک فیصلہ کا دن سب کے لیے مقرر کیا ہوا ہے اور قیامت کے دن کو فیصلہ کا دن حسب ذیل وجوہ سے فرمایا ہے:

(۱) اس دن اللہ تعالیٰ جنتیوں اور روزیہوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔
(۲) یہ دن مومنوں کے حق میں اس لیے فیصلہ کا دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ مومنوں اور ان کی ناپسندیدہ چیزوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور کفار کے حق میں اس لیے فیصلہ کا دن ہے کہ اس دن اللہ بھانے ان کے اور ان کے ارادوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔

(۳) اس دن ہر شخص کا حال جیسا ہے وہ ظاہر ہو جائے گا اور کسی شخص کے حال میں کوئی شک اور شبہ نہیں رہے گا اور ہر شخص کے خیالات اور شبہات اس سے الگ ہو جائیں گے اور حقائق اور دلائل باقی رہ جائیں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس دن اللہ بھانے لوگوں کے درمیان فصل کر دے گا اور نیک اور بد کو الگ الگ کر دے گا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَامَّا أَتَذَرُ الْيَوْمَ أَتَمَّا التَّجْمُؤُونَ O (نہیں: ۵۹) اے مجرمو! آج (نیکوں سے) الگ ہو جاؤ O

الدخان: ۴۱ میں فرمایا: ”جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آ سکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O“
اس سے مراد یہ ہے کہ دوست خواہ قریب ہو یا بعید وہ اس کے کسی کام نہیں آ سکے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی یعنی ان کا

دوزخ کے سب راستے چارہ ہوں گے۔

الدرخان: ۴۸ میں فرمایا: ”پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو۔“

کافر جب دوزخ میں داخل ہوگا تو اس کو دوزخ کا طعام کھلایا جائے گا پھر دوزخ کا دارودخا اس کے سر کے اوپر گرز مارے گا جس سے اس کا دماغ اس کے جسم کے اوپر بنے لگے گا پھر اس کے سر کے اوپر کھولنا ہوا پانی ڈالا جائے گا جو اس کے پیٹ تک نفوذ کر جائے گا اور اس کی آنکھوں اور پیٹ کے دیگر اجزاء کو کافرا ہوا اس کے قدموں تک پہنچ جائے گا۔

الدرخان: ۴۹ میں فرمایا: ”لے چکھ تو بہت معزز مکرّم بنّا تھا“

اس عذاب کو چکھ جو بہت ذلیل کرنے والا ہے تو اپنی نظروں میں بہت معزز تھا اور اپنی قوم کے نزدیک بہت مکرّم تھا فرشتے اس سے استہزاء یہ قول کہیں گے: تو اپنے آپ کو بہت معزز سمجھتا تھا حالانکہ تو بہت ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔

مکرّم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے یہ کہوں: ”اَوَلَيْكَ فَاؤُكُلِي“ (الغیہ: ۴۳) تیری موت کے وقت خرابی ہو پھر قبر میں تیری خرابی ہو ابو جہل نے کہا: آپ کس وجہ سے مجھے دھمکا رہے ہیں اللہ کی قسم! آپ اور آپ کا رب دونوں مل کر میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بے شک میں اس وادی میں ان دو پیٹاڑوں کے درمیان سب سے مکرّم ہوں اللہ سبحانہ نے جنگ بدر میں اس کو ہلاک کر دیا اور اس کو ذلیل و خوار کر دیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: اس وجہ سے فرشتے اس سے کہیں گے: لے چکھ یہ کھولنا ہوا پانی تو اپنے گمان میں بہت معزز اور مکرّم بنّا تھا فرشتوں کا اس سے یہ کلام کرے گا اس کی تو جین اور اس کے اختلاف کے لیے ہوگا اور اس کو چھڑکنے کے لیے اور اس کی تفتیش کرنے کے لیے ہوگا۔ (الجماعۃ لا نکلم القرآن جز ۱ ص ۱۳۰ جامع البیان جز ۳ ص ۴۷۵)

الدرخان: ۵۰ میں فرمایا: ”بے شک یہ ہے وہ عذاب جس میں تم شک کیا کرتے تھے“

یعنی یہ عذاب جو آج تم کو دیا جا رہا ہے یہ وہی عذاب ہے جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے اور اس میں شک کرتے تھے اور اس کے وقوع کے متعلق بحثیں اور جھگڑے کیا کرتے تھے اور اس پر یقین نہیں کرتے تھے اور اب تم نے یہ عذاب دیکھ لیا ہے سو تم اس عذاب کو چکھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین مقام امن میں ہوں گے جنہوں اور چشموں میں وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنے ہوئے آسنے سانسے بیٹھے ہوں گے ایسا ہی ہوگا اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بنا دیں گے وہ وہاں سکون سے ہر قسم کے میوؤں کو طلب کریں گے وہ جنت میں پہلی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں چکھیں گے اور اللہ انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا آپ کے رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہے ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں ہی آسان کیا ہے تاکہ وہ فصیح حاصل کریں سو آپ انتظار کیجئے بے شک وہ (بھی) انتظار کرنے والے ہیں

(الدرخان: ۵۱-۵۲)

آخرت میں متقین کے اجر و ثواب کی بشارت

مستقین سے مراد ہے: جو لوگ کفر سے اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں اور وہ مؤمنین صالحین ہیں اور مقام کا معنی ہے: موضع قیام یعنی جگہ اس مقام کی صفت ”امین“ فرمائی ہے یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں پر رہنے والا آفات اور بلیات سے عذاب اور تکلیف وہ چیزوں سے مامون اور محفوظ رہے گا اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو ایسی جگہ رکھے گا جہاں وہ ہر قسم کے ڈر اور خوف سے مامون اور محفوظ ہوگا۔

مقام امین وہ جگہ ہے جہاں انبیاء اولیاء و صدیقین اور شہداء کی مجلس ہوتی ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں دنیا میں اس لیے کہ ان کی مجلس میں معصیت اور باغرمانی سے امن ہوتا ہے اور جو شخص ان کی مجلس میں آ کر بیٹھ جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے محروم نہیں ہوتا اور آخرت میں اس لیے کہ ان کی مجلس میں عذاب سے امن ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

لَا يَخْذُ اللَّهُ الْفِتْنَةَ وَالْأَجْرُ وَكَفَّلَهُمُ اللَّهُ هَذَا
يَوْمَئِذٍ الْوَدَىٰ كَيْفَ تَقُولُونَ (النبا ۱۰۳)

حشر کے دن کی بڑی گمراہی بھی انہیں ممکن نہ کر سکے گی
فرشتے ان سے مل کر کہیں گے: یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

امام رازی کا قاسم کو جنت میں داخل کرنا اور مصنف کا اس سے اختلاف

امام رازی محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

تاریخ اصحاب نے کہا ہے: ہر وہ شخص جو شرک کو ترک کر دے متقی کا مصداق ہے نہیں واجب ہے کہ قاسم بھی اس بشارت میں داخل ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۶۵ دارالماہرات اعرابی دہلوی ۱۳۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ درست ہے کہ وصف کے اعتبار سے مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے اور اس آیت میں متقین کا ذکر مطلقاً ہے خواہ وہ شرک سے متقی (مجتنب) ہوں یا گناہ کبیرہ سے متقی ہوں یا گناہ صغیرہ سے متقی ہوں یا خلاف سنت اور خلاف اولیٰ ہر قسم کے منوع کام سے متقی اور مجتنب ہوں لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں پر متقین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو گناہ کبیرہ سے متقی ہوں یا جنہوں نے موت سے پہلے اپنے تمام کبیرہ گناہوں سے توبہ کر لی ہو اور وہ مسلمان مراؤ نہیں ہیں جن کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اصرار اور دوام کے ساتھ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ صالحین اور فاضلین دونوں کے لیے یہ بشارت ہو کہ وہ دونوں مقام مومن میں ہوں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّغْنَوْنَ عَنِ الْعَذَابِ كَالَّذِينَ هُمْ
فِي الْأَرْضِ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّغْنَوْنَ عَنِ الْعَذَابِ (ص ۴۸)

کیا یہ درست ہے کہ جن مسلمانوں کا بغیر توبہ کے فسق پر قائم ہوا اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کی بھی مغفرت فرمادے گا اور اس کی نفی صورت میں ہیں۔ تاریخ نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء اور صالحین کی شفاعت سے ان کی مغفرت ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل بخشے سے ان کی مغفرت فرمادے یا میدان محشر میں آخرت تک ان کو روکے رکھے اور بھراؤ کو جنت میں داخل فرمادے یا مجموعہ صراطِ راست میں داخل کرنے کے بعد ان کو جنت میں داخل فرمادے۔ بہر حال ابتداء فاضلین کا جنت میں اور اس بشارت میں داخل ہونا واجب نہیں ہے اور مؤمنین صالحین کا جنت میں اور اس بشارت میں ابتداء داخل ہونا قطعی اور نہ دینی ہے۔

اہل جنت کے درمیان بغض اور کینہ کا نہ ہونا

المدحان ۵۳ میں فرموا: "یہ اور جو ریجم کالہاں پہنے ہوئے آئے سائے پیئے ہوں گے" ○

اس آیت میں "صفس" اور "صفسوفی" کے الفاظ ہیں سندس ہار یک ریجم کو کہتے ہیں اور متبرقی و حجر ریجم کو کہتے ہیں ہوسنہ کہ سندس متقین کے اندر کالہاں ہو اور متبرقی ان کے اوپر کالہاں ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سندس متبرقی کالہاں ہو

اور متبرق عام اہل جنت کا لباس ہو۔

وہ آئے سائے بیٹھے ہوں گے یعنی ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے ایک دوسرے کی طرف محبت سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے نہیں بیٹھے ہوں گے کیونکہ ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں کینہ اور بغض نہیں ہوگا کیونکہ جنت میں دخول کے وقت اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور بغض نکال لے گا سو جنت میں ان شاء اللہ حضرت علی اور حضرت معاویہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاصؓ سب ایک دوسرے کی طرف محبت سے دیکھ رہے ہوں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے لشکر کے شہداء اور معاویہ کے لشکر کے شہداء دونوں جنت میں ہوں گے اور جب آپ نے جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی لاشوں کو دیکھا تو روتے ہوئے فرمایا: کاش! میں اس سانحہ سے بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔

حور کا معنی اور جنت میں حوروں سے عقد کا محمل

الدرخان: ۵۴ میں فرمایا: ”ایسا ہی ہوگا“ اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کو ان کی بیویاں بتائیں گے ۵۔
علامہ محمد بن کرم ابن منظور افریقی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

جس سفید عورت کی آنکھوں کی پتلیاں سیاہ ہوں اس کو حور کہتے ہیں۔ (لسان العرب ج ۳ ص ۲۶۵ دار صادر بیروت)
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں:

حور کا معنی ہے: حسین و جمیل، روشن چہرے والی عورت، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: حور کی پنڈلی کا مغز سر حلوں اور گوشت اور ہڈی کے پار سے بھی نظر آتا ہے جیسے سفید شیشے کے جگ میں سرخ شراب ہو تو وہ دور سے نظر آتا ہے، مجاہد نے کہا: حور کو حور اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے گورے رنگ صاف اور شفاف چہرے اور اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر آنکھیں حیران ہو جاتی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو حور اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی آنکھیں بہت سفید ہوتی ہیں اور چمک بہت سیاہ ہوتی ہے جیسے ہرن اور گائے کی آنکھیں ہوتی ہے۔ (الایضاح بحکم القرآن ج ۱ ص ۱۶۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی آنکھوں والی حور کا مہر چند مٹھی کھجوریں ہیں اور روٹی کے ٹکڑے ہیں۔ (المکلف والایمان للشمس رقم الحدیث: ۲۱۸ ج ۳ ص ۲۵۷)

(اس حدیث کی سند میں ابان بن عمر ہے ابو حاتم بن حبان نے کہا: اس کی حدیث باطل ہے اور دارقطنی نے کہا: ابان متروک ہے ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے کتاب الموضوعات ج ۳ ص ۲۵۲)

ابو قرق صاف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد سے چبڑیوں کو نکال کر صاف کرنا بڑی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے۔

(المکلف والایمان للشمس رقم الحدیث: ۲۱۸ ج ۳ ص ۲۵۳)

اس حدیث کی سند میں عبد الوہاب بن زید ہے، یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ امام بخاری، تھلاس اور امام نسائی نے کہا: یہ متروک الحدیث ہے ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث موضوع ہے۔ (کتاب الموضوعات ج ۳ ص ۲۵۳-۲۵۲)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ سعدی مفتی نے کہا ہے کہ جنت میں عقد نکاح نہیں ہوگا کیونکہ اس کا فائدہ ایک عورت کے اعضاء کو حلال کرنا ہے اور جنت دار تکلیف نہیں ہے اور وہاں حلال اور حرام کے احکام نہیں ہیں۔

اس کی تحقیق کہ موت وجودی ہے یا عدمی

اس آیت میں "الموت" کا لفظ ہے موت اور الموتہ دونوں مصدر ہیں الموتہ میں تادعدت کی ہے اس کا معنی ہے: ایک موت اور موت جنس ہے اور ایک موت کے معنی میں زیادہ یا اذیت ہے یعنی جنت میں انہیں ایک مرتبہ بھی موت نہیں آئے گی۔ اس میں اختلاف ہے کہ موت عدی ہے یعنی زوال حیات ہے یا موت وجودی ہے اور وہ میت کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور میت کو اس کا احساس ہوتا ہے قرآن مجید کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت وجودی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ** (الملك: ۲۰) جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ. (الملك: ٣)

مَنْ تَعْلَقَ بِذَاتِ الْفَنَاءِ الْمَوْتِ (۲) اَلْعَرَامُ (۱۸۵) ہر نفس موت کو جکھنے والا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. (آل عمران: ١٨٥)

اور چٹکھا وجودی چیز کو جاتا ہے اور زیر تفسیر آیت میں بھی فرمایا ہے: اور وہ جنت میں پہلی موت کے سوا (جو دنیا میں آج بھی تھی) اور کوئی موت نہیں پچھیں گے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا اہل جنت کو نیند آئے گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیند موت کی بہن ہے اور اہل جنت کو نیند نہیں آئے گی۔
(المجموع ۱۰: ۱۸۱، ۱۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۱) بحکم ملا وسط رقم المذبح: ۸۸۱۶-۹۱۹ دارالکتب الخلیفہ، بیروت (۱۴۲۰ھ)

الدخان: ۵۷ میں فرمایا: ”آپ کے رب کے فضل سے یہی بڑی کامیابی ہے“ O

یہ سب سے بڑی کامیابی ہے اس سے بڑی اور کوئی کامیابی نہیں ہے کیونکہ جنت میں ہونا تمام ناپسندیدہ اور تکلیف دہ چیزوں سے خالی ہونا ہے اور جب کہ موت اس عظیم کامیابی کا وسیلہ اور دروازہ ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ موت مومن کا تھنہ ہے ہر چند کہ موت ایک وجہ سے ہلاکت ہے تو دوسرے طریقہ سے کامیابی ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ موت میں ہر شخص کے لیے خیر ہے رہا مومن تو اس کے لیے اس وجہ سے خیر ہے کہ وہ دنیا کے قید خانہ سے آزاد ہو کر جنت کی دائمی راحتوں اور نعمتوں میں پہنچ جائے گا رہا کافر تو اس کے لیے موت میں اس لیے خیر ہے کہ جب تک وہ دنیا میں رہے گا گناہ کرتا رہے گا اور اس وجہ سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہو گا قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَحْصِيَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّكَ تَعْلَمُ لِمَتُوهُمْ خَيْرٌ
لَّا تَقْضِيهِمْ لَكُنْ عَلَيْهِمْ لِزُلَمٍ مِّنْ دُونِهَا ۚ إِنَّهُمْ عِندَ اللَّهِ

کفار یہ نہ گمان کریں کہ ہمارا ان کو ذلیل دینا ان کے حق میں خیر ہے، ہم ان کو صرف اس لیے ذلیل دیتے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کریں اور ان کے لیے دسوا کرنے والا عذاب ہے ○

(آل عمران: ۱۷۸)

الہدیان: ۵۸: میں فرمایا: ”ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کیا ہے تاکہ وہ فصیح حاصل کریں“۔
اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو آپ کی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ اہل مکہ اس قرآن کو آسانی سے سمجھ سکیں اور
اس کے احکام اور اس کے پیغام پر عمل کریں اور اگر وہ اس کے پیغام پر عمل نہیں کرتے تو۔۔۔۔۔

المدخان: ۵۹ میں فرمایا: سو آپ انتظار کیجئے ہے شک وہ (بھی) انتظار کرنے والے ہیں O
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار اور کفار مکہ کے انتظار کے الگ الگ محمل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار اور کفار مکہ کے انتظار کے الگ الگ محمل

آپ انتظار کیجئے کہ کلار کے لیے جو سزا معذور کی نگہی ہے وہ ان کو کب ملتی ہے کیونکہ ان کی سزا سے متفقین کو صحت حاصل ہوگی اور وہ بھی انتظار کر رہے ہیں کہ آپ کے اوپر آقاقت اور معاصی نازل ہوں پس عفریب آپ کی امید پوری ہوگی اور ان

کوسڑے کی اور آپ پر کوئی آفت اور مصیبت نازل نہیں ہوگی اور وہ جس چیز کا انتظار کر رہے ہیں وہ ان کو حاصل نہیں ہوگی اور وہ ناکام اور نامراد ہوں گے۔

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی: آپ نے تبلیغ اسلام اور اللہ تعالیٰ کے پیغام اٹھانے پر جو مشقت اٹھائی ہے آپ اس پر اجر و ثواب کا انتظار کیجئے اور انہوں نے اللہ سبحانہ کے پیغام کو مسترد کر کے جس ہٹ دھرمی کا اظہار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید کو جھٹلایا ہے اور بار بار کہا ہے کہ وہ عذاب کب نازل ہوگا سو وہ اس عذاب کا انتظار کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید کے آسان ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ الدخان: ۵۸ میں فرمایا ہے: ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کیا ہے اور المرسل: ۵ میں فرمایا ہے:

إِنَّا سَخَّلْنَا لَكَ الْقُرْآنَ فَتُحِثُّنَا (المرسل: ۵)

یہ شک ہم آپ پر بہت بھاری بات نازل کریں گے۔
یہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید بہت آسان بھی ہے اور بہت ثقیل اور دشوار بھی ہے قرآن مجید پڑھنے میں آسان ہے اور چونکہ اس کے احکام پر عمل کرنا نفس پر بہت دشوار ہے اس لیے یہ عمل کے لحاظ سے ثقیل ہے۔

امام جعفر صادق نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر قرآن مجید کا پڑھنا آسان نہ کر دیا ہوتا تو مخلوق میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ خالق لم یزل کا کلام اپنی زبان پر لاسکتی۔

سورۃ الدخان کا خاتمہ

الحمد لله رب العلمین! آج سورہ ۲۱ عمر ۱۴۲۵ھ/۱۳ مارچ ۲۰۰۴ء پر روز ہفتہ بعد نماز ظہر سورۃ الدخان کی تفسیر ختم ہوگئی! اللہ العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر عمل کرادی ہے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور اس تفسیر کو مواتقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے موجب ہدایت بنادیں اور محض اپنے فضل و کرم سے میری میرے والدین اور میرے اساتذہ کی مغفرت فرمائیں! اس کتاب کو تاروز قیامت فیض آفریں رکھیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام
علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ
وازواجہ وعترتہ اجمعین.



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نحمدہ و نصلی و سلم علی رسولہ الکریم

الہامیہ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

جسٹا یجھو کا معنی ہے: دوزخ اور گھٹنوں کے بل بیٹھنا جہانیاہم قائل کا معنی ہے: اس کا معنی ہے: دوزخ انویا گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی۔ اس سورت کا نام الجہانیاہم قائل لے رکھا گیا ہے کہ اس سورت کی ایک آیت میں یہ لفظ ہے وہ آیت یہ ہے: وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَانِبَهُ لَعْنَةُ اللَّهِ مُدْبِرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مِّمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الہامیہ: ۲۸) اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلا یا جائے گا آج تمہیں اپنے کپے ہوئے کا سون کا بدلہ دیا جائے گا ○

یعنی قیامت کے دن اس دن کے خوف کی شدت سے ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی ہوگی اور اس انتظار میں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ حساب لینا شروع کر دے اور جو نیک لوگ ہیں وہ جنت میں چلے جائیں اور جو کفار اور بدکار ہیں وہ دوزخ میں چلے جائیں۔

یہ سورت بھی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر بیسٹھ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر پینتالیس ہے اور یہ سورت الدخان کے بعد اور الاحقاف سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ یہ سورت الدخان کے مشابہ ہے الدخان اس مضمون پر مشتمل ہوئی ہے کہ قرآن مجید کو اہل مکہ کی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ ان پر اس کا بڑھنا آسان ہو جائے اور اس سورت کی ابتدا بھی قرآن مجید کے تعارف سے کی گئی ہے:

تَنْزِيلَ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ○ اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت

غالب ہے وحدت والا ہے ○ (الہامیہ: ۲)

دوسری مشابہت یہ ہے کہ سورۃ الدخان میں بھی اس کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر استدلال کیا گیا تھا اور مشرکین کے عقائد فاسدہ کا رد کیا گیا تھا اور اس سورت میں بھی ان ہی مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔

سورۃ الہامیہ کے مشمولات

جس طرح بھی سورتوں کا موضوع ہوتا ہے اسی طرح اس سورت کا بھی موضوع ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنا اور یہ تسلیم کرنا کہ قرآن مجید اللہ سبحانہ کا کلام ہے اور اس کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کا احترام کرنا کہ قیامت آنے والی ہے اور سب مردوں کو زندہ کیا جائے گا اور میدان حشر

میں جمع کیا جائے گا پھر ان کا حساب لیا جائے گا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزاء یا سزا دی جائے گی۔
 آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے اور حیوانوں اور نموشیوں کی تخلیق اور دن کے بعد رات لانے پارش کو نازل کرنے اور
 ہواؤں کو فضا میں جاری کرنے سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے واحد ہونے پر استدلال فرمایا ہے اور ان لوگوں کو دوزخ کے
 عذاب سے ڈرایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں اور ان کا مذاق
 اڑاتے ہیں۔

جاہلیت مشرکین کے مقابلہ میں اسلام کی ملت بیضاء اور شریعت معتدلہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس
 سے لے کر آئے اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اس شریعت کی اتباع کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل
 کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس جو دستور حیات بھیجا ہے اس پر عمل کریں جس میں فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قوانین
 ہیں اور حکیمانہ نظام ہے اور وہ قرآن مجید ہے جو سراپا نور اور ہدایت ہے اور مومنین کے لیے شفاء ہے اور جو شخص عمداً اندھا ہو
 جائے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہ دیکھے اور نہ ان پر غور و فکر کرے اور اپنے اوپر ہدایت کے تمام منافذ اور ذرائع کو بند کر دے اور
 اپنے کانوں اور دل پر ڈاٹ لگالے اور زبان سے کلمہ حق نہ کہے وہ دنیا اور آخرت میں اپنے نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔

اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد کیا ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے اور حشر و نشر اور حساب و
 کتاب کا شدت سے انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عظیم الشان قدرت کا مالک ہے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی ہر
 چیز کا مالک ہے اس نے جب ابتداء ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے تو اس کے لیے دوبارہ ان سب چیزوں کو پیدا کرنا کیا مشکل
 ہے۔

اس سورت کے اختتام میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ سبحانہ سب لوگوں کو جمع فرمائے گا اور حق اور عدل
 کے ساتھ دنیا میں ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو بہترین جزاء عطا فرمائے گا اور کفر اور شرک کرنے والوں اور
 بُرے کام کرنے والوں کو ان کے اعمال کی سزا دے گا اس دن مومنین اور صالحین جنت میں جائیں گے اور اللہ سبحانہ اور اس
 کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر اور انکار کرنے والے دوزخ میں جائیں گے اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے جو آسمانوں اور زمینوں کو
 پیدا کرنے والا ہے اسی کے لیے عظمت ہے اور اسی کا طلب ہے اور وہ ہے حد حکمت والا ہے۔

السورۃ الجاثیہ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر
 میں اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا فرمائے اور ہدایت پر برقرار رکھے مجھے حق کی حقانیت پر مطلع فرمائے اور وہی مجھ سے کھوئے اور
 باطل کے بطلان سے مجھے آگاہ فرمائے اور مجھے اس سے بچتب رکھے اور اس کا رد کرنے کی توفیق اور صحت دے۔ آمین
 والحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین امام الانبیاء والمرسلین قائد
 الغر المحجلین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین وازواجه امہات المومنین واولیاء امہ
 وعلماء ملتہ وصائر امہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم اللہ بیت دارالعلوم اہلیہ ۱۵۰ فیڈرل بی ایریا کراچی۔ ۳۸

موبائل نمبر: ۹۹۶۳۰۹-۰۳۰۰-۰۱۲۰۶۱۷/۰۳۳۵-۰۳۲۱۷۱۷/۰۳۲۱-۰۳۲۱

۲۲ محرم ۱۴۳۵ھ ۱۳ مارچ ۲۰۱۴ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



سودھائیگی ہے اللہ کی قسم سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم کرنے والا نہایت مہربان ہے O اس میں پچیس آیتیں ہو چاکھیں ہیں

حَوْثٌ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝۱۱ إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ

حائیم O اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب ہے حد حکمت والا ہے O بے شک آسمانوں

وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۲ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَاٰیٰتٍ مِّنْ

اور زمینوں میں مؤمنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین

دَاٰتٍ اٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۱۳ وَاٰخْتِلَافِ الْیَلِ وَالنَّهَارِ وَاٰیٰتٍ

میں پھیلایا گیا ہے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں O اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اللہ نے

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَمْرَاضَ

آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے پھر اس (پانی) سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کیا (اس میں)

بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَقْرِیْبِ الرِّیْحِ اٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۱۴ تِلْكَ

اور ہواؤں کو چلانے میں اصحابِ کرم و فراست کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O یہ اللہ کی

اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ فَبِآیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ

آیتیں ہیں جن کی ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں سوا اللہ اور اس کی آجوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان

وَآیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵ وَیْلٌ لِّکُلِّ اَفَّاكٍ اٰثِیْمٍ ۝۱۶ یَسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ

لاکھیں گے O ہر بہتان تراشنے والے بکار کے لیے ہلاکت ہے O وہ اللہ کی ان آجوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی

تُتْلٰی عَلَیْہِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا کَاٰنَ لَمْ یَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ

جس پر کبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈنکا بٹاتا ہے جیسے اس نے ان آجوں کو سنا ہی نہیں سو (اے رسولِ کرم!) آپ

اٰلِیْمٌ ۝۱۷ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئًا اتَّخَذَ هَٰزُؤًا وَاُولٰٓئِکَ لَہُمْ

اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے O اور جب اسے ہماری آجوں میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق بنا

عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝۹ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمْ جَهَنَّمَ ۚ وَلَا يَغْنِي عَنْهُمْ تَأْكُسُوبَا

لینا ہے ان ہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے ۱۰ ان کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کے کیے ہوئے عمل ان کے کسی کام نہیں

شَيْئًا وَلَا مَأْتِكُمْ دُونَ اللَّهِ أُولِيَاءَ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۱۰

آئیں گے اور نہ وہ ان کے کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا مددگار بنالیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ۱۰

هَذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَكُمْ عَذَابٌ مُّزْجٍ

یہ (کتاب) ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لیے شدید

الْيَمُّ ۝۱۱

دردناک عذاب ہے ۱۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حایم ۱۱ اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب ہے حد حکمت والا ہے ۱۰ ہے
فک آسمانوں اور زمینوں میں مومنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۱۰ اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین میں
پھیلا یا گیا ہے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ۱۰ اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اللہ نے آسمان سے جو رزق
نازل کیا ہے پھر اس (پانی) سے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کیا (اس میں) اور ہواؤں کے چلانے میں اصحاب فہم
و فراست کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۱۰ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کی تم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں سو اللہ
اور اس کی آیتوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان لائیں گے ۱۰ (الہامیہ: ۱۷۹)

حدیث ”کنز مخفیہ“ کی تحقیق

الہامیہ: ۱۱ میں فرمایا: حایم ۱۱ اس کا معنی ہے: اس سورت کی ابتداء حایم سے ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تم کی حاسے
اللہ تعالیٰ کی حیات کی طرف اشارہ ہے اور اس کی میم سے اس کی موت اور محبت کی طرف اشارہ ہے گویا کہ فرمایا: مجھے اپنی
حیات اور اپنی محبت کی قسم اٹھائے اپنے اولیاء اور احباء سے ملاقات کی بہ نسبت اور کوئی چیز مجھ پر نہیں ہے۔
علامہ اسماعیل حنفی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حاسے حب ازلی کی طرف اشارہ ہے جو مقدم ہے اور میم سے معرفت ابدیہ کی طرف اشارہ ہے جو مؤخر
ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا تھا:

کنز مخفیہ: حایم ۱۱ ان اعراف میں ایک حنفی خزانہ تھا جس میں نے پسند کیا کہ میں بچاتا
فخلقت الخلق۔

اس حدیث قدسی سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت معرفت پر مقدم ہے۔ (روح البیان ۵/۵۸۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۴۲ھ)
اس حدیث کے متعلق حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(الدر المنثور فی ۱۱ حدیث المنثور ۲/۲۴۷ دار المنیر بیروت ۱۴۱۵ھ)

طاعیل بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں:

ابن تیمیہ نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے بالکل نہیں ہے اس کی کوئی سند معروف نہیں ہے، کچھ نہ ضعیف علامہ زرکشی اور علامہ عسقلانی نے بھی اس کی اتباع کی ہے لیکن اس کا معنی کچھ ہے اور قرآن مجید کی اس آیت سے مستفاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

(الذاریات: ۵۶) میری عبادت کریں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ میری معرفت حاصل کریں۔

(۱۱) ذخیر المؤمنین ج ۹، رقم الحدیث: ۶۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۸۵ھ

علامہ اسماعیل بن محمد الجولانی المتوفی ۱۱۶۲ھ طاعیل قاری کی عبادت قتل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اکثر صوفیاء کے کلام میں یہ حدیث ہے انہوں نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے اور اس پر اپنے قواعد کی بنیاد رکھی ہے۔

(کنز الخفاء، وحمل القاسم ج ۲ ص ۳۲، مکتبۃ الفکر، بیروت، دمشق)

تزیل قرآن کے مقاصد

الہامیہ ۳: میں فرمایا: "اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی جانب سے ہے جو بہت غالب ہے حد حکمت والا ہے" O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفیں ذکر کی ہیں: (۱) بہت غالب (۲) بہت حکمت والا اللہ تعالیٰ کا بہت غالب ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تمام ممکنات پر قادر ہے اور اس کا بہت حکمت والا ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور جو ہر چیز پر قادر اور ہر چیز کا عالم ہو وہ کوئی بے فائدہ اور فضول کام نہیں کرتا اور اس نے جب قرآن مجید کو نازل کیا ہے تو اس سے مقصود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل فراہم کرنا ہے اور قیامت تک کے لوگوں کو توحید کا پیغام سناتا ہے اور ان کی بدعتیں گھوٹ کر دیتا ہے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہدایت دیتا ہے اور ان کی صالح حیات کے لیے ایک دستور عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر آسانوں اور زمینوں کی تخلیق سے استدلال

الہامیہ ۳: میں فرمایا: "بے شک آسمانوں اور زمینوں میں مومنوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں" O

کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کے ایسے احوال ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں "آسمان اور زمین دونوں اجسام مخصوصہ ہیں ان کی جسامت کی مقدار معین ہے ان کی وضع اور سمت معین ہے ان کی حرکت معین ہے اب ضروری ہے کہ اس مخصوص مقدار، مخصوص وضع اور سمت اور مخصوص حرکت کا کوئی حصص ہو، کیونکہ ترجیح بلا مرجع محال ہے اور ضروری ہے کہ وہ مرجع ممکن نہ ہو ورنہ جب ہو، کیونکہ اگر وہ حصص ممکن ہوا تو اس کے وجود کے لیے پھر کسی مرجع کی ضرورت ہوگی اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ مرجع واجب اور قدیم ہو اور ضروری ہے کہ وہ مرجع واحد ہو ورنہ تعدد وجہ لازم آئے گا اور ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ تعدد وجہ محال ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آسمانوں میں سورج، سیارے (چاند اور مریخ وغیرہ) اور ستارے ہیں اور زمینوں میں پہاڑ، سمندر، درخت اور انواع و اقسام کے حیوانات ہیں اور یہ تمام کے تمام ایک نظام کے تحت ہیں ہزاروں سال سے سورج کا طلوع اور غروب ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں، کچھ لوگ حضرت عزیر کو خدا کہتے ہیں، کچھ لوگ دیوی اور دیوتاؤں کو خدا کہتے ہیں مگر سورج اور چاند کا طلوع اور غروب تو ان کے وجود اور ظہور سے بہت پہلے تھا تو وہ اس نظام کے خالق نہیں ہو سکتے، پھر

ہم دیکھتے ہیں کہ اس تمام کائنات کا نظام ایک کچ پر چل رہا ہے۔ سورج اور چاند ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتے ہیں اور اس کی مقابل جانب میں غروب ہو جاتے ہیں۔ گلاب کے پھولوں کے درخت میں گلاب ہی گلتے ہیں کبھی چنبیلی کے پھول نہیں کھلتے۔ آسمان کے درخت سے آسمان ہی پیدا ہوتا ہے کیلایا انسان پیدا نہیں ہوتا۔ اس تمام کائنات کا نظام واحد ہے اور یہ نظام کی وحدت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہمارا قائم اور خالق بھی واحد ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں مومنوں کے لیے ضرورت نشانیاں ہیں اور اصل یہ نشانیاں تو مومن اور کافر کے لیے ہیں لیکن ان نشانوں سے صاحب نشان تک پہنچنے کی کوشش صرف مومنین ہی کرتے ہیں اور ان نشانوں سے فائدہ صرف مومنین ہی اٹھاتے ہیں اس لیے فرمایا: ان میں مومنین کے لیے ضرورت نشانیاں ہیں اس کی نظر یہ ہے کہ فرمایا ”هٰذِهِ لَآيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ“ (البقرہ ۲) یہ قرآن مومنین کے لیے ہدایت ہے حالانکہ قرآن مجید تو سب کے لیے ہدایت ہے جیسے فرمایا ہے: ”هٰذِهِ لَآيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ“ (البقرہ ۱۸۵) یعنی قرآن مجید فی نفسہ تو سب کے لیے ہدایت ہے مگر اس کی ہدایت سے فائدہ مومنین ہی اٹھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر انسانوں، حیوانوں اور درختوں سے استدلال

الحاشیہ ۳: میں فرمایا: ”اور تمہاری تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین میں پھیلا یا گیا ہے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں“ O

تخلیق سے مراد ہے: انسانوں کی تخلیق میں اور ان جانداروں میں جن کو زمین میں پھیلا یا گیا ہے اس سے مراد قوم حیوانوں کی تخلیق ہے اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلیل ہے کیونکہ انسان اور حیوان دونوں حیوان ہیں پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے جسم میں مختلف جسامت کے اعضاء ہیں اسی طرح حیوانوں کے اجسام میں بھی مختلف جسامت کے اعضاء ہیں پھر ان اعضاء کی قوت کار بھی الگ الگ ہے اب جب کہ جسم ہونے میں یہ تمام اجسام مسموئی ہیں تو پھر ہر جسم میں ان مختلف اعضاء اور ان کی مختلف قوت کار کی تفصیص کا موجب کون ہے؟ پس اسی بیان سابق سے ضروری ہے کہ یہ شخص واحد ہو اور واجب الوجود اور قدیم ہو۔

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ نے فرمایا ہے: جب انسان اپنی ظاہری اور باطنی استعداد کے حسن پر غور کرے اور اس پر غور کرے کہ اس کو کائنات میں پیدا کیا گیا ہے اور اپنی قیامت کی استقامت کو دیکھے اور اپنی صورت اور حیرت کے حسن کو دیکھے اور اپنی عقل اور سوچ بوجھ پر غور کرے اور اپنے اعضاء کی خصوصیات پر غور کرے پھر اس کے مقابلہ میں حیوانوں کے اعضاء ان کی ساخت ان کے اوصاف اور ان کی عقل پر غور کرے تو اس پر یہ مشکف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے اس کو بہت امتیاز اور شرف عطا فرمایا ہے اور جیسی اس کو عقل اور فہم عطا فرمائی ہے کسی اور مخلوق کو عطا نہیں فرمائی پھر انسان کو فرشتوں پر بھی افضلیت عطا فرمائی ہے اس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور مہکد ملائکہ مقررین بنایا ہے اور انسانوں میں سے جو اہل اصفیاء ہیں ان کو انواع و اقسام کے مکاشفات مشاہدات اور تعلیمات عطا فرمائی ہیں تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام مخلوقات میں مکرم اور شرف عطا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر رات اور دن کے اختلاف، بارش سے روئیدگی اور ہواؤں سے استدلال

الحاشیہ ۵: میں فرمایا: ”اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اللہ نے آسمان سے جو رزق نازل کیا ہے“۔ الایہ
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کے اختلاف کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں بھی اللہ سبحانہ کی توحید کی دلیل ہے کیونکہ کبھی دن رات سے لمبا ہوتا ہے اور کبھی رات دن سے لمبی ہوتی ہے اور ضروری ہے کہ اس اختلاف کا کوئی مرجع ہو اور وہ

مرغ واجب ہے اور واحد ہے جیسا کہ ہم پہلے اس کی تقریر کر چکے ہیں۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بارش کو نازل کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے کیونکہ اس بارش سے زمین میں پودے اگتے ہیں اور درخت بن جاتے ہیں اور درخت میں تاکا ہوتا ہے شامیں ہوتی ہیں اور پتے ہوتے ہیں اور پھول اور پھل ہوتے ہیں ان سب کی جسامت مختلف ہوتی ہے رنگ مختلف ہوتا ہے اور خوشبو مختلف ہوتی ہے اور ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہوتی ہیں پس ضروری ہے کہ ان خصوصیات کا کوئی موجد ہو اور ضروری ہے کہ وہ موجد واجب اور واحد ہو جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کے چلانے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے کیونکہ ہوائیں کبھی مشرق سے مغرب کی جانب پھلتی ہیں اور کبھی مغرب سے مشرق کی جانب پھلتی ہیں پس ضروری ہے کہ اس اختلاف کا کوئی مرغ ہو اور ضروری ہے کہ وہ مرغ واجب اور واحد ہو۔

یومنون یوقنون اور یعقلون فرمانے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے الہادیہ ۳۱ میں فرمایا: ”آسمانوں اور زمینوں میں مومنوں کے لیے نشانیاں ہیں“ اور الہادیہ ۳۳ میں فرمایا: ”تہماری اور حیوانوں کی تخلیق میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں“ اور الہادیہ ۵۰ میں فرمایا: ”مات اور دن کے اختلاف“ بارش اور ہواؤں میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں“ پہلے ایمان والوں کا ذکر فرمایا پھر یقین کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور پھر عقل والوں کا ذکر فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم مومن ہو تو ان دلائل میں غور کرو اور اگر تم مومن نہیں لیکن حق کے متلاشی اور یقین کے طالب ہو تو ان دلائل کو سمجھو اور اگر تم حق کے متلاشی اور یقین کے طالب نہیں ہو تو کم از کم تم عقل تو رکھتے ہو تو تم اپنی عقل سے ان دلائل میں غور کرو اور ان نشانوں سے صاحب نشان تک پہنچنے کی کوشش کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی توحید سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل قیامت مرنے کے بعد دوبارہ اٹھے حشر و نشر حساب و کتاب مومنوں کے لیے شفاعت کفار کی شفاعت سے محرومی مومنین اور صالحین کے جنت میں دخول کفار اور ظالم کے عذاب اور ان کے دوزخ میں دخول تمام عقائد کا ذکر ہے اور فقہی احکام کے اصول اور کلیات کا بیان ہے ساہتہ امتوں اور ان کے نبیوں کے احوال کا ذکر ہے فرشتوں اور جنات کا ذکر ہے غرض اسلام کے تمام عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان ہے لیکن قرآن مجید تمام دنیا کی معلومات کا انسائیکلو پیڈیا نہیں ہے نہ قرآن مجید تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب ہے نہ سائنس کی کتاب ہے اور یہ جو بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں تمام علوم مذکور ہیں بلکہ بعض نے کہا: اس میں ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک کے تمام واقعات مذکور ہیں اور اس میں ہر حادثہ اور ہر واقعہ کا ذکر ہے یہ صحیح نہیں ہے قرآن مجید صرف ہدایت کی کتاب ہے اور عقائد اور احکام شرعیہ سے متعلق اس میں تمام احکام مذکور ہیں اور غیب کی خبریں ہیں۔

عقل کی تعریف عقل کی اقسام اور عقل کے متعلق احادیث

اس آیت میں عقل کا ذکر ہے کہ عقل والوں کے لیے ان چیزوں میں توحید کی نشانیاں ہیں اس لیے یہاں ہم عقل کی تعریف کر رہے ہیں: عقل اس قوت کو کہتے ہیں جو علم کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور جس علم کو انسان اس قوت سے حاصل کرتا ہے اس کو بھی عقل کہتے ہیں۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ عقل ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں: ایک عقل طبعی ہے اور ایک عقل سمعی ہے اور جب تک عقل سمعی نہ ہو عقل طبعی سے فائدہ نہیں ہوتا عقل طبعی سے مراد وہ قوت ہے جو انسان کے دماغ میں مرکوز ہے جس سے انسان اچھے اور بُرے اور نیک اور بد کام میں تیز کرتا ہے اور عقل سمعی سے مراد وہ علم ہیں جو

انسان کو لوگوں سے سن کر اور کنہیوں میں پڑھ کر حاصل ہوتے ہیں شفا کچ بولنا اچھا ہے اور جھوٹ بولنا بُرا ہے محنت سے کما کر روزی حاصل کرنا اچھا ہے اور چوری ڈکیتی لوٹ مار اور جھوٹ سے روزی حاصل کرنا بُرا ہے نکاح سے اولاد کا حصول اچھا ہے اور زنا سے اولاد کا حصول بُرا ہے۔

عقل کے پہلے معنی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: کھڑی ہونہ کھڑی ہوگئی پھر اس سے فرمایا: بیٹھ پھر تو اس نے بیٹھ پھر اس سے فرمایا: سامنے ہو تو وہ سامنے ہوگئی پھر فرمایا: بیٹھ جا تو وہ بیٹھ گئی پھر اس سے فرمایا: میں نے تجھ سے عمدہ اور تجھ سے افضل اور تجھ سے اچھی کوئی مخلوق پیدا نہیں کی میں تیرے سب سے لیٹا ہوں اور تیرے سب سے عطا کرتا ہوں اور تیرے سب سے پہچانتا جاتا ہوں اور تیرے سب سے ناراض ہوتا ہوں اور تیرے سب سے نئی ثواب ہے اور تجھ پر ہی عقاب ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث ۳۶۳۳ الجامع لعصب الایمان رقم الحدیث ۳۳۳۳ اکالام ابن عدی ج ۹ ص ۹۸) کتاب الفضل (ابن ابی الدنیا ص ۱۶۸ حدیث کی سند ضعیف ہے)

اس عقل سے مراد عقل طبی ہے جو انسان کے دماغ میں مرکوز ہے اور عقل سمعی کی طرف اشارہ ان احادیث میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان اپنی عقل کی مقدار کے مطابق ہی اہل جہاد سے ہوتا ہے اور اہل صلوة سے اور اہل صیام سے اور اپنی عقل کے مطابق ہی نیکی کا حکم دیتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے اور قیامت کے دن اس کی عقل کے مطابق ہی اس کو جزا دی جائے گی۔

(شعب الایمان رقم الحدیث ۳۶۳۶ الجامع لعصب الایمان رقم الحدیث ۳۳۳۵ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۸۹-۹۰) کتاب الفضل (ابن ابی الدنیا ص ۱۶۸ الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۱۷۲) کتاب الامور (ابن عدی ج ۹ ص ۱۶۸) حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان نے عقل کی مثل کسی چیز کو حاصل نہیں کیا جو اس کو نیکی طرف ہدایت دیتی ہے اور بُرائی سے روکتی ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث ۳۶۲۰ الجامع لعصب الایمان رقم الحدیث ۳۳۲۸) المصنف ج ۱ ص ۲۶۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۸ حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: توفیق بہترین قاکہ ہے حسن خلق بہترین قرین ہے عقل سب سے عمدہ صاحب ہے ادب بہترین میراث ہے تکبر سے زیادہ کسی چیز میں وحشت نہیں۔

(شعب الایمان رقم الحدیث ۳۶۲۱ الجامع لعصب الایمان رقم الحدیث ۳۳۲۹ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۷۰-۱۷۱) حدیث کی سند حسن ہے) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عاقل وہ ہے جو اللہ کے حکم سے کسی بُرے کام سے رک گیا اور جس نے زمانہ کے مصائب پر صبر کیا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث ۳۶۸۳ الجامع لعصب الایمان رقم الحدیث ۳۳۵۹) حدیث کے راوی ثقہ ہیں) ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں: زبان کو روکنا اور نرم گفتاری عقل مندی ہے اور بدزبانی اور سخت کلامی بے عقلی ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث ۳۶۸۵ الجامع لعصب الایمان رقم الحدیث ۳۳۶۱) حدیث کے راوی ثقہ ہیں)

ان لوگوں کی مذمت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن سننے کے باوجود ایمان

نہیں لائے اور ان لوگوں کی مدح جو آپ سے قرآن سننے بغیر ایمان لے آئے

الحاشیہ ۶: میں فرمایا: ”یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کی ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں“ سو اللہ اور اس کی آجوں کے بعد وہ کس کتاب پر ایمان لائیں گے“

اس آیت میں فرمایا ہے: ان آجوں کی ہم آپ کے سامنے تلاوت کرتے ہیں اس کا معنی ہے: ہم جبریل کے واسطے سے آپ کے سامنے ان آجوں کی تلاوت کرتے ہیں کیونکہ آپ کے سامنے ان آجوں کی حضرت جبریل نے تلاوت کی تھی اور یہ آیات حق اور صدق کے ساتھ مقررہ ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ان دلائل توحید کی طرف اشارہ ہو جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں سب سے آخری کتاب قرآن مجید ہے اور اس کتاب کی عبارت اور اس کے احکام قیامت تک محفوظ اور غیر منسوخ ہیں اور اس کے بعد کوئی کتاب نازل ہوئی ہے نہ کوئی وحی آئی ہے تو جب تم اس کتاب پر ایمان نہیں لائے تو پھر کس کتاب پر ایمان لاؤ گے؟ کیونکہ ہمارے نبی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور قرآن مجید آخری کتاب ہے اور اس کتاب کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی اور اس نبی کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا پس اگر تم ان نبی پر ایمان نہیں لائے اور اس کتاب پر ایمان نہیں لائے تو پھر کس کتاب پر ایمان لاؤ گے۔

اس آیت میں حدیث کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے کتاب کیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں کتاب پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اللَّهُ تَزَكَّى أَعْيُنُ النَّاسِ (الفرقان: ۲۴) اللہ نے سب سے عمدہ حدیث (کتاب) نازل کی ہے۔ اس آیت میں کفار کہہ کی مذمت کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے اس کا مطلب یہ ہے: وہ لوگ باعث فضیلت اور لائق حمد ہیں جو قرآن مجید کو ان کا ایمان لانے فرشتے قرآن مجید سن کر ایمان لائے لیکن ان کا ایمان لاا اس قدر قابل تعریف نہیں ہے کیونکہ وہ امور غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب قرآن مجید کو سن کر اس پر ایمان لائے لیکن ان کا ایمان لاا بھی اس قدر باعث حقیقت اور موجب حیرت نہیں ہے کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن مجید کو سنا آپ کے بے شمار معجزات کا مشاہدہ کیا کمال تو ان کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یمن دیکھے ایمان لائے جنہوں نے نبوت کو ملتے پھرتے نہیں دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن نہیں سنا اس کے باوجود قرآن مجید کے حکام اللہ ہونے پر ایمان لے آئے اس معنی پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے۔

ان لوگوں کی مدح میں احادیث جو آپ کو یمن دیکھے آپ پر ایمان لے آئے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے ان میں سے ایک شخص یہ چاہے کہ گد کا کاش اس کا سارا مال اور اس کے سارے اہل جاتے رہیں اور وہ مجھے ایک نظر دیکھ لے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۸۳۳ سے مراجع ص ۴۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے کوئی از خود نہیں جانتا کہ اس کے اول میں خیر ہے یا اس کے آخر میں خیر ہے۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۷۷۱ سے مراجع ص ۱۳۰) عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) پوچھا: تمہارے نزدیک مخلوق میں سب سے عمدہ ایمان لانے والے کون ہیں؟ صحابہ نے کہا: فرشتے آپ نے فرمایا: وہ ایمان کیوں کر نہیں لائیں گے حالانکہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں صحابہ نے کہا: پھر انبیاء علیہم السلام ہیں آپ نے فرمایا: وہ ایمان کیوں کر نہیں لائیں گے حالانکہ ان کے لوہے نازل ہوتے ہیں صحابہ نے کہا: پھر ہم ہیں آپ نے فرمایا: تم

ایمان کیوں کر نہیں لاؤ گے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تمام مخلوق میں سب سے عمدہ ایمان لانے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے وہ ان صحیفوں کو پائیں گے جن میں اللہ کی کتاب ہوگی اور وہ اس پوری کتاب پر ایمان لائیں گے۔ (داکن الہدیٰ ج ۱ ص ۵۳۸)

عبد الرحمن بن العلاء الحضرمی روایت کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کرنے والے ایک شخص نے مجھ سے کہا: اس امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو پہلوں کی طرح اجر ملے گا وہ نیکی کا حکم دیں گے اور نرانی سے منع کریں گے اور فتنہ باز لوگوں سے قتال کریں گے۔ (داکن الہدیٰ ج ۱ ص ۵۱۳)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس شخص کے لیے ایک خوشی ہو جس نے مجھ کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس شخص کے لیے سات خوشیاں ہوں جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔

ابو یحییٰ زبیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحابی رسول ابی جعد سے کہا: ہمیں ایسی حدیث سنائیں جس کو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو انہوں نے کہا: ہاں! میں تم کو ایک جید حدیث سناتا ہوں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ کیا اور ہمارے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح بھی تھے انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے افضل بھی کوئی ہے ہم اسلام لائے اور ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کیا آپ نے فرمایا: ہاں! جو لوگ تمہارے بعد آئیں گے وہ مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھ کو دیکھا نہیں ہوگا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۶ سنن دارمی رقم الحدیث ۲۷۳۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر بہتان تراشنے والے ہدکار کے لیے ہلاکت ہے O وہ اللہ کی ان آجوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈنکار پتا ہے جیسے اس نے ان آجوں کو سنا ہی نہیں سو (اے رسول مکرم!) آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے O اور جب اسے ہماری آجوں میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق بنا لیتا ہے ان ہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے O ان کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کے کیے ہوئے عمل ان کے کسی کام نہیں آئیں گے اور نہ وہ ان کے کام آسکیں گے جن کو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا ہندو گمراہ بنا لیا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O یہ (کتاب) ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آجوں کا انکار کیا ہے ان کے لیے شہید و دردناک عذاب ہے O (الہامیہ: ۱۱۷)

ویل کا معنی

”ویل“ فارسی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: سخت عذاب۔ امام ابن جریر نے کہا: ویل دوزخ کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بنتی ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۸۳) ”افک“ ایک سے بنا ہے اس کا معنی ہے: کسی پر تہمت لگانا اس پر بہتان تراشنا ”تلیم“ مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے: بہت زیادہ اٹم (گناہ) کرنے والا۔

الہامیہ: ۸ میں فرمایا: ”وہ اللہ کی ان آجوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈنکار پتا ہے جیسے اس نے ان آجوں کو سنا ہی نہیں سو (اے رسول مکرم!) آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے O“

اصرار کا معنی

الہامیہ: ۸ میں فرمایا: ”وہ اللہ کی ان آجوں کو سنتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنے کفر پر) ڈنکار پتا ہے O“

اس آیت میں ”بصر“ کا لفظ ہے اس کا مصدر اصرار ہے اس کا معنی ہے: گناہ کو مستعد کرنا اور اس پر ڈنکار پتا اور اس

گناہ سے توبہ اور اس سے رجوع کرنے سے انکار کرنا اس کی اصل خسرو ہے جس کا معنی ہے: رزم اور دھار اور ہم کی جلی کو باندھنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ فکار قرآن مجید کی تلاوت کو سنتے ہیں اور اس کے انکار پر اصرار کرتے ہیں اس کو اللہ کا کلام نہیں مانتے اور اپنے اس قول پر پھٹے اور ڈٹے رہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔

علامہ علی بن محمد الماوردی التوفی ۳۵۰ھ نے کہا: یہ آیت انصہ بن الحارث کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(الفتح جامع ن ج ۵ ص ۲۲۱ مؤسسۃ المکتب المدینہ بیروت)

انصہ بن الحارث عجم کے شہر میں جاتا اور وہاں سے قصہ کہانیوں کی کتابیں خرید کر لاتا تھا مثلاً رستم اور سہراب کے قصے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن مجید سناتے تو وہ اس کے مقابلہ میں مجمع لگا کر ان قصوں کو سناتا تھا۔

الہامیہ ۹: میں فرمایا: "اور جب اسے ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو وہ اسے مذاق بنا لیتا ہے ان ہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے" جب اس شخص کو ہماری نازل کی ہوئی ان آیات میں سے کسی آیت کا علم ہوتا ہے جو ہم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی ہیں تو یہ قرآن مجید کی تمام آیات کا مذاق اڑانے کے درپے ہو جاتا ہے اور صرف اس ایک آیت کے مذاق اڑانے پر اکتفا نہیں کرتا گویا وہ پورے قرآن مجید کا مخالف ہے۔

الہامیہ ۱۰: میں فرمایا: "ان کے پیچھے دوزخ ہے اور ان کے کیے ہوئے عمل ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے" "O" اس آیت میں "الوداء" کا لفظ ہے اور اس کا مطلب کو کچھتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کے سامنے یا پیچھے کی چیزیں چھٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ (الکشاف ج ۳ ص ۲۹) یعنی جہنم ان کے سامنے ہے کیونکہ یہ اس عذاب کی طرف متوجہ ہوں گے جو ان کے لیے تیار کیا گیا ہے یا ان کے پیچھے جہنم ہوگا کیونکہ یہ جہنم سے اعراض کر کے دنیا کی طرف متوجہ ہوں گے۔

ان کا کوئی عمل ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا اور یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن جنوں کی یا جن شخصیات کی عبادت کرتے تھے ان میں سے کوئی بھی ان کو دوزخ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکے گا اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔

الہامیہ ۱۱: میں فرمایا: "یہ (کتاب) ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لیے شدید دردناک عذاب ہے" "O"

آیات مذکورہ کے اشارات

یہ قرآن مجید انتہائی ہدایت دینے والی کتاب ہے گویا کہ یہ عین ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا ہے ان کے لیے بہت سخت درد پہنچانے والا عذاب ہے ان آیات میں حسب ذیل اشارات ہیں:

(۱) بعض لوگوں کے سامنے جب قرآن مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ یہ ظاہر ان آیات کو سن رہے ہوتے ہیں لیکن وہ غفلت کی وجہ سے یا قرآن مجید کو غیر اہم سمجھنے کی وجہ سے حقیقت میں قرآن مجید کو نہیں سنتے ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ تکبر کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اور ان آیات کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے اس آیت کی وحید کے خضرہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو حضور قلب کے بغیر بے توجہی اور بے دھیانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں یا قرآن مجید کی تلاوت کو سنتے ہیں۔

(۲) جب کوئی عالم ربانی قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی نکتہ بیان کرے تو اس کو قبول کرنا چاہیے اور عناد سے اس کو رد

نہیں کرنا چاہیے اور جب کوئی عالم دین قرآن مجید اور احادیث سے کوئی نظریہ پیش کرے تو اس کو محض تعصب اور بہت دھری سے یا نامی تھید کی بناء پر رد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جب عالم دین قرآن اور حدیث کے حوالے سے کوئی بات کہے تو اس کو رد کرنا درحقیقت قرآن مجید اور احادیث سمجھ کو رد کرنا ہے۔

(۳) قرآن مجید ہدایت ہے لیکن ان کے لیے ہدایت ہے جو قرآن مجید کو مانتے ہیں نہ کہ ان کے لیے جو قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں۔ پس جو محض قرآن مجید کی مہارت اور اس کے اشارات کا اقرار کرتا ہے وہ دوزخ کے عذاب کی رسوائی سے نجات پائے گا اور جو اس کا انکار کرے گا وہ دوزخ کے رسوا کرنے والے عذاب میں گر جائے گا۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لَتَجْزِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا

اللہ ہی نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا ہے اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل

مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۴﴾ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ

کو تلاش کر سکو اور تاکہ تم شکر ادا کرو O اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

زمینوں میں ہے سب کو اس نے اپنا طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے

يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۵﴾ قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُ وَالَّذِينَ لَا يُدْرِجُونَ آيَاتِ

لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے

اللَّهُ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۶﴾ مَن عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ

دوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دے O جس شخص نے کوئی نیک کی تو اس کا

وَمَن أَسَاءَ فَعَلِيَهَا ثُمَّ إِلٰهِي رَبَّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا

نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی بُرائی کی تو اس کا بدلہ اس پر ہوگا پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے O اور بے شک

بَنِي إِسْرَٰءِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی اور ان کو پاک چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو

وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۸﴾ وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا

(اس زمانہ کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی O اور ہم نے ان کو اس دین کے متعلق واضح دلائل عطا فرمائے اس کے

اٰخْتَلَفُوْا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْعِلْمُ بِغَيَابِنَاۤ اِنَّ رَبَّكَ

بادیور نہیںوں نے (اس دین میں) اپنی سرکشی کی بناء پر اسی وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس (اس کا) علم آ چکا تھا

يَقْضٰۤى بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِىۡمَا كَانُوْا فِىۡهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ

بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ۱۷ پھر ہم نے

عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا

آپ کو اس دین کی شریعت (راہ) پر گامزن کر دیا سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے اور جاہل لوگوں کی خواہشوں کی

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنُ يُغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْۡا وَّاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

بیرونی نہ کیجئے ۱۸ بے شک یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہ آ سکیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے

بَعْضُهُمْ اَوْلٰىۤآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَاۤ اِبْصَارُ لِلنّٰسِ

کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہیں ۱۹ یہ (قرآن) لوگوں کے لیے ہدایت

وَهٰذَاۤىۤ ذَرِّمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوْا

اثر و زلال پر مشتمل ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ۲۰ جن لوگوں نے (بدمر عام) گناہ کیے ہیں

السَّيِّۤاتِ اَنْ يَّجْعَلَهُمُ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءٌ

کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے

فَحِيَّاهُمْ وَمِمَّا شَاءُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

یہ کیسا بڑا فیصلہ کر رہے ہیں ۲۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا ہے اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ تم اس کے

فضل کو تلاش کر سکو اور تاکہ تم شکر ادا کرو اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف

سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے ۲۰ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں ۲۰ آپ ایمان

والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دلوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو اس کے کیے ہوئے

کاموں کا بدلہ دے ۲۰ جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال اس پر ہو

گا پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے (الانبیاء: ۱۷-۱۸)

بحری جہازوں کا سمندر میں چلنا اللہ تعالیٰ کی کن نعمتوں پر موقوف ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس نے سمندر میں کشتیوں کو رواں دواں رکھنے کے لیے سمندر کو تہارے فوائد کے لیے مسخر کر دیا ہے اور اس کام کی تعمیر مزید حسب ذیل کاموں کی تعمیر پر موقوف ہے:

- (۱) ہواؤں کو اس سمت پر چلانا جس سمت کشتی جا رہی ہو کیونکہ اگر ہوا مخالف ہو تو کشتی کا سفر دشوار ہوگا۔
- (۲) پانی کو اس کیفیت پر برقرار رکھنے کے کشتی پانی کی سطح پر ٹھہر سکے اور سفر کر سکے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوہے کا معمولی سا ٹکڑا پانی میں ڈوب جاتا اور سنگڑوں جگہ بڑا دریاؤں کے بحری جہاز سطح سمندر پر سفر کرتے رہتے ہیں پس سبحان ہے وہ ذات جو لوہے کے معمولی سے ٹکڑے کو سطح آب پر ٹھہرنے نہیں دیتا اور بڑا دریاؤں میں وہ بحری جہازوں کو سمندر میں رواں دواں رکھتا ہے۔
- (۳) اللہ نے ہی وہ ایجنس پیدا کیا جس سے دغائی کشتیوں کا انجن اور موٹر چلتا ہے اس نے زمین میں قدرتی گیس پیدا کی اور تیل پیدا کیا جس سے بحری جہاز کے انجن چلتے ہیں اور اس نے پورٹیم پیدا کیا جس سے انہی بحری جہاز چلتے ہیں۔
- (۴) اس نے انسان کو ایسی عقل اور فہم عطا کی جس نے بحری جہازوں کے انجن بنائے اور قدرتی گیس تیل اور پورٹیم کو بہ طور ایجنس استعمال کرنے کی استعداد اور صلاحیت عطا کی ایک دور میں انسان چبڑوں سے کشتی چلاتے تھے پھر ہوا کی طاقت سے اور اس کے زور سے باد پانی جہاز چلانے لگے پھر اللہ نے انسانی دماغ کو مزید ترقی کی راہ پر ڈالا وہ انجن سے جہاز چلانے لگے اور تیل اور گیس کو بہ طور ایجنس استعمال کرنے لگے اور اب پورٹیم کی طاقت سے انہی انجن سے بحری جہاز چلائے جاتے ہیں پس سبحان ہے وہ ذات جس نے زمین میں ان چیزوں کو پیدا کیا اور انسان کو ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی سمجھ اور صلاحیت عطا کی۔ **سُبْحٰنَ مَا لَا يَلْبَسُ لَبَاسًا ۚ** (آل عمران: ۹۱)

آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کی نعمت

الحاشیہ: ۱۳ میں فرمایا: "اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کو اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں سورج کو اور چاند کو اور ان کی گردش کو تمہارے فوائد کے لیے مسخر کر دیا ہے اگر سورج سے دن کی روشنی حاصل نہ ہوتی تو ہم کاروبار حیات کو کیسے انجام دیتے پھر اگر سورج اپنے مقام سے زیادہ اونچا ہوتا تو ہم سردی سے محظوم ہو جاتے اور اگر زیادہ نیچے ہوتا تو جل کر بھسم ہو جاتے اگر سورج کی حرارت نہ ہوتی تو فصلیں کیسے پختیں اور اب شمس توانائی کے حصول کا دور ہے اور شمس توانائی سے مشینیں چلائی جا رہی ہیں۔

چاند کی کرنوں سے فائدہ میں اور پھلوں میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور دور افتادہ دیہاتوں میں جہاں بجلی نہیں پہنچی وہاں چاند کی روشنی سے ہی رات کو گزارا کیا جاتا ہے۔

زمین اللہ تعالیٰ نے مٹی کی بنائی ہے اور اس کو قائل کاشت بنایا ہے اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ اس میں بیج ڈال کر کھیت اور باغ تیار کیے جاسکتے ہیں مٹی کے اجزاء سے مکان بنائے جاسکتے ہیں فرض کیجئے اگر اللہ تعالیٰ سو نے چاندی یا لوہے کی زمین بنا دیتا تو اس سے یہ فوائد کیسے حاصل کیے جاسکتے تھے پس سبحان ہے وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں میں ایسی استعداد اور صلاحیت رکھی کہ وہ تمہارے کام آسکیں اور ہم ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

پھر فرمایا کہ یہ سب چیزیں اس کی طرف سے ہیں یعنی ان سب چیزوں کو اس نے اپنی قدرت سے اور اپنی حکمت سے پیدا کیا ہے اور ان کو ایسے نظام کا پابند کر دیا ہے جس سے اس کی مخلوق فائدہ اٹھا سکے۔

کے خلاف شہر دفر واد ہو چکے تھے۔ علامہ واسعی متوفی ۳۶۸ھ، علامہ بخاری متوفی ۵۱۶ھ، علامہ دھیری متوفی ۵۳۸ھ، امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے اس روایت کا ذکر کیا ہے لیکن ان امور پر غور نہیں کیا اس آیت کے شان نزول میں دوسری روایت یہ ذکر کی گئی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ ذَا الَّذِي يَنْفَرُ مِنَ اللَّهِ قَرَضًا حَسَنًا

وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے۔

(البقرہ: ۲۴۵)

تو مدینہ میں فحاص نام کا ایک یہودی تھا اس نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب محتاج ہو گیا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو وہ نکواری کر اس شخص کو ڈھونڈنے چلے گئے تب حضرت جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ آیت لے کر آئے: ”آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے دور گزر کر ہیں جو اللہ کے دلوں کی امید نہیں رکھتے۔“ (المائدہ: ۱۳) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور جب وہ آگئے تو آپ نے فرمایا: اے عمر! نکواری رکھ دو حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ (اسباب النزول رقم اللہ: ۳۳۳، ص ۲۶۸، دارکتب العلمیہ بیروت) یہ واقعہ بھی مدینہ کا ہے اور یہ سورت مکی ہے اس روایت کو بھی مذکور الصدر مفسرین نے ذکر کیا ہے اور اس پر بھی وہی اعتراض ہوتا ہے جو ہم نے اس سے پہلی روایت پر کیے ہیں۔

علامہ علی بن محمد المادوری المتوفی ۴۵۰ھ نے اس کے شان نزول میں لکھا ہے:

شرکین میں سے ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کالی دی، حضرت عمر نے اس کو مارنے کا ارادہ کیا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر حضرت عمر اس شرک سے انتقام لینے سے رک گئے۔ (المنہج والایمان ج ۵ ص ۲۶۸، دارکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (المائدہ: ۱۳) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جب شرکین نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے تو آپ ان سے اعراض کرتے تھے وہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے پھر اللہ عزوجل نے آپ کو حکم دیا کہ آپ تمام شرکین سے قتال کریں، پس گویا یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ (جامع الایمان رقم اللہ: ۳۳۹، ص ۲۶۸)

فقہاء بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کو حسب ذیل آجوں نے منسوخ کر دیا:

وَالَّذِي تَشْتَقُّهُمْ فِي الْحَدِيثِ فَتَكُونُ مِنْهُمْ خِلْفَةً
لَعَلَّكُمْ يَكْفُرُونَ ○ (الانفال: ۵۷)

یہں جب بھی آپ جنگ میں ان پر غالب ہوں تو ان پر ایسی ضرب لگائیں کہ ان کے پیچھے والے بھی ہلک جائیں تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں ○

وَالَّذِي تَشْتَقُّهُمْ فِي الْحَدِيثِ فَتَكُونُ مِنْهُمْ خِلْفَةً ○ اور تم تمام شرکین سے لڑو جیسا کہ وہ تم سے لڑتے

(انفال: ۳۶) ہیں۔

مسلمانوں کو اس وقت تک ان سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ پڑھ لیں۔

(جامع الایمان رقم اللہ: ۳۳۳، ص ۲۶۸، دارالکتب بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں ایام اللہ کا ذکر ہے اس سے مراد ہے: دنیا میں لوگوں پر انعام کرنے یا ان کو سزا دینے کے ایام جیسے وہ دن

جب بنو اسرائیل کو فرعون سے نجات دی اور یہی وہ دن تھا جب فرعون اور اس کی قوم کو فرق کیا گیا۔
نجور ظاہر اور نجور باطن

الحاجہ: ۱۵ میں فرمایا: "جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی بُرائی کی تو اس کا وبال اس پر ہوگا" پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹے جاؤ گے۔
 اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ ہر شخص کے نیک عمل کا فائدہ اس کو پہنچتا ہے اسی طرح ہر شخص کے بُرے عمل کا ضرر بھی صرف اس شخص کو پہنچتا ہے۔

اس میں یہ بتایا ہے کہ جو کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مومنوں کو ناحق ایذا پہنچاتے ہیں تو اس کا نقصان دنیا اور آخرت میں صرف ان ہی کو ہوگا اور جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عزت اور نصرت کرتے ہیں اس کا نفع بھی صرف ان ہی کو پہنچے گا اور آخرت میں تم سب کو اللہ سبحانہ کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ تم سب کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔
 اس آیت میں نیک اعمال کرنے کی ترغیب دی ہے اور بُرے اعمال سے ڈرایا ہے۔ پس جو مسلمان ہجر مومنوں کو محاف کر دیں گے اور ان کو بغض دیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ متصف ہوں گے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے اور لوگوں پر ظلم کریں گے وہ شیطان کی صفات کے ساتھ متصف ہوں گے۔ سو جو شخص اہل ایمان اور نیکو کاروں میں سے ہوگا تو اہل ایمان و انجی جنتوں میں ہوں گے اور جو شخص کفار اور بدکاروں میں سے ہوگا تو بدکار دوزخ میں ہوں گے۔

نجور کی دو قسمیں ہیں: ایک نجور صوری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنا ہے اور شیطان کی اطاعت کرنا ہے اور دوسرا نجور معنوی ہے اور وہ اللہ کے نیک بندوں کا انکار کرنا ہے اور ان کو آزار پہنچانے کے درپے ہونا ہے اور ان کے خلاف ایسی سازشیں کرنا ہے جس سے یہ ظاہر تو یہ معلوم ہو کہ وہ ان کے خیر خواہ ہیں اور حقیقت میں وہ ان کے ساتھ بدخواہی کریں۔ پس اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جو اس کے احکام کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے فیصلوں اور اس کی تقدیر پر راضی رہتے ہیں اور جو حرام کاموں، مشتبہ امور اور فضول اور غیر متعلق چیزوں سے احتراز کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہر ملک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی اور ان کو پاک چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو (اس زمانے کے) تمام جہان والوں پر فضیلت دی اور ہم نے ان کو اس دین کے متعلق واضح دلائل عطا فرمائے اس کے باوجود انہوں نے (اس دین میں) اپنی سرکشی کی بناء پر اسی وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس (اس کا) علم آ چکا تھا۔ ہر ملک آپ کا رب قیامت کے دن اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے (الحاجہ: ۱۶-۱۷)

بنو اسرائیل کو دی گئی نعمتیں

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بنو اسرائیل کا طریقہ اپنے پیش رو کفار کے طریقہ کے موافق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کی کثیر نعمتیں دیں۔ اس کے باوجود وہ سرکشی اور عناد سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے۔
 نعمتیں دو قسم کی ہیں: دینی نعمتیں اور دنیاوی نعمتیں اور دینی نعمتیں دنیاوی نعمتوں سے افضل ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دینی نعمتوں سے ابتداء کی ہے۔ بنو اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے جو دینی نعمتیں عطا کی تھیں وہ یہ ہیں: کتاب، حکومت اور نبوت۔ کتاب سے مراد ہے تواریک اور حکم کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں: (۱) اس سے مراد ظلم اور حکمت ہے (۲) اس سے مراد مقدمات کے فیصلوں کی صلاحیت ہے (۳) اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم، یعنی فقہ کا علم اور نبوت سے مراد ہے: بنو اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا۔

اور دنیاوی نعمتوں کے متعلق فرمایا: ان کو پاک چیزوں سے رزق دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی بہت وسیع چیزیں عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قوم فرعون کے اموال کا اور ان کے مکانات کا وارث بنا دیا۔ پھر میدانِ تیبہ میں ان پر من اور سلونی نازل فرمایا اور دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا کرنے کے علاوہ ان کو ان کے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اپنے وقت میں ان کا مرتبہ اور درجہ اس وقت کی تمام اقوام سے افضل اور اعلیٰ تھا۔

بغض و عناد کی بناء پر بنو اسرائیل کا حق سے انکار کرنا

الحاشیہ: ہم اس میں فرمایا: "اور ہم نے ان کو اس دین کے متعلق واضح دلائل عطا فرمائے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو یہ بتا دیا تھا کہ آخر زمانہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی رسول اور خاتم النبیین بنا کر بھیجا جائے گا اور وہ مکہ میں پیدا ہوں گے۔ چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت کریں گے اور تیرہ سال بعد مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے اور اہل مدینہ ان کی نصرت اور مدد کریں گے اور ان کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کے لیے ان کو بہت بڑے بڑے معجزات عطا کیے جائیں گے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے زیادہ بڑے ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا: "اس کے باوجود انہوں نے (اس دین میں) اپنی سرکشی کی بناء پر اسی وقت اختلاف کیا جب ان کے پاس (اس کا) علم آچکا تھا۔"

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے دین اسلام کے حق ہونے پر ان کو ایسے دلائل اور شواہد عطا کر دیئے تھے کہ اگر وہ ان دلائل اور شواہد میں غور و فکر کرتے تو ان پر حق منکشف ہو جاتا لیکن انہوں نے حسد اور بغض کی بناء پر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانا اور توہرات میں آپ کی نبوت کے صدق کی جو آیتیں تھیں وہ ان کو لوگوں سے چھپاتے رہے اور آپ کی نبوت کا انکار کرتے رہے۔

اس کے بعد فرمایا: "بے شک آپ کا رب قیامت کے دن اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔" جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا کہ بنو اسرائیل نے بغض اور حسد کی بناء پر حق سے منہ موڑا تو بتایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ قیامت کے دن کر دیا جائے گا اور جس کو دنیا میں نعمتیں دی گئی ہوں اسے ان پر مغرور نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آخرت میں اس کو عذاب کا خطرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے آپ کو اس دین کی شریعت (راہ) پر گامزن کر دیا۔ سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے اور جاہل لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے۔ بے شک یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہ آسکیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہے۔ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت افروز دلائل پر مشتمل ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ جن لوگوں نے (برسر عام) گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مومنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے؟ یہ کیسا بڑا فیصلہ کر رہے ہیں؟ (الحاشیہ: ۱۷۱-۱۷۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا ممتاز اور منفرد ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ بنو اسرائیل نے دین حق دین اسلام سے صرف حسد اور بغض کی وجہ سے منہ موڑا تھا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ ان کے طریقہ سے احتراز کریں اور دین حق کے ساتھ وابستہ رہیں اور ماسوا اظہار حق کے اور اثبات صدق کے آپ کی کوئی اور غرض نہیں ہونی چاہیے اس لیے فرمایا: پھر ہم نے آپ کو اس دین کی شریعت پر گامزن کر دیا یعنی ہم نے آپ کو دین اسلام کے منہاج اور اس کے طریقہ پر

ثابت اور برقرار رکھا ہے، سو آپ صرف اپنی شریعت کی اتباع کیجئے جو دلائل اور ثبوت سے ثابت ہے، جانلوں کی جائز خواہشیں بلا دلیل ہیں اور ان کے ادیان اور مذاہب ان کی خواہشوں اور چاہی ہیں، سو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے۔

کلمی نے کہا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب سردارانِ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف رجوع کیجئے جو آپ سے افضل تھے اور آپ سے زیادہ عمر رسیدہ تھے۔

اس آیت کی یہ تفسیر بھی ہے کہ: ہوا سرائل کے بعد ہم نے آپ کے لیے دین اسلام کی شریعت بنائی، سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے، اس دین کے احکام شرعیہ کو اپنے اوپر بھی نافذ کیجئے اور اپنے پیروکاروں کے اوپر بھی اس دین کے احکام کو جاری کیجئے۔

اور اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ ہم نے آپ کو متعدد خصوصیات عطا فرما کر دوسرے نبیوں اور رسولوں سے منفرد اور ممتاز بنایا ہے اور آپ کی شریعت کو بھی ساتھ شرائع سے ممتاز اور منفرد بنایا ہے اور آپ کی شریعت میں وہ خصوصی احکام رکھے ہیں جو دیگر شریعتوں میں نہیں تھے، سو آپ ان خصوصیات کی معرفت رکھیں اور اپنی شریعت پر قائم اور ثابت رہیں اور اس سے تجاوز نہ کریں اور دوسروں کی متابعت کی طرف التفات نہ کریں کیونکہ اگر آپ کے زمانہ میں حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو آپ کی اتباع کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

ہم نے جو کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز اور منفرد شریعت عطا فرمائی ہے جس میں انکی خصوصیات ہیں جو ان کی شرائع میں نہیں تھیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو کسی اور نبی کو مجھ سے پہلے نہیں دی گئیں: (۱) ایک ماہ کی مسافت سے میرا رب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے (۲) تمام روئے زمین کو میرے لیے مسدود اور پاکیزگی کا آلہ (نجم) بنا دیا گیا، لہذا میری امت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آئے وہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا (۴) اور مجھے شفاعت (کبریٰ) دی گئی ہے (۵) اور پہلے نبی کو ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

امام مسلم کی روایت میں ہے: مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۱۱ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۴۴۲۰)

آپ کی شریعت کے بعد کسی اور شریعت کی طرف التفات کرنا جائز نہیں

اور ہم نے جو کہا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو ان کے لیے آپ کی اتباع کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا، اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کسی اہل کتاب سے ان کی کوئی کتاب ملی وہ اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے سامنے پڑھنے لگے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے اور فرمایا: اے ابنِ الخطاب! کیا تم کو اپنے دین میں شک ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس صاف صاف شریعت لے کر آیا ہوں، تم اہل کتاب سے کسی چیز کے حلقہ سوال نہ کرو (مبادا وہ تمہیں کوئی حق بات بتائیں اور تم اس کی تکذیب کرو یا وہ تمہیں کوئی باطل بات بتائیں اور تم اس کی تصدیق کرو اور اس ذات کی قسم جس

کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر حضرت موسیٰ زخمہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مسند احمد ج ۸ ص ۸۷ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۹ رقم اللہ ہے: ۵۱۶۵، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۱۹ھ مسند ابوہریرہ رقم اللہ ہے: ۱۳۳)

شعب الایمان رقم اللہ ہے: ۷۷۷ شرح اللہ رقم اللہ ہے: ۱۲۲ سنن دارمی رقم اللہ ہے: ۴۳۵)

آپ کو جاہلوں کی اتباع سے منع کرنے کا محمل

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے: ”سو آپ اس شریعت کی اتباع کیجئے اور جاہل لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے۔“
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ منظور نہیں ہے کہ آپ اس شریعت کی اتباع نہ کریں اور جاہل لوگوں کی یا بنو اسرائیل کی خواہشوں کی پیروی کریں اس لیے اس آیت میں تخریص ہے یعنی یہ ظاہر اس آیت میں جاہلوں کی پیروی کی ممانعت کا اسناد آپ کی طرف کیا گیا ہے اور مراد آپ کی امت ہے، کو کیا آپ کی امت سے یہ فرمایا ہے اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس شریعت اسلام کی پیروی کریں اور جاہلوں اور یہودیوں کی شریعت کی پیروی نہ کریں اور ان کی شریعت کی طرف التفات نہ کریں جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی میں تورات کو پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور یہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم اللہ ہے: ۸۵۴۳)

امام ابو بکر احمد بن حسین بن عیسیٰ متوفی ۳۵۸ھ فرماتے ہیں:

قرآن مجید پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ باقی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا معاملہ اس طرح ہے جس طرح ہم اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بھی ایمان لاتے ہیں اور ہم پر واجب ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے کلام کی معرفت حاصل کریں اور اس پر ایمان رکھیں کہ اس کا کلام اس کی ذات کی صفات میں سے ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور ہماری قرأت کے ساتھ اس کے کلام کی قرأت ہوتی ہے اور یہ کلام ہمارے دلوں میں محفوظ ہے اور ہمارے مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور اس کا ان مصاحف میں حلول نہیں ہے جس طرح اللہ سبحانہ کا ہماری زبانوں سے ذکر ہوتا ہے اور ہمارے دلوں میں اس کا کلام ہے اور ہماری مساجد میں اس کی عبادت ہوتی ہے اور اس کا ان میں حلول نہیں ہے اور اللہ کے کلام کا نقل اور کثیر میں حصر نہیں ہے اس کو جب عربی میں پڑھا جائے تو اس کو قرآن کہتے ہیں اور اس کو جب سریانی میں پڑھا جائے تو اس کو انجیل کہتے ہیں اور جب اس کو عبرانی میں پڑھا جائے تو اس کو تورات کہتے ہیں اور ہماری اس شریعت میں اس کا نام قرآن ہے نہ کہ وہ جس کا نام تورات اور انجیل ہے، کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو اہل تورات اور انجیل تھے ان کی اللہ تعالیٰ نے تکذیب کی ہے اور ان کی خیانت کی خبر دی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ وہ اللہ کے کلام میں تحریف کرتے تھے اور رد و بدل کرتے تھے اور اپنی طرف سے کتاب میں عبارت بنا کر لکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ جان بوجھ کر اللہ سبحانہ پر بیعت پابند تھے لہذا جب مسلمان ان کی کتاب سے کوئی چیز پڑھے گا تو وہ اس سے محفوظ نہیں ہے کہ درحقیقت کتاب کی وہ عبارت یہود و نصاریٰ کی گھڑی ہوئی ہو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم اہل کتاب سے کسی چیز کے حقائق کیوں سوال کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس وہ کتاب موجود ہے جس کو اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اور اس میں تم سب سے تازہ اور نئی خبروں کو پڑھتے ہو جو پرانی نہیں ہو کیں، پھر اللہ عزوجل نے تم کو ان کے حقائق پر خبر دی ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی ہے

اور اس کو بدل دیا ہے اور وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلہ میں تمہاری قیمت لے لیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے جنہیں علم کے متعلق ان سے سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم نے ان کا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے متعلق سوال کرتا ہو جو تم پر نازل کی گئی ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۴۳۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۷۵۰)

بعض مفسرین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ادب سے محروم تفسیر

الہامیہ: ۱۹ میں فرمایا: ”بے شک یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے کسی کام نہ آ سکیں گے اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہے“
امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اگر آپ ان یہودیوں کے دین کی طرف مائل ہوئے تو آپ عذاب کے مستحق ہو جائیں گے اور اس وقت یہ یہودی آپ سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۶۷۵) میں کہتا ہوں کہ یہ ظاہری معنی ہے اور درحقیقت یہاں پر بھی تفریع ہے اور ذکر آپ کا ہے اور مراد آپ کی امت ہے کہ اگر آپ کی امت دین کے کسی معاملہ میں ان کی طرف مائل ہوئی تو وہ عذاب کی مستحق ہو جائے گی اور اس وقت یہ یہودی آپ کی امت کے کسی کام نہیں آ سکیں گے اور ان سے عذاب کو دور نہیں کر سکیں گے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
یعنی اگر تم انہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کے دین میں کسی قسم کا رد و بدل کرو گے تو اللہ کے مواخذہ سے وہ تمہیں نہ بچا سکیں گے۔ (تفسیر القرآن ج ۳ ص ۵۸۷ طبع دار الفکر بیروت ۱۹۸۳ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے دین میں رد و بدل کرنا کب محصور ہے؟ یہ وہی لکھ سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے ادب و احترام سے بالکل خالی ہو۔

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ان کی طرف جھکنا تم کو خدا کے ہاں کچھ کام نہ دے گا۔

درامہ الہامیہ: ۱۹-۱۸ کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ان کی باہمی ضد اور نفسانی اختلافات کی وجہ سے بہت فرقے بن گئے تھے حدیث میں ہے کہ ان میں بہتر فرقے تھے ہم نے ان کے اس تفرقہ کے زمانہ میں آپ کو دین کی صحیح شاہ راہ (شریعت) پر قائم کر دیا ہے لہذا آپ کو اور آپ کی امت پر لازم ہے کہ وہ دین اسلام کی اسی شریعت پر چھڑیں اور اس سے سرمو مخرف نہ ہوں کہ کے جاہل قریش کی خواہش ہے کہ آپ ان کے ظلم اور ستم سے بھگ آ کر ہمت ہار بیٹھیں اور ان کے ہم نوا ہو جائیں یا کم از کم ان کے بڑوں کو برا کہنا چھوڑ دیں اور اہل کتاب میں سے یہودی یہ چاہے ہیں کہ آپ ان کے طریقہ کی موافقت کر لیں سو آپ اپنی امت کو بتا دیں کہ اگر انہوں نے ان کی موافقت کر لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت کے مستحق ہو جائیں گے اور یہ یہودی اور کفار کہ آپ کی امت سے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: ”اور بے شک ظالم لوگ ایک دوسرے کے حامی ہیں اور اللہ متقین کا حامی ہے“

دنیا میں کفار اور مشرکین ایک دوسرے کی حمایت اور نصرت کرتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا کوئی حامی نہیں ہوگا جو ان کو اجر و ثواب پہنچا سکے یا ان سے عذاب کو دور کر سکے رہے متقین اور ہدایت یافتہ لوگ تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو کامیاب اور

مرفر فرمائے گا ان کے حق میں کی گئی شفاعت کو قبول فرمائے گا اور جن کی یہ شفاعت کریں گے اس کو بھی قبول فرمائے گا۔
بصیرت کے معنی کی تحقیق

الحاشیہ: ۲۰ میں فرمایا: ”یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت اور ہدایت کا دلائل پر مشتمل ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے“

اس قرآن میں عقائد اور اصول ہیں اور احکام شرعیہ ہیں، رشد اور ہدایت کے لیے واضح نشانیاں ہیں، نیک کام کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کی بشارتیں ہیں اور بدکاروں کے لیے عذاب کی وعیدیں ہیں اور ان چیزوں سے دلوں میں نور اور بصیرت کا حصول ہوتا ہے اور جس طرح روح حیات کا سبب ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید نور اور بصیرت کے حصول کے سبب ہے اور جو شخص قرآن مجید کو پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے سے عاری ہوتا ہے وہ نور اور بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ اس مردہ کی طرح ہوتا ہے جس میں نہ کوئی حس ہوتی ہے اور نہ حیات ہوتی ہے قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی قرآن کریم پر بصائر کا اطلاق فرمایا ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (۱۰۵: انعام) بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق نبی کے ذرائع آچکے ہیں۔

بصائر بصیرت کی جمع ہے جو دراصل دل کی روشنی کا نام ہے یہاں اس سے مراد وہ دلائل اور براہین ہیں جن کو قرآن مجید نے بار بار بیان کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان دلائل کو بار بار بیان فرمایا ہے جو ان دلائل کو دیکھ کر ہدایت کا راستہ اختیار کرے گا اس میں اسی کا فائدہ ہے اور جو ان دلائل کو دیکھنے کے باوجود ہدایت کا راستہ نہیں اختیار کرے گا اس میں اسی کا نقصان ہے۔

بصر آ نکھ سے اور اک کرنے کو کہتے ہیں، جیسے قرآن مجید میں ہے:

مَآزَنَا الْبَصَرُ مَا كَلَفُنِي (۱۷: فجر) نہ آنکھ تنگی نہ حد سے بڑھی

اور دل میں جو قوت مدد کر رکھی گئی ہے اس کو بصیرت کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

ادْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَيِّنَةٍ (۱۸: ہود) میں پوری معرفت اور تحقیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف

دعوت دے رہا ہوں۔

اور بصر کی جمع بصائر آتی ہے اور بصیرت کی جمع بصائر آتی ہے۔ (المغربات ج ۳ ص ۲۳-۲۴ مفہوم تفسیر زاد المعاد ص ۱۳۸) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نور کے ساتھ انسان اجسام اور محسوسات کا ادراک کرتا ہے اس کو بصر کہتے ہیں اور جس نور کے ساتھ انسان معانی اور مقولات کا ادراک کرتا ہے اس کو بصیرت کہتے ہیں۔

قرآن مجید کا ہدایت اور رحمت ہونا

نیز فرمایا: یہ قرآن ہدایت ہے یعنی ہم راہی کے اندر حیرتوں سے ہدایت کا نور عطا کرنے والی ہے اور فرمایا: یہ قرآن رحمت ہے، یعنی یہ قرآن ایک عظیم رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت کا کلمہ ہے کیونکہ تمام دنیاوی اور اخروی سعادات اس قرآن مجید پر عمل کرنے سے یقین کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہیں۔

یقین کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو نور بصیرت سے مقام یقین تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جب ان کو یہ نور حاصل ہوتا ہے تو ان کے سامنے حق اور باطل یکجہ ہو جاتا ہے اور اس معاملہ میں لوگوں کے کئی مراتب اور درجات ہیں

بعض وہ ہیں جو اشیاء اور حقائق کو عقل کے نور سے جانچتے ہیں اور بعض ان کو فراست کے نور سے پرکھتے ہیں اور بعض ان کو ایمان کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض ان کو یقین کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض احسان کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض عرفان کے نور سے دیکھتے ہیں اور بعض آنکھ کے نور سے دیکھتے ہیں اور جو نفس بصیرت کے جس درجہ پر فائز ہو وہ اشیاء اور حقائق کو اسی درجہ کے اعتبار سے دیکھتا ہے۔

قرآن مجید کے ہدایت اور رحمت ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ ہماری خامیوں اور ان کی اصلاح کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن نے کہا: قرآن تمہاری بیماری اور دوا، دونوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے، رسی تمہاری بیماری تو وہ تمہارے گناہ ہیں اور رسی تمہاری دوا تو وہ استغفار ہے۔ (شعب الایمان ج ۵ ص ۳۷۷ رقم الحدیث ۱۳۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہاری بیماری اور دوا پر رہنمائی نہ کروں؟ تمہاری بیماری بیماری گناہ ہیں اور تمہاری دوا استغفار ہے۔

(شعب الایمان ج ۵ ص ۳۷۸ رقم الحدیث ۱۳۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت)

توحید کے مراتب

سب سے بڑا گناہ شرک ہے اور اس کا تدارک اور علاج توحید ہے اور توحید کے کئی مراتب ہیں 'توحید الافعال' توحید الصفات اور توحید الذات۔

توحید الافعال کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے:

وَعَنِ اللَّهِ فَلَيْسَ يَكُنِ الشُّشُكُونَ (ابراہیم: ۳۰)

اور توکل کرنے والے اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں۔
توکل توحید الافعال کا نتیجہ ہے، کیونکہ توکل کا معنی ہے: اپنے تمام معاملات کو اپنے مالک کے سپرد کر دینا اور پھر اسی پر اطمینان کرنا۔

اور توحید الصفات کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ النَّظِيفَةُ ادْخِجِي إِلَىٰ مَوْلَانِي

اے نفس مطہرہ! اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی ہو (انجر: ۲۸-۲۷)

کیونکہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ اور صفت قضاء و قدر پر راضی ہوتا ہے تو اس کے اوپر جو مصائب اور آلام آتے ہیں وہ ان کی شکایت نہیں کرتا اور وہ صرف یہ سوچ کر خوش اور راضی رہتا ہے کہ اس کے مالک اور مولیٰ کی طرف سے اس پر جو اعمال بھی طاری کیا جائے وہ اس کا کرم ہے اور اس کا لطف ہے اور تقدیر کے نافذ ہونے سے وہ خوش و مطمئن اور راضی ہوتا ہے اور یہ مرتبہ توحید الصفات کا ثمرہ ہے۔

اور توحید الذات کی طرف اشارہ ان آیتوں میں ہے:

كُلُّ شَيْءٍ عَالِمٌ إِلَّا ذَوِّجَهَّةٍ (القصص: ۸۸)

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز پاک ہونے والی ہے۔
زمین پر جو بھی ہیں وہ سب فنا ہونے والے ہیں صرف

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (الزمر: ۲۷-۲۶)

آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور اکرام والی ہے
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توحید کے ان تینوں مراتب پر ایمان عطا فرمائے۔

الحاجہ: ۲۱ میں فرمایا: ”جن لوگوں نے (برسر عام) گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے یہ کیسا بڑا فیصلہ کر رہے ہیں O“

جرح اور اجزاج کا معنی

اس آیت میں ”اجزاج“ کا لفظ ہے اس کا مادہ جرح ہے جرح کا معنی ہے: زخمی کرنا، کمانا اور کب کرنا علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی صفحہ ۵۰۲ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجرح کا معنی ہے: کمال میں بیماری کا اثر ظاہر ہونا اور زخم ”جرحہ“ کا معنی ہے: اس کو زخمی کیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَالْجُودُ مَقْصَاصٌ (المائدہ: ۴۵)

اور زخموں میں بدلہ ہے۔

شکاری کتوں کو پھیتوں کو اور چرنے پھاڑنے والے پرندوں کو جوارحہ کہا جاتا ہے اور اس کی جمع جوارح ہے کیونکہ جانور دوسروں کو زخمی کرتے ہیں یا کب کرتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

وَمَا عَلَيْكَ فِئْتَانٍ يَنَادِيَانِ اِحْيَا هَذَا فَانْهَارَ وَمَا لَهُمْ لَكَ بِشَيْءٍ اَصْحَابُ الْمَوَدَّةِ (المائدہ: ۴)

اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھالیا اس حال میں کہ تم ان کو شکار کرنا سکھانے والے ہو۔

انسان کے کب کرنے والے اعضاء کو جوارح کہا جاتا ہے اور ان کو ان شکاری جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اور الاجزاج کا معنی ہے: گناہ کا کب کرنا یا گناہ کمانا، قرآن مجید میں ہے:

اَنَّمْ صَبَّ الْاِثْمَانِ اِجْتِرَاحًا (النحل: ۲۱)

کیا جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں انہوں نے گمان کیا ہے۔

(الحاجہ: ۲۱)

(المعارف ج ۱، ص ۱۱۸۔ حاشیہ زیر معنی: ”کہ کرنا“ ص ۱۳۱۸)

کفار کی زندگی اور موت کا مسلمانوں کے برابر نہ ہونا

سینات سے مراد کفر اور گناہ کبیرہ ہیں یعنی کیا کفار اور فاسق نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کے برابر کر دیں گے اور ان کو وہی اجر و ثواب اور عزت اور مرتبہ دیں گے جو مؤمنین اور صالحین کو دیں گے اور ان کی زندگی اور موت مؤمنین اور صالحین کی زندگی اور موت کی مثل ہوگی برگر نہیں یہ دونوں فریق برابر نہیں ہیں کیونکہ مؤمنین اور صالحین کو زندگی اور موت میں ایمان اور طاعت کا شرف حاصل ہوتا ہے اور موت کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی رضا میں ہوتے ہیں۔ ان کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتے بہت حسین و جمیل صورتوں میں آتے ہیں اور بہت آسانی سے ان کی روح قبض کرتے ہیں جیسے گندھے ہوئے آنے سے بال نکالا جاتا ہے اور کافر کی روح قبض کرنے کے لیے بہت ڈراؤنی شکل میں فرشتے آتے ہیں اور بہت بخبی کے ساتھ اس کی روح نکالتے ہیں جیسے کچڑ اور گارے میں پھنسی ہوئی کانٹوں کی شاخ کو نکالا جاتا ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی شخص پر موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں پس اگر وہ شخص نیک ہو تو فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اے پاکیزہ روح! تو پاکیزہ جسم میں تھی تو تعریف اور تحسین کیے جانے کی حالت میں نکل آئے تجھے خوشی اور راحت کی بشارت ہو اور رب کے ناراض نہ ہونے کی خوشی ہو اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ اس کی روح نکل آئے گی۔ پھر اس کو آسمان کی طرف اوپر لے جایا جائے گا اور اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھول دیا جائے گا پھر کہا جائے گا: یہ کون ہے؟ فرشتے کہیں گے: یہ فلاں شخص ہے تو کہا جائے گا کہ پاکیزہ روح کو خوش آمدید ہو یہ پاکیزہ جسم

میں تھی تو تعریف و تحسین کے ساتھ داخل ہوا اور راحت کی بشارت کو قبول کر اور رب کے ہمارے نہ ہونے کو اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ وہ اس آسمان میں پہنچ جائے گی جس میں اللہ سبحانہ ہے اور جب فرشتے کسی قاجری روح قبض کرنے کے لیے جائیں تو اس سے کہتے ہیں: اے غیث روح! تو غیث جسم میں تھی تو اس حال میں نکل کر تیری خدمت کی جاری ہے تیرے لیے گرم پانی اور پپ (کے پینے) اور اسی طرح کے اور غذاؤں کی بشارت ہے اس سے یونہی کہا جاتا رہے گا حتیٰ کہ وہ روح نکل آئے گی پھر اس کو اوپر آسمان کی طرف لے جایا جائے گا پھر اس کے حلق پوچھا جائے گا: یہ کون ہے؟ تو بتایا جائے گا کہ یہ فلاں شخص ہے تو کہا جائے گا: یہ غیث روح جو غیث جسم میں تھی اس کو خوش آدینہ نہ ہو تو مذموم ہونے کے حال میں واپس جا تیرے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے پھر اس کو آسمان سے بھیج دیا جائے گا اور وہ قبر میں چلی جائے گی۔

(سنن ابن ماجہ رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۶۳ مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مومن کی روح نکلتی ہے اور انہوں نے اس کی خوشبو کا ذکر کیا تو وہ فرشتے اس روح کو اوپر لے جاتے ہیں اور آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح زمین کی جانب سے آئی ہے۔ پھر اللہ کی رحمت ہو اور جس جسم میں تو تھی اس پر بھی اللہ کی رحمت ہو پھر اس روح کو اس کے رب کے پاس لے جایا جائے گا پھر اللہ فرمائے گا: اس روح کو اس کی آخری میعاد تک لے جاؤ اور جب کافر کی روح نکلتی ہے پھر حضرت ابو ہریرہ نے اس کی بدبو اور لعنت کا ذکر کیا اور آسمان والے کہتے ہیں کہ یہ غیث روح زمین کی جانب سے آئی ہے پھر کہا جائے گا: اس کو اس کی آخری میعاد تک لے جاؤ۔ (صحیح مسلم رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۸۴)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح شکر سے پانی کے قطرے نکلتے ہیں اور کافر کی روح اس کے جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح لوہے کی سلاخ پھینکے ہوئے اون سے نکلتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رحمہ اللہ ج ۲ ص ۵۳ مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حج کعبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: (کامیاب) زندگی وہ ہے جو تمہاری زندگی ہے اور (کامیاب) موت وہ ہے جو تمہاری موت ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الجہاد باب الحج کذا رحمہ اللہ ج ۲ ص ۸۰۰ رقم الجامع ج ۱ ص ۱۷۸)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مومن صالح کی زندگی اور موت میں اور کافر اور قاجری زندگی میں بہت بڑا فرق ہے اور دونوں کی زندگی اور موت میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ ہرگز ایک دوسرے کے مساوی نہیں ہیں۔

کفار قریش یہ کہتے تھے کہ ہم دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ اچھے حال میں ہیں ہمارے پاس مال و دولت ہے ہمارے ماتحت زیادہ اور ہمارے پاس زیادہ شوکت اور طاقت ہے اور جو دنیا میں زیادہ خوش حال اور طاقت ور ہو وہی آخرت میں بھی خوش حال اور طاقت ور ہوگا لہذا اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ان کی آخرت اچھی ہوگی تو ہماری آخرت بھی اچھی ہوگی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا رد فرمایا کہ جن لوگوں نے (برسر عام) گناہ کیے ہیں کیا انہوں نے یہ یگانہ کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے یہ کیسا نہ افیصلہ کر رہے ہیں اس کے علاوہ اس مضمون کی حسب ذیل آیات ہیں:

بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور مومنوں کی دنیا کی زندگی

إِنَّا لَنَنْصُرَنَّ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

میں بھی مدد کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے

فَتَوْمَرُ بِكُمْ وَالْأَشْهَادُ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ سَمْعًا وَبَصَرًا

وَلَهُمْ فِيهَا مَنَازِلُ مُتَقَرَّبِينَ إِلَىٰ آلِهِ (المؤمن: ۵۷)

کھڑے ہوں گے ○ جس دن عالموں کو ان کی معذرت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ان کے لیے لعنت ہی ہوگی اور ان کے لیے نہ اکھر ہوگا

ہوگا

أَفَقُلِ الْمُسْلِمِينَ أَتَعْذِرُونَ لَهُمْ مَا كَفَرُوا بِهِ

فَقُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ لَكُمْ دُلَالَةٌ

کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے ○ جنہیں

کیا ہوا تم کیا فیصلہ کر رہے ہو ○

أَمْ لَكُمْ آلِهَةٌ مِثْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

فِي الْأَرْضِ أَمْ لَكُمْ إِلَهٌ مِّثْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ

کیا ہم ایمان والوں کو اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کے

برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد کرتے رہے ہیں یا ہم متعین کو فجار

کے برابر کر دیں گے ○

وَلَقَدْ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلَئِنْ لَّيَكْفُرُوا عَنْهُ

أَن يَخْلُقَ لَهُمْ سَبْعًا مِّثْلَهُنَّ لَيَزِيدَنَّ اللَّهُ هُمْ وَأَمْثَلُهُمْ ثَمَرًا

بِمَا كَسَبَتْ وَأَمْثَلُهُمْ لَئِنْ رَجَعُوا إِلَى اللَّهِ يَرْجِعُوهُمْ إِلَىٰ

أَوَّلِهِمْ وَأَبْدَأَهُمْ خَلْقًا أُخْرَىٰ وَإِنَّ الْآخِرَ لَكَانَ خَيْرًا

مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

وَالْبَحْرَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا يَسْتَعْجِلُ بِكَرْبِهِمْ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا يَسْتَعْجِلُ

بِكَرْبِهِمْ ﴿۱۰۳﴾ وَلَقَدْ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي

سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا يَسْتَعْجِلُ بِكَرْبِهِمْ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ خَلَقَ

اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا يَسْتَعْجِلُ

بِكَرْبِهِمْ ﴿۱۰۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي

سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا يَسْتَعْجِلُ بِكَرْبِهِمْ ﴿۱۰۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقَ

اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا يَسْتَعْجِلُ

بِكَرْبِهِمْ ﴿۱۰۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي

سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا يَسْتَعْجِلُ بِكَرْبِهِمْ ﴿۱۰۸﴾ وَلَقَدْ خَلَقَ

إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتُوا بِآيَاتِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾ قُلْ إِنَّ اللَّهَ

یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے آؤ O آپ کہیے کہ اللہ ہی تم

يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَكِنَّ

کو زندہ کرتا ہے پھر (وہی) تم پر موت لائے گا پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا جس (کے وقوع)

أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾

میں کوئی شک نہیں ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کام کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے O پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اس کو ظلم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے تو کیا تم صحت قبول نہیں کرتے O (الہامیہ ۲۲: ۴۳)

اللہ سبحانہ کا کفار اور فجار کو عذاب دینا اس کا ظلم نہیں عدل ہے

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور عارفین کو کائنات کے ذرہ ذرہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی آیات اور تجلیات نظر آتی ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے کی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل اور اس کی صفت رحم کا اظہار ہو کفار کو جو اللہ سبحانہ ان کے گناہوں کی سزا دے گا یہ اس کا عدل ہے اور مومنین کو جو اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا یہ اس کا فضل ہے اس لیے فرمایا: "اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کام کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

بعض بے دین اور دہریے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم کو پیدا کیا اور اس کو کمزور اور مظلوم پر مسلط کر دیا پھر کئی مرتبہ وہ ظالم سے مظلوم کا انتقام نہیں لیتا اور یہ اللہ کا ظلم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے یہ اس کا ظلم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَسْتَنْتَفِعُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾

اللہ سے اس کے فعل کا سوال نہیں کیا جائے گا اور لوگوں سے اللہ سے اس کا سوال کیا جائے گا O (الہامیہ ۲۳: ۴۳)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بظاہر بھی ظلم نہیں ہے ظلم اس وقت ہوتا جب اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہوتا اللہ تعالیٰ اس جہان کے بعد ایک اور جہان پیدا فرمائے گا جہاں ظالم کو اس کے ظلم کرنے پر سزا دی جائے گی اور مظلوم کو اس کے ظلم سنبھلنے پر جزا دی جائے گی اور دنیا میں اللہ تعالیٰ ظالم پر گرفت نہیں فرماتا بلکہ اس کو ذلیل و خوار پتا ہے تاکہ اس کو رجوع کرنے کا موقع ملے لیکن جب وہ اپنے مظالم کا تدارک نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس پر سخت گرفت فرماتا ہے اور مظلوم کو دنیا میں جزا نہیں دیتا تاکہ وہ اپنی مظلومیت پر مسلسل صبر کرتا رہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی ایک نعمت ہے اور اس کے افعال کی بے شمار نعمتیں ہوتی ہیں اور ہم ناقص اور ناتمام علم والے اس عظیم و حکیم کے ہم اور حکمتوں کو مکمل طور سے کب جان سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنی خواہشوں پر عمل کرنا اپنی خواہشوں کی عبادت کرنا ہے

الحاشیہ: ۲۳ میں فرمایا: ”پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا۔“ (الایۃ)

کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا دل کسی کام کرنے کو چاہتا ہے اور ہم کو علم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس کام سے منع کیا ہے اور وہ اس سے ناراض ہوتا ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود اس کام کو کرتے ہیں اور اپنی خواہش پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہیں کرتے ”سو بتائیں کہ ان مواقع پر ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں یا اپنی خواہش کی اتباع اور اپنے نفس کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں“ اگر ہم اپنے دن اور رات کے تمام کاموں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے دن اور رات میں کم سر جھکا رہے ہیں اور اپنی خواہش کے سامنے زیادہ سر جھکاتے ہیں۔ اسی طرح کوئی شخص اپنی خواہش سے حضرت یحییٰ یا حضرت عزیر کی عبادت کرتا ہے، کوئی رام اور کرشن کی عبادت کرتا ہے، کوئی لات اور منات کی عبادت کرتا ہے، کوئی ستاروں کی عبادت کرتا ہے، کوئی آگ اور پتیل کی عبادت کرتا ہے یہ سب اپنی خواہش کے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہیں اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔

بعض ہندوؤں کو رسول بنانے اور بعض کو گمراہ بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: ”اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔“

اللہ تعالیٰ کسی پر علم نہیں کرتا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے نفس کی اطاعت کی اور اپنی خواہش کے آگے سر جھکایا حالانکہ اس کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے راضی نہیں ہے اور اس نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے اس کے باوجود اس نے اپنے علم کے تقاضے پر عمل نہیں کیا اور اس نے علم کے باوجود ہم راہی کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ہم راہی کو پیدا کر دیا اور اس معنی کو اللہ تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا: ”اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔“

اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق علم تھا کہ اس کی روح کا جو ہر نیکی اور پرہیزگاری کو قبول نہیں کرے گا اور جب اس کو اختیار دیا جائے گا تو وہ ہدایت کے مقابلہ میں ہم راہی کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کر دیا اور جس کے متعلق اللہ کو علم تھا کہ اس کی روح کا جو ہر نیکی کو اور تقویٰ اور طہارت کو قبول کرے گا وہ نہ صرف نیک ہوگا بلکہ دوسروں کو نیک بنائے گا اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کے راستے میں ہر قسم کی مشقت اور صعوبت کو برداشت کرے گا اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کو مقدر کر دیا۔

اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔ (الانعام: ۱۲۳)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ ارواح بشریہ کے جوہر مختلف ہوتے ہیں ان میں سے بعض مشرق نورانیہ علویہ الہیہ ہوتے ہیں جن کا اللہ کی ذات و صفات کی طرف میلان ہوتا ہے اور بعض میلے سفلیہ ہوتے ہیں جن کا جسمانی شہوتوں کی طرف بہت زیادہ میلان ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے جوہر ذات کے اعتبار سے اور اس کی حقیقت اور اس کی صلاحیت کے اعتبار سے اس کے متعلق ارشاد فرمایا: ”پس مردودین کے متعلق فرمایا:

اور اس کو اللہ نے علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔

وَأَلْهَمَهُ اللَّهُ مَضَلًّا (الہاشیہ: ۲۳)

اور متبیلین کے متعلق فرمایا:

ہیں اور اس کو سننے کے حلق میں ڈالت (بہرہ)

پن ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار نے کہا: ہم آپ کے پیغام کے حلق سوچتے نہیں آپ کا کلام سننے نہیں اور آپ کو دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ نے الجاثیہ: ۳۳ میں فرمایا: اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا اور اس طرح یہ بتایا کہ واقعہ یہ نہیں ہے کہ تم ان کو سننے نہیں ہو اور ان کو دیکھتے نہیں ہو بلکہ ہم تمہیں ان کا کلام سناتے نہیں اور ان کا جمال دکھاتے نہیں۔

اس آیت کی ایک اور توجیہ اس طرح ہے کہ جب کوئی چیز اپنے مقصد اور غرض و غایت سے خالی ہو تو سوچا کہ وہ چیز نہیں ہے سو اللہ تعالیٰ نے کان اس لیے دیئے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو آپ سے بہ غور سنیں دل اس لیے دیا تھا کہ آپ کے پیغام کو دل سے قبول کریں اور آنکھیں اس لیے دی تھیں کہ آپ کے حسن و جمال کو محبت سے دیکھیں اور جب انہوں نے آپ کے پیغام کو بہ غور نہیں سنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”صُفِّرْ“ (البقرہ: ۱۸) یہ بہرے ہیں اور جب زبان سے آپ کا کلمہ نہیں پڑھا تو فرمایا: ”بُکِّفُوا“ (البقرہ: ۱۸) یہ گوشتے ہیں اور جب آپ کو محبت کی آنکھ سے نہیں دیکھا تو فرمایا: ”غُشِّيْ“ (البقرہ: ۱۸) یہ اندھے ہیں اور جب انہوں نے آپ کے پیغام کو دل سے قبول نہیں کیا تو فرمایا: ”خُتِّمْنَا لَكَ عَلَى قُلُوبِهِمْ“ (البقرہ: ۷) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ حاصل یہ ہے کہ آنکھیں اس کی ہیں جو محبت سے آپ کو دیکھے کان اس کے ہیں جو محبت سے آپ کی باتیں سنیں اور زبان اس کی ہے جو محبت سے آپ کا کلمہ پڑھے۔

سورۃ البقرہ اور سورۃ الجاثیہ دونوں میں کانوں اور دلوں پر مہر لگانے کے الگ الگ محال

اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے کانوں اور دلوں پر مہر اور ان کی آنکھوں پر پردے کا ذکر سورۃ البقرہ: ۷ میں بھی کیا ہے اور یہاں الجاثیہ: ۲۳ میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے اب ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان دلوں و آنکھوں میں کیا فرق ہے۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

خُتِّمْنَا لِلَّهِ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعُتِيَ
أَبْصَارُهُمْ غُشِّيَتْ لَهُمْ (البقرہ: ۷)

اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

اور یہاں فرمایا:

وَحُتِّمْنَا عَلَى سَمْعِهِمْ وَقَلْبِهِمْ وَبَصَرَهُمْ غُشِّيَتْ لَهُمْ (الجاثیہ: ۲۳)

آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔

سورۃ الجاثیہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے کان کا ذکر فرمایا ہے اور پھر دل کا ذکر فرمایا ہے اور سورۃ البقرہ میں پہلے دل کا ذکر فرمایا ہے اور پھر کان کا ذکر فرمایا ہے اور دل کے مددکات میں فرق یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان پہلے ایک کلام کو سنتا ہے پھر اس کا دل میں اثر ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں پہلے سے کسی کے خلاف بغض اور حسد ہوتا ہے تو جب وہ اس کا کلام سنتا ہے تو اس بغض کی بناء پر بے توجہی سے سنتا ہے اور کبھی صورت میں اس کے ظاہری اعضاء کا اثر دل پر ہوتا ہے اور دوسری صورت میں اس کے دل کا اثر اس کے ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے سورۃ الجاثیہ میں پہلے کان کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد دل کا جتنی کان سے سننے کا اثر دل پر ہوتا ہے کفار مکہ لوگوں سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہتے تھے کہ یہ کان اور شاعر ہیں اور انہوں نے ملک اور اقتدار کے حصول کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا ہے پس جب نادانانہ لوگ کفار مکہ سے یہ باتیں سننے تو ان کے دلوں پر اثر ہوتا تو ان کے دلوں میں آپ کے خلاف غم و غصہ پیدا ہوتا اور وہ آپ سے منتشر ہو جاتے اور یہ کانوں

سے دل کے متاثر ہونے کی صورت ہے اور اس پر سورۃ المائدہ محمول ہے اور دل کا اثر کانوں پر ہونے کا سورۃ البقرہ میں ذکر ہے کیونکہ جب دل میں کسی کے خلاف بغض اور حسد ہو تو وہ اس کی بات سنتا ہی نہیں یا بے دلی اور بے توجہی سے سنتا ہے اور اس کی طرف سورۃ البقرہ میں اشارہ ہے اس لیے وہاں پہلے دلوں کا ذکر فرمایا اور پھر کانوں کا۔
جو اللہ رسول اور ائمہ کو ہادی نہیں مانے گا وہ شیطان کا تابع ہوگا

اس کے بعد فرمایا: ”پس اللہ کے بعد اس کو کون دہایت دے سکتا ہے تو کیا تم صیحت قبول نہیں کرتے؟“
 یعنی جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی سرکشی ان کے عقائد اور ان کی ہمت دھری کی بناء پر ان کو اندھا بہر اور گنگنا دیا اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے تو اب ان کو دہایت دینے پر کون قادر ہو سکتا ہے؟ پس تم کو یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دہایت دینے پر قادر نہیں ہے تو اب تم کیوں صیحت کو قبول نہیں کرتے۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو شخص عقل کو روک رہا مانا ہے اور قرآن اور حدیث کو روک رہا نہیں مانتا اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتا اور اپنے زمانہ کے اعلیٰ فتویٰ علماء کو جتہ تسلیم نہیں کرتا اور قانون شریعت کا قلاوہ اپنے گلے میں نہیں ڈالتا اور اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے اور دہریوں اور بے دینوں کے افکار کا تابع ہے ان کے عقلی شبہات کو براہین قاطعہ سمجھتا ہے اور شیطان کے چال میں پھنسا ہوا ہے وہ ہر قسم کی مگرابی میں بھٹکا ہوا ہے اور اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور انہوں نے کہا: ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے (اور واقعہ یہ ہے کہ) انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ محض گمان کر رہے ہیں اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی جوابی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے آؤ! آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر (وہی) تم پر موت لائے گا پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا جس (کے وقوع) میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (الغائہ ۲۶-۲۷)

کفار کے نقل کردہ قول پر ایک اعتراض کا جواب

ان آیتوں میں اللہ سبحانہ نے کفار کہہ کے قیامت اور مشر و شر کے متعلق شبہات کو زائل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کہہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور جیتے ہیں اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان پر واجب تھا کہ وہ یوں کہتے کہ ہم اسی دنیا میں جیتے اور مرتے ہیں کیونکہ دنیا میں حیات پہلے ہے اور پھر اس کے بعد موت آتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے نقل کیے ہوئے قول میں پہلے موت ہے اور اس کے بعد زندگی کا ذکر ہے۔ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

- (۱) اس قول میں جس موت کا پہلے ذکر کیا ہے اس سے مراد وہ نطفہ ہے جو ان کے آب و امی پشت میں تھا اور وہ نسوانی بیضہ ہے جو ان کی ماؤں کے رحم میں ہوتا ہے ہر چند کہ نطفہ اور بیضہ میں زندہ جڑوٹے ہوتے ہیں لیکن ظاہری صورت میں وہ پانی غیر متحرک اور مردہ ہوتا ہے اس لیے ظاہری طور پر اس کو موت سے تعبیر فرمایا۔
- (۲) ان کے قول کی توجہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں مرتے ہیں پھر ہماری اولاد زندہ رہتی ہے۔
- (۳) ان کا مطلب یہ تھا کہ بعض لوگ مر جاتے ہیں اور بعض لوگ زندہ رہتے ہیں۔
- (۴) موت سے ان کی مراد یہ تھی جو لوگ مر چکے ہیں اور حیات سے ان کی مراد ان لوگوں کی حیات تھی جو ابھی زندہ ہیں اور ان

پر بعد میں موت آئے گی۔
 دہر کا لغوی اور عربی معنی

انہوں نے کہا: ہمیں صرف دہر (زمانہ) ہلاک کرتا ہے اس قول میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا انکار کیا اور اس طرح انہوں نے پہلے قول میں قیامت اور حشر و نشر کا انکار کیا تھا اور اب اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا انکار کیا ان کا کہنا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اشیاء کے طبعی خواص سے ہو رہا ہے یا ہلاک کی حرکات سے ہو رہا ہے۔ اس آیت میں چونکہ دہر کا ذکر آگیا ہے اس لیے ہم دہر کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ دہر کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 اصل میں دہر کا معنی ہے: اس جہاں کے وجود میں آنے سے لے کر اس کے اختتام تک کی مدت اسی اعتبار سے قرآن مجید میں ہے:

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّا كُنُوزًا (المدثر)
 بے شک انسان پر زمانہ کا ایک وقت ایسا گزرا ہے جب وہ کوئی قائل نہ کر چکا ہو

پھر استعمال میں ہر مدت کثیرہ کو دہر کہا جاتا ہے اس کے برخلاف زمانہ کا اطلاق لکھل اور کثیر دونوں مدتوں پر ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا دہر اس سے مراد اس شخص کی حیات ہوتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمانہ نے فلاں شخص پر مصائب نازل کر دیئے۔ (المفردات ج ۳ ص ۲۳۰ مکتبہ دار المعرفۃ، مکتبہ کربلا ۱۳۸۸ھ)

علامہ محمد الدین السہارک بن محمد ابن الامیر الخیر جری التونی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
 اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ دہر کی مذمت کرتے ہیں اور مصائب اور حوادث کی زمانہ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور طویل زمانہ کو دہر کہتے ہیں اور دنیا کی کل زندگی کو بھی دہر کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کو بُرا کہنے اور اس کو سب و شتم کرنے سے منع فرمایا ہے یعنی ان حوادث اور مصائب کے قائل کو بُرا نہ کہو کیونکہ جب تم مصائب کے قائل اور خالق کو برا کہو گے تو تمہارا یہ سب و شتم اللہ پر واقع ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے ارادہ کے موافق ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے نہ کہ دہر اور تمام حوادث کو لانے والا اللہ بجلالت ہے نہ کہ اس کا کوئی غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے اس عقیدہ کا رد فرمایا ہے کہ مصائب اور حوادث کو لانے والا دہر ہے۔ (انہاء ج ۳ ص ۱۳۳-۱۳۴ دار المکتب اہل بیت ۱۴۲۹ھ)

دہر کے متعلق احادیث

دہر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اہلن آدم کو دہر کو برا کہتا ہے اور میں (خالق) کو دہر ہوں میرے ہی ہاتھ میں رات اور دن کی گردش ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۸۸۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳۶، سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۱۳۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ اہلن آدم کو دہر کو برا کہہ کر مجھے اذیت پہنچاتا ہے میں (خالق) کو دہر ہوں رات اور دن کو گردش دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۸۸۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۳۶، سنن ابی نعیم رقم الحدیث: ۱۱۳۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب

انہی آدم کہتا ہے: اے دہر کی ناکامی! تو وہ مجھے اذیت پہنچاتا ہے کہذا تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: اے دہر کی ناکامی! نامرادی! پس بے شک میں (خالق) کو ہر ہوں میں ہی رات اور دن کو گردش میں رکھتا ہوں اور میں جب چاہوں گا تو ان کو قبض لوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷۶)

کلمات حدیث کی تشریح

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: انہی آدم مجھے اذیت پہنچاتا ہے اس پر یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اذیت پہنچانا محال ہے مگر اللہ تعالیٰ کو کون اذیت پہنچا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے یعنی انہی آدم میرے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جو ایک اذیت پہنچانے والا کسی شخص کے ساتھ کرتا ہے۔

احادیث میں ہے کہ میں دہر ہوں اس کا معنی ہم نے کیا ہے کہ میں خالق دہر ہوں کیونکہ دہر یعنی زمانہ تو ہر لمحہ اور ہر پہل جاتا اور آتا رہتا ہے اور زائل اور مستقبل ہے جب کہ اللہ تعالیٰ باقی اور لا قاتی اور لا زوال ہے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ ان احادیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ جب ان پر حوادث نوازل اور مصائب نازل ہوتے مثلاً کسی کا مال ضائع ہو جاتا یا وہ بوڑھا ہو جاتا یا مر جاتا تو وہ کہتے تھے کہ دہر نے ایسا کر دیا۔ اور دشمنی میں بھی مظالم اور مصائب کا اسناد زمانہ آسمان اور فلک کی طرف کیا جاتا ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دہر کو نہ اند کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دہر ہے یعنی خالق دہر ہے پس تم مصائب کے خالق کو نہ اند کہو کیونکہ جب تم اس کو نہ اند کہو گے تو یہ نہ انہی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان مصائب کو نازل کرنے والا ہے۔ رہا دہر تو وہ زمانہ ہے اس کی مصائب کو نازل کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔

کفار اور دہر پر بے بلا دلیل اللہ سبحانہ کا انکار کرتے ہیں

اس کے بعد فرمایا: ”(اور واقعہ یہ ہے کہ) انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ محض گمان کر رہے ہیں“

یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس کی توحید قیامت اور حشر و نشر کا انکار کر رہے ہیں اور حوادث اور نوازل کا اسناد دہر اور زمانہ کی طرف کر رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں یہ محض شکوک و شبہات میں جکڑا ہیں اور اسی بنیاد پر اپنے عقائد کی تعمیر کر رہے ہیں اس کے برخلاف مسلمانوں کے عقائد دلائل قطعیہ اور نصوص صریحہ پر مبنی ہیں۔ وہ قیامت حشر و نشر اور جنت اور دوزخ کو مانتے ہیں اور یہی انبیاء علیہم السلام اور جمیع مومنین کے عقائد ہیں اور جس کے یہ عقائد ہوں گے وہ نجات پالے گا اور جس کے عقائد اس کے خلاف ہوں گے وہ ہلاک ہو جائے گا اور ان عقائد کے لوازم سے یہ ہے کہ توحید پر ایمان لایا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ جو چیز بھی کائنات میں حادث ہوتی ہے اس کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی ہر چیز میں موثر ہے اسی لیے دہر کو نہ کہنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور تمام تصرفات اسی کی طرف راجع ہیں۔

حشر و نشر کے انکار پر کفار کی حجت کا جواب

الحاشیہ: ۲۵ میں فرمایا: ”اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی جوابی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم بھو تو ہمارے (مرے ہوئے) باپ دادا کو لے آؤ“

جو لوگ قیامت اور حشر و نشر کے منکر ہیں جب ان کے سامنے وہ واضح آیات پڑھی جاتی ہیں جن میں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کا ذکر فرمایا ہے مثلاً:

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ كَثِيرٌ (نہیں: ۷۹)

ایک کافر نے کہا: ان اگلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ آپ کہیں: ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر پہلے انکس کو خوب جاننے والا ہے۔

بے شک جس ذات نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا ہے وہی ضرور مردوں کو زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (نہیں: ۷۹)

ان آیات کے جواب میں کفار صرف یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو لے آؤ اس کو ان کی جنت فرمایا، حالانکہ ان کے اس قول میں یقینی دلیل نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان کی یہی جنت تھی یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی جو کچھ بھی جنت تھی وہ یہی تھی اور یہ ان کا نہایت ضعیف شبہ ہے کیونکہ جو چیز ابھی تک حاصل نہیں ہوئی ہے اس کے لیے یہ کب لازم ہے کہ وہ آئندہ بھی حاصل نہیں ہوگی تو اگر ابھی تک ان کے مرے ہوئے باپ دادا زندہ نہیں ہوئے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ آخرت میں بھی نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی توحید قیامت اور حشر و نشر پر دلیل

الہامیہ: ۲۶ میں فرمایا: ”آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر وہی تم پر موت لائے گا پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا جس (کے وقوع) میں کوئی شک نہیں ہے۔“

یہ کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ ہماری تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے ہم (اسی دنیا میں) مرتے اور بچتے ہیں اور ہمیں صرف دہر ہلاک کرتا ہے۔ (الہامیہ: ۲۳) پس اس قول کا قائل دہر یہ ہے اور وہ اللہ سبحانہ اور قیامت کا منکر ہے اب اعتراض یہ ہے کہ دہر یہ کے اس اعتراض کا جواب اس آیت سے کہیے ہوگا کہ اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر وہی تم پر موت لائے گا پھر قیامت کے دن تم سب کو جمع فرمائے گا۔ (الہامیہ: ۲۶) دہر یہ تو ان سب چیزوں کو مانتا ہی نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر قرآن مجید کی متعدد آیات میں دلائل دیئے ہیں اس کائنات کی تخلیق سے آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں سے حیوان اور انسان کی پیدائش سے اپنے وجود اور اپنی توحید پر ہر بار بار استدلال فرمایا ہے کہ انسان کے جسم میں متعدد اعضاء ہیں ان کی مقدار اور ان کی شکل و صورت ایک دوسرے سے مختلف ہے حالانکہ جسم ہونے اور جسم انسان کے اجزاء ہونے میں سب مساوی ہیں پس ضروری ہے کہ اس مخصوص شکل اور مقدار کو عدم سے وجود میں لانے کے لیے کوئی مرتج ہو اور وہ مرتج ممکن نہیں ہوگا ورنہ اس کے لیے پھر کوئی مرتج ضروری ہوگا اور اس سے تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل باطل ہے پس ضروری ہوا کہ انسان کے اعضاء کی مخصوص مقدار اور مخصوص شکل کا مرتج واجب ہو اور تعدد و جہاں محال ہے پس وہ مرتج واجب اور قدیم ہوگا اور واجب ہوگا اور جو مرتج واجب قدیم اور واحد ہے وہی اللہ ہے تو واضح ہو گیا کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جب ثابت ہو گیا کہ سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور جو پہلی بار سب چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ دوبارہ بھی سب چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے پس قیامت اور حشر کا ثبوت فراہم ہو گیا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِنٰنَ

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست

يَخْصِرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٦﴾ وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ

سخت خسارے میں ہوں گے اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت (اس دن) گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی ہر جماعت کو

إِلَىٰ كِتَابِهَا ط الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ هَذَا كِتَابُنَا يَنْطُوقُ

اس کے صحیفہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا (ان سے کہا جائے گا) آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے یہ

عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ط إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ

ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہے ہیں جو کچھ بھی کرتے تھے ہم (اس کو) لکھتے رہے تھے یہ جو لوگ

أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ط ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرما لے گا یہی واضح

الْبُسْبُنُ ﴿٢٩﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَعَلَمَ تُكْنُ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

کامیابی ہے یہ اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) کیا تمہارے سامنے میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں

فَأَسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنتُمْ قَوْمًا مُّفْرِمِينَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ

پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھے یہ اور جب (تم سے) کہا جاتا کہ بے شک اللہ کا وعدہ

حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِنْ

برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے ہم محض

نُظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ وَبَدَّ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا

گمان کرتے تھے اور ہم یقین کرنے والے نہ تھے یہ اور ان کے تمام کاموں کی بُرائیاں

عَمِلُوا وَحَاقَّ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٢﴾ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسُكُمُ

ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا اور (ان سے) کہا جائے گا: آج ہم

كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَا إِلَهُكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ

تمہیں اسی طرح فراموشی کر دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا لہکاؤ دوزخ ہے اور تمہارا

تَصْرِيفٌ ۝ ذَلِكُمْ بِأَنكُمُ اتَّخَذْتُمُ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ

کوئی مددگار نہیں ہے ۝ یہ (۱۷) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَاَلْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْعَتُونَ ۝

میں ڈال رکھا تھا پس آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی رضا جوئی طلب کی جائے گی ۝

فَإِنَّ اللَّهَ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو تمام آسمانوں کا رب ہے اور تمام زمینوں کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے ۝

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے اور وہی بہت غالب ہے حد حکمت والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی حکومت ہے اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس دن باطل پرست سخت خسارے میں ہوں گے ۝ اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت اس دن گھنٹوں کے بل گری ہوئی ہوگی ہر جماعت کو اس کے صحیفہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا (ان سے کہا جائے گا): آج تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے ۝ یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے متعلق حق بیان کر رہا ہے تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم (اس کو) لکھتے رہتے تھے ۝ (الحاشیہ: ۲۷-۲۸) کفار کا خسارہ

اس سے پہلے آجوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ جب وہ پہلی بار زندہ کرنے پر قادر ہے تو دوسری بار بھی زندہ کرنے پر قادر ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حشر و نشر قائم کرنے پر اس سے بھی عام دلیل کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں پر اس کی حکومت ہے وہ ان سب چیزوں کو بنائے پر بھی قادر ہے اور فنا کرنے پر بھی قادر ہے اور پھر دوبارہ بنانے پر بھی قادر ہے کیونکہ جب اس کی ان سب چیزوں پر حکومت ہے تو وہ ان پر ہر طرح کا تصرف کرنے پر قادر ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ اس دن باطل پرست سخت خسارے میں ہوں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی تجارت میں فائدہ جب ہوتا ہے جب انسان کی اصل پونجی اور اصل زر بھی قائم رہے اور اس کے علاوہ اس کو مزید مال حاصل ہو جائے انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے حیات، صحت اور قوت بدن اور عقل عطا کی ان سے کام لے کر وہ جنت اور اخروی نعمتوں کو حاصل کر لیں تو ان کو اس تجارت میں فائدہ ہے اور اگر ان کی صحت اور قوت بدن بھی زائل ہو جائے اور آخرت میں ان کو عذاب دیا جائے تو یہ ان کی تجارت میں خسارہ ہے، گناہ نے اپنی حیات، صحت اور قوت کو دنیا میں خرچ کر کے آخرت کا عذاب مول لے لیا تو یہ ان کی تجارت میں صراحتاً خسارہ ہے۔

آیا قیامت کے دن سب گھنٹوں کے بل بیٹھے ہوں گے یا صرف کفار؟

الحاشیہ: ۲۸ میں فرمایا: "اور آپ دیکھیں گے کہ ہر جماعت اس دن گھنٹوں کے بل گری ہوئی ہوگی"۔ الایہ اس آیت میں "جالیہ" کا لفظ ہے بٹو کا معنی ہے: گھنٹوں کے بل بیٹھنا، جیسے مجرم حاکم کے سامنے گھنٹوں کے بل بیٹھتا

۲۷

ہے اس دن ہر امت جس میں مومن بھی ہوں گے اور کافر بھی قیامت کے دن کے ہولناک حالات اور خوف اور دہشت سے گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی اور اس بات کی منتظر ہوگی کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور اس کے حقیق کیا فیصلہ کیا جائے گا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خوف اور دہشت سے گھٹنوں کے بل بیٹھنا تو صرف کفار کے لائق ہے کیونکہ مومنین کو قیامت کے دن کوئی خوف نہیں ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن پہلے مرحلہ میں خوف اور دہشت میں مومنین بھی کفار کے ساتھ شامل ہوں گے جب اللہ تعالیٰ نے جلال آواز میں فرمائے گا: "لَمَنَ الْفُلُكُ الْيَوْمَ" (المومن ۱۶) آج کس کی حکومت ہے؟ تو کسی کو مارے دہشت کے یا رائے جواب نہیں ہوگا تو خود ہی فرمائے گا: "يَوْمَ الْوَاكِدِ الْعُقَدُ" (المومن ۱۶) اللہ ہی کے لیے جو واحد قہار ہے۔ ایسے وقت میں سب خوف اور دہشت سے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے پھر دوسرے مرحلہ میں جب شفاعت کبریٰ ہوگی اور مجرموں کو مومنوں سے الگ کر دیا جائے گا اس وقت مومن مطمئن ہوں گے اور کافر بدستور خوف اور دہشت میں مبتلا ہوں گے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وَجُودُ يُؤْمِنُ مَسِيرًا ۝ مَا يَكُنْهُ مَسِيرًا ۝

وَوَجُودُ يُؤْمِنُ عَلَيْهَا غَيْرًا ۝ تَرَاهُهَا قَاتِرًا ۝ اُولَٰئِكَ

هُمْ الْكُفْرُ ۝ اَلْاَلْجَزَاءُ ۝ (الحص ۳۲-۳۸)

اس دن بہت چہرے روشن ہوں گے جو چہتے ہوئے خوش و غرم ہوں گے اور بہت چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ان پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی وہی لوگ کافر بدکار ہوں گے

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کے دن دس سال تک لوگ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پکار کر کہیں گے: اے میرے رب! میں اپنے نفس کے سوا تجھ سے کوئی سوال نہیں کرتا۔ (معاہم انوار ج ۳ ص ۱۸۸) کعب احبار نے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: قیامت کے روز دوزخ چنگھاڑ رہی ہوگی اور اس وقت ہر مغرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزخو بیٹھا ہوگا حتیٰ کہ خلیل الرحمن علیہ السلام یہ کہیں گے: اے میرے رب! آج میں تجھ سے اپنے نفس کے سوا اور کسی چیز کا سوال نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کہیں گے کہ آج کے دن میں اپنے نفس کے سوا تجھ سے کسی اور چیز کا سوال نہیں کرتا۔ میں تجھ سے اپنی ماں مریم کے متعلق بھی سوال نہیں کرتا۔

(تیسرا باب کثیر ج ۳ ص ۲۲۵ درج ایمان ج ۸ ص ۳۶)

امام سعید بن منصور امام احمد اور امام بیہقی نے عبد اللہ بن بابواہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گويا میں دوزخ کے قریب جہنم ٹیلوں پر دیکھ رہا ہوں پھر سفیان نے اس آیت کو پڑھا: "وَقَوْلِي لَنُفَعِّلَنَّكَ" (الجاہلیہ ۳۸) اللہ انور ج ۱ ص ۳۷ امام ابن مردودہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے الجاہلیہ ۳۸ کی تفسیر میں روایت کیا: ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ہوگی حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹیلہ پر آئیں گے اور آپ تمام مخلوق سے بلند ہوں گے پس یہی مقام محمود ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۷)

جاہلیہ کی تاویلات

امام جی بن محمد انصاری التتوی ۳۵۰ھ نے الجاہلیہ کی حسب ذیل تاویلات لکھی ہیں:

- (۱) مجاہد نے کہا اس کا معنی ہے: مستوفی (اس طرح بیٹھی ہوئی کہ جلدی اٹھ سکے) سفیان نے کہا کہ مستوفی اس شخص کو کہتے ہیں جس کے زمین پر صرف گھٹنے اور انگلیوں کی پاریں لگی ہوئی ہوں۔
- (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: مجتہد۔

(۳) مروج نے کہا: اس کا معنی ہے: خشوع و خضوع کرنے والی جماعت۔

(۴) حسن نے کہا: اس کا معنی ہے: زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوئی۔

پھر یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ صرف کفار کے متعلق ہے، یعنی صرف وہی گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے، دوسروں نے کہا کہ یہ تمام مومنوں اور کافروں کے متعلق ہے، وہ سب حساب کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

(المعجم والایمان ج ۵ ص ۲۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت)

لوگوں کو ان کے صحائف اعمال کی طرف بلانا

اس کے بعد فرمایا: ”ہر جماعت کو اس کے صحیفہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔“

اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ہر امت کو اس کے حساب کے لیے بلایا جائے گا۔

(۲) کبھی نے کہا: ہر امت کے صحیفہ اعمال میں اس کے جو اعمال لکھے ہوئے ہیں، خواہ خیر ہوں یا شر ہوں اس امت کو ان کے لکھے ہوئے صحائف کی طرف بلایا جائے گا۔

(۳) جاحظ نے کہا: ہر امت کو اس کتاب کی طرف بلایا جائے گا جو اس کے رسول کے اوپر نازل کی گئی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ”آج تمہیں ان کا سون کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔“

ان سے کہا جائے گا: جس کا عمل ایمان ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی جزاء دے گا اور جس کا عمل کفر اور شرک ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی جزاء دے گا جیسا کہ حسب ذیل احادیث میں ہے:

مومنوں اور کافروں کی جزاء کے متعلق احادیث

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو ایمان اور شرک اپنے رب کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں گے اللہ تعالیٰ ایمان سے فرمائے گا: جاؤ تم اور تمہارے اہل جنت میں چلے جاؤ۔ (مجمع الجامع رقم الحدیث: ۲۳۷۷۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۹۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نیکیاں کرنے والوں کو ایک جگہ جمع فرمائے گا اور ان سے ارشاد فرمائے گا: یہ تمہاری نیکیاں ہیں ان کو میں نے قبول فرمایا، سو ان کو لے لو وہ کہیں گے: اے ہمارے معبود! ہم ان نیکیوں کا کیا کریں گے تو ہی ان نیکیوں کو لینے کا مستحق ہے، سو تو ہی لے لے اللہ عزوجل فرمائے گا: میں ان نیکیوں کا کیا کروں گا میں تمام نیکیوں سے بڑھ کر نیک ہوں، تم ان نیکیوں کو گنہ کاروں میں تقسیم کر دو پھر وہ شخص اپنے ایک دوست سے ملے گا جس کے گناہ پہاڑوں کی طرح ہوں گے، وہ اپنی نیکیوں میں سے کچھ نیکیاں اس کو دے گا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (مجمع المسنن ج ۵ ص ۳۶۸ (حدیث) مجمع الجامع رقم الحدیث: ۲۳۷۷۸)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک جگہ جمع فرمائے گا، پھر ہر امت کے سامنے اس کے اس معبود کو بلایا جائے گا جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتا تھا، پھر ان سب کو دوزخ میں داخل کر دے گا اور موحدین باقی رہ جائیں گے، ان سے کہا جائے گا: تم کس کے انتظار میں ہو؟ وہ کہیں گے: ہم اپنے رب کے منتظر ہیں جس کی ہم بن دیکھے عبادت کرتے تھے، ان سے کہا جائے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر ہمارا رب چاہے گا تو ہمیں اپنی پہچان کرا دے گا، پھر اللہ تعالیٰ ان پر نازل فرمائے گا تو وہ سب سجدہ میں گر جائیں گے، پھر ان

سے کہا جائے گا: اے اعلیٰ توحید! اپنے سروں کو اٹھاؤ! ہے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت کو واجب کر دیا ہے۔ ہر شخص کے بدلہ میں ایک یہودی یا نصرانی کو دوزخ میں داخل کر دیا ہے۔

(تاریخ استہدائے اصحاب ۲۵۱: ۲۵۱، تاریخ الامم و الملوک ۳۱۳: ۳۱۳، تاریخ الامم و الملوک ۳۱۳: ۳۱۳، تاریخ الامم و الملوک ۳۱۳: ۳۱۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم میدانِ محشر میں تمام اہل حق سے ملے، ہم ان کے ساتھ چلے گئے اور فرمودہ ہوا کہ تم کس کو دیکھ رہے ہو؟ لوگ کہیں گے: ہم اپنے رب کو دیکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں لوگ کہیں گے: ہم آپ کو دیکھیں گے اللہ اپنی شان کے مطابق ہنستا ہوا چلے گا پھر اللہ ان کو لے جائے گا اور لوگ اس کے پیچھے جائیں گے اور ہر شخص کو ایک نور ملے گا وہ نور منافق ہو یا مومن اور لوگ اس نور کے پیچھے چلیں گے اور جہنم کے پل کے اوپر کانٹے دار آٹکڑے ہوں گے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ آٹکڑے پکڑ لیں گے پھر منافقین کا نور بجھ جائے گا اور مومنین نجات پا جائیں گے۔ نجات پانے والے مسلمانوں میں سے جو پہلا گروہ ہوگا ان کے چہرے چودھویں کی رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے یہ گروہ ستر ہزار افراد پر مشتمل ہوگا اور یہی وہ لوگ ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے پھر وہ لوگ جو ان کے بعد جائیں گے ان کے چہرے سب سے روشن ستارے کی طرح ہوں گے اس کے بعد شفاعت شروع ہوگی اور صلوات شفاعت کریں گے حتیٰ کہ جن لوگوں نے کلمہ طیبہ پڑھا ہوگا اور ایک سو کے برابر بھی کوئی نیک ہوگی ان کو دوزخ سے نکال کر جنت کے سامنے وال دیا جائے گا پھر جنت والے ان پر پانی کے چھینٹے ڈالیں گے جس سے وہ اس طرح تر و تازہ ہو جائیں گے جیسے سیلاب کے پانی کی مٹی میں سے دانہ برا بھرا نکل آتا ہے ان سے جلن کے آثار جاتے رہیں گے پھر ان سے ان کی خواہش پوری کی جائے گی اور ان کو دنیا اور اس سے دس گناہ زادہ علاقہ جنت میں دے دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۶۱۱، تاریخ الامم و الملوک ۳۱۳: ۳۱۳)

اللہ کے لکھنے اور فرشتوں کے لکھنے میں تعارض کا جواب

الحاجہ ۲۹ میں فرمایا: "یہ ہمارا لکھا ہوا ہے جو تمہارے حقیقی حق بیان کر رہا ہے" تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم اس کو لکھتے رہے تھے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کو لکھنے کا اپنی طرف اشارہ فرمایا کہ ہم اس کو لکھتے رہے تھے اور ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا اشارہ فرشتوں کی طرف فرمایا ہے:

يَوْمَ يُورِثُ الصَّالِحِينَ ﴿٨٠﴾ (الزمر: ۸۰)
وَلَا يَعْزُبُ عَنْهُمْ نِعْمًا وَلَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّهِمْ ﴿٨١﴾ (الزمر: ۸۱)
مَا تَكْفُرُونَ ﴿٨٢﴾ (الانعام: ۱۲۰-۱۲۱)

یہ ظاہر ان آیتوں میں تعارض ہے لیکن چونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھتے ہیں اس لیے ان کا لکھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا لکھنا ہے۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے: ہمارا لکھا ہوا صحیفہ اعمال تمہارے خلاف شہادت دے رہا ہے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ برحق ہے اس میں کوئی چیز زیادہ یا کم نہیں ہے تم دنیا میں جو بھی عمل کرتے تھے خواہ وہ نیک ہوں یا بد گناہ مصیروں ہوں یا کبیرہ فرشتے ہمارے حکم سے اس کو لکھ لیتے تھے۔

کے سامنے ہزر پیش کریں گے ایک وہ آدمی جو زمانہ فترت میں فوت ہو گیا دوسرا وہ آدمی جس نے سخت بڑھاپے میں اسلام کو پایا تیسرا وہ آدمی جو بہر اور گونا گونا گونہ عقائد وہ آدمی جو ہے اصل ہو اللہ ان کی طرف ایک رسول کو بھیجے گا اور ان سے فرمائے گا: اس رسول کی اطاعت کرو پھر وہ رسول ان کے پاس آئے گا پھر آگ بھڑکائی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ سو جو اس آگ میں داخل ہو جائیں گے ان پر وہ آگ شعلہ اور سلاخی بن جائے گی اور جو اس میں داخل نہیں ہو گا اس پر عذاب ثابت ہو جائے گا۔ (بخاری میں برائو راجع ص ۹۷ رقم الحدیث: ۱۵۲۳)

اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آخرت دارا تکلیف نہیں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خواہش کرنے والوں کی خواہشوں کو معاف کر دے گا اور لوگوں کا حساب ان کے اعمال کے اعتبار سے لیا جائے گا۔

(بخاری میں برائو راجع ص ۱۵۲۳ رقم الحدیث: ۹۸۰۰)

زندہ دہریہ یہ کہتے ہیں جو نہ آخرت پر ایمان لاتا ہے اور نہ خالق پر وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ وہ کسی چیز کے حرام ہونے کو مانتا ہے۔

اصول میں یہ مقرر ہے کہ جس شخص تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ محض اپنی محض کی وجہ سے مکلف نہیں ہے نہ اس کو محض کسی پہاڑ کے غار میں پالنے والا ہو اور اس نے اتنی عمر نہ پائی ہو کہ وہ غور و فکر کر کے اپنے خالق کی معرفت حاصل کر سکے اور نور امر گیا ہو تو وہ ایمان لانے کا مکلف نہیں ہے اور اس کو معذور قرار دیا جائے گا کیونکہ کسی شخص کا زندگی کی صحت پانا اور اتنا زمانہ پالینا کہ وہ غور و فکر کر کے خالق کی معرفت حاصل کر سکے اس کے حق میں رسول کی تبلیغ کے قائم مقام ہے اور جب اس نے اپنی زندگی میں اتنی صحت پائی اور غور و فکر نہیں کیا تو پھر وہ معذور نہیں ہے۔

قیامت کے متعلق کفار کے دو گروہ

الحاجۃ: ۳۱ میں فرمایا: ”اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے؟ ہم محض گمان کرتے تھے اور ہم یقین کرنے والے نہ تھے“

اس آیت میں بتایا ہے کہ ان کافروں کا یہ گمان تھا کہ قیامت آئے گی اور ان کو یقین نہیں تھا کہ گویا ان کو قیامت کے وقوع میں شک تھا جب کہ قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کے منکر تھے مثلاً یہ آیت ہے:

وَقَالُوا لَنُكَفِّرَنَّ عَنْكَ سَيِّئَاتِكَ وَلَنَجْزِيَنَّكَ الْجَنَّةَ (الحاجۃ: ۲۳)

اور انہوں نے کہا: ہماری زندگی تو صرف بھلائی دنیا کی زندگی ہے۔

ان آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے متعلق کفار کے دو گروہ تھے ایک گروہ قیامت کا بالکل منکر تھا اور دوسرے گروہ کو قیامت کے وقوع میں شک تھا۔ اس آیت میں ”ظن“ کا لفظ ہے ”ظن“ اس راجح اعتقاد کو کہتے ہیں جس میں اس اعتقاد کی کئی کئی اہمال ہو اور وہ عرف میں یقین اور شک دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یقین اس اعتقاد کا جزم کو کہتے ہیں جس کی کئی کئی اہمال نہ ہو اور یہ اعتقاد دلیل میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہوا ہو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم کو یقین نہیں کہتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے تمام کاموں کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہ ان کا احاطہ کر لے گا اور (ان سے) کہا جائے گا: آج تم جہنم میں اس طرح فرماؤ گے کہ جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا قصداں دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو

خداق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے جنہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، اب آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی رضا جوئی طلب کی جائے گی O پس اللہ ہی کے لیے تمام قرطیں ہیں جو تمام آسمانوں کا رب ہے اور تمام زمینوں کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے O اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے اور وہی بہت غالب ہے حد حکمت والا ہے O (الحاشیہ: ۳۲-۳۳)

نہرے کاموں کی آخرت میں بُری اور ڈراؤنی صورتیں

کفار مکہ دنیا میں جن کاموں کو اچھا سمجھ کر کرتے تھے، قیامت کے دن ان پر منکشف ہوگا کہ وہ کام نہرے تھے اور ان کے کیے ہوئے کام بہت ڈراؤنی اور خراب صورتوں میں ظاہر ہوں گے، ان کے کیے ہوئے کاموں سے مراد شرک اور کفر ہے اور وہ ممکنہ ہیں جن کی طرف ان کی طبیعت اور ان کا نفس مائل ہوتا تھا اور جن کاموں کی ان کو خواہش ہوتی تھی اور ان کاموں میں ان کو لذت محسوس ہوتی تھی، وہ ان کاموں کو بہت اچھا سمجھتے تھے اور قیامت کے دن ان پر منکشف ہوگا کہ وہ بہت بُرے کام تھے، مفسرین نے لکھا ہے کہ حرام کام خنزیر کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور حرام چوہے کی شکل میں ظاہر ہوگی اور شہوت گدھے کی صورت میں اور غضب بھیڑیے کی صورت میں اور تکبر پتے کی صورت میں، نکل کتنے کی صورت میں اور کینڈا ونٹ کی صورت میں، اذیت سانپ اور بچھو کی صورت میں، لواطت باغی کی صورت میں، سازش لومڑی کی صورت میں، فوج گیلدر کی صورت میں، ریا کاری کوسے کی صورت میں اور کھیل کود ان کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور یہ لوگ جو قیامت میں شکرت کرتے تھے اور اس کا خداق اڑاتے تھے اس کی سزائیں ان کو جو عذاب دیا جائے گا وہ ان کا معاملہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کے بھلا دینے کی توجیہ

الحاشیہ: ۳۳ میں فرمایا: "اور (ان سے) کہا جائے گا: آج جنہیں اس طرح فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تمہارا لھکاؤ دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے O" اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو فراموش کرنے کی نسبت ہے اس کا معنی ہے: ہم تم کو دوزخ کے عذاب میں چھوڑ دیں گے اور تم کو بھولا بسر بنا دیں گے، جس طرح تم نے دنیا میں اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور تم نے اس کی کوئی تیاری نہیں کی تھی، تم اللہ پر اور اس کی توحید پر ایمان نہیں لائے، انہوں نے دنیا کی بھٹی میں نسیان کا جج بویا تھا اور آخرت میں اس کا پھل بھی نسیان کی صورت میں پالیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فراموش کر دیا، ان کو دوزخ کے عذاب میں ڈال دیا، پھر ان کی فریاد اور چیخ و پکار کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور جس طرح مومنوں کا لھکاؤ جنت بنایا ہے تمہارا لھکاؤ دوزخ کو بنا دیا۔

آخرت سے ڈرانا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ستیج کرنا

الحاشیہ: ۳۵ میں فرمایا: "یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آجوں کو خداق بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے جنہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، اب آج وہ اس دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے اللہ کی رضا جوئی طلب کی جائے گی O" تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ جو کچھ ہے بس نیکی دنیا کی زندگی ہے اور اس دنیا میں تم جو کچھ کرتے رہو گے اس پر تم سے کبھی جواب ملے گی نہیں ہوگی اور کبھی تم سے مواخذہ نہیں ہوگا، اسی لیے تم اللہ سبحانہ کی آیات کا خداق اڑاتے تھے، اب اس جرم کی پاداش میں اب تم کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور پھر دوزخ سے نکالا نہیں جائے گا۔

الحاشیہ: ۳۶-۳۷ میں فرمایا: "پس اللہ ہی کے لیے تمام قرطیں ہیں جو تمام آسمانوں کا رب ہے اور تمام زمینوں کا رب ہے اور تمام جہانوں کا رب ہے O اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے اور وہی بہت غالب ہے حد حکمت والا ہے O"

اللہ جلالتہ ہر چیز کا رب ہے تمام اجسام کا تمام ذوات کا اور تمام صفات کا اس لیے اس کے سوا کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے پس تم سب اللہ کی حمد کرو کیونکہ اس کا تمام چیزوں کا رب ہونا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام چیزیں اس کی حمد کریں۔

اور فرمایا: "اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں بڑائی ہے" یعنی اس کے لیے عظمت اور قدرت ہے اور اسی کا ہر چیز پر غلبہ ہے اور اس کی عظمت کے آثار ہر چیز میں ظاہر ہو رہے ہیں اور اس کا قلب اس کا نبات کی ہر چیز میں ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ ہر چیز اس کی اطاعت کر رہی ہے اور اس کے بتائے ہوئے نظام کے تحت کام کر رہی ہے سورج اور چاند اور ستاروں کا طلوع اور غروب دن اور رات کا لگاتار ایک دوسرے کے بعد آنا کھیتوں اور باغات میں رسیدگی کا نظام انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور ان کی نشوونما کا ایک منضبط اور مقرر اصول یہ سب زبان حال سے بتا رہے ہیں کہ ہر چیز اس کی اطاعت کرتی ہے اور ہر چیز میں اس کے حسن اور کمال کا ظہور ہے یہ سب چیزیں غیر اختیاری طور سے اللہ جلالتہ کی حمد کر رہی ہیں اور اس کی تسبیح پڑھ رہی ہیں اور اس کی اطاعت کر رہی ہیں سو تم اپنے ارادہ اور اختیار سے اس کی حمد کرو اس کی تسبیح پڑھو اور اس کی اطاعت کرو۔ سبحان اللہ بحمدہ و سبحان اللہ العظیم والحمد للہ رب العالمین۔

سورۃ الجاثیہ کا اختتام

الحمد للہ رب العالمین! آج مورخہ یکم مفر ۱۴۳۵ھ ۲۳ مارچ ۲۰۱۴ء پر روز منگل سورۃ الجاثیہ کی تفسیر مکمل ہو گئی ۲۲ محرم ۱۴۳۵ھ ۱۳ مارچ ۲۰۱۴ء کو اس سورۃ کی تفسیر شروع کی تھی اس طرح نو دنوں میں اس سورۃ کی تفسیر مکمل ہو گئی اسی طرح آج قیام القرآن کی دسویں جلد بھی مکمل ہو گئی۔ دسویں جلد کی ابتداء ۱۵ مئی ۲۰۱۴ء کو ہوئی تھی اور اس کا اختتام ۲۳ مارچ ۲۰۱۴ء کو ہوا ہے اس طرح الحمد للہ رب العالمین ۱۰ ماہ ۹ دن میں قیام القرآن کی دسویں جلد مکمل ہو گئی۔

اس سال کے دوران مجھ پر متعدد حوادث اور نوازل آتے رہے اور سب سے بڑا حادثہ یہ تھا کہ اس سال سات اگست ۲۰۱۳ء ۸ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ کو میری والدہ محترمہ رحمہا اللہ کی وفات ہو گئی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کی قبر کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنادے میری جملہ تحفیات اور تمام دینی خدمات کا ثواب اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائے۔ قارئین سے میری درخواست ہے کہ وہ ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا اجر و ثواب میری والدہ محترمہ کو پہنچا دیں ان ہی کی پرورش، تعلیم و تربیت اور دینی اور تعلیمی خدمات کی مسلسل تخلیق کی وجہ سے میں ان دینی خدمات کے قائل ہوا۔

اس سال کمر کے درد کی تکلیف بھی مجھے زیادہ رہی اس وجہ سے اس کام میں قسط آتا رہا تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی عنایت سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر التفات سے تقریباً گیارہ ماہ میں یہ جلد مکمل ہو گئی۔

اللہ العظیم! میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما اس کو قیامت تک فیض آفرین رکھ میری میرے والدین میرے اساتذہ میرے شاگرد میرے احباب اس کتاب کے پبلشر سید اعجاز احمد زیدی کی مساعی مشکور فرما اور میرے قارئین اور مبعج مسلمین کی مغفرت فرما اور ہم سب کو صحت و عافیت کے ساتھ تاحیات ایمان اور اسلام پر قائم رکھ فالج اور ایسی دوسری بیماریوں اور ازل عمر سے اپنی امان میں رکھ۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین
فائدہ المرسلین شفیح المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وذریائہ وازواجه واولیاء امته
وعلماء ملته وجميع امته اجمعین۔

مآخذ و مراجع

کتاب البیہ

قرآن مجید

تورات

انجیل

کتاب احادیث

- ۳- امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ مسند امام اعظم مطبوعہ محمد سعید اندلسی کراچی
- ۵- امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ موطا امام مالک مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ
- ۶- امام عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ کتاب الترید مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۷- امام ابو یوسف یحییٰ بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ کتاب الآثار مطبوعہ مکتبہ اثریہ ساکنہ دہلی
- ۸- امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ موطا امام محمد مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۹- امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کتاب الآثار مطبوعہ دار القرآن کراچی ۱۴۰۷ھ
- ۱۰- امام دہلوی بن جراح متوفی ۱۹۷ھ کتاب الترید مکتبۃ الدار مدینہ منورہ ۱۴۰۳ھ
- ۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طبری متوفی ۲۰۳ھ مسند طبرستانی مطبوعہ دار القرآن کراچی ۱۳۹۱ھ
- ۱۲- امام محمد بن ادريس شافعی متوفی ۲۰۳ھ المسند مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۰ھ
- ۱۳- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۰۳ھ
- ۱۴- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ المصنف مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۱ھ
- ۱۵- امام عبداللہ بن اثیر حیدری متوفی ۲۱۹ھ المسند مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۶- امام سعید بن منصور غسانی متوفی ۲۲۷ھ سنن سعید بن منصور مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۷- امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ المصنف مطبوعہ دار القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۶۶ھ
- ۱۸- امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ مسند ابن ابی شیبہ مطبوعہ دار الوطن بیروت ۱۴۱۸ھ
- ۱۹- امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ المسند مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ دار اللمعہ قاہرہ ۱۴۱۶ھ عالم الکتب بیروت ۱۴۱۹ھ
- ۲۰- امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کتاب الترید مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ

- ۲۱- امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن داری متوفی ۲۵۵ھ 'سنن داری' مطبوعہ دارالکتب العربی ۱۳۹۷ھ دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۲۰ھ
- ۲۲- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 'صحیح بخاری' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۲ھ دارالرقم بیروت
- ۲۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 'عقل افعال العباد' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۱۱ھ
- ۲۴- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ 'ادب المفرد' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۲۵- امام ابو یوسف بن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ 'صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۷ھ
- ۲۶- امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ 'سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۱۵ھ دارالکتب بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۲۷- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث جستانی متوفی ۲۷۵ھ 'سنن ابو داؤد' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۲۸- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث جستانی متوفی ۲۷۵ھ 'مسائل ابو داؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۲۹- امام ابویوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'سنن ترمذی' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۱۳ھ دارالکتب بیروت ۱۹۹۸ھ
- ۳۰- امام ابویوسف محمد بن یحییٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ 'فتاویٰ محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۵ھ
- ۳۱- امام علی بن محمد دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ 'سنن دارقطنی' مطبوعہ نشرات لسان دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۳۲- امام ابن ابی حاتم متوفی ۲۸۷ھ 'الاحادیث الثانی' مطبوعہ دارالریاض ۱۳۱۱ھ
- ۳۳- امام احمد مروان عبد اللہ بن یزید متوفی ۲۹۲ھ 'المختار من معارف المرفوع' بہ سند ابیہ اور 'مطبوعہ مؤسسۃ القرآن بیروت
- ۳۴- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن نسائی' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۳۵- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'عمل الیوم والملیلہ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الشافعیہ بیروت ۱۳۰۸ھ
- ۳۶- امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ 'سنن کبریٰ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۱ھ
- ۳۷- امام ابوبکر محمد بن یاروف الرویانی متوفی ۳۰۷ھ 'مسند الصحابہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۳۸- امام احمد بن علی الشیخی امکی 'التوفی ۳۰۷ھ' مسند ابی یحییٰ موسیٰ 'مطبوعہ دارالسامون التراث بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۳۹- امام عبد اللہ بن علی بن جارد دمشقی پاری متوفی ۳۰۷ھ 'المستظفی' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۴۰- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ 'صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ
- ۴۱- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان بالغندی متوفی ۳۱۲ھ 'مسند عمر بن عبد العزیز
- ۴۲- امام ابویونس یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۱۶ھ 'مسند ابی یونس' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ
- ۴۳- امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل ترمذی المتوفی ۳۲۰ھ 'تو اور الاصول' مطبوعہ دارالریان التراث القاہرہ ۱۳۰۸ھ
- ۴۴- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'شرح مشکل الآثار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۴۵- امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'تحفۃ الاخیار' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۰ھ
- ۴۶- امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ 'شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبعہ حجابی پاکستان لاہور ۱۳۰۳ھ
- ۴۷- امام ابو جعفر محمد بن عمرو البغلی متوفی ۳۲۲ھ 'کتاب الفقہ ما لکبیر' دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۴۸- امام محمد بن جعفر بن حسین خراسانی متوفی ۳۲۷ھ 'مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر ۱۳۱۱ھ
- ۴۹- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۳ھ 'الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۰۷ھ

- ۵۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین آجری متوفی ۳۶۰ھ المشیرۃ مطبوعہ مکتبہ دارالسلام ریاض ۱۴۱۳ھ
- ۵۱۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی التوفی ۳۶۰ھ معجم صغیر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۴۸۸ھ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
- ۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی التوفی ۳۶۰ھ معجم اوسط مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
- ۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی التوفی ۳۶۰ھ معجم کبیر مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی التوفی ۳۶۰ھ مسند الشافعی مطبوعہ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۴۰۹ھ
- ۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی التوفی ۳۶۰ھ کتاب الدعاء مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ
- ۵۶۔ امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن اسنی متوفی ۳۶۳ھ عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ مؤسسة الکتب الثقافیہ بیروت ۱۴۰۸ھ
- ۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی التوفی ۳۶۵ھ الکامل فی شفاء الرجال مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ
- ۵۸۔ امام ابو حنیفہ عمر بن احمد المعروف بابن شایبہ التوفی ۳۸۵ھ الناصح والسنوٰغ من المحدث مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ
- ۵۹۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ متوفی ۳۹۶ھ کتاب العظمت مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۶۰۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ المستدرک مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۱۸ھ المکتبہ انصاریہ بیروت ۱۴۲۰ھ
- ۶۱۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ صیہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
- ۶۲۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ صیہانی متوفی ۴۳۰ھ دلائل النبوة مطبوعہ دار الفناکس بیروت
- ۶۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ سنن کبریٰ مطبوعہ نشر السنن
- ۶۴۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ کتاب الاسماء والصفات مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ معرفۃ السنن والآثار مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ دلائل النبوة مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
- ۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ کتاب الآداب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۶ھ
- ۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ کتاب فضائل الاوقات مطبوعہ مکتبہ المنارہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ
- ۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ شعب الایمان مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۰ھ
- ۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ المقام مع الشعب الایمان مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۴۲۳ھ
- ۷۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بنعلی متوفی ۴۵۸ھ البعث والنشور مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
- ۷۲۔ امام ابو عمر یوسف بن عبد البر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ جامع بیان العلم وفضله مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۷۳۔ امام ابو شجاع شیریہ بن شہر دار بن شیریہ الدیمی التوفی ۵۰۹ھ القرودس بماثر الخطاب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۳۰۶ھ

- ۷۴- امام حسین بن سہروردی متوفی ۵۱۶ھ شرح السنہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۷۵- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۵۱ھ تاریخ دمشق الکبیر مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۱ھ
- ۷۶- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۵۱ھ تہذیب تاریخ دمشق مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۷۷- امام محمد الدین المبارک بن محمد البغیانی المعروف بابن الاثیر الجزیری متوفی ۶۰۶ھ جامع الاصول مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۷۸- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی متوفی ۶۲۳ھ الاحادیث الخیارہ مطبوعہ مکتبہ المہجۃ المدنیہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۰ھ
- ۷۹- امام زکی الدین بن عبد العظیم بن عبد القوی السیسی متوفی ۶۵۶ھ الترقیب والترغیب مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۳۰۷ھ دار ابن کثیر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۸۰- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ الاذکرۃ فی امور الآخرة مطبوعہ دار الفخاری مدینہ منورہ
- ۸۱- حافظ شرف الدین عبد المؤمن دیلمی متوفی ۷۰۵ھ المعقب بحر الاربع مطبوعہ دار خضر بیروت ۱۳۱۹ھ
- ۸۲- امام ولی الدین ترمیزی متوفی ۷۳۲ھ مشکوٰۃ مطبوعہ جامع المطابع دہلی دار الفکر بیروت
- ۸۳- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زہبی متوفی ۶۶۲ھ نصب الرایہ مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند ۱۳۵۷ھ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۶ھ
- ۸۴- حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۷ھ جامع المسانید واسنن دار الفکر بیروت ۱۳۲۰ھ
- ۸۵- امام محمد بن عبد اللہ ذرکشی متوفی ۷۹۳ھ الکافی المشورۃ کتب اسلامی بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۸۶- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الشیخی المتوفی ۸۰۷ھ مجمع الزوائد مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۱۳۰۲ھ
- ۸۷- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الشیخی المتوفی ۸۰۷ھ کشف الاستار مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳۰۳ھ
- ۸۸- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الشیخی المتوفی ۸۰۷ھ مواردا لفقہان مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۸۹- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الشیخی المتوفی ۸۰۷ھ تقریب البیہ قرطیب احادیث الخلیفہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۰ھ
- ۹۰- امام محمد بن محمد جزیری متوفی ۸۳۳ھ حصن حصین مطبوعہ معطقی البابا ویلادورہ مصر ۱۳۵۰ھ
- ۹۱- امام ابو العباس احمد بن ابوبکر یوسری شافعی متوفی ۸۳۰ھ زوائد النکاح مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۹۲- امام ابو العباس احمد بن ابوبکر یوسری شافعی متوفی ۸۳۰ھ احواف الخیرۃ المبرورۃ زوائد المسانید العشرہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۲ھ
- ۹۳- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان مارونی ترکمان متوفی ۸۳۵ھ الجواب الیقینی مطبوعہ نشر النملتان
- ۹۴- حافظ شمس الدین محمد بن احمد زہبی متوفی ۸۴۸ھ تہذیب المسند رک مطبوعہ مکتبہ دارالہدایہ مکہ مکرمہ
- ۹۵- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ الطالب العالی مطبوعہ مکتبہ دارالہدایہ مکہ مکرمہ
- ۹۶- امام عبد الرؤف بن علی السیسی المتوفی ۱۰۳۱ھ کنوز الخصال مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۹۷- حافظ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الجامع البیض مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار معطقی البابا مکہ مکرمہ ۱۳۲۰ھ

- ۹۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ مسند قاضی الزہراء
- ۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جامع الاحادیث الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۳ھ
- ۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الہدور السفر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۶ھ دار ابن حزم بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۱۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تجہ الجوامع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۲ھ
- ۱۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الخصائص الکبریٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۵ھ
- ۱۰۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدرر المنقوہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۰۴- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۷ھ کشف الخفاء مطبوعہ مطبع عامہ و خانہ معر ۱۳۰۳ھ دار الفکر بیروت ۱۳۰۸ھ
- ۱۰۵- علامہ علی نقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۷ھ کنز العمال مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
- ۱۰۶- علامہ احمد عبد الرحمن البیضا متوفی ۱۰۳۷ھ فتح الربانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب تفاسیر

- ۱۰۷- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ تفسیر ام القاسم مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ امین
- ۱۰۸- امام حسن بن عبداللہ البصری المتوفی ۱۱۰ھ تفسیر الحسن البصری مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ
- ۱۰۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ احکام القرآن مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت ۱۳۱۰ھ
- ۱۱۰- امام ابو ذر کربلاء بن زید و فرات متوفی ۲۰۷ھ معانی القرآن مطبوعہ بیروت
- ۱۱۱- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ تفسیر القرآن العزیز مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۱۲- شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی متوفی ۳۰۷ھ تفسیر قمی مطبوعہ دار الکتب ایران ۱۳۰۶ھ
- ۱۱۳- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۱ھ جامع البیان مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۰۹ھ دار الفکر بیروت
- ۱۱۴- امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الرجاج متوفی ۳۲۱ھ اعراب القرآن مطبوعہ مطبع سلمان قاری ایران ۱۳۰۲ھ
- ۱۱۵- امام عبدالرحمن بن محمد بن اورکس بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ تفسیر القرآن العزیز مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۶ھ
- ۱۱۶- امام ابو بکر احمد بن علی رازی بصاص خفی متوفی ۳۷۰ھ احکام القرآن مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ
- ۱۱۷- علامہ ابو الیث نصر بن محمد سرقدی متوفی ۳۷۵ھ تفسیر سرقدی مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۳ھ
- ۱۱۸- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ التمیاز فی تفسیر القرآن مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۱۹- امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم خلجی متوفی ۴۲۷ھ تفسیر اعظمی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۲۲ھ
- ۱۲۰- علامہ سبکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ مشکل اعراب القرآن مطبوعہ انتشارات نور ایران ۱۳۱۶ھ
- ۱۲۱- علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ الکتب والعلوم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۲۲- علامہ ابو القاسم عبدالکریم بن حمزہ بن قیس متوفی ۴۶۵ھ تفسیر القسیری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۰ھ

- ۱۲۳- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ الموسم مطبوعہ دارالکتب اعلیٰ بیروت ۱۳۶۵ھ
- ۱۲۴- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی التوسی ۳۶۸ھ اسباب نزول القرآن مطبوعہ دارالکتب اعلیٰ بیروت
- ۱۲۵- امام منصور بن محمد اسماعیلی الشافعی التوسی ۳۸۹ھ تفسیر القرآن مطبوعہ دارالوثن ریاض ۱۴۱۸ھ
- ۱۲۶- علامہ عمادالدین طبری الکلبی الہمدانی متوفی ۵۰۳ھ ادکام القرآن دارالکتب اعلیٰ بیروت ۱۴۲۳ھ
- ۱۲۷- امام ابو محمد الحسین بن مسعود القراء البغوی التوسی ۵۱۶ھ معالم المشرق مطبوعہ دارالکتب اعلیٰ بیروت ۱۴۴۳ھ دارالحیاء
اتریش العربی بیروت ۱۴۴۳ھ
- ۱۲۸- علامہ محمود بن عمر زنجری متوفی ۵۳۸ھ اکشاف مطبوعہ دارالحیاء اتریش العربی بیروت ۱۴۴۷ھ
- ۱۲۹- علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف باین العربی ناکی متوفی ۵۴۳ھ ادکام القرآن مطبوعہ دارالعرفہ بیروت
- ۱۳۰- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عبد اللہ بن متوفی ۵۴۶ھ الحجر الوجیز مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
- ۱۳۱- شیخ ابوالفضل بن حسن طبری متوفی ۵۴۸ھ مجمع البیان مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو دہلی ۱۳۲۰ھ
- ۱۳۲- علامہ ابوالخیر عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ زاد المسیر مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت
- ۱۳۳- خواجہ عبد اللہ انصاری من علماء اتریش السادس کشف الاسرار وعلوم الایمہ مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
- ۱۳۴- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ تفسیر کبیر مطبوعہ دارالحیاء اتریش العربی بیروت ۱۴۶۵ھ
- ۱۳۵- شیخ ابو محمد روز بہان بن ابوالناصر البغوی شیرازی متوفی ۶۰۶ھ مرآئ البیان فی تہائ القرآن مطبوعہ مکتبہ نو اسکور لکھنؤ
- ۱۳۶- علامہ محمد بن ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ تفسیر القرآن الکریم مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو دہلی ۱۹۷۸ھ
- ۱۳۷- علامہ ابوبکر عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ المباح ادکام القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۶۵ھ
- ۱۳۸- قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بن ضیاء شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ انوار المشرق مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۶۵ھ مصر
- ۱۳۹- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد علی متوفی ۷۱۰ھ مدارک المشرق مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت
- ۱۴۰- علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۴۷ھ کتاب التویل مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت
- ۱۴۱- علامہ نظام الدین حسین بن محمد بن متوفی ۷۴۸ھ تفسیر نیشاپوری مطبوعہ دارالکتب اعلیٰ بیروت ۱۴۶۲ھ
- ۱۴۲- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ متوفی ۷۴۸ھ تفسیر الکبیر مطبوعہ دارالکتب اعلیٰ بیروت ۱۴۰۹ھ
- ۱۴۳- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ مدارج التفسیر مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
- ۱۴۴- علامہ ابوالیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۳ھ البحر المحیط مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۴۳ھ
- ۱۴۵- علامہ ابوالعباس بن یوسف الحسینی الشافعی متوفی ۷۵۶ھ الدر المعون مطبوعہ دارالکتب اعلیٰ بیروت ۱۴۴۳ھ
- ۱۴۶- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۳ھ تفسیر القرآن مطبوعہ دار واندلس بیروت ۱۴۸۵ھ
- ۱۴۷- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن اکاذرونی الشافعی متوفی ۸۶۰ھ حاشیہ اکاذرونی علی البیضاوی مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۴۶۹ھ
- ۱۴۸- علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف شعبانی متوفی ۸۷۵ھ تفسیر شعبانی مطبوعہ مؤسسة الاعلیٰ للطبعات بیروت
- ۱۴۹- علامہ مصطفیٰ الدین مصطفیٰ بن ابی الیم رومی متوفی ۸۸۰ھ حاشیہ ابن الجوزی علی البیضاوی مطبوعہ دارالکتب اعلیٰ

ہیروت ۱۳۲۲ھ

- ۱۵۰- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقائی المتوفی ۸۸۵ھ نظم الدرر مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ قاہرہ ۱۳۱۳ھ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ہیروت ۱۳۱۵ھ
- ۱۵۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدر المختار مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران دار احیاء التراث العربی ہیروت ۱۳۲۱ھ
- ۱۵۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ جلالین مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ہیروت
- ۱۵۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کتاب البتول فی اسباب النزول مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ہیروت
- ۱۵۴- علامہ محمد بن محمد بن مصطفیٰ توجوی متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی العیاضی مطبوعہ مکتبہ یحییٰ علی دوج بندہ دارالکتب العلمیہ ہیروت ۱۳۱۸ھ
- ۱۵۵- شیخ الفیاض کاشانی متوفی ۹۷۷ھ منہج الصادقین مطبوعہ خیابان ناصر خسرو دہلی
- ۱۵۶- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ تفسیر ابوالسعود مطبوعہ دارالفکر ہیروت ۱۳۹۸ھ دارالکتب العلمیہ ہیروت ۱۳۱۹ھ
- ۱۵۷- علامہ احمد شہاب الدین خفائی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ مناہج القاضی مطبوعہ دارصادر ہیروت ۱۲۸۳ھ دارالکتب العلمیہ ہیروت ۱۳۱۷ھ
- ۱۵۸- علامہ احمد جیون جوئیہری متوفی ۱۱۳۰ھ التفسیرات الاحمدیہ مطبع کریمہ بمبئی
- ۱۵۹- علامہ اسماعیل حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ روح البیان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ دار احیاء التراث العربی ہیروت ۱۳۲۱ھ
- ۱۶۰- علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ حاشیہ القنوی علی العیاضی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ ہیروت ۱۳۲۲ھ
- ۱۶۱- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بامجل متوفی ۱۲۰۴ھ الفتوحات الالبیہ مطبوعہ مطبع المہدیہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۱۶۲- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ تفسیر صاوی مطبوعہ دار احیاء دارالکتب العربیہ مصر دارالفکر ہیروت ۱۳۲۱ھ
- ۱۶۳- قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ تفسیر مظہری مطبوعہ بلوچستان بک پرنٹنگ
- ۱۶۴- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ تفسیر عزیزی مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
- ۱۶۵- شیخ محمد بن علی شکانی متوفی ۱۲۵۰ھ فتح القدیر مطبوعہ دارالمعرفہ ہیروت دارالوقار ہیروت ۱۳۱۸ھ
- ۱۶۶- علامہ ابوالفضل سید محمود لوی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ہیروت دارالفکر ہیروت ۱۳۱۷ھ
- ۱۶۷- نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ فتح البیان مطبوعہ مطبع امیریہ کبیر بی بلاق مصر ۱۳۰۱ھ المکتبۃ العصریہ ہیروت ۱۳۱۲ھ دارالکتب العلمیہ ہیروت ۱۳۲۰ھ
- ۱۶۸- علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ تفسیر القاسمی مطبوعہ دارالفکر ہیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۶۹- علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۵۳ھ تفسیر المنار مطبوعہ دارالمعرفہ ہیروت
- ۱۷۰- علامہ حکیم شیخ غلطادی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۹ھ الجامع فی تفسیر القرآن المکتبۃ الاسلامیہ ریاض
- ۱۷۱- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ بیان القرآن مطبوعہ مکتبہ مفتی زاہر

- ۱۷۲- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ قرآن العرفان مطبوعہ تاج کتب خانہ لاہور
- ۱۷۳- شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ شیخ شہید احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ جامعۃ القرآن مطبوعہ تاج کتب خانہ لاہور
- ۱۷۴- علامہ محمد طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ تقریر و تالیف مطبوعہ تونس
- ۱۷۵- سید محمد قطب شہید متوفی ۱۳۸۵ھ فی ظلال القرآن مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۶ھ
- ۱۷۶- مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ نور انوار قرآن مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات
- ۱۷۷- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ معارف القرآن مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ
- ۱۷۸- سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ تفسیر القرآن مطبوعہ ادارۃ ترجمان القرآن لاہور
- ۱۷۹- علامہ سید احمد سعید کاشمی متوفی ۱۴۰۶ھ التبیان مطبوعہ کاشمی و بی کیشنر لکھنؤ
- ۱۸۰- علامہ محمد امین بن محمد عثمانی کاشمی شکیلی افسو ماہ البیان مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۸۱- استاد احمد مصطفیٰ الراغبی تفسیر الراغبی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۸۲- آیت اللہ مکارم شیرازی تفسیر نمونہ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ
- ۱۸۳- جنس بر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن مطبوعہ ضیاء القرآن و بی کیشنر لاہور
- ۱۸۴- شیخ امین احسن اصلاعی تدبیر قرآن مطبوعہ داران فاؤنڈیشن لاہور
- ۱۸۵- علامہ محمود صافی اعراب القرآن و صرفہ بیانہ مطبوعہ انتشارات ذرین ایمان
- ۱۸۶- استاد محی الدین درویش اعراب القرآن و بیانہ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
- ۱۸۷- ڈاکٹر وحید زحلی تفسیر منیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ
- ۱۸۸- سعیدی حوی الاساس فی التفسیر مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

- ۱۸۹- علامہ بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی متوفی ۷۴۷ھ البرہان فی علوم القرآن مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۹۰- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الاتقان فی علوم القرآن مطبوعہ مکتبہ اکیڈمی لاہور
- ۱۹۱- علامہ محمد عبدالعظیم زرکانی منال العرفان مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

- ۱۹۲- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبداللہ ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۳۹ھ شرح صحیح البخاری مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۴۲۰ھ
- ۱۹۳- حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۳۶۳ھ الاستیعاد مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ
- ۱۹۴- حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۳۶۳ھ تمہید مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۴۰۴ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
- ۱۹۵- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف ہاشمی مالکی اندلسی متوفی ۳۶۳ھ المغنی مطبوعہ مطبعۃ السعاده مصر ۱۳۳۳ھ

۱۹۶- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۹۷- قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ القوس فی شرح مواعظ ابن انس دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۳۶۹ھ

۱۹۸- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۳ھ اکمال المعلم فی اندلس مطبوعہ دار الوقایہ بیروت ۱۳۶۹ھ

۱۹۹- علامہ عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ کشف المشکل علی صحیح البخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۳۳ھ

۲۰۰- امام عبد العظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابوداؤد مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

۲۰۱- علامہ ابو عبد اللہ فضل اللہ الحسن النورثی متوفی ۶۶۱ھ کتاب السیر فی شرح مصابیح السنۃ مکتبہ زار مصطفیٰ ۱۳۲۲ھ

۲۰۲- علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ المعجم مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت ۱۳۷۷ھ

۲۰۳- علامہ یحییٰ بن شرف ثروی متوفی ۶۷۷ھ شرح مسلم مطبوعہ نور محمد راجح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

۲۰۴- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطحی متوفی ۷۳۳ھ شرح الطحی مطبوعہ ادارۃ القرآن ۱۳۱۳ھ

۲۰۵- علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ فتح الباری دار ابن الجوزی ریاض ۱۳۷۷ھ

۲۰۶- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ شتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ

۲۰۷- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور دار الفکر

بیروت ۱۳۳۰ھ

۲۰۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ مناجج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار دار ابن کثیر

بیروت

۲۰۹- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ عمدة القاری مطبوعہ ادارۃ المطابع المیریہ مصر ۱۳۳۸ھ دار الکتب

العلمیہ ۱۳۳۱ھ

۲۱۰- حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ شرح سنن ابوداؤد مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض ۱۳۳۰ھ

۲۱۱- علامہ محمد بن محمد موسیٰ مالکی متوفی ۸۹۵ھ کمل اکمال المعلم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ

۲۱۲- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ ارشاد الساری مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۶ھ

۲۱۳- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ التوضیح علی الجامع الصحیح مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۴۰ھ

۲۱۴- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدرجات علی صحیح مسلم بن حجاج مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۴ھ

۲۱۵- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ توہید الخواکب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ

۲۱۶- علامہ ابوبکر یحییٰ ذکریا بن محمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ تختہ الباری بشرح صحیح البخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۵ھ

۲۱۷- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ فیض القدر مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ مکتبہ زار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ

۱۳۱۸ھ

۲۱۸- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ شرح الشرائع مطبوعہ نور محمد راجح المطابع کراچی

۲۱۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ مجمع النواکب مطبوعہ نور محمد راجح المطابع کراچی

- ۲۲۰ - علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ شرح مسند ابی حنیفہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
- ۲۲۱ - علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ مناقات مطبوعہ مکتبہ امدادیہ لبنان ۱۳۹۰ھ مکتبہ خانہ پشاور
- ۲۲۲ - علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ الخرز العین مطبوعہ مطبعہ امیریکہ کٹرہ ۱۳۰۳ھ
- ۲۲۳ - علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ الاسرار المفوض مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
- ۲۲۴ - شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ بحوالہ المصنفات مطبوعہ مطبعہ بیچ کمار کنو
- ۲۲۵ - شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ تختہ انداکرین مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
- ۲۲۶ - شیخ عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ تختہ الاحوذی مطبوعہ نشرالثقافت دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ
- ۲۲۷ - شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ فیض الباری مطبوعہ مطبعہ تجزی مصر ۱۳۷۵ھ
- ۲۲۸ - شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ فتح الکلمہ مطبوعہ مکتبہ النجاشی کراچی
- ۲۲۹ - شیخ محمد اویس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۳ھ التعلیق الصغیر مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور
- ۲۳۰ - شیخ محمد بن زکریا بن محمد بن یحییٰ کاندھلوی اوچڑا ساکلی مولانا ملک مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۸ھ
- ۲۳۱ - مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اشٹال لاہور ۱۴۲۱ھ

کتاب اسماء الرجال

- ۲۳۲ - امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ تاریخ الکعبہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
- ۲۳۳ - امام ابو بکر احمد بن علی خلیفہ بغدادی متوفی ۳۶۳ھ تاریخ بغداد دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ
- ۲۳۴ - علامہ ابوالقرن عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ الملل المتناحیہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد ۱۴۰۱ھ
- ۲۳۵ - حافظ جمال الدین ابوالنجاہ یوسف مزی متوفی ۴۲۷ھ تہذیب الکمال مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
- ۲۳۶ - علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ
- ۲۳۷ - حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب الفہم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۳۸ - حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب الفہم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۳۹ - علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن انسجی متوفی ۹۰۲ھ المقاصد الحسنہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۴۰ - حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الملأی المصنوعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ
- ۲۴۱ - حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ طبقات الحفاظ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
- ۲۴۲ - علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ اشعۃ ردة فی الاحادیث المشترکہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ
- ۲۴۳ - علامہ محمد طاہر ثقفی متوفی ۹۸۶ھ تذکرۃ الموضوعات مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ
- ۲۴۴ - علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ موضوعات کبیرہ مطبوعہ مطبعہ کتبانی دہلی
- ۲۴۵ - علامہ اسماعیل بن محمد الجملی متوفی ۱۱۶۳ھ کشف الخفا وحمل الالباس مطبوعہ مکتبۃ الغفرانی دمشق
- ۲۴۶ - شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ الفوائد المجموعہ مطبوعہ زوار مصطفیٰ ریاض

- ۲۷۲- علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ الوقاء مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
- ۲۷۳- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکریم الطبرستانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ اسد الغابہ مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۷۴- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکریم الطبرستانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ الاکامل فی التاريخ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۷۵- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ وفيات الاعیان مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایمان
- ۲۷۶- علامہ علی بن عبدالکافی نقی الدین سبکی متوفی ۷۳۶ھ شفا المصابیح زیارة خیر الانام مطبوعہ کراچی
- ۲۷۷- حافظ شمس الدین محمد بن احمد زبیدی متوفی ۷۴۸ھ تاریخ الاسلام مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۳۱۹ھ
- ۲۷۸- حافظ شمس الدین محمد بن احمد زبیدی متوفی ۷۴۸ھ سیر اعلام النبلاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۷ھ
- ۲۷۹- شیخ ابوعبدالله محمد بن ابی بکر ابن التیم الجوزیہ المتوفی ۵۱۷ھ زاد المعاد مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۹ھ
- ۲۸۰- علامہ تاج الدین ابوالنصر عبدالوہاب سبکی متوفی ۷۷۷ھ طبقات الشیوخ الکبریٰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۰ھ
- ۲۸۱- حافظ عماد الدین اسماعیل بن محمد بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۷ھ المبدایہ والنہایہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۸ھ
- ۲۸۲- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ تاریخ ابن خلدون دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۹ھ
- ۲۸۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ الاصابہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۸۴- علامہ نور الدین علی بن احمد سمودی متوفی ۹۱۱ھ وقایع الوقاء مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۱ھ
- ۲۸۵- علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ المواہب اللدنیہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۶ھ
- ۲۸۶- علامہ محمد بن یوسف الصائغی الشافعی متوفی ۹۲۲ھ سبکی الیوم فی دار الشاہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۲۸۷- علامہ احمد بن محمد بن شافعی متوفی ۹۷۴ھ المصباح فی شرح مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ
- ۲۸۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ شرح الشفاء مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۱ھ
- ۲۸۹- شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ مدارج النبوت مکتبہ نوریہ رضویہ سکر
- ۲۹۰- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ نسیم الریاض مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۱ھ
- ۲۹۱- علامہ محمد عبدالقادر الباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۳ھ شرح المواہب اللدنیہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ
- ۲۹۲- علامہ سید احمد بن زبیدی وھلکانی متوفی ۱۳۰۴ھ اسیرۃ النبوة دار الفکر بیروت ۱۳۲۱ھ
- ۲۹۳- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ نشر الطبیب مطبوعہ تاج سبکی لپیڈ کراچی

کتاب فقہ حنفی

- ۲۹۴- علامہ احمد بن علی الجصاص الرازی متوفی ۳۷۰ھ مختصر اختلاف العلماء دار المعارف الاسلامیہ بیروت ۱۳۷۷ھ
- ۲۹۵- علامہ فہیم الدین بن ابی حنیفہ الولولہ الجلی متوفی ۵۴۰ھ التہذیب فی الولولہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۳ھ
- ۲۹۶- شمس الامام محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ المہموط مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۱ھ

۲۹۷- غفر اللہ محمد بن احمد رخصی متوفی ۵۸۳ھ شرح سیر کبیر مطبوعہ مکتبہ الشوریۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۳۰۵ھ

۲۹۸- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری متوفی ۵۳۲ھ خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ امجد اکڈمی لاہور ۱۳۹۷ھ

۲۹۹- علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ بدائع الصنائع مطبوعہ راجع-۱ ایم- سعید اینڈ کمپنی ۱۳۰۰ھ دارالکتب العلمیہ

بیروت ۱۳۸۸ھ

۳۰۰- علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ فتاویٰ قاضی خاں مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

۳۰۱- علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر رضائی متوفی ۵۹۳ھ بدایہ اوکین و آخرین مطبوعہ شرکت علیہ لبنان

۳۰۲- علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ لبنان مازہ البخاری متوفی ۶۶۶ھ انکب الہربانی مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۲۳ھ

۳۰۳- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۶۳۷ھ تحفہ التوحفاتی مطبوعہ راجع-۱ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۳۲۲ھ

۳۰۴- علامہ محمد بن محمود بارتی متوفی ۸۶۶ھ عنایہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ

۳۰۵- علامہ عالم بن الخلاء انصاری دہلوی متوفی ۸۶۶ھ فتاویٰ تاتار خانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۱۱ھ

۳۰۶- علامہ ابو بکر بن علی عدو متوفی ۸۰۰ھ الجوبہ السیرہ مطبوعہ مکتبہ اعدایہ لبنان

۳۰۷- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی متوفی ۸۶۷ھ فتاویٰ بزازیہ مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

۳۰۸- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ عنایہ مطبوعہ دارالکفر بیروت ۱۳۱۱ھ

۳۰۹- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ شرح العینی مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی

۳۱۰- علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۶ھ فتح القدیر مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ

۳۱۱- علامہ جمال الدین خوارزمی کتابہ مکتبہ نوربہ روضیہ کھمر

۳۱۲- علامہ یحییٰ بن المحرری المعروف بہ محمد طاسکین متوفی ۹۵۴ھ شرح الکفر مطبوعہ جمعیۃ العارف المصریہ مصر

۳۱۳- علامہ ابراہیم بن محمد علی متوفی ۹۵۶ھ قدسی استنبی مطبوعہ سبیل اکڈمی لاہور ۱۳۱۲ھ

۳۱۴- علامہ محمد خراسانی متوفی ۹۶۲ھ جامع الرموز مطبوعہ مطبعہ فنی ذوالکثور ۱۲۹۹ھ

۳۱۵- علامہ زین الدین بن نجم متوفی ۹۷۰ھ البحر الرائق مطبوعہ مطبعہ علیہ مصر ۱۳۱۱ھ

۳۱۶- علامہ ابوالحسن محمد بن محمد حمادی متوفی ۹۸۲ھ حاشیہ ابو سعید طاسکین مطبوعہ جمعیۃ العارف المصریہ مصر ۱۲۸۷ھ

۳۱۷- علامہ حامد بن علی قنوی روی متوفی ۹۸۵ھ فتاویٰ حامدیہ مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۰ھ

۳۱۸- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ التھر لافاتی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

۳۱۹- علامہ حسن بن حماد بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح مطبوعہ دار احیاء التراث العربی موسسۃ الدار العربی

بیروت ۱۳۲۱ھ

۳۲۰- علامہ عبدالرحمن بن محمد متوفی ۱۰۷۸ھ مجمع البحرین مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۹ھ

۳۲۱- علامہ خیر الدین رافعی متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خیریہ مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۰ھ

۳۲۲- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد صعلکی متوفی ۱۰۸۸ھ الدر المنثور مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳۲۳- علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ نغمہ معین فیما تہ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۷ھ

۳۲۴- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

- ۳۲۵- علامہ احمد بن محمد طحاوی متوفی ۱۲۳۱ھ حاشیہ الخطاوی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
- ۳۲۶- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ منہج التالیف مطبوعہ مطبعہ عالیہ مصر ۱۳۱۱ھ
- ۳۲۷- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تصحیح القضاوی الخالدیہ مطبوعہ دارالاشیاع العربیہ کوئٹہ
- ۳۲۸- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین مطبوعہ سبیل الایضی لاہور ۱۳۹۶ھ
- ۳۲۹- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت ۱۳۹۷ھ ۱۴۱۹ھ
- ۳۳۰- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ جد الکریم مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
- ۳۳۱- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
- ۳۳۲- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مکتبہ پیشکشگ مئنی کراچی
- ۳۳۳- علامہ سید علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت مطبوعہ مجمع فہم علی اند ستر کراچی
- ۳۳۴- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۳ھ اعلام السنن مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
- ۳۳۵- علامہ نور الدین نسیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ کھائن پرنٹر لاہور ۱۹۸۳ھ

کتاب فقہ شافعی

- ۳۳۶- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اعلام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
- ۳۳۷- علامہ ابوالحسن علی بن محمد حبیب اور دی شافعی متوفی ۲۵۰ھ الفتاویٰ الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
- ۳۳۸- علامہ ابوالسحاق شیرازی متوفی ۲۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۹۳ھ
- ۳۳۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
- ۳۴۰- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روشۃ الطالبین مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
- ۳۴۱- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الفتاویٰ المختارہ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
- ۳۴۲- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس ربیع متوفی ۱۰۰۳ھ تنبیہ الکائن مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
- ۳۴۳- علامہ ابوالفضلا علی بن علی شبراہلی متوفی ۱۰۰۸ھ حاشیہ ابوالفضلا علی تنبیہ الکائن مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

کتاب فقہ مالکی

- ۳۴۴- امام یحییٰ بن سعید بن یحییٰ مالکی متوفی ۲۵۶ھ المندوب الکبریٰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ بیروت
- ۳۴۵- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ بدایہ الحججہ مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۳۴۶- علامہ طہیل بن اسحاق مالکی متوفی ۶۷۷ھ مختصر طہیل مطبوعہ دار صادر بیروت
- ۳۴۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الخطاب مغربی المتوفی ۹۵۳ھ مواہب الجلیل مطبوعہ مکتبہ احیاء الکتب
- ۳۴۸- علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرش المتوفی ۱۱۰۱ھ الخرش علی مختصر طہیل مطبوعہ دار صادر بیروت

- ۳۴۹- علامہ ابوالبرکات احمد درویشی متوفی ۱۱۹۷ھ الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۳۵۰- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دوقی متوفی ۱۲۱۹ھ عائیۃ الدعوت علی الشرح الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

- ۳۵۱- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ المغنی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ
- ۳۵۲- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ الکافی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ
- ۳۵۳- شیخ ابوالعباس قحی الدین بن حمیہ متوفی ۷۲۸ھ مجموع الفتاویٰ مطبوعہ ریاض مطبوعہ دار النیل بیروت ۱۴۱۸ھ
- ۳۵۴- علامہ شمس الدین ابوالعباس محمد بن قحاح مقدسی متوفی ۷۶۳ھ کتاب القروع مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۳۵۵- علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مروادی متوفی ۸۸۵ھ الاخصاف مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۳۵۶- علامہ موسیٰ بن احمد صانکی متوفی ۹۶۰ھ کشاف القناع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

- ۳۵۷- شیخ ابوالانوار (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
- ۳۵۸- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ اصول من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۵۹- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ القروع من الکافی مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
- ۳۶۰- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس الاحتجاج مؤسسۃ الاعلیٰ للطبعات بیروت ۱۴۰۳ھ
- ۳۶۱- شیخ کمال الدین محمد بن علی بن مثنیٰ البحرانی المتوفی ۶۷۹ھ شرح شیخ ابوالانوار مطبوعہ مؤسسۃ النصار ایران
- ۳۶۲- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ کنز العرفان مطبوعہ کتب نوید اسلام قم ۱۴۲۲ھ
- ۳۶۳- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حقائق مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ۱۴۳۷ھ
- ۳۶۴- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ حیات القلوب مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران
- ۳۶۵- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ جلاہ العیون مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

- ۳۶۶- امام ابوالقاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ شافعی لا کالی متوفی ۴۶۸ھ شرح اصول اعتقادات اہل السنۃ والجماعۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
- ۳۶۷- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ المعتمد من اہلال مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ
- ۳۶۸- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمن بن محمد الانباری المتوفی ۷۵۷ھ الدراعی الی الاسلام مطبوعہ دار البیضاء الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۹ھ
- ۳۶۹- شیخ احمد بن عبدالحکیم بن حمیہ متوفی ۷۲۸ھ المقیدۃ الواسطیہ مطبوعہ دار الاسلام ریاض ۱۴۱۳ھ
- ۳۷۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر کتازی متوفی ۹۱۷ھ شرح عقائد نسفی مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۷۱- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تکزانی متوفی ۹۱۱ھ شرح القامد مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایمان

۳۷۲- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ شرح المواقی مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایمان

۳۷۳- علامہ کمال الدین بن حام متوفی ۸۶۱ھ مسائرہ مطبوعہ مطبعہ السعادة مصر

۳۷۴- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ مسائرہ مطبوعہ مطبعہ السعادة مصر

۳۷۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ شرح فقہا کبیر مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البانی داولادہ مصر ۱۳۷۵ھ

۳۷۶- علامہ محمد بن احمد السخاوی المتوفی ۱۱۸۸ھ الواعی الاوارا بحیہ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۱۱ھ

۳۷۷- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ کتاب الحلائل مطبوعہ تاجدار حرم پیشکش کتب کراچی

کتب اصول فقہ

۳۷۸- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ المحصول مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ البانی داولادہ مصر ۱۴۱۷ھ

۳۷۹- علامہ علاء الدین عبد الحزیز بن احمد البخاری المتوفی ۳۰۷ھ کشف الاسرار مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۴۱۱ھ

۳۸۰- علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تکزانی متوفی ۹۱۱ھ توضیح وکونج مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۸۱- علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الشیربانی حام متوفی ۸۶۱ھ التخریک مع آئینہ مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض

۳۸۲- علامہ محبت اللہ بہاری متوفی ۱۱۵۹ھ مسلم الثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۸۳- علامہ احمد جوہوری متوفی ۱۱۳۰ھ نور الانوار مطبوعہ راج - ایم - سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۸۴- علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ شرح مسلم الثبوت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۸۵- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن ابی التوفی ۳۸۶ھ قوت القلوب مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۰۲ھ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ

۳۸۶- شیخ ابو محمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی متوفی ۵۵۶ھ المحلی بالآثار مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ

۳۸۷- امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ احیاء علوم الدین مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ

۳۸۸- امام ابو الفرج عبد الرحمن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ ذم المونی مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۳۳ھ

۳۸۹- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھ کرہ مطبوعہ دار البخاریہ مدینہ منورہ ۱۴۱۷ھ

۳۹۰- شیخ تقی الدین احمد بن حمید حنبلی متوفی ۶۲۸ھ قاعدہ جلیلیہ مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر ۱۴۷۳ھ

۳۹۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد زہبی متوفی ۶۲۸ھ انکباز مطبوعہ دار الفکر العربی قاہرہ مصر

۳۹۲- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزی متوفی ۷۵۱ھ جلاء الما اہام مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۱۷ھ

۳۹۳- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزی متوفی ۷۵۱ھ کافہ المصنفان مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۳۰ھ

۳۹۴- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزی المتوفی ۷۵۱ھ زاد الوعاہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ

۳۹۵- علامہ عبد اللہ بن اسد شافعی متوفی ۶۸۷ھ روض الرباعین مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البانی داولادہ مصر ۱۳۷۷ھ

۳۹۶- علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ کتاب آثار غیثات مطبوعہ مطبعہ الخیر یہ مصر ۱۳۰۶ھ مکتبہ زار مصطفیٰ

الہ آباد کٹرہ ۱۳۱۸ھ

۳۹۷- حافظ جمال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ شرح الصدور مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۳ھ

۳۹۸- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ المحیر ان الکبریٰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ

۳۹۹- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ اللیواقیت والجمہر مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۸ھ

۴۰۰- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ الکبریٰ ص ۱۱۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ

۴۰۱- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ لؤلؤ الانوار القدریہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۸ھ

۴۰۲- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ كشف الغمہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۸ھ

۴۰۳- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ الطبقات الکبریٰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۸ھ

۴۰۴- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ المسکن الکبریٰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۰ھ

۴۰۵- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۳ھ القوادی الہدیہ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۱۹ھ

۴۰۶- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۳ھ اشرف الوسائل الی فہم اشمال مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۹ھ

۴۰۷- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۳ھ الصواعق المحرقة مطبوعہ مکتبہ القاہرہ ۱۳۸۵ھ

۴۰۸- علامہ احمد بن حجر مکی متوفی ۹۷۳ھ الترجیم مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ

۴۰۹- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۳ھ کتوبات امام ربانی مطبوعہ عینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۳۷۰ھ

۴۱۰- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ اتحاف سادۃ المتحکمین مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۱۱ھ

۴۱۱- شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ قانونی رشیدیہ کامل مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۴۱۲- علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الشیر نیکانی قلیفہ كشف القنون مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تبران ۱۳۷۸ھ

۴۱۳- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ المملووظ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور

۴۱۴- شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۳۸ھ ہدیۃ الہدی مطبوعہ میور پریس دہلی ۱۳۴۵ھ

۴۱۵- علامہ یوسف بن اسماعیل البہانی متوفی ۱۳۵۰ھ جہان رباعی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۷ھ

۴۱۶- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ بہشتی زیور مطبوعہ ناشران قرآن لکھنؤ لاہور

۴۱۷- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ حفظہ الایمان مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی

۴۱۸- علامہ عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی ندایا رسول اللہ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۳۰۵ھ



ونزلنا عليك الكتاب تبياناً لكل شيء
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے
جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

(مکمل بارہ ۱۲ جلد)

تصنیف

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی
دارالعلوم نعیمیہ کراچی

دسویں جلد

انشاء اللہ اگست 2005ء میں دستیاب ہوگی

تفسیر ابن عباس (مکمل ۲ جلد)
(ترجمہ و حواشی)

عنقریب زیر طبع سے آراستہ ہو رہی ہے
از ترجمانِ قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ترجمہ

مولانا شاہ محمد عبدالمتین قادری بدایونی
رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ قرآن

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
تسمیل

مولانا مفتی عزیز احمد قادری بدایونی رحمہ اللہ

المواہب الدنیہ

(مترجم ۳ جلد)

مع حواشی

شرح زرقانی

تصنیف

الشیخ احمد بن قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ

ترجمہ

مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی

(جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

فقہ حنفی کے عظیم مآخذ اور احادیث شریف کے
اہم ذخیرے کی شرح

بنام

شرح موطا امام محمدؒ

(مکمل ۳ جلد)

تصنیف

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ و شرح

محقق اسلام علامہ محمد علی رحمہ اللہ تعالیٰ

فون: 092-42-7312173

فکس: 092-42-7224899

ناشر: فریدی بکسٹال (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۳۸۔ اردو بازار لاہور

marfat.com

Marfat.com

عبداللہ

امین

حرف

ناری

مجاہد

صوفی

حجی

خالد

کالد

خالد

سحین

محب

شکر

فقد

سوال

قوی

حق

قانون

سوال

طبع

مبین

حوی

معلوم

اول

آخر

ظاہر

باطن

خالد

نئی

تیسر

کثیر

حکم

خالد

سبب

سراج

مبشر

مجز

قریب

مکرم

منیر

فکر

ظہر

قریب

خلیہ

مذکور

جواد

خالد

خالد

عالی

شہیر

شہید

سوال

شفیع

مؤثر

قصر

نعمانی

حافظ

قصر

کمال

لا اله الا الله محمد رسول الله